اضافہ شدہ ایڈیشن

تاریخ
المکۃ المکرمۃ

مکہ مکرمہ اور بیت اللہ شریف کی چار ہزار سالہ
مکمل مفصل اور مدلل تاریخ

کامل ۳ حصے

مؤلفہ
محمد عبد المعبود

مکتبہ رحمانیہ
اقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
فون: 042-7224228-7355743
فیکس: 042-7221395

Marfat.com

اضافہ شدہ ایڈیشن

تاریخ

المکۃ المکرمہ

مکہ مکرمہ اور بیت اللہ شریف کی چار ہزار سالہ

مکمل مفصل اور مدلل تاریخ

جلد اوّل

مؤلفہ

محمد عبد المعبود

مکتبہ رحمانیہ

اقرا سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار۔ لاہور

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب ــــ تاریخ المکۃ المکرمۃ

مؤلف ــــ محمد عبد المعبود

مطبع ــــ علی اعجاز پرنٹرز

ناشر ــــ مکتبہ رحمانیہ

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔

بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرما دیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لئے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔

(ادارہ)

Marfat.com

اِنتساب

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی رُوح
پُرفتوح کے نام جنہوں نے عرب کے ایک
وحشتناک صحرا میں رشد و ہدایت کی ایسی
شمع فروزاں فرمائی جس کی ضیا گستری
اور نور فشانی سے آج بھی مومنین کے قلوب
منور ہو رہے ہیں ؛

عبد المعبود

Marfat.com

تاریخ مکۃ المکرمہ (جلد اوّل)

آئینہ کتاب

شمار	عنوان	صفحہ	شمار	عنوان	صفحہ
۱	بسم اللہ	1	۱۸	مکہ سے مدینہ کا راستہ	44
۲	نام کتاب وغیرہ	2	۱۹	مکہ کو آنے والی چند شاہراہیں	48
۳	انتساب	3	۲۰	مکہ سے بعض مشہور شہروں کا	
۴	آئینہ کتاب	4		فاصلہ	49
۵	پیش گفتار	9	۲۱	فضائل مکہ	52
۶	نقشہ	14	۲۲	فضل مکہ (نظم)	65
۷	مکتوب شریف	16	۲۳	شہر خوباں کی آبادی	66
	باب اوّل		۲۴	پرشکوہ تجارتی جھلک	69
۸	مکۃ مشرفہ	17	۲۵	سیدہ ہاجرہ	72
۹	وجہ تسمیہ	19	۲۶	سیدنا اسماعیل	74
۱۰	اسماء مقدسہ	20	۲۷	خاندان ابراہیمی کا مکہ میں ورود	76
۱۱	ارض مکہ کی پیدائش	27	۲۸	دعائے ابراہیمی	78
۱۲	محل وقوع	29	۲۹	مہمان ذی شان	81
۱۳	حدود اربعہ	32	۳۰	جرہم کی آمد	85
۱۴	موسم	36	۳۱	ذبیح اللہ	88
۱۵	مردم شماری	37	۳۲	سیدنا اسماعیل کا عقد	95
۱۶	مکہ کے محلے	39	۳۳	عقد ثانی	97
۱۷	سڑکیں	42	۳۴	سیدنا اسماعیل علیہ السلام کا وصال	101

Marfat.com

	باب دوم	
۳۵	مکہ معظمہ یورپین مؤرخین کی نظر میں	105
۳۶	مغربی مؤرخین کا مبلغ علم	105
۳۷	یورپ علوم وفنون میں عربوں کا شاگرد ہے	108
۳۸	عربوں سے یورپ کا تعصب موروثی ہے	111
۳۹	مکہ کی قدامت پر تورات انجیل اور زبور کی شہادت	114
۴۰	یونانی اور مسیحی تاریخ میں مکہ اور بیت اللہ کا تذکرہ	124
۴۱	دیوتاؤں کا ذکر	128
۴۲	حج بیت اللہ کا ذکر	129
۴۳	جزیرۃ العرب کی تقسیم اور اولاد اسماعیل کے مساکن	133
۴۴	عالمی تجارتی منڈی میں مکہ کا مقام	141
	باب سوم	
۴۵	عہد ابراہیمی سے ظہور اسلام تک اور شہ کونین کے اجداد کا نسب نامہ	147
۴۶	عہد ابراہیمی میں مکہ معظمہ	149
۴۷	عہد اسماعیلی میں مکہ	150
۴۸	جرہم کے زمانہ میں مکہ	152
۴۹	خزاعہ کے زمانہ میں مکہ	156
۵۰	شاہ تبع کی مکہ میں آمد	158
۵۱	قریش کا درخشندہ دور اور شہ کونین کا نسب نامہ	160
۵۲	قریش کی اقسام	163
۵۳	قریش کے قبائل اور مساکن	164
۵۴	قصی بن کلاب	166
۵۵	قصی کے تابندہ کارنامے	170
۵۶	علامہ قطب الدین کا ہدیہ سپاس	174
۵۷	قصی کا زمانہ	176
۵۸	معاشی استحکام	176
۵۹	ہاشم	177
۶۰	عبدالمطلب	179
۶۱	واقعہ فیل	182
	باب چہارم	
۶۲	ظہور قدسی سے خالد بن عبدالعزیز تک	187
۶۳	ظہور قدسی	189
۶۴	سفر مدینہ	194
۶۵	ابوا اور مستورہ	195
۶۶	جنگ فجار	198

Marfat.com

۶۷	حلف الفضول	199
۶۸	شغل تجارت	200
۶۹	غار حرا میں عبادت	201
۷۰	تبلیغ کی ابتداء	202
۷۱	وصال سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا	203
۷۲	معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم	205
۷۳	ہجرت مدینہ	209
۷۴	ہجرت کے لئے روانگی	211
۷۵	صلح حدیبیہ سے فتح مکہ تک	216
۷۶	حضرت عثمان کی سفارت	219
۷۷	صلح حدیبیہ کے سیاسی اثرات	222
۷۸	عمرۃ القضاء	224
۷۹	فتح مکہ	227
۸۰	فتح مکہ کے سیاسی اثرات	230
۸۱	حجۃ الوداع	231
۸۲	شق القمر	234
۸۳	خلافت فاروقی	240
۸۴	خلافت اموی	241
۸۵	خلافت عباسی	242
۸۶	خلافت عثمانیہ	243
۸۷	خاندان سعود	248
۸۸	محمد بن عبدالوہاب	249
۸۹	عہد ساز رفاقت	251
۹۰	علماء دیوبند کا ابتلاء	255
۹۱	مکہ کی جیل	258
۹۲	سلطان حجاز کا اعزاز	265
	باب پنجم	
۹۳	سیادت و قیادت اور مقامات مقدسہ	269
۹۴	سیاسی نظام	271
۹۵	مذہبی عہدے	275
۹۶	عدالتی سیاسی اور جنگی عہدے	275
۹۷	کرنسی	277
۹۸	مالیاتی نظام	277
۹۹	معلم	279
۱۰۰	امرائے مکہ	280
۱۰۱	امرائے حج اور حوادثات	292
۱۰۲	ایام حج میں آتشزدگی	303
۱۰۳	محلہ جیاد میں آتشزدگی	304
۱۰۴	حرم کعبہ میں خوفناک جنگ	305
۱۰۵	مکہ یونیورسٹی کے سکالر کا خط	310
۱۰۶	سزائے موت	312
۱۰۷	مساجد مکہ	314
۱۰۸	چند متبرک مکانات	328
۱۰۹	سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مکان	329
۱۱۰	سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مکان	331

Marfat.com

۱۱۱	سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا مکان	332
۱۱۲	سیدنا ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا مکان	332
۱۱۳	دار ارقم	333
۱۱۴	سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا کا مکان	335
۱۱۵	جبال مکہ	336
	باب ششم	
۱۱۶	رفاہی امور	339
۱۱۷	مکہ کے کنوئیں	341
۱۱۸	نہر زبیدہ	343
۱۱۹	مکہ میں سیلابوں کا تذکرہ	355
۱۲۰	سیلاب کی روک تھام کے لئے بند کی تعمیر	371
۱۲۱	مکہ کے ہسپتال	372
۱۲۲	پرنٹنگ پریس	375
۱۲۳	ذرائع ابلاغ	378
۱۲۴	کتب خانے	382
۱۲۵	فونٹن پین کا استعمال	383
۱۲۶	ذرائع مواصلات	384
۱۲۷	ڈاک خانہ	384
۱۲۸	ٹیلیگرام	388
۱۲۹	ٹیلیفون	388
۱۳۰	مکہ میں موٹر گاڑیوں کی آمد	391
	باب ہفتم	
۱۳۱	تہذیب وتمدن	393
۱۳۲	زبان	395
۱۳۳	مذہب	397
۱۳۴	تعلیم	398
۱۳۵	لباس	398
۱۳۶	خوراک	401
۱۳۷	روٹی پکانے کا طریقہ	402
۱۳۸	مشروبات	404
۱۳۹	حلاوات	407
۱۴۰	مچھلی کی درآمد	407
۱۴۱	مرغی خانے	409
۱۴۲	شادی کی رسومات	409
۱۴۳	تجہیز وتکفین	410
۱۴۴	تجارت	412
۱۴۵	سامان تجارت	414
۱۴۶	تجارتی میلے	417
۱۴۷	مکانات	419
۱۴۸	تعمیراتی نظام	424
۱۴۹	قہوہ خانے	426
۱۵۰	ہوٹل یا فندق	428
۱۵۱	رباط	429
۱۵۲	صنعت وحرفت	431

Marfat.com

۱۵۳	زرگری	431	۱۶۰	بجلی کا استعمال	442
۱۵۴	صراحی کی صنعت	432	۱۶۱	ٹیلی ویژن کا استعمال	442
۱۵۵	پلاسٹک کی صنعت	433	۱۶۲	لاؤڈ سپیکر	442
۱۵۶	برف سازی	434	۱۶۳	گھڑیوں کی آمد	443
۱۵۷	آٹا مشین	435	۱۶۴	سٹوڈیو	445
۱۵۸	آرا مشین	436	۱۶۵	عمرانی ترقی	447
۱۵۹	مکہ کے باغات	437		ماخذ	450

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

پیش گفتار

دنیا کے اس نگار خانے میں ہر چیز اپنے وجود ہستی میں ابتدا و انتہا کی طویل داستان سمیٹے ہوئے ہے۔ اس کی تخلیق خواہ قدیم ہو یا جدید' اس کی زندگی چند لمحات کی مہمان ہو یا اس نے ابھی مستقبل کی طویل منازل طے کرنی ہوں۔ جب انسانی نظروں کی آماجگاہ اور مرکز بنے گی تو ایک فہم و ذکاء کے مالک اور صاحب بصیرت آدمی کو اپنے ساتھ تفکرات و تصورات کی موج میں بہالے جائے گی اور انسان کی فکری اور ارادی قوتیں ان وجوہات کے دریافت کرنے کے درپے ہو جائیں گی جو اس کی تخلیق کا باعث بنیں۔ چنانچہ انسان کے ذہن میں کچھ اس طرح کے سوالات انگڑائیاں لیں گے کہ اس چیز کی پیدائش کی غرض و غایت کیا ہے اور اس کا وجود ترکیبی کن عناصر سے مرکب ہے۔ خصوصاً ایسی پرشکوہ اور عدیم النظیر چیزوں' جن کے ساتھ ایمانی' مذہبی' ملی' تاریخی اور تمدنی یادیں وابستہ ہوں' کی حقیقت حال کا تجسس' کیفیت و ماہیت کا ادراک اور اس کا مادہ و ماخذ معلوم کرنے کی خاطر خداداد صلاحیتیں' علمی اور فکری قدریں ہیجان میں آجاتی ہیں۔

کچھ اسی قسم کی ذہنی' فکری اور روحانی کیفیات نے ہمیں بھی دنیا کے قدیم اور مقدس ترین مقام **مکۃ المکرمۃ** زاد اللہ تشریفاً و تکریماً جو کروڑوں مسلمانوں کا ایمانی و روحانی مرکز ہے اور جس کی بنجر اور خشک' بے آب و گیاہ گھاٹیاں کچھ ایسے دلربا'

Marfat.com

روح پرور اور فرحت انگیز مناظر پیش کرتی ہیں کہ جس کے سامنے دنیہ جہان کے خوشنما' سرسبز و شاداب اور زرخیز خطے بھی اپنی روئیدگی' لطافت اور شادابی کو شرمندہ و خجل پاتے ہیں' کی تحقیق سے متعلق کچھ حقائق پیش کرنے پر برانگیختہ کیا ہے۔ اس سے پہلے بھی دنیا بھر کے مسلم اور غیر مسلم ادیبوں' صحافیوں' دانشوروں' مؤرخوں' نقادوں' سیاحوں' طبقات الارض اور علم الانساب کے ماہرین نے اس شہر خوباں کو اپنی علمی اور فکری تحقیقات کا موضوع بنایا اور اس خطہ کی تحقیق سے آبادی تک اور پھر چار ہزار سال میں یہاں آباد ہونے والی اقوام وملل کی تہذیبی وتمدنی تفصیلات حتیٰ کہ پہاڑوں' پتھروں' درختوں' مکانوں' ندی نالوں اور ریگ زاروں تک کی تخلیق' ارتقائی' تاریخی اور جغرافیائی کیفیات سے اپنی تصانیف وتالیفات کو مزین کیا ہے' ہماری یہ حقیر کوشش بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس موضوع پر قدیم ترین تاریخ علامہ ازرقی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۲۲۵ھ کی "اخبار مکہ" ہے جسے انتہائی قابل اعتماد ماخذ کی حیثیت حاصل ہے۔ امام تقی الدین فاسی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۸۳۲ھ نے "عقد الثمین" کے نام سے آٹھ ضخیم جلدیں مدون فرمائی ہیں۔ علامہ قطب الدین المتوفی ۹۸۶ھ کی شہرہ آفاق تالیف "اعلام الاعلام" میں مکہ کے معاشی' معاشرتی اور انتظامی امور پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ شیخ محمد ابراہیم رفعت پاشا مصری کی نادرۂ روزگار تصنیف "مراۃ الحرمین" چھ جلدوں پر محیط ہے جس میں مکہ معظمہ کے بہت سے مقامات کی تاریخی اور جغرافیائی حیثیت کو اجاگر کیا۔ اور اہل مکہ کی تعلیمی' تمدنی اور اخلاقی قدروں کا بڑی وضاحت وصراحت سے ارقام فرمایا ہے۔ محقق دوراں علامہ محمد طاہر کردی نے چار ضخیم جلدوں میں اہالیان مکہ کی تہذیب وتمدن اور طرز معاشرت کے ایسے پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے جو اب تک تشنۂ تکمیل تھے اور جن پر ماضی کے کسی مؤرخ نے خامہ فرسائی نہیں کی تھی۔ علاوہ ازیں ایسی متعدد مبسوط اور مستند کتابوں کا قابل قدر ذخیرہ موجود ہے۔

بایں ہمہ اردو میں کوئی قابل ذکر کتاب دیکھنے میں نہیں آئی جو مذہبی' علمی' سیاسی' تمدنی اور تہذیبی حیثیت سے تاریخ مکہ کی حامل ہو۔ راقم آثم نے علمی بے مائیگی

اور بے سروسامانی کے باوجود جب اس مقدس شہر کے تاریخی و جغرافیائی حالات پر کچھ لکھنے کا ارادہ کیا تو علامہ فرید وجدی جیسے شہرۂ آفاق مؤرخ اور عالم اسلام کے عظیم سکالر مولانا عبدالسلام ندوی کے تاثرات سے میرے حوصلے پست، جذبات سرد اور راوے ماند پڑ گئے۔ علامہ فرید وجدی نے ''دائرۃ المعارف'' دس مبسوط جلدوں میں مدون فرمائی جو عالم اسلام کی تاریخی اور جغرافیائی عظمتوں کی عکاسی کرتی ہے۔ موصوف نے مصر کی علمی، تمدنی، تاریخی قدامت اور شہرت کو بڑے عمدہ الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

من اشہر اقطار الدنیا و اقدمها ذکراً فی التاریخ وابعدها عهداً بالمدنیة والعلم ۔ (دائرۃ المعارف جلد ۹ ص ۱۵)

لیکن اس کے برعکس اُم القریٰ مکہ مکرمہ کے متعلق ان کے حوصلہ شکن الفاظ بھی قابل غور ہیں۔

و لا نجد مصدراً جدیراً بالاعتماد فی ذلك غیر ما کتبه الفاضل محمد لبیب بك البتنونی فی رحلة الحجازیة

(دائرۃ المعارف جلد ۹ ص ۳۲٦)

بعینہٖ یہی تاثرات مولانا عبدالسلام ندوی کے ہیں، بلکہ انہوں نے تو صرف لبیب بتونی کے سفرنامہ رحلۃ الحجازیہ کے ترجمہ پر ہی اکتفا کیا ہے۔

بایں ہمہ رب ذوالمنن کے احسان عمیم پر بھروسہ کر کے اس نیت سے کچھ لکھنے کا فیصلہ کر لیا کہ شاید اس مقدس شہر کے تذکرہ نگاروں میں شمولیت ہی میری نجات کا موجب بن جائے۔ چنانچہ ۱۵ر شعبان ۱۳۹۷ھ کی مبارک شب جب قلم اور کاغذ لے کر لکھنے بیٹھا تو یہ توقع نہ تھی کہ میں اس موضوع پر سو دو سو صفحات بھی لکھ پاؤں گا۔ لیکن اللہ کریم کی عنایات و احسانات پر قربان جاؤں کہ اس کا ابر کرم سایہ فگن ہوا اور باران رحمت نے میرے ناکارہ ذہن کی ایسی آبیاری فرمائی کہ اس وقت پندرہ سو صفحات کا مواد جمع ہو چکا ہے۔ جس کے باعث مندرجہ ذیل موضوعات کے مطابق کتاب کو تین

Marfat.com

جلدوں میں تقسیم کرنا پڑا۔

جلد اول مکہ معظمہ کی تہذیبی، تمدنی، ارتقائی، اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی تاریخ پر مشتمل ہے۔

جلد دوم کعبۃ اللہ، حرم کعبہ اور ان کے متعلقات کی چار ہزار سالہ نادر تاریخی دستاویزات سے مزین ہے۔

جلد سوم مکہ مکرمہ کی علمی، ادبی، تصنیفی و تدریسی خدمات اور قدیم و جدید تعلیمی درسگاہوں کا تاریخی جائزہ۔

اگرچہ کتاب کی تکمیل بہت سے کرم فرما حضرات کی معاونت اور راہنمائی کی شرمندۂ احسان ہے، لیکن محترم ابوبدر مؤلف ''قادیاں سے اسرائیل تک''، محترم عبدالحفیظ ابن مولانا عبدالعزیز مؤلف ''دو عظیم رہنما''، سید شبیر احمد شاہ پروفیسر گورنمنٹ ٹریننگ کالج برائے ایلمنٹری ٹیچرز راولپنڈی اور محترم عبدالحکیم صاحب مالک ''الکتاب، بھیریری'' راولپنڈی کا میں بے حد سپاس گزار ہوں۔ اسی طرح حسب ذیل تین عظیم علمی اداروں سے بھی خوشہ چینی کی گئی ہے۔ ذیقعدہ ۱۳۹۷ھ میں مدینہ طیبہ کی یونیورسٹی کا کتب خانہ دیکھنے اور اکتساب کرنے کا سنہری موقع نصیب ہوا۔ بعد ازاں دیال سنگھ لائبریری لاہور سے بھی استفادہ کیا۔ مگر ادارہ تحقیقات اسلامیہ اسلام آباد کے عظیم الشان کتب خانہ سے تحقیق اور علمی گوہر پارے اس قدر دستیاب ہوئے کہ کتاب کا بیشتر حصہ اسی چشمہ علمی کا رہین منت ہے۔

چونکہ اس مقدس شہر کی عالمگیر تابناک شہرت سے مستشرقین حواس باختہ ہو کر اس کی قدامت کا انکار کرتے ہیں۔ اس لئے ہم نے باب دوم میں ان کی مایہ ناز کتب سے ان کے بے بنیاد نظریہ کا بطلان ثابت کیا ہے تاکہ سادہ لوح مسلمان ان کے فریب میں نہ آنے پائیں۔ اگرچہ حوالہ جات کے ضبط و اخذ میں بے حد احتیاط سے کام لیا گیا ہے تاہم شعوری یا غیر شعوری طور پر کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہو تو اہل علم حضرات اس سے متنبہ فرما کر اس کی اصلاح میں مدد ۔ معافی فرمائیں۔

Marfat.com

بارگاہِ خداوند کریم میں دست بدعا ہوں کہ وہ محض اپنے لطف و کرم سے اس حقیر خدمت کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے راقم آثم اور اس کام میں دامے درمے سخنے اور قدمے تعاون کرنے والے سب حضرات کے لئے اسے ذریعۂ نجات اُخروی بنائے۔ آمین یارب العلمین۔

محمد عبدالمعبود عفا اللہ عنہ

جامع مسجد پھولوں والی۔
رحمٰن پورہ راولپنڈی

کتاب کی ابتدا — بوقت شب ۱۵ر شعبان ۱۳۹۷ھ یکم اگست ۱۹۷۷ء
تکمیل کتاب جلد اول — بعد نماز مغرب یکم جمادی الثانی ۱۴۰۰ھ ۱۷ر اپریل ۱۹۸۰ء

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

فرمان والا شان حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بنام سلطان مقوقس مصر

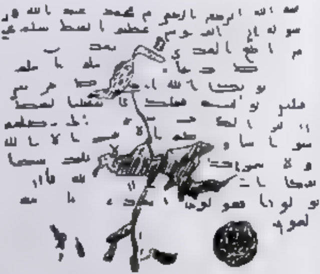

باب اوّل

مکّہ مشرّفہ

- مکہ مکرمہ کی تخلیق
- محل وقوع اور آبادکاری

Marfat.com

- **المکۃ المکرّمۃ**
- اسماء مقدسہ
- ارض مکہ کی پیدائش
- فضائل مکہ مشرفہ
- شہر خوباں کی آبادکاری
- خاندانِ ابراہیمی کا مکہ میں ورودِ مسعود

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکۃ المکرمۃ

زادہا اللہ تعظیماً وتکریماً وتشریفاً ومہابۃ

یہ مقدس' متبرک اور معزز نام اس قابل صد تعظیم وتکریم شہر کا ہے' جس پر دنیا جہان کی عظمتیں اور نعمتیں قربان' جن کے چشمۂ فیض سے عالم انسانیت مستفیض ہو رہا ہے۔ جو خطہ مقدسہ اس کرۂ ارضی کے وجود کا موجب اور باعث تخلیق بنا۔ جو اپنی لطافت' نظافت' شرافت' عظمت وجلالت' شرف ومجد میں یگانۂ روزگار ہے اور جس کی توصیف وتحمید سے قرآن مجید' احادیث سید الرسل ﷺ اور تاریخ عالم کے اوراق مزین ومعمور ہیں۔

<u>وجہ تسمیہ:</u>

قرآن مجید میں اس سرزمین پاک کو "بکّہ" اور "مکّہ" جیسے ذی شان ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ بکّہ اور مکّہ حقیقت میں ایک ہی لفظ ہے لیکن "بکّہ" کی 'با' میم سے بدل کر مکّہ بن گیا۔ جس طرح لفظ "لازم" اصل میں "لازب" تھا' مگر 'با' میم سے تبدیل ہو گئی اور لازم استعمال ہونے لگا۔ (تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۸' قرطبی جلد ۴ ص ۱۳۸)

لفظ "مکّہ" انسان کی زبان سے کس دور میں ادا ہوا' اور کتابوں کی زینت کب بنا؟ اس کے ابتدائی استعمال کی تاریخ بیان کرتے ہوئے مؤرخ عصر حاضر علامہ سید سلیمان ندوی اس طرح رقمطراز ہیں۔

"سب سے پہلے یہ بات سمجھی چاہئے کہ عرب' حجاز' مکہ اور کعبہ جتنے الفاظ

Marfat.com

اور اسماء ہیں اُس وقت تک پیدا ہی نہیں ہوئے تھے (یعنی جس وقت یہ شہر آباد ہوا ان ناموں سے لوگ نا آشنا تھے) لفظ "عرب" دسویں صدی قبل مسیح میں مستعمل ہوا (دیکھئے جغرافیہ بطلیموس) حجاز کا لفظ تو اس سے بھی زیادہ نیا ہے اور مکہ کا نام تو دوسری صدی مسیحی میں بطلیوس کے ہاں سب سے پہلے "مکاربا" کی شکل میں نظر آتا ہے۔ اسی وجہ سے تورات میں اس مقام کا نام اوّلاً "مَدْبَار" یعنی بادیہ بتایا گیا ہے اور قرآن مجید نے اسی کو وَادٍ غَیْرِ ذِی زَرْعٍ (بن کھیتی کے زمین) کہا ہے۔ اس کے سوا مکہ شریف کی آبادی کے وقت اس کا کوئی دوسرا نام نہیں تھا۔ مدت کے بعد یہی لفظ یعنی مَدْبَار بادیہ، صحرا اور وَادٍ غَیْرِ ذِی زَرْعٍ اس سرزمین کا نام قرار پایا لفظ عرب کے لفظی معنی بھی بادیہ اور صحرا کے ہیں اسی طرح مدبار "بادیہ" وَادٍ غَیْرِ ذِی زَرْعٍ اور عرب سب ہم معنی الفاظ ہیں"۔ (ارض القرآن ص ۱۸۵)

سید صاحب نے بطلیوس کا زمانہ دوسری صدی بعد المسیح بتایا ہے جب کہ الفلکی نے ۲۸۰ء بیان کیا ہے۔ (اخبار العلماء، جلد ا ص ۹۸) اور یہی تحقیق پطرس بستانی کی بھی ہے۔

اگر چہ اکثر مؤرخین کی رائے یہی ہے کہ تاریخ میں مکہ مکرمہ کا ذکر سب سے پہلے بطلیوس نے دوسری صدی عیسوی میں کیا تھا۔ لیکن بعض مغربی مؤرخین نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے دیودورس الصقلی نے ۱۰۰ قبل المسیح میں مکہ مکرمہ کا ذکر کیا تھا۔ جیسا کہ جرجی زیدان نے اپنی تصنیف عرب قبل الاسلام ص ۲۳۱ میں اور للاب لویس شیخو یسوعی نے النصرانیۃ وادابہا جلد ا ص ۱۴ میں بیان کیا ہے۔ اس کی مزید تفصیلات باب دوم میں ملاحظہ فرمائیں۔

اسماء مقدسہ

ماہرین عمرانیات اور مفسرین نے قرآن مجید، احادیث اور تاریخ کی کتابوں سے اس شہر خوباں کے مقدس اسماء کو بڑی تفصیل سے قلم بند کیا ہے۔ مکہ معظمہ اور مدینہ

Marfat.com

طیبہ کے نام جتنی کثرت سے پائے جاتے ہیں کسی بھی دوسرے شہر کے نہیں ہیں۔ مگر اس شہر معظم کے نام مدینہ طیبہ کے اسماء سے بھی بہت زیادہ ہیں۔ جو اس کی عزت وعظمت اور شرف وبجد کی بہت بڑی دلیل ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے

واعلم بان کثرۃ اسامی دلالۃ ان المسمّٰی سامی

سب سے زیادہ مشہور نام "بکہ" اور "مکہ" ہے۔ اس شہر دلربا کو "بکہ" کیوں کہا جاتا ہے؟ مفسرین اس کی عقدہ کشائی اس طرح فرماتے ہیں کہ اس جگہ بڑے بڑے جابر اور ظالم لوگوں کی گردنیں جھک جاتی ہیں اور ہر متکبر اور بڑائی کرنے والا یہاں آ کر پست ہو جاتا ہے اس وجہ سے اسے بکہ کہا جاتا ہے۔

اور اس بنا پر بھی کہ زائرین اور طواف کرنے والوں کا یہاں ہر گھڑی جمگھٹا رہتا ہے۔ مطاف ہر وقت کھچا کھچ بھرا رہتا ہے اور اس کے گلی کوچے بھی لوگوں کے جم غفیر سے معمور رہتے ہیں۔ (تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۸۔ تفسیر قرطبی ج ۴ ص ۱۳۸)

مکہ:

یہ لفظ مَکٌّ سے مشتق ہے۔ اور مَکٌّ دھکیلنے اور جذب کرنے کو کہا جاتا ہے۔ چونکہ یہ شہر بہت زیادہ آباد ہے چلنے اور طواف کرنے میں لوگ ایک دوسرے کو دھکیلتے ہیں اور اس کی یہ صفت بھی ہے کہ گناہ گار انسانوں کے گناہوں کو جذب کر لیتا ہے۔ علاوہ ازیں مکہ ایسی جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں پانی کی قلت ہو۔ نیز ظالم اور جابر کو تباہ و برباد کر دیتا ہے ان وجوہ کی بنا پر اسے مکہ کہا جاتا ہے۔

(تاج العروس جلد ۷ لفظ "مَکٌّ" "لسان العرب لفظ مَکٌّ)

مکہ ایسی جگہ کو بھی کہا جاتا ہے جو اپنی مقناطیسی قوت سے لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لے اور اسے مکہ کہنے کی وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ یہ شہر کرۂ ارضی کے وسط میں واقع ہے اور دنیا بھر کے دریاؤں اور چشموں کے پانی کا منبع بھی ہے۔ اس طرح تمام روئے زمین مکہ مشرفہ کے پانی سے سیراب اور فیض بار ہو رہی ہے۔ (تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۹)

Marfat.com

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کی حدود و قیود کو اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ فخ سے تنعیم تک کا علاقہ مکہ اور بیت اللہ سے بطحا تک بکّہ ہے۔

امام ابراہیم امام زہری اور عکرمہ رحمۃ اللہ علیہم کا فرمان ہے کہ بیت اللہ شریف اور اس کے اردگرد کا علاقہ تو بکّہ ہے اور باقی تمام شہر مکہ ہے۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی یہ قول منقول ہے کہ بکّہ صرف بیت اللہ شریف ہے اور اس کے ماسوا پورا شہر مکہ ہے۔ اور بکّہ ہی وہ مخصوص مقام ہے جہاں طواف کیا جا سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ طواف صرف حرم ہی کے اندر جائز ہے باہر نہیں کیونکہ باہر کا حصہ مکہ میں شمار ہوتا ہے اور یہی قول امام مالک امام ابراہیم نخعی امام عطیہ عوفی اور امام مقاتل بن حسان رحمۃ اللہ علیہم کا ہے۔ اور یہ روایت بھی ہے کہ بکّہ تو صرف بیت اللہ ہے اور جہاں تک حدود حرم ہیں وہ سارا مکہ ہے۔ (معجم البلدان جلد ۸ ص ۱۳۳ ابن کثیر جلد ا ص ۳۸۳ ابن جریر جلد ۴ ص ۹۶)

علامہ طاہر کردی فرماتے ہیں بکّۃ جبل ابی قبیس اور جبل قعیقعان کے درمیان کا حصہ ہے۔ جب کہ یہ دونوں پہاڑ قریب ہیں اور کعبہ شریف ان دونوں کے درمیان پایا جاتا ہے اور مکّۃ اس پاکیزہ شہر کو کہا جاتا ہے اور حرم کا اطلاق نہ تو بکّۃ پر ہوتا ہے اور نہ ہی مکہ پر بلکہ حرم شریف نے تو مکہ مکرمہ کو ہر سمت سے گھیرا ہوا ہے۔ (تاریخ القویم جلد ۲ ص ۷)

علاوہ ازیں اس متبرک شہر کے کئی اور نام بھی بیان کئے گئے ہیں

البیت العتیق ، البیت الحرام ، البلد الامین ، المامون ، اُم رُحم، اُم القرٰی ، الصلاح ، القرش ، بروزن بردہ (معجم البلدان یہ لفظ العرش بھی مذکور ہے) القادس ، الناسۃ ، الباسۃ ، المعاد ، الماخوذ ، المعطشۃ ، العروض ، القریۃ ، الکُوثٰی ، القریۃ النمل ، الحاطمۃ ، البرّۃ ، الطیبۃ الراس.

(ابن کثیر جلد ۱ ص ۳۸۳ ، اعلام الاعلام ص ۱۸ ، اخبار مکہ ص ۱۹۷)

Marfat.com

البیت العتیق:

جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔

﴿ ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴾ [پ ۱۷ رکوع ۱۱]

''پھر قربانیوں کے حلال ہونے کی جگہ بیت العتیق ہے''۔

چونکہ قربانی کا محل بیت اللہ شریف نہیں بلکہ منی ہے اور جیسا کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مکہ مکرمہ اور منی کی تمام گھاٹیاں اور پہاڑیاں قربانی کی جگہ ہیں۔ تو اس سے یہ واضح ہے کہ اس آیت قدسیہ میں بیت العتیق مکہ مشرفہ کو کہا گیا ہے نہ کہ بیت اللہ شریف کو۔ (تفسیر کبیر جلد ۶ ص ۱۵۹)

اَلْمَسْجِدُ الْحَرَام:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مکہ معظمہ کو المسجد الحرام کے خطاب سے بھی نوازا ہے۔ جیسا کہ فرمانِ ذی شان ہے،

﴿ إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ ﴾

[سورۃ توبہ رکوع ۴ آیت ۲۸]

''مشرکین نجس ہیں پس یہ مسجد حرام کے قریب نہیں آسکتے''۔

امام عبدالرزاق نے عطا سے روایت نقل کی ہے کہ یہاں مسجد حرام سے مراد پورا حرم محترم یعنی مکہ معظمہ ہے۔ (روح المعانی جلد ۶ ص ۷۷ تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۴۱۹)

مشرکین کا داخلہ صرف بیت اللہ میں نہیں بلکہ حدود حرم میں ممنوع ہے۔ اب تو حدود حرم پر تختیاں آویزاں ہیں جن پر لکھا ہوا ہے اس جگہ سے آگے مشرکین نہیں جاسکتے۔

اسی طرح حدیبیہ کے مقام پر جب مشرکین مکہ اور حضور نبی کریم ﷺ کے مابین معاہدہ طے پایا تو اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمایا:

﴿ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾ [پ ۱۰ سورۃ التوبہ]

''مگر جن لوگوں سے تم نے عہد کیا تھا مسجد حرام کے پاس''۔

Marfat.com

ایک اور جگہ فرمانِ رب العزت ہے

﴿ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ ﴾ [پ ۱۷ رکوع ۱ آیت ۲۵]

''جو لوگ کافر ہوئے اور روکتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ اور مسجد حرام سے جسے ہم نے سب لوگوں کے واسطے بنایا ہے۔ اس میں برابر ہیں وہاں کے رہنے والے اور باہر سے آنے والے''۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہاں بھی مسجد حرام سے پورا حرم شریف یعنی مکہ مکرمہ مراد ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اَلْعَاكِفُ سے مراد قیام کرنا ہے اور یہ بات عیاں ہے کہ لوگوں کا قیام بیت اللہ میں نہیں بلکہ شہر کے مکانات میں ہوتا ہے۔ اس لئے یہاں مسجد حرام سے مراد مکہ مشرفہ ہے۔ (تفسیر کبیر جلد ۶ ص ۱۵۲)

اُمُّ الْقُرٰى :

فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔

﴿ لِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرَى وَمَنْ حَوْلَهَا ﴾ [سورت شوریٰ رکوع ۱ آیت ۷]

''تاکہ آپ مکہ اور اس کے گرد و پیش والوں کو ڈرائیں''۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کی وجہ تسمیہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ یہ شہر عزت و تکریم میں دنیا کے شہروں سے بزرگ و برتر ہے اور چونکہ اسی کو پھیلا کر کرۂ ارضی وجود میں آیا ہے اس لئے اسے اُم القریٰ کہا جاتا ہے۔

کُوثٰی :

جبل قعیقعان کے دامن میں بنی عبدالدار کی قیام گاہ تھی اس نسبت سے کوثی اس شہر معظم کا نام رکھا گیا۔

قَرْيَةُ النَّمْلِ :

اس مقام پر چیونٹیوں کی کثرت پائی جاتی تھی۔

اَلْحَاطِمَةُ :

ظالم و جابر لوگوں کو تباہ و برباد کرنے یا اس جگہ سے باہر نکال دینے والا شہر۔

Marfat.com

اَلْمَعَاد :

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

﴿ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ ﴾ [القصص رکوع ۹]

''جس نے آپ پر قرآن کا حکم بھیجا ہے وہ پھر آپ کو پہلی جگہ لانے والا ہے''۔

اس آیت میں اس شہر کو معاد فرمایا گیا ہے۔

اَلرَّأس :

اس نام کی وجہ امام یاقوت الحموی یہ بیان فرماتے ہیں کہ چونکہ اس شہر کی شکل انسان کے سر کی مانند ہے اس لئے اسے الرأس کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔

اَلْبَاسَة :[1]

اس شہر کا خاصا ہے کہ یہ ملحدین کو ختم کر دیتا' یا باہر نکال دیتا ہے۔

یہ تو قدیم مؤرخین ومفسرین کی بیان کردہ تفصیلات تھیں' لیکن قاضی ابوالبقاء ابن الضیاء الحنفی رحمۃ اللہ علیہ نے تمیں اسماء مبارکہ بیان فرمائے ہیں جو چند ابیات میں منظوم ہیں۔ جنہیں علامہ طاہر کردی مدظلہ نے نقل فرمایا ہے۔

لمكة اسماء ثلا ثون عددت ... و من بعد ذالك الثان منها اسم بكّة

صلاح و كوثى والحرام و قادس ... و حاطمة البلد العريش بقرية

و معطشة ام القرى رحم ناسة ... و نابية رأس بفتح لهمزة

مقدسة والقادسة و نساسة ... و رأس و تاج ام كوثى كبّرة

سبوحة عرش ام رحمان عرشنا ... كذا حرم البلد الامين كبلدة

كذلك اسمها البلد الحرام لامنها ... و بالمسجد الاسنى الحرام تسمّت

وما كثرة الاسماء الالفضلها

حباها به الرحمٰن من اجل كعبة[2]

---

[1] اعلام الاعلام ص ۱۶۸' معجم البلدان جلد ۸ ص ۱۳۵۔ [2] تاریخ القویم جلد ۱ ص ۲۸۔

Marfat.com

علامہ جمال الدین محمد جار اللہ علیہ الرحمۃ نے "جامع اللطیف" میں اس سے زیادہ اسماء مقدسہ قلم بند فرمائے ہیں:

(۱) بکّة (۲) مكّة (۳) البلدة (٤) البلد (٥) القرية (٦) ام القرى
(۷) معاد (۸) الوادى (۹) ناسة (۱۰) نشاسة (۱۱) الحاطمة
(۱۲) صلاح (۱۳) العرش (١٤) العريش (١٥) القادس
(١٦) المقدسة (۱۷) القادسة (۱۸) كوثى (۱۹) الحرم (۲۰) برة
(۲۱) المسجد الحرام (۲۲) المعطشة (۲۳) الرتاج (٢٤) ام الرحم
(٢٥) ام رحم (٢٦) ام صبح (۲۷) ام روح (۲۸) بساق (۲۹) البيت العتيق (۳۰) الراس (۳۱) المكتان (۳۲) النابية (۳۳) ام الرحمة
(٣٤) ام كوثى (٣٥) الباسة (٣٦) نَسّاسة (۳۷) الناشئة
(۳۸) البساسة (۳۹) طيبة (٤٠) سبوحة (٤١) السلام
(٤٢) العذراء (٤٣) نادرة (٤٤) القُرش (٤٥) العروش
(٤٦) الحُرمة (٤٧) الحرمة (٤٨) العروض (٤٩) السيل
(٥٠) مخرج صدق (٥١) قرية الحمس (٥٢) ام راحم (٥٣) قرية النمل (٥٤) نقرة الغراب (٥٥) البنية (٥٦) فادان.

(جامع اللطيف ص ۹۸ تا ص ۱۰۲)

ارضِ مکہ کی پیدائش

امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ بسیط میں حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ مکہ مکرمہ کی سرزمین خالق کائنات نے زمین کے دوسرے اجزاء کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے پیدا فرمائی اور اس کے چار رکن یعنی بنیادیں ساتویں زمین تک گہری تھیں۔ (تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۶، تفسیر قرطبی جلد ۲ ص ۱۳۷)

پانی کی سطح پر ابھرنے والا وہ مقدس خطہ (بیت اللہ شریف) جسے زمین کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل حق تعالیٰ شانہ نے وجود بخشا۔ وہ مکہ مشرفہ ہی کی سرزمین تھی۔ جو پانی کے اوپر سفید جھاگ کی مانند تھی۔ پھر اسی کے نیچے سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے زمین بچھا دی یعنی اسے پھیلا کر اطراف و اکناف عالم تک پہنچا دیا گیا۔ (تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۶، تفسیر قرطبی جلد ۲ ص ۱۲۰)

یہ قول سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت مجاہد، حضرت قتادہ اور حضرت سدی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم کا ہے۔ (تاریخ کعبہ ص ۳۴)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ دنیا کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے بیت اللہ شریف کو پانی کے چار ستونوں پر کھڑا کیا گیا جن کی بنیادیں ساتویں زمین تک گہری تھیں پھر زمین اس کے نیچے سے پھیلا دی گئی۔

(تفسیر طبری جلد ا ص ۵۴۷، مصنف عبدالرزاق جلد ۵ ص ۹۲)

﴿ كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ ﴾ [ھود آیت ۷] کے ضمن میں مصنف عبدالرزاق میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت مذکور ہے کہ ہر ایک چیز کی پیدائش سے پہلے اللہ جل شانہ نے پانی پیدا فرمایا، اور پانی کو ہوا پر ٹھہرایا، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں پانی سے بخارات اُڑتے رہتے تھے جس طرح دریاؤں سے اڑتے ہیں۔

Marfat.com

اور عطاء سے روایت ہے کہ اللہ کریم نے ایک ہوا بھیجی جس سے پانی میں ہل چل پیدا ہوگئی اور اس حرکت سے اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ بیت اللہ والی جگہ قرینما ایک ٹیلہ پیدا فرما دیا۔ اسی جگہ دو ہزار سال بعد بیت اللہ شریف بنایا گیا۔ اسی وجہ سے اس شہر کو اُمّ القریٰ کہا جاتا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۵ ص ۹۰، معجم البلدان جلد ۷ ص ۲۵۶)

ایک روایت میں ہے کہ مکہ مکرمہ روئے زمین کے وسط میں واقع ہے اور یہ زمین کی ناف ہے اس لئے اسے اُمّ القریٰ کہا جاتا ہے۔ اور یہ بیت المعمور کا سایہ ہے۔ (تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۹، معجم البلدان جلد ۷ ص ۲۵۶)

﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ ﴾

''سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا''۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق روئے زمین پر اللہ جل وعلیٰ شانہ کی عبادت کے لئے سب سے پہلا گھر کعبہ مشرفہ ہی بنایا گیا تھا۔ اگرچہ لوگوں کی بود و باش کے لئے بے شمار مکانات موجود تھے' آپ فرماتے ہیں روئے زمین پر سب سے پہلا گھر برکت کے اعتبار سے بیت اللہ شریف بنا ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا' سب سے پہلا گھر بیت اللہ ہے جو کہ مکہ میں واقع ہے۔ آپ سے دریافت کیا گیا' اگر اس سے پہلے مکانات نہیں تھے تو پھر قوم نوح اور قوم ہود کہاں رہتی تھی۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ برکت اور ہدایت کے لئے سب سے پہلا گھر بیت اللہ بنا ہے۔ (ابن جریر جلد ۴ ص ۶)

علامہ طاہر کردی فرماتے ہیں' مکہ مکرمہ دنیا کا دل اور زمین کے وسط میں واقع ہے اور کعبہ شریف اس نقطہ کی مانند ہے جو کسی دائرہ کے وسط میں ہوتا ہے۔
(تاریخ القویم)

Marfat.com

محل وقوع

مکہ مکرمہ کا محل وقوع دنیا میں سب سے پہلے بطلیموس المتوفی ۲۸۳ ق م نے حسب ذیل بیان کیا تھا' طول بلند ۷۸ درجہ اور عرض بلد ۳ درجہ۔ (جغرافیہ بطلیوس)

لیکن عرب جغرافیہ دانوں کی تحقیقات میں یہ غلط ثابت ہوا۔ انہوں نے اس کی اصلاح کر کے اسے درست کیا۔ چنانچہ علامہ فرید وجدی رحمۃ اللہ علیہ جو ایک مشہور عالم اور جغرافیہ دان ہیں' لکھتے ہیں:

طول بلد ۴۰ درجہ ۹ دقیقہ' عرض بلد ۲۱ درجہ ۲۸ دقیقہ اور سطح سمندر سے اس کی بلندی تقریباً ۳۳۰ میٹر ہے۔ (دائرۃ المعارف جلد ۹ ص ۳۲۶)

علامہ طاہر کردی مدظلہ نے الشیخ السباعی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق طول بلد ۴۰ درجہ' عرض بلد ۲۱ درجہ ۳۸ دقیقہ اور سطح سمندر سے ارتفاع ۲۸۰ میٹر نقل کیا ہے۔ (تاریخ القویم جلد ۲ ص ۳۸)

جب کہ موصوف نے اپنی تحقیق کے مطابق طول بلد ۳۹ درجہ ۳۹ دقیقہ ۳۰ ثانیہ اور عرض بلد ۲۱ درجہ ۲۵ دقیقہ اور ارتفاع ۳۳۰ میٹر بیان کیا ہے۔

(تاریخ القویم جلد ۱ ص ۳۹)

راقم الحروف ہیچمدان جسے اس علم سے کوئی خاص مناسبت نہیں ہے' مگر میری سمجھ میں زیادہ صحیح علامہ یاقوت حموی کی مذکورہ تحقیق ہے۔

علامہ طاہر کردی مدظلہ نے اس مقدس شہر کے بعض دوسرے مقامات کا ارتفاع بھی بیان کیا ہے:

محلہ معابدہ	سطح سمندر سے	۳۱۱ میٹر بلند ہے
محلہ جرول	؍؍ ؍؍ ؍؍	۲۷۸ ؍؍ ؍؍

Marfat.com

جبل ابی قبیس	" " "	۴۲۰ میٹر بلند ہے
جبل قعیقعان (جبل ہندی)	" " "	۴۳۰ " "
جبل حراء بالائی حصہ میں	" " "	۹۴۳ " "
جبل ثور نشیبی علاقہ میں	" " "	۷۵۹ " "
جبل رخم بالائی حصہ میں	" " "	۸۸۳ " "
جبل رحمت	" " "	۳۴۰ " "
جبل سعد جو عرفات کے مشرق میں ہے	" " "	۷۳۲ " "
صفا مروہ (تاریخ القویم جلد ۱ ص ۴۹)	" " "	۳۷۵ " "

قاضی سلیمانؒ منصور پوری تحریر فرماتے ہیں۔

کرۂ ارضی پر آباد دنیا کو دیکھیں کہ جنوب میں زیادہ سے زیادہ ۴۰ درجہ عرض بلد اور شمال میں زیادہ سے زیادہ ۸۰ درجے تک آباد ہے۔ دونوں کا مجموعہ ۱۲۰ درجہ کا نصف ۶۰ درجہ ہوتا ہے۔ جب ۶۰ کو ۸۰ درجہ شمال میں تفریق کریں تو ۲۰ رہ جاتے ہیں اور اسی طرح ۶۰ درجہ سے ۴۰ درجہ جنوبی کو تفریق کریں تو بھی ۲۰ درجہ شمال ہے اور مکہ معظمہ ۲۱½ درجے پر آباد ہے۔ اس لئے کل کرۂ ارض میں یہی وسط ہونے کا درجہ رکھتا ہے۔

لغات کی کتابوں میں اسے ناف زمین کہا گیا ہے اور ناف بھی انسان کے جسم کے عین وسط میں نہیں ہوتی بلکہ تقریباً وسط میں ہوتی ہے' یہی وجہ ہے کہ مکہ مکرمہ بھی وسط حقیقی کے قریب تر واقع ہے۔ (رحمۃ للعالمین جلد ۱ ص ۳۰)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

پرانی دنیا کے نقشہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایشیا' یورپ' افریقہ اور اوقیانوس کے براعظموں میں جزیرہ نما عرب کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے' اور یہ مرکز یہ ایشیا میں ہوتے ہوئے بھی افریقہ اور یورپ سے بہت قریب ہے۔ خاص کر ان دونوں براعظموں کے اس زمانہ کے متمدن ترین علاقے مصر اور روما سے بھی مرکزیت تھی' جو عرب کے مرکز مکہ مکرمہ کو ناف زمین کا لقب دینے کا موجب بنا۔

Marfat.com

کسی مرکز سے ہر انتہائی حصہ قریب ترین ہوتا ہے اور کسی بھی جگہ پہنچنا مرکز ہی سے سہل تر ہوتا ہے۔ آب و ہوا کا اثر طبائع اور اخلاق پر جو کچھ پڑتا ہے' وہ ایک مسلم حقیقت ہے۔ سرد ممالک کے باشندوں کی ذکاوت' پہاڑی اور صحرائی لوگوں کی جفاکشی اور زرخیز ممالک کے رہنے والوں کی تمدنی' معاشرتی اور اقتصادی ترقی قدرت کے بنائے ہوئے مسلمہ قوانین کے تابع ہوتی ہے جن کی جھلک بایں وجوہ اس شہر خوباں میں موجود ہے۔

جب یہ مقدس شہر ناف زمین پر آباد اور تینوں براعظموں کے وسط میں واقع ہے تو کسی عالمگیر تحریک و تبلیغ کے لئے اس سے بہتر اور موزوں مرکز کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ معلم انسانیت ﷺ کی تبلیغ و ترویج دین کی مرکزیت کا سہرا اسی شہر کے سر ہے۔

یہاں کے باشندے زمانہ قدیم سے تجارت پیشہ ہیں' تاریخ ان کی صنعت و حرفت اور دستکاری کے تذکرہ سے خاموش ہے' البتہ تجارت میں کپڑا' غلہ' چمڑا' خشک میوے' اسلحہ اور عطریات وغیرہ اہم اشیاء تھیں۔ (رحمۃ اللعالمین جلد اص ۳۰)

Marfat.com

حدود اربعہ

عالم نبیل مورخ جلیل امام فاکہی رحمۃ اللہ علیہ مکہ مشرفہ کا حدود اربعہ اس طرح بیان فرماتے ہیں:

مکہ معظمہ اللہ تعالیٰ اس کی عزت' عظمت اور شرف و مجد کو بلند و بالا فرمائے' ایک مستطیل شہر ہے جس کا ایک مبداء اور نہایت ہے۔ مبداء المعلاۃ (جہاں قبرستان جنت المعلاۃ ہے) اور اس کی انتہاء الشبیکہ اور شارع یمن سے مولد سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے قریب تک ہے' اور اس کا عرض جبل جزل اور جبل ابی قبیس کے مابین واقع ہے۔ جبل جزل کا نام علامہ ازرقی رحمۃ اللہ علیہ نے جبل احمر لکھا ہے اور جبل ابی قبیس اور جبل جزل دونوں کو جبلی الاخشبان کہا جاتا ہے۔ اللہ جل شانہ نے اس شہر میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ بے شمار مخلوق نہایت آسانی سے سما جاتی ہے۔ ایام حج میں لاتعداد انسانوں کا جم غفیر یہاں آتا ہے مگر سب سما جاتے ہیں۔ (فاکہی)

محمد بن حوقل المتوفی ۳۶۷ھ مطابق ۹۷۷ عیسوی نے ۳۳۱ھ میں لکھا تھا شمالاً جنوباً طول معلاۃ سے مسفلہ تک ۳ میل اور جیاد کے نیچے سے قعیقعان کی پشت تک عرض ۲ میل ہے۔ (صورت الارض ص ۲۸)

امام المورخین علامہ تقی الدین فاسی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۸۳۲ھ نے حدود اربعہ اس طرح بیان فرمایا تھا:

باب معلاۃ سے باب ماجن تک ۴۴۷۲ ذراع اور باب معلاۃ سے شبیکہ تک ۳۳۹۲ ذراع۔ (شفاء الغرام ص ۲۹)

علامہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ۹۸۵ھ میں حسب ذیل پیمائش بیان کی تھی

باب معلاۃ سے باب ماجن تک ۴۰۷۲ ذراع اور باب معلاۃ سے شبیکہ تک

Marfat.com

۱۷۲۳۱ ذراع۔ (اعلام الاعلام ص ۱۵)

فواد ہاشم دمشقی نے بھی جزیرۃ العرب ص ۲۶ میں یہی حدود بیان کی ہیں۔

علامہ محمد لبیب البتونی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۲۹ھ میں حسب ذیل حدود بیان فرمائی ہیں

شمالاً جنوباً ۳ کلومیٹر لمبا اور شرقاً غرباً جبل ابی قبیس سے جبل قعیقعان تک ۱/۲ ۱ کلومیٹر چوڑا ہے۔ (رحلۃ الحجازیہ ص ۶۰)

علامہ ابراہیم رفعت پاشا اس کی موافقت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ شہر مغرب سے مشرق تک طول میں پھیلا ہوا ہے اور پہاڑوں کے دو سلسلوں سے جو شرق' مغرب اور جنوب یعنی شہر کے تینوں دروازوں پر قریب قریب باہم مل جاتے ہیں گھرا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک آدمی اس کے دروازوں تک نہ پہنچ جائے اس کی عمارتیں نظر نہیں آتیں۔ (مراۃ الحرمین جلد ۱ ص ۲۰۳)

مولانا عبدالسلام ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۴۲ھ میں حدود کی تفصیلات اس طرح بیان فرمائی تھی۔

مکہ معظمہ کے پہاڑوں کا شمالی سلسلہ مغربی جانب میں جبل فلج' جبل قعیقعان' جبل ہندی' جبل لعلع اور جبل کداء پر مشتمل ہے۔ یہ تمام پہاڑی سلسلہ شہر کے بالائی حصہ میں واقع ہے۔ جنوبی حصہ کی مغربی جانب جبل ابی حدیدہ اور جبل کدی جو جنوب کی طرف مڑ جاتا ہے' واقع ہیں۔ پھر جبل ابی قبیس جو ان دونوں کے مشرقی جانب ہے' سے گھرا ہوا ہے۔ اس کے بعد جبل خندمہ ہے۔ ان تمام پہاڑوں کی چوٹیاں اور ہموار جگہوں میں بنے ہوئے چھوٹے بڑے مکانات کی مجموعی تعداد تقریباً سات ہزار ہے جن میں کم و بیش دو لاکھ نفوس ایام حج میں اقامت پذیر ہوتے ہیں۔ (تاریخ حرمین شریفین ندوی ص ۷۷)

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۱۵ء میں لکھا تھا:

مکہ یا بکہ جس کا نام اُمّ القریٰ بھی ہے' حجاز کا دارالحکومت ہے۔ یہ شہر ایک بوڑھے پیغمبر ابراہیم علیہ السلام کی بنا' ایک نوجوان نبی اسمٰعیل علیہ السلام کی

Marfat.com

ہجرت گاہ اور روزِ یتیم امام المرسلین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا مولد ہے۔ اس شہر کے چاروں طرف پہاڑوں نے قدرتی دیواریں کھچی ہیں یہ بالفعل شرقاً غرباً تقریباً ۳ کلومیٹر لمبا اور جنوباً شمالاً تقریباً ۲/۱ ۱ کلومیٹر چوڑا ہے۔ اس کا شمال مشرقی سلسلہ جبل انقلع' جبل قعیقعان' جبل ہندی' جبل لعلع اور جبل کداء سے مرکب ہے۔ مؤخر الذکر پہاڑ وہی ہے جس کی راہ سے رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن شہر میں داخل ہوئے تھے۔ جنوبی سلسلہ جبل ابوحدیدہ' جبل کدی اور جبل ابی قبیس کے بعض سلسلہ سے مرکب ہے۔ مشرق میں جبل ابی قبیس اور اس کے پیچھے جبل خندمہ اور مغرب میں جبل عمر واقع ہے۔ (ارض القرآن ص ۸۱)

انسائیکلو پیڈیا کے مقالہ نگار کے مطابق حدود اربعہ اس طرح ہے۔

''مکہ شہر کی حدود اندازاً ایک ہیرے کی شکل میں ہے۔ اس کا طول اشاس سے بازان تک ۲۵ میل ہے جب کہ (جدہ روڈ پر واقع) تنعیم سے باب القصنی (جو مسفلہ کی جانب یمن روڈ پر ہے) تک ۱۲ میل ہے' اور اشاس (مقام حدیبیہ) شہر سے مغرب میں ۱۳ میل کے فاصلہ پر ہے۔

لیکن انسائیکلو پیڈیا ۱۹۷۷ء کے ایڈیشن میں مکہ مکرمہ کا کل رقبہ ۱۰ مربع میل بیان کیا گیا ہے۔ (انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا جلد ۱۵ ص ۳۰' مطبوعہ ۱۹۷۷ء)

مذکورہ بالا تفصیلات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ کی آبادی میں سعودی حکومت کے مبارک دور میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ ورنہ صدیوں سے آبادی جوں کی توں تھی' اس عہد میں تمدنی ترقی نے اس جمود کو توڑ دیا۔

اس شہر میں داخل ہونے یا باہر جانے کے لئے قدیم زمانہ میں صرف تین ہی راستے تھے۔ مورخین ان کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

علامہ ارزقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

طریق کداء: یہ سڑک عراق' طائف اور عرفات کی طرف جاتی ہے' اور فتح مکہ کے

Marfat.com

دن حضور اقدس ﷺ اسی راستہ سے شہر میں داخل ہوئے تھے۔

طریق جدہ: یہ سڑک مدینہ منورہ، جدہ، شام اور مصر وغیرہ کی طرف جاتی ہے۔

طریق یمن: یہ راستہ یمن کی سمت جاتا ہے، ایک اور راستہ الحجون بھی ہے، مگر اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ (اخبار مکہ ص ۳)

مورخ شہیر علامہ تقی الدین فاسی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں

پہاڑوں کی قدرتی تنصیب (Setting) شہر پناہ کا کام دیتی ہے۔ ازمنۂ قدیم میں ان راستوں پر تین دروازے بنے ہوئے تھے، جن میں سے ایک کا نام باب المعلاۃ تھا، اس میں دو دروازے تھے، ایک تو اب بالکل بند پڑا ہے اور دوسرے کے کواڑ نہیں ہیں۔ دوسرا دروازہ باب الشبیکہ تھا۔ اس میں ایک بڑا دروازہ اور ایک کھڑکی تھی اور تیسرا دروازہ باب الیمن کے نام سے شہرت پذیر تھا، کیونکہ یہ سڑک یمن کی طرف جاتی تھی۔ آج کل اسے مسفلہ کہتے ہیں۔ (شفاء الغرام ص ۷۶)

مؤرخ عصر حاضر علامہ طاہر کردی مدظلہ لکھتے ہیں

شمالی دروازہ جو معلاۃ کی جانب تھا، طائف، نجد اور اس کے ملحقہ علاقوں سے آنے والے لوگوں کا راستہ ہے، غربی دروازہ جسے باب الشبیکہ کہا جاتا تھا، یہ جدہ، مدینہ منورہ اور سمندری مسافروں کے داخل ہونے کا راستہ ہے، اور جنوبی دروازہ مسفلاۃ کی جانب واقع تھا جس سے یمن کے لوگ آتے ہیں۔

اس دور میں دروازے وغیرہ تو قطعاً ختم ہو چکے ہیں بلکہ ان سے کہیں دور دور تک آبادی پھیل گئی ہے اور تین کی بجائے اب چار راستے بن گئے ہیں۔

مشرق میں دو سڑکیں ہیں — درب الشرائع اور طریق منیٰ

مغرب میں چار سڑکیں ہیں — باب جدہ، باب ابی لہب، ریع الکحل اور درب الہنداویہ

شمال میں تین سڑکیں ہیں — ریع اللصوص، ریع اذاخر اور درب الحائنہ

جنوب میں بھی تین سڑکیں ہیں — طریق الحجز، ریع کدی اور طریق مسفلہ۔

(تاریخ القویم جلد ۲ ص ۶۹)

Marfat.com

۱۳۹۹ اور ۱۴۰۰ ہجری دو سالوں میں سعودی حکومت نے ان راستوں سے گزرنے والی سڑکوں کی تعداد میں کافی اضافہ کر دیا ہے۔ جیسا کہ آئندہ صفحات میں دیئے ہوئے نقشہ سے ظاہر ہے۔

موسم:

مکہ مکرمہ کا موسم اور ہوا کا رخ اکثر تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ مؤرخ جلیل علامہ رفعت پاشا مصری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

آب و ہوا گرم و خشک ہے جنوری میں درجہ حرارت ۱۸ ڈگری سینٹی گریڈ (۶۴۴ فارن ہائیٹ) فروری میں ۲۰ ڈگری سینٹی گریڈ (۶۸ فارن ہائیٹ) مارچ میں ۲۳ ڈگری سینٹی گریڈ (۷۳۴ فارن ہائیٹ) اپریل میں ۲۴ ڈگری سینٹی گریڈ (۷۵.۲ فارن ہائیٹ) مئی میں ۲۷ ڈگری سینٹی گریڈ (۸۰.۶ فارن ہائیٹ) جون اور جولائی میں ۲۹ ڈگری سینٹی گریڈ (۸۴.۲ فارن ہائیٹ) اگست میں ۳۰ ڈگری سینٹی گریڈ (۸۶ فارن ہائیٹ) اکتوبر میں ۲۵ ڈگری سینٹی گریڈ (۷۷ فارن ہائیٹ) نومبر میں ۲۴ ڈگری سینٹی گریڈ (۷۵.۲ فارن ہائیٹ) دسمبر میں ۲۰ ڈگری سینٹی گریڈ (۶۸ فارن ہائیٹ) اور زیادہ سے زیادہ ۳۹ ڈگری سینٹی گریڈ (۱۰۲.۲ فارن ہائیٹ) تک ہوتا ہے۔

ہوائیں مختلف سمتوں سے چلتی رہتی ہیں اگر ایک وقت میں شمالی ہوا چل رہی ہے تو دوسری ساعت میں مغربی اور تھوڑی دیر بعد جنوبی اور کچھ وقفہ بعد مشرقی ہوا شروع ہو جاتی ہے۔ (مراۃ الحرمین جلد ا ص ۲۰۶)

علامہ فرید وجدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

مکہ میں ہوا اپنا رخ تبدیل کرتی رہتی ہے۔ اہالیان مکہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سو قسم کی ہوائیں پیدا کی ہیں۔ ۹۹ صرف مکہ کے لئے اور ایک پوری دنیا کے لئے۔ ہوا پہاڑوں میں بل کھاتے ہوئے اس طرح چلتی ہے جیسے پانی کی سطح پر بھنور ہوتا ہے۔ اسی لئے لوگوں نے مکانات کے اوپر منافذ (روشندان) بنا رکھے ہیں جن سے ہر رخ کی ہوا داخل ہوتی رہتی ہے۔

Marfat.com

سب سے عمدہ ہوا مغربی سمت کی ہوتی ہے کیونکہ مغرب میں سمندر واقع ہے جس سے مرطوب اور خوش کن ہوا آتی ہے۔ اس کے بعد شام کی جانب سے آنے والی ہوا بھی خوشگوار ہوتی ہے جسے شمالی ہوا کہا جاتا ہے لیکن مشرقی اور جنوبی ہوائیں گرم ہوتی ہیں۔ (دائرۃ المعارف جلد ۹ ص ۳۲۸)

ڈاکٹر ایچ بی خان لکھتے ہیں

یہ شہر خشک پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے جن کی بلندی ۲۰۰ فٹ سے ۶۰۰ فٹ تک ہے اور پہاڑ قدرتی شہر پناہ کا کام بھی دیتے ہیں۔ سطح سمندر سے ۳۳۰ میٹر بلند ہے۔ بعض اوقات آب و ہوا سردیوں میں ۳۵ ڈگری سنٹی گریڈ اور گرمیوں میں ۵۰ ڈگری سنٹی گریڈ تک پہنچ جاتی ہے۔ یعنی سردیوں میں معمولی سردی اور گرمیوں میں سخت گرمی ہوتی ہے۔ اوسط درجہ حرارت ۳۵ ڈگری سینٹی گریڈ ہوتا ہے۔ یہاں دن رات اکثر برابر ہوتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ نصف گھنٹہ کا فرق ہوتا ہے۔ (شاہراہ مکہ ص ۴۲)

مردم شماری:

اس مقدس شہر کی آبادی کی تعداد علامہ قطب الدین حنفی نے ۹۲۳ھ میں مردوں عورتوں اور بچوں سمیت ۱۲۰۰۰ بیان کی تھی۔ (اعلام الاعلام ص ۲۸۵)

بعد ازاں علامہ فواد ہاشم نے مختلف ادوار میں حسب ذیل اعداد و شمار بیان کئے ہیں: ۱۲۵۰ھ میں ۱۸۰۰۰۔ ۱۸۷۱ء میں ۲۵۰۰۰۔ ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۳ء میں ۱۰۰۰۰۰ (یہ صرف مردوں کی تعداد ہے)۔ علامہ رفعت پاشا نے ۱۳۲۷ھ میں ۱۲۰۰۰۰ البحرانی نے ۱۳۲۹ھ ۱۵۰۰۰۰ اور ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۹۱۲ء ۲۰۰۰۰۰۔ (جزیرۃ العرب ص ۱۸۳)

علامہ لبیب البتنونی نے چودھویں صدی ہجری کے آغاز میں جو اعداد و شمار بیان کئے ہیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

اہالی	۵۰۰۰۰	جاوا	۱۵۰۰۰
اعراب	۲۵۰۰۰	سلیمانیہ اور افغان	۱۰۰۰۰
تکارا	۲۰۰۰۰	شورم	۵۰۰۰
ہندوستان	۱۲۰۰۰	مغربی	۵۰۰۰

Marfat.com

مختلف ممالک ۸۰۰۰۰۔ اس طرح مجموعی تعداد ۱۵۰۰۰۰ ہے۔ (رحلۃ الحجازیہ ص ۴۰)

انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا کے مطابق ۱۹۲۲ء میں ۱۵۰۰۰۰ مردم شماری تھی۔ مگر جدید ایڈیشن ۱۹۷۷ء میں تین لاکھ کا تخمینہ بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح عربی کی مشہور عالم لغت منجد میں بھی تین لاکھ تعداد بتائی گئی ہے۔ لیکن ڈاکٹر ایچ بی خان صاحب نے روزنامہ جنگ کراچی کے شمارہ ۲۳ر مارچ ۱۹۷۶ء کالم نمبر ۷ کے حوالہ سے تین لاکھ چھیاسٹھ ہزار سات سو ایک تعداد بیان کی ہے۔

سید قاسم محمود لکھتے ہیں

''اس وقت اس کی آبادی پانچ لاکھ کے قریب ہے' یہ شہر سعودی عرب کی مشہور بندرگاہ جدہ سے تقریباً ۶۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ اس کے مشرق میں طائف' مغرب میں جدہ شمال کی طرف مدینہ منورہ اور جنوب کی طرف عمیر اور اس سے ذرا آگے یمن ہے۔'' (اسلامی انسائیکلو پیڈیا ج ۲ ص ۵۰۳)

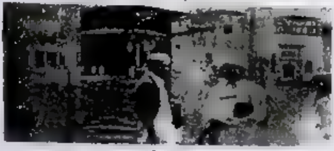

کعبہ شریف سیلاب میں گھرا ہوا ہے

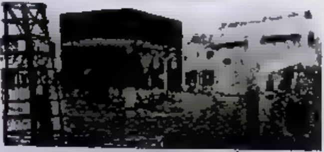

مطاف حرم شریف اور برآمدہ میں سیلاب کا منظر جب کہ کعبہ شریف حجر اسود تک پانی میں ڈوبا ہوا ہے

Marfat.com

مکہ معظمہ کے محلے

خلافت عثمانیہ میں محلوں کی تعداد اور تفصیلات الشیخ رفعت پاشا وامرائے مصر نے حسب ذیل بیان کی ہیں:

① **جرول**۔ اس کے قریب جبل حسیشہ ہے یہاں بڑے بڑے گڑھے ہیں۔ شریف عون رفیق کا باغ بھی اسی محلہ میں ہے۔ بیرذی طوی جس سے نبی کریم ﷺ نے مکہ شریف میں داخل ہوتے وقت غسل فرمایا تھا اسی میں واقع ہے۔ یہاں محمل مصری رکھنے کا مکان بھی بنا ہوا ہے اور سلطان عبدالحمید خان نے اس جگہ حجاج کے لئے مسافر خانہ بھی بنوایا ہے۔

② **مسفلہ**۔ حرم شریف کے جنوب میں واقع ہے اس میں شریف عبداللہ کا باغ اور سیدنا حمزہ اور ابوبکر صدیقؓ کی ولادت کے مکانات ہیں۔

③ **جیاد** حرم شریف سے جنوب مشرق میں ہے یہ محلہ پورے شہر میں زیادہ خوبصورت ہے کیونکہ اس کی سڑکیں کشادہ اور مکانات ترکی طرز کے عالیشان بنے ہوئے ہیں۔ اس میں ترکی حکومت کا دیوان بھی ہے بعض لوگ جھونپڑیوں میں بھی گزر بسر کرتے ہیں۔ یہاں فوج کے قیام اور ضرورت کے لئے ایک میدان ہے۔ اسی محلہ میں امیریہ پریس ڈاک خانہ ٹیلیگراف آفس ہسپتال اور کئی دیگر سرکاری دفاتر ہیں یہاں ایک چھوٹی سی مسجد بھی ہے۔

④ **قشاشیہ** حرم شریف سے مشرق کو ہے۔ اس کے مشرقی حصہ میں شعب علی جسے شعب بنی ہاشم بھی کہا جاتا ہے واقع ہے۔ اس میں دارالخیزران دار ارقم بن ابی ارقم دار ابی سفیان اور بنی شیبہ کے مکانات تھے علاوہ ازیں بیت خدیجہؓ مولد فاطمہ بھی تھے۔

Marfat.com

اور اسی محلہ میں ابوجہل کا مکان بھی تھا جس کی جگہ اب بیت الخلاء بنے ہوئے ہیں۔ یہ جگہ باب النبی ﷺ کے سامنے واقع تھی (اس جگہ ریز مین تقریباً ۳۵۰ بیت الخلاء بنے ہوئے ہیں)۔

⑤ **الغزۃ** حرم سے شمال مشرقی جانب ہے۔ اس میں بیت الامارت تھا' جس میں محمد علی پاشا رہتے تھے۔ مگر اس وقت عون رفیق پاشا قیام پذیر ہیں۔

⑥ **شعب بنی عامر** ۔ یہ غزہ کے شمال میں ہے اس میں مولد النبی ﷺ' مولد علی اور بنی ہاشم کے مکانات تھے۔ اس کے شرقی حصہ میں زمانہ جاہلیت میں بنی عبدالمطلب آباد تھے۔ لیکن آج کل یہاں اشراف مکہ مقیم ہیں۔ قریش کے مکانات زیادہ تر حرم شریف کے شمال کی طرف تھے۔

⑦ **الشامیہ** ۔ حرم کے شمال مغربی سمت ہے۔ یہاں بہت بڑا بازار ہے جس میں جواہرات اور دیگر قیمتی اشیاء فروخت ہوتی ہیں۔

⑧ **القرارہ** محلہ شامیہ کے شمال میں ہے۔ اس میں امیر مکہ شریف عبدالمطلب کا محل ہے۔ یہاں ایک چھوٹی سی مسجد بھی ہے۔

⑨ **السلیمانیہ** یہ النقا' المسنی' معابدہ' البیاضیہ' اور المعلاء پر مشتمل ہے۔ یہاں شریف غالب امیر مکہ کا مکان ہے اور مسجد اجابہ بھی واقع ہے۔ اس میں اکثر ہندی لوگ آباد ہیں۔ یہاں سبزی منڈی کے علاوہ بھیڑ' بکریاں اور اونٹوں کی منڈی بھی لگتی ہے۔ سید محمد صالح شیبی کا باغ بھی اسی محلہ میں واقع ہے۔

(مراۃ الحرمین جلد اص ۱۶۹ تا ۱۸۲)

علامہ طاہر کردی دامت برکاتہم نے لکھا ہے کہ دوسرے ممالک سے مسلمانوں کو بڑی تعداد اوکہ معظمہ میں آباد ہوتی رہی جس کے باعث آبادی میں مسلسل اضافہ ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ ۱۳۸۵ھ میں محلوں کی تعداد ۲۶ تک پہنچ گئی۔

(۱) سوق اللیل (۲) شعب علی (۳) شعب عامر (۴) السلیمانیہ (۵) المسعدہ (۶) جرول (۷) النقا (۸) الفلق (۹) قرارہ (۱۰) الشامیہ (۱۱) اجیاد

Marfat.com

(۱۲) القشاشیہ (۱۳) شبیکہ۔ اسی میں جیاد بھی شامل ہے۔ (۱۴) حارۃ الباب (۱۵) مسفلہ۔

لیکن سعودی دور میں جب آبادی بہت زیادہ بڑھ گئی تو مکہ مکرمہ کی حدود دور دور تک وسیع ہو گئیں۔ جس کے سبب ۱۳۷۰ھ میں مندرجہ ذیل محلے اور بھی آباد ہو گئے

(١) العتيبية (٢) الهنداوية (٣) البقر جسے آج کل العزيزية کہا جاتا ہے۔ (٤) حی الشُّشَّة (٥) حی الروضة (٦) حی الخانسة (٧) حی الزاهر (٨) حارة الطنبداوی جس میں شارع منصور ہے۔ (٩) محلة الرصيفة (١٠) محلة المشعلية (١١) محلة النزهة.

ان محلوں کے آباد کرنے والے یا رئیس حسب ذیل حضرات گزرے ہیں

اجیاد ۔ سعد طفران ۔ شامیہ ۔ عبداللہ بغنوی ۔ محلہ سلیمانیہ اور حجون۔ الشیخ عبدالقادر جانشاہ ۔ شعب عامر ۔ الشیخ حامد عدس ۔ محلہ الزاہر ۔ نسیبہ بن سعد ۔ محلہ مسفلہ ۔ الشیخ سراج ابوزید ۔ شبیکہ ۔ الشیخ حمزہ عالم ۔ القشاشیہ ۔ احمد محمد نصار ۔ محلہ النزھۃ ۔ علی محمد سابق ۔ القرارہ ۔ حامد ہرسانی ۔ النقا ۔ الشیخ یحیی عابس ۔ سوق اللیل ۔ محمد علی میاو ۔ الهنداویہ ۔ جمیل محمد باوزیر ۔ محلہ المعابدہ ۔ سعد بن ریحان ۔ جرول ۔ خلیل اللہ جمعہ۔

Marfat.com

سڑکیں

مکہ مکرمہ کی سڑکوں کا نقشہ

مکہ مشرفہ کی سڑکیں کسی زمانہ میں انتہائی تنگ' دشوار گزار اور ناگفتہ بہ حالت میں تھیں۔ لیکن تمدنی اور عمرانی ترقی نے اس خامی کو ایسا دور کیا کہ آج یورپ کے متمدن شہروں کی سڑکوں سے اس شہر خوباں کی سڑکیں زیادہ کشادہ' خوبصورت اور مضبوط ہیں۔ نہ صرف اس شہر کے اندر کی سڑکیں قابل تعریف ہیں بلکہ دنیا بھر کے اسلامی ملکوں سے اُمّ القریٰ کو جانے کے لئے شاہراہیں ایسی بے نظیر ہیں جن کی تعریف اغیار کے علاوہ اغیار بھی کرنے پر مجبور ہیں۔

Marfat.com

کسی زمانہ میں امریکن پادری ایس ایم ذویمر نے پیشین گوئی کی تھی۔
ہم عرب کے بیت المقدس (مکہ) کے متعلق یہ رائے قائم کرنے کی جرأت کرتے ہیں کہ اس صدی ۱۸۵۵ء کے گزرنے سے پہلے مکہ کا سفر برلن کے سفر سے زیادہ دشوار نہیں رہے گا۔ (حالات عرب و عراق وعمان ص ۳۰)

لیکن آج واقعات نے ثابت کر دکھایا ہے کہ برلن نہیں بلکہ پیرس اور ٹوکیو جیسے شہروں سے بھی مکہ مشرفہ کا سفر آرام دہ اور آسان ہے۔ بری' بحری اور ہوائی راستوں سے شب و روز حجاج اور زائرین بغیر کسی دشواری اور خوف و خطر کے اس مقدس شہر کی زیارت کے لئے جوق در جوق جا رہے ہیں۔ ہم ذیل میں شہر کی سڑکوں کے علاوہ بعض مسلم ممالک سے ام القریٰ پہنچنے والی شاہراہوں کا تذکرہ ناظرین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

ازمنہ قدیم کے مؤرخین نے مختلف ادوار میں شہر کی سڑکوں اور راستوں کا ذکر اس طرح کیا تھا۔ امام تقی الدین فاسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

مکہ مکرمہ کے راستے بہت تنگ تھے جا بجا خاردار درخت اور چٹانیں رکاوٹ بنی ہوئی تھیں۔ ۹۵۰ھ میں نائب جدہ امیر خوش کلدی نے بڑی بڑی چٹانوں اور خاردار درختوں کو کاٹ کر سڑکوں کو کشادہ کیا' جس سے حجاج کو آسانی' سہولت اور راحت نصیب ہوئی' تو لوگوں نے امیر موصوف کا بے حد شکریہ ادا کیا۔ (شفاء الغرام ص ۲۱۷)

الشیخ ابراہیم رفعت پاشا مصری لکھتے ہیں

مکہ مکرمہ کی سڑکیں تنگ اور غیر منظم ہیں۔ ان کی چوڑائی ۸ سے ۱۰ اور زیادہ سے زیادہ ۲۰ میٹر تک ہے۔ (مراۃ الحرمین جلد ۱ ص ۱۷۸)

علامہ فرید وجدی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں

مکہ معظمہ کے درمیان سے ایک سڑک مغرب سے مشرق کی طرف جاتی ہے جو شہر کی سب سے بڑی سڑک ہے۔ یہ شہر کی مختلف اطراف سے گزرتی

Marfat.com

ہے اسی وجہ سے اس کے نام بدلتے جاتے ہیں اور یہی نام محلہ جات کے مشہور ہیں۔

یہ سڑک جب جرول سے مغرب کی طرف جاتی ہے تو اسے ''حارۃ الباب'' کہتے ہیں۔ پھر جب حرم شریف کے دائیں جانب سے جنوب کو مڑتی ہے تو ''سوق صغیر'' کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ اس سے اگلے حصہ کو جیاد کہا جاتا ہے۔ لیکن جب یہ سڑک یہاں سے صفا کو جاتی ہے تو مسعی کہلاتی ہے۔ پھر قشیشیہ' پھر سوق الیل اور پھر غزہ کہتے ہیں۔ یہیں سے یہ سڑک شہر کے مشرقی دروازہ جسے باب معلاۃ کہا جاتا تھا تک جاتی ہے۔ (دائرۃ المعارف۔ جلد ۹ ص ۳۲۸)

علامہ طاہر کردی مدظلہ قدیم اور جدید سڑکوں کا تجزیہ اس طرح کرتے ہیں۔

۱۳۰۰ھ میں اصلاح' تعمیر اور ترقی کا ایسا جامع منصوبہ بنایا گیا' جس کے سبب ۱۳۸۵ھ تک اس عظیم الشان شہر کی حالت بالکل تبدیل ہو گئی۔ راستوں سے پتھر اور چٹانیں غائب ہو گئیں۔ خاردار درختوں نے حجاج سے الجھنا چھوڑ دیا۔ گڑھے اور نالے کشادہ اور خوبصورت شاہراہوں میں تبدیل ہو گئے' اور اب یہ شہر بلا مبالغہ ''عروس البلدان'' کا منظر پیش کر رہا ہے۔ (تاریخ القویم جلد ۲ ص ۳۰)

مکہ مشرفہ سے مدینہ منورہ کا راستہ

قدیم زمانہ میں مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ جانے کے لئے چار مختلف راستے تھے جن سے حجاج کرام زیارت مدینہ سے شرف بار ہوتے تھے۔

السلطانی - الفرعی - الغابر - الشرقی

الطریق السلطانی:

اس راستے سے جانے والے قافلے حرم شریف کے باب العمرہ سے رخصت

Marfat.com

ہوتے تھے۔ اس راستہ میں پانی کی فراوانی' شادابی اور آسانی تھی۔ اس میں حسب ذیل مقامات پائے جاتے تھے۔

وادی فاطمہ: یہ سرسبز و شاداب جگہ ہے' یہاں باغات اور کھیتی باڑی کثرت سے ہوتی ہے پانی میٹھا اور عمدہ ہے۔ طائف کے پہاڑوں سے یہاں اکثر سیلاب آتے ہیں۔ عرب کے اشراف اس جگہ آباد ہیں۔ وادی فاطمہ اور مکہ مکرمہ کے درمیان بنولحیان آباد تھے۔ اس جگہ سیدہ ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی قبر اطہر ہے۔

عسفان: یہاں پانی کی قلت تھی' راستہ بھی تنگ اور دشوار گزار تھا۔

خلیص: اس جگہ پانی عمدہ اور زیادہ تھا' یہاں قبائل زبید مقیم تھے۔ کھجوروں کے باغات بھی تھے۔

القدیمہ. القدیمہ یا القضیمہ' ساحل کے قریب چھوٹا سا قریہ تھا' لوگ جھونپڑیوں میں رہتے تھے۔ پانی کی شدید قلت تھی۔ بارش کا پانی گڑھوں میں جمع کر لیا جاتا' وہ ہی پیتے اور دوسری ضروریات میں استعمال کرتے تھے۔ ان کی گزر اوقات سمندر کے شکار پر تھی۔

رابغ. بحر احمر کے کنارے واقع ہے۔ یہاں ترکوں کا ایک فوجی قلعہ بنا ہوا ہے۔ کنوؤں اور گڑھوں کا پانی استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ بندرگاہ بھی تھی جہاں چھوٹے جہاز ٹھہرتے تھے' جن میں زیادہ تر اسلحہ وغیرہ ہوتا تھا۔

مستورہ: یہاں سے ایک راستہ بدر کو اور ایک راستہ الصفراء کو جاتا ہے' یہاں پانی اچھا نہیں تھا۔ اسی مقام پر سیدہ آمنہ اُمّ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک ہے۔

بیئر الشیخ. یہاں قبائل صبح آباد تھے اور پانی کھارا تھا۔

دیار بنی حصانی. قبائل صبح اور حوازم آباد تھے' پانی اچھا نہیں تھا۔

الحمراء. یہاں میٹھے پانی کی نہر جاری تھی۔ مختلف پھلوں سبزیوں اور کھجوروں

Marfat.com

کے باغات پائے جاتے تھے۔ سیب' لیموں' کیلا اور مہندی کی پیداوار بکثرت تھی' یہاں قبائل حوازم آباد تھے۔

الجدیدہ یہاں پانی عمدہ اور میٹھا ہے۔ قبائل حوازم اور احامدہ آباد ہیں۔ یہاں سید عبدالرحیم البرعی المصری کی قبر ہے۔

بیئر عباس حوازم' صبح اور احامدہ کے لوگ آباد ہیں۔ پانی کی قلت ہے۔ اس کے مشرق کی طرف سے راستہ گزرتا ہے۔

بیئر درویش یہاں احامدہ اور حلہ قبائل آباد ہیں۔

بیئر علی یہ جگہ مدینہ منورہ سے ۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں قبائل عوف اور بنی عمرو آباد ہیں۔ نیز یہ مدینہ طیبہ کے میقات بھی ہے۔ یہاں سے نبی ﷺ نے احرام باندھا تھا۔

(سعودی دور حکومت میں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کے درمیان جو پختہ سڑک بنائی گئی ہے وہ تقریباً انہی مقامات سے گزرتی ہے)۔

مکہ معظمہ سے جموم (وادی فاطمہ) عسفان' خلیص' دف' صعز' رابغ' مستورہ' قضائف' بدر' واسطہ مسیجید' برالراحہ' قریش' ابیار علی اور مدینہ منورہ اس راستہ سے مدینہ طیبہ ۵۰۰ کلومیٹر ہے۔ (رابغ 'مستورہ اور بدر بڑی منزلیں ہیں۔ یہاں حجاج آرام کرتے' کھانا کھاتے اور نماز پڑھتے ہیں۔ کھانے پینے کا اچھا انتظام ہے)۔

الطریق الفرعی مکہ مکرمہ سے رابغ پہنچ کر شمال مشرقی جانب راستہ نکل جاتا ہے۔ اسی راستہ میں وادی حرشان اور نقر الفار آتا ہے' جہاں بنو سالم آباد تھے' راستہ بہت تنگ تھا' ایک اونٹ گزر سکتا تھا۔

بیئر رضوان یہاں پانی عمدہ اور میٹھا تھا۔

ابو ضباع یہاں بھی پانی عمدہ اور میٹھا تھا' بنو عوف کی آبادی تھی۔

الریاض یا وادی الریان یہ جگہ سرسبز و شاداب' پانی کی فراوانی اور درخت

کثرت سے پائے جاتے تھے۔

الغدیر: یہاں ایک برساتی نالہ ہے۔

وادی المعظم: اس جگہ پانی بہت عمدہ ہے۔

بیئر الماشی: پانی عمدہ ہے اور بنوعوف آباد ہیں۔

طریق الغایر: یہ راستہ رابغ یا مستورہ سے نکلتا ہے۔ جبل الغایر کے شمال سے گزرتا ہے۔ سخت تنگ اور دشوار گزار راستہ ہے۔ نشیب و فراز اور ناہموار ہونے کی وجہ سے پرخطر اور صبر آزما ہے۔ ایک ایک اونٹ بھی سخت مشکل سے چل سکتا تھا۔ اگرچہ قریب ترین تھا' مگر سخت دشوار۔ مصری قافلے اسی راستہ سے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ جاتے تھے۔

طریق الشرقی: مکہ مشرفہ سے باب المعلی سے نکل کر منیٰ اور پھر مشرقی جانب سے ہوتا ہوا بیر البارود کو جاتا تھا۔ اس راستہ میں حسب ذیل مقامات تھے۔

وادی اللیمون: یہاں لیموں اور نارنگی کثرت سے ہوتی تھی۔ دیگر پھل اور سبزیاں بھی پائی جاتی تھیں۔ جبال الہدی سے چشمے جاری تھے۔

الخفایر: یہاں پانی عمدہ اور زمین میں بہت قریب تھا۔

برکۃ سموۃ: گرمیوں کے پورے عرصہ میں پانی کی سخت قلت رہتی تھی۔

برکۃ المسلح: یہاں باغات کی کثرت اور پانی بھی بہت عمدہ تھا۔

الحبیط: اس کے بعد **سفینہ** یہاں کھجور کے باغات پائے جاتے تھے۔

السویرجیۃ: اسی جگہ آل حسین آباد تھے' پانی کی فراوانی اور کھیتی باڑی بہت ہوتی تھی۔

المجریۃ: اس مقام سے پانی کافی فاصلہ پر ملتا تھا۔

ضراب: اس جگہ زمین میں پانی اس قدر قریب تھا کہ نصف گز یا زیادہ سے زیادہ ایک گز کے فاصلہ پر پانی آ جاتا تھا۔

Marfat.com

الغدیر بعض مؤرخین نے اس جگہ کا نام الحتق لکھا ہے' یہاں بارش کا پانی گڑھوں میں جمع کر لیا جاتا تھا اور وہی استعمال ہوتا تھا۔

(تاریخ التقویم جلد ۲ ص ۲۲۱ تا ص ۲۲۳)

طریق الھجرہ ۔ سعودی حکومت نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کے لئے ایک عظیم الشان سڑک تعمیر کی ہے۔ جس کا نام "طریق الہجرہ" ہے۔ ہجرت نبویؐ کے راستہ پر یہ سڑک تعمیر کی گئی ہے۔ اس کی لمبائی مکہ سے مدینہ تک ۴۲۰ کلومیٹر ہے۔ یہ دو رویہ وسیع و عریض سڑک تین سال میں مکمل ہوئی تھی۔ اس پر مجموعی اخراجات ۲،۵۴۳،۰۰۰،۰۰۰ ریال یعنی دو ارب چون کروڑ تیس لاکھ آئے ہیں۔

(تاریخ کعبہ اردو ص ۳۶۶)

مکہ کو آنے والی چند شاہرائیں

عمان سے مکہ مکرمہ تک

عمان سے فرق' عوٗ ساحل ہباہ' شحر یہ' کندہ' مذحج' لحج' عدن' لولا بنی مجید' ملحلہ' رکب' منذب' زبید' غلافقہ' عک' حردہ' حکم' عشر' مری ضنکان' مری علی' زربن' اخیار' ہرہاب' شعبیہ' منزل' جدہ اور مکہ مکرمہ۔ (المسالک الممالک ص ۱۴۷)

مکہ مکرمہ سے یمن:

مکہ مکرمہ سے بیر ابن مترفع' قرن المنازل یہ ایک بڑا شہر ہے' فتق' یہ بڑا قصبہ ہے۔ صفن' یہ بڑا قصبہ ہے۔ کری' اس میں باغات اور چشمے ہیں۔ رنیعۃ' یہاں باغات اور چشمے پائے جاتے ہیں۔ تبالہ' یہ بہت بڑا شہر ہے اور چشمے بھی ہیں۔ بیشہ بطان' یہ کافی بڑا شہر ہے' اور پانی بکثرت پایا جاتا ہے۔ جسداء' یہاں کنواں ہے مگر آبادی نہیں۔ بنات حرب' یہ بہت بڑا قصبہ ہے' جس میں کنوئیں اور چشمے بھی ہیں تبثم' غیر آباد ہے۔ کتنۃ بڑا قصبہ ہے اور کنوئیں بھی کثرت سے ہیں۔ تججۃ یہاں

Marfat.com

کنواں ہے۔ سرومؔ یہ قصبہ سرسبز وشاداب ہے اور کافی بڑا ہے۔ مَهْجَرةٌ یہ بھی بہت بڑی آبادی ہے۔ مکہ اور یمن کا مال تجارت جمع ہونے کی منڈی ہے۔ عرفۃؔ یہاں پانی بہت کم ہے اور ویران پڑا ہے۔ صعدہؔ بہت بڑا شہر ہے۔ یہاں چمڑہ دباغت دیا جاتا ہے۔ اور جوتے بنائے جاتے ہیں۔ الاعمیشہؔ یہاں چھوٹا کنواں ہے مگر آبادی نہیں۔ خیوانؔ یہ عظیم الشان قصبہ ہے یہاں دو بڑے تالاب ہیں انگور بکثرت پائے جاتے ہیں اور زراعت و باغبانی بھی ہوتی ہے۔ (المسالک الممالک ص ۱۴۷)

بصرہ سے مکہ معظمہ تک۔

بصرہ سے منجشانیۃ ، حُفَیر ، رُحَیل ، شَجی ، خورجاہ ، حَفَر ، ماوِیَّۃ ، ذات العُشر ، یسوعۃ ، سُمَیَّہ ، باج ، عن سجۃ ، قریتین ، رامتہ ، اَمَّرۃ ، طخفہ ، ضریۃ ، جَلدیلہ ، فَلَجَۃ ، دفینۃ ، قبا ، مرّان ، وجرۃ ، اوطاس ، ذات عرق اور مکہ معظمہ۔ (المسالک الممالک ص ۱۳۶)

مکہ مکرمہ سے بعض مشہور شہروں کا فاصلہ

الشیخ ابراہیم رفعت پاشا نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے ام القریٰ مکہ معظمہ سے حسب ذیل شہروں کا فاصلہ بیان کیا ہے۔ ممکن ہے موجودہ شاہراہوں کی صلاحات کے باعث کمی بیشی ہوگی ہو لیکن ہم موصوف کی محنت کی قدر کرتے ہوئے اس جدول کو ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

نمبر شمار	بلاد	سمت	فاصلہ	نمبر شمار	بلاد	سمت	فاصلہ
۱	مدینۃ المنورہ	شمال	۱۱۲ میل	۵	بغداد	شمال مشرق	۷۴۲ میل
۲	القدس	شمال مغرب	۸۳۰ ,,	۶	ثغر	جنوب	۴۷۶ ,,
۳	القسطاط	,, ,,	۸۵۴ ,,	۷	زبید	جنوب مغرب	,, ,,
۴	دمشق	,, ,,	۷۳۸ ,,	۸	طائف	,, ,,	۳۰ ,,

Marfat.com

۹	بصرہ	شمال مشرق	۶۱۰ میل	۲۷	سراندیپ	جنوب مشرق	۳۰۵۲ میل
۱۰	کوفہ	״ ״	۵۱۰ ״	۲۸	کنبایت	شمال مشرق	۱۸۰۶ ״
۱۱	عیذاب	مغرب	۱۲۴ ״	۲۹	الحسا	جنوب مشرق	۵۳۳۲ ״
۱۲	طور	شمال مغرب	۸۰۰ ״	۳۰	الرشوت	״ ״	۲۹۳۰ ״
۱۳	بلقاء	״ ״	۶۸۰ ״	۳۱	قراقرم	شمال مغرب	۳۹۹۸ ״
۱۳	موصل	״	۷۸۴ ״	۳۲	کاشغر	شمال مشرق	۱۹۷۳ ״
۵	اصفہان	شمال مشرق	۹۳۰ ״	۳۳	ترمذ	״ ״	۱۵۹۶ ״
۱۶	نیشاپور	״	۱۱۰۰ ״	۳۴	بجی رگی	״ ״	۱۳۸۸ ״
۱۷	ہرات	״	۱۳۳۳ ״	۳۵	سمرقند	״ ״	۱۶۳۸ ״
۱۸	بلخ	״	۱۵۹۰ ״	۳۶	کرکانج	״ ״	۱۳۲۵ ״
۱۹	غزنی	״	۱۷۳۸ ״	۳۷	بلغار	״ ״	۲۰۱۶ ״
۲۰	مرو	״	۱۳۰۰ ״	۳۸	القرم	شمال مغرب	۱۵ ۷ ״
۲۱	ہرمز	״	۲۰۷۰ ״	۳۹	کسطموتیہ	״ ״	۱۵۱۴ ״
۲۲	کابل	״	۱۶۳۴ ״	۴۰	قسطنطنیہ	״ ״	۱۹۱۰ ״
۲۳	ملتان	״	۱۶۵۴ ״	۴۱	رومیہ		۹۳۲ ״
۲۴	دہلی	״	۲۲۲۰ ״	۴۲	غرناطہ	״ ״	۳۲۵۰ ״
۲۵	تانہ	״	۱۳۱۱ ״	۴۳	مراکش	״ ״	۲۹۳۴ ״
۲۶	الکولم	جنوب مشرق	۲۸۸۰ ״	۴۴	تیونس	״ ״	۲۰۷۴

(مراۃ الحرمین جلد اول ۳۲۷، ۳۲۸)

—— ○ ——

Marfat.com

شاہ کوزین کا مکانِ ولادت

فضائل مکہ مشرفہ

یہ وادئ قدس جلالت و عظمت اور علو مرتبی میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ اپنی نرالی اور امتیازی شان میں دنیا جہان کی آبادیوں، شہروں اور قصبوں کی بادشاہ اور ان کی تخلیق کا موجب ہے اسی لئے اس کا لقب ''اُم القریٰ'' ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کبار امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگردان رشید اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے جلیل القدر تلامذہ اس بات کے قائل ہیں کہ مکہ مکرمہ زادھا اللہ تعالیٰ تعظیماً وتشریفاً وتکریماً ساری دنیا کے شہروں سے بلکہ مدینہ طیبہ سے بھی افضل اور اکرم ہے۔ ان کے اس نظریہ کی بنیاد حسب ذیل احادیث ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

ان النبی ﷺ قال صلوٰۃ فی مسجدی ھذا افضل من الف صلوٰۃ فیما سواہ ، الا المسجد الحرام و صلوٰۃ فی المسجد الحرام افضل من مائۃ صلوٰۃ فی مسجدی [رواہ ابن ماجہ و احمد ج ٤ ص ٥]

''فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مسجد کی نسبت ایک ہزار گنا زیادہ فضیلت رکھتی ہے سوائے مسجد حرام کے اور مسجد حرام میں ایک نماز اس سے بھی سو گنا بڑھ جاتی ہے (یعنی ایک لاکھ گنا ہو جاتی ہے)''۔

اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

''مسجد نبوی شریف میں ایک نماز پچاس ہزار گنا فضیلت رکھتی ہے اور مسجد حرام میں ایک نماز پر ایک لاکھ گنا ثواب ملتا ہے''۔

(ابن ماجہ ص ١٠٢، جامع صغیر ص ٣٦)

Marfat.com

اس عدیم النظیر شہر کا جاہ و جلال اور عظمت درحقیقت اس سادہ و بے نمود مکان کی مرہون منت ہے' جس کی صداقت اور حقانیت پر چار ہزار برس کے حوادثات اور انقلابات بھی کوئی دھبہ نہیں لگا سکے۔ چند پتھروں سے چنی ہوئی دیوار جو کروڑوں انسانوں کی پرستش گاہ اور قبلہ وجود ہے۔ جو نہ صرف زندگی میں قبلۂ جاناں ہے بلکہ مر جانے کے بعد بھی منہ اس کی سمت کیا جاتا ہے اور خداوند تعالیٰ کے جلال اور قدوسیت نے تمام عالم میں صرف اسی کی چھت کو اپنا نشیمن قرار دیا۔

یہ نگری رب کریم کی اس نعمت بیکراں پر جس قدر ناز کرے کم ہے کہ اسی کی آغوش میں رحمت کائنات' فخر موجودات' مولائے کل' ختم رسل' حبیب خدا محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والثناء عالم قدس سے جہان رنگ و بو میں جلوہ افروز ہوئے۔ پھر اس کی محبت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے رگ و ریشہ میں ایسی سرایت کر گئی کہ مشرکین کی روح فرسا و جاں گداز مظالم کے باوجود اس کی جدائی کا صدمہ ناقابل برداشت تھا۔ تیرہ سال مسلسل جفاکشی اور قریش کے پیہم جور و جفا کے باوجود آپ کے دل میں مکہ مکرمہ چھوڑنے کا خیال تک نہ آیا۔ اس عرصے میں جو کچھ آپ پر بیتی اس کے سننے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس دل دوز داستان کو لکھتے وقت قلم لرز جاتا ہے۔ جب تخت نامساعد حالات کے پیش نظر اللہ جل جلالہ نے ترک وطن کر کے مدینہ طیبہ کو توحید خداوندی اور تبلیغ اسلام کا مرکز بنانے کا حکم دیا' تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کی تاریکی میں جب کہ ہر سو خاموشی اور سناٹا تھا اس مقدس شہر سے رخصت ہوتے وقت حسرت بھری نگاہوں سے اس کے درو دیوار اور حجر و شجر کو دیکھ کر درد دل سے ارشاد فرمایا

مَا اَطْیَبَکِ مِنْ بَلَدٍ وَّ اَحَبَّکِ اِلَیَّ ، وَلَوْلَا اَنَّ قَوْمِیْ اَخْرَجُوْنِیْ مَا سَکَنْتُ غَیْرَکِ [مشکوۃ شریف ص ۲۳۸]

"اے مکہ! تو کتنا ذی شان شہر ہے اور مجھے کس قدر محبوب و مرغوب ہے۔ اگر میری قوم مجھے نہ نکالتی تو میں تیرے سوا کسی دوسری جگہ قیام نہ کرتا"۔

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن عدی بن الحمراء ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور انور ﷺ کو اونٹ پر سوار الحزورہ کے پاس دیکھا (الحزورہ حرم شریف کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے) آپ مکہ مکرمہ کی طرف مخاطب ہو کر فرما رہے تھے

وَ اللّٰهِ اِنَّكِ لَخَيْرُ ارض الله و احب ارض الله والله لولا انی اخرجت منك ما خرجت (ابن ماجہ ص ۲۲۴، مشکوٰۃ شریف ص ۲۳۸)

" اے مکہ! خدا کی قسم تو اللہ تعالیٰ کی بہترین زمین ہے اور اسے تو بہت ہی پسند ہے۔ اگر مجھے یہاں سے نکالا نہ جاتا تو میں کبھی نہ نکلتا"۔

المحدث الشہیر' الفقیہ النبیل علامہ علی بن سلطان محمد القاری رحمتہ الباری مذکورہ حدیث کی تشریح میں ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ مومن کے شایان شان نہیں کہ وہ مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ قیام اختیار کرے۔ اگر چہ اس کا نکلنا حقیقتاً ہو یا حکماً۔ دینی غرض سے ہو یا دنیاوی مقصد کے لئے اور اسی لئے کہا جاتا ہے کہ مکہ معظمہ میں ورود و دخول تو سعادت ہے مگر اسے چھوڑنا شقاوت ہے۔

امام موصوف مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی فضیلت کا باہم تقابل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مکہ مشرفہ' مدینہ منورہ سے افضل ہے' کیونکہ مکہ معظمہ کی فضیلت ذاتی ہے' جب کہ مدینہ منورہ کی فضیلت ذات بابرکات ستودہ صفات' سید موجودات حضرت محمد مصطفی ﷺ کے وجود مسعود کی مرہون منت ہے۔ آپ کے وجود رحمت ورود نے مدینہ منورہ کو چار چاند لگائے ہیں اور اس فرق کو سمجھنے کے لئے یہ دلیل کافی شافی ہے کہ مکہ مکرمہ کا سفر کرنا (یعنی حج کے لئے) بالاجماع واجب ہے۔ جب کہ مدینہ طیبہ کا سفر بغیر کسی اختلاف کے سنت ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح جلد ۶ ص ۱۰)

یہ الگ بات ہے کہ اس سنت کا مقام اور ثواب اس قدر زیادہ ہے کہ اس کی ادائیگی نہایت ضروری ہے اور اس کے ترک پر وعید صادر ہوئی ہے۔

قدوۃ المفسرین امام فخرالدین رازی رحمتہ نے یہ حدیث بیان فرمائی ہے

فضل المسجد الحرام علی مسجدی ۔ کفضل المسجدی علی

Marfat.com

سائر المساجد [تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۹]

''مسجد حرام کی فضیلت مسجد نبوی پر بعینہ اسی طرح ہے جس طرح باقی مسجدوں پر مسجد نبوی کی''۔

اور اس متبرک شہر میں رب کریم ایک نیکی کے عوض میں ایک لاکھ گنا اجر مرحمت فرماتے ہیں۔ لیکن جہاں رحمت خداوندی کا بحر بیکراں موجزن اور اس کی عنایات لامتناہی ہیں' وہاں گناہ پر مواخذہ بھی اسی نسبت سے شدید ہونا ایک فطری تقاضا ہے۔ چنانچہ سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ مکہ مکرمہ میں مجھ سے ایک گناہ سرزد ہونا زیادہ شاق ہے بہ نسبت اس کے کہ دوسرے کسی شہر میں ستر گناہ ہو جائیں۔ اس خوف سے کہ مبادا اس مقدس شہر میں رہتے ہوئے ان سے کوئی غلطی سرزد نہ ہو جائے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے طائف وغیرہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس آدمی نے مکہ معظمہ میں رمضان المبارک پایا اور اس کے روزے رکھے اور تراویح ادا کی تو کسی دوسرے مقام کی نسبت یہاں اسے ایک لاکھ رمضان شریف کا اجر وثواب عنایت ہوگا۔ اس کے علاوہ اُسے ہر دن اور رات کے بدلے ایک ایک غلام آزاد کرنے کا اجر بھی ملے گا' اور ہر روز دو گھوڑوں کا بوجھ اللہ کی راہ میں خیرات کرنے کا ثواب بھی حاصل ہوگا''۔ (مرقاۃ مفاتیح جلد ۲ ص ۱۱)

علامہ قزوینی رحمۃ اللہ علیہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کرتے ہیں کہ

''میں نہیں جانتا کہ مکہ کے سوا بھی زمین پر کوئی ایسا شہر ہوگا جس میں نیکیاں سوگنا بڑھ جاتی ہوں اور نماز کی ایک رکعت کے بدلے ایک سو رکعات کا اجر ملتا ہو اور اس کے مکان بیت اللہ شریف کی طرف صرف دیکھنے سے ایک سال کی عبادت کا ثواب نصیب ہوتا ہو اور ایک درہم (تقریباً چار آنے) صدقہ کرنے پر ایک ہزار درہم کا بدلہ ملتا ہو''۔ (آثار البلاد ص ۱۱۲)

Marfat.com

مؤرخ جلیل علامہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ روایت نقل فرماتے ہیں

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مسلمان نے مکہ مکرمہ کی گرمی ایک ساعت بھی برداشت کی' اللہ رب العزت اسے جہنم کی آگ سے ایک سو سال کی مسافت پر دور کر دیتا ہے''۔ (اعلام الاعلام ص ۲۲)

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نقل کی ہے کہ

''مکہ مکرمہ میں ایک رمضان المبارک کے روزے رکھنا کسی دوسرے شہر میں ایک ہزار رمضان کے روزے رکھنے سے بلحاظ ثواب کے بہتر ہے''۔

(جامع صغیر جلد ۲ ص ۲۴)

سیدنا سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

''جو آدمی مکہ مکرمہ میں ایک دن بیمار ہو جائے اس سے روز مرہ کے نیک کاموں کے معمولات ادا نہ ہو سکیں' تو اللہ جل وعلی شانہ اسے نہ صرف اس دن کے اعمال کے اجر سے نوازتے ہیں بلکہ سات سال کے اعمال کا نظیر اجر بھی مرحمت فرماتے ہیں''۔ (اعلام الاعلام ص ۲۲)

علامہ قزوینی رحمۃ اللہ علیہ روایت بیان کرتے ہیں کہ

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس آدمی نے مکہ مکرمہ کی گرمی پر ایک ساعت بھی صبر کیا تو اس سے جہنم ایک سو سال کے فاصلہ تک دور کر دی جائے گی اور جنت دو سو سال کی مسافت اس کے قریب کر دی جائے گی۔ یہ شہر نہ تو مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال ہوا اور نہ ہی میرے بعد ہوگا (جنگ کے لئے) اور میرے لئے بھی دن میں سے تھوڑی سی دیر کے لئے حلال ہوا تھا''۔ (آثار البلاد ص ۲)

الشیخ محمد طاہر کردی دامت برکاتہم ارقام فرماتے ہیں امت کے بعض جید علماء کرام مدینہ طیبہ پر مکہ مکرمہ کی فضیلت کے قائل ہیں۔ جب کہ بعض کے نزدیک مدینہ طیبہ مکہ معظمہ سے افضل ہے۔ فریقین کا دعوی معقول اور ٹھوس دلائل پر مبنی ہے اور نیت پر خلوص

Marfat.com

اور نیک ہے۔ ہر ایک فریق اپنی بات محبت یقین ایمان اور خلوص سے پیش کرتا ہے اور حدود شریعت سے تجاوز نہیں کرتا۔ لہٰذا دونوں عنداللہ اجر و ثواب کے حقدار ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اپنی رائے کو دلائل کی روشنی میں ہدیہ ناظرین کریں۔ اس میں شک نہیں کہ مکہ مکرمہ زمانہ قدیم سے مشہور و معروف ہے کیونکہ اسی میں بیت اللہ شریف کے علاوہ متعدد معظم اور متبرک شعائر موجود ہیں۔ اسلام کا پانچواں عظیم الشان رکن ''حج'' یہیں ادا کیا جاتا ہے۔ اور انواع و اقسام کی قربانیاں اسی شہر میں ذبح کی جاتی ہیں اور قرآن مجید میں بھی یہ مقدس تذکرہ موجود ہے۔

﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ○ فِیْہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ وَ مَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا○ وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا ○ ﴾

[سورۃ آل عمران رکوع ت ۹۵ پ ٤]

''بیشک پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر ہوا مکہ ہی میں ہے برکت والا اور ہدایت ہے جہان والوں کے لئے اس میں نشانیاں ہیں ظاہر جیسے مقام ابراہیم اور جو اس میں داخل ہو گیا اسے امن مل گیا۔ اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا جو شخص قدرت رکھتا ہو اس کی طرف راہ چلنے کی''

اور یہی ایسا مقدس شہر ہے جس کی قسمیں اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں اٹھائی ہیں اور اللہ پاک اپنے مقدس کلام میں اسی چیز کی قسم اٹھائیں گے جو تمام چیزوں سے افضل ہو گی

﴿ وَالتِّیْنِ ○ وَالزَّیْتُوْنِ ○ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ وَ ھٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ ○

[سورۃ تین پ ۳۰]

''قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی اور طور سینین کی اور اس امن والے شہر کی''۔

اور فرمان باری تعالیٰ ہے

'' لَآ اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِھٰذَا الْبَلَدِ [۱ - ۲]

Marfat.com

''میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی اور آپ پر ممانعت نہیں رہے گی اس شہر میں''۔

اور سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے بیت اللہ شریف کی تعمیر سے فارغ ہو کر دعا کی تھی

﴿ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴾

(سورہ بقرہ، رکوع ۱۵ آیت ۱۲۹)

''اے ہمارے پروردگار ان میں ایک رسول بھیج جو انہیں میں سے ہو انہیں تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور کتاب کی تعلیم دے اور دانائی کی باتیں سکھائے اور ان کا تزکیہ نفس کرے بیشک تو ہی زبردست بڑی حکمت والا ہے''۔

یہ چند آیات مکہ معظمہ کی فضیلت میں پیش کی گئی ہیں اور اسی طرح احادیث میں بھی اس مکرم شہر کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا

''میری اس مسجد (مسجد نبوی ﷺ) میں دوسری مسجدوں کے مقابلہ میں ایک نماز کا ثواب ایک ہزار گنا ہے سوا مسجد حرام کے''۔ (رواہ بخاری ومسلم)

''میری اس مسجد میں دوسری مسجدوں کے مقابلہ میں ایک نماز کا ثواب ایک ہزار گنا سے بھی زیادہ ہے' ما سوا مسجد حرام کے' اور مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ گنا سے بھی افضل ہے''۔ (رواہ احمد ج ۴ص ۵)

اسی طرح کثیر تعداد میں انبیاء اور رسل حج بیت اللہ کی خاطر اس معظم شہر میں تشریف لائے اور امام الانبیاء حبیب کبریا ﷺ کی ولادت کے لئے اس شہر کا انتخاب کیا گیا۔

مکہ مکرمہ روئے زمین میں سب جگہوں سے زیادہ عزت اور بزرگی والا شہر ہے۔ اور آسمان کے نیچے یقینی طور پر سب سے افضل خطہ ہے۔ کیونکہ اسی میں بیت اللہ شریف ہے جس کا حج کیا جاتا ہے' اسی شہر کو اللہ تعالیٰ نے بلد الحرام فرمایا' نزول وحی اور

Marfat.com

نزول ملائکہ کا مرکز' انبیاء و اولیاء کا ٹھکانہ' ہر چیز کی پیدائش کا موجب و سبب' اور ہر نعام خداوندی کی یہ بنیاد ہے۔

اس کے برعکس مدینۃ المنوّرہ کی شہرت تو آقائے دو جہاں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے بعد ہوئی ہے' اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کی تدفین سے اس شہر کی عزت و شرف کو چار چاند لگا دیئے' اور پھر آپ ﷺ کے صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کے مسکن کی وجہ سے بھی اس کی شہرت میں اضافہ ہوا۔

یہ چیز مکہ مکرمہ کی مدینہ طیبہ پر فضیلت کی ایک بہت بڑی دلیل ہے' کیونکہ مکہ مکرمہ کی فضیلت تو ہزار ہا سال سے چہار دانگ عالم میں جگمگا رہی تھی' جب کہ مدینہ طیبہ کا فضل و مجد ظہور اسلام کے تیرہ سال بعد شروع ہوا۔ دنیا کے مختلف خطوں سے لوگوں نے مکہ مکرمہ میں آ کر رہائش اختیار کر لی جس کے باعث اس کی آبادی میں بھی اضافہ ہو گیا۔ (تاریخ القویم جلد اص ۵۵' ص ۳۱۶)

الشیخ جمال الدین محمد جار اللہ رحمۃ اللہ علیہ فضائل مکہ بیان کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

''روئے زمین پر بہترین شہر اور اللہ تعالیٰ کا محبوب مقام مکہ مکرمہ ہے''۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس آدمی کا وصال مکہ مکرمہ میں ہوا وہ آسمان دنیا میں فوت ہوا''۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

''مکہ مکرمہ کی گرمی پر جس آدمی نے دن میں سے ایک ساعت بھی صبر کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض میں اسے جہنم سے ایک سو سال کے فاصلہ تک دور کر دے گا''۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو آدمی مکہ مکرمہ میں ایک دن بیمار ہو گیا' پھر بیماری کی وجہ سے اگر اس کے روز مرہ کے معمولات میں سے کوئی نیک عمل ادا نہ ہو سکا' تو اللہ تعالیٰ

Marfat.com

سے ساٹھ سال کی عبادت کا اجر مرحمت فرمائیں گے"۔

رسول الثقلین ﷺ نے فرمایا

"مکہ مکرمہ میں قیام (یعنی رہائش) سعادت مندی ہے اور اس کی سکونت ترک کرنا بدبختی ہے"۔

اسی شہر میں شراب الابرار (زمزم) اور مصلی اخیار (حطیم) پایا جاتا ہے۔

اسی مقدس شہر سے قیامت کے دن انبیاء' صدیقین' ابرار' فقہاء' اتقیاء' صلحاء اور عبادت گزار مرد اور عورتیں اٹھیں گے۔ یہ لوگ خوش وخرم ہوں گے اور عذاب سے بے خوف وخطر ہوں گے۔

اس مقدس شہر میں ہر روز جنت سے ہوا کے جھونکے اور خوشبو آتی ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

"اگر مجھے ہجرت کا حکم بارگاہ خداوند قدوس سے نہ ملتا تو میں مکہ مکرمہ کی سکونت ہرگز نہ چھوڑتا۔ میں نے آسمان کو مکہ مکرمہ کی زمین سے زیادہ قریب کہیں بھی نہیں دیکھا' اور نہ ہی میرے دل نے مکہ معظمہ کی سرزمین کے سوا کہیں قرار وسکون حاصل کیا' اور مجھے اس شہر میں چاند بے حد حسین وجمیل دکھائی دیتا ہے"۔

اللہ جل جلالہ نے تمام اولاد آدم میں سے انبیاء علیہم السلام کو منتخب فرمایا۔ پھر ان میں سے رسولوں کو چنا اور رسولوں میں سے اولوالعزم رسولوں کا انتخاب ہوا' جس کا تذکرہ سورۃ احزاب اور سورۃ شوریٰ میں موجود ہے۔ پھر ان اولوالعزم رسولوں میں سے اپنے خلیل اور حبیب کو منتخب فرمایا۔ پھر ان کے لئے بہترین اور بزرگی والی جگہ مکہ مکرمہ کو پسند فرمایا جہاں مناسک حج ادا کیے جاتے ہیں' جہاں کا داخلہ عاجزی' انکساری' خشیت وتذلل کے ساتھ ننگے سر اور دنیا کا لباس ترک کر کے احرام پہنے ہوتا ہے۔ بس یہی شہر تمام شہروں سے بہتر اور افضل ہے۔

پھر احرام کی حالت میں بارگاہ خداوند قدوس میں حاضری بھی عجب حکمت کی

Marfat.com

حائل ہے۔

دنیا میں یہ دستور ہے کہ جب کوئی آدمی دنیا کے بادشاہوں کے در پر جاتا ہے تو وہ خوبصورت' قیمتی اور فاخرانہ لباس پہن کر بڑے ٹھاٹھ سے جاتا ہے' لیکن اس کے برعکس جب وہ اللہ کریم کے در کی حاضری دیتا ہے تو بے حد سادہ اور مختصر سا لباس زیب تن کئے عجز و انکساری سے جا رہا ہوتا ہے۔ یہی فرق ہے رب کے دروازہ اور دنیا کے بادشاہوں کے دروازے میں۔ (جامع اللطیف ص ۹۳ تا ۹۷)

علامہ طاہر کردی مدظلہ لکھتے ہیں جمہور علماء کرام کے نزدیک مکہ مکرمہ مدینہ طیبہ سے افضل ہے۔ مدینہ منورہ کی شہرت حضور نبی کریم ﷺ کے تشریف فرما ہونے کے بعد ہوئی ہے' جب کہ مکہ مشرفہ کی فضیلت زمانہ قدیم سے مسلم ہے۔ جب سیدنا آدم علیہ السلام اس متبرک شہر میں قدم رنجہ فرما ہوئے' اسی وقت سے اس کی بزرگی اور عزت دوبالا ہوگئی۔ خصوصاً جد الانبیاء سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے جب بیت اللہ شریف تعمیر کیا' اور لوگوں میں حج کا اعلان فرمایا تو دنیا کے گوشے گوشے سے لوگ حج کرنے کے لئے یہاں آنا شروع ہو گئے' یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس قدر انبیاء علیہم السلام اور دوسرے لوگ حج کے لئے اس شہر خوباں میں آئے' اور حج کے مہینوں میں یہ روح پرور نظارہ دیکھنے میں آتا ہے کہ مختلف رنگ و نسل' زبان اور ملکوں کے لوگ موج در موج دنیا کے چاروں اطراف سے فریضہ حج ادا کرنے کے لئے دیوانہ وار یہاں چلے آ رہے ہیں۔ شہر کے گلی کوچوں میں ہر جانب زائرین کی آمد کے وقت دعا اور تکبیر و تہلیل کی ایمان افروز صدائیں گونج رہی ہوتی ہیں۔ ہر آدمی دنیا کے زیب و زینت کا لباس اتار کر احرام کا سادہ سا لباس پہنے طواف اور سعی کرنے' حرم شریف کی طرف پروانہ وار بڑھ رہا ہوتا ہے۔

روئے زمین کے تمام شہروں پر مکہ معظمہ کی فضیلت کی یہ ایسی روشن اور بین دلیل ہے جس کی نظیر دنیا بھر میں نہیں ملتی۔ زمانہ گواہ ہے کہ اس حال میں اس قدر لاتعداد مخلوق معمورہ عالم میں مکہ معظمہ کے سوا کہیں بھی جمع نہیں ہوتی اور انشاء اللہ

Marfat.com

قیامت تک ہر سال اسی جوش و خروش' جذبہ اور ولولہ کے ساتھ فرزندانِ توحید یہاں آتے رہیں گے۔

یہ معزز شہر مہبط وحی' نزول قرآن مجید اور ظہور اسلام کا مقدس مرکز ہے۔ اس شہر میں ایک ہی دین اور مذہب کا بول بالا ہے۔ دوسرے کسی مذہب کے پیروکار یہاں نہیں ہیں۔ اس شہر میں کافر کا داخلہ اور اس کی تدفین شرعاً ممنوع ہے۔ ماسوا اشد ضرورت کے یہاں لڑائی کرنا حرام ہے۔ شکار کرنا بھی قطعی حرام ہے۔ شکاری خواہ مکہ کا باشندہ ہو۔ حل (حدودِ حرم) میں رہنے والا ہو یا کسی دوسرے شہر یا ملک کا ہو' احرام میں ہو یا نہ ہو' یہ حکم سب کے لئے یکساں طور پر نافذ ہے۔ اس شہر کے درخت کاٹنا' یہاں سے مٹی اور پتھر باہر لے جانا بھی حرام ہے۔ خواہ حل (حدودِ حرم) میں لے جائے یا کسی دوسرے شہر میں جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ یہاں نیکیوں اور بالخصوص نماز کا اجر ایک لاکھ گنا زیادہ ملتا ہے۔

اس مقدس شہر کے قبرستان (جنت المعلاء) سے قیامت کے دن ستر ہزار انسان اٹھائے جائیں گے جو بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہو جائیں گے اور ان میں سے ہر ایک آدمی ستر ستر ہزار لوگوں کی شفاعت کرے گا۔ ان کے چہرے چودھویں کے چاند کی مانند چمک رہے ہوں گے۔

دجال کے داخلہ سے یہ شہر محفوظ رہے گا۔ انبیاء کرام میں سے کئی نبی ایسے گزرے ہیں کہ جب ان کی دعوت پر قوم نے لبیک نہ کہی اور انہیں جھٹلایا تو وہ بے بس ہو کر مکہ مکرمہ میں ہجرت کر کے آ گئے' یہاں اللہ رب العزت کی عبادت میں معروف و مشغول رہے۔ حتیٰ کہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اسی وجہ سے کعبہ شریف کے اردگرد تین سو انبیاء کی قبریں ہیں۔ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان ستر انبیاء علیہم السلام کی قبریں ہیں اور حطیم کے اندر میزاب کعبہ کے نیچے سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ سیدہ ہاجرہ کی قبریں ہیں۔ اسی طرح چاہ زمزم اور مقام ابراہیم کے درمیان سیدنا ہود' شعیب اور صالح علیہم السلام کی قبریں ہیں (ایک روایت کے مطابق رکن یمانی اور

Marfat.com

مقام ابراہیم کے درمیان ۹۹ انبیاء کی قبریں ہیں)۔ (تاریخ القویم جلد ۳ ص ۴۷)

اتنی کثیر تعداد میں انبیاء کی قبریں دنیا بھر کے کسی خطہ میں بھی نہیں ہیں اور اہل مکہ نماز میں کعبہ شریف کی طرف چاروں سمت سے رخ کرتے ہیں' جب کہ دنیا میں کوئی بھی ایسا شہر نہیں جہاں نماز میں چاروں طرف رُخ کیا جا سکتا ہو۔

اس مکرم و محترم شہر کا ذکر قرآن مجید میں پچاس مقامات پر کیا گیا ہے' جو اس کی فضیلت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ ان میں سے چند مقامات کا تذکرہ پیش خدمت ہے۔

﴿ إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ○ وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ○ إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هَٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِي حَرَّمَهَا ، أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا ، أَلَمْ نُمَكِّن لَّهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّن لَّدُنَّا ، بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ ○ بعض روایات کے مطابق اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ ، وَمَن يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ○ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِن شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ ○ ﴾

قول تعالیٰ:

﴿ بِبَطْنِ مَكَّةَ ، لِتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا ، وَأَنتَ حِلٌّ بِهَٰذَا الْبَلَدِ ، وَهَٰذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ ﴾

جتنی آیات اللہ جل شانہٗ نے مکہ مکرمہ کی شان میں نازل فرمائی ہیں اتنی آیات قرآنی کسی بھی شہر کی تعریف میں نازل نہیں ہوئیں۔

عمرو بن الاحوص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن نبی کریم ﷺ کو میں نے یہ فرماتے سنا:

''آپ ﷺ نے دریافت فرمایا یہ کون سا دن ہے؟ لوگوں نے عرض کیا حج الاکبر کا دن۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا بیشک تمہارا خون' تمہارا مال' تمہارا

Marfat.com

اسباب تمہارے درمیان حرام قرار دے دیا گیا ہے' آج کے دن کی حرمت کی طرح' تمہارے اس شہر میں اور تحقیق شیطان نا امید ہو گیا ہے کہ اب تمہارے اس شہر مکہ میں اس کی عبادت کبھی بھی نہیں کی جائے گی"۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

"بیشک اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو زمین و آسمان کی پیدائش کے دن ہی سے حرمت والا بنا دیا ہے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کی حرمت کے ساتھ قیامت تک حرمت والا رہے گا۔ نہ اس کے درخت کاٹے جائیں' نہ اس میں شکار کیا جائے' نہ اس کی حدود میں گری پڑی کوئی چیز اٹھائی جائے۔ مگر یہ کہ جو آدمی اپنی چیز کی شناخت کرلے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا اذخر بھی ہم نہیں کاٹ سکتے' جب کہ یہ ہمارے مکانات میں اور جلانے کے کام آتا ہے۔ تو آپ ﷺ نے اس کے کاٹنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔

ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ جا رہے تھے تو راستہ میں مکہ مکرمہ کا اشتیاق دل پر غالب آیا تو جبرئیل امین تشریف لائے اور عرض کیا' کیا آپ ﷺ کا قلب اطہر مکہ مکرمہ کے اشتیاق میں مبتلا ہو گیا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا جی ہاں۔ جبرئیل امین نے یہ فرمان خداوندی تلاوت فرمایا۔

﴿ إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ ﴾

(تاریخ القویم جلد ۲ ص ۳۰۷ ، ۳۱۱)

Marfat.com

فضل مکّہ

أرضٌ بها البيت المحرّم قبلة للعالمين له المساجد تعدل
حرمٌ حرام أرضها و صيودها والصيد في كلّ البلاد محلّل
وبها المشاعر و المناسك كلّها والى فضيلتها البريّةُ ترحلُ
وبها المقام و حوض زمزم مترعا والحجر والركن الذى لا يرحلُ
والمسجد العالي المحرّم والصّفا والمشعران لمن يطوف و يرملُ
وبمكة الحسنات ضوعف اجرها وبها المسيءّ عن الخطايا يغسل

(اعلام الاعلام ص۱۹)

① مکہ ایسی سرزمین ہے جس میں بیت محرم ہے جو سارے جہان کا قبلہ اور تمام مساجد کا مرجع ہے۔

② وہ ایسا حرم پاک ہے جس کی سرزمین میں شکار کرنا حرام ہے حالاں کہ شکار کرنا ساری دنیا میں حلال ہے۔

③ اور اس ارض پاک میں اللہ تعالیٰ کے تمام شعائر اور مناسک موجود ہیں جن کی بزرگی کے باعث دنیا ان کی طرف سفر کرتی ہے۔

④ اور اس زمین قدس میں مقام ابراہیم ہے سیراب کرنے والا زمزم حطیم اور حجر اسود ہے جو اپنی جگہ پر قائم ہے۔

⑤ اور عالیشان مسجد حرام ہے صفا مروہ اور دو بڑی علامتیں ہیں طواف اور رمل کرنے والوں کے لئے۔

⑥ مکہ وہ مقدس مقام ہے جس میں نیکیوں کا اجر و ثواب دوگنا چوگنا کر دیا جاتا ہے اور گنہگاروں کو گناہوں سے پاک کر دیا جاتا ہے۔

Marfat.com

شہر خوباں کی آبادکاری

ربّ کائنات نے جب اس لق و دق صحرا کو گل و گلزار اور چمن زار بنانے کا عزم مصمم فرمایا' اور اس بے آب و گیاہ ریگستان کو درخشندگی و تابندگی سے معمور کرنا چاہا' اور ان سنگلاخ و ناہموار ٹیلوں کو عنبر فشاں اور گوہر بار بنانے کا ذوق فرمایا' تو نظم کائنات نے کروٹ بدلی' چرخ نیل گوں کی گردش میں انقلاب بپا ہوا' اور نظام ہست و بود کی نیرنگیوں میں زبردست تلاطم موجزن ہو گیا۔

پھر کیا تھا؟ ایک پاک نہاد نیک سرشت قافلہ "ملک شام" سے رواں دواں' کشاں کشاں عازم سوئے کوئے جاناں ہوا۔ اس قدسی صفات کارواں کے قدوم میمنت لزوم سے اس وحشت ناک بیابان کا مقدر جاگ اٹھا' وہ ہولناک و وحشت انگیز بیابان جس کی تپتی ریت سے آتش بگولے اٹھتے' مسموم ہواؤں کے جھکڑ چلتے اور جہاں ہر سو موت و ہلاکت کے آثار ہویدا تھے۔ اس نوری نہاد کارواں کے دم قدم سے جلوۂ نور اور تجلیات ربانی کا عظیم مرکز بن گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے جنگل میں منگل ہو گیا۔ جہالت و ضلالت کا عفریت دم بخود ہو کر رہ گیا۔ کفر و شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھٹ گئے۔ اور رشد و ہدایت کے لامتناہی چشمے پھوٹ نکلے' اور توحید کی ایسی عدیم النظیر شمعیں روشن ہوئیں جن کی ضیا پاشی سے ہفت افلاک بھی جگمگا اٹھے' برکات و فیوضات کا ایک سیل بیکراں جاری ہو گیا' اور باران رحمت ایزدی نے اس ارض پاک کو منور' مجلّی اور مزکی بنا دیا۔

گل چین ازل نے یہ نوری تہ و گلدستہ حسن و تجمل کے پیکر' نکہت گل کی رعنائیوں کے خوگر کچھ ایسے گل خنداں سے چنا کہ جس کی مہک نے عالم کون و مکاں کو مشک بار اور جس کی روح پرور و حیات انگیز خوشبو نے کرۂ ارضی کو معطر اور جس کی

گل ریزی نے عالم ہست و بود کو گلستان اور چمن زار بنا دیا۔

کفر و الحاد کی تاریکی نے خاکدانِ عالم کو اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔ ایران' ہند' مصر' یورپ اور براعظم افریقہ اس عالمگیر اندھیرے کی زد میں تھے' اعلائے کلمۃ اللہ اور دعوت توحید کے لئے چپہ بھر زمین ڈھونڈے بھی نہیں ملتی تھی۔ جہاں کوئی مردِ حق آ گاہ توحید خداوندی کی ایسی شمع فروزاں کر سکے' جس کی ضیا گستریوں سے کفر و الحاد کی ظلمات' رشد و ہدایت کا مینار بن کر ساری کائنات کو درخشندہ و تابندہ کر دے۔

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جو حق گوئی و حق پرستی میں کوہ استقامت تھے۔ کفر و شرک کی طاقتوں سے ٹکرانے کے لئے آگے بڑھے۔ شدائد و مصائب کے طوفان اُن کے پائے استقامت میں سرمولغزش پیدا نہ کر سکے' اور یہ صبر و عزیمت کا کوہ وقار اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ لیکن ان کی راہ میں کچھ کوہ گراں بھی حائل تھے' جب ''کلدان'' میں کلمۃ اللہ کی صدا بلند کی تو نمرودی جبر کے فلک بوس شعلوں سے دو چار ہونا پڑا۔ اور جب مصر کی سرزمین کو توحید کی تخم ریزی کے لئے زرخیز سمجھ کر قدم رنجہ فرما ہوتے ہیں۔ تو عفت مآب رفیقۂ حیات سیدہ سارہ کے ناموس کو خطرے کا سامنا کرنا پڑا۔ ''فلسطین'' کو دعوت و ارشاد کا مرکز بنانے کا عزم فرمایا تو وہاں آپ کی دل نشین آواز پر کسی نے کان نہ دھرا۔

اگر چہ آپ بعونہ تعالیٰ توحید خداوندی کا اعلان انتہائی مستعدی' بے باکی اور جرأت مندی سے فرماتے تھے' مگر شرک و بت پرستی کے عالمگیر غلغلہ میں بظاہر یہ آواز حق دب کر رہ جاتی تھی۔ معمورۂ عالم کے صفحات نقشہائے باطل سے پوری طرح ڈھک چکے تھے۔ ایسے وقت میں ایک بے حد سادہ' بے رنگ و نمود اور نقش و نگار سے معرا ورق درکار تھا۔ تاکہ اس کی پیشانی پر طغرائے حق لکھا جائے' جس سے اس کا سینہ نورِ معرفت کا گنجینہ اور اس کی سرزمین رشد و ہدایت کا لامتناہی سرچشمہ بن جائے۔ آخر ان کی متلاشی نگاہوں نے دنیا کے نقشے پر پھرتے پھرتے حجاز کے ویران' بیابان صحرا کو پسند فرما لیا' یہ خطہ ابھی تک تمدن و عمران کے داغ سے پاک تھا۔ اس کے ذرّوں میں

Marfat.com

آفتاب کی سی تمازت پنہاں تھی اور اس کے آتش فشاں پہاڑ ہدایت فشانی کے لئے مستعد تھے۔ اور جو زمین کے تقریباً وسط میں ہونے کے باعث اپنی نورانی شعاعوں سے چار دانگ عالم کو یکساں طور پر منور کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

یہ مقدس سفر اس قدر عظیم المرتبت اور عدیم النظیر تھا کہ رب کائنات نے اپنی منزہ و مقدس آسمانی کتابوں میں اس کا ذکر فرمایا ہے' اور اس کی روئیداد تزک و احتشام اور ہر زبان کے ادیبوں اور قلم کاروں کی نگارش کا مرکز اور جولانگاہ قرار پائی اور غیب نے قرطاس ہستی پر اس ذی وجاہت سفر کی تاریخ ۲۲۰۰ قبل مسیح ارقام فرمائی۔

وہ مہ و پروین' خورشید و انجم' مہ جبین و طلعت زیبا' برگزیدہ و پاک باز' نیک سرشت و پاک نہاد' پیکر صدق و صفا اور لعل بدخشاں ان اسمائے مبارکہ سے موصوف تھے۔

اللہ جل شانہ کے ایک برگزیدہ نبی سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ایک نبی زادہ اور مستقبل کا نبی شگفتہ دہن' گوہر بداماں اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ السلام اور ایک نبی کی عصمت مآب رفیقۂ حیات اور ایک نبی کی شفیق و انیس اور غم گسار والدۂ مکرمہ سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا ان کے روح پرور تذکرہ کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں۔

Marfat.com

پرشکوہ تعارفی جھلک

اس قدسی صفات، پیکر صدق و صفا قافلہ کے امیر کارواں سیدنا ابراہیم علیہ السلام تھے۔ اِبراھِیم، اِبراھَام، اَبراھِیمُ، یَراھَم، ابرام اور براھمۃ کے مبارک ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ والد کا نام تارخ جس کا عربی تلفظ "آزر" ہے۔ والدہ ماجدہ کا نام "تونا" تھا۔

نئی تحقیقات کے مطابق آپ کی ولادت باسعادت ۲۱۶۰ ق م بابل کے شہر "اُر" (UR) میں ہوئی۔ جو اس وقت جدید جغرافیہ میں "عراق" کے نام سے شہرت پذیر ہے۔ موجودہ صدی میں ماہرین آثار قدیمہ کی کھدائی میں یہ شہر نمودار ہوا ہے۔ جو خلیج فارس کے دہانہ فرات اور عراق کے پایۂ تخت بغداد کے قریب واقع ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد عجمی تھے اور عبرانی زبان بولتے تھے۔

(حاشیہ تفسیر ابن جریر مترجم پارہ اول ص ۵۵، تاریخ انبیاء ابن کثیر جلد ا ص ۶۸)

کتاب الہدیٰ کے مؤلف نے یہودی روایات کی چھان بیخ کے بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا سن ولادت ۲۱۸۹ ق م تحریر کیا ہے۔ اور تخمیناً ۲۲۰۰ لکھا ہے۔ (کتاب الہدیٰ ص ۳۰۸)

مصنف عبدالرزاق اور معجم البلدان کی روایت میں آپ کا مقام پیدائش "کوثا" بیان کیا گیا ہے۔

تورات کے بیان کے مطابق کسدیوں کا شہر اُر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی ولادت گاہ تھا۔ یہ شہر دریائے فرات کے موجودہ پاٹ سے چھ میل کے فاصلہ پر اسی مقام پر واقع تھا جہاں اب "مغیر" نامی ٹیلا موجود ہے۔ اُر کے مشرق میں ایک شہر "ابوشُو" ابوالبحرین کے موجودہ مقام پر واقع تھا۔ (کتاب الہدیٰ ص ۳۰۲)

Marfat.com

ڈاکٹر نفیسی کا کہنا ہے کہ کرمان میں ایک پہاڑ بھی "ابراہیم" کے نام سے موسوم ہے۔ ابراہیم عبرانی زبان کا لفظ ہے اور اس کا معنی موجد عظمت ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش کلدہ کے مضافات میں ہوئی اور وصال فلسطین کے قریب "حبرن" میں ہوا۔ (فرہنگ نویسی جلد اوّل)

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً دو ہزار سال پیشتر سلطنت بابل اوج کمال پر تھی۔ اس کی مالی و اقتصادی حالت مستحکم فوجی اور عسکری قوت زبردست تھی۔ دولت کثیر اور امن بسیط نے بادشاہ کے دماغ میں اس قدر نخوت اور غرور پیدا کر دیا کہ شاہی معبد اعظم (بت خانہ) میں اس نے اپنا سونے کا بت سجا رکھا تھا اور رعایا کو حکم تھا کہ اس کی عبادت کریں' اسی کو سجدہ کریں' اسی کی نذر و نیاز مانیں اور اسی سے مشکلات میں مدد طلب کریں۔

احکم الحاکمین نے اس گمراہ قوم کی ہدایت کے لئے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کو مبعوث فرمایا' بادشاہ کے گوش ہوش آوازِ حق سے قطعی نا آشنا تھے۔ توحید کی صدا اس کے دل میں بجلی کی طرح گری۔ اگر وہ اس دعوت پر لبیک کہتا تو خدائی کے رتبہ سے اتر کر بندہ بننا پڑتا تھا۔ ایسا کرنا اس کے لئے ناممکن تھا۔ یہ مقام اس کے لئے تھوہر کا نوالہ بن گیا کہ نگلتے بنے نہ اُگلتے بنے۔ بالآخر وہ خلیل اللہ کا جانی دشمن بن گیا اور انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دینے میں ہی اپنی شاہی اور خدائی کی بقاء اور اپنی ہستی کا دوام خیال کرنے لگا۔ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کا خاندان شاہ کا منظور نظر تھا۔ اس کے معاندانہ رویہ سے متاثر ہو کر وہ بھی اپنے نونہال سے برہم ہو گیا۔

خاندان' قوم اور حکومت وقت کی ناقابل برداشت مخالفت کو دیکھ کر سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے ترک وطن کا ارادہ فرمایا۔ تاکہ تبلیغ توحید کے لئے کسی دوسری جگہ کو مرکز بنایا جائے۔ سیدہ سارہ اور سیدنا لوط بن فاران دونوں نے رفاقت کی سعادت حاصل کی۔ آپ نے گزران کی خاطر بھیڑ بکریاں پالیں اور چلتے چلتے مصر پہنچ گئے۔ جہاں اس وقت رقیون نامی بادشاہ تھا۔ جو بابل ہی کا قدیم باشندہ تھا۔ اس بادشاہ کے

Marfat.com

نام میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔

جامع التواریخ میں ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام بابل سے اپنے بھتیجے سیدنا لوط علیہ السلام اور اپنی چچا زاد بہن سیدہ سارا کی معیت میں ہجرت کر کے مصر تشریف لے جا رہے تھے کہ جب منزل بمنزل چل کر قصبہ "حران" میں پہنچے تو یہاں سارہ کو عقد ازدواج میں لائے اور یہ اب اُن کی حرم سراہ بن گئیں۔

(جامع التواریخ فارسی ص ۲۱ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۳۶ء)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سیدنا ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ بادشاہ مصر کو اطلاع دی گئی کہ ایک نو وارد آدمی یہاں آیا ہے اور اس کے ساتھ اس کی حسین وجمیل بیوی بھی ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے ابراہیم علیہ السلام کو دربار میں طلب کیا اور پوچھا تمہارے ساتھ کون ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا، میری بہن (یعنی چچا زاد بہن) بادشاہ نے سارہ کو بلایا۔ پیش ہونے سے قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سارہ کو مطلع کر دیا تھا کہ بادشاہ کی نیت خراب ہے اور اس نے تیرے متعلق مجھ سے دریافت کیا تو میں نے اسے کہا کہ یہ میری بہن ہے' اور تو جانتی ہے کہ روئے زمین پر ہم دونوں کے سوا کوئی بھی مومن نہیں ہے (گویا کہ ایمانی رشتہ میں بھی ہم دونوں بہن بھائی ہیں) لہٰذا تم میری بات کی تصدیق کرنا۔ جب آپ اس کے دربار میں حاضر ہوئیں تو بادشاہ نے برے ارادہ سے آپ کی طرف دست تصرف دراز کیا تو فوراً اللہ تعالیٰ نے اسے پکڑ لیا اور وہ زمین میں دھنسنے لگا۔ گھبرا کر چلا اٹھا کہ سارہ تو اپنے خدا سے دعا کر کہ وہ مجھے نجات دے دے' میں تجھے قطعاً کوئی ضرر نہیں پہنچاؤں گا۔ چنانچہ آپ کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے نجات دے دی۔ مگر پھر وہ گناہ کی نیت سے آپ کی طرف بڑھا۔ تو دوبارہ اسے قدرت نے پکڑا اور پہلے سے بھی شدید گرفت کی۔ پھر اس نے لجاجت اور انکساری سے کہا سارہ اب کی بار خدا کی بارگاہ میں دُعا کر کے مجھے نجات دلا دے' میں ہرگز تجھے اذیت نہیں دوں گا۔ بہرحال آپ نے دعا فرمائی اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا۔ بادشاہ درباریوں سے کہنے لگا' یہ تو کوئی جن ہے (وہ لوگ جنوں کی عظمت کے

معتقد تھے) اس کی خدمت گزاری کے لئے ہاجرہ کو ان کے ساتھ کر دیا۔ جب سارہ واپس آئیں تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے انہیں خوشخبری سنائی کہ اللہ پاک نے ظالم کے کید وفریب سے نجات مرحمت فرمائی ہے۔ اور اس نے ہاجرہ کو ہماری خدمت کے لئے سپرد کر دیا ہے۔ (بخاری شریف جلد اص ۴۷۴)

سیدنا ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اے آسمان کے پانی کی اولاد (یعنی عرب کے لوگو!) یہ ہے تمہاری ماں۔

علامہ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں' اسلام سے قبل لوگ جنوں کی بے حد تعظیم وتکریم کیا کرتے تھے۔ اور جو بھی خوارق عادت واقع رونما ہوتا' تو اسے جنات کا تصرف اور فعل گردانتے تھے۔ اسی بنا پر اس جبار بادشاہ نے سیدہ سارہ کو تعظیماً جنی کہا تھا۔ (فتح الباری جلد ۶ ص ۳۰۲)

چمن زار ابراہیمی کی شگفتہ کلی

سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا

قدیم عربی کتابوں میں یہ لفظ "ہاجر" استعمال ہوا ہے' جو فی الحقیقت عبرانی لفظ "ہاغار" ہے۔ جس کے معنی بیگانہ اور اجنبی کے ہیں۔ یہ فرعون مصر کی شہزادی تھی۔ جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں۔ جب سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نابلس شہر جو فلسطین کے غربی اطراف میں واقع اور کنعانیوں کے زیر اقتدار تھا سے چل کر مصر پہنچے تو وہاں کے بادشاہ نے سارا کی شخصیت اور کرامات سے متاثر ہو کر حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو آپ کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔ یہاں کی حکمران قوت عرب کی سامی قوم تھی جس سے آپ کے نہایت قریبی نسبی تعلقات بھی تھے۔ لفظ ہاجرہ کا عبرانی ہونا بھی اس دعویٰ کی بین دلیل ہے' اور فرعون کا ہاجرہ کو آپ کی خدمت کے لئے وقف کر دینا بھی اس بات کی شہادت ہے کہ درحقیقت اس ازدواج سے نسبی تعلق کا استحکام مقصود تھا۔ یہ محض قیاس آرائی ہی نہیں بلکہ یہودی روایات بھی اس پر مہر تصدیق ثبت

Marfat.com

کرتی ہیں۔

یہود کی معتبر تاریخ سفر ایشیا میں مذکور ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں مصر کا بادشاہ ان کا ہم وطن تھا۔ تورات کا مشہور مفسر ابی شلوم تکوین (۱۰۱۶ء) کی تفسیر میں لکھتا ہے

ہاجرہ فرعون کی بیٹی تھی۔ فرعون نے جب سارہ کی کرامات دیکھیں تو کہا ''اس کے گھر میں لونڈی بن کر رہنا دوسرے کے گھر میں بی بی بن کر رہنے سے بہتر ہے''۔

سید سلیمان ندوی اور کتاب الہدیٰ کے مؤلف لکھتے ہیں

اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ بڑی بیوی ہونے کی حیثیت سے سیدہ سارہ کی خدمت گزار تھیں۔ بادشاہ نے سیدنا ابراہیم اور سیدہ سارہ کے تقدس سے متاثر ہو کر اپنی بیٹی اس مقدس جوڑے کی خدمت کے لئے ان کے حوالے کی تھی۔ (ارض القرآن ص ۸۰ کتاب الہدیٰ ص ۷۷)

ان حقائق کی روشنی میں وہ اسرائیلی خرافات بھی طشت از بام ہو جاتی ہیں جن میں سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کے عربی النسل خاتون ہونے کا انکار کیا گیا اور انہیں اسی طرح کی ایک لونڈی گردانا گیا جو قدیم معاشرہ میں رسوائے زمانہ اور حقوق انسانی سے محروم ایک شجر ممنوعہ بھی جاتی تھی۔ جب کہ یہ لونڈی یا باندی نہیں بلکہ بادشاہ مصر کی شہزادی تھیں۔ اس کی تفصیلات کے لئے محقق عصر حاضر علامہ حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب قصص القرآن (جلد اول ص ۱۸۸) کی طرف رجوع فرمائیں۔

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ روض الانف میں ارقام فرماتے ہیں جس بادشاہ مصر نے سارہ کی طرف دست تصرف دراز کیا تھا اس کا نام سنان بن علوان تھا جو ضحاک کا بھائی تھا اور ابن ہشام نے اس کا نام عمرو بن امرئ القیس بن بابلیوں بن سبا لکھا ہے۔ اور سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا مصر کے قبطی بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کی شہزادی تھیں۔ (روض الانف ص ۱۲،۱۱)

Marfat.com

یہی قول علامہ عسقلانی رحمتہ اللہ علیہ کا ہے۔ ہاجرہ کا باپ قبطی بادشاہ تھا' جو مصر کے مضافات میں قصبہ "حفص" کا باشندہ تھا۔ (فتح الباری جلد ۶ ص ۳۰۲)

المحدث الشہیر والفقیہ النبیل علامہ علی بن سلطان محمد القاری رحمہ اللہ الباری ارقام فرماتے ہیں کہ

انہیں "ہاجرہ" اس لئے کہا گیا کہ انہوں نے شام سے مکہ مکرمہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی' اور بادشاہ نے سیدہ سارہ کی جب کرامت ملاحظہ کی اور اللہ رب العزت کے ہاں ان کے بلند مقام کا جب اسے علم ہوا تو ان کی خدمت کے لئے ہاجرہ کو ان کے حوالے کر دیا۔ (مرقاۃ جلد ۱۱ ص ۱۰)

خانوادۂ ابراہیمی کا فرد فرید اور بستان ابراہیمی کا گل خنداں

سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام

اسمٰعیل یا اسماعین عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی "شماع ایل" کے ہیں۔ شماع (سماع) سننا اور ایل (اللہ) جس کے لفظی معنی خدا کا سننا ہے۔ چونکہ اللہ رب العزت نے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا اور سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی فریاد سنی تھی (یعنی دونوں نے بارگاہ خداوند قدوس میں اولاد کے لئے دعا کی تھی جسے اللہ کریم نے شرف قبولیت سے نوازا) اس لئے مولود کا نام "شماعیل" رکھا اور یہ مبارک نام اولاد آدم میں سب سے پہلے انہی کا رکھا گیا تھا۔ (ارض القرآن ص ۲۸۱' سبائک الذہب ص ۱۸)

علامہ قرمانی ارشاد فرماتے ہیں:

"اسمٰعیل" عجمی لفظ ہے اور یہ دو طرح استعمال ہوتا ہے۔ اسماعیل "لام" کے ساتھ اور اسماعین "ن" کے ساتھ بھی۔ (کتاب الاخبار الدول ص ۳۱)

سیدنا اسماعیل علیہ السلام اس عالم آب و گل کی نیرنگیوں میں جب قدم رنجہ فرما ہوئے' تو عرش نیلی فام اس وقت ۲۰۷۳ ق م کا نظارہ بہار رہا تھا۔ اور جب یاراں وفاکیش ان

Marfat.com

کے انتقال پر ملال کی اندوہناک خبر سن رہے تھے تو اس وقت گردش ایام ۷ ۱۹۳ قبل مسیح کے محور کے گرد گھوم رہی تھی۔ گویا کہ اس عالم ناہنجار اور دار ناپائیدار میں مستعار زندگی کی ۱۳۷ منزلیں طے کر کے آفتاب ابراہیمی برزخ کا نقاب اوڑھ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حطیم میں غروب ہو گیا۔ (تفسیر ابن جریر مترجم حاشیہ پارہ اوّل)

سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی ولادت باسعادت ارض فلسطین میں ہوئی اور وہاں سے پدر بزرگوار سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور والدہ ماجدہ سیدہ ہاجرہ کی معیت میں مکہ معظمہ کی سرزمین میں ورود ہوا اور سرزمین مکہ ہی آپ کا مدفن بنی۔ (تم مکۃ المکرمہ ص ۴۰)

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ سفر ابراہیمی کے مختلف پہلوؤں کو اُجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں' سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے مختلف شہروں کے طویل سفر کے بعد عرب اور شام کی سرحد کا رُخ کیا۔ بحرمیت کے پاس اُردن میں اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کو آباد کیا۔ اپنے فرزند ارجمند سیدنا اسحاق علیہ السلام کے لئے کنعان (فلسطین) کا مقام منتخب کیا۔ اپنے دوسرے بیٹوں مدین وغیرہ کو حجاز میں بحر احمر کے ساحل پر اس مقام پر بسایا جسے ان کے انتساب سے آج تک مدین کہا جاتا ہے۔ اور اس سے آگے بڑھ کر فاران کی مقدس وادی میں سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ کی جائے سکونت مقرر فرمائی۔ یہ تمام مقامات ایسی شاہراہوں پر واقع تھے' جن پر مصر و شام سے حجاز و یمن' اور حجاز و یمن سے مصر و شام آمد و رفت کے لئے تاجروں سوداگروں اور قافلوں کا تانتا لگا رہتا تھا۔

اپنی اولاد کو اس خاص سلسلہ سے آباد کرنے سے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کے پیش نظر دو عظیم مقصد تھے' ایک تو یہ کہ تجارتی قافلوں کی آمد و رفت کی وجہ سے انہیں ضروری سامان اور غلہ وغیرہ دستیاب ہونے میں تکلیف نہیں ہوگی۔ اور ساتھ ہی اس سوداگری میں وہ بھی سہولت سے شرکت کر سکیں گے۔ اور دوسرا مقصد تبلیغ کا تھا کہ توحید خداوندی کی تبلیغ کے لئے یہ بین الاقوامی گزرگاہیں بہترین مراکز ثابت ہوں گی۔ اور اس طرح عراق و شام کے جبار و قہار بت پرست و کواکب پرست قوموں سے کنارہ کش ہو کر دین حنیف کی تبلیغ و ترویج پورے انہماک سے کر سکیں گے۔

Marfat.com

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا یہ دستور تھا کہ جہاں کہیں نورانیت کا کوئی جلوہ نظر آتا وہاں خداوند قدوس کے نام سے ایک پتھر نصب کر کے خدا کا گھر اور قربان گاہ بنا لیتے تھے۔ اس قسم کی قربان گاہیں اور خدا کے گھر حضرت اسحاق' حضرت یعقوب اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی بنائی تھیں' اور آخر میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت مقدس کی تعمیر فرمائی جو بنی اسرائیل کا کعبہ اور قبلہ قرار پایا۔ (سیرت النبی ج ۵ ص ۳۳۸)

خاندانِ ابراہیمی کا مکہ میں ورودِ مسعود

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام "ملک شام" فلسطین میں اقامت گزیں تھے' جہاں برسوں کی آہ و زاری کے بعد فرزند ارجمند سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام مرحمت ہوئے۔ ابھی آپ ایام شیرخوارگی ہی میں تھے کہ رب کائنات نے ارشاد فرمایا اے خلیل ہم کعبۃ اللہ کی تطہیر و تنظیف اور تعمیر کرنا چاہتے ہیں اور اس عظیم الشان خدمت پر آپ کو مامور کیا جاتا ہے۔ ہم اس کی نشاندہی کر دیں گے' آپ اسے پاک صاف کر کے طواف اور نماز سے آباد کریں' سر دست اپنے چہیتے لخت جگر اور رفیقۂ حیات کو اس سنسان بیابان میں چھوڑ آئیں۔

ادھر جبرئیل امین براق لے کر حاضر خدمت ہو گئے تا کہ تعمیل ارشاد ربانی میں تاخیر نہ ہونے پائے۔ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اپنی مونس و غمگسار زوجہ مکرمہ' حیا جن کا نقاب اور وفا داوڑھنی تھی' اور معصوم و شیرخوار بچہ جو پیہم دعاؤں اور برسوں کی التجاؤں کے بعد نصیب ہوا تھا' کے جلو میں براق پر سوار ہو کر اس تاریخی سفر کا آغاز فرماتے ہیں۔ دورانِ سفر جب کسی بستی سے گزر ہوتا' تو جبرئیل سے دریافت فرماتے کیا یہی ہمارا مقصودِ سفر اور ملجائے منزل ہے؟ جبرئیل امین عرض کرتے نہیں' ابھی آپ کا سفر جاری ہے۔ چلتے چلتے آپ ایک ایسے خطۂ زمین پر پہنچ گئے جس کی زینت خاردار جھاڑیاں اور ببول کے درخت تھے۔ ہر سو خشک اور بے آب و گیاہ گھاٹیاں جلوہ نما تھیں۔ یہی ان کا گوہر مقصود اور مطلوب و محبوب جگہ "المکۃ المکرمۃ" تھی۔

Marfat.com

بیت اللہ شریف کی جگہ اس وقت ایک ناہموار سرخ ٹیلہ کی شکل میں تھی۔

اسے دیکھ کر سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے جبرئیل امین سے دریافت فرمایا' کیا یہی جگہ بیت اللہ کی ہے جس کی تعمیر کا ہمیں حکم ملا ہے؟ جبرئیل علیہ السلام عرض پرداز ہوئے' اس سرخ ٹیلہ کی جگہ آپ نے بیت اللہ شریف تعمیر کرنا ہوگا۔

چنانچہ آپ نے اپنی رفیقہ حیات اور فرزند دل بند کو زمزم والی جگہ پر ایک درخت ❶ کے نیچے بٹھا دیا اور استراحت کرنے کی تلقین فرماتے ہوئے واپس چل پڑے۔

اُس وقت تک وہاں نہ تو کوئی انسانی آبادی تھی' نہ ہی پانی کا کہیں نام و نشان پایا جاتا تھا' اور نہ ہی زندگی کی بقا کا کوئی ظاہری وسیلہ نظر آتا تھا۔

وَلَيْسَ بِمَكَّةَ يَوْمَئِذٍ اَحَدٌ وَّلَيْسَ بِهَا مَاءٌ

"اُس وقت مکہ میں نہ کوئی انسان تھا اور نہ ہی پانی"۔

البتہ اطراف و اکناف میں قبیلہ جرہم آباد تھا۔ جو بعد میں سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے ازدواجی سلسلہ سے منسلک ہو گیا' ابراہیم علیہ السلام معدودے چند کھجوریں اور پانی کے چند گھونٹ پیکر شرم و حیا بیوی اور لخت جگر کے سپرد کر کے الوداعی سلام کرتے ہوئے وطن کو مراجعت کرنے لگے۔ کیونکہ اس وقت بارگاہ خداوندی سے وہاں قیام کی اجازت مرحمت نہیں ہوئی تھی' جب آپ کے چلنے کی تیاری دل و جاں سے نثار رفیقہ غمگسار نے دیکھی' تو دامن تھام کر عرض پرداز ہوئی اس لق و دق صحرا اور چٹیل میدان میں ہمیں یکہ و تنہا چھوڑ کر آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ یہاں نہ تو کوئی مونس و مددگار ہے اور نہ ہی حیات ناپائیدار کو سہارا دینے کے لئے کوئی چیز موجود ہے۔

لیکن سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے سنی ان سنی کر دی اور چپ سادھے چلتے بنے۔ رُخ انور پھیر کر اُن کی طرف دیکھا تک بھی نہیں۔ سیدہ ہاجرہ محبت بھرے

---

❶ تورات میں ہے کہ حطیم والی جگہ انہیں جھونپڑی بنا لینے کو فرمایا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ نے خود ایک سایہ دار بے ثمر چھپر بنا دیا تھا۔

لہجہ اور اُلفت و شفقت سے پھر پکارتی ہیں کہ ان خشک پہاڑوں اور گرم ریگ زاروں میں کس کے سپرد کیے جا رہے ہیں؟ مگر بار بار التجا کرنے کے باوجود بھی جب آپ نے التفات نہ فرمایا تو سیدہ ہاجرہ ورطۂ حیرت میں پڑ گئیں۔ بارِ خدایا! میرے رحم دل و شفیق شوہر، ہنس مکھ اور شگفتہ دہن خاوند آج اس قدر بے التفاتی اور بے رخی کا مظاہرہ کیوں فرما رہے ہیں؟ پھر خیال آیا شاید یہی مشیت ایزدی ہو۔ چنانچہ استفسار کرتی ہیں۔ کیا آپ کو اللہ جل شانہ نے ہمیں چھوڑ جانے کا حکم فرمایا ہے؟ تب سیدنا ابراہیم علیہ السلام شگفتہ دہن ہوتے ہیں' ہاں یہی مشیت ایزدی ہے۔ یہ سنتے ہی سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا طمانیت و سکون کے ساتھ عرض کرتی ہیں پھر آپ بڑے شوق سے تشریف لے جائیں۔

اِذَنْ لَا یُضَیِّعُنَا "اب وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا"۔

ہمیں اسی کا بھروسا اور سہارا ہے وہی محافظ و نگہبان ہے۔ سیدہ ہاجرہ واپس لوٹ آئیں اور اپنے نورِ نظر لختِ جگر کو گود میں لے کر اس سنسان سنگستان میں بے یار و مددگار بیٹھ گئیں۔ (بخاری شریف کتاب الانبیاء' البدایہ والنہایہ جلد ا ص ۱۵۴' زاد المسیر جلد ۴ ص ۳۶۷)

آنکس کہ ترا شناخت جاں راچہ کند
فرزند و عیال و خانماں راچہ کند

دُعائے ابراہیمی

سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے دھیان میں چلتے چلتے جب ثنیہ نامی ٹیلہ کے قریب پہنچے (یہ جگہ محلّہ شبیکہ کی جانب واقع ہے) جہاں انہیں اس بات کا وثوق ہو گیا کہ ہاجرہ نہ تو اب میرا پیچھا کر رہی ہیں اور نہ ہی یہاں تک ان کی نظریں کام کر سکتی ہیں۔ اب وہ مکمل طور پر نظروں سے اوجھل ہو گئی ہیں' تو کعبۃ اللہ کی جانب چہرۂ انور کر کے نہایت انکساری اور تذلل کے ساتھ دونوں ہاتھ اٹھا کر بارگاہ ربّ العالمین میں اس طرح دعا کرتے ہیں

﴿رَبَّنَآ إِنِّيٓ أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ ٱلْمُحَرَّمِ ۝

رَّبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴾ [سورہ ابراھیم پ ۱۳]

''اے ہمارے رب! میں اپنی اولاد کو تیرے محترم گھر کے قریب ایک چٹیل میدان میں جو ناقابل زراعت ہے آباد کرتا ہوں تا کہ وہ نماز کا اہتمام کریں۔ تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل فرمادے اور انہیں پھلوں سے رزق مرحمت فرمادے تاکہ تیرا شکر ادا کریں''۔

علامہ کردی مدظلہ فرماتے ہیں' اللہ رب العزت نے آپ کی دعا کو اس طرح شرف قبولیت سے نوازا کہ ہزار ہا سال گزر جانے کے باوجود اس کے اثرات آج بھی پوری طرح موجود ہیں۔ بلکہ روز افزوں ترقی پذیر ہیں۔ وہ شہر جہاں چارسو پہاڑ ہی پہاڑ تھے دعائے ابراہیمی کی برکات سے دنیا جہاں کے پھل مل رہے ہیں۔

طائف کی وادی جو مکہ مکرمہ کے قریب ہی واقع ہے آب وہوا اور زراعت کے لحاظ سے بالکل ہی مختلف ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے شام کی زمین کا کچھ حصہ کاٹ کر طائف کی جگہ آباد کر دیا۔ جو بے حد زرخیز اور سرسبز وشاداب ہے۔

علامہ کردی مدظلہ کے الفاظ میں طائف کی زمین حجاز کی جان ہے۔ وہاں پانی کی فراوانی' انواع واقسام کے پھل اور دل موہ لینے والے باغات ہر سو رونق افروز ہیں۔ (تاریخ القویم جلد ۲ ص ۱۳)

تعمیل ارشاد خداوندی کا ایسا عدیم النظیر اور قابل رشک مظاہرہ کیا جسے دیکھ کر چشم فلک بھی خیرہ ہو گئی اور اقوام عالم ایسی نادر الوجود مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ واپسی کے حکم کو عملی جامہ پہنانے میں اتنی دیر بھی گوارا نہیں فرمائی کہ اپنی اہلیہ محترمہ کو تسلی اور تشفی دیتے کہ کبیدہ خاطر اور مضمحل نہ ہوتا۔ مجھے تو بارگاہ رب ذوالجلال سے فی الفور واپسی کا حکم ملا ہے۔ وہی تمہارا حافظ ونگہبان ہے۔ بلکہ بلا چون وچرا اور بغیر کسی ادنیٰ سے تامل کے فوراً واپس روانہ ہو گئے اور اپنی عفت مآب بیوی سے کوئی راز ونیاز کی بات تک نہیں کی۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۵۵)

Marfat.com

علامہ قرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے واپس تشریف لے جانے کے بعد سیدہ ہاجرہ نے حطیم والی جگہ ایک جھونپڑی بنالی تھی جس میں رہائش پذیر ہو گئیں۔ (کتاب اخبار الدول ص ۳۲)

علامہ مسعودی رحمۃ اللہ علیہ کی نقل کردہ روایت کے مطابق

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے واپس جاتے وقت آپ کو ارشاد فرمایا تھا کہ یہاں رہنے کے لئے جھونپڑا بنالینا۔ (مروج الذہب جلد ۱ ص ۳۶)

Marfat.com

مہمان ذی شان

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ اپنے مشن کی تکمیل پر مسرور اور ارشاد الٰہی کی تعمیل پر شاداں و فرحاں اپنے وطن شام کو رخصت ہو گئے' اور سیدہ ہاجرہ حیا کی چادر اوڑھے صبر و استقلال کا پیراہن زیب تن کئے' عفت و عصمت کا نقاب چہرۂ پرضیا پر ڈالے رضا بالقضاء کے بستر پر بیٹھ جاتی ہیں۔ ماں کی ممتا اپنے ظل عاطفت میں کمسن شیر خوار بچہ کو لئے جلوہ نما ہے۔ وہی نور نظر آنکھوں کا تارا' مغموم و محزون دل کا سہارا اور وہی ہمدم اور شریک غم تھا۔ فرزند دلبند کے چاند جیسے مکھڑے کو دیکھتیں تو حزن و ملال اور کرب و اضطراب کافور ہو جاتا۔ کھجور اور پانی کی بھاری بھر کم مقدار جو توشۂ زندگانی تھا وہ تو جلد ہی جواب دے گیا اور حالت یہاں تک پہنچی کہ اناج کا ایک دانہ پاس نہیں اور نہ ہی پانی کا گھونٹ تک باقی رہا۔ خود بھی بھوک و پیاس کا شکار ہو گئیں اور معصوم بچے کا گلاب سا چہرہ بھی مرجھا گیا۔ وہ بھوک اور پیاس کی شدت سے بلبلانے اور تلملانے لگا۔ اگرچہ زبان قوت گویائی سے عاری تھی مگر اضطراب و اضطرار گریہ و بکا سے ہویدا و آشکار تھا۔ افسردگی اور اداسی لحہ بہ لحہ فزوں تر ہونے لگی۔ اضطراب سیمابی میں تڑپتے بلکتے آنسو بھی خشک ہو گئے۔

ممتا بھری ماں کبھی تو اپنی تنہائی و بے کسی کا خیال کرتی اور کبھی اس کی مشفقانہ نگاہیں اپنے ننھے منے اکلوتے بیٹے کی حالت زار کا نظارہ کرتیں' اس بھیانک جنگل میں نہ تو کسی انساں کے گزر کا تصور' نہ ہی کوسوں دور تک آبادی کا کہیں نام و نشان تھا' اس بے آب و گیاہ وادی میں کھانا تو کجا پانی کا ایک قطرہ بھی میسر نہ تھا۔ ننھی سی جان کی یہ حالت زار ماں کی مربیانہ نگاہیں آخر کب تک دیکھ سکتی تھیں' اپنے نونہال کی زندگی کا اجڑتا ہوا باغ چشم خود سے دیکھنا جب ناقابل برداشت ہو گیا تو دل برداشتہ ہو کر انھیں

Marfat.com

اور قریب ہی واقع صفا پہاڑی پر چڑھ کر مضطربانہ و متجسسانہ نگاہیں دوڑائیں کہ شاید کوئی بھولا بھٹکا آدمی آتا نظر آ جائے یا کہیں پانی کی نشان دہی ہو جائے' مگر نگاہیں مایوسی اور محرومی کے ساتھ ہر طرف سے واپس لوٹ آئیں۔ وہاں سے اتر کر وادی کو تیزی کے ساتھ عبور کر کے مروہ پر چڑھ گئیں۔ پوری یک جہتی اور توجہ کے ساتھ گرد و پیش کے میدانوں کا جائزہ لیا۔ لیکن جب وہاں بھی محرومی ہی سے پالا پڑا تو پھر مروہ سے اتر کر صفا ہی کا رُخ کر لیا۔ درمیانی تھوڑا سا نشیبی حصہ تیز رفتاری سے طے کر کے صفا پر چڑھ گئیں۔ اسی طرح اس عمل کو سات مرتبہ دہرایا۔ اس دوران وہ اپنے قرۃ العین بچے کو بھی آ کر دیکھ جاتیں۔ بچہ کی بگڑتی ہوئی حالت کو دیکھ کر آپ کے غم واندوہ اور کرب و ملال میں اضافہ ہوتا رہا۔

ساتویں مرتبہ جب سیدہ ہاجرہ مروہ پر آئیں تو انہیں کوئی دل آویز آواز سنائی دی۔ آپ خاموش اور ہمہ تن گوش ہو کر آواز کی طرف متوجہ ہوئیں۔ بار خدایا یہ کیسی آواز ہے؟ آپ کے کان پھر اس روح پرور آواز سے لطف اندوز ہوئے اور اب کے بار آواز غل و غش سے بالکل صاف تھی۔ آپ پروانہ وار آواز کی طرف لپکتی ہیں اور یہ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتی ہیں کہ اس کے لخت جگر کے قریب ایک بزرگ ترین ہستی سراپا نور بن کر کھڑی ہے۔

''یہاں انسان کہاں سے آ گیا؟'' لمحہ بھر کے لئے آپ سوچ کی موج میں گم ہو جاتی ہیں۔ لیکن جلد ہی یہ حقیقت بے نقاب ہو گئی کہ یہ فرشتۂ رحمت سیدنا جبرئیل امین ہیں۔

جبرئیل (سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے مخاطب ہو کر) آپ کون ہیں؟

میں ابراہیم خلیل اللہ کے فرزند جگر بند کی والدہ ہوں۔ سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا شگفتہ دہن ہوئیں۔

جبرئیل خلیل اللہ تمہیں اس سنسان بیاباں میں کس کے سپرد کر گئے ہیں؟

''اللہ کے حوالے''۔ سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے بڑی متانت سے جواب دیا۔

جبرئیل پھر تو وہ کافی شافی ہے۔

سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا عرض کرتی ہیں کیا میری دادرسی بھی ہوگی؟

جبرئیل علیہ السلام نے اپنی ایڑی زمین پر رگڑی (بعض روایات کے مطابق انگلی کا اشارہ کیا یا پر مارا)[1] تو اللہ جل جلالہ کی قدرت سے چشمہ اُبلنے لگا۔ سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے اپنا مشکیزہ بھرنا شروع کر دیا۔ جب وہ بھر گیا تو خیال ہوا کہیں یہ پانی اِدھر اُدھر بہہ کر ضائع ہی نہ ہو جائے اس لئے اس کے اردگرد مٹی کی باڑھ باندھنی شروع کر دی اور زبان سے "زم زم" کی نغمہ سرائی کرتی رہیں یعنی "رُک جا رُک جا" اس سنگلاخ زمین سے زمزم جیسا شیریں اور لطیف و نظیف پانی کا نکلنا عجائبات قدرت کا ایک عظیم نمونہ تھا۔

حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں

يَرْحَمُ اللّٰهُ اُمَّ اِسْمَاعِيْلَ لَوْ تَرَكَتْ زَمْزَمَ اَوْ قَالَ لَمْ تَغْرِفْ مِنَ الْمَاءِ لَكَانَتْ زَمْزَمُ عَيْنًا مَعِيْنًا.

"اللہ پاک امّ اسماعیل پر رحم فرمائے' اگر وہ پانی کو اس طرح نہ روکتیں' تو آج زم زم کنوئیں کے بجائے ایک جاری نہر کی شکل میں ہوتا"۔

سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے زم زم شکم سیر ہو کر نوش فرمایا' اور اپنے گوشہ جگر کو دودھ پلایا' فرشتہ یہ کہہ کر رخصت ہو گیا کہ تم اطمینان اور سکون سے رہو' اللہ کریم تمہیں ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ تمہاری اس نشست گاہ پر تمہارے نونہال اسماعیل علیہ السلام اور اس کے والد بزرگوار کے ہاتھوں خدا کا گھر تعمیر ہوگا۔

سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا اب یہیں اقامت گزیں ہو گئیں' آپ زم زم نوش جاں فرماتیں اور نورِ نظر سے دل بہلاتیں' بارش کے موسم میں پانی کے خوفناک سیلاب ہر جانب سے آتے لیکن یہ جگہ بلند ہونے کی وجہ سے پانی کے ریلے سے محفوظ رہتی۔ اس طرح یہاں ماں اور بیٹا امن و امان سے گذر بسر کرتے رہے۔[2]

---

[1] بخاری شریف ج ا ص ۴۷۵' ابن کثیر ج ا ص ۱۷۸۔

[2] بخاری شریف کتاب الانبیاء' البدایہ والنہایہ جلد ا ص ۱۵۵' ابن کثیر جلد ا ص ۱۷۹۔

سیدہ ہاجرہ ؓ کی مضطربانہ دعا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی معصومانہ ٹھوکر نے اس پانی کو ایسی عظمت، فضیلت اور ہمیشگی بخشی جس کی نظیر نہیں مل سکتی، پھر جو کلمہ چشمہ کے دیدار کے وقت بے تابی میں حضرت ہاجرہ کی زبان سے بے ساختہ نکلا "زم زم" یعنی ٹھہر جا ٹھہر جا وہی اس کا مسمیٰ بن گیا۔ زم زم کے لفظ پر غور فرمائیں، یہ ایک عجیب الوصف طنطنہ ہے۔

ع کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لئے

غیب کا علم تو صرف خدائے علیم وخبیر کو ہے۔ سیدہ ہاجرہ ؓ کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ جہاں آج وہ غریب الوطن اور مسافر ہیں، مہاجر اور جلاوطن ہیں اور جہاں ان کی آواز کے سوا کسی دوسرے انسان کی آواز تک نہیں ہے اور جہاں ان کا کوئی غمگسار اور ہم جلیس نہیں۔ وہاں کبھی ایسا مقدس اور متبرک شہر بھی آباد ہوگا جو "اُمّ القریٰ" کی صفت سے متصف ہوگا، جس کی فضیلت کرۂ ارضی کے تمام شہروں سے فزوں تر ہوگی، اور جسے کروڑوں انسانوں کا قبلہ ہونے کا شرف نصیب ہوگا اور جہاں ہر سال لاکھوں انسانوں کا طلاطم خیز سمندر موجزن ہوگا۔ اور جس طرح آج وہ صفا اور مروہ کے درمیاں بے تابی اور بے چینی کے ساتھ دوڑ رہی ہیں اسی طرح قیامت تک آنے والے کعبۃ اللہ کے پروانے یہاں اسی انداز میں دوڑ لگایا کریں گے اور اس عمل کا سال میں نہ صرف ایک دو بار اعادہ ہوگا بلکہ اسے روزمرہ کا معمول بنایا جائے گا۔ یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ تاریخ انکار سے پیدا ہوتی، کردار سے پرورش پاتی اور پھر شاہراہوں میں اپنے نقش پا چھوڑ کر انسانوں کے حافظہ کی سرگذشت بن جاتی ہے۔ ؎

بنا کردند خوش رسمے بخون وخاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

علامہ اقبال نے کیا خوب کہا:

کریں گے اہل نظر بستیاں نئی آباد

تورات بھی اس عجوبہ روزگار سفر کی تفصیلات بیان کرتی ہے۔
صبح کا وقت تھا کہ ایک بوڑھے باپ نے جو تقدیس اور نیکی سے معمور تھا اپنے کم سن بچے اور عزیز بیوی کو چند ٹکڑے اور پانی کا مشکیزہ دے کر گھر سے نکال کر فاران کے بے آب و گیاہ بیابان میں چھوڑ دیا اور پھر کبھی اس کے دیکھنے کے لئے مضطرب نہیں ہوا۔ (تکوین باب ۲)

جرہم کی آمد

سیدہ ہاجرہ علیہا اپنے فرزند دل بند کی معیت میں زندگی کے شب و روز گزار رہی تھیں کہ حسن اتفاق سے بنو جرہم کا ایک قبیلہ راستہ بھول کر اس طرف آ نکلا' جو شام جانے کا عزم رکھتا تھا۔ مکہ مکرمہ کے نشیبی علاقہ میں خیمہ زن ہو گیا' ایک دن انہوں نے ایک آبی پرندہ فضا میں اڑتا دیکھا جو ان کی توجہ کا مرکز اور موضوع سخن بن گیا۔ وہ باہم حیرت انگیز لہجہ میں گفتگو کرنے لگے کہ یہ پرندہ تو پانی کا ہے اور اس کی پرواز پانی ہی پر ہوا کرتی ہے۔ مگر یہاں تو متعدد بار ہمارا گزر ہوا پانی کا نشان تک نہیں ہے۔ اس خشک جنگل اور چٹیل میدان میں پانی کہاں؟ لیکن یہ پرندہ اپنے فن میں اس قدر مہارت رکھتا ہے کہ اس سے ایسی لغزش کا احتمال بھی نہیں ہو سکتا۔ اور ساتھ ہی انہیں اپنے کہنہ تجربات پر بھی یقین تھا اور اپنے تجربات پر خطا کا گمان ان کی توہین کے مترادف تھا۔ بالآخر تفتیش و تحقیق حال کی غرض سے اپنے معتمدین کا ایک وفد بھیجا تاکہ حقیقت منکشف ہو سکے' آخر وفد اس مقام پر پہنچا جہاں چشم فلک نے بھی کبھی پانی کا ایک قطرہ تک نہیں دیکھا تھا۔ آب شیریں کا چشمہ جاری دیکھ کر تھوڑی سی دیر کے لئے وہ خیالات کی دنیا میں گم سم ہو گئے۔ حیرت و استعجاب نے امکانی حدود کو توڑ کر انہیں اقرار اور انکار کے سنگم پر لا کھڑا کر دیا' لیکن حقائق نے بھی پردہ نشینی اختیار نہیں کی' آخر انہیں عین الیقین ہو گیا کہ اس سنگلاخ مقام پر نہایت صاف شفاف' لطیف و شیریں پانی فراوانی کے ساتھ موجزن ہے۔ چنانچہ وفد نے صورت حال سے اپنے قبیلہ

Marfat.com

کو آگاہ کیا تو ان میں خوشی کی ایک ایسی لہر دوڑ گئی جس کی کیفیت کا احاطہ کرنے سے قلم قاصر ہے۔ پورے قبیلہ نے اس طرف کوچ کر دیا۔

یہ لوگ وہاں پہنچ کر غریب الدیار اجنبی ماں بیٹے کو پانی کے کنارے جلوہ افروز پاتے ہیں انہوں نے متفقہ طور پر سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کی خدمت میں عرض داشت پیش کی کہ اگر آپ اجازت مرحمت فرمائیں تو ہم بھی یہاں فروکش ہو جائیں۔ آپ کا قلب حزیں پہلے سے ہی اپنے ہم جنس کا متلاشی تھا۔ چنانچہ آپ نے خنداں و فرحاں ان کی درخواست کو پذیرائی بخشتے ہوئے وہاں اقامت پذیر ہونے کی اجازت سے نوازا۔ لیکن اس پیشگی شرط کے ساتھ کہ پانی کے مالکانہ حقوق اُن (سیدہ ہاجرہ) کے نام محفوظ رہیں گے۔ اور قافلے والوں کو اس پر قابض ہونے کا کوئی حق نہ ہوگا۔ نووارد قبیلہ نے خندہ پیشانی سے اس شرط کو مان لیا اور باہم شیر و شکر ہو کر رہنے سہنے لگے۔ سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام بھی ان میں گھل مل کر پروان چڑھے۔ ان کی معصومانہ ادائیں ان کے دلوں پر ایسے گہرے نقوش مرتسم کر گئیں کہ وہ ان پر دل و جان سے فدا ہونے لگے۔ جرہم ان پر ایسے شیفتہ و فریفتہ ہوئے کہ جب آپ عنفوانِ جوانی کو پہنچے تو اپنی ایک دوشیزہ سے عقد کر دیا جس سے ایک دائمی اور اٹوٹ رشتہ قائم ہو گیا۔ باہم اختلاط اور میل جول سے سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے اُن سے عربی بھی سیکھ لی جب کہ آپ کی مادری زبان عبرانی تھی۔ آپ کا لب و لہجہ بالکل وہی تھا جو اس واقعہ کے اڑھائی ہزار سال بعد قرآن پاک کا لہجہ قرار پایا۔ سلسلۃ الذہب کی یہ تمام کڑیاں مل کر ایک ایسا نادر الوجود گلدستہ بن گیا جس کی نظیر اقوام عالم کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ (بخاری شریف جلد اول کتاب الانبیاء)

سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام نے اپنی بود و باش کے لئے عین کعبۃ اللہ کے مقام پر ایک بے حد سادہ سی جھونپڑی بنائی۔ اور اس کے متصل حطیم والی جگہ بھیڑ بکریوں کا باڑہ بھی بنایا۔ [سیدنا ابراہیم خلیل اللہ ہر سال اپنی بیوی اور بچے کی خبر گیری کے لئے براق پر سوار ہو کر تشریف لاتے رہتے تھے۔ (ابن کثیر جلد اص ۱۷۸)]

Marfat.com

وہ کون سے اسباب اور وجوہات تھے کہ معصوم بچے اور اس کی ماں کو لق و دق صحرا میں چھوڑ دیا۔ کیا معاذ اللہ یہ دونوں نافرمان تھے؟ یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان سے نفرت تھی؟ یا پھر حضرت سارہ کی بات کا آپ کو اس قدر پاس لحاظ تھا کہ اس کی خاطر محبت کے فطری جذبہ کو بھی تج دیا۔ بفرض محال بیوی مجرم تھی تو بچے کا کیا قصور تھا؟

ظاہر بین تو وحشت زدہ ہے کہ ایک برگزیدہ نبی نے ایسا اقدام کیوں کیا؟ لیکن کار پردازان مشیت کا اعلان ہے کہ بچے کی جان کو کوئی خطرہ نہیں' بلکہ ایک ایسی امت اور ملت کا تخم تہ نشین کیا جا رہا ہے جس کا ثمر خوشگوار وہ طبقہ ہوگا جو اعلیٰ اخلاق' مکمل انسانیت' پیکر شرافت اور لا متناہی برکات کا نمونہ ہوگا۔ یہ سب کچھ مقبولیت دعا کی تمہید اور عالم انسانیت کے متعلق اللہ جل مجدہٗ کے ایک عظیم الشان منصوبہ کا اظہار تھا۔ زن و فرزند کی یہ قربانی اس کی خشت اوّل اور ذبح اسماعیل علیہ السلام خشت دوم تھی۔

Marfat.com

ذبیح اللہ

جس گلشن کی تخم ریزی اور شجرکاری سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ارض فلسطین میں کی تھی مکہ مکرمہ کی خاک پاک نے اُسے اپنے خون سے سینچا اور اپنے دامن میں پروان چڑھایا۔ جب اشجار برگ و بار سے پراز بہار ہونے لگے اور کلیاں غنچوں کا خوشنما تاج پہن رہی تھیں تو گل چین کی نظر انتخاب اسی غنچۂ گل پر پڑی جو چمن کی زینت' بزم کی رونق اور محفل کی شمع تھا۔

کارساز قضا و قدر نے براہیمی بدر منیر کی ضوفشانی کی چھری کی چھنکار کے سامنے لا کر پرستاران توحید کی آزمائش کرنا چاہی تو پدری شفقتیں رضائے مولا پر نچھاور ہو گئیں اور نار و نیاز فرزندانہ صبر و استقلال کا کوہ گراں بن گئے۔ چشم فلک عشق و محبت کے اس انوکھے مظاہرہ پر ششدر تھی۔ ملائکہ و کروبیاں ورطۂ حیرت میں پڑ گئے اور شمس و قمر' ستارگان و سیارگان استعجاب کے سمندر میں غوطہ زن ہو گئے۔ لیکن عشق کی رزم گاہ میں محبوب کے اشاروں پر جان قربان کرنا تو محبت کے مبادیات میں سے ہے۔

بہرحال خدا کے گھر کی تعمیر و ترقی اور خدمت کے لئے ضروری تھا کہ کوئی قدسی نفس دنیوی علائق اور مشاغل سے الگ ہو کر اپنی زندگانی کا نذرانہ پیش کرے۔ چنانچہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کو خواب کے ذریعے حکم دیا جاتا ہے کہ اپنی محبوب چیز کو خدا کے نام قربان کر دیں۔

یہ حکم تین رات مسلسل خواب میں ہوتا رہا۔ پہلی بار اشارہ ۸ ذی الحجہ کی رات کو ہوا۔ صبح اُٹھے تو آپ متردد تھے۔ آیا یہ خواب من جانب اللہ ہے یا شیطانی وسوسہ۔ اسی نسبت سے اس دن کا نام یوم الترویہ پڑ گیا۔ دوسری رات خواب میں وہی

Marfat.com

حکم دہرایا گیا تو آپ نے پہچان لیا کہ یہ حکم ربی ہے۔ اسی وجہ سے اس کا نام یوم عرفہ مشہور ہوا۔ پھر تیسری رات بھی اسی قسم کا خواب دیکھا۔ چنانچہ صبح عزم بالجزم کر لیا کہ لخت جگر کو ذبح کرنا ہے۔ اسی بنا پر اس کا نام یوم النحر ہوا۔ (تفسیر کبیر جلد ۷ ص ۳۹)

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کو اپنے استقلال اور جاں نثاری پر کامل اعتماد تھا لیکن یہ بات دریافت طلب تھی کہ آیا نوخیز بچہ بھی اپنی گردن پر چھری چلنا گوارا کر سکتا ہے یا نہیں؟

﴿ یٰبُنَیَّ اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ﴾

[پ ۲۳ سورہ الصافات]

"بیٹا! میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں تو بتا تیری کیا رائے ہے"۔

ایک طرف نوے سالہ پیر ضعیف ہے جسے عمر بھر آہ سحر گاہی کے بعد خاندان نبوت کا چشم و چراغ عطا ہوا جوان کے ہاں دنیا بھر سے محبوب و مقبول اور منظور نظر تھا۔ اب اسی جگر گوشہ کے قتل کے لئے ان کی آستینیں چڑھ چکی ہیں اور ہاتھ میں چھری ہے۔ دوسری طرف جواں سال بیٹا جس نے بچپن سے آج تک باپ کی مشفقانہ نگاہوں کی گود میں پرورش پائی تھی، اور اب باپ ہی کا مہر پرور ہاتھ اس کا قاتل نظر آتا ہے۔

یہ عشق خداوندی کی آشفتہ سری اور اور توحید باری تعالیٰ کا کرشمہ تھا کہ رحم دل باپ کے ہاتھ میں چھری دے کر فرزند عزیز کو ذبح کر کے ماسوی اللہ کی محبت کا نذرانہ پیش کرنے کا ارشاد ہوتا ہے۔ اور یہ اسلام کی حسن آفرینی تھی جس نے اسماعیل کو گردن جھکا دینے کی ترغیب و تحریص دے کر اپنی جان عزیز کو اس کی راہ میں قربان کرنے پر کمربستہ کر دیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ چھری کے قریب اس ذوق وشوق سے گردن کر دی جس طرح مدتوں کا پیاسا انسان آب شیریں پر پروانہ وار گر پڑتا ہے۔ اور یہ بھی تو اسلام ہی کی محویت کا استیلا تھا جس نے نفس اسماعیل کو فنا کر دیا اور اسی فنا سے مقام ایمان کو بقا اور جلا نصیب ہوتی ہے۔

Marfat.com

اللہ اللہ! اس نیرنگ ساز ازل کے کاروبار محبت کی بوقلمونی کا کیا کہنا کہ اس کے حریم محبت کی ساری آرائش دوستوں کے خون کی چھینٹوں اور مضطرب لاشوں کی تڑپ ہی سے ہے۔ باپ کو بیٹے کے حلق پر چھری چلانے کا حکم دیا جاتا ہے اور بیٹے کو خندہ پیشانی سے گردن جھکا دینے کا ارشاد ہوتا ہے' کیونکہ اس کے ہاں صرف جان دینا ہی نہیں بلکہ جان دینے کو روز عیش ونشاط سمجھنا بھی شرط لازم ہے۔ پیکر صدق ووفا بیٹا پوری رضا ورغبت کے ساتھ شگفتہ دہن ہوتا ہے۔

﴿يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ﴾

"اے ابا جان! جس کام کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اسے پورا کیجئے' انشاء اللہ آپ مجھے صابرین میں سے پائیں گے"۔

شیطان نے تین مرتبہ ابراہیم خلیل اللہ اور اسماعیل ذبیح اللہ کو اس مقدس فریضہ کی بجا آوری سے روکنے کی ناکام کوشش کی' لیکن ابراہیم علیہ السلام نے ہر بار سات کنکریاں مار کر بھگا دیا منیٰ میں ان تینوں جمرات پر آج تک اس محبوب عمل کی ہر سال یاد تازہ کرنے کے لئے کنکریاں ماری جاتی ہیں۔

جب دونوں باپ بیٹا یہ انوکھی عبادت انجام دینے کے لیے قربان گاہ پر پہنچے ہیں تو اسماعیل علیہ السلام آداب فرزندانہ بجا لاتے ہوئے عرض پرداز ہوئے ابا جان! میرے ہاتھ پاؤں اچھی طرح باندھ دیں تاکہ تڑپ نہ سکوں' آپ اپنے دامن کو بچانا کہیں میرے خون کے چھینٹوں سے رنگین نہ ہو جائے اور اس طرح میرے ثواب میں کمی واقع نہ ہونے پائے۔ جس سے میری والدہ میرا خون دیکھ کر دل برداشتہ ہو جائیں گی۔ آپ چھری بھی تیز کر لیجئے اور پوری قوت سے میرے حلق پر چلانا تاکہ آسانی سے میری روح نکل سکے۔ اور اگر میری قمیص میری امی کے پاس لے جانا چاہیں تو لے جا سکتے ہیں شاید ان کی تشفی کا موجب بن جائے۔

اس نور نظر' گوشۂ جگر فرزند کی غایت درجہ ادب وتواضع' صبر وضبط اور انکساری دیکھ کر سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے قلب مصفیٰ کی کیفیت کیا ہوگی۔ یہ ایک

Marfat.com

سربستہ راز ہے۔ لیکن استقامت کا پہاڑ بن کر فرماتے ہیں۔ جانِ پدر! اللہ تعالیٰ کا حکم پورا کرنے میں تم میرے کتنے عمدہ مددگار ہو۔ مرحبا کہتے ہوئے لخت جگر کی پیشانی کو چوما اور پرنم آنکھوں سے ان کے دست و پا کو باندھا اور اوندھے منہ لٹا کر تیزی کے ساتھ پوری قوت اور طاقت سے چھری چلائی۔ مگر قبل اس کے کہ چھری اپنا کام تمام کرے اچانک ایک دلفریب اور خوش کن آواز فضا میں گونجی

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا "بیشک آپ نے اپنا خواب سچ کر دکھایا"۔

ابراہیم علیہ السلام ہاتھ روک لیں اور ذرا اوپر دیکھیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس غیبی آواز کی طرف دیکھا تو سیدنا جبرئیل امین ایک جسیم و کجیم ذنبہ لئے کھڑے ہیں۔ جسے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ میں ذبح کر دیا گیا۔ اور اللہ کریم نے اسے "بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ" کے پرشکوہ خطاب سے نوازا۔ (تفسیر کبیر جلد ۷ ص ۱۵۳، معارف القرآن جلد ۷ ص ۴۶۰، روح المعانی جلد ۱۲ ص ۱۳۴)

یہ ذنبہ کہاں سے آیا تھا؟ انسانی ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ روایت نقل فرماتے ہیں کہ یہ وہی ذنبہ تھا جسے سیدنا آدم علیہ السلام کے بیٹے ہابیل علیہ السلام نے اللہ کے نام قربانی دیا تھا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے شرف قبولیت سے نواز کر جنت میں پہنچا دیا اور وہ جنت میں کھاتا رہا اور خوب موٹا تازہ ہو گیا تھا۔ اور اس وقت سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ کے لئے بھیج دیا گیا، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ دنبہ چالیس سال تک جنت میں کھاتا پیتا رہا۔ (تفسیر کبیر جلد ۷ ص ۱۵۳)

اس ذنبہ کے سینگ بطور یادگار کعبہ شریف کے اندر آویزاں کر دیے گئے تھے۔

مفسر جلیل علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ مسند احمد کی روایت نقل فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا، کعبہ شریف میں داخلہ کے وقت میں نے دنبہ کے سینگ دیکھے تھے، مگر مجھے خیال نہ رہا کہ انہیں ڈھانکنے کا تجھے حکم دیتا۔ (تفسیر ابن کثیر سورہ صافات)

یہ سینگ ابتداء اسلام تک کعبہ شریف کی زینت بنے رہے لیکن سیدنا

Marfat.com

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے دور میں کعبہ شریف میں آگ لگ جانے سے یہ بھی جل گئے۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۵ ص ۱۰۸، روح المعانی جلد ۱۲ ص ۱۳۳)

قربانی کے اس عدیم النظیر واقع کے وقت سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی عمر مبارک صرف تیرہ سال تھی۔ (تفسیر کبیر جلد ۷ ص ۱۳۹، روح المعانی جلد ۱۲ ص ۱۲۸، ۱۳۰)

قربانی کا یہ عظیم کارنامہ کس جگہ انجام پذیر ہوا؟ اس سلسلہ میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔ علامہ سید محمود الوسی رحمۃ اللہ علیہ مندرجہ ذیل اقوال نقل فرماتے ہیں

یہ عمل منیٰ میں صخرہ کے قریب واقع ہوا تھا۔ اور حسن سے روایت ہے کہ منیٰ میں مسجد کبش کے مقام پر قربانی کی گئی تھی۔ اور حضرت ضحاک کا قول ہے کہ جس جگہ آج لوگ قربانی کرتے ہیں (دو پہاڑوں کے دامن میں) اسی مقام پر منیٰ میں اسماعیل علیہ السلام کی قربانی دی گئی تھی۔ (تفسیر روح المعانی جلد ۱۲ ص ۱۳۰)

علامہ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ مسند احمد کے حوالہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کرتے ہیں کہ جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام خداوند قدوس کے حکم سے اپنے نور نظر لخت جگر کو لے کر چلنے لگے تو سعی کے وقت شیطان نظر آیا' مگر آپ اس سے آگے بڑھ گئے' پھر جب آپ جمرۂ عقبہ پر پہنچے تو پھر شیطان سامنے آیا۔ تو آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں اور وہ غائب ہو گیا۔ پھر تیسری مرتبہ جمرۂ وسطی کے قریب ظاہر ہوا' وہاں بھی سات کنکریاں ماریں' پھر آپ آگے بڑھے اور اپنے گوشہ جگر کو خدا کے نام پر ذبح کرنے کے لئے اوندھے منہ لٹا دیا۔ اس وقت اُن کے جسم پر ایک سفید چادر تھی۔ عرض کرنے لگے ابا جان!! اسے اتار لیں تا کہ اس میں مجھے کفن دے سکیں۔

امام ابن کثیر محل ذبح منیٰ ہی بیان فرماتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر' سورہ صافات)

کعب احبار سے روایت ہے کہ جب سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اپنے فرزند دل بند کو ذبح کرنے کے لئے لے جا رہے تھے' تو شیطان نے خیال کیا کہ اگر آج یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا اور میں انہیں بہکا نہ سکا تو پھر مجھے عمر بھر کے لئے اس سے مایوس ہو جانا چاہئے۔ چنانچہ وہ پہلے سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک نیک

Marfat.com

آدمی کا روپ دھار کر حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ ابراہیم علیہ السلام آپ کے بیٹے کو کہاں لے گئے ہیں؟ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ اپنے کسی کام کو گئے ہیں۔ اس نے کہا: نہیں بلکہ وہ تو اسے ذبح کرنے کی نیت سے لے کر گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا' وہ اسے کیوں ذبح کریں گے' تو شیطان لعین نے کہا: ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہی حکم دیا ہے۔

مائی صاحبہ نے فرمایا پھر تو اس حکم کو جلد پورا کرنا ہی بہتر ہے۔ یہ مردود یہاں سے خائب و خاسر لوٹ کر سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کے پاس آیا۔ اور انہیں بہکانے کی ناپاک جسارت کی' کہنے لگا' تمہیں معلوم بھی ہے کہ تمہارا باپ تمہیں کہاں لے جا رہا ہے۔ انہوں نے فرمایا اپنے کام کے لئے۔ کہنے لگا نہیں وہ تو تجھے ذبح کر دیں گے۔ فرمایا کیوں؟ شیطان کہنے لگا وہ سمجھتے ہیں کہ ایسا کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا' پھر تو بڑی خوش نصیبی ہے۔ انہیں تو پھر جلدی کرنی چاہئے۔ جب یہاں سے بھی منہ کی کھانی پڑی تو خلیل اللہ علیہ السلام کے سامنے آ نکلا اور یہی سوال ان سے بھی کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا واللہ العظیم میں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے اپنے بیٹے کو ضرور ذبح کروں گا۔ (ابن کثیر سورہ صفٰت)

مذکورہ تمام روایات سے ذبح کا مقام منیٰ میں ہونے کا بین ثبوت فراہم ہوتا ہے' لیکن تورات اور بعض حدیثی روایات میں قربانی کی جگہ مروہ بیان کی گئی ہے۔ جیسا کہ درج ذیل حوالہ جات سے ظاہر ہے۔

"ان باتوں کے بعد یوں ہوا کہ خدا نے ابراہام کو آزمایا' اور اسے کہا کہ تو اپنے اکلوتے بیٹے کو جس سے تو پیار کرتا ہے "اضحاق کو لے" اور زمین موریاہ میں جا' اور اُسے وہاں پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتا دوں گا' سوختنی قربانی کے لئے چڑھا"۔ (پیدائش باب ۲۲ آیت ۱ تا ۲)

خداوند نے فرمایا بنی اسرائیل میں آدمی اور جانور کا ہر پہلوٹا بچہ میرے لئے ہے۔ (عدد ۸،۱۷)

Marfat.com

تورات کی اس روایت میں لفظ "موریاہ" اصل میں مروہ ہے اور اس بات کی تصدیق موطا امام مالک کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے مروہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا "یہ قربان گاہ ہے اور مکہ کے تمام پہاڑ اور گھاٹیاں قربان گاہ ہیں"۔ (موطا امام مالک باب النحر)

علامہ شبلی نعمانی فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے مبارک زمانہ میں مروہ میں قربانی نہیں ہوتی تھی بلکہ منیٰ ہی میں ہوتی تھی' جو کہ مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ تاہم نبی کریم ﷺ نے مروہ ہی کو قربان گاہ ارشاد فرمایا اور اسی مقام پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کرنا چاہی تھی۔ لہذا قربانی کی اصل جگہ کعبہ ہے منیٰ نہیں۔ لیکن جب حجاج کی کثرت ہوئی تو کعبہ کی حدود کو منیٰ تک وسعت دے دی گئی۔

تورات کی مذکورہ روایت میں سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے بجائے سیدنا اسحاق علیہ السلام کو ذبیح اللہ ظاہر کیا گیا ہے۔ جو دراصل یہود کی بددیانتی کا ایک بین ثبوت ہے۔ قربانی تو بہرحال حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی کی دی گئی تھی۔ جنہیں مروہ یعنی مکہ معظمہ میں آباد کیا گیا تھا' جب کہ سیدنا اسحاق علیہ السلام تو شام میں آباد تھے۔ (سیرت النبیؐ جلد ۱ ص ۹۲)

اس مسئلہ کے کچھ پہلو ہم نے "مکہ معظمہ یورپین مؤرخین کی نظر میں" کے ضمن میں آشکارا کر دیے ہیں۔ وہاں ملاحظہ فرمائیے۔

Marfat.com

سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کا عقد

سیدنا اسماعیل علیہ السلام اپنی زندگی کی جب پندرھویں منزل طے کر رہے تھے اور ان کے فہم و ذکاء میں پختگی اور عزم و ہمت میں استقلال پیدا ہو چکا تھا کہ یکا یک نوشتۂ ازل نے سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا پروانہ موت جاری کر دیا۔ شفیق و انیس' غم گسار و غم خوار والدۂ مکرمہ داعی اجل کو لبیک کہہ کر داغ مفارقت دے گئیں' فرماں بردار بیٹے نے ان کی تجہیز و تکفین کا انتظام کیا' قبر مبارک مقام حجر حطیم کے اندر میزاب کعبہ کے نیچے مائل بشرق بنائی۔ والدہ کے انتقال پر ملال نے ان کے دل پر ضرب کاری لگائی۔ باپ کے سایۂ عاطفت اور پدری شفقتوں سے پہلے ہی دور تھے اور اب ماں کی مامتا اور جنت کی پرچھائیں بھی ساتھ چھوڑ گئیں۔ آپ مکہ معظمہ کی رہائش سے دل برداشتہ ہو گئے۔ جی چاہتا تھا کہ شام میں جا کر پدر بزرگوار کے زیر سایہ زندگانی گزاریں' لیکن جب بنی جرہم کو ان کے اس ارادہ کا علم ہوا تو انہیں ان کی جدائی نے مضطرب اور پریشان کر دیا۔ انہوں نے پند و نصائح اور ملاطفت سے ان کے دل کو موہ لیا اور اس عزم کو ترک کرنے پر آمادہ کر لیا۔ انہوں نے اس اجڑتے ہوئے باغ کو پھر سے شاداب بنانے کا عزم کیا اور باہمی مشاورت سے اپنی ایک دوشیزہ سے ازدواجی سلسلہ میں منسلک کر دیا۔ جس کے باعث چارو ناچار انہیں اپنا ارادہ بدلنا پڑا' اور تادم واپسیں مکہ معظمہ کی سرزمین میں اقامت گزیں رہے۔

قبیلہ بنو جرہم کی جس خاتون سے آپ کا عقد ہوا تھا اس کا نام علامہ قطب الدین رحمہ اللہ نے عمارہ بنت سعید بن اسامہ بن اکیل تحریر کیا ہے۔ (اعلام الاعلام ص ۳۵) جب کہ علامہ مسعودی نے الجداء بنت سعد بیان فرمایا ہے۔ (مروج الذہب جلد ۲ ص ۴۲)

Marfat.com

بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام حسب سابق ملاقات کے لئے تشریف فرما ہوئے۔ مگر نہ تو سیدہ ہاجرہ کو پایا نہ ہی سیدنا اسماعیل علیہ السلام گھر پر موجود تھے۔ البتہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی بیوی موجود تھی۔ آپ نے دریافت فرمایا اسماعیل علیہ السلام کہاں ہیں؟ تو جواب ملا کہ وہ روزی کی تلاش میں یعنی شکار کرنے گئے ہیں (سیدنا اسماعیل علیہ السلام حرم شریف کی حدود سے باہر شکار کھیلنے جایا کرتے تھے) آپ نے دریافت فرمایا گزر بسر کیسے ہوتی ہے؟ بہو نے جواب دیا کہ برا حال ہے' تنگی اور تکلیف سے وقت پورا ہوتا ہے اور شکوہ و شکایت کا سلسلہ شروع کر دیا۔

آپ نے فرمایا مہمان نوازی کے لئے گھر میں کھانے پینے کی کوئی چیز ہے؟ تو بہو نے صاف انکار کر دیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا' جب تمہارے خاوند آئیں تو میرا سلام کہنا اور یہ پیغام دے دینا کہ اپنے دروازہ کی چوکھٹ بدل دیں۔

سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ گھر تشریف لائے تو انہیں کچھ مانوس سی کیفیت محسوس ہونے لگی۔ دریافت فرمایا کوئی صاحب تشریف لائے تھے؟ بیوی نے کہا ہاں' ایسی ایسی شکل و شباہت کے ایک عمر رسیدہ بزرگ آئے تھے اور آپ کے متعلق دریافت کر رہے تھے' میں نے انہیں بتایا کہ وہ شکار کی تلاش میں باہر گئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے گزران کے متعلق پوچھا کیسی ہے؟ تو میں نے بتایا تنگی اور پریشان حالی ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے استفسار فرمایا کہ وہ کوئی پیغام بھی دے گئے ہیں؟ تو بیوی نے جواباً عرض کیا' جی ہاں! وہ کہہ گئے تھے کہ جب تمہارا خاوند آئے تو میری طرف سے سلام پیش کرنا اور کہنا کہ اپنے دروازہ کی دہلیز بدل دیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام بیوی سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے وہ آنے والے بزرگ میرے والد گرامی قدر تھے اور جس دہلیز کی تبدیلی کا ارشاد فرما گئے ہیں اس سے مراد تم ہو۔ تم نے جس ناشکر گزاری اور ناسپاس شناسی کا اظہار کیا ہے' اس کی بناء پر وہ چوکھٹ بدلنے کا ارشاد فرما گئے ہیں' لہٰذا میں تمہیں طلاق دے کر گھر سے رخصت کرتا ہوں۔ (بخاری شریف کتاب الانبیاء' اخبار مکہ ص ۲۴' اعلام ان علام ص ۳۵)

علامہ مسعودی رقمطراز ہیں' سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی پہلی بیوی کا نام الجداء بنت سعد تھا' ان کی بیان کردہ روایت کے مطابق جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے تو سلام پیش کیا مگر بہو نے سلام کا جواب نہیں دیا' آپ نے دریافت فرمایا کہ ہاجرہ کہاں ہیں' تو اس نے کہا وہ نہیں ہے' اور جب اسماعیل علیہ السلام کے متعلق دریافت کیا تو جواب ملا کہ وہ روزی کی تلاش میں گئے ہیں۔ جب اسماعیل علیہ السلام واپس آئے تو بیوی نے کہا ایک آدمی ابراہیم نامی آیا تھا جو آپ کی والدہ اور آپ کے متعلق دریافت کر رہا تھا۔ آپ نے دریافت کیا کوئی پیغام بھی دیا ہے تو اس نے کہا وہ کہہ گئے ہیں کہ گھر کی چوکھٹ بدل دیں۔ (مروج الذہب جلد ۲ ص ۴۲)

عقد ثانی

عمارہ کی علیحدگی کے بعد سیدنا اسماعیل نے اس قبیلہ سے ایک دوسری عورت سیدہ بنت مضاض بن عمرو جرہمی سے عقد کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد جب پھر ابراہیم علیہ السلام کو بارگاہ خداوندی سے اجازت ملی تو اپنے لخت جگر کی ملاقات کو تشریف لائے' لیکن حسن اتفاق سے اب کی بار بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر پر موجود نہیں تھے۔ ان کی اہلیہ نے بتایا کہ وہ روزی کی تلاش میں شکار کو گئے ہیں اور ابھی آیا چاہتے ہیں۔ آپ کی زوجہ محترمہ نے آنے والے مہمان ذی شان کو فراخ دلی اور خندہ پیشانی سے خوش آمدید کہا' پانی گرم کر کے وضو کرایا' سر دھویا اور دودھ گوشت وغیرہ جو کچھ گھر میں حاضر تھا خوشی خوشی پیش کیا اور معذرت بھی چاہی کہ یہاں گندم وغیرہ تو پیدا ہی نہیں ہوتی۔ ہم لوگ بھی دودھ' خرما اور شکار کا گوشت ہی کھایا کرتے ہیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام بہت مسرور اور محظوظ ہوئے' آپ نے دریافت فرمایا تمہاری گزر اوقات کیسی ہے؟ بہو نے جواب میں عرض کیا' خدا کا بے حد شکر ہے کہ ہم بڑے راحت اور آرام سے ہیں۔ اللہ پاک نے رزق روزی میں بھی فراوانی اور کشادگی مرحمت فرما رکھی ہے اور ہر لحاظ سے اطمینان ہے۔ آپ علیہ السلام نے دریافت کیا تمہاری خوراک کیا ہے؟ جواب ملا

Marfat.com

(سَيِّدُ الطَّعَامِ لَحْمٌ) ہماری خوراک گوشت ہے۔ پھر پوچھا پینے کو کیا ملتا ہے؟ تو عرض کیا "زم زم کا پانی" جو آب کوثر کا ہمسر ہے۔ آپ نے خیر و برکت کی دعا دی۔ پروردگار عالم ان کے گوشت اور پانی کو اپنی برکتوں سے معمور فرما دے۔

حضور نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی اناج بھی موجود ہوتا تو ابراہیم علیہ السلام انہیں اناج میں برکت کی دعا سے ضرور نوازتے۔ اور یہ آپ کی دعا ہی کی کرشمہ سازی ہے کہ مکہ مکرمہ کے باشندے گوشت اور پانی پر بڑی عمدگی سے گزر کرتے ہیں جب کہ دوسرے لوگ فقط گوشت اور پانی پر گزارہ نہیں کر سکتے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بہو سے فرمایا کہ جب تمہارے خاوند گھر لوٹیں تو انہیں میرا سلام پیش کرنا اور کہہ دینا کہ اپنی چوکھٹ قائم اور آباد رکھیں' سے بدلیں نہیں۔ جب اسماعیل علیہ السلام گھر تشریف لائے تو بیوی نے تمام سرگزشت حرف بحرف کہہ سنائی اور کہنے لگیں

جئنا بعدك شيخ احسن الناس وجها و اطيبهم ريحًا

"آپ کے بعد ایک بزرگ تشریف لائے جن کا چہرہ بے مثال حسین و جمیل تھا اور جن سے مشک و عنبر کو شرما دینے والی روح پرور خوشبو آتی تھی"۔ (بخاری شریف کتاب الانبیاء، ابن کثیر جلد ا ص ۲۹ے، ابن جریر جلد ۱۳ ص ۲۳۰)

علامہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ اس ملاقات کا تذکرہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

بہو نے آنے والے مہمان کی خدمت عالیہ میں گوشت' دودھ اور پانی پیش کیا۔ آپ نے گوشت تناول کیا' دودھ اور پانی نوش فرمایا' نیک خصال بہو نے عرض کیا' چچا جان! تشریف لائیں۔ آپ کے سر کے گرد آلود اور پراگندہ بال میں دھو کر صاف کر دوں۔ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا مجھے نیچے اترنے کی اجازت نہیں ہے (آپ براق پر سوار تھے) بہو نے ایک پتھر پیش کیا کہ اس پر پاؤں رکھ کر سر ایک طرف جھکائیں۔ چنانچہ آپ نے دایاں پاؤں مبارک اس پتھر پر رکھا تو بہو نے دائیں جانب دھوئی۔ پھر پتھر دوسری جانب رکھ دیا۔ آپ نے بایاں پاؤں رکھا اور بہو نے سر کی

Marfat.com

دوسری جانب دھوئی۔ پتھر پر جہاں پاؤں مبارک رکھے پاؤں ٹخنے تک اس میں گڑھ گئے اور گہرے نشانات پتھر میں پڑ گئے۔ یہی پتھر بعد میں مقام ابراہیم کی شان سے نوازا گیا۔

جب سیدنا اسماعیل علیہ السلام تشریف لائے تو گھر میں ایک نفیس مہک پائی۔ دریافت فرمایا کوئی آیا تھا؟ تو نیک طینت بیوی نے عرض کیا' ایک فرشتہ سیرت بزرگ تشریف لائے تھے جو سب لوگوں سے زیادہ حسین وجمیل تھے اور ان کے وجود اطہر کی فرحت انگیز' نشاط آفریں خوشبو کی مہک نے سارے گھر کو معطر کر دیا۔ میں نے مہمان ذی شان کی مقدور بھر ضیافت کی۔ انہیں دودھ پلایا ان کا سر مبارک دھویا اور یہ پتھر جس پر انہوں نے قدم مبارک رکھے تھے اس میں اب بھی ان مبارک قدموں کے نشانات ہویدا ہیں۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے اس مقدس پتھر کو بڑی عزت وتکریم سے گھر میں محفوظ کر لیا' اور پھر تعمیر کعبہ کے وقت اپنے والد گرامی کی خدمت میں پیش فرما دیا۔ (اعلام الاعلام ص ۳۶)

ایک دوسری روایت کے مطابق سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی دوسری بیوی کا نام سامہ بنت مہلہل بن سعد بن عوف بن ہنی بن نبت تھا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام جب دوسری مرتبہ تشریف لائے تو گھر میں بہو کو پایا انہیں سلام کیا۔ بہو نے ادب سے سلام کا جواب دیا۔ آپ نے استفسار فرمایا کہ ہاجرہ کہاں ہیں' تو انہوں نے بتایا کہ وہ اللہ کو پیاری ہو گئی ہیں اور انتقال کے وقت ان کی عمر نوے سال تھی۔ پھر آپ نے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے متعلق دریافت کیا تو بہو نے عرض کیا وہ شکار کرنے گئے ہیں۔ بڑی خندہ پیشانی سے خوش مقدید کہا۔ عرض کیا براق سے اتریں' آرام فرمائیں۔ مگر آپ نے ایسا کرنے سے انکار فرمایا۔ تب بہو نے التجا کی اگر اجازت ہو تو آپ کا سر مبارک دھونے کی سعادت حاصل کروں۔ چنانچہ ایک پتھر لائیں جسے پاؤں کے نیچے رکھا۔ آپ نے دایاں پاؤں اس پر رکھا تو بہو نے دائیں جانب دھوئی اور پھر بایاں پاؤں رکھا تو دوسری جانب بھی دھو دی۔ پتھر پر دونوں قدموں کے

Marfat.com

گہرے نشانات نقش ہو گئے۔ جسے اللہ رب العزت نے ایک مقدس شعار بنا دیا۔ یہی قول امام سدی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی نقل کیا ہے۔ اور دوسرا قول جو زیادہ مشہور ہے کہ تعمیر کعبہ شریف کے وقت پتھر پر پاؤں مبارک کے نشانات پڑے تھے۔ (زادالمسیر جلد ۳ص ۱۳۲)

بہرحال اس سعادت مند بیوی السیدہ بنت مضاض بن عمرو جرہمی کے ساتھ راحت و رافت سے آپ ازدواجی زندگی بسر فرماتے رہے۔ انہیں سے اللہ کریم نے حسب ذیل اولادیں مرحمت فرمائیں

نابت' قیدار' واصل' میاس' آزر' طیما' نبش۔

آپ نے ۱۳۷ برس کی عمر میں دار فانی سے رحلت فرمائی۔

(مروج الذہب جلد ۲ص ۲۷)

سیدنا اسماعیل علیہ السلام کا وصال

سیدنا اسماعیل علیہ السلام جس طرح اپنے والد گرامی قدر علیہ السلام کی زندگی میں مکہ معظمہ میں اقامت گزیں تھے۔ ان کے سانحۂ ارتحال کے بعد بھی مکہ ہی میں رونق افروز رہے۔ جب آپ کی عمر ۱۳۶ یا ۱۳۷ برس کو پہنچ گئی اور آپ کی اولاد پوری طرح نشوونما پاکر حجاز، شام، عراق، فلسطین اور مصر تک پھیل چکی تھی تو ۱۹۳۷ ق م میں آپ کا وصال ہوگیا۔ آپ کی قبر مبارک والدہ کے پہلو میں میزاب کعبہ کے نیچے حطیم کے اندر بنائی گئی۔ (مروج الذہب جلد ۲ ص ۴۸، تاریخ انبیا، ابن خلدون)

آپ کے بارہ فرزند تھے جن کا سلسلہ نسب بے حد طویل ہے۔ ان کی نسل آج بھی دنیا کے مختلف ممالک میں مثلاً حجاز، یمن، تہامہ، شام، عراق، مصر، شمالی افریقہ، طرابلس، تیونس، الجزائر اور مراکش وغیرہ میں آباد ہے۔ (الجو بر بحوالہ جلد ۱ ص ۲۲)

سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی قبر مبارک اپنی والدہ کی قبر کے قریب ہی حطیم میں بنائی گئی تھی۔ آپ کی قبر پر ایک سبز مستطیل محرابی شکل کا سنگ مرمر لگایا گیا تھا۔ جس کی چوڑائی تقریباً ۱/۲ ۱ بالشت یا ۱۴ انچ تھی۔ اس سے سات بالشت تقریباً ۹۳ انچ کے فاصلہ پر رکن عراقی کی جانب سیدہ ہاجرہ بھی استراحت گزیں ہیں۔ ان کی قبر پر سبز مستدیر (گول) سنگ مرمر لگا ہوا ہے۔ (ابن بطوطہ ص ۱۹۷)

۱۳۹۴ھ میں راقم الحروف بھی ان کے دیدار پر انوار سے مشرف ہوا۔ دونوں پتھر اپنی کہن سالی اور قدامت کی منہ بولتی تصویر تھے۔ ان کی سطح برابر نہیں رہی تھی۔ لوگوں کے بکثرت نماز پڑھنے کے باعث ان میں نشیب و فراز پیدا ہو گئے تھے خصوصاً اسماعیل علیہ السلام کی قبر والا پتھر زیادہ گھس گیا تھا۔ اب غالباً ۱۳۹۶ھ میں حطیم کا فرش بنانے وقت وہ امتیازی نشانات ختم کر دیے گئے ہیں۔

Marfat.com

ایک اور روایت کے مطابق آپ کی اولاد کے اسماء حسب ذیل ہیں.
نابت' قیدار' ادبئل' مبسم مشمع' دوما' دوام' مسا' حداد' تما' یطور اور نافش۔

(اعلام الاعلام ص ۳۹' مروج الذہب جلد ۲ ص ۳۷)

علم الانساب کے امام علامہ ربی محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی فرماتے ہیں اتنا طویل زمانہ گزر جانے کے باعث اس وقت کوئی بھی یقین کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں خاندان فلاں قبیلہ ہی سے ہے تاہم اسماعیل علیہ السلام کی اولاد بیشتر ممالک میں آج بھی آباد ہے۔ (جمرۃ الانساب ص ۸)

Marfat.com

باب دوم

مکّہ معظّمہ

یورپین مؤرخین کی نظر میں

○ مکہ کی قدامت ایک
○ مسلّمہ حقیقت ہے

Marfat.com

- مغربی مؤرخین کا مبلغ علم
- قدامت مکہ پر تورات، انجیل اور زبور کی شہادت
- یونانی اور مسیحی تاریخ میں مکہ اور بیت اللہ کا تذکرہ
- جزیرۃ العرب کی تقسیم اور اولادِ اسماعیل کے مساکن
- عالمی تجارتی منڈی میں مکہ معظمہ کا مقام

Marfat.com

مکہ معظمہ

یورپین مؤرخین کی نظر میں

گذشتہ صفحات میں ہم نے قرآن مجید' احادیث اور تاریخی شواہد سے یہ ثابت کیا تھا کہ مکہ معظمہ کی آبادی سیدہ ہاجرہ اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے ہاتھوں وجود میں آئی۔ لیکن مغربی مؤرخین کے خیال میں یہ شہر اس قدر قدیم نہیں بلکہ نبی اکرم ﷺ سے صرف چند پشتیں پہلے آباد ہوا ہے۔ اس مفروضہ کی بنیاد یہ ہے کہ اگر یہ شہر قدیم ہوتا تو یہاں آثار قدیمہ میں سے کوئی اثر موجود ہوتا۔ نیز الاصابہ کے حوالہ سے یہ قول بھی پیش کیا جاتا ہے کہ سعد بن عمرو نے یہاں سب سے پہلے مکان بنایا تھا' جو نبی کریم ﷺ سے کچھ (تقریباً ۱۵۰ برس) زمانہ پہلے گزرا ہے۔ اور جب پہلا مکان حضور ﷺ سے کچھ عرصہ پہلے تعمیر ہوا تو یہ نو آباد ہوا نہ کہ قدیم۔

مغربی مؤرخین کا مبلغ علم

عرب و عجم کے جید مؤرخین نے مستشرقین کے ان اوہام باطلہ کے متعدد جوابات ارقام فرمائے ہیں۔ جو مبنی بر حقائق اور بے حد ٹھوس ہیں۔ لیکن ہم ان کا جواب پیش کرنے سے پہلے فکری' نظری اور اعتقادی حیثیت سے ان کے علم و حکمت' ادراک و دانش اور فہم و ذکاء کا تجزیہ مناسب خیال کرتے ہیں۔ تاکہ قارئین اس عالمگیر غلط فہمی کا شکار نہ رہیں کہ مغربی مؤرخین بے حد دور بین' تحقیق و تدقیق میں زبردست ماہر' علم و حکمت کے آفتاب اور عصری ریسرچ میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔

ہمیں اس حقیقت سے انکار نہیں کہ مغربی مذاہب کو اسلام پر قدامت زمانی حاصل ہے۔ لیکن ہزار ہا سال پرانے یہودی اور عیسائی مذہب کے پرستار بلکہ ان

Marfat.com

کے پوپ اور مذہبی علوم کے ماہرین آج تک اپنے نبیوں کی حیثیت کا تقرر نہیں کر سکے۔ یہودی عزیر علیہ السلام کے نبی یا ابن اللہ ہونے میں سے کسی ایک کا متفقہ فیصلہ نہیں کر سکے' اور عیسائی آج تک حیران و سرگردان ہیں کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نبی تھے' خدا تھے یا خدا کے بیٹے تھے۔ کیا ان قضیہ کے حتمی فیصلہ تک پہنچنے کے لئے بھی آثار قدیمہ کی تلاش ہونی چاہئے؟

یہود جن کے ہاتھ بے شمار انبیاء کے خون ناحق سے رنگین ہیں اور جن کے دامن سے نبیوں کا مقدس خون آج بھی ٹپک رہا ہے' انہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ مکہ مشرفہ کے قدیم یا جدید ہونے کا محاکمہ کریں۔

مزید برآں یہودیوں اور عیسائیوں کی دست درازی کی بنا پر تورات اور انجیل کے اوراق آج بھی انبیاء کرام علیہم السلام کی توہین اور تنقیص سے بھرے پڑے ہیں۔ ان تحریف شدہ کتابوں میں سیدنا نوح' سیدنا لوط اور سیدنا داؤد علیہم السلام وغیرہ کے متعلق جو حیا سوز اتہامات و الزامات محبت کے روپ میں لگائے گئے ہیں' کوئی شریف انسان ان کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

ایسے لوگوں سے شعائر اسلام کی عزت و توقیر کی توقع قطعاً عبث ہے' اگر ان کا بس چلتا تو وہ کبھی کا انہیں نیست و نابود کر چکے ہوتے۔ (العیاذ باللہ)

مستشرقین کا مکہ میں آثار قدیمہ کے فقدان کا اعتراض پرکاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتا۔

کسی شہر کے وجود یا عدم وجود کا یہ کوئی اساسی اصول نہیں ہے۔ آثار قدیمہ کی دریافت سے تو ایسی بستیوں اور آبادیوں کا کھوج لگایا جاتا ہے جو انقلابات زمانہ سے زیر زمین روپوش ہو چکی ہوں اور سطح زمین پر ان کا نام و نشان مٹ چکا ہو۔ مگر

عیاں را چہ بیان

مکہ مشرفہ کی شہرہ آفاق مقدس بستی کا متبرک وجود آثار قدیمہ کی تصدیق کا محتاج ہی نہیں' یہ تو سارے عالم پر ضیا پاشی کر رہا ہے۔ اس روز روشن حقیقت کو تسلیم کرنے کے

Marfat.com

لئے کسی عقلی اور اثری شہادت کی قطعاً ضرورت نہیں۔

اور پھر مستشرقین کی یہ ہرزہ سرائی اس لئے بھی مضحکہ خیز ہے کہ ماضی یا حال میں یہ سراغ لگانے کی غرض سے اگر کھدائی کی گئی ہوتی اور ہزاروں فٹ گہرائی تک پہنچنے کے باوجود کچھ ہاتھ نہ آتا تب بھی یہ عذر لنگ شاید قابل التفات ہوتا۔ لیکن ایسی کوئی کوشش آج تک مغربی آثار قدیمہ کے ماہرین نے نہیں کی ہے جن کے بقول

۱۱۰۰ سال ریت اور مٹی سیلاب کے باعث مسلسل جمع ہوتی رہی جس سے مکہ کی سطح ایک سو فٹ سے بلند ہو گئی۔ (انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا لفظ مکہ جلد ۱۵ ۱۹۷۰ء)

یورپ جو صدیوں سے جہالت کے اندھیروں میں آوارہ بھٹک رہا تھا۔ اس نے جب ارتقا کی سمت آنکھ اٹھا کر دیکھا تو

﴿إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ﴾

[سورہ توبہ۔ رکوع ۴ ص ۲۸]

''بیشک مشرک نجس ہیں یہ مسجد حرام کے قریب نہیں آ سکتے''۔

نوشتہ دیوار پر نظر پڑی جس نے اس مقدس شہر کے گرد غیبی حصار قائم کر دیا تھا اور انہیں پابہ زنجیر کر دیا جس کے باعث وہاں تک رسائی ناممکن ہو گئی۔

جب کہ مسلمان قرآنی تصریحات پر کامل ایمان و ایقان رکھتے ہیں انہیں اس گورکھ دھندے میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ کسی شہر کی کیفیات اور تفصیلات دریافت کرنے' اس کے محل وقوع اور یوم تاسیس معلوم کرنے کے لئے آثار قدیمہ نہیں بلکہ جغرافیہ اور تاریخ کے ماہرین کی علمی خدمات درکار ہوتی ہیں۔ جغرافیائی اور تاریخی شہادت ہی حرف آخر سمجھی جاتی ہے' اس اصول سے کوئی ذی شعور انسان انکار نہیں کر سکتا۔ ہاں! اگر آنکھوں پر تعصب کی پٹی بندھی ہوئی ہو تو الگ بات ہے۔

Marfat.com

یورپ علوم وفنون میں عربوں کا شاگرد ہے

یورپ جہاں متعدد علوم وفنون میں مسلمانوں کا رہین منت اور سپاس گزار ہے وہاں علم جغرافیہ میں بالخصوص عرب کے سامنے طفل مکتب کی حیثیت رکھتا ہے۔ یورپ کی مشہور یونیورسٹیوں میں کئی سو سال تک عرب تصنیفات کا بدر منیر چمکتا رہا۔ مسیحی دنیا کوئی ایسا نامور جغرافیہ داں پیدا نہ کر سکی جس کے علمی گوہر پارے عرب مصنفین کی جگہ حاصل کر سکتے۔ آج جب کہ پوری دنیا میں علمی فنی اور سائنسی اقتدار پر یورپ سایہ فگن ہے۔ جغرافیہ میں عرب مصنفین کے اساسی اصولوں پر ہی علمی اور سائنسی عمارت تعمیر کر رہا ہے۔ ان کے غیر متزلزل نظریات کو رد کرنے کی جسارت آج تک کسی کو نہیں ہو سکی۔

ہم یہاں مغربی مؤرخین ہی کے حوالہ جات سے ثابت کریں گے کہ مسلمان تاریخ، جغرافیہ اور دوسرے علوم میں مہارت تامہ کے مالک تھے اور یورپین ان کے شاگرد ہیں۔

اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْأَعْدَاءُ

فرانسیسی ڈاکٹر گستاؤلی بان عربوں کی علمی مہارت کا تذکرہ اس طرح کرتا ہے

"قبل یورپ کی وحشیانہ حالت زمانہ دراز تک ایسی شدید رہی کہ خود انہیں اس کا احساس تک نہیں تھا۔ البتہ گیارہویں اور زیادہ تر بارہویں صدی عیسوی میں کسی قدر امنگیں پیدا ہونے لگیں۔ جب چند روشن خیال اشخاص کو اس جہالت کا کفن پھاڑنے کی ضرورت کا احساس ہوا تو انہوں نے عربوں کی طرف رجوع کیا جو اس زمانہ کے استاد تھے۔ (تمدن عرب ص ۵۱۳)

قدیم یونانی علوم ہمیں ان راہبوں کے ذریعہ ہرگز نہیں پہنچے جو یونانی زبان کا نام تک نہیں جانتے تھے' بلکہ یہ صرف عرب مسلمانوں ہی کی بدولت ہمیں ملے ہیں۔ دنیا کو ہمیشہ ان کا رہین منت رہنا چاہئے' جنہوں

نے اس بے بہا قیمتی ذخیرہ کو تلف ہونے سے بچایا"۔

ڈاکٹر موصوف بطور دلیل ایک مغربی عالم کی رائے پیش کرتے ہیں

موسیولی بری کہتے ہیں' اگر تاریخ سے عربوں کا نام نکال دیا جائے تو یورپ کی علمی نشاط ثانیہ کئی سو سال پیچھے چلی جاتی ہے۔ (تمدن عرب ص ۵۱۳)

۹۹۹ء میں سوسٹوودوم نے جب علم میں کچھ شدبد حاصل کر لی تو وہ پوپ بن گیا' اس نے یورپ میں اپنے علم کی اشاعت کرنا چاہی تو لوگوں نے اتنی شدت سے اس کی مخالفت کی کہ اس پر شیطان مسلط ہونے کا الزام لگایا۔

پندرھویں صدی عیسوی تک ہم کسی ایسے یورپین مصنف کا حوالہ نہیں دے سکتے جس نے عربوں کی تصنیفات سے خوشہ چینی نہ کی ہو۔ راجر بیکن' پیسا کا یونارڈ' ویل نوکا آرنو' ریمنڈلل' سینٹ تھامس' البرٹ بررگ اور قسطیہ کا الفانس دہم یہ سب یا تو عربوں کے شاگرد تھے اور یا پھر ان کی تصنیفات کو نقل کرنے والے تھے۔ (تمدن عرب ص ۵۰۵)

عربوں کی یونانی زبان سے ترجمہ کی ہوئی علمی کتابوں پر پانچ سو سال تک یورپ کی تمام یونیورسٹیوں کی تعلیم کا دارومدار رہا۔ بعض علوم مثلاً طب میں عرب مسلمانوں کا تسلط تو ہمارے زمانہ تک قائم ہے یہاں تک کہ گذشتہ صدی کے آخر تک فرانس میں ابن سینا کی تصنیفات پر شروح لکھی جاتی رہی ہیں۔ (تمدن عرب ص ۵۱۵)

جی لی اسٹرینج نے "بلاد فلسطین و شام" کی ضخیم تاریخ لکھی ہے' لیکن اس میں صرف عرب جغرافیہ دانوں کے علوم اور اکتشافات سے استفادہ کیا ہے۔ اس عظیم تر موضوع پر اسے کسی غیر مسلم جغرافیہ دان کی تحقیقات سے کوئی مواد دستیاب نہ ہو سکا۔ چنانچہ وہ خود کتاب کے صفحہ اول پر اعتراف کرتا ہے۔

تاریخ اور جغرافیہ پر قدیم سے قدیم عربی کتابیں نویں صدی عیسوی سے شروع ہوتی ہیں' کیونکہ مسلمانوں نے تصانیف و تالیف کا کام ہجرت کی دو صدیاں گزرتے ہی شروع کر دیا تھا۔ نویں صدی کے وسط تک بہت تھوڑے تھوڑے وقفے

Marfat.com

سے پکے بعد دیگرے کوئی بیس عرب مصنفین نے شام اور مصر کی مختلف ولایات پر بہت تفصیل سے خامہ فرسائی کی ہے۔ (بلاد فلسطین وشام)

فرانسیسی مؤرخ مؤسیو سیدیو بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے۔

حقد میں میں بطلیوس بظاہر عرب کے حالات سے زیادہ واقف نظر آتا ہے مگر اس کے باوجود اس نے عرب کی جو تقسیم کی تھی وہ محض اجتہادی اور قیاسی تھی۔ اسی وجہ سے عرب جغرافیہ دان اس کا اعتبار نہیں کرتے۔

ہمارے نزدیک ملک عرب کی تقسیم میں اہل عرب کی رائے زیادہ محکم اور احسن معلوم ہوتی ہے۔ ملک کی شکل اور تاریخ کا جو سرمایہ جس زمانہ میں بھی مدون ہوا ہو وہ اس کے عین مطابق ہے۔ (تاریخ اعلام العرب ص ۴۲)

مسٹر جے ایچ کریمرز لکھتا ہے

''ایک زمانہ میں مسیحی یورپ کا ثقافتی افق تقریباً تمام اطراف سے مسلمانوں کے درمیان گھرا ہوا تھا اور اسی طرح ایک ہزار برس گزر گئے۔ تو اس اثناء میں یورپ نے ساری دنیا معلوم بلکہ غیر معلوم میں بھی جہاز رانی کر کے ان تمام رکاوٹوں کو دور کر دیا۔ جو اس کے اور دنیا کے جنوبی اور مشرقی حصول کے درمیان حائل تھیں۔

بلاشبہ یورپ کی یہ کامرانیاں زیادہ تر اس کی اپنی ہمت اور جدت پسندی کی شرمندۂ احسان ہیں۔ لیکن جو لوگ (مسلمان) ایک زمانہ میں دنیا کے مالک اور آقا تھے ان کے علم اور تجربہ نے ہی یورپ کو بے انتہاء فائدہ پہنچایا ہے۔

اس لئے یورپ کو چاہئے کہ جغرافیائی اکتشافات اور عالمگیر تجارت کے دوائر میں مسلمانوں کو اپنے ثقافتی اسلاف کی حیثیت سے محترم سمجھے اسلام نے تہذیب حاضر کے ان دوائر عمل پر جو اثر ڈالا ہے وہ ان بے شمار عربی الاصل اصطلاحات سے ظاہر ہے جو ہماری تجارت اور جہاز رانی

Marfat.com

میں اب تک رائج ہیں"۔ (میراث اسلام ص ۱۱۰)
مذکورہ بالا واضح اور ٹھوس دلائل کی روشنی میں جب یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ عرب علم جغرافیہ میں اس قدر ماہر تھے کہ اہل یورپ کو بھی ان کی شاگردی اختیار کرنا پڑی اور مسلمانوں کی تصنیفات صدیوں تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی رہیں۔ تو پھر مکہ مکرمہ کے متعلق عرب مؤرخین کی تحقیقات سے چشم پوشی کرنے کی آخر کیا وجہ ہے؟ اور ان کی تاریخ اور جغرافیائی روایات کو درخور اعتنا کیوں سمجھا جائے۔

عربوں سے یورپ کا تعصب موروثی ہے

ڈاکٹر لی بان اس معمہ کی عقدہ کشائی کرتے ہیں
''موسیو دی دین ڈی مارٹن جیسے فہیم اور جغرافیہ دان شخص کا عربوں کی تحقیقات سے صرف نظر کرنے کی وجہ ہمیں اس کے سوا اور کچھ سمجھ نہیں آتی کہ اسلام کے خلاف اس وقت تک یورپ میں سخت ترین موروثی تعصب موجود تھا۔ حالانکہ تحقیقات علمی کے اعتبار سے عربوں نے ہیئت کے اس قدر صحیح حساب کئے جن پر نقشوں کی بنا رکھی گئی۔ انہوں نے یونانیوں کی فاش غلطیوں کو درست کیا۔ سیاحت اور اسفار کے لحاظ سے ایسے سفرنامے شائع کئے جن کی مدد سے دنیا کے وہ گمنام ممالک بھی سامنے آ گئے جنہیں کوئی نہیں جانتا تھا اور جہاں اہل یورپ کا گزر تک نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے جغرافیہ میں ایسی جامع کتابیں تصنیف کیں جن کا سکہ قدیم کتابوں کی جگہ بیٹھ گیا اور جن کی تقلید پر خود یورپ نے کئی سو سال تک انحصار کیا"۔ (تمدن عرب ص ۳۳۳)
عربوں نے جغرافیہ میں بڑی بڑی مبسوط تصانیف چھوڑی ہیں جن سے بعض مدت دراز تک یورپ میں پڑھائی جاتی رہی ہیں۔ (تمدن عرب ص ۳۳۲)
اگر مغربی مؤرخین عربوں کی ریسرچ کے مطابق مکہ مکرمہ کے قدیم اور

Marfat.com

تاریخی شہر ہونے کا اعتراف نہ کریں تو پھر سوائے تعصب کے اور کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ فرانسیسی ڈاکٹر گستاؤلی بان اس حقیقت سے بھی نقاب کشائی کرتا ہے:

> ''عربوں کے خلاف اہل یورپ کے تعصب کا سبب یہ ہے کہ جب کسی انسان میں موروثی اور مدنی اوہام راسخ ہو جاتے ہیں تو وہ علم و نظر کی وسعت کے باوجود مسائل کے اسرار سمجھنے سے اندھا ہو جاتا ہے۔ پھر اس میں دو طرح کے بغض جمع ہو جاتے ہیں۔ ایک ماضی کے آفریدہ پرانے آدمی کا بغض اور دوسرا ذاتی تجربہ و مشاہدہ رکھنے والے انسان کی عداوت' پھر یہ بغض و عداوت افکار و خیالات کی کچھ ایسی تعبیر کرتے ہیں جو تناقض و تضاد کا عجیب و غریب نمونہ بن جاتا ہے۔ بنابریں اہل یورپ کا عربوں کی مسلمہ تحقیقات کا انکار صرف تعصب پر مبنی ہے''۔ (تمدن عرب ص ۵۴۳)

گر اہل یورپ تعصب کی پٹی اتار کر دیکھیں تو یقیناً مکہ مکرمہ کی قدامت تورات' زبور' انجیل اور قدیم یونانی تواریخ کے علاوہ ان کی اپنی تالیفات و تصنیفات میں بھی بدر منیر کی طرح چمکتی ہوئی نظر آ جائے' مگر تعصب کا مرض ایسا لاعلاج ہے کہ ہم اس کا مداوا کرنے سے قاصر ہیں۔

ان کی دوسری دلیل کہ پہلا مکان سعد بن عمرو نے بنایا اور اس کا زمانہ حضور انور ﷺ سے کچھ عرصہ پہلے کا ہے' لہٰذا یہ شہر قدیم نہیں۔

اگرچہ ہمیں اس روایت کی صحت سے قطعاً انکار نہیں ہے لیکن اس روایت سے مکہ مکرمہ کی قدامت کا انکار کیسے ثابت ہو گیا؟ اس حقیقت کو سب تسلیم کرتے ہیں کہ لفظ عرب کے معنے ہی خانہ بدوشی اور صحرا نشینی کے ہیں۔ اور عرب باشندے جھونپڑیوں اور خیموں میں بود و باش رکھتے تھے۔ مکانات کے تکلف سے وہ بے نیاز' گلہ بانی اور شکار ان کا ذریعہ معاش تھا۔ اور اس مقصد کے حصول کی خاطر وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل مکانی کرتے رہتے تھے۔

Marfat.com

چنانچہ مشہور یورپین مؤرخ جرجی زیدان مسیح لکھتا ہے

''سامی زبان میں عرب کا معنی بدو کے ہیں۔ خصوصاً شمالی عرب کے باشندے بدویانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ یہ لوگ خیموں میں رہتے' اور گلہ بانی ان کا پیشہ تھا۔ کسی ایک جگہ استقرار نہیں تھا۔ کیونکہ ان کی معاش کا ذریعہ اونٹ تھے' انہیں جہاں سبزہ' شادابی اور پانی ملتا وہاں چلے جاتے نہ تو وہ مکان بناتے اور نہ ہی تمدن اختیار کرنا پسند کرتے تھے۔ اس کے برعکس یمن میں بلند و بالا محلات' بڑے بڑے شہر' سرسبز و شاداب باغات اور عمدہ تمدن تھا''۔ (العرب قبل الاسلام جلد ا ص ۱۵۴)

علاوہ ازیں مذکورہ روایت میں اشارۃً یا کنایۃً بھی اس بات کا انکار نہیں ہے کہ وہاں انسانی آبادی نہیں تھی' بلکہ روایت کا مقصود تو یہ ہے' مستقل آبادی ہونے کے باوجود مکہ مشرفہ کے باشندے قدیم بدویانہ بود و باش اور طرز معاشرت میں ہی مسرور تھے۔ لیکن سعد بن عمرو نے اس جمود کو توڑ کر تمدنی ترقی کا سنگ بنیاد رکھا اور یہ اسلامی تاریخ کا ناقابل فراموش کارنامہ ہے کہ جس نے مکہ مشرفہ کی جدید طرز زندگی کے آغاز کی تاریخ کو بھی پوری تفصیلات سے بیان کیا ہے اور یہ سہرا قصی بن کلاب کے سر ہے جس نے اس مقدس شہر کے باشندوں کو تہذیب و تمدن کی لازوال دولت سے سرفراز کیا' جو روز افزوں ترقی کرتے کرتے آج دنیا کے عظیم و جلیل متمدن شہروں کے غرور کو خاک میں ملا رہا ہے۔

Marfat.com

مکہ کی قدامت

پر توریت' انجیل اور زبور کی شہادت

اب ہم تورات' انجیل زبور اور یورپین مؤرخین کے حوالہ جات کی روشنی میں ثابت کریں گے کہ مکہ مشرفہ کوئی نیا شہر نہیں بلکہ یہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے صدیوں پہلے آباد ہو چکا تھا' اور اسے آباد کرنے والے سیدنا اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔ جو اپنی والدہ ماجدہ سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کی معیت میں یہاں قیام پذیر ہوئے تھے چنانچہ ہمارے دلائل درج ذیل چار اقسام پر مشتمل ہیں۔

① تورات' زبور اور انجیل کی شہادت

② جزیرۃ العرب کی تقسیم اور اولاد اسماعیل علیہ السلام کے مساکن

③ شاہراہ تجارت

④ تاریخی شواہد

تورات' زبور اور انجیل بہ اصل عبرانی زبان میں ہیں۔ ان کے تراجم انگریزی' عربی' اردو اور کئی دوسری زبانوں میں خود یورپین علماء نے کئے ہیں۔ وہ دو تحریف' قطع و برید اور تلبیس کے فن میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ چنانچہ اسلام اور اسلامی شعائر کے ساتھ روایتی تعصب کی بنا پر انہوں نے ابراہیم علیہ السلام' سیدنا اسماعیل علیہ السلام اور ہاجرہ علیہا السلام کے اس تاریخی سفر اور منتہائے منزل کے متعلق بھی تراجم میں زبردست تغیر و تبدل کر دیا ہے۔ جس سے اصل اور صحیح واقعات کی صورت مسخ ہو گئی ہے اور پھر آج کل مسلمان عبرانی زبان سے قطعاً بے خبر ہیں۔ جس کے باعث ان کی تلبیس کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

Marfat.com

بایں ہمہ اسرائیلی روایات کی تصدیق یا تکذیب سے قطع نظر ہم نے صرف اپنے دعویٰ کی صداقت پر استدلال کرتا ہے۔ بعض مقامات پر ہم نے مولانا یعقوب حسن مرحوم کی ''کتاب الہدیٰ'' سے استفادہ کر کے اصل عبرانی الفاظ بھی ناظرین کی معلومات کے لئے سپرد قلم کر دیئے ہیں تاکہ مترجمین کی دست درازی کی نشاندہی بھی ہو جائے۔

تورات میں ان واقعات کو اس طرح بیان کیا گیا ہے

''حضرت سارہ چونکہ بانجھ تھیں اس لئے انہوں نے اپنی مصری خادمہ جن کا نام ہاجرہ تھا حضرت ابراہیم کو دی اور کہا کہ میری خادمہ کے پاس جاؤ شاید میں اس کی کوکھ سے بچہ والی ہو جاؤں وہ ہاجرہ کے پاس گیا تو وہ حاملہ ہو گئیں۔ حاملہ ہونے کے بعد وہ اپنی مالکہ کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگیں۔ اس پر سارہ نے سختی کی تو وہ بھاگ نکلیں۔ مگر راستہ میں خدا کا فرشتہ ہاجرہ کو ملا اور بشارت دی کہ تو حاملہ ہے اور بیٹا جنے گی۔ اس کا نام شمع ایل رکھنا۔ کیونکہ خدا نے تمہارا دکھ سن لیا۔ وہ فـرا' פרא אדם ہوگا۔ سب کے ہاتھ اس کے خلاف اور اس کے ہاتھ سب کے خلاف ہوں گے اور وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بود و باش کرے گا''۔ (پیدائش باب ۱۶)

''لفظ فرا کے معنے شکاری اور بہادر کے ہیں۔ مگر بائبل کے مترجمین نے اس کا معنی وحشی آدمی کیا ہے''۔ (کتاب الہدیٰ ص ۳۷۹)

''اب تو حاملہ ہوگی اور بچہ جنے گی اور اس کے سر پر اُسترا نہ پھیرا جائے کیونکہ یہ بچہ خدا کے لئے نذر کیا جائے گا''۔ (توراۃ قضاۃ صحاح ۱۳'۴)

''اور ہاجرہ ابرام کے لئے بیٹا جنی اور ابرام نے اپنے بیٹے کا نام جو ہاجرہ جنی اسماعیل رکھا اور جب ابرام کے لئے ہاجرہ سے اسماعیل پیدا ہوا تب ابراہام چھیاسی برس کا تھا''۔ (پیدائش باب ۱۲ اعداد ۱۵'۱۶)

''پھر خدا نے کہا بلکہ تیری بیوی سارہ تیرے لئے ایک بیٹا جنے گی اور

Marfat.com

اس کا نام اضحاق رکھنا' اور میں ابدی عہد اس کی نسل سے قائم کروں گا"۔ (تکوین' اصحاح ۱۰ اعدد ۱۸)

پھر جب اسحاق علیہ السلام بھی پیدا ہو گئے تورات کا بیان ہے

"اور سرہ نے دیکھا ہاجرہ مصری کا بیٹا جو وہ ابراہام سے جنی تھی' ٹھٹھے مارتا ہے۔ تب اس نے ابراہام سے کہا کہ اس لونڈی کا بیٹا میرے بیٹے اضحاق کے ساتھ وارث نہ ہوگا۔ پھر اپنے بیٹے کی خاطر یہ بات ابراہام کی نظر میں نہایت بری معلوم ہوئی۔ خدا نے ابراہام سے کہا اس لڑکے اور تیری لونڈی کی بابت تیری نظر میں بری نہ معلوم ہو۔ ہر ایک بات کے حق میں جو سرہ نے تجھے کہی ہے اس کی آواز پر کان رکھ۔ کیونکہ تیری نسل ضحاق سے کہلائے گی اور اس لونڈی کے بیٹے سے بھی ایک قوم پیدا کروں گا اس لئے کہ وہ تیری نسل ہے۔ (پیدائش ۲۱' ۹' ۱۳)

تب ابراہام نے صبح سویرے اٹھ کر روٹی اور پانی کی ایک مشک لی اور ہاجرہ کے کاندھے پر دھر دی' اور اس لڑکے کو بھی رخصت کیا' وہ روانہ ہوئی' بیرسبع کے بیابان میں بھٹکتی پھرتی تھیں اور جب مشک کا پانی چک گیا' تب اس نے اس لڑکے کو ایک جھاڑی کے نیچے ڈال دیا اور خود اس کے سامنے ایک تیر کے ٹپے پر دور جا کر بیٹھی' کیونکہ اس نے کہا میں لڑکے کا مرنا نہ دیکھوں' سو وہ سامنے بیٹھی اور چلا چلا کر روئی' تب خدا نے اس لڑکے کی آواز سنی' اور خدا کے فرشتے نے آسمان سے ہاجرہ کو پکارا' اور اس سے کہا کہ اے ہاجرہ تجھ کو کیا ہوا' مت ڈرو کہ اس لڑکے کی آواز جہاں وہ پڑا ہے خدا نے سنی' اٹھ اور لڑکے کو اٹھا اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کہ میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا' پھر خدا نے اس کی آنکھیں کھولیں اور اس نے پانی کا ایک کنواں دیکھا' اور جا کر اپنی مشک کو پانی سے بھر لیا' اور لڑکے کو پلایا اور خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑھا اور بیابان میں رہا

Marfat.com

اور تیر انداز ہو گیا۔ اور وہ فاران کے بیابان میں رہا اور اس کی ماں نے ملک مصر سے ایک عورت بیاہنے کو لائی"۔ (تکوین باب ۲۱)

اگرچہ تورات کی یہ مفصل روایت اسلامی روایات کے ساتھ بہت حد تک مطابقت رکھتی ہے پانی کے مشکیزہ کا ذکر اس کے ختم ہو جانے اور سیدہ ہاجرہ کا بے تاب ہونے کا تذکرہ اور پھر جبرئیل کو چاہ زم زم کے ظاہر کرنے کا واقعہ اور خداوند تعالیٰ کی طرف سے تسلی دینا سب کچھ اسلامی روایات کے ساتھ ملتا جلتا ہے۔ البتہ تورات کی روایت میں اس جگہ کا صحیح نام نہیں بتایا گیا۔ صرف "فاران" کہا گیا ہے جب کہ اسلامی روایات میں مکہ معظمہ کا نام صراحۃً موجود ہے۔

توراۃ کی تصریح کے مطابق بنی اسرائیل میں دستور تھا کہ آدمی اور جانور کا پہلا بچہ قربان کیا جاتا تھا۔

"کیونکہ بنی اسرائیل آدمی اور جانور کا پہلوٹا بچہ میرے لئے ہے"۔ (عدد ۸،۱۸)

اسی دستور کے مطابق ابراہیم علیہ السلام کو بھی حکم ربانی ہوتا ہے

"اپنے بیٹے اپنے اکلوتے بیٹے کو لو اور موریاہ کی زمین میں جاؤ اور وہاں اس پہاڑ پر جو میں تم کو بتاؤں گا اس کو سوختنی قربانی کے لئے چڑھاؤ"۔ (پیدائش باب ۲۲)

جب ابراہیم علیہ السلام اس حکم کی تعمیل پر بسر و چشم آمادہ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کے فرمان کو تورات نے ان الفاظ میں بیان کیا

"اپنا ہاتھ اس لڑکے پر مت بڑھاؤ اور اسے کچھ نہ کرو کہ اب میں نے جان لیا کہ تم خدا ترس ہو۔ اس لئے کہ تم اپنے ہاں اپنے اکلوتے بیٹے تک کو مجھ سے دریغ نہ کیا۔ تم نے ایسا کام کیا اپنے بیٹے اپنے اکلوتے بیٹے تک کو مجھ سے دریغ نہ کیا"۔ (پیدائش ۲۲۔۱۲،۱۵)

مولانا محمد یعقوب لکھتے ہیں

عبرانی میں اکلوتے بیٹے کے لئے لفظ "یحید" استعمال ہوا ہے جو عربی لفظ

Marfat.com

''وحید'' کے ہم معنی ہے۔ چونکہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے لئے اکلوتے بیٹے اسماعیل ہی تھے اسحاق علیہ السلام نہیں اس لئے قربانی کا حکم اسماعیل علیہ السلام ہی کے متعلق تھا۔ (کتاب ابدی ص ۲۸۶)

توراۃ کے بیان کے مطابق ابراہیم علیہ السلام باپ کے گھر سے نکل کر پہلے مورہ کے پاس اور بعد میں عیٔ اور بیت ایل کے درمیان مرکبہ (معبد) تعمیر کیا۔

(پیدائش باب ۱۲، آیت ۷)

مولانا یعقوب حسن نے اصل عبارت اس طرح نقل فرمائی ہے

وَیَبَاؤُ کَنْعَن ⑤ وَیَعْبَرَ اَبْرَام بِاَرِصْ عَدْ مَقُوم شِکِمْ عَدْ اِلُوْن مُورِہ وَهَکَّنْعَانِیْ اِذْ بَارِصْ ⑥ وَیَرَاۃ یَهْوَہ اِلْ ابرام وَیِبِنْ شَمْ مِرکۃ ⑦

''اور کنعان میں وارد ہوئے ⑤ اور اس ملک میں مقام شلیم سے وادی مورہ تک گئے اور ان دنوں ملکوں میں کنعانی آباد تھے ⑥ اور برام کو یہوہ (خدا) دکھائی دیا اور وہاں (وادی مورہ میں) ایک مذبح بنایا''۔ (پیدائش باب ۱۲)

ان واقعات کے بعد انجیل میں ہے

''ابرہام کے دو بیٹے تھے۔ ایک لونڈی سے' دوسرا آزاد سے۔ پر وہ جو لونڈی سے تھا' جسم کے طور پر پیدا ہوا' اور جو آزاد تھا' سو وعدہ کے طور پر' یہ بات تمثیلی بھی مانی جاتی ہے۔ اس لئے کہ یہ عورتیں دو عہد ہیں' ایک تو سینا پہاڑ سے ہوا وہ نرے غلام جنتی ہے۔ یہ ہاجرہ ہے' کیونکہ ہاجرہ عرب کا کوہ سینا ہے' اور اب کے یروشلم کا جواب ہے''۔ (انجیل گلتیوں باب ۴ آیت ۲۴)

جب اسماعیل علیہ السلام کی اولاد عرب میں پھولی پھلی تو اس کی تفصیلات توریت میں اس طرح بیان کی گئی ہیں

''یہ نسب نامہ ابراہام کے بیٹے اسماعیل کا ہے جو ابراہام سے سارہ کی لونڈی ہاجرہ مصری کے بطن سے پیدا ہوا''۔

Marfat.com

اور اسماعیل کے بیٹوں کے نام یہ ہیں

اسماعیل کا پہلوٹھا نبایوت تھا۔ پھر قیدار' ادبئیل' مبسام' مشماع' دومہ' مسا' حدد' تیما' یطور' نفیس' قدمہ' یہ اسماعیل کے بیٹے تھے۔ اور انہی کے نام سے ان کی بستیاں اور چھاؤنیاں نامزد ہوئیں"۔ (پیدائش باب ۲۵' آیت ۱۲ تا ۱۶)

تورات کی مذکورہ بالا روایات سے حسب ذیل حقائق سامنے آتے ہیں

① اکلوتا بیٹا اسماعیل تھا۔

② اسماعیل اپنی والدہ ہاجرہ کی معیت میں فاران میں آباد ہوا۔

③ ابراہیم نے پہلا مذبح (معبد) مورہ میں بنایا۔

④ اپنے اکلوتے بیٹے اسماعیل کو مورہ پہاڑ پر سوختنی قربانی کیا۔

⑤ ہاجرہ عرب کا کوہ سینا ہے۔

پہلی بات تو روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اکلوتا بیٹا سیدنا اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔ تورات کے بیان کے مطابق جب ان کی عمر ۱۳ برس کی تھی تب اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ دوسرا یہ کہ آپ والدہ کے ساتھ فاران میں آباد ہوئے۔ یہ بات تحقیق طلب ہے کہ فاران کس جگہ کا نام ہے۔ فاراں وہی علاقہ ہے جسے اس وقت حجاز کہا جاتا ہے۔ چنانچہ خود تورات ہی کی روایت وضاحت کر رہی ہے

"اور اس کی اولاد (۱۵۰۰ ق م) حویلہ سے شور تک جو مصر کے سامنے اس راستہ پر ہے' جس سے اسور کو جاتے ہیں آباد تھی' یہ لوگ سب اپنے بھائیوں کے سامنے بسے ہوئے تھے"۔ (قضاۃ باب ۸' ۲۲ تا ۲۴)

مشہور مسیحی مؤرخ جرجی زیدان کی یہ تحریر بھی اس بات کی تائید کرتی ہے

"جب ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ جبال تک یا جبال حجاز دونوں کو فاران کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے آپ جزیرہ سینا میں ٹھہرے اور وہاں سے حجاز میں آ کر مقیم ہو گئے اور وہیں شادی بھی کی"۔

Marfat.com

''اسماعیل اپنی والدہ کے ساتھ فاران یعنی مکہ میں قیام پذیر ہوئے''۔ (عرب قبل الاسلام جلد ا ص ۱۵۳)

فرانسیسی مؤرخ ڈاکٹر لی بان لکھتا ہے

''اسماعیل کی اولاد فلسطین کی سرحد سے لے کر حجاز تک آباد ہوئی اور یہی پہلے مکہ کے حاکم بنے''۔ (تمدن عرب ص ۷۸)

رہی تیسری اور چوتھی بات' سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے پہلا معبد مورہ میں بنایا' اور اپنے اکلوتے بیٹے اسماعیل کی مورہ پہاڑ پر قربانی دی۔ تو مورہ کی حقیقت کیا ہے؟

اصل میں مورہ اور مروہ ایک ہی جگہ کے عبرانی اور عربی نام ہیں' یہ دونوں الگ الگ جگہیں نہیں ہیں۔ اور پھر حجاز کے سوا مروہ نام کا پہاڑ کہیں کسی جگہ نہیں ہے ورنہ ہی اس نام کے کسی دوسرے پہاڑ کے قریب ابراہیم علیہ السلام کے معبد بنانے کا ثبوت تاریخ پیش کرتی ہے۔ آئندہ صفحات میں ہم یورپین مؤرخین کی روایات سے ثابت کریں گے کہ ایک قدیم معبد عرب میں بے حد قابل تعظیم تھا جسے ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔

اور تورات کی روایت بھی یہ شہادت پیش کر رہی ہے کہ مورہ پہاڑ عرب میں ہی ہے

''اور مدینیوں کی فوج' شمال کی جانب مورہ کی پہاڑ پر وادی میں تھی''۔ (قضاۃ صحاح باب ۷ آیت ۲)

مسیحی مؤرخ ملیکی لکھتا ہے

''مدیانی انہیں اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ مدیان ان کے دادا کا نام تھا' اور یہ عرب کے صحرا میں آباد تھے (اور یہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تھی)''۔ (تاریخ بائبل ص ۷۳)

یہ واقعات اور شواہد اس بات کی منہ بولتی دلیل ہے کہ مورہ مروہ ہی کا نام ہے فرق صرف عربی اور عبرانی زبان کا ہے۔

Marfat.com

پانچویں صراحت کہ ہاجرہ عرب کا کوہ بیتا ہے۔

یہ بھنگ کے نشے میں کسی ملنگ کی ترنگ نہیں بلکہ انجیل مقدس کی شہادت ہے اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے سب سے بڑے جانشین پولوس کا فرمان ہے۔ اگر سیدہ ہاجرہ عرب میں آباد نہ ہوئی ہوتیں' تو عیسائی مذہب کا اتنا بڑا عالم اور جلیل القدر آدمی انہیں اس اعزاز سے کیوں کر نوازتا؟ ہم اس سلسلہ میں زبور کی ایک ایسی ٹھوس شہادت پیش کرتے ہیں جس کی صداقت کا انکار مستشرقین بھی کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ اگرچہ تاویلات کے ذریعہ اپنی تلبیس کے فن کا مظاہرہ تو کیا ہے' مگر بے سود۔

ہم پہلے عیسائیوں کا ترجمہ پیش کرتے ہیں۔ اگرچہ اس میں تحریف اور تلبیس سے کام لیا گیا ہے' اور اس کے بعد اصل عبرانی عبارت کے ساتھ ترجمہ پیش کریں گے تاکہ حقیقت بھی منکشف ہو جائے۔ سیدنا داؤد علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کرتے ہیں:

''اے لشکروں کے خداوند! تیرے مسکن کیا ہی دل کش ہیں' میری جان خداوند کی بارگاہ کی مشتاق ہے' بلکہ گداز ہو چلی' میرا دل اور میرا جسم زندہ خدا کے لئے خوشی سے للکارتے ہیں۔ مبارک ہیں وہ جو تیرے گھر میں رہتے ہیں' وہ سدا تیری تعریف کرتے ہیں' جس کے دل میں صیون کی شاہراہیں ہیں' وہ وادی بکا سے گزر کر اسے چشموں کی جگہ بنا لیتے ہیں''۔ (زبور باب ۸۴ آیت ۶)

اگرچہ یہ عبارت ابتداء سے انتہا تک تحریف شدہ ہے' اسی وجہ سے زبور کے شارحین نے وادی بکا کی متعدد تاویلات کی ہیں' مگر حقیقت چھپ نہ سکی۔

اصل عبرانی عبارت سے مولانا یعقوب حسنؒ نے اس طرح ان آیات کو نقل کیا ہے:

''میری روح خداوند کی بارگاہ کی آرزومند ہے ② اے میرے خداوند'

Marfat.com

میرے بادشاہ میرے معبود ③ جو لوگ تیرے گھر میں رہتے ہیں سدا
تیری تحلیل کرتے ہیں ④ جن آدمیوں کو تجھ سے مدد ملتی ہے ان کے
سینوں میں تیری شریعتیں ہوتی ہیں ⑤ عبری یعمق هبکه معین یسیتو
هو گم بو کوت یعطه موره "لوگ بکّہ کی وادی میں چلتے ہوئے ایک
کنوئیں کے پاس ٹھہرتے ہیں جملہ برکتیں مورہ کو ڈھانپے رہتی ہیں ⑥"۔

زبور کی اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ سنہ ۱۱۰۰ ق م میں عمق هبکه یعنی وادی بکہ کے اندر مورہ کے پاس ایک مقدس کنواں اور ایک باعظمت بیت اللہ تھا اور حضرت داؤد علیہ السلام اس باعظمت بیت اللہ کی زیارت کے بے حد مشتاق تھے۔ عیسائی مترجمین نے عمق هبکه کا ترجمہ "رونے کی وادی" کیا ہے۔ اگر لفظ بکّہ ہوتا تب تو اسے بکا کا فعل گردانتے مگر اس کے ساتھ حرف "ہ" دلالت کر رہا ہے کہ یہ اسم ہے اور کسی مقام کا نام ہے۔ (کتاب الہدی ص ۳۷۴)

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود مغربی مؤرخین کی تحریرات میں اس حقیقت کا ثبوت موجود ہے کہ وادی بکا یا بکّہ سے مراد مکہ معظمہ ہے۔

فلپ کے حتی نے بری اور بحری تجارت کی شاہراہ کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے وادی بکا کو دو سڑکوں کا مقام اتصال بتایا ہے۔ (تاریخ لبنان ص ۸۱)

اور روم لاندو نے بڑے وثوق سے یہ ثابت کیا ہے کہ

"تجارتی شاہراہ پر مکہ ایک خاص اہمیت کا شہر تھا"۔ (الاسلام والعرب ص ۵)

اس حقیقت کو مشہور مستشرقین بری سینٹ جان اور نوئیدگی نے بھی بادل نخواستہ تسلیم کیا ہے

"قدیم تاریخوں میں اس شہر کا نام نہیں ملتا' بجز اس کے کہ زبور (۸۴'۶) میں وادی بکّہ کا لفظ پایا جاتا ہے"۔

(انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا لفظ محمد ﷺ؛ ریلجنس انسائیکلوپیڈیا لفظ مکہ)

زبور کی اس قدر واضح دلیل کو مسترد کر دینا اسلام دشمنی اور اسلامی شعائر

کے خلاف صریحاً تعصب کا مظاہرہ کرتا ہے۔ ورنہ ایسے فضول اور بے بنیاد خیالات کا اظہار ہرگز نہ کیا جاتا۔

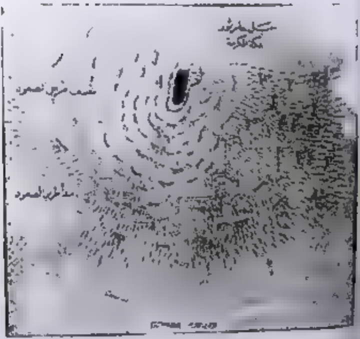

Marfat.com

یونانی اور مسیحی تاریخ

میں

مکہ مکرمہ اور بیت اللہ کا تذکرہ

اگرچہ گذشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ مکہ معظمہ اور بیت اللہ کا ذکر تورات' انجیل اور زبور کے علاوہ مغربی مؤرخین کی کتابوں میں موجود ہے' لیکن اس باب میں خصوصیت کے ساتھ حج کی قدامت مذکورہ کتب سے ثابت کی جائے گی۔

زبور کے بیان کے مطابق سیدنا داؤد علیہ السلام سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے گیارہ سو سال پہلے بیت اللہ شریف کی زیارت کے لئے بے چینی اور اضطراب کا اظہار اس طرح کرتے ہیں

''اے لشکروں کے خداوند' تیرے مسکن کیا ہی دل کش ہیں۔ میری جان اس بارگاہوں کی مشتاق ہے' بلکہ گداز ہو چلی' میرا دل اور میرا جسم زندہ خدا کے لئے خوشی سے للکارتے ہیں' مبارک ہیں وہ جو تیرے گھر میں رہتے ہیں' وہ سدا تیری تعریف کرتے ہیں' جس کے دل میں صیئوں کی شاہراہیں ہیں وہ وادی بکا سے گزر کر اسے چشموں کی جگہ بنا لیتے ہیں''۔ (زبور باب ۸۴ عدد ۶)

زبور کی اس شہادت کی موجودگی میں اگرچہ کسی اور دلیل یا حوالہ کی ضرورت تو باقی نہیں رہ جاتی مگر عیسائی مترجمین نے اصل حقیقت کو اس طرح مسخ کر دیا ہے کہ ایک عام آدمی صحیح مفہوم کو سمجھنے سے قطعی محروم رہتا ہے۔ اس لئے ہم بالکل واضح اور صریح الفاظ میں اپنے دعویٰ کے ایسے ٹھوس ثبوت پیش کرتے ہیں' تاکہ تاویل کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔

مسیحی مؤرخ جرجی زیدان لکھتا ہے

''قدیم یونانی تاریخ کی کتابوں میں مکہ یا کعبہ کا نام نہیں ملتا' نہ

Marfat.com

دیودورس الصقلی نے ۱۰۰ قبل مسیح میں نبطی قوم کے واقعات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حجاز میں ایک معبد ہے جس کا احترام اور تعظیم سارے عرب کرتے ہیں''۔ (عرب قبل از اسلام ص ۲۳۱)

لاب لوبس شیخو یسوعی بھی دنیا کے مشہور معبدوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے

''دنیا کے تمام معبدوں میں سب سے زیادہ مشہور معبد حجاز کا کعبہ ہے۔ جس کا ذکر تاریخ میں سب سے پہلے دیودورس الصقلی نے ۱۰۰ قبل مسیح میں کیا تھا''۔ (النصرانیۃ وادابہا جلد ۱ ص ۱۴)

جرجی زیدان کے بقول لفظ مکہ یا کعبہ تاریخ میں تو نہیں ملا' لیکن ان الفاظ کے نہ ملنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس شہر کا وجود قدیم زمانے میں نہیں تھا' چنانچہ وہ اس کی تفصیلات بےحد واضح الفاظ میں سپرد قلم کرتا ہے۔

قدیم زمانہ کے محققین نے اس بات میں اختلاف کیا ہے کہ ''مکہ'' کس زبان کا لفظ ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ یہ کلدانی یا بابلی زبان کا لفظ ہے۔ کیونکہ بابلی زبان میں مکہ کے معنی بیت یعنی گھر کے ہیں' اور عرب کے نزدیک بھی کعبہ کا نام ہے۔ اور یہ نام اس شہر کے قدیم ہونے کی ایک بین دلیل ہے۔ ۱۸۰۰ ق م میں عمالقہ جب ہجرت کر کے یہاں آئے تو انہوں نے یہ نام رکھا تھا۔ عمالقہ کا یہاں سب سے پہلے آباد ہونا اظہر من الشمس ہے۔ بعد ازاں یہ کئی جابر حکمرانوں کی ہوس اقتدار کا نشانہ بنا۔ عمالقہ کے بعد قحطانیہ کا ایک فرقہ جرہم یمن سے ہجرت کر کے یہاں آیا اور عمالقہ سے جنگ کر کے یہاں قابض ہو گیا۔ پھر عرصہ دراز کے بعد بنو اسمٰعیل نے ان پر غلبہ حاصل کر لیا۔ (عرب قبل الاسلام ص ۲۳۰)

انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا مطبوعہ ۱۹۷۰ء میں لفظ مکہ کے ضمن میں لکھا ہے کہ یونانی زبان میں اسے مکوربا کہا جاتا ہے۔

ورلڈ بک انسائیکلو پیڈیا میں بھی اس کی تائید موجود ہے' عبارت اس طرح ہے ''بطلیموس نے اپنی قدیم تصنیف (جغرافیہ) کے فصل ۶ باب ۷ صفحہ ۳۲

Marfat.com

میں مکہ کا نام "مکورابا" لکھا تھا"۔
(ایجیس اینڈ ہمفس انسائیکلو پیڈیا مطبوعہ ۱۹۵۹، لفظ مکہ)

فلپ کے حتی جیسا متعصب مؤرخ بھی اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ اپنی مشہور کتاب "ہسٹری آف دی عرب" جس کا اردو ترجمہ "ملت عربی" کے نام سے مشہور ہے میں لکھتا ہے

"مکہ کا نام بطلیموس نے "مکورابا" لکھا ہے، اور یہ لفظ سبائی زبان کے مُکْرَابْ سے مشتق ہے۔ جس کے معنے معبد کے ہیں۔ اس نام سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ اس شہر کی بنا مذہبی تعلق کی وجہ سے وجود میں آئی تھی اور یقینا حضرت محمد (ﷺ) کی ولادت سے بہت پہلے یہ مذہبی مرکز بن چکا ہوگا"۔ (ملت عربی ص ۱۵۹)

جرجی زیدان اپنی دوسری تصنیف میں لکھتا ہے

"موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ ۱۵۰۰ ق م سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام سے کچھ عرصہ قبل بلکہ پہلی صدی عیسوی تک یہود رومانی حکام کے جور و ستم سے تنگ آ کر عرب کے خشک صحراؤں میں بھاگ آتے تھے اور مکہ مدینہ اور طائف میں آباد ہوتے رہے۔

اس اختلاط سے عربوں کے دو گروہ بن گئے ایک اہل بادیہ جو اپنی نیچرل زندگی پر قانع رہا ہے جنہیں خانہ بدوش کہا گیا اور دوسرا شہریوں کا گروہ جو مکہ مدینہ اور طائف میں آباد ہوا جو حضری یعنی شہری عرب کے نام سے مشہور ہوا"۔ (تاریخ التمدن الاسلامی جلد ا ص ۱۵)

لماب لوبس شیخو یسوعی لکھتا ہے

"یورپین مؤرخین کے قول کے مطابق جرہم بنی اسماعیل کے بعد حجاز کے حکمران ہوئے ہیں۔ انہی کے ہاتھ کعبہ کی سدانت اور حجابی تھی۔ ان کا زمانہ ولادت مسیح سے پہلے کا تھا"۔ (النصرانیۃ وادابہا ص ۱۶)

Marfat.com

مؤرخ مذکور دوسری جگہ لکھتا ہے

"بنی قحطان کے ایک قبیلہ بنی ازد کی بدولت بنی تغلب اور بنوخزاعہ کے مکہ میں آنے سے پہلے ہی نصرانیت یہاں پھیل چکی تھی"۔ (النصرانیہ وادابھا ص ۱۶)

پطرس بستانی اس کی وضاحت اس طرح کرتا ہے

"ازد بلاد یمن میں آباد تھے لیکن جب بند خراب ہو گیا تو یہ لوگ حسان بن اسد ابی کرب کے زمانہ میں وہاں سے حجاز کی طرف چلے گئے۔ پہلے بلاد عک میں جوز بید اور زمع کے درمیان واقع تھا قیام کیا۔ وہاں کے باشندوں سے جنگ کی ان کا بادشاہ ثعلبہ بن عمرو مزیقیا کے ہاتھوں مارا گیا۔ پھر وہاں سے آگے بڑھے اور ظہران میں ٹھہرے اور مکہ میں مقیم جرہم سے جنگ کی اور ان پر غالب آ کر مکہ میں اقامت پذیر ہو گئے۔ بعد ازاں متعدد شہروں میں منتشر ہو گئے تھے"۔ (دائرۃ المعارف بستانی جلد ۳ ص ۳۹۸ لفظ جرہم)

البتہ یہود کی ہجرت کے متعلق بستانی کا نظریہ اس سے مختلف ہے۔ وہ لکھتا ہے

"یہود بابل سے ہجرت کر کے حجاز میں آئے تھے کیونکہ قدیم نسبی تعلقات اور رہن سہن کی مماثلت کے باعث ان کی معاشرت حجاز کے باشندوں سے ملتی تھی۔ چونکہ ابراہیم علیہ السلام یہود کے جد اعلیٰ تھے اس بنا پر اسماعیل کا وطن حجاز یہود کے لئے اسحاق علیہ السلام کے وطن سے کسی طرح بھی مختلف نہیں تھا۔

نیز یہ خیال درست نہیں ہے کہ سد مارب کی تباہی کے بعد یہود حجاز میں آئے تھے بلکہ بابل کے عروج کے زمانہ میں انہوں نے حجاز کی طرف ہجرت کی تھی"۔ (دائرۃ المعارف بستانی جلد ۱ لفظ عبرانیین)

مؤرخ سید یو لکھتا ہے:

"جرہم یمن سے ہجرت کر کے مکہ میں آئے اور بنو اسماعیل سے معاہدہ کر کے وہاں آباد ہوئے پھر انہوں نے زور بازو سے کعبہ کی حکومت ان سے چھین

Marfat.com

لی۔ اور ۲۰۶ عیسوی تک اس پر قابض رہے بعد ازاں ۲۰۷ عیسوی میں
بنوخزاعہ نے ان سے جنگ کر کے مکہ پر قبضہ کر لیا"۔ (تاریخ العرب العام ص ۵۰)

دیوتاؤں کا ذکر

فلپ کے حتی دیوتاؤں کا ذکر کرتے ہوئے مکہ مکرمہ کی قدامت کا ان
الفاظ میں اعتراف کرتا ہے:

"ہیرودوتس نے ۴۰۰ ق م میں قبلی دیوتاؤں کے بیان میں لات دیوتا کا
ذکر بھی کیا ہے۔ یہ دیوتا طائف کے قریب تھا۔ اس کا مکی اور عدو دحرم
بھی مقرر تھیں۔ اہل مکہ اور دوسرے شہروں کے لوگ اس کی زیارت
کرنے اور یہاں قربانی کرنے آیا کرتے تھے"۔ (ملت عربی ص ۱۵۲)

لاب لوبس شیخو یسوعی عرب کے ہیکلوں کے ضمن میں لکھتا ہے
"بطلیموس الطبیعی نے دوسری صدی مسیحی میں بہت سے ہیکلوں کا ذکر کیا
تھا۔ ان میں سے ۶۰ سبا میں اور ۶۵ بنی عطلان کی بستیوں میں تھے۔
ہیکلوں کے چاروں طرف کچھ علاقہ بطور حرم کے مختص ہوتا تھا۔ ان میں
زیادہ مشہور حرم مکہ تھا۔ ان کی خدمت کرنے والوں کو کاہن کہا جاتا تھا۔
ہیکل مختلف قسم کی تصویروں اور بتوں سے آراستہ کئے جاتے تھے۔ پھر ان
بتوں کے ہاتھ میں مختلف چیزیں دے رکھی تھیں۔ جو اس بات کی دلالت
تھی کہ انہیں ان معاملات میں خاص قدرت حاصل ہے۔
مثلاً ودّ اور ہبل کے ہاتھ میں کمان اور تیر تھے۔ اسی طرح سورج کے
پرستاروں نے ایک بت بنا رکھا تھا جس کے ہاتھ میں ایک ایسا منور ہیرا
دیا جو آگ کی طرح چمکتا تھا۔ اس کے لئے ایک گھر بھی بنایا جس کا حج
کیا کرتے تھے۔ اور اس کے باہر نائلہ اور اساف کے بت نصب

Marfat.com

تھے"۔(النصرانیۃ والاد یان ص ۱۴)

پطرس بستانی کے ہی الفاظ میں اساف اور نائلہ کی حقیقت پیش کی جاتی ہے

"اساف بن عمرو اور نائلہ بنت ذئب یمن کے باشندے اور قبیلہ جرہم کے فرد تھے۔ ان دونوں میں معاشقہ تھا۔ ایک مرتبہ دوسرے لوگوں کے ساتھ یہ بھی حج کرنے مکہ آئے۔ ایک دن لوگوں کو غفلت میں پا کر کعبہ شریف کے اندر بدفعلی کی۔ جس کی پاداش میں دونوں کی شکلیں مسخ ہو کر پتھر بن گئیں۔ لوگوں نے انہیں اٹھا کر ایک صفا پر اور دوسرے کو مروہ پر پھینک دیا تاکہ لوگ دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔ مدت مدید تک وہاں پڑے رہے۔

جب بہت زمانہ گزر گیا اور لوگ ان کی بدکاری کے واقع کو بھول گئے تو اس کے بعد عمرو بن لحی الخزاعی نے جب مکہ میں بت پرستی کی داغ بیل ڈالی اور لوگوں میں بت پرستی کا عام رواج ہو گیا تب ان دونوں کی پرستش بھی شروع ہو گئی پھر جب قصی بن کلاب کا زمانہ آیا تو اس نے وہاں سے اٹھ کر ایک کعبہ کے متصل اور دوسرا زمزم کے پاس نصب کر دیا۔ اور ان کے نام کی قربانی دی جانے لگی"۔(دائرۃ المعارف بستانی جلد ۳ ص ۷۔۳۶ لفظ اساف)

حج بیت اللہ کا ذکر

مغربی مؤرخین نے مکہ مکرمہ کی قدامت کا جس طرح واشگاف الفاظ میں اعتراف کیا ہے اسی طرح بیت اللہ شریف کے حج کی قدامت کا بھی انہیں اعتراف کرنا ہی پڑا ہے۔

ڈاکٹر گستاولی بان لکھتا ہے

"عربستان میں کعبہ کے نام سے ایک عبادت گاہ تھی جسے قدیم روایات کے مطابق ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔ کعبہ جزیرۃ العرب کی تمام اقوام

کی نظروں میں متبرک تھا اور عرصہ دراز سے وہاں حج ہوتا تھا۔ حقیقت میں کعبہ عرب کے دیوتاؤں کا مندر تھا''۔ (تمدن عرب ص ۸۹)

جرجی زیدان کے تاثرات ملاحظہ ہوں۔

''حجاز کے شہروں میں مکہ کو بہت زیادہ شہرت اس لئے حاصل ہوئی کہ وہاں حج ہوتا تھا۔ اور متواتر کسی سو سال گزر جانے کے بعد وہ ایک تجارتی مرکز بن گیا۔ حج کے موقع پر حجاج کے ہجوم اور خرید و فروخت کی کثرت کے باعث بڑے بڑے جابر قبائل اور سرداروں کی توجہ اور حرص کا مرکز بن گیا۔

ابتدائی دور میں یہ شہر حجاز کے خاص باشندے اسماعیلیوں کے قبضہ میں تھا۔ وہی کعبہ کے خادم تھے۔ مگر دوسری صدی مسیحی میں سیل ارم کے بعد جب خزاعہ یمن سے ہجرت کر کے مکہ میں آئے تو انہوں نے اس شہر پر قبضہ کر لیا''۔ (تاریخ التمدن الاسلامی جلد ا ص ۱۵)

امریکن پادری ایس ایم ز ویمیر لکھتا ہے

''اس میں شک نہیں کہ سنگ اسود مکہ کا سب سے قدیم ترین خزانہ ہے۔ عرب قدیم زمانہ میں پتھروں کی پوجا کرتے تھے۔ اب بھی جزیرہ نما کے بعض حصوں میں یہ رسم پائی جاتی ہے''۔

میکس مس نائرس نے دوسری صدی مسیحی میں لکھا تھا۔

''میں نہیں جانتا کہ عرب اس چوکونہ پتھر کی تعظیم کس دیوتا کے نام کی نسبت سے کرتے ہیں' قدیم ایرانیوں کے قول کے مطابق یہ پتھر عرش سے برف کی طرح سفید نازل ہوا تھا''۔

فلپ کے حتی لکھتا ہے

''سامی مذہب کی بنیادی اصول ریگستان ... زیادہ تر سرسبز قطعات ہی سے ان ... ن۔ وہ پتھر ... ور چشموں سے

Marfat.com

خصوصی تعلق رکھتے تھے جنہیں تورات کے ''بیل ال'' (بیت اللہ) اسلام نے ''حجر اسود'' اور زمزم کا پیش رو سمجھنا چاہئے''۔ (ملت عربی ص ۳۳)

اب ہم اس بحث کا اختتام پطرس بستانی کے ناقابل تردید حوالہ پر کرتے ہیں۔ بستانی نے دنیا میں جن جن ممالک اور اقوام کے ہاں حج ہوتا رہا ہے ان کی رسومات اور طور طریق کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس نے عیسائی یہود مسلمان ہنود جاپانی اور شیعہ مذاہب کے مقامات کو بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

'' حج کا طریقہ مختلف امتوں میں انتہائی قدیم زمانہ سے رائج ہے۔ اگرچہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ سب سے پہلے کس امت کے ہاں حج شروع ہوا۔ البتہ عرب زمانہ جاہلیت میں بھی دور دراز سے فوج در فوج بیت اللہ کا حج کرنے آتے تھے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہی سب سے پہلی قوم تھی جس کے ہاں تمام اقوام سے پہلے حج شروع ہوا۔ عرب کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے آسمان سے اترنے کے بعد کعبہ بنایا تھا۔ پھر طوفان نوح کے بعد ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام نے اسے تعمیر کیا۔

پھر ان کے بعد قدیم ترین قبائل جن کے ہاں حج رائج ہوا وہ یہود ہیں۔ بنی اسرائیل موسیٰ کی شریعت کے مطابق تین مرتبہ یروشلم میں ''تابوت العہد'' کا حج کرنے جاتے تھے۔ اسی طرح سریانی ''ہیرابولیس'' میں بتوں کا حج کرتے تھے۔ جو بہت قدیم زمانہ سے جاری تھا۔ اس میں مصر ہندوستان حبشہ اور آرمینیہ وغیرہ سے لوگ آتے تھے۔ یونانیوں کے مشہور ہیکل اور بابل اور برصغیر میں تھے۔ جن کا وہ حج کرتے تھے۔ یہودی ان کے علاوہ بھی متعدد مقامات کا حج کرتے تھے۔

لیکن جب مسیح علیہ السلام تشریف لائے تو صرف بیت المقدس کا حج قائم رکھا اور باقی تمام مقامات کے حج منسوخ کر دیے۔

عیسائیوں کے حج کی تاریخ کے متعلق اکثر عیسائی مؤرخین نے قسطنطین کا

Marfat.com

زمانہ ۳۰۶ عیسوی بیان کیا ہے' جو ولادت مسیح کے بعد آپ کی جائے ولادت' قیام اور مرگ کے مقامات کا حج کیا کرتے تھے''۔

(دائرۃ المعارف بستانی جلد ۶ عنوان حج)

بستانی کعبہ شریف کے حج کو یہود کے حج سے بھی قدیم تر کس طرح تسلیم کرتا ہے۔ اس بیان سے یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام جن کا زمانہ ۱۵۰۰ قبل المسیح ہے' سے بھی بہت پہلے بیت اللہ کا حج کیا جا رہا تھا' چنانچہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ سیدنا اسماعیل اور سیدہ ہاجرہ مکہ آباد کر چکے تھے۔ وہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ اپنے جلیل القدر فرزند سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے تعاون سے اول بیت اللہ تعمیر کر چکے تھے' اور اگر وہاں نہ کوئی شہر آباد تھا اور نہ ہی کعبہ' تو پھر مغربی مورخین بھی ان کتابوں کی عبارات کا کیا جواب دیں گے۔

Marfat.com

جزیرۃ العرب کی تقسیم

اور

اولادِ اسماعیل علیہ السلام کے مساکن

جزیرۃ العرب جو ایک وسیع عریض صحرا اور بلند و بالا پہاڑوں پر مشتمل ہے۔ اس میں آباد ازمنہ قدیم کے عربوں کی تقسیم کو مسیحی مؤرخ جرجی زیدان اس طرح بیان کرتا ہے۔

جزیرۃ العرب کی تقسیم دو خطوں میں ہے

① **القحطانی** جو بلادِ یمن میں آباد تھے۔ یہ قحطان یا یقطان بن عابر جس کا سلسلہ نسب ارفخشاد کے ذریعہ سام بن نوح سے جا ملتا ہے' کی اولاد تھے۔

② **اسماعیلی یا عدنانی** یہ لوگ حجاز' نجد اور ان کے ملحقہ علاقوں میں آباد تھے۔ یہ اسماعیل کی اولاد تھے۔ جو ابراہیم کی بیوی ہاجرہ سے پیدا ہوئے تھے۔ انہیں عدنانی اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے آباؤ اجداد میں ''عدنان'' نامی ایک شخص ہوا ہے۔

قحطانی عرب اسماعیلی عربوں سے بہت پہلے تمدن میں کمال حاصل کر چکے تھے' کیونکہ ان کی سرزمین اسماعیلی عربوں کی زمین کی نسبت زیادہ سرسبز و شاداب تھی۔ زمانہ قدیم میں قحطانیوں کی بڑی بڑی حکومتیں گزری ہیں جو فرعون' فرمانِ مصر اور اشور کی معاصر تھیں۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور حمیر' کہلان اور سبا کی حکومتیں ہوئی ہیں۔

اسماعیلی عربوں میں بھی ولادت مسیح سے قبل اور بعد کئی نامور حکومتیں معرض وجود

Marfat.com

میں آ گئیں۔ جن میں سب سے زیادہ مشہور نبطی حکومت تھی۔ (الافت۔ سلامی جلد ص۹)
بلکی جو علم جیالوجی (طبقات الارض) کا جید عالم تھا وہ لکھتا ہے:

"یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام عرب کے ریگستان میں جا بسا اور اس کی اولاد نے آوارہ گردی اور خانہ بدوشی کی روش اختیار کی جو کہ بان اور صیادوں کو عموماً ایسے ملکوں میں اختیار کرنی پڑتی ہے۔ جہاں انسانوں اور حیوانوں کی خوراک کے اسباب بہت کم پیدا ہوتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قطورہ کے فرزند بھی اس کے ساتھ آ ملے۔ بیوں ان میں سے ایک کا نام مدیان تھا جو مدیانوں کا دادا تھا۔ اگرچہ ان میں سے اکثر نے وحشی اور آوارہ زندگی اختیار کی جو اب تک عرب صحرا میں معمول ہی ہے تاہم ان میں سے بعض نے تجارت کا پیشہ اختیار کیا"۔ (ا ۔ ۔ ۔ جلد ص ۳۰)

للاب لوس شیخو الیسوعی لکھتا ہے

"ابناء اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام خصوصاً نبطی قیدار اور ابناء قطورہ مدیر اور ان میں سے قبیلہ مدیانیہ بادیہ شام بحرلوط کے مشرق اور جزیرہ سینا میں اور حجاز کے بعض حصوں میں مقیم تھے"۔ (النصرانیہ و ۔ ۔ جلد ص ۵)

ریورنڈ فارسٹر قیدار کی جائے سکونت بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے

"اشعیا نبی نے قیدار کے جس ملک کا ذکر کیا ہے اس کا ۔ ۔ ۔ وہ شخص جو جغرافیہ عرب سے واقفیت رکھتا ہے فوراً کہہ دے گا کہ عرب کے صوبہ حجاز کا صحیح نقشہ ہے۔ جس میں مکہ اور مدینہ کے مشہور شہر واقع ہیں۔ ۔ ۔ ۔ قومی روایت بھی تاریخی رتبہ حاصل کر چکی ہے۔ جب ایک طرف اس کی تصدیق کتب مقدسہ سے ملتی ہو جس سے قیدار کا اس حصہ ملک میں ہونا ثابت ہوتا ہے اور دوسری طرف ارینوس بطلیموس اور ۔ ۔ ۔ کے بیانات بھی قیداری قوم کی اسی صوبہ میں موجودگی کی غیر مشتبہ شہادت پیش کرتے ہیں"۔ (بحوالہ ارض القرآن ۔ جلد ا ص ا)

ولیم لکھتا ہے۔

''حضور اکرم ﷺ سے پیشتر عرب میں سامی قبیلے آباد تھے۔ ان میں صحرائی علاقوں کے باشندے خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اور عموماً ریوڑ پالتے تھے۔

مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ معتدبہ تجارتی اور ثقافتی نشوونما اور ارتقاء کے مرکز مانے جاتے تھے' اور اس نشوونما وارتقا میں یونانی اور یہودی اثرات خاصے نمایاں تھے''۔ (انسائیکلوپیڈیا یا تاریخ عالم جلد اص ۱)

فرانسیسی ڈاکٹر گستاولی باں لکھتا ہے۔

''عرب کی قدیم روایات کے مطابق' جو دراصل یہودی کتابوں سے لی گئی ہیں کے مطابق جزیرۃ العرب میں پہلے پہل دو نسلیں آباد ہوئیں' ایک یقطان جو سام کی اولاد تھی' اور دوسری اسمٰعیل بن ابراہیم علیہ السلام جو ان کی مصری لونڈی ہاجرہ سے تھی۔ ان میں شمال کی طرف بدوی رہتے تھے اور جنوب کی طرف مستوطنین' یمن میں یقطان کی اولاد نے ایک طرف سبا کی سلطنت قائم کی اور دوسری طرف حِمیر کی۔

اسماعیل کی اولاد فلسطین کی سرحد سے لے کر حجاز تک آباد ہوئی اور یہی پہلے مکہ کے حاکم ہوئے۔ ایک مدت دراز تک مکہ اور سبائے یمن میں مقابلہ رہا کہ ان میں سے کون سا شہر عربستان کا دارالسلطنت قرار دیا جائے''۔ (تمدن عرب ص ۷۸)

سید یو رقمطراز ہے۔

''سبا جسے مآرب بھی کہا جاتا ہے' اسی خطہ میں آباد ہے اور اہل عرب کے ہاں یہ سلسلہ مدت دراز تک متنازعہ فیہ رہا کہ جزیرۃ العرب کا دارالسلطنت صنعا قرار دیا جائے یا مکہ''۔ (تاریخ اقوام العرب ص ۲۶)

ڈاکٹرلی بان لکھتا ہے۔

Marfat.com

''نبطیہ' بنو ادوم' بنو آب' عمالقہ' بنو عمون اور مدیانیہ یہ تمام بڑے بڑے قبائل اسماعیل کی اولاد سے تھے اور ان کے نام اکثر تورات میں آتے ہیں۔

وہ غالباً عمالقہ ہی تھے جنہوں نے دو ہزار سال قبل المسیح شام کے بدوؤں کے ساتھ مل کر مصر پر چڑھائی کی اور وہاں پر چرواہوں کا خاندان شاہی قائم کیا جس نے کئی صدیاں حکومت کی''۔ (تمدن عرب ص ۹۷)

المستشرق ل' ا- سیدیو لکھتا ہے

''جزیرۃ العرب کے شمال میں بنی اسماعیل بن ابراہیم اور جنوب میں بنی قحطان رہتے تھے' قدیم زمانہ میں ملوک سبا اور ملوک بنو حمیر ہی دو شاہی خاندان تھے۔ یہ دونوں عرب العربا اور عرب مستعربہ حجاز اور نجد میں عربی بولتے تھے اور یمن کے باشندے بنی قحطان کی زبان حمیری تھی۔ بنی اسماعیل بنی قحطان کے مدت دراز کے بعد پیدا ہوئے۔

کہا جاتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ مکہ میں ایک مقدس معبد بنائیں۔ اس ارشاد کی تعمیل کے لئے آپ مکہ آئے اور کعبہ تعمیر کیا۔ جسے عرب قدیم الایام سے قابل تعظیم سمجھتے ہیں۔ اس تعمیر میں ابراہیم علیہ السلام کافی عرصہ تک مصروف رہے' اور اسمٰعیل علیہ السلام ان کے بیٹے جو مکہ میں پیدا ہوئے تھے اس کام میں ان کی امداد کرتے تھے''۔ (تاریخ عام العرب ص ۳۳،۳۴)

مشہور مستشرق مؤرخ جرجی زیدان کا حقائق پر مبنی مفصل محاکمہ بے حد قابل قدر ہے

''اسماعیل علیہ السلام کا واقعہ عرب مؤرخین نے جس طرح بیان کیا ہے وہ تورات کی روایات کے مطابق ہے کہ اسماعیل اپنی والدہ ہاجرہ کے ساتھ بیر سبع میں آئے اور فاران میں اقامت گزیں ہو گئے۔ ان کی اولاد حویلہ سے شور تک پھیل گئی۔ جب کہ شور سویز کے قریب اور حویلہ شمالی یمن کے قریب ہے اور ان کے درمیان حجاز' نجد' تہامہ' ندیاں اور جزیرہ سینا ہے۔

Marfat.com

عرب مؤرخین کی روایت کے مطابق جس کی اصل توراۃ سے منقول ہے اسماعیل علیہ السلام اپنی والدہ ہاجرہ کے ساتھ فاران یعنی مکہ میں قیام پذیر ہوئے اور مکہ میں مقیم قبیلہ جرہم سے شادی کی اور ۱۲ لڑکے پیدا ہوئے۔ لیکن ہمارے نزدیک تیسری روایت صحیح نہیں ہے۔ ہم دو باتوں پر متفق ہیں کہ اسماعیل صحرا میں رہتے تھے' اور تیر اندازی کرتے تھے' جو صحرا نشینوں کا طرۂ امتیاز ہے اور ان کے بارہ بیٹے بھی تھے جو بعد میں بارہ قبائل کے سردار اور جدِ اعلیٰ بنے''۔ البتہ ہم ان کی اقامت گاہ کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں۔

تورات کی روایت کے مطابق وہ بریۃ فاران میں یا جبل فاران میں مقیم تھے' جب کہ دونوں جزیرہ سینا کے شمال میں واقع ہیں اور عرب مؤرخین کا کہنا ہے کہ وہ حجاز کے شہر مکہ میں آباد ہوئے تھے۔

لیکن ہم ان دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق دیتے ہیں۔

جب ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ جبال مکہ یا جبال حجاز دونوں کو فاران کہا جاتا ہے تو مراد یہ ہوگی کہ آپ پہلے تو جزیرہ سینا میں ٹھہرے اور پھر وہاں سے حجاز میں آ کر مقیم ہو گئے اور وہاں شادی بھی کی۔

توراۃ نے اسماعیل کا باپ کے گھر سے چلے جانے کے بعد پھر واپس آنے کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ سوا اس کے کہ ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے وقت ان کی تدفین کے لئے آئے' اور اپنے بھائی اسحاق سے مل کر تدفین کی۔ (العرب قبل الاسلام ص ۱۵۳)

مؤرخ مذکور کی مندرجہ ذیل انتہائی مفصل صراحت نے مستشرقین عالم کے تمام اوہام باطلہ کو خاک میں ملا دیا ہے۔ اس قدر تابناک وضاحت کے بعد اگر کوئی یہودی یا عیسائی عالم مکہ مشرفہ زاد اللہ تعظیما وتکریما کی قدامت کا شبہ نوک زبان پر لاتا ہے' تو پھر اس سے بڑھ کر حقائق سے چشم پوشی کرنے والا احمق کوئی نہیں ہو سکتا۔

جرجی زیدان ''عرب قبل الاسلام'' میں لکھتا ہے، عرب مؤرخین نے اولاد اسماعیل علیہ السلام

Marfat.com

کے متعلق جو کچھ لکھا ہے' اس میں سے اکثر تورات سے اخذ کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے

جب اسماعیل علیہ السلام مکہ میں آئے تو وہاں قبیلہ جرہم کو پایا جس کا آخری بادشاہ مضاض بن بشیر تھا۔ اسماعیل علیہ السلام نے انہی میں سے شادی کی اور اولاد ہوئی۔ یہی عرب اسماعیلیہ ہیں جنہیں "عرب المستعربہ" بھی کہا جاتا ہے۔

اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ان کا لڑکا "قیدار" بہت مشہور ہوا۔ اس کا ذکر تورات میں بھی پایا جاتا ہے۔ قیدار کا سلسلہ نسب "عدنان" سے جا ملتا ہے' اس کی اولاد بہت زیادہ پھلی اور پھولی۔ عدنان کے دو بیٹے "عک" اور "معد" تھے۔ معد ہی سے اسماعیلی قبائل کو فروغ حاصل ہوا۔ ان قبائل کی حسب ذیل تفصیلات ہمیں تورات سے معلوم ہوئی ہیں۔ تورات کے سفر تکوین میں یوسف کا واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے

"وہ (یوسف علیہ السلام کے بھائی) کھانا کھانے بیٹھے اور آنکھ اٹھا کر دیکھا کہ اسماعیلیوں کا ایک قافلہ جلعاد سے آ رہا ہے۔ گرم مصالح' روغن بلسان اور مر اونٹوں پر لادے ہوئے مصر کو جا رہے ہیں"۔ (التکوین باب ۳۷ عدد ۲۵)

یہ واقعہ ۱۸۰۰ قبل المسیح میں پیش آیا جب کہ اسماعیلی مصر کے ساتھ تجارت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے یوسف کو بھائیوں سے خرید کر مصر میں فروخت کر دیا۔

پھر اسماعیلیوں کا ذکر سفر القضاۃ باب ۶ عدد ۳۳' باب ۷ عدد ۱۲' اور باب ۸ عدد ۲۴ و ۲۶ میں مذکورہ واقعہ کے پانچ سو سال بعد اسرائیل کے ساتھ جنگ کے ضمن میں آتا ہے۔ جہاں انہیں کبھی "بنی المشرق" اور کبھی "الاسماعیلیین" کہا گیا ہے۔

پھر پانچ سو سال گزر جانے کے بعد اشعیا باب ۲۱ عدد ۱۶ و ۱۷ میں ان کا ذکر "قیدار" کے نام سے کیا گیا ہے۔ جسے تورات میں اسماعیل کا بیٹا بتایا گیا ہے۔ بعد ازاں یہ لوگ ۷۰۰ قبل المسیح میں شاہ بابل سے برسر پیکار دکھائے گئے ہیں۔ مگر اس

Marfat.com

جنگ میں بنی اسماعیل کو شکست فاش ہوئی۔ جس کا تذکرہ سفر القضاۃ باب ۸ عدد ۲۲ و ۲۶ میں اس طرح کیا گیا ہے:

"تب بنی اسرائیل نے جدعون سے کہا کہ تو ہم پر حکومت کر تو اور تیرا بیٹا اور تیرا پوتا بھی۔ کیونکہ تو نے ہم کو مدیانیوں کے ہاتھوں سے چھڑایا۔ تب جدعون نے ان سے کہا نہ میں تم پر حکومت کروں اور نہ بیٹا۔ بلکہ خداوند ہی تم پر حکومت کرے گا۔

اور جدعون نے ان سے کہا میں تم سے یہ عرض کرتا ہوں تم میں سے ہر شخص اپنی لوٹ کی بالیاں مجھے دے دے یہ لوگ اسماعیلی تھے اس لئے ان کے پاس سونے کی بالیاں تھیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم ان کو بڑی خوشی سے دیں گے۔ پس انہوں نے ایک چادر بچھائی اور ہر ایک نے اپنی لوٹ کی بالیاں اس میں ڈال دیں۔ ان کا وزن ایک ہزار سات سو مثقال تھا"۔

موصوف اس کے بعد لکھتے ہیں عدنانی عرب تہامہ، حجاز اور نجد میں آباد ہوئے ان کی دو شاخیں عک اور معد تھیں، عک کی اولاد زبید کے نواح اور تہامہ کی جنوب میں آباد ہوئے اور قبیلہ معد خوب پھلا پھولا۔ حجاز میں ان کی اقامت ۶۰۰ قبل المسیح میں ہوئی۔ پھر اس قبیلہ کی بھی دو شاخیں تھیں نزار اور قنص۔

نزار کے پانچ مشہور قبائل تھے قضاعہ، معز، ربیعہ، ایاد اور انمار۔ یہ سب تہامہ، حجاز اور نجد میں آباد تھے اور قبیلہ قنص اور کچھ معد کی اولاد میں سے بھی مکہ شہر اس کے پہاڑوں وادیوں اور شعائب میں آباد تھے۔ (عرب قبل از اسلام ص ۱۵۲ تا ۱۵۸)

مورخ علام نے انتہائی شرح و بسط کے ساتھ توراۃ کے ناقابل تردید حوالہ جات سے ثابت کیا ہے۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام مکہ میں آباد ہوئے اور عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے ۱۸۰۰ سال پہلے ان کی اولاد جو مکہ میں مقیم تھی مصر کے ساتھ تجارتی روابط قائم کئے ہوئے تھی۔ جن کے تجارتی قافلہ نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو خرید کر مصر میں فروخت کیا۔ اس واقعہ کے پانچ سو سال بعد بنی ا[illegible]

Marfat.com

ہوئی۔ پھر اس کے پانچ سو سال بعد تورات ان کا ذکر قیدار کے نام سے کرتی ہے جو اسماعیل علیہ السلام کا بیٹا تھا۔ اور اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے چھ سو سال پہلے بابل کے بادشاہ کے ساتھ ان کی جنگ ہوتی ہے۔

کیا تورات کی ان تصریحات اور جرجی زیدان جیسے مشہور عالم مسیحی مورخ کی تشریحات کو جھٹلانے کی کوئی مستشرق جسارت کر سکتا ہے؟ کیا ان واضح براہین کی موجودگی میں بھی مکہ مکرمہ کی قدامت کے انکار کی کوئی گنجائش ہے؟

بطرس بستانی بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے۔

''حجاز میں عمالقہ ادومین' مدیانین اور انباط نہایت قدیم الایام سے قیام پذیر تھے۔ انہی میں اسماعیل علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام آئے تھے۔ ان کا سسرالی خاندان جرہم تھا۔ جنہوں نے مکہ کی بنا رکھی تھی''۔

(دائرۃ المعارف بستانی جلد ۲ ص ۷۴۱ لفظ مکہ)

ہم اس بحث کو بستانی ہی کے حوالہ پر ختم کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا عیسائی مورخین اور تورات کے حوالہ جات سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہوگئی ہے کہ مکہ مکرمہ میں سیدنا اسماعیل علیہ السلام آباد ہوئے اور پورے حجاز کی آبادی انہی کے دم قدم سے ہوئی۔ بستانی نے کتنے واضح الفاظ میں اسلامی روایات کی صداقت کا اعتراف کیا ہے۔ مسلمان بھی اس بات کے قائل ہیں کہ جرہم مکہ کے قرب و جوار میں پہلے سے مقیم تھے۔ جب سیدنا اسماعیل علیہ السلام اپنی والدہ ماجدہ کی معیت میں مکہ میں قدم رنجہ فرما ہوئے تو جرہم ہی نے انہیں خوش آمدید کہا تھا۔ اور اسی خاندان کی ایک دوشیزہ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے شادی کر لی تھی۔ کیا مذکورہ بالا حوالہ جات اس بات کا بین ثبوت نہیں ہیں کہ مکہ معظمہ ۲۰۰۰ قبل المسیح حضرت اسماعیل علیہ السلام نے آباد کیا تھا۔ بلکہ پورے حجاز کی آبادی انہی کے دم قدم سے وجود میں آئی اور یہی نظریہ مسلمانوں کا ہے۔ اس کے باوجود مکہ کی قدامت کا انکار کرنا پرلے درجہ کی حماقت اور کور چشمی کا نتیجہ ہے۔ ہم انہی حوالہ جات پر اکتفا کرتے ہوئے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

Marfat.com

عالمی تجارتی منڈی میں مکہ کا مقام

عربوں کی تجارت زمانہ تاریخ سے بھی پہلے عالمی شہرت حاصل کر چکی تھی۔
گذشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ تاریخ کے اوراق میں سب سے پہلے جس تجارتی قافلہ کا ذکر ملتا ہے وہ بنی اسماعیلی تاجروں پر مشتمل تھا۔ جو عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت با سعادت سے اٹھارہ سو سال پہلے حجاز سے مصر جا رہا تھا۔ ہم یورپین مؤرخین ہی کے حوالہ جات سے ثابت کریں گے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت نہیں بلکہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے صدیوں پہلے مکہ مکرمہ عالمی تجارتی منڈی کا ایک انتہائی اہم اڈہ تھا۔ تاکہ قارئین مستشرقین کے اس دام تزویر میں نہ پھنسیں کہ مکہ کوئی پرانا شہر نہیں ہے یہ تو بالکل نو آباد ہے۔

جرجی زیدان لکھتا ہے

"اسلامی تمدن عرب کے کاروباری فروغ کا کوئی نیا زمانہ نہیں بلکہ اس سے بہت پہلے بنو حمیر' کہلان اور سبا کے خاندان بھی مشرقی اور مغربی ممالک کے درمیان تجارت کا واسطہ رہ چکے ہیں' کیونکہ ملک یمن اس زمانہ کے متمدن ممالک کے وسط میں واقع تھا۔

ہندوستان کا تجارتی مال بحر ہند کے ذریعہ بلادِ یمن اور حضر موت تک پہنچتا اور پھر یمنی تاجر اسے حبشہ' مصر' فینیقیہ' فلسطین' بلاد وادی سینا' عمالقہ' اور مدیانیین کے علاوہ بلادِ مغرب تک پہنچا دیتے تھے۔

اسماعیلی عربوں نے آبادی دنیا کے انتہائی کناروں تک خشکی کے راستہ اپنی تجارت کا سلسلہ بڑھایا ہوا تھا۔ اور وہ اس زمانہ میں آباد ملکوں میں عقد تجارت کا واسطہ بنے ہوئے تھے"۔ (تاریخ تمدن اسلامی ص ۹)

جرجی زیدان "عرب قبل الاسلام" میں لکھتا ہے

"تجارتی قافلے حضرموت یا عمان سے جب چلتے تو قیدار کے شمال سے گزر کر دھناء تک پہنچتے۔ پھر وہاں سے غربی جانب گزرتے ہوئے نجد پہنچ جاتے' جہاں سے حجاز میں داخل ہوتے تھے۔ اس کے بعد مکہ مدینہ یا یثرب جاتے جہاں سے مدائن کی طرف بھی ایک راستہ جاتا تھا۔

اس تجارتی شاہراہ کا ذکر زمانہ قدیم کے مورخین میں سے بلینیوس اور بطلیوس نے تفصیل کے ساتھ کیا ہے"۔ (عرب قبل الاسلام ص ۱۵۰)

انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا جس کے مقالہ نگار نے مکہ مشرفہ کی قدامت کا انکار بڑے شد و مد سے کیا ہے' لیکن اسے بھی اس حقیقت سے انکار کی جرأت نہ ہو سکی۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے

"مکہ قدیم تجارتی منڈی ہے جو بحر اوقیانوس کو جنوبی عرب' مشرقی افریقہ اور جنوبی ایشیا سے ملاتا تھا۔ یہ علاقہ مارب یعنی سبا اور پیٹرا جسے ارقیم کہا جاتا ہے کے درمیان واقع ہونے کی وجہ سے رومی اور بازنطینی حکومتوں کے عروج کے وقت بھی مذہبی اور تجارتی مرکز کی حیثیت رکھتا تھا"۔ (انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا مطبوعہ ۱۹۷۰ء)

رومی حکومت کو عروج کب نصیب ہوا؟ اس کا جواب بھی ہم کسی مسلمان مورخ کے حوالہ سے نہیں بلکہ ایک سخت متعصب مغربی مورخ کی کتاب سے پیش کرتے ہیں۔ فلپ کے "ہٹی" پرنسپلز آف دی اری تھرائن سی" کے حوالہ سے لکھتا ہے

"مکہ ۵۰ عیسوی میں جب کہ رومی حکومت عروج پر تھی مشرق اور مغرب کے درمیان تجارتی واسطہ بنا ہوا تھا"۔ (ملت عربی ص ۹۰)

نویدگی بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتا ہے

"مکہ کو شاہراہ تجارت پر مرکزیت اس وجہ سے حاصل ہوئی کہ وہاں ایک کنواں تھا جسے زم زم کہا جاتا تھا جس میں وافر مقدار میں پانی پایا جاتا

Marfat.com

تھا۔ یمن اور شام کے تجارتی قافلے یہاں سے ہو کر گزرتے تھے اور اسے طبعی طور پر دیوتاؤں کا عطیہ سمجھتے تھے"۔

(بلجس اینڈ انجمن انسائیکلو پیڈیا مسبوعہ ۱۹۵۹ء لفظ "عرب")

فلپ کے جتی ایک اور مقام پر لکھتا ہے

"یورپ اور ہندوستان کے درمیان بری راستے عراق اور شام سے گزرتے تھے ان تجارتی راستوں پر سب سے پہلے سکندر نے قبضہ کیا۔ بعد میں پارتھیہ (فارس) اور اہل رومہ انہیں حاصل کرنے کے لئے مدت دراز تک جنگ و جدال میں مصروف رہے لیکن جنوب کا راستہ پہلی صدی عیسوی کے قریب تک مسلسل عربوں کے قبضہ میں رہا۔

عرب کے تاجر ملکی پیداوار کے علاوہ ہندوستان اور حبشہ کی پیداوار بھی جمع کر کے مآرب (سبا) سے مکہ کے راستے شام اور مصر لے جاتے تھے۔ اس بری راستے پر قابض ہونے کی وجہ سے بحر قلزم کے جان لیوا سفر کی صعوبتوں سے وہ بچ جاتے تھے"۔ (تاریخ ملت عربی ص ۹۱)

ابتدائی قدیم زمانہ میں عالمی تجارتی شاہراہ پر مکہ کی مرکزیت کا اعتراف کرتے ہوئے فلپ کے جتی لکھتا ہے:

"زمانہ قدیم میں "مصالح کی سڑک" شہر مکہ کے درمیان سے گزرتی تھی بلکہ اس سے بھی بہت پہلے یہ شہر مآرب یعنی سبا اور غزہ کے وسط کی منزل تھا۔ جس کے باعث ترقی پسند مکہ کے تاجروں نے اسے بہت جلد دولت مند شہر بنا دیا"۔ (ملت عربی ص ۱۵۹)

فلپ کے حتی تاریخ لبنان میں اس شاہراہ تجارت کی تفصیلات کو اس طرح بیان کرتا ہے:

"۲۷۰۰ ق م سے ۲۲۰۰ ق م تک بری اور بحری تجارت کا سلسلہ غالباً بہت بڑھ چکا تھا۔ اور مزید کئی اجناس کی خرید و فروخت بھی شروع ہو گئی

Marfat.com

تھی۔ چھٹے شاہی خاندان کے جو کتبات ملے ہیں ان میں مصری جہازوں کو "جمہ" کے جہاز بتایا گیا ہے تجارتی قافلے اس بڑی بین الاقوامی شاہراہ پر چلتے تھے جو زیلنا کے علاقے سے شروع ہوتی ور جزیرہ نما سینا کے ساحل کے ساتھ ساتھ جاتی تھی۔

جزیرہ نما سینا میں اس کی ایک شاخ جدا ہو کر جنوب کی طرف تانبے اور فیروزے کی کانوں کو چلی جاتی تھی۔ جو جزیرہ نما کی مشہور کانیں تھیں۔ کچھ آگے بڑھ کر ایک شاخ ساحل کے ساتھ ساتھ جنوبی عرب پہنچ جاتی تھی جہاں سے لوبان آتا تھا۔ اصل بڑی شاہراہ شمال کے رُخ مڑ کر فلسطینی ساحل کے ساتھ جنوبی لبنان میں داخل ہو جاتی تھی اور یہاں دو شاخوں میں بٹ جاتی تھی۔

ایک بدستور ساحل کے ساتھ ساتھ صور، صیدا، جبلہ اور دوسرے شہروں سے گزرتی ہوئی شمال سمت نکل جاتی تھی اور دوسری شاخ بل کھاتی ہوئی وادی لیدانی اور البکا (مکہ) سے گزرتی تھی پھر البکا والی شاخ اور ساحلی شاخیں نہر کبیر کے راستے قدیس کے مقام پر مل جاتی تھیں"۔ (تاریخ لبنان ص ۸۰، ۸۱)

روم لنڈو اس حقیقت کو بڑے واشگاف الفاظ میں بیان کرتا ہے کہ مکہ مکرمہ قدیم زمانہ میں عالمی شاہراہ تجارت میں بڑی اہمیت کا اڈہ تھا

"اور حق بات تو یہ ہے کہ مکہ جس میں کعبہ قائم ہے قدیم زمانہ سے ہی عربوں کے نزدیک بے حد قابل تعظیم ہے۔ قافلے صحرا میں دور دراز سے سفر کرتے ہوئے ایک جگہ سے دوسری جگہ انتہائی مصائب و آلام سے گزر کر پہنچتے تھے۔ قافلوں کی اس شاہراہ پر مکہ بہت بڑی اہمیت کا اڈہ تھا۔ سفر کے دوران سوار، سواریاں اور سارا سامان ریت اور گرد و غبار سے بری طرح متاثر ہو جاتا تھا۔ جلا دینے والی دھوپ اور بے آب و گیاہ صحر

Marfat.com

قافلوں کے لئے جان لیوا ثابت ہوتا تھا۔

لیکن مکہ جسم اور روح دونوں کی تسکین اور سرور کا مقام تھا۔ جب قافلے یہاں پہنچتے تو جان میں جان آ جاتی اور یہاں پڑاؤ کرتے' اور اس جگہ ہندی اور رومانی مال تجارت کا تبادلہ بھی کرتے تھے"۔

(الاسلام والعرب ص ۱۵)

مغربی مؤرخین کے مذکورہ حوالہ جات سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انتہائی قدیم زمانہ سے مشرق اور مغرب کی تجارتی شاہراہ پر مکہ معظمہ ایک اہم مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور اس عالمی شاہراہ پر یہاں بہت بڑی منڈی تھی۔ ان دلائل و براہین کی موجودگی میں کیا مکہ معظمہ کی قدامت کا انکار ممکن ہے؟

اب تک تورات' انجیل' زبور' یونانی' مسیحی اور یہودی تاریخوں کے جو حوالہ جات بیان کئے گئے ہیں' ان کی روشنی میں مندرجہ ذیل حقائق منکشف ہوتے ہیں۔

① مکہ مکرمہ سیدہ ہاجرہ اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے آباد کیا تھا۔

② سیدنا ابراہیم خلیل اللہ اور اسماعیل ذبیح اللہ علیہما السلام نے مل کر بیت اللہ شریف تعمیر کیا تھا۔

③ ان کی آمد سے پہلے جرہم مکہ کے قرب و جوار میں موجود تھے جن کی ایک دوشیزہ سے سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ نے شادی کی۔

④ ۱۸۰۰ قبل المسیح میں سیدنا یعقوب علیہ السلام کے وقت جس قافلہ کے ہاتھ سیدنا یوسف علیہ السلام کو فروخت کیا گیا تھا' وہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔

⑤ جرجی زیدان کے بقول ۱۸۰۰ قبل المسیح میں عمالقہ نے عراق سے ہجرت کر کے مکہ میں اقامت اختیار کر لی تھی۔

⑥ پطرس بستانی کے بقول ۱۵۰۰ قبل المسیح میں یہود بابل سے ہجرت کر کے مکہ میں آباد ہوئے تھے۔

⑦ زبور کی تصریح کے مطابق ۱۱۰۰ قبل المسیح میں سیدنا داؤد علیہ السلام بیت اللہ

Marfat.com

شریف کے دیدار کے لئے سخت بیتاب تھے۔

⑧ پلٹرس بستانی کے بیان کی روشنی میں بیت اللہ کا حج ۱۵۰۰ قبل المسیح سے بہت زمانہ پہلے شروع ہو چکا تھا۔

⑨ ۱۰۰ قبل المسیح میں یونانی مؤرخ دیودورس الصقلی نے بیت اللہ کا ذکر کیا۔

⑩ ۵۰ عیسوی میں پری پلوس آف دی اری تھرائن نے بیت اللہ کا ذکر کیا۔

⑪ دوسری صدی عیسوی میں نیکی مس نارس بلیچیوس الطبعی اور بطلیموس نے مکہ مکرمہ کے حالات بیان کئے۔

اس قدر روشن دلائل اور ٹھوس ثبوت کے باوجود بھی یورپین مؤرخین اپنی ہٹ دھرمی پر قائم ہیں تو پھر ان کا قصور نہیں بلکہ وہ اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور ہیں۔

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

ہم ان کی فطری جبلت کو بدلنے کی استعداد نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ ہی انہیں ہدایت کی لازوال دولت سے مالا مال فرمائے۔ ہم نے اپنے دعوے کی تصدیق ان کی مایہ ناز کتابوں سے پیش کر دی ہے۔ اگر ان میں جرأت ہے تو ان حقائق کو جھوٹا ثابت کر دکھائیں۔

باب سوم

عہد ابراہیمی سے ظہور اسلام تک

اور

شہ کونین ﷺ کے اجداد کا نسب نامہ

○ تاریخی و تہذیبی ارتقاء

Marfat.com

- عہد ابراہیمی میں مکہ
- عہد اسماعیلی میں مکہ
- جرہم کے زمانہ میں مکہ
- قریش کے دَور میں مکہ
- شاہ کونین ﷺ کے اجداد کا نسب نامہ

Marfat.com

عہد ابراہیمی میں مکہ معظمہ

آج کرۂ ارضی پر آباد جس حسین و جمیل اور عظیم و جلیل شہر کو "عروس البلدان" کہا جاتا ہے۔ کسی وقت وہاں سنگلاخ اور وحشت ناک بیابان تھا۔ لیکن سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے دم قدم سے اسے ایسا عظیم الشان رتبہ نصیب ہوا جس پر ہفت افلاک بھی رشک کرتے ہیں۔

علامہ کردی دامت برکاتہم اس کی تصویر اس طرح کھینچتے ہیں۔

آج سے چار ہزار سال قبل یہ سرزمین کیکر اور دوسرے خاردار درختوں سے اٹی پڑی تھی۔ یہاں نہ پانی تھا اور نہ سبزہ' نہ گھاس پھوس اور نہ جانور' نہ تو انسانوں کے قدم اس زمین سے آشنا تھے اور نہ جن یہاں آباد تھے' بلند و بالا پہاڑ ہر جانب ایستادہ تھے۔ آج کے دور کے بالکل برعکس مکہ مکرمہ کی زمین بہت بلند تھی' کیونکہ بارش کے سیلاب پہاڑوں سے مٹی' ریت' پتھر اور چٹانیں بہا کر لاتے اور اس نشیبی زمین اور پہاڑوں کی گھاٹیوں میں مسلسل جمع کرتے رہے۔

علاوہ ازیں جب شہر آباد ہو گیا تو لوگوں نے بھی یہ عمل جاری رکھا۔ پہاڑوں سے پتھر اور مٹی لا کر گڑھے اور نشیبی جگہوں کو پر کرتے رہے۔ جس کے باعث بتدریج پہاڑوں کی بلندی کم ہوتی گئی۔ چنانچہ اس وقت کعبہ شریف جو ایک ٹیلے پر تعمیر کیا گیا تھا وہ جگہ بہت ہی پست ہو گئی ہے۔ اور جو جگہ پست تھی وہ اتنی بلند ہو گئی کہ صرف محلہ شامیہ کی طرف جو راستہ ہے وہ کعبہ شریف سے بیس میٹر سے بھی زیادہ بلند ہو چکا ہے۔

اس دور میں تمام راستے چٹانوں' پتھروں' ریت اور خاردار جھاڑیوں سے پر تھے۔ اگرچہ یہ زمین بالکل بیابان تھی مگر گندگی اور نجاست کی آلودگی سے قطعاً

Marfat.com

پاک صاف تھی۔ کیوں کہ یہاں نہ تو انسان آباد تھے اور نہ ہی جانوروں کا کہیں نام و نشان تھا' اور نہ ہی وہاں کسی دوسری مخلوق کا وجود تھا۔ راستے بڑے ہی ہمت شکن اور دشوار گزار تھے۔ نشیب و فراز اور پتھریلی چٹانوں کو عبور کرنے سے آدمی تھک کر چور چور ہو جاتا تھا۔

عمرانی اور رفاہی ترقی کا سنگ بنیاد سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے رکھا۔ بعد میں قبیلہ بنو جرہم بھی ان کے دست و بازو بن گئے۔ اسی اثناء میں پروردگار عالم کے حکم سے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام نے کعبہ شریف تعمیر فرمایا اور قبیلہ بنو جرہم میں تبلیغ دین کا فریضہ بھی انجام دیا۔ جس سے دعوت و ارشاد کا سلسلہ چل پڑا۔ ادھر توالد و تناسل کے باعث آبادی میں اضافہ ہونے لگا۔ اس طرح یمن اور شام کے قافلوں کی آمد و رفت بھی شروع ہوگئی۔ انسانی آبادی میں اضافہ کے ساتھ ساتھ رہائش گاہوں اور خیموں کی تعداد بھی بڑھتی گئی۔ جوں جوں لوگوں کی آمد و رفت زیادہ ہونے لگی تو راستوں اور سڑکوں کو پتھروں' چٹانوں' جھاڑیوں اور دوسرے خاردار درختوں سے صاف کرنے کا کام بھی روز افزوں تیز ہوتا گیا۔ چنانچہ مکہ معظمہ نے اس قدر ترقی کی کہ آج دنیا بھر کے خوبصورت اور متمدن شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کے فضل و مجد سے یہ عروس البلدان کا تاج ور بن گیا ہے۔ (تاریخ التقویم جلد ۲ ص ۳۷)

عہد اسماعیلی

سیدنا اسماعیل اور ان کی والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا کے بعد پہلے پہل قبیلہ بنو جرہم وہاں آباد ہوا۔

علامہ قرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت نقل فرمائی ہے

"سیدہ ہاجرہ و سیدنا رحمہم کے پانی پر پانچ دن برابر گزارہ کرتی رہیں' یہی ان کی غذا کا کام بھی دیتا تھا۔ چھٹے دن عمالقہ کے دو جوان اپنے ایک گم

Marfat.com

شدہ اونٹ کی تلاش میں جبل ابی قبیس کی طرف آئے۔ یہ لوگ عرفات میں خیمہ زن تھے۔ اس کی نگاہ پانی پر پڑی جسے دیکھ کر انہیں بے حد تعجب ہوا۔ واپس جا کر یہ خوش آئند خبر اپنے قبیلہ کو سنائی۔ چنانچہ معززین قبیلہ تحقیق حال کے لئے آئے' تو سیدہ ہاجرہ اور ان کے فرزند کو وہاں جلوہ افروز پایا۔ ان سے دریافت کیا کہ تم دونوں یہاں کیسے دور کہاں سے آئے ہو؟ سیدہ ہاجرہ علیہا السلام نے پوری سرگذشت کہہ سنائی۔ قبیلہ کے شرفاء نے عرض کی کہ اگر ہمیں ہفتہ بھر کے لئے اپنے پاس قیام کی اجازت مرحمت فرمائیں تو بے حد بندہ نوازی ہوگی۔ کیونکہ ہمارے پاس پانی بالکل ختم ہو چکا ہے۔ سیدہ ہاجرہ علیہا السلام نے ان کی درخواست کو قبول فرمالیا' اس طرح وہ لوگ وہاں قیام پذیر ہو گئے"۔ (کتاب اخبار الدول ص ۳۲)

عبدالملک بن حسین المتوفی ۱۱۱۱ھ سمط النجوم میں لکھتے ہیں

جرہم جب سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کے پاس آ کر قیام پذیر ہوئے' تو انہوں نے دس بکریاں انہیں تحفۃً پیش کیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی تمام بکریاں انہیں کی نسل سے تھیں۔ (سمط النجوم العوالی ص ۱۴۵)

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ روایت بیان کرتے ہیں

سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے جرہم اور عمالقہ کی طرف نبی بنا کر بھیجا تھا' ان کی دعوت کو قبول کر کے بعض ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئے اور بعض کفر پر اڑے رہے' اور دعوت حق کو ٹھکرا دیا۔ (روض الانف جلد اص ۱۴)

سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے وصال کے بعد خلافت اور جانشینی ان کے فرزند اکبر ''نابت'' کے سپرد ہوئی۔ یہ بڑے جلیل القدر انسان تھے' چونکہ ان کے اجداد (سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام) بابل کے شہر ''ار'' کے باشندے اور ننھیال سیدہ ہاجرہ علیہا السلام مصری تھے۔ اس سبب سے ان دونوں عظیم مملکتوں کے تجارتی قافلے مکہ میں قیام کر کے گزرتے تھے جس کے باعث یہ شہر عالمی شہرت کا حامل بن گیا۔

Marfat.com

جرہم کے زمانہ میں مکہ

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنی اولاد کو مختلف مقامات پر کچھ اس احسن انداز سے آباد کیا کہ وہ سلسلۂ مذاہب میں جڑے رہیں۔ آپ نے اپنے فرزند ارجمند سیدنا اسحاق علیہ السلام کو بابل کے مغرب میں ملک شام میں آباد کیا تاکہ انہیں اپنے ننھیال سے قرب میسر رہے۔ عرب کا ملک سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے حوالے کیا۔ ان کا ننھیالی ملک مصر اس کے مغرب میں واقع تھا تاکہ بوقت ضرورت ایک دوسرے کی امداد و اعانت کر سکیں۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی شادی بنو جرہم کے سردار مضاض کی بیٹی سے ہوئی جو عرب کا قدیم حکمران قبیلہ تھا۔ اور مضاض حجاز کا واحد فرمانروا تھا۔ جب کہ اسحاق علیہ السلام کا نکاح شام میں اپنے ننھیال کے ہاں ہوا۔ بنو جرہم کو حجاز میں آباد ہوئے تو زمانہ گزر گیا تھا مگر مکہ مکرمہ میں ان کی آمد سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد ہوئی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد نے جزیرۃ العرب آپس میں تقسیم کر لیا تھا اور جلد ہی اس قدر پھیل گئے کہ مغرب میں مصر تک جا پہنچے جو ان کا ننھیال تھا۔ جنوب کی طرف ان کے خیمے یمن تک پہنچ گئے۔ جہاں باپ ے ان کے بھائی بنو قطورا کو آباد کیا تھا اور شمال میں ان کی بستیاں شام کی سرحد سے جا ملیں جہاں ان کے بھائی بنو اسحاق آباد تھے۔

اس طرح ایک ہی باپ کے فرزند بابل اور مصر کے قدیم علم و تہذیب کے مالک بن گئے' بحر ہند اور بحیرہ احمر جیسی بندرگاہیں ان کے قبضہ میں آگئیں جن کے ذریعہ تمام متمدن دنیا کی تجارت پر وہ قبضہ کر سکتے تھے۔ اور عرب کا اندرونی حصہ بھی انہی کے پاس تھا۔ جو دفاعی لحاظ سے ہمیشہ ناقابل تسخیر حصار ثابت ہوا۔

سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں ان کا دوسرا فرزند قیدار نہایت مدبر اور نامور شخص تھا۔ قیدار کی اولاد مکہ مکرمہ میں آباد ہوئی۔ ان لوگوں نے اپنے باپ کے نقش قدم پر چل کر اس مقدس گھر کے حقوق کی ہمیشہ پاسبانی کی۔ یہ گھر دنیا میں

Marfat.com

توحید کی پہلی درس گاہ تھی۔

سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے وصال کے بعد ان کے بڑے بیٹے نابت کعبہ شریف کے متولی ہوئے۔ جب ان کا بھی وصال ہو گیا تو ان کے نانا مضاض بن عمرو جرہمی کو بیت اللہ کا متولی بنایا گیا اور مکہ مکرمہ کی سلطنت بھی ان کے سپرد ہوئی۔

جرہم اور قطورا دونوں چچا زاد بھائی تھے۔ ان کی زبان عربی تھی۔ جب یعرب بن قحطان کا دور حکومت آیا تو اس نے جرہم کو بلاد حجاز کا والی مقرر کیا۔ عاد بن قحطان شحر وغیرہ پر متصرف ہوئے اور عمان کی ولایت یقطن بن قحطان کے سپرد کی۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پہلے جرہم اور بعد میں قطورا ابن کرکر بن عملاق کی اولاد قحط سے تنگ آ کر یمن سے کوچ کر کے مکہ میں آباد ہوئے۔

جرہم کا سردار مضاض اور قطورا کا سمیدع تھا' یہ لوگ جب مکہ مکرمہ پہنچے تو ایک سرسبز و شاداب جگہ دیکھ کر وہیں ٹھہر گئے۔ جرہم اور اس کے لشکر نے بالائی جانب قعیقعان کے مقام پر قیام کیا۔ اور سمیدع اور اس کی فوج مقام قطوراء مسفلہ کی طرف خیمہ زن ہوئی۔ دونوں نے مکہ مکرمہ میں نئے آنے والے حضرات پر ٹیکس لگا رکھا تھا۔ یہ ٹیکس بالائی سمت سے آنے والوں سے مضاض اور نشیبی علاقہ سے آنے والوں سے سمیدع وصول کرتا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے سخت دشمن تھے اور بالآخر یہ دشمنی ایک خوفناک جنگ پر منتج ہوئی۔ بنو اسماعیل نے جنگ میں مضاض کا ساتھ دیا کیونکہ یہ ان کا نانا تھا' فاضح کے مقام پر زبردست مقابلہ ہوا۔ سمیدع مارا گیا اور مضاض کو فتح حاصل ہوئی۔ بعد میں دونوں قبائل میں صلح ہوئی اور سب نے متفقہ طور پر مضاض کو فرماں روا تسلیم کر لیا۔ انہوں نے شعب عبداللہ بن عامر بن کریز کے مقام پر جو مکہ شریف کے بالائی حصہ میں واقع تھا قیام کیا۔ جسے مطابخ بھی کہا جاتا ہے۔ چونکہ مضاض نے فتح کی خوشی میں وہاں ایک پر تکلف دعوت کی تھی؛ جس میں بڑی بڑی دیگیں پکائی گئی تھیں۔ اس نسبت سے اس جگہ کا نام ''مطابخ'' ہوا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب شاہ تبع کا ورود مکہ معظمہ میں ہوا تو اس نے اس

Marfat.com

مقام پر شاندار دعوت کی تھی اس بناء پر اس کا نام مطابخ مشہور ہوا۔ (خبر مکہ ص ۳۵)

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ بنو اسماعیل اور ان کے جراہمی بھائیوں کی اولاد جب بہت زیادہ ہوگئی تو مکہ کی سرزمین اپنی وسعت کے باوجود ان کے لئے تنگ ہونے لگی۔ تب انہیں مجبوراً مختلف ممالک کی طرف منتشر ہونا پڑا۔ اس وقت مکہ معظمہ کی ولایت بنو جرہم کے ہاتھ میں تھی۔

ادھر بنو عمالقہ کا بادشاہ سمیدع بن ہود حدر بن مازن بھی مکہ معظمہ کے نشیبی علاقہ میں براجماں اور شہر پر قبضہ کرنے کے لئے بے تاب تھا۔

فریقین کے مابین سخت جنگ و جدال ہوا سمیدع مارا گیا اور جرہم کو فتح نصیب ہوئی۔ جس کی سلطنت تین سو سال تک مکہ معظمہ میں قائم رہی۔ بنو جرہم ایک زبردست باوقار سلطنت کے والی تھے۔ مگر جب انہوں نے حدود خداوندی کو توڑا' خلق خدا کو ظلم کا نشانہ بنایا' حرم محترم کی عزت و تکریم کو تاخت و تاراج کیا' باہر سے آنے والے زائرین اور مسافروں کی عزت و آبرو اور مال و متاع لوٹنا ان کا معمول بن گیا۔ بیت اللہ شریف پر چڑھائی جانے والی نذر و نیاز کو نوالہ تر بنایا' خزانہ کعبہ پر دست تصرف دراز کیا اور حد یہ کہ کعبہ شریف کے اندر قبیلہ جرہم کے دو یمنی مرد اور عورت اساف اور نائلہ نے بدکاری جیسے قبیح جرم کا ارتکاب کیا۔ تو پھر ان کے مقدر کا ستارہ گردش میں آ گیا۔ ان کا جاہ و جلال اور کروفر ذلت و خواری اور تباہی و بربادی کا شکار ہو گیا۔ جب یہ اندھیر نگری مضاض بن عمرو بن حارث بن مضاض بن عمرو الجراہمی نے دیکھی تو اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ اے میری قوم! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور بیت اللہ کی بے حرمتی سے باز آ جاؤ' تم اچھی طرح جانتے ہو کہ جس قوم نے بھی اس مقدس گھر کی عزت و حرمت کو پامال کیا وہ تباہ و برباد ہوئی' اور عمالقہ کی ذلت و رسوائی کی المناک داستان تمہارے سامنے ہے۔ ایسا نہ ہو کہ افعال بد کی پاداش میں اللہ تعالیٰ تم پر کوئی دوسری قوم مسلط کر دے اور تم ذلیل و خوار ہو جاؤ۔

Marfat.com

مگر قوم مضاض کی ناصحانہ باتوں کی پروا نہ کرتے ہوئے کہنے لگی۔ ہم بے حد عزت والے عرب ہیں' ہماری افرادی قوت زبردست ہے' ہمارے پاس سامان حرب وضرب بے انداز ہے' ہمیں کون شکست دے سکتا ہے؟

مضاض نے کہا جب اللہ تعالیٰ کی گرفت آ جاتی ہے تو تمام تدابیر دھری کی دھری رہ جاتی ہیں' اور نافرماں قومیں صفحۂ ہستی سے مٹ جاتی ہیں۔ لیکن قوم بدکاری کی ایسی دلدادہ اور خوگر بن چکی تھی کہ مضاض کی نصیحت کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔

جب مضاض قوم کی اصلاح سے ناامید ہو گیا تو اس نے کعبہ شریف کی قیمتی اشیاء کو چاہِ زمزم میں ڈال کر راتوں رات اسے مٹی سے بھر دیا۔ اس نے سونے کے دو ہرن جو کعبہ شریف میں رکھے ہوئے تھے' خزانہ کعبہ' غلاف کعبہ اور قلعی دار تلواریں دفن کر دیں۔

بالآخر خزاعہ نے زبردست حملہ کر کے نہایت ذلت و رسوائی سے بنو جرہم کو مکہ سے بے دخل کر دیا اور وہ مکہ کے فراق کا حزن و ملال دل میں لئے یمن کی طرف کوچ کر گئے۔ (اخبار مکہ ص ۵۳' اعلام الاعلام ص ۴۰)

ع پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

جرہم مکہ مکرمہ کے شمال میں مقیم تھے۔ یہ قبیلہ دو سو خیموں پر مشتمل تھا۔ ان کا سردار مضاض بن عمرو جرہمی' بے حد طاقتور اور جرأت مند شخص تھا۔ قبیلہ میں اس کی بہت زیادہ عزت کی جاتی تھی۔

سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد بیت اللہ کے باہر رہائش پذیر تھی۔ صبر و استقامت نے وصف سے متصف ہونے کے ساتھ ساتھ وہ رزقِ حلال کی تلاش کے لئے دور دراز ممالک کا تجارت کی غرض سے سفر بھی کرتے تھے۔ ان کا نظریہ تھا کہ جس طرح نیک اعمال عبادت ہیں اسی طرح کسب حلال بھی عبادت ہے۔

پطرس ستانی علامہ قرمانی کے حوالہ سے لکھتا ہے

''جرہم اولیٰ عاد و ثمود کے ہمعصر تھے۔ اور جرہم ثانیہ قحطان کی اولاد سے

Marfat.com

تھے اور یہی لوگ سیدنا اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مکہ مکرمہ میں مقیم ہوئے تھے۔

جرہم کا پہلا بادشاہ عبدیالیل تھا۔ پھر اس کا بیٹا جرشم اس کے بعد جرشم کا بیٹا عبدالمدان پھر نفیلہ بن عبدالمدان' پھر عبدالمسیح بن نفیلہ' پھر مضاض بن عبدالمسیح بعد میں عمرو بن مضاض کے بعد دیگرے بادشاہ بنے۔ اس کے بعد عمرو کے بھائی حارث بن مضاض نے ۱۰۰ سال تک حکومت کی۔ اس کے مرجانے کے بعد اس کے بیٹے عمرو نے ۱۲۰ سال حکمرانی کی۔ پھر عمرو کے بھائی بشر بن الحارث اور پھر مضاض الاصغر کو حکومت ملی۔ لیکن اپنی بداعمالیوں کے باعث آخر یہ لوگ ہلاک ہو گئے"۔ (قاموس بستانی جلد ۶ لفظ جرہم ص ۳۳۰)

علامہ مسعودی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

"جرہم کی حکمرانی صدیوں تک مکہ مشرفہ پر رہی۔ چنانچہ مضاض بن عمر نے سو سال حکمرانی کی۔ پھر اس کے بیٹے عمرو بن مضاض نے ۱۴۰ سال پھر اس کے بیٹے حارث بن عمرو نے دوسو سال یا اس سے کچھ زیادہ۔ پھر اس کے بیٹے حارث نے ۴۰۰ سال۔ بعد ازاں مضاض بن عمرو بن الاصغر بن الحارث نے چالیس سال حکومت کی"۔ (مروج الذہب جلد ۲ ص ۵۱)

خزاعہ کے زمانہ میں مکہ مشرفہ

یہ قبیلہ سباء میں آباد تھا۔ مگر ایک کاہن نے پیش گوئی کی کہ سبا کا بند ٹوٹ جائے گا اور سیلاب ہر جانب تباہی مچا دے گا۔ ڈر کے مارے اکثر قبائل وہاں سے وطن چھوڑ کر مختلف مقامات پر آباد ہو گئے۔ اس طرح یہ قبیلہ بھی ترک وطن کر کے متفرق شہروں سے گزرتا ہوا مکہ مکرمہ جا پہنچا اور وہاں اقامت کا ارادہ کیا۔ ان کے ... نے حارث بن ثعلبہ عمرو بن عامر کو سردار مکہ کے پاس بھیجا کہ

Marfat.com

انہیں یہاں کچھ عرصہ کے لئے قیام کی اجازت دی جائے۔ مگر وہ اس پر سخت غضب ناک ہوئے اور شدت سے انکار کیا۔ حارثہ نے بھی قسم کھالی کہ اگر ہمیں بخوشی رہنے نہ دیا گیا تو وہ بزور شمشیر یہاں رہیں گے۔ بالآخر فریقین کے مابین تین دن تک کارزار گرم رہا۔ جرہم کو شکست فاش ہوئی اور خزاعہ کا مکہ مکرمہ پر قبضہ ہو گیا۔ اس کے بعد بنو اسماعیل جو جرہم کی لڑائی سے کنارہ کش تھے خزاعہ کے پاس آئے اور مکہ میں رہائش کا استیذان مانگا جسے خزاعہ نے قبول کر لیا۔ پھر عمرو بن لحی کی اولاد نے پانچ سو سال مکہ معظمہ میں حکمرانی کی اور ان کا آخری حکمران خلیل بن حبشیہ بن سلول بن کعب ہوا۔ اور اسی کی لڑکی سے قصی بن کلاب نے نکاح کیا تھا۔

(روض الانف جلد اص ۸۹، اخبار مکہ و الاچ خزاعہ)

عمرو بن لحی وہ بد بخت انسان تھا جس نے عرب میں بت پرستی کی بنیاد ڈالی۔ اس سے پہلے اہل عرب بت پرستی کی لعنت سے قطعاً نا آشنا تھے۔ یہ ملک شام میں کسی ضرورت کو گیا اور وہاں بلقاء کے شہر مآرب میں قوم عمالیق کو بت پرستی کرتے دیکھا اور ان سے ایک بت ہبل نامی خرید لایا' جسے کعبہ شریف کے اندر کنوئیں پر نصب کر کے اس کی عبادت شروع کر دی۔ (روض الانف جلد اعنوان عمرو بن لحی)

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اسے جہنم کی آگ میں دیکھا کہ اس کی انتڑیاں آگ میں گھسیٹی جا رہی تھیں۔ (بخاری شریف جلد اص ۴۹۹)

ابن کلبی کی روایت میں ہے کہ جب سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی تو نہ صرف ان کے لئے مکہ مکرمہ میں قیام کی گنجائش رہی بلکہ ان کی معاشی حالت بھی بہت خراب ہو گئی' جس کے باعث خانہ جنگی شروع ہو گئی۔

ان وجوہات کی بنا پر لوگ شہر چھوڑ کر دوسرے مقامات پر جا کر آباد ہونے لگے۔ وہ لوگ بیت اللہ شریف سے جدا ہوتے وقت قرب و جوار سے کوئی پتھر بھی اپنے ساتھ لے جاتے۔ جہاں قیام کرنا ہوتا وہاں پتھر نصب کر کے کعبہ شریف کی طرح اس کا طواف اور تعظیم کرتے۔

Marfat.com

اس طرح رفتہ رفتہ بت پرستی شروع ہو گئی۔ جس کے نتیجہ میں بیت اللہ شریف کے علاوہ منیٰ مزدلفہ اور عرفات میں بھی جا بجا بت نظر آنے لگے۔ (کتاب الاصنام ص ۳)

شاہ تبع کی مکہ میں آمد

ظہور اسلام سے کوئی سات سو سال قبل یمن کا بادشاہ تبع فوج کشی کے ارادہ سے عازم مکہ ہوا۔ شاہ اور اس کی قوم بت پرست تھی جنہیں کعبۃ اللہ کی عزت و حرمت ملحوظ نہیں تھی۔ ابھی یہ مکہ مکرمہ پہنچنے نہیں پایا تھا کہ ہذیل بن مدرکہ کے چند آدمیوں نے بادشاہ کو کہا ہم ایک ایسے مخفی خزانہ سے آپ کو آگاہ کرتے ہیں جس کا علم کسی بادشاہ کو نہیں ہے۔ اس میں جواہرات' زبرجد' یاقوت' سونا' چاندی اور دیگر بیش بہا قیمتی اشیاء موجود ہیں۔ یہ خزانہ مکہ معظمہ میں واقع ایک گھر کے اندر مخفی ہے۔ اہل مکہ اس گھر کی عبادت کرتے اور اس میں نماز پڑھتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ اگر بادشاہ نے مکہ مکرمہ پر حملہ کیا تو یہ اس کے لئے ہلاکت خیز ہو گا' لہذا یہ اس ارادہ سے باز آ جائے۔

شاہ تبع نے اس بات کی تصدیق مدینہ طیبہ سے ساتھ آئے ہوئے دو یہودی علماء سے کرنا چاہی۔ علماء نے مشورہ دیا کہ جس طرح اہل مکہ اس گھر کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں' آپ کو بھی اس کی تعظیم بجا لانی چاہئے۔ خشوع' خضوع' فروتنی' انکساری اور ادب و احترام سے وہاں داخل ہو کر اس گھر کا طواف کریں۔ بعد ازاں سر کے بال منڈوائیں۔

شاہ نے علماء سے دریافت کیا کہ تم اس گھر کی تعظیم و توقیر کیوں نہیں کرتے؟ علماء نے جواب میں کہا اس میں شک نہیں کہ وہ مقدس گھر ہمارے جد امجد سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے تعمیر فرمایا تھا۔ مگر اس وقت اس پر بت پرستوں کا قبضہ ہے۔ اس کے اندر اور باہر بہت سے بت رکھے ہوئے ہیں جن کی شب و روز پوجا کرتے ہیں۔ ان بتوں کے نام نذر و نیاز چڑھاتے ہیں اور ان کے نام کی قربانیاں

Marfat.com

دیتے ہیں۔ ایسے مشرکانہ ماحول میں ہم عبادت میں ان کے شریک نہیں ہو سکتے۔

شاہ نے علماء کا مخلصانہ اور ہمدردانہ مشورہ قبول کر لیا اور قبیلہ ہذیل کے جن لوگوں نے دھوکا دہی کا ارتکاب کر کے بادشاہ کو کعبہ شریف کی بے حرمتی پر آمادہ کیا تھا' ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے گئے۔ اس کے بعد بادشاہ انتہائی عجز و انکساری اور ادب واحترام و اور عشق ومحبت کے جذبہ سے سرشار ہو کر مکہ معظمہ میں داخل ہوا۔ بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔ سر کے بال منڈوائے اور قربانی ادا کی۔ شاہ نے شہر کے بالائی حصہ جبل قیقعان پر چھ دن قیام کیا۔ قیام کے دوران مکہ شریف کے باشندوں اور دوسرے غرباء کی بڑی پر تکلف دعوتیں ہوتی رہیں۔ لوگوں کو شہد کا شربت پلایا جاتا حالاں کہ وہاں سادہ پانی بھی نہیں ملتا تھا۔

اس اثناء میں اسے خواب میں کعبہ شریف پر غلاف چڑھانے کا حکم ہوا۔ چنانچہ اس نے حصف (یعنی موٹا کپڑا) کا غلاف چڑھایا۔ یہ پہلا غلاف تھا جو شاہ تبع نے چڑھایا (اس سے پہلے کعبہ شریف پر غلاف نہیں ہوتا تھا) آداب بیت اللہ سے فراغت کے بعد تبع اپنے ملک یمن واپس لوٹ گیا۔ وہ دونوں یہودی علماء بھی اس کے ساتھ ہی تھے۔ بادشاہ نے اپنی قوم کو بھی اس مذہب کو اپنانے کی دعوت دی' جس کا وہ گرویدہ ہو چکا تھا۔ مگر قوم نے اس دعوت کو مسترد کر دیا اور بادشاہ کے در پئے آزار ہو گئے۔

بالآخر بادشاہ کے مذہب کی حقانیت کا مشاہدہ کر لینے کے بعد ساری قوم نے بت پرستی سے تائب ہو کر یہودی مذہب اختیار کر لیا۔

Marfat.com

قریش کا درخشندہ و تابندہ دور

اور

شاہ کونین کا نسب نامہ

قریش کا عالی مرتبت خاندان جس کے بدرِ منیر شاہِ کونین رحمت دارین ﷺ ہیں۔ ان کا نسب نامہ حسب ذیل ہے

حضرت محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن مغیرہ بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر۔

نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ (جمہرۃ الانساب ص ۱۰)

نضر بن کنانہ کے دو بیٹے مالک اور مخلد تھے۔ مالک کے گھر ان کی بیوی جندلہ بنت حرث بن مضاض الجرہمی کے پیٹ سے فہر پیدا ہوئے۔ پھر فہر کے چار لڑکے غالب، محارب، حرث اور اسد تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد اول نسب نامہ امام الانبیاء)

اس سلسلۂ مذہب کی پہلی کڑی اور اس خاندان ذی شان کے جد اعلیٰ کون تھے جنہیں قریش کا لقب عنایت ہوا؟ علم الانساب کے ماہرین نے اس میں دو نام بیان کئے ہیں، فہر بن مالک اور نضر بن کنانہ۔

زبیر بن بکار اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ قریش کا لقب سب سے پہلے فہر بن مالک کو ملا تھا، اس لئے فہر اور اس کی اولاد ہی قریش ہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قریش اس کا نام تھا اور فہر لقب۔

عبداللہ بن مصعب، عثمان بن ابی سلیمان، ابی عبیدہ بن عبداللہ اور بن

Marfat.com

شہاب وغیرہ سے بھی یہ قول منقول ہے۔

ہشام بن محمد بن السائب نے ابوالحسن سے روایت کی ہے کہ نضر بن کنانہ کو سب سے پہلے قریش کا لقب ملا تھا' اسی طرح شعبی اور ابوعبیدہ بن معمر بن المثنیٰ نے بھی روایت کی ہے۔

اگرچہ بظاہر دونوں روایات مختلف ہیں مگر حقیقت میں دونوں کا مفہوم یہی ہے کہ خواہ نضر بن کنانہ کو یہ لقب پہلے ملا یا فہر بن مالک کو' لیکن فہر ہی کی اولاد کو قریش کہا جاتا ہے۔ (روض الانف جلد ا ص ۷' لسان العرب جلد ۸ لغۃ قریش)

کیونکہ کنانہ کے چھ بیٹے تھے' جن میں صرف نضر کی اولاد کو قریش کہا گیا' نضر سے مالک اور مالک سے فہر پیدا ہوا۔ ان کے علاوہ کنانہ کے دوسرے بیٹوں کی نسل کو کسی نے بھی قریش میں شمار نہیں کیا' امام سہیلی نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ (روض الانف جلد ا ص ۷)

حضور اقدس ﷺ کے ارشاد سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا

''اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے اسماعیل علیہ السلام کو برگزیدہ بنایا۔ پھر اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو چن لیا۔ پھر بنو کنانہ میں سے قریش کو بزرگی عطا فرمائی۔ پھر قریش میں سے بنو ہاشم کو فضیلت عنایت کی اور بنو ہاشم میں سے مجھے ممتاز بنایا''۔ (مسلم شریف جلد ۲ ص ۲۴۵)

واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

''بیشک اللہ تعالیٰ نے کنانہ کو اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے چن لیا اور قریش کو بنو کنانہ میں سے پسند فرمالیا۔ اور ہاشم کو قریش میں سے فضیلت دی اور مجھے بنی ہاشم میں سے منتخب فرمالیا''۔

(ترمذی شریف جلد ۲ ص ۲۰۱ باب ماجاء من فضل النبی ﷺ)

نبی علیہ السلام نے اپنے خاندان کی منقبت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا

Marfat.com

"اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق کو پیدا فرمایا' لیکن مجھے سب سے بہتر مخلوق میں پیدا کیا۔ پھر اسے دو فرقوں میں تقسیم کر دیا (اچھے اور برے) اور مجھے اچھے فرقہ میں شمار فرمایا۔ پھر ان کے کئی قبائل بنا دیئے اور مجھے ان سب میں سے جو بہتر قبیلہ تھا اس میں رکھا۔ پھر ان کے بے شمار مکانات بنا دیئے لیکن مجھے سب سے بہترین گھر عنایت فرمایا۔ چنانچہ میں ان سب سے جسم اور وجود کے اعتبار اور گھر کے لحاظ سے بھی بہتر اور اچھا ہوں"۔ (ترمذی شریف جلد ۲ ص ۲۰۱ باب ما جاء من فضل النبی ﷺ)

وجہ تسمیہ

اس خاندان کو قریش کہنے کی کیا وجہ ہے؟ اس کے متعلق متعدد روایات بیان کی گئی ہیں۔ امام شعبی کہتے ہیں' تقریش بمعنی تفتیش کے ہے۔ کیونکہ اس خاندان کے آباؤ اجداد غریب اور نادار لوگوں کی تفتیش اور تلاش کر کے ان کی حاجات اور ضروریات کو پورا کیا کرتے تھے۔ اسی طرح حجاج کرام کے حالات دریافت کرتے اور ان کی امداد کیا کرتے تھے۔ اس لئے انہیں قریش کہا گیا ہے۔ (روض الانف جلد ا ص ۷۰)

زبیر بن بکار روایت کرتے ہیں کہ قریش' قرش کی تصغیر ہے' اور قرش ایک آبی جانور ہے' جو تمام سمندری جانوروں کو کھا جاتا ہے' لیکن اسے کوئی جانور نہیں کھا سکتا اور وہ سب جانوروں پر غالب آ جاتا ہے۔ مگر اس پر کسی کو غلبہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ گویا کہ وہ سب سے زیادہ قوی اور طاقتور ہے۔ چونکہ یہ خاندان بھی دوسرے خاندانوں سے بزرگ و برتر اور زبردست طاقتور ہے اس لئے اسے قریش کہا جاتا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے قریش کی وجہ تسمیہ دریافت کی گئی تو انہوں نے یہی توجیہہ بیان فرمائی تھی۔ ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ قریش تقرش سے ہے جس کے معنی کسب کرنے' کمانے کے ہیں' چونکہ یہ لوگ تجارت میں

Marfat.com

بہت مہارت رکھتے تھے' اور ان کا یہ پیشہ عالمی شہرت کا حامل تھا۔ بنا بریں یہ خاندان اس لقب سے مشہور ہوا۔ (روض الانف جلد ۱ ص ۰۷ نہایت الارب ص ۳۹۸' لسان العرب جلد ۸ لغۃ قرش)

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ التقریش' التجمع کے معنی میں ہے۔ بنو کنانہ کے متفرق ہو جانے کے بعد جب قصی بن کلاب نے سب کو حرم شریف میں یک جا جمع کر دیا تو اس اجتماع کے باعث وہ قریش کہلانے لگے۔ نیز ایک قول یہ بھی ہے کہ بنو نضر نے جب غارت گری چھوڑ دی تو انہیں قریش کا لقب عطا ہوا۔

(روض الانف جلد ۱ ص ۰۷ نہایت الارب ص ۳۹۸)

سیدنا سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں قریش دنیا کی تاریخ میں کب ظہور پذیر ہوئے اور اس خاندان کی خشت اول کب رکھی گئی' اس بارے میں تاریخ خاموش ہے' ہاں اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ عبدالمطلب جو چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں پیدا ہوئے ہیں ان سے فہر تک دس پشتیں ہیں اور اگر ہر ایک پشت کے لئے ۲۵ برس کا زمانہ فرض کر لیا جائے تو اڑھائی سو برس کی مدت بنتی ہے جس کا تخمینہ حسب ذیل ہے

فہر	۳۲۵ء	کلاب	۴۵۰ء	غالب	۳۵۰ء	قصی	۴۷۵ء
لوی	۳۷۵ء	عبد مناف	۵۰۰ء	کعب	۴۰۰ء	ہاشم	۵۲۵ء
مرہ	۴۲۵ء	عبدالمطلب	۵۵۰ء۔	(ارض القرآن ص ۲۲۴)			

قریش کی اقسام

قبائل عرب میں قریش ایک بہت بڑا قبیلہ تھا جس کی متعدد شاخیں تھیں' لیکن یہ تمام شاخیں دو اقسام پر مشتمل تھیں قریش الظواھر اور قریش البطاح۔

قریش الظواھر مکہ مکرمہ کی ظاہر یعنی پشت پر آباد ہوئے۔ اسی نسبت سے انہیں قریش الظواہر کہا گیا۔ ان میں سے بنو بغیض بن عامر بن لوی' بنو الا دوم بن غالب

بن فہر اور بنو محارب بن فہر تھے۔ ان لوگوں نے بدویانہ زندگی اختیار کی' کسی ایک جگہ قرار نہیں پکڑتے تھے' مال مویشی کے چارہ اور پانی کی جستجو میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے تھے' اور آپس میں غارت گری بھی کرتے رہتے تھے۔

قریش البطاح یا قریش ابطح انہوں نے حرم کے گردونواح میں سکونت اختیار کی انہی کے ہاتھ تجارت اور اقتصادیات کا محکمہ تھا۔ یہ لوگ صاحب ثروت اور رئیس تھے۔ ان کے تجارتی مراسم شام' عراق' یمن اور حبشہ سے قائم تھے۔ البطاح مندرجہ ذیل قبائل پر مشتمل تھے

بنو عبدالدار' بنو عبد مناف' بنو عبد قصی' بنو زہرہ بن کلاب' بنو تیم بن مرة' بنو مخزوم بن یقظہ' بنو سہم' بنو جمح' بنو عدی بن کعب' بنو حسل بن عامر بن لوی' بنو ہلال بن اہیب بن ضبہ بن حارث بن فہر بن ہلال بن مالک بن ضبہ' بنو ہاشم بن عبد مناف' بنو حارث بن عبد مناف' بنو المطلب بن عبد مناف' بنو امیہ بن عبد شمس' بنو نوفل بن عبد مناف اور بنو حارث بن فہر۔ (تمدن عرب ص ۷۵)

قریش کے قبائل اور مساکن

رحمت دو عالم ﷺ کی بعثت کے وقت قریش کے حسب ذیل قبائل مکہ مکرمہ اور اس کے گردونواح میں آباد تھے

بنو حارث بن فہر' بنو حذیفہ' بنو سامہ' بنو لوی بن غالب' بنو عامر بن لوی' بنو عدی' بنو سہم' بنو جمح' بنو مخزوم' بنو تیم' بنو زہرہ' بنو اسد' بنو عبدالدار' بنو نوفل' بنو امیہ اور بنو ہاشم۔ (نہایت الارب ص ۳۹۸)

یہ قبائل دو طرح کے تھے ایک تو خالص شہری بود و باش رکھتے تھے اور دوسرے بدوی۔ شہری قریش اشراف اور سردار کہلاتے تھے' جو منیٰ' عرفات اور مکہ میں مقیم تھے۔ ان کا پیشہ تجارت تھا۔ کچھ قبائل کا ثقیف سے تعلق تھا جو طائف کے گردونواح میں آباد تھے۔ اور بدوی قریش جن کی گزر بسر مال مویشی پر تھی وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ

Marfat.com

چراگاہ اور پانی کی تلاش میں منتقل ہوتے رہتے تھے۔ (قلب جزیرۃ العرب فوائد حمزہ ص۱۹۰)

علامہ لبیب البتنونی رحمتہ نے مکہ معظمہ کے قبائل کی تعداد حسب ذیل بیان کی ہے

عتیبہ :	یہ مکہ شریف کے مشرق میں مدینہ طیبہ کے راستہ میں آباد تھے۔	تعداد ۲۰,۰۰۰
قریش.	اشراف یہ لوگ منیٰ عرفات اور طائف میں آباد تھے۔	// ۲,۰۰۰
ھذیل.	مکہ اور طائف کے درمیان پہاڑوں میں آباد تھے۔	// ۱۰,۰۰۰
ثقیف.	ان میں بنوسفیان' بنوسعد' ناصر' ربیعہ اور عیدہ بھی شامل تھے۔ یہ طائف کے جنوب مشرق میں رہتے تھے۔	// ۳۰,۰۰۰
بنی حارث	یہ بھی طائف کے جنوب اور شمال میں آباد تھے۔	// ۲,۰۰۰
بنی فہیم' یزید:	بجالہ' متعانی' بنی ضیف' بنی سلیم' بنی عمر' بنی علی اور بنی زیدان وغیرہ' مکہ کے جنوب میں۔ (رحلۃ الحجاز یہ ص۵۲)	// ۱۰,۰۰۰

علامہ فواد حمزہ نے ہذیل کے متعلق لکھا ہے کہ یہ لوگ مکہ مکرمہ کی اطراف مشرق اور مغرب میں جبل بردا اور جبل ذکا میں آباد تھے۔ (قلب جزیرۃ العرب ص۲۰۲)

Marfat.com

قصی بن کلاب

قُصَیّ بن کلاب خاندان قریش کے جد اعلیٰ اور ایک درخشندہ و تابندہ شخصیت کے حامل تھے۔ نیز یہ سرور کونین رحمت دارین ﷺ کے اجداد میں بھی شمار ہوتے ہیں۔ اس اجمال کو تفصیل کے زیور سے آراستہ کرنا برمحل اور موزوں معلوم ہوتا ہے۔ ان کا حسب و نسب اس طرح ہے

قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک۔
والدہ فاطمہ بنت سعد بن سیل بن سعید بن حمالہ بن عوف بن عامر تھیں۔

علامہ قطب الدین فرماتے ہیں "قُصَیّ" قاف کا ضمہ اور صاد کا فتح یہ تصغیر ہے "قُصَیّ" کی۔ جس کے معنی بعید کے ہیں۔ ان کا نام زید اور لقب قصی تھا۔ کیونکہ یہ اپنے خویش و اقارب اور وطن سے دور ہو گئے تھے۔ (اعلام الاعلام ص ۳۴۳)

علامہ محمد بن سعد 'طبقات' میں ارشاد فرماتے ہیں کہ کلاب بن مرۃ کی اولاد فاطمہ بنت سعد سے زہرہ اور زید (یعنی قصی) پیدا ہوئے۔ کلاب بن مرہ کی وفات کے بعد ان کی بیوہ فاطمہ بنت سعد نے ربیعہ بن حرام بن ضمنہ بن عبد بن کبیر بن عذرۃ بن سعد بن زید سے عقد کر لیا۔ یہ صاحب قبیلہ قضاعہ سے تعلق رکھتے تھے اور فاطمہ کو اپنی قوم بنی عذرہ کے علاقہ ملک شام میں ساتھ لے گئے۔ زہرہ بن کلاب تو بڑے تھے وہ مکہ ہی میں اپنی قوم کے پاس رہ گئے مگر قصی ہنوز شیر خوار تھے۔ اس لئے والدہ ان کو اپنے ساتھ لے گئی' وطن سے دور چلے جانے کی وجہ سے ان کا نام قصی مشہور ہو گیا۔ جب کہ ان کا اصل نام زید تھا۔ (طبقات ابن سعد جلد ا عنوان قصی)

قصی نے جب ہوش سنبھالا تو اپنے آپ کو ربیعہ بن حرام ہی سے منسوب کرنے لگے' یعنی ربیعہ کو اپنا والد کہتے تھے۔ ایک دفعہ قبیلہ قضاعہ کے ایک شخص رقیع

Marfat.com

سے تیر اندازی کا مقابلہ ہوا' جس میں قصی غالب آ گیا' اور رقیع ان پر غضب ناک ہوا۔ دونوں میں نزاع بڑھا اور ایک دوسرے کو گفتنی و ناگفتنی باتیں کہنے لگے۔ رقیع نے کہا' تو ہمارے خاندان سے تو ہے ہی نہیں۔ اگر اتنا اچھا ہے تو اپنے خاندان میں کیوں نہیں جا ملتا۔

قصی کے لئے یہ بات تعجب خیز تھی جب گھر آئے تو والدہ سے دریافت کیا میرا باپ کون ہے؟ والدہ نے کہا ربیعہ۔ قصی نے کہا اگر ربیعہ میرا باپ ہوتا تو مجھے یہاں سے نکالا نہ جاتا۔ والدہ بولیں بیٹا تم کیا کہہ رہے ہو' نہ تمہیں حسن جوار کا خیال ہے اور نہ ہی حفظ مراتب کا لحاظ۔ میرے بیٹے خدا کی قسم! تو اپنی ذاتی حیثیت' اپنے والد کی حیثیت اور خاندان کی حیثیت سے اس خاندان سے کہیں زیادہ شریف ہے۔ تیرا گھرانہ اس سے بہت اشرف اور معزز ہے۔ کلاب بن مرہ تیرے باپ تھے۔ تیری قوم مکہ معظمہ میں بیت اللہ کے پاس آباد ہے۔

قصی نے کہا جب یہ بات ہے تو پھر خدا کی قسم میں یہاں ہرگز نہیں رہوں گا۔ والدہ نے کہا کہ تنہا جانا خطرہ سے خالی نہیں۔ حجاج کے کسی قافلہ کے ساتھ چلے جانا۔ بہر حال آپ قبیلہ قضاعہ کے کچھ لوگوں کے ساتھ موسم حج میں مکہ آ گئے۔ ان کا بڑا بھائی زہرہ ابھی زندہ تھا مگر بینائی سے محروم تھا۔ اس سے مل کر انہوں نے اپنا رشتہ بتایا' اور مکہ میں رہنے کے ارادہ سے آگاہ کیا۔ حج سے فراغت کے بعد بنی قضاعہ نے انہیں واپس لے جانے کی کوشش تو کی' مگر قصی ایک طاقت ور' سخت مزاج' ثابت قدم' پر جوش جوان تھے۔ واپس جانے سے انکار کر دیا اور مکہ میں مقیم ہو گئے۔

اس زمانہ میں مکہ معظمہ میں خلیل بن حبشیہ الخزاعی حکمران تھا۔ کعبہ شریف کی حجابت یعنی پردہ داری کا منصب بھی اسی کے پاس تھا۔ قصی نے اس کی لڑکی حتی کے لئے شادی کا پیغام دیا۔ خلیل قصی کے اندر جوہر آبدار اور شجاعت کے اوصاف دیکھ چکا تھا۔ اس نے اس پیغام کو شرف قبولیت سے نوازا' جب قصی اس ازدواجی سلسلہ میں منسلک ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ایسی اولاد سے نوازا' جس کی عزت و

Marfat.com

شرافت کا ہر سو چرچا ہونے لگا اور خلیل کے یہ منظور نظر بن گئے۔ تو وہ انہیں اپنا جانشین بنانے کے متعلق سوچنے لگا۔ بڑھاپے اور ضعف کے باعث اس نے کعبہ شریف کی چابیاں اپنی بیٹی حبی کے حوالے کر دی تھیں' چنانچہ کبھی کبھار کعبہ شریف کی چابی انہیں دے دیتا تا کہ کعبہ شریف کا دروازہ کھول کر لوگوں کو زیارت کرائیں۔ جب اس کا انتقال ہونے لگا تو مکہ مشرفہ کی حکومت اور کعبہ معظمہ کی تولیت انہی کے سپرد کر دی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خلیل کی وفات کے بعد اس کے بیٹے ابوغبشان سے قصی نے ایک مشکیزہ شراب کے عوض مکہ کی حکومت خرید لی تھی۔

پھر جب قصی کی اولاد کی شرافت معظم و مسلم مانی جانے لگی اور مال و دولت میں بھی فراوانی ہوگئی' تو قصی کے دل میں مکہ معظمہ کی حکومت کا شوق انگڑائیاں لینے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ قبائل خزاعہ اور بنی بکر کی نسبت مکہ معظمہ کی حکومت اور کعبہ شریف کی تولیت کا میں زیادہ حق دار ہوں۔ کیونکہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی خالص اولاد قریشی ہی ہیں' لہٰذا یہ اُس کا حق ہے۔ چنانچہ قریش بن کنانہ' قصی کے ساتھ مل جائے بھائی رزاح بن ربیعہ اور قبیلہ قضاعہ بھی ان کی رائے سے متفق ہو کر خزاعہ اور بنی بکر کے خلاف صف آرا ہو گئے۔

اس دور میں قبیلہ صوفہ جو غوث بن مر کی اولاد سے تھا' عرفہ کے بعد لوگوں کو ارکان حج کی اجازت دیتا تھا۔ اس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ غوث کی والدہ کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی۔ اس نے اللہ تعالیٰ کے نام نذر مانی کہ اگر اُس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو اُسے کعبہ شریف کی خدمت کے لئے وقف کر دے گی۔ جب اللہ تعالیٰ نے اسے لڑکا عنایت فرمایا تو اس کا نام غوث رکھا۔ ماں نے اپنی نذر پوری کی اور غوث اپنے ماموؤں کے ساتھ مل کر بیت اللہ شریف کی خدمت پر مامور ہو گیا۔ مزدلفہ سے رمی جمار کے لئے سب سے پہلے قبیلہ صوفہ ہی آیا کرتا تھا۔ جب اس قبیلہ کے تمام لوگ رمی سے فارغ ہو جاتے تب دوسرے لوگوں کو رمی کی اجازت ملتی تھی۔ ان کے بعد اس خدمت پر آل صفوان بن حرث مقرر ہوئے۔ صفوان لوگوں کو عرفات سے حج کے لئے لے جایا کرتے تھے۔ اس خاندان کا آخری فرد جس کے دور میں

Marfat.com

اسلام کا ظہور ہوا' ابوسیارہ عملہ بن اعزل تھا جو اس خدمت پر مامور تھا۔ یہ حاجیوں کو مزدلفہ سے مادہ خر پر سوار کر کے منیٰ میں لایا کرتا تھا۔

مگر اب توقصی فیصلہ کر چکا تھا کہ یہ خدمت خود ہی انجام دے گا۔ چنانچہ وہ اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ منیٰ میں جمرات کے پاس پہنچ گیا۔ جب قبیلہ صوفہ اپنے قدیم دستور کے مطابق وہاں آئے تو قصی نے مزاحمت کی اور کہا کہ ان خدمات کے انجام دینے میں ہم تمہاری نسبت زیادہ حقدار ہیں۔ جب تکرار بڑھی تو نوبت جنگ تک پہنچ گئی۔ فریقین کے بے شمار آدمی مارے گئے۔ بنو صوفہ کو شکست ہوئی اور قصی کو غلبہ نصیب ہوا۔ جب رزاح (قصی کے ماں جائے بھائی) نے دیکھا کہ دشمن کا زور ٹوٹ چکا ہے تو قصی سے درخواست کی کہ لوگوں کو اب رمی کے لئے جانے کی اجازت دے دی جائے۔ قصی کے اجازت دینے پر لوگوں نے رمی کی۔ جب یہ ماجرا بنو خزاعہ اور بنو بکر نے دیکھا تو انہیں اپنی فکر دامنگیر ہوئی کہ کہیں خدمت اور مناصب سے ہمیں بھی محروم نہ کر دیا جائے' چنانچہ وہ بھی قصی سے برسرپیکار ہو گئے' زبردست جنگ و جدال اور قتل و قتال کے بعد وہ صلح پر مجبور ہو گئے اور یعمر بن عوف کو حکم مقرر کیا کہ قصی سے صلح کرائے اور اس کا فیصلہ فریقین کے لئے قابل قبول ہوگا۔

یعمر بن عوف نے فیصلہ دیا کہ قصی بن کلاب مکہ کی حکومت اور تولیت کعبہ کا بنی خزاعہ سے زیادہ مستحق ہے اور جس قدر لوگ قصی اور اس کے لشکر کے ہاتھوں قتل ہوئے ہیں ان کا خون بہا ان کے ذمہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی ان سے کوئی باز پرس ہے۔ اور جتنے آدمی قریش' بنی کنانہ اور قضاعہ کے خزاعہ اور بکر کے ہاتھوں قتل ہوئے ہیں' ان کا خون بہا ان کے ذمہ واجب الادا ہے۔ لہٰذا مکہ مکرمہ کی حکومت قصی کے سپرد کر دی جائے' اس طرح قبیلہ خزاعہ سے مکہ کی حکومت قریش کو منتقل ہوئی۔

مؤرخ جلیل علامہ ابن سعد فرماتے ہیں ہمارے دور تک طواف زیارت کرانے کی خدمت قصی کی اولاد میں نسلاً بعد نسل قائم ہے۔ جب کہ امام موصوف کا وصال ۲۳۰ھ میں ہوا۔ (طبقات ابن سعد عنوان اخراج بکر و خزاعہ)

Marfat.com

قصی کے تابندہ و پائندہ کارنامے

مکہ معظمہ کی تمدنی' معاشرتی' معاشی اور سیاسی ترقی کے لئے قصی نے ایسے عظیم الشان کارنامے سرانجام دیئے' جن کی یادگار عرصہ دراز تک قائم رہی۔ قوم کو ترقی کی جس راہ پر گامزن کیا تھا' بتدریج وہ اوج کمال کو پہنچ گئی۔ اس کی چند تابناک جھلکیاں ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہیں

مشعر الحرام انہی کی ایجاد ہے۔ حج کے ایام میں مزدلفہ میں چراغاں کیا جاتا تھا۔ محمد بن عمرو کہتے ہیں کہ قصی نے مزدلفہ میں آگ روشن کرنے کی رسم ایجاد کی تاکہ عرفات سے آنے والے رات کے اندھیرے میں راستہ سے بھٹک نہ جائیں۔ وہ آگ دیکھ کر وہ اپنی منزل پر پہنچ جائیں۔

علامہ ارزقی رحمۃ اللہ علیہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آگ جلانے کا طریقہ حضور نبی کریم ﷺ' سیدنا ابوبکر' سیدنا عمر فاروق اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم کے دور تک جاری رہا۔ (اخبار مکہ ص ۳۱۹)

دار الندوہ کعبہ شریف کے قریب ہی ایک بیش بہا قیمتی اور ذی شان محل تعمیر کیا۔ جس کا دروازہ کعبہ شریف کی طرف کھلتا تھا۔ اس محل کا نام "دارالندوہ" رکھا۔ قریش جب کسی اہم اور خاص کام کا مشورہ کرنا چاہتے تو سب اسی محل میں جمع ہو کر باہم مشورہ کیا کرتے' یہ قریش کا شوریٰ ہال یا پارلیمنٹ ہاؤس تھا۔ ندوہ کا ماخذ ندی ہے اور ندی کا معنی مجمع قوم ہے۔ قوم کے اجتماع کی جگہ کو دارالاجتماع' ندوہ یا دارالندوہ کہا جاتا ہے۔

ہر قسم کے اجلاس اسی محل میں منعقد کئے جاتے۔ جنگی تیاریوں کے انتظامات سے متعلق تمام امور بھی یہیں طے ہوتے۔ شادی بیاہ کی رسوم اور دیگر قومی تقریبات بھی اسی جگہ منعقد ہوتیں۔ قریش کے قافلے جب مکہ سے روانہ ہوتے تو ان کی قافلہ بندی

Marfat.com

اسی ہال میں کی جاتی اور جب وہ سفر سے واپس آتے تو قصی کے فضل و شرف کا اعتراف کرنے کے لئے پہلے دارالندوہ ہی میں اترتے تھے۔
(طبقات ابن سعد جلد اوّل۔ سیرت ابن ہشام اخبار مکہ ص ۳۳)
قصی کے وصال کے بعد دارالندوہ کا محل اس کے بیٹے عبدالدار کے تصرف میں آیا۔ بعد میں عبدالدار سے حکیم بن حزام کی ملکیت میں آیا۔ جس نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک لاکھ درہم میں فروخت کر دیا۔ لوگوں نے طعنہ زنی کی کہ حکیم نے باپ دادا کی عزت و شرف کو بیچ ڈالا ہے' جس کے جواب میں اس نے کہا' اسلام آ جانے کے بعد عزت اور شہرت صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت میں ہے' ایک وقت وہ بھی تھا جب زمانہ جاہلیت میں یہ مکان شراب کے ایک مشکیزہ کے عوض فروخت ہوا تھا' جب کہ میں نے ایک لاکھ درہم میں فروخت کیا ہے۔ (روض الانف جلد ا ص ۸۸)
علامہ قطب الدین حنفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں ظہور اسلام کے بعد بھی مکہ مکرمہ کے مکانات میں سے دارالندوہ بڑا اور زیادہ وسیع مکان تھا۔ بادشاہ اور امراء حج اور عمرہ کے لئے آتے تو اسی میں قیام پذیر ہوتے تھے۔ یہیں سے حرم شریف میں نماز اور طواف کے لئے جاتے تھے۔ اس کا صحن کافی کشادہ تھا۔ لیکن جب بھی سیلاب آتا تو اس میں کوڑا کرکٹ' کیچڑ اور گندگی بھر جاتی' جس سے نہ صرف قرب و جوار کے دوسرے مکانوں کو نقصان پہنچتا بلکہ حرم شریف بھی متاثر ہوتا تھا۔
اس لئے قاضی محمد بن عبداللہ المقدمی اور امیر مکہ بج بن حاج نے خلیفہ المعتضد کے وزیر عبیداللہ بن سلیمان بن وہب کو لکھا کہ دارالندوہ کی حالت سخت ناگفتہ بہ ہے۔ بارش کے وقت چھت ٹپکتی ہے۔ اکثر حصہ منہدم ہو گیا ہے۔ علاوہ ازیں سیلاب' کیچڑ اور کوڑا کرکٹ اس میں پھینک دیتا ہے۔ جب پھر بارش ہوتی ہے تو یہ گندگی حرم شریف میں چلی جاتی ہے' اس طرح یہ حرم شریف اور دوسرے مکانات کے لئے سخت نقصان دہ ہے۔
Marfat.com

اگر اجازت ہو تو برسوں کا جمع شدہ کوڑا کرکٹ نکال دیا جائے اور اس بوسیدہ عمارت کو منہدم کر کے یہاں مسجد تعمیر کر دی جائے۔ یا نماز پڑھنے کے لئے رحبہ بنا دیا جائے۔ جس سے حجاج کو بھی سہولت ہوگی۔ نیز حرم کے قریب سے گزرنے والا برساتی نالہ مٹی سے بھر گیا۔ جس کے باعث بارش کا پانی حرم شریف کی یمانی سمت سے اندر داخل ہو جاتا ہے۔ اس کی کھدائی اور گہرائی کی شدید ضرورت ہے۔ ایک وفد دربار خلافت میں بغداد بھی بھیجا گیا تاکہ خلیفہ کو بھی ان مقاصد سے مطلع کر دیا جائے۔

چنانچہ قاضی بغداد یوسف بن یعقوب نے اس درخواست کو منظور کرتے ہوئے ابوالہیاج عمیرہ بن حیان الاسدی کو اس خدمت جلیلہ پر مامور کیا۔ اور زر کثیر کے علاوہ بہت سا سونا دے کر مکہ شریف بھیج دیا۔ موصوف ۲۸۱ھ کو مکہ شریف پہنچے۔ اور حج سے فارغ ہو کر نالے کی کھدائی شروع کرا دی۔ اسے اس قدر گہرا کیا گیا کہ حرم شریف کی بارہ سیڑھیاں ظاہر ہو گئیں۔ جب کہ صرف پانچ سیڑھیاں باقی رہ گئی تھیں۔ نالے سے جو مٹی نکالی گئی تھی اسے شہر سے باہر پھینکا گیا۔

بعد ازاں دارالندوہ کی بقیہ عمارت گرا دی گئی اور نئی بنیادیں کھود کر مسجد تعمیر کی گئی۔ ور حرم شریف کے وہ دروازے جو اس کی طرف کھلتے تھے انہیں مسجد میں داخل کر دیا گیا اور حرم کی بڑی دیوار میں چھ کشادہ دروازے بنا دیئے جن میں سے ہر دروازہ ۵ ذراع یعنی ۷.۶ فٹ چوڑا اور ۱۱ ذراع یعنی ۶ ۱۶ فٹ اونچا تھا۔ ان بڑے دروازوں میں چھ چھوٹے دروازے بھی تھے جن کی چوڑائی ۲/۱ ۲ ذراع یعنی ۳.۹ فٹ اور بلندی ۸ ذراع یعنی ۱۲ فٹ تھی۔

اس مسجد کے دو بڑے دروازے شمال کی طرف باہر جانے کے لئے بھی بنائے گئے اور ایک دروازہ مغربی سمت بھی رکھا گیا۔ یہ مسجد یا عمارت برآمدہ نما تھی۔ جو دارالندوہ والی جگہ کے چاروں طرف بنی ہوئی تھی۔ پتھر کے ستونوں پر ساگوان کی لکڑی کی چھت ڈالی گئی اور اس پر ایک مینار بھی بنایا گیا۔ یہ تعمیر تین سال

Marfat.com

میں مکمل ہوئی۔ تقریباً ۲۸۴ھ میں کام ختم ہوا۔

خلیفہ معتضد کے بعد جب قاضی محمد ابن موسیٰ مکہ شریف کے قاضی مقرر ہوئے تو انہوں نے اس کی تجدید کا حکم دیا۔ چنانچہ ۳۶۰ھ میں اسے انتہائی مضبوط اور عالی شان بنایا گیا۔ اس کے ستون منقش اور مضبوط پتھر کے اور چھت ساگوان کی بنائی گئی۔ جس میں بے حد نفیس مینا کاری کی گئی تھی۔ اور حرم شریف کی طرف والے دروازے سب ایک جیسے بنائے تاکہ اس حصہ میں اعتکاف بیٹھنے والے اور دوسرے لوگ بیت اللہ شریف کا دیدار کر سکیں۔

علامہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ خوبصورت اور منقش ستون ۹۶۸ھ تک موجود تھے اور ہم نے انہیں اسی طرح مضبوط دیکھا ہے۔

لیکن خاقان خاقان سلطان مراد خان نے انہیں سفید سنگ مرمر سے بنوایا تاکہ زرد پتھر سے بنے ہوئے حرم کے دوسرے ستونوں کی زیبائش کو دوبالا کر دیں۔ اور لکڑی کی چھت کی جگہ انتہائی جاذب نظر، مضبوط اور خوبصورت قبے بنوائے۔ (اعلام الاعلام ص ۱۴۴ تا ۱۴۹)

وہ قبے بحمدہ تعالیٰ آج ربیع الاول ۱۴۲۷ھ مطابق فروری ۲۰۰۶ء تک صحیح وسالم موجود ہیں۔ ان کی پوری تفصیل اس کتاب کی دوسری جلد میں آ رہی ہے۔

سقایہ اور **رفادۃ** حجاج کو پانی پلانا اور کھانا کھلانا۔ غریب اور نادار حجاج کو ایام حج میں کھانا کھلانا خدام حرم کا سب سے بڑا منصب تھا۔ قصی نے حرم شریف میں قریش کے مجمع سے خطاب کیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے زیر پناہ ہو، اہل حرم اور خانہ خدا کے متولی ہو، اور حاجی حضرات اللہ تعالیٰ کے معزز مہمان ہیں، اس کے گھر کے زائر ہیں۔ وہ تمام مہمانوں سے زیادہ عزت و تکریم کے حق دار ہیں۔ لہٰذا تم حج کے ایام میں ان کے لیے کھانے اور پینے کا انتظام کرو۔ ان کی خدمت اور مہمان نوازی اس وقت تک جاری رکھو جب تک وہ مکہ مکرمہ سے رخصت نہیں ہو جاتے۔ قریش نے اپنے سردار کے اس حکم پر خلوص دل سے لبیک کہا اور برضا و رغبت اپنے مال سے حصہ نکال کر قصی کے سپرد

Marfat.com

کر دیتے۔ جس سے سال بھر میں معقول رقم جمع ہو جاتی۔ پھر اس مال سے حج کے دنوں میں مکہ معظمہ اور منیٰ میں حجاج کے لئے کھانے کا انتظام کیا جاتا۔ انہیں پانی کی سہولت بہم پہنچائی جاتی۔ منیٰ اور عرفات میں چرمی حوض بنا کر ان میں پانی جمع کر دیا جاتا۔ جس سے حاجی خوب سیراب ہوتے۔ یہ طریقہ قصی کی قوم میں مسلسل جاری رہا' یہاں تک کہ آفتاب اسلام طلوع ہوا اور اس رواج کو اور بھی زیادہ تقویت پہنچی' اور حجاج کی ضیافت میں مزید اضافہ ہوا۔ امام ابن ہشام (جن کا وصال ۲۱۳ھ میں ہوا) کا بیان ہے

''ہمارے زمانہ میں بھی یہ طریقہ رائج ہے اور سلطان کی جانب سے ہر سال حج کے دنوں میں کھانا پکا کر مساکین میں تقسیم کیا جاتا ہے''۔

(اخبار مکہ ص ۱۳۲' سیرت ابن ہشام عنوان قصی)

یہ دستور ربیع الاول ۱۴۰۰ھ مطابق فروری ۱۹۸۰ء تک جاری ہے۔ منیٰ' مزدلفہ اور عرفات میں حج کے دنوں میں بلاتمیز کھانا دیا جاتا ہے۔ کھانے میں پلاؤ ہوتا ہے جس میں گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے ہوتے ہیں۔ بحمد اللہ راقم الحروف نے ۱۳۹۹ھ میں تناول کیا ہے۔

علامہ قطب الدین کا ہدیہ سپاس

جب قصی بن کلاب بیت اللہ شریف کی تولیت اور مکہ مکرمہ کی حکومت پر پوری طرح قابض ہو گیا تو اس نے اپنی قوم کو تمام اطراف سے بلا کر مکہ شریف میں آباد کیا۔ کعبہ شریف سے تھوڑے فاصلہ پر چاروں طرف ان کے مکانات ہوائے' کعبہ شریف اور مکانات کے درمیان فاصلے کا نام ''المفروش'' رکھا۔ جسے اب حرم یا مطاف کہا جاتا ہے۔ مکانات کے دروازے بیت اللہ کی طرف رکھوائے اور ہر دو مکان کے بعد راستہ رکھا گیا' تا کہ حرم میں آنے کی آسانی ہو۔ جو منصب درخدمات اہل مکہ نے سپرد تھیں ان سب پر اپنی قوم کے لوگوں کو مامور کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ جو خدمات ان لوگوں کے سپرد کی گئی ہیں وہ دین کا جزو بن گئی ہیں' انہیں

Marfat.com

تبدیل کرنا ناجائز اور ناروا ہے حتیٰ کہ ظہور اسلام تک وہ برابر قائم رہیں لیکن اسلام نے ان تمام امور کو باطل اور نیست و نابود کر دیا۔

قصی پہلا شخص تھا جسے حکومت نصیب ہوئی اور ساری قوم نے اس کی اطاعت کی' اور کعبہ شریف کی تمام خدمات مثل سقایہ' حجابہ' رفادہ' ندوہ اور لواء وغیرہ اس کے تصرف میں آ گئیں۔ اس نے مکہ معظمہ کے بالائی حصہ میں اقامت اختیار کی۔

قصی نے حجاج کی خدمت اور وضع داری کے پیش نظر سقایہ کی خدمت میں بہت زیادہ جدت پیدا کی۔ حجاج کے لئے نہایت خوشگوار قسم کا پانی باہر سے درآمد کیا جاتا اور پھر اس میں کھجور اور انگور نچوڑ کر اور زیادہ خوش ذائقہ بنایا جاتا' مکہ والوں کے لئے وہ بے حد پسندیدہ مشروب تھا۔ اسی طرح رفادہ کا انتظام بھی بہت عمدہ کیا۔ جب تک حاجی مکہ مکرمہ میں رہتے ان کو مقدور بھر نہایت عمدہ اور اعلیٰ قسم کا کھانا کھلایا جاتا تھا۔ اور یہ طریقہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور تک برابر جاری رہا۔ اس کے بعد بھی جو ملوک وسلاطین سریر آرائے اقتدار رہے انہوں نے اس نیک دستور کو قائم رکھا۔ علامہ تقی الدین فاسی فرماتے ہیں یہ رواج زمانۂ جاہلیت میں شروع ہوا اور صدر اسلام میں بھی قائم رہا۔ لیکن آج ہمارے دور میں یہ طریقہ مفقود ہے۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ ختم کب ہوا تھا۔

جب قصی بوڑھا ہو گیا تو اس نے یہ تمام عہدے اپنے بیٹوں میں منتقل کر دیئے۔ عبدالدار جو اس کا بڑا بیٹا تھا اسے ان تمام عہدوں کا انچارج بنایا' بعد میں بنی عبد مناف' ہاشم' عبدالشمس مطلب اور بنی نوفل وغیرہ جمع ہوئے۔ انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ حجابہ' سقایہ' رفادہ اور لواء وغیرہ کے ہم زیادہ حقدار ہیں' کیونکہ ہم شرف و مجد میں ان پر فضیلت رکھتے ہیں۔ قریش میں اس بات پر شدید اختلاف پیدا ہو گیا' بعض تو اس حق میں تھے کہ عبد مناف اس کے زیادہ حقدار ہیں اور بعض کا خیال تھا کہ عبدالدار ہی کے پاس یہ عہدے رہیں گے۔ کیونکہ ہمارے جد اعلیٰ نے انہیں تفویض

Marfat.com

کئے تھے۔ ان کا باہم اختلاف جنگ پر منتج ہوا۔ اور بالآخر صلح اس بات پر ہوئی کہ سقایہ اور رفادہ بنی عبد مناف کو ملیں اور حجابہ ندوہ اور لواء بنی عبد الدار ہی کے پاس رہیں۔ مگر اس پر بنو ہاشم نے شور مچایا جس کے باعث رفادہ اور سقایہ ہاشم کو بھی مل گیا۔ (اعلام الاعلام بیان قصی بن کلاب ص ۳۳)

قصی کا زمانہ

تاریخ حمزہ اصفہانی میں قاضی دکیع سے مروی ہے کہ ان کا زمانہ ایران کے شاہ فیروز بن یزدگرد کا ہمعصر ہے اور مورخ ابو طاہر مقدسی نے ایران کے بادشاہ بہرام گور کا معاصر بیان کیا ہے۔ گویا کہ ۴۳۱ء سے ۴۷۳ء تک ان کی معاصرت ہوئی جو اوپر بیان کردہ تاریخوں سے پوری طرح مطابقت رکھتی ہے۔

(ارض القرآن عنوان قریش)

معاشی استحکام

تجارت اور سوداگری عربوں کا قدیم اور باعزت پیشہ تھا۔ قصی اور ہاشم نے قریش کے کاروانِ تجارت کو منظم کیا۔ یمن اہل حبش کے زیر نگیں تھا اور شام پر مدتوں رومی حکمراں تھے۔ چنانچہ ہاشم نے نجاشی شاہ حبشہ اور قیصر روم سے تجارتی معاہدہ کیا۔ موسم سرما میں یمن سے تجارت کی جاتی اور گرمیوں میں ملک شام سے۔ قریشی بیوپاری ایشیائے کوچک تک بھی جاتے تھے' اگرچہ عرب میں لوٹ مار اور بدامنی کا عام دور دورہ تھا۔ مگر قریش کے کاروانِ تجارت بے خطر آیا جایا کرتے تھے۔ چونکہ قریش کا وطن مکہ مکرمہ تھا جہاں کعبۃ اللہ ہے۔ اور کعبہ مشرفہ کی عظمت اہل عرب کے دلوں میں گھر کئے ہوئے تھی۔ اس لئے وہ قریش کو ''جیران اللہ'' یعنی اللہ تعالیٰ کے پڑوسی سمجھتے' اور ان کی عزت و تکریم کرتے تھے۔ اس بنا پر ان کے قافلوں کی رہزنی کا خدشہ نہیں تھا۔ یہ قافلے ذیقعدہ میں واپس لوٹ آتے تھے۔ اور غالباً

Marfat.com

اس مہینہ کا نام ذیقعدہ یعنی بیٹھنے کا مہینہ اسی وجہ سے رکھا گیا کہ وہ اس ماہ میں مکہ میں ضرور موجود رہتے تھے۔ (ارض القرآن ص ۳۴۲)

قریش کے تجارتی قافلے ہزار ہا اونٹوں پر مشتمل ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک عیسائی مؤرخ لکھتا ہے۔

"قریش کے قافلے دو تین ہزار اونٹوں پر مشتمل ہوتے تھے جن پر سونا' چاندی' چمڑا' گھی اور دوسرا سامانِ تجارت ہوتا تھا' جن کے ساتھ دو' دو تین تین سو آدمی ہوتے تھے"۔ (حیات محمد ص ۳۰)

قصی بن کلاب کے چار بیٹے تھے۔ عبدالدار' عبد مناف' عبدالعزیٰ اور عبد۔ جب قصی کا وصال ہو گیا تو انہیں حجون (معابدہ) میں دفن کیا گیا۔ ان کا جانشین عبد مناف کو بنایا گیا۔ قریش کے تمام امور انہیں تفویض کیے گئے۔ قصی نے قوم کی بہبود کی خاطر جو محلات تعمیر کرنا شروع کیے تھے ان کی تکمیل عبد مناف نے کی۔ بلکہ کئی اور بھی اس نوعیت کے محلات بنائے۔ عبد مناف کے چھ بیٹے تھے۔ مطلب' ہاشم' عبدالشمس' نوفل' ابوعمرو اور ابوعبید۔

ہاشم

عمرو نام اور ہاشم لقب تھا' عربی میں "ہشم" روٹی کا چورا بنانے کو کہا جاتا ہے۔ اس کا اسم فاعل "ہاشم" ہے۔ یعنی روٹی کا چورا کرنے والا۔ باپ کے وصال کے بعد رفادہ اور سقایہ کا انہیں متولی بنایا گیا۔

اس خطاب کے ملنے کا سبب یہ ہوا کہ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ سخت قحط کا شکار ہو گیا۔ لوگ بالکل نادار ہو گئے۔ غربت اور بھوک نے ان کا برا حال کر دیا۔ انہیں کہیں سے بھی خوراک میسر نہ آتی تھی۔ عمرو کو قریش کی حالت زار پر ترس آیا اور اپنی دولت ساتھ لے کر شام کا سفر کیا۔ وہاں سے بہت بڑی تعداد میں روٹیاں خریدیں' بوریوں اور تھیلیوں میں بھر کر اونٹوں پر لاد کر مکہ مکرمہ آ گیا۔ یہاں پہنچ کر

Marfat.com

تمام لوگوں کی دعوت کی۔ روٹیوں کا چورا بنایا اور وہی اونٹ جن پر روٹیاں لائی گئی تھیں انہیں ذبح کر کے بڑی بڑی دیگوں میں پکایا۔ اور دیگیں بڑی بڑی مشکوں اور پراتوں میں الٹ دیں۔ اور روٹیوں کا چورا ان میں ڈال کر ثرید بنایا۔ اور مکہ والوں کو خوب پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔ قحط کی جان لیوا مصیبت کے بعد پہلی بار فراوانی اور ارزانی سے انہیں کھانا نصیب ہوا۔ اسی سبب سے ان کا نام ہاشم مشہور ہوگیا۔ (طبقات ابن سعد عنوان ہاشم)

امام طبری لکھتے ہیں کہ ہاشم فلسطین سے بہت سا آٹا خرید کر مکہ لائے۔ ان کی روٹیاں پکوائیں اور بہت سے جانور ذبح کر کے گوشت تیار کرایا۔ پھر ان روٹیوں کا چورا بنا کر ثرید تیار کیا اور اپنی قوم کی دعوت کی۔ (تاریخ طبری جلد ا عنوان ہاشم)

ہاشم بڑے زیرک اور مدبر تھے۔ اپنے فرض کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے۔ حجاج کو نہایت سیر چشمی سے کھانا کھلاتے۔ انہوں نے منیٰ میں چرمی حوض بنا کر پانی کی سبیل لگائی۔ اپنی دانائی اور حسن معاملات کی بدولت انہوں نے قریش کی تجارت کو چار چاند لگا دیئے۔ قیصر روم سے مراسلت کر کے یہ فرمان جاری کرایا کہ جب قریش کا مال تجارت اس کے ملک میں آئے تو اس پر ٹیکس نہ لگایا جائے۔ شاہ حبشہ سے بھی اسی قسم کا حکم نامہ حاصل کیا۔ چنانچہ جب قریش کا کاروان تجارت انقرہ میں داخل ہوتا تو قیصر بڑی عزت وحرمت سے اس کا خیر مقدم کرتا۔

عرب میں قزاقی اور رہزنی کے باعث راستے محفوظ نہیں تھے۔ مگر ہاشم نے مختلف قبائل کا دورہ کر کے ان سے معاہدہ کر لیا کہ وہ قریش کے کاروان تجارت کو ضرر نہیں پہنچائیں گے۔ (طبقات ابن سعد جلد ا عنوان ہاشم)

ہاشم پہلے شخص ہیں جنہوں نے قریش کے لئے سال میں دو تجارتی سفر رائج کئے۔ ایک جاڑے میں اور دوسرا گرمی کا اور ان دونوں کا ذکر قرآن مجید میں سورہ قریش میں بیان ہوا ہے۔ (طبری جلد اول عنوان ہاشم)

حاجیوں کی آسائش اور خورد ونوش کی سہولت بہم پہنچانے کے لئے آپ ہر

Marfat.com

سال بہت سا مال وقف کر دیتے۔ قریش بھی بڑی فراخ دلی سے اس معاملہ میں ان کا تعاون کرتے۔ ہر ایک آدمی سو سو مثقال سالانہ پیش کرتا۔ ہاشم چاہ زمزم کے قریب بڑے بڑے حوض بنا کر انہیں مکہ معظمہ کے کنوؤں کے پانی سے بھر دیتے۔ مکہ معظمہ' منیٰ اور عرفات میں حجاج کو کھانا کھلاتے' ثرید جو عرب کا انتہائی مرغوب کھانا تھا' اس سے حجاج کی ضیافت کرتے' گوشت روٹی' گھی روٹی اور چھوارے اور ستو کی ثرید بنایا کرتے تھے۔ جب تک حجاج مناسک حج سے فارغ نہیں ہو جاتے تھے یہ ضیافت شب و روز جاری رہتی تھی۔

زندگی کے آخری ایام میں آپ شام کے سفر پر روانہ ہوئے' مگر غزہ کے مقام پر بیمار ہو گئے' وہاں ہی وصال ہوا اور اسی جگہ دفن کر دیئے گئے۔

ہاشم کے چار بیٹے تھے۔ شیبة الحمد' صیفی' اسد اور نضلہ۔

(طبقات ابن سعد زیر عنوان ہاشم)

عبدالمطلب

ان کا نام شیبہ اور عبدالمطلب تخلص تھا۔ سرور کونین رحمت دارین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے جد امجد تھے۔ عرصہ دراز تک بڑی شفقت اور رحمدلی کے ساتھ آپ کی پرورش کرتے رہے۔

ہاشم آخری مرتبہ جب تجارت کے لئے شام جا رہے تھے تو مدینہ طیبہ میں چند دن قیام کیا۔ بازار میں ایک عورت پر آپ کی نظر پڑی جس کی حرکات و سکنات سے شرافت و فراست ٹپکتی تھی اور حسن و جمال میں بے نظیر تھی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس کا نام سلمیٰ ہے اور بنی نجار کے خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ ہاشم نے اس سے شادی کی درخواست پیش کی جو قبول ہو گئی اور نکاح ہو گیا۔

بیوی کو ساتھ لے کر شام کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ مگر اتفاق سے غزہ کے مقام پر آپ کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت سلمیٰ امید سے تھی اس کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا جس کا نام شیبہ رکھا گیا۔ نومولود نے تقریباً آٹھ برس مدینہ منورہ میں والدہ کے

Marfat.com

ہاں پرورش پائی۔

ادھر جب ہاشم کے بھائی مطلب کو ان واقعات کا علم ہوا تو انہوں نے مدینہ پہنچ کر بھتیجے کی تلاش شروع کر دی۔ ان کی آمد اور تلاش کی اطلاع جب سلمیٰ کو ہوئی تو اس نے انہیں بلا بھیجا۔ مطلب کو تین دن مہمان رکھا' اس کی خدمت کی اور چوتھے دن شیبہ کو ان کے ہمراہ مکہ روانہ کر دیا۔ مکہ میں ان کا نام عبدالمطلب مشہور ہوا۔ یعنی مطلب کا غلام۔ ارباب سیر نے اس کی وجہ تسمیہ میں بہت سے اقوال نقل کئے ہیں۔

جب مطلب مکہ میں داخل ہوئے تو یہ نوعمر لڑکا اونٹ پر ان کے پیچھے سوار تھا' قریش نے اسے دیکھ کر کہا' یہ ''عبدالمطلب'' ہے یعنی مطلب کا غلام ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ خود مطلب نے کہا تھا یہ میرا غلام ہے۔ لیکن صحیح تر قول یہ ہے کہ اس یتیم لڑکے کی پرورش مطلب نے کی تھی اسی نسبت سے عبدالمطلب مشہور ہو گئے۔ (طبقات ابن سعد جلد ا' عنوان عبدالمطلب' سیرت ابن ہشام عنوان عبدالمطلب)

عبدالمطلب بڑے خوبصورت' جسیم و حکیم' دانش ور اور فصاحت و بلاغت میں مشہور تھے۔ عرب کے قاضی' قریش کے سردار' بے حد شریف اور حلیم الطبع تھے۔ جو بھی انہیں ایک نظر دیکھ لیتا' ان پر فدا ہو جاتا۔ ملت ابراہیمی کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے' رمضان شریف کا پورا مہینہ جبل حراء پر عبادت میں گزارتے' غرباء اور مساکین کو کھانا کھلاتے' بلکہ وحشی جانوروں اور پرندوں کو بھی کھلاتے پلاتے تھے۔ شراب نوشی' محرم عورتوں سے نکاح کرنے اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے سخت متنفر تھے۔ اپنی اولاد کو ظلم و ستم اور بغاوت سے بچنے کی تلقین کرتے تھے۔ (تاریخ التقویم جلد ا ص ٦٠)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عبدالمطلب طویل القامت اور نہایت خوبصورت تھے۔ حطیم میں ان کے بیٹھنے کے لئے ایک غالیچہ بچھا رہتا تھا' جس پر کوئی دوسرا آدمی نہیں بیٹھتا تھا۔ (تاریخ التقویم جلد ا ص ٦١)

Marfat.com

امام ابن سعد روایت کرتے ہیں:

"عبدالمطلب بے حد شریف اور جود و سخا میں بہت مشہور تھے۔ یہ اس قدر فیاض تھے کہ قوم انہیں "الفیض" کے نام سے یاد کرتی تھی۔ قوم ان کی اطاعت میں فخر محسوس کرتی تھی"۔ (طبقات ابن سعد جلد اول' عنوان عبدالمطلب)

مطلب کے وصال کے بعد رفادہ اور سقایہ (حاجیوں کو کھانا کھلانا اور پانی پلانا) کی خدمات ان کے سپرد ہوئیں اور تادم مرگ انہیں بحسن و خوبی انجام دیتے رہے۔ حجاج کو پانی پلانے کے لئے مکہ مشرفہ میں کئی حوض بنوائے جنہیں کنووں کے پانی سے بھر دیتے تھے۔ (کیونکہ اس زمانہ میں زمزم کا کنواں بند تھا جسے بعد میں خواب کے ذریعہ آپ کو صاف کرنے کا حکم ہوا' ہم نے اس کی پوری تفصیل اس کتاب کی دوسری جلد میں بیان کی ہے)۔ پھر جب آپ نے زمزم کا کنواں کھود کر صاف کر دیا تو شہر میں حوضوں کے ذریعہ پانی جمع کرنے اور پلانے کا دستور ختم ہو گیا۔ البتہ منیٰ' عرفات کے حوض زمزم سے بھر دیئے جاتے جن سے حجاج کو پانی پلایا جاتا تھا۔ (طبقات ابن سعد جلد اول' عنوان عبدالمطلب)

ان کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ چاہ زمزم کھودنے کا تھا۔ چاہ زمزم جسے مضاض جرہمی نے کعبہ شریف کی قیمتی اشیاء ضائع ہونے کے خوف سے کنوئیں میں ڈال کرا سے مٹی سے بھر دیا تھا۔ تقریباً پانچ سو سال گزر جانے کے بعد زمین برابر ہو گئی' لیکن انہوں نے اس کا کھوج لگا کر کھدوا اور از سر نو درست کیا۔

- امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ' ہشام بن محمد سے روایت کرتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں سب سے پہلے عبدالمطلب نے خضاب کا استعمال کیا ہے۔ وہ ایک مرتبہ یمن کے ایک حمیری سردار کے گھر ٹھہرے ہوئے تھے تو اس نے مشورہ دیا کہ اگر آپ ان سفید بالوں کا رنگ بدل دیں تو آپ جوان نظر آئیں گے۔

چنانچہ اس نے تجربہ کے طور پر انہیں مہندی کا خضاب کیا اور پھر اس پر وسمہ چڑھا دیا جب آپ وطن لوٹنے لگے تو اس نے کچھ خضاب تحفۃً دے دیا۔ اس

Marfat.com

طرح مکہ میں بھی اس کا رواج چل نکلا۔ (طبقات ابن سعد عنوان عبدالمطلب)

عبدالمطلب نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر وہ اپنی زندگی میں دس بیٹوں کو جوان دیکھ لیں تو ان میں سے ایک لڑکا خدا کی راہ میں قربان کریں گے۔ جب ان کی آرزو کو اللہ کریم نے پورا کر دیا۔ تو منت پوری کرنے کے لئے اپنے سب بیٹوں کو ساتھ لے کر کعبہ شریف میں آئے اور قرعہ ڈالا۔ جس میں عبداللہ کا نام نکلا۔ چونکہ عبداللہ باپ کے انتہائی منظورِ نظر اور محبوب تھے' اس لئے ان کا دل پریشان ہو۔ لیکن روٗسائے قریش نے مشورہ دیا کہ عبداللہ کے بدلے سو اونٹ قربان کر کے منت پوری کر لیں۔ اس طرح انہوں نے سو اونٹ ذبح کر کے نذر پوری کر دی۔

جب عبداللہ قربانی سے بچ گئے تو والد گرامی قدر نے قبیلہ زہرہ کے رئیس وہب بن عبد مناف کی صاحب زادی آمنہ جو قریش کے تمام خاندان میں ممتاز تھیں' سے شادی کر دی' شادی کے کچھ عرصہ بعد آپ تجارت کی غرض سے ملک شام گئے۔ واپسی پر مدینہ طیبہ جب پہنچے تو بیمار ہو گئے۔ بالآخر اسی بیماری میں انتقال ہو گیا' اور مدینہ طیبہ ہی میں دفن ہوئے۔ (طبقات ابن سعد عنوان عبدالمطلب)

آپ کی قبر مبارک مدینہ منورہ ہی میں چودہ سو سال سے مرجع خلائق بنی رہی۔ گذشتہ سال جب سعودی حکومت نے مسجد نبوی شریف کے توسیعی پروگرام کے باعث آپ کی قبر اکھاڑی تو میت بالکل تروتازہ اور صحیح سالم تھی۔ آپ کی قبر کے قریب ہی دو صحابہ علیہم کی قبریں بھی تھیں ان کی میتیں بھی بالکل محفوظ نکلیں۔ ان میتوں کو جنت البقیع میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ جنوری ۱۹۷۸ء میں پاکستانی اخبارات میں یہ خبر شہ سرخیوں سے شائع ہوئی تھی۔

واقعہ اصحاب فیل

ہوا یوں کہ نجاشی شاہ حبشہ نے ابو یکسوم ابرہہ کو چار ہزار کا لشکر جرار دے کر یمن فتح کرنے کو بھیجا۔ اس نے یمن فتح کرنے کے بعد وہاں کے باشندوں پر سخت

Marfat.com

ظلم و تشدد کیا۔ بادشاہوں کو محتاج اور غربا کو بہت ذلیل کر دیا۔ ان مظالم کو دیکھ کر حبشہ کا ایک شخص ابویکسوم ابرہہ الاشرم نے اہل یمن کو اتحاد کی دعوت دی۔ چنانچہ سب نے متحد ہو کر ارباط کو قتل کر دیا اور ابرہہ یمن کا حکمران بن گیا۔ اس کی ناک کٹی ہوئی تھی اس لئے اسے اشرم کہا جاتا تھا۔ (تفسیر روح المعانی جلد ۱۵ سورہ فیل)

اس نے ایک عالیشان محل سرخ و سفید' زرد و سیاہ پتھروں کا بنایا' جو سونے چاندی سے مجلی اور جواہرات سے مرصع تھا۔ دروازوں پر سونے کے پترے اور کیل لگائے۔ دیواروں پر اتنی زیادہ کستوری مل گئی کہ دیواریں سیاہ ہو گئیں' اور اس کے اندر ایک بہت بڑا یاقوت نصب کیا۔ اور یہ اعلان کیا کہ آئندہ مکہ میں کعبہ کا حج کرنے کوئی نہیں جا سکتا' بلکہ ہمارے کعبہ کا حج کیا جائے گا۔ (طبقات ابن سعد جلد ا عنوان ابرہہ اشرم)

اس وقت تک عرب قبائل کے دل میں کعبہ شریف کی عزت و تکریم قائم تھی۔ وہ کعبہ کے مقابلہ میں کسی محل کو ترجیح نہیں دے سکتے تھے۔ چنانچہ ایک دن رات کے اندھیرے میں ایک آدمی موقع پا کر اس محل میں جا گھسا اور اس میں خوب نجاست مل دی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک عرب قبیلہ وہاں ٹھہرا ہوا تھا ان کے آگ جلانے سے محل میں بھی آگ لگ گئی اور وہ جل کر خاکستر ہو گیا۔

جب ابرہہ کو اطلاع ملی تو وہ آگ بگولا ہو گیا۔ اس نے قسم کھائی کہ جب تک وہ عربوں کے کعبہ کو (نعوذ باللہ) تہس نہس نہیں کرتا' چین سے نہیں بیٹھے گا۔ وہ کوہ قامت ہاتھی اور ایک لشکر جرار لے کر مکہ کو روانہ ہو گیا۔ اس نے یہ مذموم منصوبہ بنایا تھا کہ کعبہ کے ستونوں میں لمبی اور مضبوط زنجیریں باندھ کر ہاتھیوں کے گلے سے باندھی جائیں اور پھر یک بارگی ہاتھیوں کو ہنکا کر کعبہ کو منہدم کر دیا جائے۔

اثنائے راہ میں متعدد عرب قبائل بڑھ چڑھ کر اس کی فوج پر حملہ آور ہوئے مگر ہزیمت اٹھا کر پسپا ہو گئے۔ بالآخر وہ مکہ معظمہ کے قریب پہنچ گیا' اور اپنی فوج کو حکم دیا کہ مکہ والوں کی بھیڑ بکریاں اور اونٹ وغیرہ جو کچھ نظر آئے اس پر قبضہ کر لو۔ چنانچہ رئیس قریش عبدالمطلب کے دو سو اونٹ بھی گرفتار کر لئے گئے۔ جب

Marfat.com

عبدالمطلب کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ ابرہہ کے پاس گئے۔ اس نے ان کا وجیہہ چہرہ دیکھا تو تعظیم سے کھڑا ہو گیا اور تخت سے اتر کر نیچے ان کے برابر بیٹھ گیا۔ جب عبدالمطلب نے اپنے اونٹوں کی واپسی کا مطالبہ کیا تو وہ برافروختہ ہو کر کہنے لگا' جب آپ کو میں نے آتے دیکھا تو میرے دل میں آپ کی عزت پیدا ہوئی' مگر آپ کے انتہائی کمزور سے مطالبہ نے اس کو ختم کر دیا ہے۔ میں تو تمہارے دین کے کعبہ کو نیست و نابود کرنے آیا ہوں اور تمہیں اس کی تو فکر نہیں اور اپنے اونٹوں کی پڑی ہوئی ہے۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ اونٹ میرے ہیں اس لئے مجھے ان کی فکر ہے اور جس کا کعبہ ہے وہ خود اس کی حفاظت کر سکتا ہے۔ کہنے لگا تمہارا خدا کعبہ کو میرے ہاتھ سے نہیں بچا سکتا۔ عبدالمطلب نے کہا' تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو۔

عبدالمطلب نے واپس آ کر ایک بڑی جماعت کے ساتھ کعبہ شریف کا پردہ پکڑ کر آہ و زاری سے دعا کی کہ پروردگار تو اپنے گھر کی حفاظت کا خود انتظام فرما ہم تو بے بس ہیں۔ اس کے بعد اپنی قوم کو ساتھ لے کر پہاڑوں پر چڑھ گئے۔ انہیں یقین تھا کہ اس خطا کار قوم پر ضرور عذاب خداوندی نازل ہوگا۔ ادھر ابرہہ نے بیت اللہ پر حملہ کی تیاریاں مکمل کر لیں۔ سب سے بڑا ہاتھی جس کا نام ''محمود'' تھا آگے چلنے کے لئے تیار کیا تو نفیل بن حبیب جسے راستہ سے گرفتار کر کے لائے تھے اس نے ہاتھی کا کان پکڑ کر کہا تو جہاں سے آیا ہے وہیں صحت و سلامتی سے واپس لوٹ جا' کیونکہ تو اللہ تعالیٰ کے ''بلد امین'' (محفوظ شہر) میں ہے۔ یہ سنتے ہی ہاتھی فوراً بیٹھ گیا۔ فیل بانوں نے اسے اٹھانے کی انتہائی کوشش کی' آہنی گرز مارے' ناک میں لوہے کا آنکڑا ڈال کر کھینچا' مگر وہ اپنی جگہ سے سر مو بھی نہیں ہلا۔ جب لوگوں نے اسے یمن کی طرف چلانا چاہا تو فوراً کھڑا ہو گیا۔ پھر شام کی طرف چلانا چاہا تو بھی چلنے لگا۔ مشرق کی طرف چلایا تب بھی چلا' مگر کعبہ شریف کی طرف ذرہ برابر بھی آگے نہیں بڑھا۔ اسی اثناء میں دریا کی طرف سے پرندوں کے غول آتے دکھائی دیئے' ہر ایک پرندہ کے پاس چنے یا مسور کے برابر تین کنکریاں تھیں۔ ایک ایک

Marfat.com

کنکری اُن کی چونچ میں اور دو پنجوں میں تھیں۔ پرندے فوراً ابرہہ کے لشکر پر چھا گئے۔ اور اس پر کنکریوں کی بارش کر دی۔ جس پر کنکری پڑتی اسے تباہ کر دیتی۔ انہوں نے لوگوں کے بدن چھلنی کر دیئے۔ آن واحد میں تمام لشکر کھائے ہوئے گھاس پھوس کی طرح ہو گیا' لشکر کے سرغنہ ابرہہ کو اس سے بھی زیادہ عبرتناک سزا دینا مقصود تھا' اس لئے وہ وہاں میدان میں نہ مرا بلکہ واپس یمن کو چل دیا۔ مگر اس کے جسم میں کنکریوں سے کچھ ایسا زہر سرایت کر گیا تھا کہ اس کا ایک ایک جوڑ گل سڑ کر بدن سے علیحدہ ہونے لگا۔ اسی حالت میں وہ اپنے دارالحکومت صنعاء میں پہنچا کہ اس کا سارا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر گیا اور وہ واصل جہنم ہوا۔ اس کے بعد قدرت خداوندی نے ایک ایسی طوفانی بارش نازل کی جس کے ریلے میں یہ تمام منحوس لاشیں بہہ کر سمندر میں غرق ہو گئیں' اور یہ تمام علاقہ صاف ستھرا ہو گیا۔

''محمود'' ہاتھی صحیح سالم واپس لوٹ گیا۔ چونکہ اس مہم میں ابرہہ حبشی ہاتھی لے کر آیا تھا اس لئے عرب اس مہم کو "واقعة الفیل" اور اس سال کو "عام الفیل" کہتے ہیں۔ یہ واقعہ حضور نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت سے چالیس دن پہلے وقوع پذیر ہوا تھا۔ (معارف القرآن جلد ۸' سورہ فیل)

مفسرین نے ابابیل کے رنگ' جسامت اور کنکریوں کی جسامت کے متعلق مختلف اقوال بیان کئے ہیں۔ امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> ''حضرت عطاء' عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ پرندوں کا رنگ ابرہہ کے حبشی فوجیوں کی طرح کالا تھا۔ درحقیقت ان کے کفر اور معصیت کے باعث سیاہ رنگ پرندے بھیجے گئے''۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> ''سفید پرندے تھے' جو کفر و معصیت کی صفت کے برعکس رنگ ہے''۔

بعض روایات میں ان کا رنگ سبز بیان کیا گیا ہے اور ان کے سر درندوں کی طرح بتائے جاتے ہیں۔

Marfat.com

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ ان مختلف روایات میں تطبیق اس طرح دیتے ہیں کہ پرندوں کے بعض لشکر سفید بعض سیاہ اور بعض سبز رنگ کے تھے۔ جس رنگ کے پرندے جس آدمی نے دیکھے اس نے وہی کیفیت بیان کر دی ہے۔ (تفسیر کبیر جلد ۸ ص ۴۸۳)

علامہ محمود الوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

''امام ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے نوفل رضی اللہ عنہ بن ابی معاویہ دیلمی سے روایت بیان کی ہے وہ کنکریاں مسور سے بڑی اور چنے سے چھوٹی تھیں''۔

لیکن امام ابونعیم نے دلائل النبوت میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں کنکریاں بندق (ریٹھہ) کے برابر بیان کی گئی ہیں۔ اور ابن مردویہ کی روایت میں بکری کی مینگنیوں کے برابر بتایا گیا ہے۔ (تفسیر روح المعانی' جلد ۱۵ ص ۲۷۳)

امام ابن کثیر اور علامہ محمود الوسی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے۔ سرزمین عرب میں اسی سال چیچک کا مرض ظاہر ہوا جب کہ اس سے پہلے اس مرض کا کہیں نام ونشان نہیں پایا جاتا تھا۔ اور اسی سال حرمل' حنظل اور آک بھی عرب میں پیدا ہوئے۔ (تفسیر روح المعانی' جلد ۱۵ ص ۲۷۴۔ تفسیر ابن کثیر' سورۃ فیل)

Marfat.com

باب چہارم

ظہورِ قدسی

سے خالد بن عبدالعزیز تک

- انتظامی، سماجی اور
- سیاسی اصلاحات

Marfat.com

- ظہور قدسی ﷺ
- معراج النبوی ﷺ
- ہجرت مدینہ
- صلح حدیبیہ سے فتح مکہ تک
- شق القمر
- خلافت راشدہ سے مملکت سعودیہ تک

Marfat.com

ظہورِ قدسی

چمنستانِ عالم میں بارہا روح پرور اور فرحت انگیز بہاریں آئیں۔ چرخ نادرہ کار نے کئی بار بزم عالم اس سرو سامانی سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئیں۔ لیکن آج سے چودہ سو برس قبل ایک ایسا دن بھی آیا جس کے انتظار میں پیر کہن سال دہر نے کروڑوں برس صرف کر دیے۔ سیارگانِ فلک اسی دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے۔ چرخ کہن مدت ہائے دراز سے اسی صبح جاں نواز کے لئے لیل و نہار کی کروٹیں بدلتا رہا۔ کارکنانِ قضا و قدر کی بزم آرائیاں اور نیرنگیاں' عناصر کی جدت طرازیاں' مہ و خورشید کی فروغ انگیزیاں' ابر و باد کی تردستیاں' عالم قدس کے انفاس پاک' توحید ابراہیم علیہ السلام' جمال یوسف علیہ السلام' معجز طرازی موسیٰ علیہ السلام اور جان نوازی مسیح سب اسی لئے تھے کہ یہ متاع گراں مایہ ارز شہنشاہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں خاک لابی کی خدمت انجام دیں۔

اس رات کسریٰ ایران کا قصر ابیض ایک خوفناک زلزلے کی گرفت میں آ گیا اور اس کے فلک بوس محل کے چودہ کنگرے زمین بوس ہوئے۔ دریائے ساوہ جہاں آتش پرست اپنے نومولود بچوں کو غسل دیا کرتے تھے' خشک ہو گیا۔ آتش کدہ

Marfat.com

فارس جو صدیوں سے فروزاں تھا' ٹھنڈا پڑ گیا۔ سچ تو یہ ہے کہ ایوان کسریٰ نہیں' بلکہ شان تجمل شوکت روم' اوج چین کے فلک ہائے بوس پیوند خاک ہو گئے۔ آتش فارس ہی نہیں بلکہ جحیم شرر آتش کدہ کفر' آذر کدۂ گمراہی بھی سرد ہو کر رہ گئے۔ صنم خانوں کی شوکت تاخت و تاراج ہو گئی' بت کدوں میں خاک اُڑنے لگی۔ شیرازۂ مجوسیت تار تار ہو کر بکھر گیا۔ شجر نصرانیت کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے۔

توحید کا غلغلہ اٹھا' چمنستان سعادت میں شباب آور بہار آ گئی۔ آفتاب ہدایت کی شعاعوں نے چاردانگ عالم کو بقعۂ نور بنا دیا۔ اخلاق انسانی کا آئینہ پرتو قدس سے چمک اٹھا۔

یعنی یتیم عبداللہ' جگر گوشۂ آمنہ' شاہ حرم' حکمران عرب' فرماں روائے عالم' شہنشاہ کونین عالم قدس سے عالم امکان میں قدم رنجہ فرما ہوئے' عزت و اجلال فرمایا۔

یا رب صلّ وسلّم دائما ابدا　　علی حبیبک خیر الخلق کلهم

اللّٰهم صلّ وسلم علی الخیر الخلق محمدٍ
علی آله و اصحابه و ازواجه ذریته اجمعین

———o———

شمسۂ نہ مسند ہفت اختراں　　ختم رسل خاتم پیغمبراں
احمدِ مرسل کہ خرد خاک اوست　　ہر دو جہاں بستۂ فتراک اوست
امی و گویا بہ زبان فصیح　　از الف آدم و میم مسیح
رسم ترنج است کہ در روزگار　　پیش دہد میوہ پس آرد بہار

———o———

وہ صبح سعادت جس میں ظہور قدسی ہوا دو شنبہ ۱۲ ربیع الاوّل مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء تھی۔ تمام ارباب سیر و تاریخ اس بات پر متفق ہیں کہ پیر کا دن اور ماہ مبارک ربیع الاوّل تھا۔ البتہ تاریخ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام طبری امام ابن خلدون اور امام ابن ہشام وغیرہ نے ۱۲ ربیع الاوّل بیان کیا ہے اور یہی قول جمہور کا ہے۔ جب کہ امام ابن سعد نے طبقات میں ابوجعفر محمد بن علی سے ۱۱ ربیع الاوّل اور محمد بن عمر سے ۳ ربیع الاوّل کی روایت بیان کی ہے۔

لیکن عصر حاضر کے محققین مؤرخین کے نزدیک ۹ ربیع الاوّل زیادہ صحیح اور قرین قیاس ہے۔ چنانچہ علامہ قاضی سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ بڑی محنت و کاوش اور تحقیق و تجسس کے بعد ارقام فرماتے ہیں

''ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم موسم بہار میں دوشنبہ کے دن ۹ ربیع الاوّل اعد عام الفیل مطابق ۲۲ اپریل ۵۷۱ء مطابق یکم جیٹھ سمہ ۶۲۸ بکری مکہ معظمہ میں بعد از صبح صادق وقبل از طلوع نیر عالمتاب پیدا ہوئے۔ یوم ولادت باسعادت کو مکہ معظمہ میں صبح صادق کا طلوع دھوپ گھڑی کے گھنٹوں کے حساب سے ۴ بج کر ۲۰ منٹ پر اور مروجہ عرب کے حساب سے ۹ بج کر ۵۷ منٹ پر ہوا تھا۔ اور آفتاب اس وقت برج حمل سے ۳۱ درجہ ۲۰ دقیقہ پر تھا۔ اور تاریخ یکم جیٹھ کے شروع ہونے کے بعد ۱۳ گھنٹے ۱۶ منٹ گزر چکے تھے''۔ (رحمت اللعالمین جلد ا ص ۴۰)

علامہ موصوف کی اس سلسلہ میں تحقیق انتہائی عرق ریزی اور زبردست کاوش کا نتیجہ ہے جو بے حد قابل قدر اور لائق صد تحسین ہے۔ تفصیلات کے لئے رحمت اللعالمین جلد ا ص ۴۰ اور جلد دوم کا باب ہشتم مطالعہ فرمائیں۔

مصر کے مشہور ہیئت دان علامہ محمود پاشا فلکی نے ریاضی کے دلائل قطعیہ سے ثابت کیا ہے کہ ولادت باسعادت ۹ ربیع الاوّل بروز دوشنبہ مطابق ۲۰ / ۲۷

Marfat.com

اپریل ۵۷۱ء کو ہوئی تھی۔ ان کے دلائل کا خلاصہ حسب ذیل ہے

① صحیح بخاری میں ہے کہ حضور ﷺ کے صاحب زادہ ابراہیم کا جب انتقال ہوا تو آفتاب کو گہن لگا تھا اور اس وقت آپ کی عمر ۶۳ سال تھی۔

② ریاضی کے قاعدہ سے حساب لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰ ہجری کا یہ سورج گرہن ۷ جنوری ۶۳۲ء کو ۸ بجکر ۳۱ منٹ پر لگا تھا۔

③ اس حساب سے اگر قمری ۶۳ برس پیچھے حساب کیا جائے تو آپ کی پیدائش کا سال ۵۷۱ء بنتا ہے جس میں ازروئے قواعد ہیئت ربیع الاول کی پہلی تاریخ ۱۲ اپریل ۵۷۱ء کے مطابق تھی۔

④ ربیع الاول مذکور کی ان تاریخوں میں دوشنبہ کا دن نویں تاریخ کو ہوتا ہے ان وجوہ کی بنا پر تاریخ ولادت ۲۰ اپریل ۵۷۱ء تھی۔ (نتائج الافہام ملخصاً)

ولادت باسعادت کے بعد آپ کی والدہ ماجدہ نے چند دن دودھ پلایا بعد ازاں ابولہب کی آزاد کردہ لونڈی ثوبیہ نے یہ سعادت حاصل کی۔

(بخاری جلد ۲ ص ۷۶۴ سورۃ الطلاق)

اس زمانہ میں عرب کے رؤسا اور شرفاء شیر خوار بچوں کو دیہات میں بھیج دیتے تھے تاکہ بدوؤں میں پرورش پا کر فصاحت و بلاغت کا جوہر پیدا کریں اور عرب کی خاص خصوصیات محفوظ رہیں۔ اس دستور کے مطابق سال میں دو مرتبہ دیہاتی عورتیں شہر میں آ کر شرفاء کے بچے لے جاتی تھیں۔

حسب دستور حضور اقدس ﷺ کی ولادت کے چند دن بعد قبیلہ ہوازن کی دس عورتیں مکہ میں آئیں۔ جن میں سیدہ حلیمہ سعدیہ زوجہ حارث بھی تھیں۔ لیکن ان کی غربت کا یہ عالم تھا کہ ایک نہایت لاغر اور ضعیف اونٹنی سفر کے لئے دستیاب ہوئی جو قافلہ سے بہت پیچھے رہ گئی تھی جب کہ دوسری عورتیں ان سے پہلے شہر میں پہنچ گئیں اور امراء کے تمام بچے حاصل کر لئے صرف ایک "دُرِّ یتیم" باقی رہ گیا تھا۔

جب حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا شہر میں پہنچیں تو کہیں سے کوئی بچہ ہاتھ نہ آیا۔

Marfat.com

لیکن خالی ہاتھ واپس لوٹنے میں ہم سفر عورتوں کے طعن و تشنیع کا خدشہ بھی لاحق تھا۔ اس لئے خاوند کے مشورہ سے اس دُرِّ یتیم کو حاصل کر لیا۔ درحقیقت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے مقدر جاگ اٹھے تھے اور اسے دو جہاں کی شاہی ہاتھ آ گئی تھی۔ سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ کو گود میں لے کر دائیں چھاتی سے دودھ پلایا تو آپ نے خوب شکم سیر ہو کر نوش فرمایا' لیکن جب دوسری جانب سے پلانا چاہا تو نبی اُمی ﷺ کی عصمت نے دوسرے کی حق تلفی سے گریز کیا۔ کیونکہ سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا کا اپنا شیر خوار بچہ بھی تھا' اگرچہ غربت اور افلاس کی وجہ سے دودھ اس قدر تھوڑا تھا کہ بچہ بھوک کی شدت سے بلبلاتا اور روتا رہتا تھا' مگر رحمت دارین کی تشریف آوری سے دودھ میں اتنی فراوانی ہوئی کہ دونوں بچے شکم سیر ہو جاتے تھے۔

قدرت نے اس لاغر و نحیف اونٹنی کو ایسا طاقتور بنا دیا کہ اس کی برق رفتاری نے کوسوں میل دور پہنچے ہوئے قافلہ کو پچھاڑ دیا۔ یہ حیرت انگیز منظر دیکھ کر قافلہ والوں نے سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا تم نے سواری بدلی ہے' تو انہوں نے برجستہ جواب دیا کہ سواری تو وہی ہے البتہ سوار بدل گیا ہے۔

سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا کی تمام بکریاں خشک تھیں مگر رحمت کونین ﷺ کے دم قدم سے بکریاں دودھ دینے لگیں۔ اور کھجور کا خشک تنا ہرا بھرا ہو گیا اور تروتازہ کھجوریں لگ گئیں۔

سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا دو برس دودھ پلانے کے بعد حضور ﷺ و سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئیں چونکہ ان دنوں مکہ میں وبا پھیلی ہوئی تھی اس لئے مناسب یہی سمجھا کہ مزید کچھ عرصہ حلیمہ رضی اللہ عنہا کی تربیت میں رہیں' بہرحال حلیمہ رضی اللہ عنہا واپس لے آئیں۔

جب آپ کی عمر مبارک چار برس کی ہوئی تو آپ اپنے رضاعی بہن بھائیوں کے ساتھ باہر نکل جاتے تھے۔ ایک دن آپ اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ بچوں سے کھیل رہے تھے کہ دو فرشتوں نے آ کر آپ کا سینہ مبارک چیرا اور قلب

Marfat.com

اطہر کو ایک سونے کے طشت میں رکھ کر دھویا۔ یہ ماجرا دیکھ کر آپ کا رضاعی بھائی چیختا چلاتا ہوا گھر آیا۔ والدین سے کہا میرے قریشی بھائی کو کسی نے قتل کر دیا ہے اس کی خبر لو۔ جب سیدہ حلیمہ سعدیہ نے دیکھا تو آپ کا رنگ فق تھا۔ اور سخت گھبرائے ہوئے تھے۔ دریافت کرنے پر آپ نے پوری سرگزشت کہہ سنائی۔ (مسلم شریف جلد اص ۹۲)

سفر مدینہ

حضور اقدس ﷺ کی عمر مبارک چھ برس کی تھی تو والدہ ماجدہ انہیں ساتھ لے کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئیں۔ اس سفر میں ام ایمن باندی بھی ساتھ تھیں۔ اگرچہ بظاہر ننھیال کے ملنے کا بہانہ تھا' لیکن درحقیقت بے وطن متوفی شوہر کی قبر دیکھنے کا اشتیاق دل میں موجزن تھا۔ مدینہ طیبہ پہنچ کر دارالنابغہ میں ایک ماہ قیام فرمایا۔

اس واقعہ کے تقریباً ۴۷ سال بعد جب سرور کونین رحمت دارین ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ میں قدم رنجہ فرما ہوئے تو بچپن کی سب باتیں یاد تھیں اور آپ ﷺ ان کا ذکر فرمایا کرتے تھے کہ یہاں ایک لڑکی انیسہ تھی جو ہمارے ساتھ کھیلتی تھی۔ اس قلعہ پر ایک پرندہ بیٹھتا اور بچے اسے اڑایا کرتے تھے۔ اس گھر میں میری والدہ بیٹھتی تھیں اور اس گھر میں میرے والد گرامی قدر کی قبر فلاں جگہ پر ہوئی تھی' اور میں نے بنو عدی بن نجار کی باؤلی میں تیرنا سیکھا تھا۔

سیدہ آمنہ نے ایک ماہ قیام کے بعد مکہ مکرمہ کو مراجعت فرمائی' لیکن ابوا کے مقام پر پہنچ کر بیمار ہو گئیں اور اسی جگہ جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ حقیقت میں پیارے شوہر کی مفارقت کا وہ غم دوبارہ جو قبر دیکھنے سے تازہ ہو گیا تھا' قلب پر چھا کر اپنا کام کر گیا' اور یہ پیکر صبر و وفا زندگی کے بندھنوں سے آزاد ہو کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملیں۔ (مسلم شریف جلد اص ۹۲)

Marfat.com

ابوا اور مستورہ

سیدہ آمنہ محترمہ اُمّ النبی ﷺ کا وصال اور تدفین کہاں ہوئی ہے؟
مؤرخین کے اس میں دو اقوال ہیں ایک قول کے مطابق آپ کا وصال اور تدفین ابوا میں ہوئی' صحیح اور راجح قول یہی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کے قبرستان جنت المعلاء میں تدفین ہوئی ہے۔

ہم اس کی تفصیلات علامہ طاہر کردی کی تحقیقات کے مطابق ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

پہلی روایت کے مطابق آپ مدینہ طیبہ سے اپنے فرزند دلبند اور ام ایمن کی معیت میں جب ابوا کے مقام پر پہنچیں تو ایک دو روز کی مختصر سی علالت کے بعد عالم بقا کو رحلت فرما گئیں اور وہیں پہاڑ کی چوٹی پر جہاں زمین نرم تھی آپ کو دفن کر دیا گیا۔ البتہ تاریخ خمیس میں لکھا ہے کہ آپ کا وصال ابوا میں ہوا اور وہیں دفن بھی کیا گیا تھا۔ مگر احتمال یہ ہے کہ بعد میں قبر کھول کر میت مکہ مکرمہ کے قبرستان میں منتقل کر دی گئی' لیکن میت کا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا نقلاً و عقلاً بعید از قیاس ہے' کیونکہ اس زمانہ میں ابوا سے مکہ معظمہ تک پانچ دن کا سفر تھا اور سواری اونٹ' خچر اور گدھے کے علاوہ کوئی نہیں ہوتی تھی۔ بنا بریں کسی میت کا اونٹ وغیرہ پر پانچ دن کی مسافت پر لے جانے سے اس کا جسم پھولنے پھٹنے اور متعفن ہو جانے کا قوی امکان تھا' علاوہ ازیں اس زمانہ میں میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کا طریقہ بھی رائج نہیں تھا۔

نیز حدیث شریف سے بھی ابوا میں قبر کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ نبی ﷺ غزوہ حدیبیہ کے لئے تشریف لے جاتے ہوئے جب ابوا سے گزرنے لگے تو اللہ تعالیٰ سے والدہ ماجدہ کی قبر پر حاضری کی اجازت چاہی' چنانچہ آپ کو اجازت مرحمت ہوئی اور زیارت سے شرف یاب ہوئے۔

Marfat.com

ابوا مکہ شریف اور مدینہ طیبہ کے تقریباً نصف میں واقع ہے۔ جو کہ وادی ''ودان'' کا ایک گاؤں ہے۔ ودان اور ابوا میں تقریباً ۶ یا ۸ میل کا فاصلہ ہے۔ ان کے اتصال اور قربت ہی کی وجہ سے یہاں واقع ہونے والے غزوہ کا نام غزوۃ الابوا یا غزوۃ الودان مشہور ہے۔ ممکن ہے کہ مستورہ بھی وادی ودان ہی کے ایریا میں ہو کیونکہ یہ ابوا اور مستورہ کے درمیان واقع ہے۔ مستورہ اور ابو کے درمیان ۲۸ کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔

مورخ موصوف لکھتے ہیں کہ ہمیں ابوا کی زیارت کا عرصہ دراز سے اشتیاق تھا۔ تاکہ مکہ مکرمہ کی تاریخ میں چشم دید واقعات لکھ سکیں۔

چنانچہ ہم شیخ عبداللہ بن عابد الانصاری کی معیت میں پیر کے دن ۸ ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ مکہ مکرمہ سے براستہ جدہ مستورہ کے لئے روانہ ہوئے۔ جدہ سے مستورہ ۱۹۶ کلومیٹر دور ہے۔ عشاء کے وقت مستورہ پہنچے وہاں شیخ مذکور کا بیٹا جیپ لئے ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ رات مستورہ میں بسر کی اور صبح مستورہ کے امیر الشیخ مبارک بن سلیمان سے بھی ملاقات ہوئی جو بے حد کریم النفس، زیرک اور دانشمند انسان تھے۔ امیر مذکور کی دعوت پر ہمیں منگل کا دن بھی مستورہ میں گزارنا پڑا۔ مستورہ کی آبادی تین ہزار افراد پر مشتمل ہے۔ ان لوگوں کا زیادہ تر کاروبار مچھلی کا شکار ہے۔ اور موسم میں اگر بارش ہو جائے تو زراعت بھی کرتے ہیں۔ سمندر بالکل قریب ہے۔ یہاں کے باشندے صدق و صفا، امانت، دیانت اور دین میں مضبوط ہیں۔ فسق و فجور و منشی اشیاء کے استعمال سے نفور ہیں۔ اور ان کا باہم کوئی تنازعہ پیدا ہو جائے تو قریہ کے معمر اور عقلمند حضرات ان کے درمیان صلح کرا دیتے ہیں۔

زمین ہموار اور مٹی زرخیز ہے۔ اگر بارش ہو جائے تو یہاں گندم، خربوزہ اور ککڑی وغیرہ کاشت ہوتی ہیں۔ اور جہاں زمین مرتفع ہے وہاں آلو کے بر بر چھر کثرت سے پائے جاتے ہیں کنویں بھی کافی تعداد میں ہیں مگر ان کا پانی نمکین ہے۔ اور پینے کا پانی رابغ سے موٹر کاریوں کے ذریعہ لایا جاتا ہے۔

Marfat.com

بواء ودان اور مستورہ ایک ہی رقبہ ہے جو ضمرہ غفار اور کنانہ قبائل کا مسکن ہے لیکن ابواء اہمیت اور عظمت کے اعتبار سے دونوں سے ممتاز ہے۔ مستورہ جو سڑک کے کنارے واقع ہے قہوہ اور کھانے کے لئے قافلے یہاں رکتے ہیں۔

جمعرات کو ہم طلوع آفتاب کے بعد مستورہ سے ابوا کے لئے شیخ عبید اللہ بن عابد الانصاری امیر مستورہ کی جیپ میں روانہ ہوئے۔ مستورہ کے مشرق میں ۲۸ کلومیٹر کے فاصلہ پر ابواء واقع ہے۔ آج کل اسے ''خریبة'' بھی کہا جاتا ہے' رستہ ناہموار اور پتھر کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

ہم وادی میں ایک ایسے پرانے کنوئیں کے قریب سے گزرے جو بڑی بڑی چٹانوں سے ناپڑا تھا جسے امیر مستورہ نے صاف کرایا تھا۔ اس کا پانی میٹھا تھا' نیچے اترنے کے لئے ایک عالیشان منقش سیڑھی بنی ہوئی تھی۔ قدیم زمانہ میں قافلے اسی وادی سے گزر کر بدر اور مدینہ منورہ جایا کرتے تھے۔ رابغ سے مدینہ منورہ جانے کے لئے پہلے دور میں دو راستے تھے' ایک راستہ وادی سے مستورہ' دوسرا وادی سے ہرشی بروزن سکری' پھر ہرشی سے دو راستے جاتے تھے' ایک راستہ بیر میریک اور القاحہ کی طرف سے دوسرا راستہ ابواء اور المصفرہ کی جانب سے' المصفرہ ابواء کے مغربی جانب اس پہاڑ کے قریب واقع ہے جس پر حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ کی قبر مبارک بنی ہوئی ہے۔ ابوا میں داخل ہوتے ہی دائیں ہاتھ پر ایک چھوٹی سی پہاڑی پر سیدہ آمنہ ؓ کی قبر ہے جو دور ہی سے نظر آجاتی ہے۔ کیونکہ اس کے چاروں طرف ایک میٹر کے قریب پتھر رکھے ہوئے ہیں۔ پہاڑ کے اوپر اور نیچے اس کے قرب وجوار میں کوئی دوسری قبر نہیں۔

علامہ موصوف کہتے ہیں' میں نے ابوا کے باشندوں سے دریافت کیا کہ پہاڑی پر قبر بنانے کی وجہ کیا تھی۔ تو انہوں نے بتایا کہ یہاں زمانہ قدیم سے اب تک کوئی "وادی نہیں' جہاں قافلے ٹھہر سکیں۔ اسی وجہ سے اس قبر کے قرب وجوار میں دوسری کوئی قبر بھی نہیں ہے۔ اور اگر ہموار زمین میں قبر بنائی جاتی تو جنگلی

Marfat.com

اور مدوں اور سیلاب کا خطرہ در پیش تھا اور پھر جس جگہ قبر موجود ہے یہ پہاڑ کی دوسری جگہوں کی نسبت کھودنے میں سہل تھی۔

ابواء کی آبادی پانچ ہزار نفوس پر مشتمل ہے' لوگوں کی گزر اوقات کھیتی باڑی اور مال مویشی پالنے پر ہے۔ یہ لوگ بھی مستورہ کے لوگوں کی طرف نیک خصال' صداقت و امانت میں اچھے اور فسق و فجور سے متنفر ہیں۔ ان کے تنازعات اور جھگڑے عقلاء اور صلحاء ہی نمٹاتے ہیں۔

ابواء میں ایک پرائمری سکول بھی تھا جس کے انچارج استاد احمد عبید اللہ الانصاری مکہ یونیورسٹی کے فاضل تھے۔ مدرسہ کی عمارت کچی اینٹوں سے بنی ہوئی تھی جو تجدید کی خواستگار تھی۔

ابواء کا علاقہ ۱۲ کلومیٹر لمبا اور ۳ کلومیٹر چوڑا ہے۔ یہ بعض جگہوں سے کشادہ اور بعض سے تنگ ہے۔ شمال کی جانب سے اسے پہاڑ نے گھیر رکھا ہے اور جنوب کی سمت سے سیاہ ٹیلے اس کا گھیراؤ کئے ہوئے ہیں۔ جن کی لمبائی تقریباً پانچ سو میٹر ہے۔ اس کے اوپر ایک بہت بڑا حوض بنا ہوا ہے جس میں بارش کا پانی جمع ہو جاتا ہے۔ زراعت اور باغبانی کے لئے اگر بارشیں کافی نہ ہوں تو پھر ٹیوب ویل کے ذریعہ آب پاشی کی جاتی ہے۔ اس مقصد کے لئے ۱۵۰ ٹیوب ویل لگے ہوئے ہیں۔ یہاں کھجور' باجرہ' جوار' ٹماٹر' بینگن' گھیا کدو' میٹھا کدو' تربوز اور خربوزہ وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ گائے' بکریاں اور مرغیاں کثرت ہیں۔ لوگ باز کے ذریعہ پرندوں کا شکار کرتے ہیں' اس کے علاوہ خرگوش اور ہرن کا شکار بھی کرتے ہیں۔ (تاریخ التقویم جلد ۱ص ۸۴۔۸۳)

جنگ فجار

عرب میں آغاز اسلام تک جنگ و جدال کا سلسلہ متواتر جاری تھا لیکن فجار سب سے زیادہ خطرناک اور مشہور تھی۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ حیرا کے فرمانروا نے

Marfat.com

عکاظ کے بازار میں اپنا مال تجارت عروہ بن عتبہ کو دے کر بھیجا جسے بنو کنانہ کے ایک آدمی نے قتل کر دیا اور خود بھاگ کر خیبر چلا گیا۔

جب یہ خبر قبیلہ قیس کو ملی تو انہوں نے اپنے تمام سرداروں کو جمع کیا اور قریش سے بدلہ لینے کی ٹھان لی۔ ادھر قریش نے بنی کنانہ کا ساتھ دینا ضروری سمجھا اور جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ قریش کے رئیس اور سپہ سالار اعظم حرب بن امیہ جو ابوسفیان کا باپ اور سیدنا معاویہ کا دادا تھا۔ چونکہ قریش اس جنگ میں حق بجانب تھے۔ خاندان کی عزت و ناموس اور ننگ و عار کا معاملہ تھا اس لئے حضور اقدس ﷺ نے بھی جنگ میں شرکت فرمائی۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک بیس برس تھی۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے میں اپنے چچاؤں کے ساتھ اس جنگ میں شریک ہوا۔

ابن ہشام بیٹھ لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا اور امام سہیلی نے واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے خود جنگ نہیں کی۔

آپ ﷺ نے اس لڑائی میں جنگ نہیں کی حالانکہ آپ لڑائی کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ لڑائی ایام الحرام میں پیش آئی تھی۔ علاوہ ازیں فریقین کافر تھے اور مسلمانوں کو لڑائی کا حکم تو صرف اس لئے خدا نے دیا ہے تاکہ حق کا بول بالا ہو۔

جنگ میں پہلے قیس کا پلہ بھاری رہا اور پھر قریش کو غلبہ حاصل ہوا۔ بالآخر صلح پر جنگ ختم ہوئی۔

چونکہ یہ لڑائی ماہ شوال میں ہوئی جو حرمت والا مہینہ تھا اس سبب سے اس کا نام جنگ فجار مشہور ہوا۔ (سیرت ابن ہشام عنوان جنگ فجار روض الانف جلد ا ص ۲۰)

حلف الفضول

لڑائیوں کے پیہم سلسلہ نے سینکڑوں گھرانے برباد کر دیئے تھے۔ ورقتل و سفاکی موروثی اخلاق بن گئے تھے جس کے باعث بعض سلیم الطبع ور صلح جو حضرات

Marfat.com

میں اصلاح کی تحریک پیدا ہوئی۔ چنانچہ جنگ فجار سے واپسی پر زبیر بن عبدالمطلب جو رسول اللہ ﷺ کے چچا تھے کی تجویز پر خاندان ہاشم' زہرہ اور تیم وغیرہ عبداللہ بن جدعان کے گھر جمع ہوئے اور معاہدہ ہوا کہ ہم میں سے ہر شخص مظلوم کی پوری طرح حمایت کرے گا تاکہ کوئی ظالم مکہ میں نہ رہنے پائے۔ حضور انور ﷺ بھی اس معاہدہ میں شریک تھے' آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے

''اس معاہدہ کے مقابلہ میں اگر مجھے سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں اسے ہرگز نہ تبدیل کرتا' اور آج بھی کوئی مجھے اس طرح کے معاہدے کی دعوت دے تو میں حاضر ہوں''۔ (روض الانف جلد اص ۹۰)

شغل تجارت

جب حضور انور ﷺ سن رشد کو پہنچے تو فکر معاش اور کسب حلال کی طرف توجہ ہوئی۔ آپ کی نظر میں تجارت سے بہتر کوئی پیشہ نہیں تھا۔ قبل ازیں اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ بھی بعض تجارتی سفر کر چکے تھے' جس کے سبب ہر قسم کا تجربہ حاصل تھا چنانچہ آپ کے حسن معاملہ کی شہرت بہت جلد پھیل گئی۔ تاجر کے محاسن خلاق میں سب سے زیادہ نادر مثال ایفائے عہد اور امانت و دیانت کی ہوتی ہے۔ منصب نبوت سے پہلے مکہ کا تاجر امینؐ اس اخلاق نظیر کا بہترین نمونہ تھا۔ ان خلاق کریمہ کا تذکرہ جب سیدہ خدیجہ ؓ نے سنا' تو اپنا مال تجارت انہیں دے کر بھیجا۔ خدیجہ خاندان قریش کی معزز خاتون' شریف النفس اور پاکیزہ اخلاق کی مالک تھیں۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ انہیں طاہرہ کے نام سے پکارتے تھے یہ اس قدر دولت مند تھیں کہ مکہ کے تمام تاجروں کا مال ان کے مال جتنا ہوتا تھا۔

بہرحال خدیجہ ؓ نے مال تجارت آپ ﷺ کے سپرد کرتے وقت کہا تھا کہ جتنا معاوضہ میں دوسروں کو دیا کرتی ہوں آپ کو اس سے دو چند دوں گی۔ آپ مال لے کر ملک شام روانہ ہو گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مال میں بہت زیادہ نفع

Marfat.com

مرحمت فرمایا۔ واپسی پر خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یہ خوشخبری پہنچی تو وہ دل و جان سے آپ پر فدا ہو گئیں۔ اور تقریباً تین ماہ بعد آپ سے شادی کی استدعا کی' جسے آپ نے قبول فرما لیا۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک ۲۵ برس تھی' جب کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا دو خاوندوں سے بیوہ چالیس سال کی بوڑھی تھیں۔ (طبقات ابن سعد عنوان عقد خدیجہؓ)

غار حرا میں عبادت

زمانہ نبوت جتنا قریب آ رہا تھا دنیوی علائق سے کنارہ کشی اور تفرد میں دل جمعی کا غلبہ بڑھتا گیا۔ آپ ﷺ مکہ معظمہ سے تین میل شمال میں غار حرا میں مہینوں قیام فرماتے۔ وہاں عبادت و ریاضت اور مراقبہ میں مصروف رہتے۔ گھر سے کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جاتے' جب وہ ختم ہو جاتا تو مزید لے جاتے۔ کبھی کبھار حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی پہنچا دیتی تھیں۔

یہ نبوت کا دیباچہ تھا کہ خواب کے ذریعہ آپ پر مخفی اسرار منکشف ہونے لگے۔ جو کچھ آپ ﷺ خواب میں دیکھتے بعینہٖ وہ پیش آتا تھا۔ حسب معمول آپ غار حرا میں مشغول عبادت تھے کہ جبرئیل امین تشریف لائے اور خلعت نبوت آپ کے زیب تن کیا' اور وحی و نبوت کا آغاز ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ﴾ سے ہوا۔

آپ گھر تشریف لائے تو جلال الٰہی سے لبریز اور ثقل وحی سے کانپ رہے تھے۔ اہلیہ رفیقہ حیات خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سارا واقعہ سنایا' وہ آپ ﷺ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو تورات اور انجیل کے ماہر تھے۔ انہوں نے ساری سرگذشت سن کر فرمایا یہ وہی ناموس ہے جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر اترا تھا۔

ورقہ نے بڑے حسرت انگیز لہجہ میں کہا' کاش میں جوان ہوتا اور اس وقت تک زندہ رہتا جب قریش تمہیں مکہ سے نکالتے تو میں آپ کی پوری پوری مدد کرتا۔ لیکن یہ بات نبی علیہ السلام کے لئے بے حد حیران کن تھی کہ میرا معاملہ قوم کے ساتھ سچائی

Marfat.com

اور صفائی کا ہے اور قوم بھی مجھے امین اور صدیق یقین کرتی ہے۔ تو پھر وہ مجھے کیوں نکالے گی۔ ورقہ نے کہا کہ آپ جس توحید خداوندی کے علمبردار بنائے گئے ہیں یہ چیز جسے بھی ملی قوم اس کی جانی دشمن بن گئی۔ (بخاری شریف جلد ا کتاب بدء الوحی ص ۲ ے ۳)

تبلیغ کی ابتداء

جب رسول اللہ ﷺ نے فریضہ نبوت ادا کرنا چاہا تو سخت روح فرسا اور جاں لیوا مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس لئے آپ نے انتہائی دانشمندانہ تدبیر اور تدریج سے کام آگے بڑھایا۔ امانت توحید کے پرخطر راز کو پیش کرنے کے لئے صرف ان لوگوں کو منتخب کیا جو آپ کی چالیس سالہ اخلاق و عادات' حرکات و سکنات کا تجربہ کر چکے تھے اور فیض یاب صحبت بھی رہ چکے تھے۔ وہ لوگ آپ کے صدق دعویٰ کا قطعی فیصلہ کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے تھے۔ حسب ذیل خوش نصیب حضرات کے نام سرفہرست آتے ہیں

سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا جو آپ کی حرم محترم تھیں۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور سیدنا زید رضی اللہ عنہ جو آپ کے آزاد کردہ غلام تھے۔

جب حلقۂ احباب وسیع ہونے لگا تو دار ارقم کو تبلیغ کا مرکز بنایا گیا۔ بس یہی وہ مقدس مکان تھا جہاں امام الانبیاء ﷺ شمع رسالت کے پروانوں کو نماز باجماعت پڑھایا کرتے تھے۔ اسی میں معلم اعظم تبلیغ و تدریس کی خدمت انجام دیتے اور اسی مکاں میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور پھر اس کے بعد تبلیغ کا مرکز کعبہ شریف بن گیا تھا۔

وفاکش جاں نثاروں کا حلقہ جس قدر بڑھتا جا رہا تھا' مصائب و آلام اور قریش کی آتش عناد کے شعلے بھی فزوں تر ہوتے جا رہے تھے۔ چارو ناچار حبشہ کی طرف اور پھر مدینہ طیبہ کی طرف مسلمانوں کو ہجرت کرنا پڑی۔ نبوت کے دسویں سال آپ ﷺ کے قلب اطہر پر دو گہرے زخم ابو طالب اور خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا سے

Marfat.com

وصال سے آئے' آپ کی انتھک کوشش کے باوجود چچا ایمان کی دولت سے محروم رہا۔ آپ فرماتے تھے کہ میں تیرے لئے اس وقت تک مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے منع نہ کر دیا جائے۔ چنانچہ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی

﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ ﴾ [سورہ توبہ پ ۱۱]

''نبی اور مومنین کو زیبا نہیں کہ وہ مشرکین کے لئے دعائے مغفرت کریں گرچہ وہ ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں''۔

(بخاری شریف جلد ۱ ص ۱۸۱ کتاب جنائز جلد ۲ ص ۶۷۳)

وصال سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا

حضور انور ﷺ کی جاں نثار وغمگسار رفیقہ حیات ام المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا بھی نبوت کے دسویں سال داعی اجل کو لبیک کہہ کر خلد بریں میں جلوہ نشیں ہو گئیں۔ مکی زندگی کے پر آشوب دور میں طاہرہ رضی اللہ عنہا جیسی وفا شعار بیوی کی جدائی نے آپ ﷺ کے قلب اطہر پر گہرا اثر کیا۔ لیکن رضا بالقضاء شیوۂ انبیاء ہے۔ آپ نے صبر وثبات سے کام لیا۔

حضور انور ﷺ نے طاہرہ رضی اللہ عنہا کے فضائل ومناقب بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

''سارے جہاں کی ممتاز اور برگزیدہ چار عورتیں ہیں۔ مریم بنت عمران' خدیجہ بنت خویلد' آسیہ زوجہ فرعون اور فاطمہ بنت محمد ﷺ''۔

(ترمذی شریف جلد ۲ ص ۲۳۱ فضل خدیجہ بخاری شریف جلد ۱ ص ۵۳۸)

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں

''ایک مرتبہ جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ ابھی تھوڑی دیر میں خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی خدمت میں کچھ کھانے پینے کی چیز لے

Marfat.com

کر حاضر ہو رہی ہیں۔ جب وہ آئیں تو انہیں اللہ رب العالمین کا سلام اور میرا سلام بھی پیش فرما دیں اور انہیں جنت کے ایک ایسے دلی شان محل کی بشارت دیں جو خالص مروارید کا بنا ہوا ہے۔ جس میں قطعاً رنج دالم نہیں ہوگا''۔ (بخاری شریف جلد ۱ ص ۵۳۹' مسلم شریف جلد ۲ ص ۲۸۴)

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی تعریف میں ارشاد فرمایا

- ''طاہرہ مجھ پر اس وقت ایمان لائی جب ساری دنیا کفر پر اڑی ہوئی تھی۔
- اس نے میری اس وقت تصدیق کی جب کہ دنیا جہاں کے لوگ مجھے جھٹلا رہے تھے۔
- اس نے اپنے مال میں ایسے وقت مجھے شریک کیا' جس وقت لوگوں نے کسب مال سے مجھے منع کیا۔
- اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے بطن سے صاحب اولاد بنایا جب کہ کسی دوسری بیوی سے اولاد نہیں ہوئی''۔ (سیرت ابن ہشام عنوان فضل خدیجہ رضی اللہ عنہا)

آپ کے بطن اطہر سے سیدہ زینب' سیدہ رقیہ' سیدہ ام کلثوم اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہن' قاسم اور طاہر رضی اللہ عنہما' اور ابراہیم سیدہ ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے

''رسول اللہ ﷺ نے سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں کسی دوسری عورت سے شادی نہیں کی جب ان کا وصال ہو گیا تو اس کے تین سال بعد میرے ساتھ نکاح کیا''۔ (ترمذی شریف جلد ۲ ص ۲۳۰' عنوان فضل خدیجہ)

امام ابن کثیر بخاری اور مسند احمد کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ سیدہ عائشہ کی عمر نکاح کے وقت چھ برس اور رخصتی کے وقت نو برس تھی۔

(بخاری شریف جلد ۱ ص ۵۳۸' کتاب مناقب باب تزویج خدیجہ رضی اللہ عنہا)

Marfat.com

معراج النبوی ﷺ

یہ واقعہ اسراء اور معراج کے نام سے مشہور ہے۔ ''اسراء'' کے معنی رات میں لے جانے کے ہیں۔ یہ حیرت انگیز معجزانہ سفر مسجد حرام (مکہ مکرمہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) اور پھر وہاں سے ملاء اعلیٰ تک بجسد عنصری رات ہی کو ہوا تھا۔ اس لئے اس سبب سے قرآن مجید نے اسے اسراء سے تعبیر کیا ہے۔

''معراج'' عروج سے مشتق ہے۔ جس کے معنے چڑھنے اور بلند ہونے کے ہیں۔ نیز معراج زینہ کو بھی کہا جاتا ہے۔ چونکہ امام المرسلین ﷺ نے اس شب میں ملاء اعلیٰ کی منازل ارتقاء طے فرماتے ہوئے سبع سماوات' سدرۃ المنتہیٰ اور اس سے بھی بلند ہو کر قدرت خداوندی کا مشاہدہ فرمایا تھا۔ بعد ازیں آپ ﷺ نے اس رفیع الشان اور جلیل القدر سفر کی تفصیلات بیان فرماتے ہوئے ''عُرِجَ بِی'' 'مجھے اوپر چڑھایا گیا' کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ اسی لئے اس عدیم النظیر اور فقید المثال واقعہ کو معراج کہا جاتا ہے۔

مکی زندگی کا روح فرسا و جاں گداز باب قریب الاختتام اور ہجرت کے بعد راحت و راحت اور طمانیت کے ایک نئے دور کا آغاز ہونے والا تھا کہ اس مبارک شب کی وہ ساعت ہمایوں آئی' جو دیوان قضا میں سرور دو عالم ﷺ کی ہفت افلاک کی سیر کے لئے مقرر تھی۔ جس میں پیش گاہ ربانی سے خاص احکامات کا اجراء اور نفاذ عمل میں آنے والا تھا۔

رضوان جنت کو حکم ہوا کہ آج مہمان سرائے غیب کو زرق و برق سامان سے آراستہ و پیراستہ کیا جائے کہ شاید سارا عالم یہاں مہمان آنے کو ہے۔ روح الامین علیہ السلام کو ارشاد ہوا کہ وہ سواری جو بجلی سے تیز گام اور روشنی سے زیادہ سبک خرام ہے اور خطۂ لاہوت کے مسافروں کے لئے رہ رو ہے حرم ابراہیمی (کعبہ) میں لے کر فوراً حاضر ہوں۔ کارکنان عناصر کو مملکت آب و خاک کے

Marfat.com

تمام مادی احکام و قوانین کچھ دیر کے لئے معطل کر دیے کا حکم صادر ہوا۔ اور زمان و مکان، سرو قامت روئیت و سماعت اور تخاطب و کلام کی طبعی پابندیاں اٹھا لی گئیں۔

ہجرت سے کچھ عرصہ قبل ایک شب سرور کونین رحمت دارین صلی اللہ علیہ وسلم حطیم میں آرام فرما رہے تھے۔ بیداری اور نیند کی درمیانی حالت میں دیکھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام چند فرشتوں کے ساتھ تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہ زمزم کے پاس لے گئے، جہاں سینۂ نور گنجینہ چاک کر کے قلب اطہر نکالا اور اسے زمزم سے دھویا۔ پھر ایمان و حکمت سے معمور سونے کا ایک طشت لایا گیا۔ جبرئیل علیہ السلام نے وہ ایمان و حکمت کا خزانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک میں رکھ کر اسے برابر کر دیا۔[1]

اس کے بعد گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا سفید رنگ کا ایک جانور جسے براق کہا جاتا ہے لایا گیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہونے لگے تو اس نے شوخی کی۔ جبرئیل نے کہا شوخی نہ کر۔ آج تک تیری پشت پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ برگزیدہ کوئی آدمی سوار نہیں ہوا۔ براق یہ سن کر پسینہ پسینہ ہو گیا۔[2]

براق کی رفتار اس قدر تیز تھی کہ اس کا ہر قدم نگاہ کی آخری حد تک پڑتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہو کر بیت المقدس پہنچے اور براق اس حلقہ میں باندھا جہاں انبیاء اپنی سواریاں باندھتے تھے۔ پھر مسجد اقصیٰ میں تشریف لائے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ نماز سے فارغ ہو کر جب باہر نکلے تو جبرئیل علیہ السلام نے شراب اور دودھ کے دو پیالے پیش کئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کا پیالہ اٹھا لیا۔ جبرئیل کہنے

---

[1] بخاری شریف جلد کتاب الصلوٰۃ باب کیف فرضت الصلوٰۃ ص ۵۰ باب المعراج جلد ا ص ۵۴۸
مسلم شریف جلد ا ص ۹۱ باب الاسراء

[2] ترمذی شریف جلد ۲ ص ۱۴۱ سورۂ بنی اسرائیل

Marfat.com

لگے آپ نے فطرت کو پسند کیا ہے۔ اگر شراب کا پیالہ اٹھاتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔ پھر آپ جبرئیل علیہ السلام کی معیت میں آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ پہلے آسمان میں حضرت آدم علیہ السلام' دوسرے میں یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام' تیسرے میں حضرت یوسف علیہ السلام' چوتھے میں حضرت ادریس علیہ السلام' پانچویں میں حضرت ہارون علیہ السلام' چھٹے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور سے تکیہ لگائے بیٹھے تھے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ اس کے بعد آپ کو جنت کی سیر کرائی گئی۔ جس کے گنبد جواہرات کے اور زمین کستوری کی تھی۔[1]

آپ ﷺ اس مقام تک پہنچے جہاں قلم قدرت کے چلنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ کچھ اور آگے بڑھے تو سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى (انتہا کی بیری کا درخت) تک پہنچ گئے۔ جس پر انوار تجلیات کا نظارہ کیا۔ پھر شاہد مستور ازل نے چہرہ سے پردہ اٹھایا اور خلوت گاہ راز میں ناز و نیاز کے وہ پیغام ادا ہوئے جن کی لطافت اور نزاکت الفاظ کے بوجھ کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی

اس موقعہ پر آپ ﷺ کو ایک رفیع الشان تحفہ مرحمت ہوا کہ آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی امت پر ہر روز پچاس نمازیں فرض کی گئی ہیں۔ جب آپ کا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے ہوا تو انہوں نے دریافت کیا کہ کون سا تحفہ عطا کیا گیا ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ پچاس نمازیں فرض کی گئی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

---

[1] بخاری شریف' کتاب الصلوٰۃ باب کیف فرضت الصلوٰۃ ص ۵۰ باب معراج جلد ۱ ص ۵۴۸ مسلم شریف جلد ۱ ص ۹۱ باب اسراء

Marfat.com

اپنا تجربہ بیان کیا کہ میں اپنی قوم کو آزما چکا ہوں آپ کی امت بھی یہ بار نہیں اٹھا سکے گی۔ بہرحال متعدد بار اس میں تخفیف کی استدعا کرنے کے بعد پانچ نمازیں باقی رہ گئیں۔❶

تکذیب

صبح کے وقت حضور اقدس ﷺ نے کعبہ شریف میں رؤسائے قریش کے سامنے اس واقعہ کو بیان فرمایا جسے سن کر وہ سخت حیرن ہوئے۔ ان میں سے کسی نے بھی آپ کی بات کو تسلیم نہیں کیا اور طرح طرح کے سوالات کرنے شروع کر دیے۔ قریش میں اکثر شام کے تاجر تھے جنہوں نے بیت المقدس کو بار بار دیکھا تھا' وہ کہنے لگے کہ اگر آپ کا قول صحیح ہے تو بیت المقدس کی ہیئت بتائیں۔

حضور نبی کریم ﷺ کو اس سے سخت پریشانی لاحق ہوئی۔ کیونکہ آپ بیت المقدس کا نقشہ دیکھنے کی غرض سے تو گئے ہی نہیں تھے۔ لیکن اللہ کریم نے فی لفور مادی پردے ہٹا کر پوری عمارت آپ ﷺ کے سامنے جلوہ گر کر دی۔ کفار سوال کرتے جاتے تھے اور آپ ﷺ دیکھ کر جواب دے رہے تھے۔❷

ان دنوں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سفر پر گئے ہوئے تھے' جب واپس تشریف لائے تو یہ واقعہ سن کر لیا تامل اس کی تصدیق فرمائی' کیونکہ آپ نے زندگی کا بیشتر حصہ آمنہ کے لال کی معیت میں گزارا تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو عین الیقین تھا کہ حضور ﷺ کی زبان وحی ترجمان سے غلط بات صادر ہو ہی نہیں سکتی۔

---

❶ بخاری شریف کتاب الصلوۃ باب کیف فرضت الصلوۃ ج ۱ ص ۵۰' باب معراج جلد ۱ ص ۵۴۸' مسلم شریف جلد ۱ ص ۹۱ باب اسراء۔

❷ بخاری شریف جلد ۱ ص ۵۴۸

Marfat.com

ہجرت مدینہ

اسلام کا آفتاب عالمتاب فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوئے اب تیرہ برس گزر چکے تھے‘ اس کی روپہلی کرنیں مدینہ کو منور کر رہی تھیں۔ اوس اور خزرج کے سعادت مند اور وفا شعار لوگ دعوت توحید کے لئے اپنے دامن پسار رہے تھے اور یہ فکر بھی دامنگیر تھی کہ شہنشاہ دو عالم ﷺ کی دعوت پر لبیک کہنے میں مدینہ کے یہودی ان سے سبقت نہ لے جائیں۔

ادھر قریش بھی حیران تھے کہ محمد ﷺ اور ان کے جاں نثار ہمارے ظلم وستم اور جبر و تشدد کی چکی میں پس جانے کے باوجود بھی اپنے آقا پر پروانہ وار جان نچھاور کر رہے ہیں۔ مسلسل تین سال آل ہاشم کو شعب ابی طالب میں نظر بند رکھا۔ ان کا آب و دانہ بند کر دیا گیا۔ سخت ترین سوشل بائیکاٹ کے باوجود بھی ان کے عزم و استقلال میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا۔

بالآخر دارالندوہ میں جو قریش کا دارالشوریٰ تھا‘ تمام قبائل کے زعماء کی میٹنگ بلائی گئی‘ بہت سی تجاویز پیش ہوئیں اور مسترد کر دی گئیں۔ لیکن ابوجہل کی یہ تجویز اتفاق رائے سے منظور کر لی گئی کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک آدمی لے لیا جائے اور یکبارگی محمد (ﷺ) پر تلواروں سے حملہ کر کے (نعوذ باللہ) اُن کا کام تمام کر دیں۔ اس صورت میں اُن کا خون تمام قبائل میں تقسیم ہو جائے گا اور آل ہاشم تب سب قبائل کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق حضور اقدس ﷺ کے مکان کا محاصرہ کر لیا گیا تاکہ جس وقت بھی آپ باہر آئیں تو حملہ کر دیا جائے۔

قریش کو رحمت کائنات ﷺ سے اس قدر شدید عداوت کے باوجود آپ

Marfat.com

کی امانت اور دیانت پر پورا اعتماد تھا اور اپنی امانتیں اس وقت بھی ان کے پاس رکھی ہوئی تھیں۔ تاہم نبی کریم ﷺ کو قریش کے ارادہ کی اطلاع ہو چکی تھی اور بارگاہِ خداوندی سے ہجرت کا پروانہ بھی مل چکا تھا۔ اس لئے سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو بلا کر ارشاد فرمایا مجھے ہجرت کا حکم ہوا ہے اور میں آج رات مدینہ طیبہ جا رہا ہوں۔ تم میرے بستر پر میری چادر اوڑھ کر سو جاؤ۔ صبح کے وقت کفار کی امانتیں ان کے سپرد کر کے مدینہ طیبہ آ جانا۔ (طبقات ابن سعد جلد ا عنوان ہجرت' طبری جلد ا عنوان ہجرت)

اگرچہ اس رات رحمت للعالمین ﷺ کا بستر خواب گاہ قتل میں تبدیل ہونے کے امکانات ہویدا تھے۔ لیکن فاتح خیبر کے لئے قتل گاہ بھی فرش گل تھی۔ چونکہ اس واقعہ میں حضور اقدس ﷺ کی پیغمبرانہ عظمت' صبر و ثبات' توکل علی اللہ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات بابرکات کے ساتھ غیر معمولی محبت و شیفتگی کے علاوہ حسن انتظام' نفاست پسندی اور لطافت طبع کے بہت سے پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔ اس لئے ہم اس واقعہ کی پوری تفصیلات بخاری شریف اور بعض دوسری کتب سے قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے باوجود اختصار پسندی کے اس واقعہ کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ اس کی تفصیلات ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زبانی روایت کی گئی ہیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں

جب حضور انور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی تیاری شروع کر دی۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''ابھی ٹھہر جاؤ' میں امید کرتا ہوں کہ مجھے بھی عنقریب اجازت مل جائے گی''۔ صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں' کیا آپ کو اس کی امید ہے؟'' ارشاد ہوا ''ہاں''۔ یہ سن کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تہیہ کر لیا کہ حضور اقدس ﷺ کی رفاقت ہی میں جاؤں گا اور اس مقدس سفر کے لئے

Marfat.com

دو اونٹنیوں کو کیکر کی پتیاں کھلا کر پالنا شروع کیا تا کہ بوقت روانگی ان پر سواری کریں۔ (بخاری شریف جلد ا ص ۵۵۳)

ہجرت کے لئے روانگی

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جمعرات کو مکہ سے غار میں اور پیر کے دن غار سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور ۱۲ ربیع الاوّل کو مدینہ میں ورود ہوا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۱۸۸)

مذکورہ واقع کے چار ماہ بعد ایک دن دوپہر کے وقت اچانک آپ ﷺ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے۔

حسب دستور دروازہ پر دستک دی اور اجازت کے بعد گھر میں تشریف فرما ہوئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کوئی ضروری مشورہ کرنا ہے لہٰذا سب کو ہٹا دو۔ صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپ ﷺ کے حرم کے سوا یہاں اور کوئی نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے ہجرت کی اجازت مل گئی ہے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے بڑی بیتابی سے عرض کیا "میرا باپ آپ ﷺ پر فدا ہو مجھے بھی ہمرکابی کا شرف نصیب ہوگا"۔ ارشاد ہوا: "ضرور"۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ عرض پرداز ہوئے کہ میری ان دو اونٹنیوں میں سے ایک آپ پسند فرمالیں۔ محسن کائنات کو کسی کا احسان گوارا نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے ارشاد فرمایا "بہت اچھا" مگر بلا معاوضہ نہیں بلکہ میں قیمت ادا کروں گا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجبوراً قبول کر لی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت کمسن تھیں۔ ان کی بڑی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے سامان تیار کیا۔ دو تین دن کی خوراک توشہ دان میں ڈالی۔ مگر اس کا منہ باندھنے کے لئے گھر میں کوئی چیز نہیں تھی۔ اس لئے انہوں نے اپنے نطاق (پٹکہ جسے عورتیں کمر سے لپیٹتی تھیں) کو پھاڑ کر توشہ دان کا منہ باندھا۔ اسی شرف کے باعث انہیں آج تک "ذات النطاقین" کے لقب سے یاد

Marfat.com

کیا جاتا ہے۔ (بخاری شریف جلد اص ۵۵۳)

امام ابن سعد کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے وہ اونٹنی ۸۰۰ درہم میں خرید فرمائی تھی۔ (طبقات ابن سعد جلد اعنوان ہجرت)

کفار نے طے شدہ پروگرام کے مطابق آپ ﷺ کے گھر کا محاصرہ کر رکھا تھا اور اس تاک میں تھے کہ آپ باہر آئیں اور ہم اپنا منصوبہ پورا کریں۔ جب رات کافی گزر گئی تو قدرت نے انہیں بے خبر کر دیا۔ اس طرح حضور انور ﷺ اپنے گھر سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے۔ اور وہاں سے دونوں جبل ثور کی طرف چل پڑے جہاں پہاڑ کی چوٹی پر غار ثور میں روپوش ہو گئے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے جواں سال صاحبزادے عبداللہ بڑے فہیم اور دانش ور تھے وہ رات تو غار میں بسر کرتے اور علی الصبح شہر میں آ کر قریش کے ساتھ گھل مل جاتے۔ قریش میں باہم جو مشورہ یا منصوبہ ہوتا اسے محفوظ کر لیتے اور جب رات کی تاریکی چھا جاتی تو سرور دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر دن بھر کی رپورٹ پیش کرتے۔ (بخاری شریف جلد اص ۵۵۳)

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ دن کے وقت بکریاں چراتے اور شام کے قریب غار کی طرف لے جا کر ان کا دودھ حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے۔ اس طرح تین دن غار میں گزر گئے۔

صبح جب قریش کو اپنے منصوبہ میں ناکامی کا علم ہوا تو سخت برہم ہوئے اور آپ کی تلاش میں چاروں طرف آدمی دوڑائے۔ ان میں سے ایک گروہ تلاش کرتے کرتے غار ثور کے دہانہ تک پہنچ گیا جن کے قدموں کی آہٹ پا کر رفیق غار غمزدہ ہو کر عرض کرنے لگے کہ دشمن اس قدر قریب پہنچ چکا ہے کہ اگر وہ اپنے پاؤں پر نظر ڈالے تو ہمیں دیکھ لے گا۔ لیکن شفیق و رحیم آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا

ما ظنك يا ابابكر باثنين الله ثالثهما

Marfat.com

"ابوبکر ان دو کے متعلق تیرا کیا خیال ہے جن کا تیسرا ساتھی اللہ ہے"۔

(بخاری شریف باب مناقب المہاجرین جلد ۱ ص ۵۱۲)

ادھر رب کریم نے تسلی وتشفی کے لئے ارشاد فرمایا

﴿ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ﴾ [سورۃ التوبۃ]

"فکر کی کوئی بات نہیں تم دونوں کے ساتھ اللہ کی ذات ہے"۔

اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ کی قدرت نے عجیب کرشمہ دکھایا کہ جب نبی ﷺ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ غار میں تشریف فرما ہوئے تو غار کے قریب ایک درخت پیدا ہو گیا جس کی جڑیں اس کے منہ پر پھیل گئیں۔ ساتھ ہی مکڑی کو حکم ہوا کہ غار کے منہ پر جالا بنا دے۔ اور دو جنگلی کبوتروں نے اس پر گھونسلہ بنا کر انڈے بھی دے دیئے۔ جب قریش نے ان چیزوں کو دیکھا تو یقین ہو گیا کہ غار میں کوئی آدمی نہیں ہے ورنہ تار عنکبوتی کا وجود سالم نہ رہتا اور نہ ہی کبوتر کے انڈے محفوظ رہ سکتے تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۱ عنوان ہجرت' البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۱۸۲)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقعہ پر ایک روایت بیان کی ہے کہ:

"جب مشرکین غار کے قریب پہنچ گئے تو نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کی یا اللہ انہیں اندھا کر دے۔ چنانچہ فی الفور سب کی بینائی سلب ہو گئی اور حضور ﷺ کو دیکھنے سے اندھے ہو گئے' اور غار کے اردگرد چکر لگا کر محروم واپس لوٹ گئے"۔

علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ اس روایت کی روشنی میں کبوتر اور تار عنکبوتی والی روایت کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ جاتی' مشرکین کا اندھا ہو جانا بھی نبی ﷺ کے معجزہ کا اظہار تھا۔ (مرقاۃ جلد ۱۱ ص ۱۳۰)

الشیخ محمد ابراہیم رفعت پاشا وائسرائے مصر نے جبل ثور کی بلندی ۵۰۰ میٹر بیان کی ہے۔ (مرآۃ الحرمین جلد ۱ ص ۶۳)

Marfat.com

حضور اقدس ﷺ نے مکہ مشرفہ سے رخصت ہونے سے پہلے ہی ایک قابل اعتماد اور دیانتدار کافر عبداللہ بن اریقط کو اجرت پر رہنمائی کے لئے مقرر کر لیا تھا۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق چوتھے دن وہ دونوں اونٹنیاں لے کر جبل ثور کے پاس پہنچ گیا۔ اور آقائے نامدار ﷺ، رفیق غار ؓ اور عامر بن فہیرہ کی رہنمائی میں سوئے مدینہ روانہ ہو گئے۔

ایک دن رات مسلسل چلنے کے بعد دوسرے دن دوپہر کے وقت جب دھوپ زیادہ تیز ہو گئی تو جاں نثار سوت ؓ سایہ دار جگہ تلاش کرنے لگے تاکہ حضور انور ﷺ آرام فرمائیں۔ آپ نے چاروں طرف نظر دوڑائی تو ایک چٹان کے نیچے سایہ نظر آیا۔ جہاں جگہ صاف کر کے اپنی چادر کا بستر بنایا اور سرور کل ختم رسل ﷺ کی خدمت میں استراحت کے لئے درخواست کی۔ نبی کریم ﷺ کچھ دیر کے لئے لیٹ گئے اور پروانہ شمع رسالت ؓ اس جستجو میں نکلا کہ کہیں کچھ کھانے کو مل جائے تو آقا کی خدمت میں پیش کروں۔ حسن اتفاق سے قریب ہی ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا۔ صدیق ؓ نے اسے دودھ دوہنے کو کہا' جب وہ دوہنے لگا (از راہ نظافت اور غلبہ حب نبوی ﷺ کے باعث) تو آپ نے اسے بکری کے گرد آلود تھن اور اپنے ہاتھ صاف کرنے کو کہا۔ اس کے باوجود برتن کے منہ پر کپڑا لپیٹ دیا تاکہ گرد و غبار دودھ میں نہ پڑے۔

دودھ لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس میں تھوڑا سا پانی ملا کر ٹھنڈا کیا اور پھر آپ ﷺ نے نوش فرمایا۔ بعد ازاں آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کیا ابھی چلنے کا وقت نہیں ہوا؟ حضرت صدیق ؓ نے عرض کی وقت ہو چکا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ اگلی منزل کی طرف روانہ ہوئے۔

(بخاری شریف جلد اول کتاب ہجرت ص ۵۱۵)

قریش جو اپنے ناپاک عزائم میں بری طرح ناکام ہو چکے تھے۔ اب ایک اور چال چلی کہ جو شخص محمد ﷺ یا ابوبکر ؓ کو گرفتار کر کے لائے' اسے ایک سو

Marfat.com

اونٹ انعام دیا جائے گا۔ جب یہ بات سراقہ بن جعشم نے سنی تو انعام کی لالچ میں آپ ﷺ کی تلاش کے لئے نکل پڑا اور اتفاق سے اس نے حضور ﷺ کو دیکھ لیا۔

گھوڑے کو ایڑی لگائی اور فوراً آپ ﷺ کے قریب پہنچ گیا۔ لیکن قدرت خداوندی سے گھوڑا ٹھوکر کھا کر گر گیا۔ اس وقت سراقہ نے ترکش سے تیر نکال کر فال لیا کہ حملہ کرنا چاہئے یا نہیں اگرچہ جواب تو نفی میں ملا مگر سو اونٹوں کا گراں قدر انعام بھی ایسا نہ تھا جو ایک تیر کی بات سے پس پشت ڈال دیا جاتا۔ وہ دوبارہ سوار ہو کر بڑی تیزی سے آگے بڑھا۔ حتیٰ کہ حضور اقدس ﷺ کے اتنا قریب پہنچ گیا کہ آپ ﷺ کے پڑھنے کی آواز اسے سنائی دینے لگی۔ لیکن اچانک گھوڑے کے اگلے دونوں پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے۔ اور زمین پر گر گیا۔ سراقہ نے ایک مرتبہ پھر تیروں سے فال لی مگر جواب نفی ہی میں ملا۔ جس پر وہ چونک گیا کہ یہاں تو معاملہ کچھ اور ہی ہے۔ بالآخر وہ امان کا خواستگار ہوا۔ جسے نبی الرحمت ﷺ اور صدیق رضی اللہ عنہ نے قبول کر لیا۔ چنانچہ وہ حاضر خدمت ہوا اور قریش کے انعام کی روداد سنائی اور امن کا پروانہ طلب کیا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر پروانہ لکھ کر اس کے حوالے کیا اور وہ لے کر مکہ مکرمہ لوٹ گیا۔ (بخاری شریف جلد ۱ باب ہجرت النبی ﷺ ص ۵۵۴)

اس طرح یہ قافلہ منزل بہ منزل چلتے چلتے امن و امان کے ساتھ مدینہ طیبہ پہنچ گیا جہاں انصار کئی دنوں سے چشم براہ تھے۔

Marfat.com

صلح حدیبیہ سے فتح مکہ تک

سیاسی و معاشی حالات

مکہ مکرمہ سے ۱۹ میل کے فاصلہ پر جدہ کے راستہ میں حدیبیہ نامی ایک کنواں تھا۔ اسی نسبت سے وہاں کی آبادی کا نام وادئ حدیبیہ مشہور ہوا۔ چونکہ اس مقام پر ملت اسلامیہ اور کفر کی طاغوتی طاقت کے مابین ایک تاریخی معاہدہ طے پایا تھا۔ علاوہ ازیں یہاں حضور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جاں نثاری کی ایک ایسی عدیم النظیر بیعت لی تھی۔ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بڑے اہتمام سے بیان فرمایا ہے۔ لہٰذا اس اجمال کی تفصیل پوری شرح وبسط سے ہدیۂ قارئین کی جاتی ہے۔

سرور کونین رحمت دارین ﷺ نبوت کے تیرھویں سال اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں جلوہ فگن ہوئے۔ چھ سال مسلسل قریش کی آتش غیظ و غضب فروزاں رہی جس کی وجہ سے مسلمان بیت اللہ کے دیدار سے مشرف نہ ہو سکے اور نہ ہی اس ذوق کے پورا ہونے کی کوئی صورت نظر آتی تھی۔

ایک مرتبہ حضور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایک خواب بیان فرمایا کہ ہم مکہ معظمہ پہنچ کر بیت اللہ کی زیارت سے شرف بار ہو رہے ہیں۔ صحابہ کے قلوب جو دیدار بیت اللہ کے لئے ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہے تھے۔ ان کے اضطراب اور اضطرار میں مزید اضافہ ہو گیا۔ ان کے اصرار پر نبی کریم ﷺ نے بھی تیاری فرمائی۔ کسی خاص اہتمام کے بغیر ہی چودہ سو شمع رسالت کے پروانے اس مقدس سفر میں آپ کی ہم رکابی کے لئے تیار ہو گئے۔ (تفسیر ابن کثیر سورہ فتح آیت ۲۷)

حضور ﷺ نے حفظ ماتقدم کے طور پر چند احتیاطی تدابیر اختیار فرمائیں

Marfat.com

کہ کوئی آدمی ہتھیار ساتھ نہ لے جائے' صرف ایک تلوار نیام میں ساتھ لے جا سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے عمرہ کی نیت فرمائی اور ذوالحلیفہ سے احرام باندھ کر قربانی کے اونٹ بھی ساتھ لے گئے تاکہ قریش کو جنگ کا شبہ نہ ہو۔ علاوہ ازیں ذیقعدہ کا مہینہ سفر کے لئے تجویز کیا۔ جس میں عرب کے قدیم رواج کے مطابق جنگ کرنا حرام سمجھا جاتا تھا۔ (بخاری شریف جلد ۲ص ۵۹۸)

اَلشَّهْرُ الْحُرُم میں قبائل عرب دور دراز سے آ کر قبلہ گاہ عام میں عبادت اور عقیدت کی رسومات ادا کرتے تھے۔ حتی کہ جو قبائل ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوتے وہ بھی اس جگہ باہم شیر وشکر ہو کر زیارت بیت الحرام سے محظوظ ہوتے تھے۔ لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود جب قریش کو آپ کی آمد کا پتہ چلا تو انہوں نے بڑے زور شور سے مقابلہ کی تیاری شروع کر دی اور ساتھ ہی متحدہ قبائل کی عظیم جمعیت طلب کر لی۔ چنانچہ مکہ سے باہر "بلدح" کے مقام پر مشرکین کی فوجیں جمع ہو گئیں۔

مسور بن مخرمہ سے روایت ہے کہ جب حبیب کبریا ﷺ حدیبیہ کے مقام پر فروکش ہوئے' یہاں پانی کا ایک کنواں تھا جس میں انتہائی قلیل مقدار میں پانی تھا جو تھوڑی ہی دیر میں ختم ہو گیا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پیاس کی شدت کے باعث بے تاب ہو گئے۔ جب نبی کریم ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اعجاز نبوی ﷺ سے پانی میں اس قدر فراوانی ہوئی کہ سارا لشکر سیراب ہو گیا۔

قبیلہ خزاعہ جو ابھی تک حلقہ بگوش اسلام تو نہیں ہوا تھا مگر مسلمانوں کا حلیف اور رازدار تھا۔ اس کا رئیس اعظم بدیل بن ورقہ بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ قریش کی فوجوں کا سیلاب آ رہا ہے' اور انہوں نے بلدح کے مقام پر پہنچ کر پانی پر قبضہ کر لیا ہے اور آپ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں اور آپ کو کعبہ شریف کی زیارت کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا' انہیں کہہ دیں ہم عمرہ کرنے آئے ہیں' لڑنے نہیں آئے۔ بہتر یہ ہے کہ قریش ایک مدت معینہ کے لئے ہمارے ساتھ معاہدۂ صلح

Marfat.com

کر لیں۔ اور اگر وہ اس پر راضی نہ ہوں تو اس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں اس وقت تک لڑوں گا جب تک میری گردن جدا نہ ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ پورا نہ کر دے۔

بدیل نے پیغام محمدی ﷺ قریش کو سنانا چاہا تو ناعاقبت اندیش جنگجو نوجوان اس قدر جوش و خروش میں تھے کہ وہ کچھ سننے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ البتہ پرانے تجربہ کار لوگ بات چیت کے لئے آمادہ ہو گئے۔ تب بدیل نے تمام شرائط پیش کر دیں۔ ایک معمر اور آزمودہ کار شخص عروہ بن مسعود ثقفی کہنے لگا۔ محمد (ﷺ) نے بڑی معقول شرطیں پیش کی ہیں۔ اگر مجھے اجازت ہو تو میں ان سے معاملہ طے کر دوں۔ چونکہ قریش کو اس پر پورا اعتماد تھا' اس لئے اپنا نمائندہ بنا کر بھیج دیا۔

عروہ سرسری گفتگو کر کے لوٹ گیا۔ لیکن نبی کریم ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جو حیرت انگیز عقیدت اور محبت دیکھی تھی اس سے اس کے دل پر گہرے نقوش مرتسم ہو گئے۔ عروہ نے قریش کو کہا مجھے نجاشی شاہ حبشہ' قیصر شاہ قسطنطنیہ اور کسریٰ شاہ ایران کے دربار میں جانے کا بارہا اتفاق ہوا مگر میں نے کوئی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا جس کی عظمت اس کے درباریوں کے دل میں محمد ﷺ کے صحابہ کی طرح پائی جاتی ہو۔ ایسی عقیدت و وارفتگی کہیں بھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ جب وہ گفتگو کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے۔ کوئی شخص نظر بھر کر ان کی طرف دیکھ بھی نہیں سکتا' جب وہ وضو کرتے ہیں تو وضو کا پانی حاصل کرنے کے لئے خلقت پروانہ وار ٹوٹ پڑتی ہے اور جب تھوک گرتا ہے تو عقیدت کیش اسے ہاتھوں ہاتھ لے کر مشک و عنبر کی طرح اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتے ہیں۔ میری ناصحانہ رائے ہے کہ ان سے صلح کر لی جائے۔ (بخاری شریف جلد اص ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۷۰ کتاب الشروط باب شروط فی الجہاد)

چونکہ ابھی معاملہ طے نہیں ہوا تھا' اس لئے حضور نبی کریم ﷺ نے مصالحت کی گفتگو کے لئے خراش بن امیہ کو اپنی خاص اونٹنی دے کر بھیجا۔ لیکن قریش نے اونٹنی قتل کر دی اور قریب تھا کہ انہیں بھی قتل کر دیتے' مگر بیچ بچاؤ سے ان کی

Marfat.com

جان بچ گئی۔ انہوں نے واپس آ کر سارا ماجرا دربار رسالت میں بیان کیا۔ اسی اثناء میں قریش نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے ایک دستہ بھیجا جسے گرفتار کر لیا گیا۔ لیکن رحمت دو عالم ﷺ کا دامن عفو اس سے کہیں زیادہ وسیع تھا چنانچہ آپ نے سب کو معاف کر دیا۔ (تفسیر ابن کثیر سورۃ فتح آیت ۲۵)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سفارت

قریش کی اس مخالفانہ روش اور معاندانہ رویہ کے باوجود نبی الرحمت ﷺ نے ایک بار پھر مصالحت کی کوشش فرمائی اور اپنے داماد سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر بھیجا۔ ان کے جانے کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کہنے لگے عثمان کتنے خوش نصیب ہیں کہ وہ بیت اللہ کی زیارت اور طواف کی نعمت سے سرفراز ہو گئے اور ہم یہاں محروم بیٹھے ہیں۔ لیکن جب یہ بات نبی علیہ السلام نے سنی تو ارشاد فرمایا کہ ہمیں عثمان کی وفاداری پر قوی یقین ہے کہ وہ ہمارے بغیر کعبہ شریف کا طواف نہیں کریں گے۔

چنانچہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے آقا کا پیغام قریش کو پہنچایا' تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ کو طواف کرنے کی اجازت ہے مگر نبی علیہ السلام کو ہم کسی طرح اجازت نہیں دے سکتے۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھر آقائے دو عالم ﷺ کے بغیر مجھے بھی طواف کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد قریش نے آپ کو قید کر دیا اور یہ افواہ پھیلا دی کہ عثمان کو قتل کر دیا گیا۔ جب یہ المناک خبر نبی کریم ﷺ کے گوش گزار ہوئی تو آپ ﷺ کو سخت صدمہ پہنچا۔

(تفسیر ابن کثیر سورت فتح آیت ۲۵' فتح الباری جلد ۷ ص ۱۶۷)

آپ ﷺ ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ عثمان کے خون کا بدلہ لینا فرض ہے لہٰذا جو شخص اس میں شریک ہونا چاہتا ہے وہ میرے ہاتھ پر بیعت کرے۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ولولہ انگیز دینی جوش و خروش کے ساتھ آپ کے ہاتھ پر جان دینے کا عہد کیا۔ آپ ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کو عثمان کا ہاتھ قرار دیا اور اپنے دوسرے ہاتھ میں رکھ کر عثمان کی طرف سے بھی بیعت کی تاکہ وہ

Marfat.com

اس اجر جزیل سے محروم نہ رہیں۔ ❶

اگرچہ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی بایں ہمہ جن لوگوں نے قلت تعداد اور فقدان اسباب ظاہری کے باوجود نبی ﷺ کے ہاتھ پر فداکاری و جاں نثاری کی بیعت کی اللہ نے ان کے اس ایثار اور عقیدت حق کی جزاءِ عظیم یہ عطا فرمائی کہ قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ اپنی خوشنودی کی سند انہیں مرحمت فرمائی اور اسی مبارک سند کی بنا پر وہ بیعت "بیعت رضواں" کے نام سے رہتی دنیا تک موسوم ہوئی۔

سیدنا مسور بن مخرمہ بیان کرتے ہیں کہ اس دوران قریش کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور وہ مصالحت پر آمادہ ہو گئے۔ انہوں نے اپنے قابل اعتماد فصیح و بلیغ خطیب سہیل بن عمرو کو سفیر بنا کر بھیجا۔ کافی رد و قدح کے بعد چند شرائط پر صلح ہو گئی۔ صلح نامہ کی کتابت کی خدمت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے انجام دی۔

حضور اقدس ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا سرنامہ میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھیں۔ جب کہ عرب میں خطوط کی ابتداء بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ کے الفاظ سے کی جاتی تھی اور وہ بسم اللہ شریف سے ناآشنا تھے اس بنا پر سہیل بن عمرو نے کہا بسم اللہ کی بجائے وہی قدیم الفاظ لکھے جائیں' جسے نبی کریم ﷺ نے قبول فرما لیا۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ جملہ لکھنے کو ارشاد فرمایا'

هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

"یعنی یہ معاہدہ محمد رسول اللہ ﷺ نے تسلیم کیا"۔

اس پر سہیل چیں بجبیں ہو گیا کہ اگر ہم آپ ﷺ کو رسول تسلیم کر لیں تو پھر جھگڑا ہی ختم ہو جاتا ہے بلکہ آپ اپنا اور اپنے والد کا نام لکھیں۔ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا۔

"اگرچہ تم میری رسالت کی تکذیب کرتے ہو' حالاں کہ خدا کی قسم میں اللہ کا رسول ہوں"۔

---

❶ بخاری شریف جلد ۱ ص ۵۲۳' مناقب عثمان جلد ۲ ص ۵۹۹' کتاب المغازی باب عمرۃ القضا' ترمذی شریف جلد ۲ ص ۲۱۱' باب مناقب عثمان۔

Marfat.com

بہر حال آپ نے کاتب سے فرمایا صرف میرا نام لکھ دیں۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے غایت عقیدت و محبت کے پیش نظر آپ کا اسم مکرم مٹانے سے انکار کیا۔ لیکن خود نبی علیہ السلام نے لفظ رسول اللہ ﷺ مٹا دیا۔ اور اس طرح معاہدہ کی شرائط لکھنے کا کام شروع ہوگیا۔

حسب ذیل شرائط پر معاہدہ طے پایا

① مسلمان اس سال عمرہ کیے بغیر واپس چلے جائیں۔

② آئندہ سال عمرہ کرنے آئیں اور صرف تین دن مکہ میں قیام کر کے چلے جائیں۔

③ ہتھیار لگا کر نہ آئیں' صرف ایک تلوار ساتھ لا سکتے ہیں' وہ بھی نیام میں اور نیام جلبان یعنی تھیلا میں ہو۔

④ مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتے' اور اگر مسلمانوں میں سے کوئی آدمی مکہ میں رہنا چاہے تو اُسے منع نہ کیا جائے۔

⑤ مکہ کے قریش یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینہ جائے تو اسے واپس کرنا ہوگا لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ آ جائے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔[1]

⑥ قریش اور مسلمانوں کے درمیان دس سال تک جنگ نہیں ہوگی۔

⑦ قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ میں شریک ہو جائیں' چنانچہ بنو خزاعہ نے نبی علیہ السلام کا ساتھ دیا اور بنی بکر

---

[1] بخاری شریف جلد ۱ ص ۳۷۹ ۳۸۰ کتاب الشروط باب شروط فی الجہاد۔ مسلم شریف جلد ۲ ص ۱۰۵ باب صلح حدیبیہ۔ مسلم شریف کی روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن بخاری کی مذکورہ روایت میں ان کا نام نہیں ہے' البتہ بخاری شریف جلد ۱ ص ۴۵۲ کتاب الجہاد باب المصالحۃ علی ثلاثۃ ایام۔ بخاری جلد ۲ ص ۶۱۰ کتاب المغازی باب عمرۃ القضاء میں نام کی تصریح موجود ہے۔

Marfat.com

نے قریش کا۔ (سیرت ابن ہشام عنوان صلح حدیبیہ)

ابھی معاہدہ پر دستخط ہوئے باقی تھے کہ سہیل کے لڑکے ابوجندل رضی اللہ عنہ جو اسلام قبول کر چکے تھے اور مکہ میں کافروں کی قید میں تھے پاؤں میں بیڑیاں پہنے کسی طرح بھاگ کر وہاں آ پہنچے۔ ان کے وجود پاجود پر ظلم و تشدد اور مار کی بربریت کے نشانات نمایاں نظر آ رہے تھے۔ مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کی پاسداری کرتے ہوئے انہیں قریش کی طرف واپس لوٹا دیا اور انہیں تسلی و تشفی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ابوجندل صبر و ضبط سے کام لو اللہ کریم تمہارے لئے ضرور کوئی راہ نکال دے گا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی جگہ اپنی اپنی قربانیاں ذبح کیں اور مدینہ منورہ کی طرف چل پڑے۔ (بخاری شریف جلد اص ۳۸۰)

معاہدہ پر مسلمانوں اور کفار کے حسب ذیل اشخاص نے بطور گواہ کے دستخط کئے تھے سیدنا صدیق اکبرؓ سیدنا عمر فاروقؓ سیدنا عبدالرحمن بن عوفؓ سیدنا علی مرتضیٰؓ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم، محمود بن مسلمہ، مکرز بن حفص۔

(ابن ہشام عنوان صلح حدیبیہ)

صلح حدیبیہ کے سیاسی ثمرات

اگر آزادی ضمیر نصیب ہو اور تعصب راہ میں حائل نہ ہو تو اسلام ایک دین فطرت ہے کہ خود بخود کائنات انسانی کو اپنے اندر جذب کرتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ "صلح حدیبیہ" کو "فتح مبین" کا اعزاز اس وجہ سے نصیب ہوا کہ جب مسلمانوں اور کفار کے مابین ایک معاہدہ کے ذریعہ جنگ کا التوا ہو گیا تو مشرکین کو امن و سکون سے مسلمانوں کے ساتھ میل جول کا موقع ملا۔ باہم گفتگو اور بحث و تمحیص میں مشغول ہو گئے۔ اسلام کی مقناطیسی کشش اور مسلمانوں کے کریمانہ اخلاق قابل رشک عمل کردار اور گفتار میں ہم آہنگی صداقت و عدالت حق پسندی و حق آگاہی و اجتماعی و انفرادی حیثیت سے تمام اقوام عالم پر امتیاز و برتری نے کفار کو اپنا گرویدہ بنا لیا

Marfat.com

نتیجہ یہ نکلا کہ حدیبیہ کے وقت مسلمانوں کی تعداد ۱۴۰۰ تھی لیکن دو سال کے اندر فتح مکہ کے وقت دس ہزار کا لشکر جرار بن چکا تھا۔ (سیرت ابن ہشام عنوان صلح حدیبیہ)

صلح ہو جانے کے بعد خاندانی اور تجارتی تعلقات کی وجہ سے قریش مدینہ میں آتے اور مہینوں قیام کرتے۔ مسلمانوں کے اخلاص، حسن عمل، نیکوکاری اور پاکیزہ اخلاق سے بے حد متاثر ہوتے اور یہ کیفیات مکہ میں جا کر دوسرے کفار سے بھی بیان کرتے۔ جس کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں اسلام کی محبت گھر کرتی گئی۔

دوسری طرف قریش مکہ کی بے جا ہٹ دھرمی اور عناد کی وجہ سے ان کا اتحاد پارہ پارہ ہو گیا، بدیل بن ورقاء اپنے ساتھیوں سمیت قریش سے الگ ہو گیا اور عروہ بن مسعود بھی اپنی جماعت سمیت قریش سے کٹ گیا۔

(تفسیر معارف القرآن جلد ۸ سورہ فتح آیت ۲۵)

ادھر ابو جندل رضی اللہ عنہ نے زندان مکہ میں پہنچ کر دین حق کی تبلیغ شروع کر دی، جو آدمی بھی ان کی نگرانی پر مامور ہوتا آپ اسے توحید کی خوبیاں سناتے۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت کا ذکر کرتے اور اسے ایمان قبول کرنے کی رغبت دلاتے، ان کی تبلیغ کے نتیجہ میں ایک سال کے اندر تین سو اشخاص نے ایمان قبول کر لیا، اب کفار اپنی عائد کردہ شرط پر نادم ہوئے اور ایک وفد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ بھیجا کہ ہم معاہدہ کی اس شرط سے دست بردار ہوتے ہیں، لہٰذا آپ اپنے نومسلموں کو مدینہ طیبہ بلا لیں۔

اسی طرح عتبہ بن اُسید رضی اللہ عنہ جن کا لقب ابوبصیر تھا، کفار نابکار کے مظالم سے تنگ آ کر مدینہ طیبہ بھاگ آئے۔ قریش نے دو آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجے کہ حسب معاہدہ ہمارا آدمی واپس کیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ سے ارشاد فرمایا واپس جاؤ، انہوں نے عرض کیا حضور! کیا پھر مجھے کفار کے چنگل میں دیا جا رہا ہے تاکہ وہ مجھے کفر پر مجبور کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ تیری نجات کی کوئی تدبیر پیدا فرما دے گا۔ ابوبصیر مجبوراً دو کافروں کی حراست میں واپس لوٹ

Marfat.com

گئے' لیکن ذوالحلیفہ پہنچ کر ابوبصیر نے ایک کافر کو قتل کر دیا اور دوسرا ڈر کے مارے بھاگ نکلا۔ اور دربار رسالت میں پہنچ کر شکایت کی۔ اتنی دیر میں ابوبصیر بھی پہنچ گئے۔ آپ نے عرض کیا' حضرت آپ نے عہد کے موافق مجھے واپس کر دیا ہے۔ اب آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں رہی۔ یہ کہہ کر مدینہ پاکیزہ سے چلے گئے اور مقام عیص جو سمندر کے کنارے ذومروہ کے پاس ہے اقامت اختیار کر لی۔ اس کے بعد مکہ کے ستم رسیدہ مسلمان بھی چوری چھپے بھاگ کر آنا شروع ہو گئے اور ابوبصیر کے پاس ستر مسلمانوں کی ایک طاقتور جماعت جمع ہو گئی۔ اس کے بعد قریش کا جو قافلہ تجارت شام کو جاتے ہوئے وہاں سے گزرتا تو یہ لوگ انہیں قتل کر کے مال لوٹ لیتے۔ اس طرح یہی مال غنیمت ان کا ذریعہ معاش بن گیا۔

چنانچہ قریش حالات کی تنگی سے مجبور ہو کر حضور انور ﷺ کی خدمت میں عرض پرداز ہوئے کہ ہم معاہدہ کی اس شرط سے باز آئے۔ لہٰذا جو مسلمان چاہے مدینہ جا کر آباد ہو سکتا ہے ہم اس سے تعارض نہیں کریں گے۔ اس کے بعد ابوبصیر اور ان کے ساتھی مدینہ طیبہ میں آ کر آباد ہو گئے اور کاروان قریش کا راستہ بدستور کھل گیا۔ اس طرح کفار نے خود ہی اس معاہدہ کی دھجیاں بکھیر دیں اور جن شرائط کو مسلمانوں نے کڑوا گھونٹ سمجھ کر پیا تھا' وہ ان کے حق میں واقعی فتح مبین ثابت ہوا۔ (بخاری جلد اص ۳۷۹ تا ۳۸۱' کتاب الشروط باب شروط فی الجہاد)

عمرۃ القضاء

فخر موجودات سرور کائنات ﷺ نے اپنی نبوت کی مقدس زندگی میں چار مرتبہ عمرہ ادا فرمایا۔ پہلا حدیبیہ والے سال (اگرچہ کفار نے ادائیگی سے روک دیا تھا) دوسرا عمرہ ۷ھ میں حدیبیہ والے عمرہ کی قضا کی صورت میں۔ تیسرا عمرہ غزوۂ طائف سے فارغ ہو کر جعرانہ میں تشریف لائے اور مال غنیمت تقسیم فرمایا اور وہاں ہی سے احرام باندھ کر عمرہ ادا فرمایا۔ اور چوتھی مرتبہ حجۃ الوداع کے ساتھ ادا

Marfat.com

کیا۔ (بخاری شریف جلد ا ص ۵۹۷، مسلم شریف جلد ا ص ۴۰۹)

عمرہ قضاء: جیسا کہ ابھی بیان ہوا کہ ذیقعدہ ۶ھ میں کفار نے نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کو عمرہ کرنے کی اجازت نہیں دی تھی اور اگلے سال عمرہ کا معاہدہ ہوا تھا۔ چنانچہ ۷ھ کو حضور اقدس ﷺ نے عمرہ کی تیاری فرمائی اور اعلان فرمایا کہ گذشتہ سال جتنے لوگ ہمارے ساتھ شریک سفر تھے سب عمرہ کی تیاری کریں، کوئی ان میں سے رہ نہ جائے، بجز ان حضرات کے جو اس اثناء میں غزوۂ خیبر میں شہید ہوئے یا وفات پا گئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بڑے جوش و خروش سے تیاری کی اور دو ہزار کی جمعیت اس مقدس سفر میں آپ کی ہم رکاب ہوئی۔ مدینہ طیبہ میں آپ نے ابو رہم الغفاری کو نیابت سپرد فرمائی۔ آپ نے خود زرہیں اور نیزے بھی ساتھ لئے اور ایک سو گھوڑے ساتھ تھے۔ گھڑ سوار رسالہ کی امارت پر محمد بن مسلمہ کو مقرر فرمایا۔

حضور نبی کریم ﷺ نے مسجد نبوی ہی میں احرام باندھ لیا اور ساٹھ اونٹ قربانی کے لئے ساتھ لئے۔ معاہدہ کے مطابق آپ ہتھیار ساتھ لے کر مکہ میں داخل نہیں ہوئے بلکہ آٹھ میل دور بطن یاجج کے مقام پر اسلحہ جمع کر دیا اور دو سو سواروں کا دستہ اس کی حفاظت کے لئے تعینات فرمایا۔ اس جگہ سے حرم کے بت نظر آ رہے تھے۔

اہل مکہ نے اگرچہ بادلِ نخواستہ آپ ﷺ کو عمرہ کی اجازت تو دے دی مگر ان کی آنکھیں اس منظر کو دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتی تھیں، اس لئے رؤسا قریش شہر چھوڑ کر پہاڑوں پر چڑھ گئے۔ حضور اکرم ﷺ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار تھے اور عبداللہ بن رواحہ تکبیل تھامے ہوئے الحجون کے راستہ سے شہر میں داخل ہوئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جم غفیر برسوں کی دیرینہ تمنا اور فرض مذہبی بڑے ولولہ اور جوش سے ادا کر رہا تھا۔ اہل مکہ کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو مدینہ کی آب و ہوا نے کمزور کر دیا ہے، اس لئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ طواف کے پہلے تین چکر اکڑتے ہوئے چلیں۔ اسے عربی میں رَمَل کہتے

Marfat.com

ہیں۔ یہ سنت آج تک جاری و ساری ہے۔ (مسلم شریف جلد اص ۱۰۳)

آپ ﷺ نے اونٹنی پر ہی طواف کیا اور لاٹھی سے حجر اسود کا استلام کیا اور اسے بوسہ دیا۔ (مسلم شریف جلد ۲ ص ۱۰۵)

پھر سواری پر ہی صفا مروہ کی سعی ادا فرمائی' جب سات چکر پورے ہو گئے تو مروہ کے قریب قربانی ادا کی اور وہیں سر منڈایا۔

کفار جبل ابی قبیس پر کھڑے یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ مسلمانوں کے سچے جوش' سادہ موثر طریق عبادت اور ان کی اعلیٰ دیانت و امانت نے عجیب اثر دکھایا۔ لوگوں سے شہر خالی پڑا تھا مگر کسی کا ذرہ برابر بھی نقصان نہیں ہوا۔ اس حسن کردار سے سینکڑوں کفار اسلام کی طرف مائل ہو گئے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے مکہ شریف میں کسی مکان میں قیام فرما ہونے کی بجائے ریتلی زمین پر چمڑے کا خیمہ لگا کر تین دن اسی میں رونق افروز رہے۔ جب تین دن پورے ہو گئے تو کفار نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی وساطت سے پیغام بھیجا کہ حسب معاہدہ مدت قیام پوری ہو چکی ہے لہٰذا آپ تشریف لے جائیں۔ (مسلم شریف جلد ۲ ص ۱۰۵)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اس موقع پر سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح بھی کیا تھا جبکہ وہ احرام میں تھیں۔

(بخاری شریف جلد ۲ ص ۶۱۱ باب عمرۃ القضا)

رسول اللہ ﷺ کا خیال تھا کہ اگر قریش مکہ میں ولیمہ کرنے کے لئے ہمیں ایک دن مزید ٹھہرنے کی اجازت دیں تو ہم انہیں بھی دعوت میں شریک کریں گے۔ لیکن قریش اس پر رضا مند نہ ہوئے اور آپ ﷺ مکہ سے روانہ ہو کر سرف میں جا ٹھہرے اور وہیں ولیمہ کیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۲۳۲)

Marfat.com

فتح مکہ

حدیبیہ میں جو معاہدہ فریقین کے مابین طے پایا تھا اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ دس سال تک جنگ نہیں ہوگی۔ نیز قبائل عرب کو اختیار ہے کہ وہ جس فریق کے ساتھ چاہیں مل سکتے ہیں۔ اور فریقین میں سے کسی کو دوسرے کے حلیف پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں ہوگی۔ مگر اس کے باوجود قبیلہ بنوخزاعہ جو مسلمانوں کا حلیف بن گیا تھا اس کے حریف بنی بکر قریش کے معاون بن گئے اور ان کی حمایت میں قریش نے حرم کے اندر بنی خزاعہ کو قتل کیا۔ اس سانحہ کے بعد بنی خزاعہ کے لوگ شکایت لے کر دربار محمدی ﷺ میں حاضر ہوئے۔ حضور اکرم ﷺ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا کہ وہ مقتولین کا خون بہا ادا کریں یا بنی بکر کی حمایت چھوڑ دیں ورنہ پھر اعلان کر دیں کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا ہے۔

یہ شرائط سن کر قریش کی جانب سے قرطہ بن عمر نے کہا کہ ہمیں تیسری شرط منظور ہے۔ (زرقانی جلد ۲ عنوان فتح مکہ)

لیکن جب حضور ﷺ کا قاصد قریش کا یہ فیصلہ سن کر مدینہ طیبہ روانہ ہو گیا' تو بعد میں قریش کو ندامت ہوئی۔ انہوں نے فوراً ابوسفیان کو تجدید عہد کے لئے مدینہ بھیجا' وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے مگر اب آنحضرت ﷺ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا اور آپ کعبہ شریف کو بتوں کی نحوست سے پاک کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ اسی لئے آپ نے تجدید عہد سے گریز کیا اور ابوسفیان کے واپس لوٹ جانے کے بعد تطہیر کعبہ کی تیاریاں شروع فرما دیں۔ غرض ۱۰ رمضان المبارک ۸ ھ کو کبنۂ نبوی ﷺ نہایت تزک و احتشام اور عظمت و احترام سے مکہ مشرفہ کی طرف بڑھا۔ دس ہزار آراستہ فوجیں ہمرکاب تھیں۔ مرّ الظہران میں جو مکہ معظمہ سے

Marfat.com

ایک منزل کے فاصلہ پر تھا' محمدی فوج فروکش ہوئی۔ آپ کے ارشاد کے مطابق تمام فوج نے الگ الگ آگ روشن کی جس سے تمام صحرا وادیِ ایمن بن گیا۔ قریش کو بھی خبر پہنچ چکی تھی۔ انہوں نے تحقیق حال کے لئے حکیم بن حزام (سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے) ابوسفیان اور بدیل بن ورقاء کو بھیجا۔

خیمہ نبوی کے محافظ دستہ نے انہیں گرفتار کر کے بارگاہِ رسالت میں پیش کر دیا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ گویا ہوئے کہ اب کفر کے استیصال کا وقت آ گیا ہے۔ مگر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی جان بخشی کی استدعا کی جسے شرف قبولیت سے نوازا گیا۔ (ابوسفیان کے گذشتہ تمام کارنامے سب کے سامنے تھے۔ ان میں سے ہر ایک فعل اس کے قتل کا متقاضی تھا۔ اسلام کی عداوت' مدینہ پر بار بار حملہ' قبائل عرب کو اشتعال دلانا اور رحمت دو عالم ﷺ کے قتل کروانے کی خفیہ سازش' یہ سب واقعات اس کے خون کے جویا تھے) لیکن ان سب سے بالاتر رحمت دارین محبوب کل ﷺ کی شان کریمی اور عفو کی چادر تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے چپکے سے ابوسفیان کو کہہ دیا لَا تَخَف اس خلق عظیم کا اثر قلب ابوسفیان پر اس قدر جلد ہوا کہ وہ فوراً حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ رحمت للعالمین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انہیں پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا کریں تاکہ خدائی افواج کے جلال کا مظاہر کر لیں۔ تھوڑی دیر بعد دریائے اسلام میں تلاطم شروع ہوا اور قبائل عرب کی فوج ظفر موج جوش مارتے ہوئے آگے بڑھی۔ سب سے پہلے غفار کا پرچم تھا کے بعد دیگرے تمام قبائل ہتھیاروں سے لیس تکبیر کی روح پرور ترانہ سنجی کرتے گزر رہے تھے۔ انصار کا قبیلہ اس سج دھج' شان' شوکت اور سروسامانی سے آیا کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ اور سب سے آخر میں کوکبہ نبوی ﷺ نمودار ہوا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اس کے پرتو سے سطح خاک پر نور کا فرش بچھتا چلا جا رہا ہے۔

آپ نے مکہ معظمہ پہنچ کر زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو علم نبویؐ مقام حجون میں نصب کرنے کا ارشاد فرمایا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اسلامی فوج کی کمان کرتے

Marfat.com

ہوئے زیریں علاقہ سے داخل ہونے کا حکم صادر فرمایا اور خود بالائی سمت سے تشریف لائے۔ (بخاری شریف جلد ۲ ص ۶۱۳ بعض روایات میں ہے کہ آپ نشیبی علاقہ سے داخل ہوئے تھے)

قریش میں اس لشکر جرار کے مقابلہ کی جرأت نہیں تھی۔ انہیں جان کے لالے پڑ گئے۔ لیکن رحمت للعالمین ﷺ نے اپنے جاں نثاروں کو ایک ایسا فقید المثال ارشاد فرمایا کہ جب تک کوئی شخص حملہ آور نہ ہو اس پر تلوار نہ اٹھائی جائے۔ جو شخص ہتھیار ڈال دے اسے قتل نہ کیا جائے۔ جو آدمی ابوسفیان کے گھر پناہ لے اُسے امان دی جائے۔ جو آدمی اپنے گھر کا دروازہ بند کر دے اس پر چڑھائی نہ کی جائے۔ جو کوئی کعبہ شریف میں داخل ہو جائے تو اسے امن دیا جائے اور جو شخص بھاگ جائے اس کا تعاقب نہ کیا جائے۔ (مسلم شریف جلد ۲ ص ۱۰۲)

فتح مکہ کے موقع پر نبی ﷺ نے منیٰ میں خیف بن کنانہ کے مقام پر قیام فرمایا تھا۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں کفار نے مسلمانوں کے خلاف باہم متحد رہنے کا عہد و پیمان کیا تھا۔ (بخاری شریف جلد ۲ ص ۶۱۲)

کعبۃ اللہ جو سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی عظیم الشان یادگار تھی۔ اس کی آغوش میں ۳۶۰ بت جاگزیں تھے۔ جنہیں امام الانبیاء ﷺ لاٹھی کی ٹھوکر سے گراتے اور یہ آیت پڑھتے جاتے تھے۔

﴿ جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴾ (بنی اسرائیل)

[بخاری شریف جلد ۱ ص ۶۱۴]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کعبہ شریف میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے بت بھی تھے۔ جن کے ہاتھ میں تیر دے رکھے تھے۔ نبی علیہ السلام نے انہیں اور دیگر سب بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرا کر باہر پھنکوا دیا۔

آپ ﷺ نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ کعبہ کی دیواروں پر جتنی تصویریں بنی ہیں انہیں مٹا دیں۔ جب کعبہ شریف شرک کی آلائشوں سے صاف ہو گیا تو نبی علیہ السلام نے عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے چابی طلب فرمائی اور حضرت بلال اور

Marfat.com

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کعبہ شریف میں داخل ہو کر نماز شکرانہ ادا فرمائی۔

(بخاری شریف جلد ص ۶۱۴)

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے سامنے توحید و رسالت پر مبنی ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں عام معافی کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا

"لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ"

"تم پر آج کوئی مواخذہ نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو"۔

۲۰ رمضان المبارک ۸ ھ بروز جمعہ مکہ معظمہ فتح ہوا اور اس پاپندرہ دن قیام کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم حنین تشریف لے گئے۔ (طبقات ابن سعد جلد ا عنوان فتح مکہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

"نبی علیہ السلام کے ساتھ ہم دس دن مکہ میں رہے اور نماز قصر پڑھتے رہے"۔

البتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ۱۹ دن قیام کرنے کا ذکر پایا جاتا ہے۔ (بخاری شریف جلد ا ص ۶۱۵)

فتح مکہ کے سیاسی اثرات

مکہ معظمہ فتح ہونے کے بعد قریش کا جاہ و جلال شان و شوکت خاک میں مل گئی۔ عرب کے تمام قبائل اس انتظار میں تھے کہ قریش اور مسلمانوں میں سے کون سا فریق غالب اور فاتح بنتا ہے' تا ہم ہم بھی اسی کی رفاقت اختیار کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی عملی تصویر ساری دنیا نے دیکھ لی

﴿ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ﴾

(سورہ نصر پ ۳۰)

"جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح آ جائے گی تو آپ دیکھیں گے کہ سب لوگ فوج در فوج دین اسلام میں داخل ہو جائیں گے"۔

۹ ھ میں قبائل عرب کے نمائندہ وفود اس کثرت سے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے کہ

Marfat.com

اس سال کا نام "عام الوفود" مشہور ہو گیا۔ بنو تمیم' ملوک حمیر' اہل نجران' سلامان' ازد' ہمدان' ملوک کندہ' عبد قیس' بنو حنیفہ' کندہ' وائل ابن حجر' مذحج' محارب' حضر موت' عبس' خولان اور طے وغیرہ کے وفود۔ گویا کہ سارا عرب اُمڈ کر پروانہ وار شمع رسالت کے گرد جمع ہو گیا۔

الحجۃُ الوداع

ذی حج ۱۰ھ مطابق فروری ۶۳۲ء

جب عرب کے ریگ زاروں میں اسلام کا سورج پوری آب و تاب سے چمکا تو خدا تعالیٰ کی بھٹکی ہوئی مخلوق اپنے اصلی مرکز کے گرد جمع ہو گئی۔ اسلام کے عقائد و اعمال اور شریعت کے اصول و فروع پایۂ تکمیل کو پہنچ گئے۔ ریاست اسلامی کا قیام عمل میں آیا اور سارے عالم کی رہنمائی کے لئے ایک قدسی صفات جماعت تیار ہو چکی تو یہ فرمان نازل ہوا

﴿ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ○ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ○ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ﴾

"جب خدا کی مدد آ گئی اور مکہ فتح ہو چکا' اور آپ نے دیکھ لیا کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں۔ آپ خدا کی حمد کی تسبیح پڑھیں اور استغفار کریں' اللہ تو بہ قبول کرنے والا ہے"۔

اس سورت کے نزول سے آپ سمجھ گئے کہ وقت رحلت قریب آ گیا ہے۔ اس لئے ضروری تھا کہ شریعت اور اخلاق کے تمام اساسی اصول مجمع عام میں پیش کر دیے جائیں۔ ہجرت کے بعد اب تک ۹ برس گزر چکے تھے مگر آپ نے فریضۂ حج ادا نہیں فرمایا تھا۔ چنانچہ ذی قعدہ ۱۰ھ میں اعلان ہوا کہ امام الانبیاء ﷺ حج کے ارادہ سے مکہ مشرفہ تشریف لے جا رہے ہیں۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح ہر سو پھیل گئی۔ اور شرف ہمرکابی کے لئے تمام عرب اُمڈ آیا۔ ہفتہ کے دن ۲۶/ ذیقعدہ کو آپ نے

Marfat.com

غسل فرمایا اور احرام کی چادر اور تہبند باندھی۔ نماز ظہر کے بعد مدینہ منورہ سے روانگی ہوئی۔ تمام ازواج مطہرات بھی ساتھ تھیں۔ مدینہ سے چھ میل کے فاصلے پر ذوالحلیفہ جو مدینہ منورہ کی میقات ہے پہنچ کر شب بھر قیام فرمایا۔ دوسرے دن دوبارہ غسل فرمایا اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے وجود باجود پر عطر افشانی کی۔ بعد ازاں دو نفل ادا فرمائے۔ احرام کی نیت فرمائی اور قصواء اونٹنی پر سوار ہو کر بلند آواز سے تلبیہ پکارا۔

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ

''اے اللہ! ہم تیرے سامنے حاضر ہیں' اے اللہ! تیرا کوئی شریک نہیں' ہم حاضر ہیں۔ تعریف اور نعمت سب تیری ہی ہے اور سلطنت میں تیرا کوئی شریک نہیں''۔

انسانوں کا ایک تلاطم خیز سمندر آپ کے آگے پیچھے' دائیں بائیں ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ کم و بیش لاکھ سوا لاکھ کا جم غفیر تھا۔ مکہ مکرمہ کے قریب سرف (وادی فاطمہ) میں پہنچ کر غسل فرمایا۔ دوسرے دن اتوار ۴ ذوالحجہ صبح کے وقت مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کا یہ سفر ۹ دن میں طے ہوا۔ جب کعبہ شریف پر نظر پڑی تو فرمایا۔ یا اللہ! اس گھر کی عزت و شرف کو دوبالا کر دے۔ پھر کعبہ شریف کا طواف ادا فرمایا پہلے تین چکر رمل (کندھا ہلا کر اور اکڑ کر چلنا) کے ساتھ اور باقی چار چکر عام چال سے پورے فرمائے۔ طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم پر تشریف لائے اور یہ آیت پڑھی

﴿ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى ﴾

''اور مقام ابراہیم (علیہ السلام) کو سجدہ گاہ بناؤ''۔

یہاں دو نفل ادا کئے' پہلی رکعت میں قل یا ایہا الکافرون اور دوسری میں قل ہو اللہ احد پڑھی' پھر سعی کے لئے صفا و مروہ پر تشریف لائے۔ سات چکر ادا کر لینے کے بعد

Marfat.com

اعلان فرمایا کہ جن کے پاس قربانی کے جانور ہیں وہ احرام نہ کھولیں اور باقی آدمی حجامت بنوا کر احرام کھول دیں۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جنہیں یمن سے حضور ﷺ کے لیے قربانی کے اونٹ لانے کو بھیجا گیا تھا وہ ایک سو اونٹ اور یمن کے حجاج کا قافلہ لے کر تشریف لائے۔ جمعرات کے روز آٹھ ذی الحجہ صبح سورج طلوع ہونے کے بعد آپ منیٰ تشریف لے گئے۔ جہاں ظہر' عصر' مغرب' عشاء اور نویں تاریخ کی نماز صبح ادا فرمائی۔ جمعہ کے دن نویں تاریخ منیٰ سے عرفات کو روانہ ہوئے۔ نمرہ میں کمبل کا ایک خیمہ نصب کیا گیا تھا وہاں قیام فرمایا۔ زوال کے بعد ناقہ پر سوار ہو کر میدان عرفات میں تشریف لائے اور ناقہ پر ہی خطبہ ارشاد فرمایا۔ خطبہ سے فارغ ہو کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا۔ پھر ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ادا فرمائی۔ پھر موقف میں تشریف لائے۔ دیر تک قبلہ رو کھڑے ہو کر دعا میں مصروف رہے۔ جب آفتاب ڈوبنے لگا تو چلنے کی تیاری فرمائی۔ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اونٹ پر پیچھے بٹھا لیا۔ مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نماز ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا فرمائی۔ رات آرام فرمانے کے بعد صبح نماز پڑھ کر سورج طلوع ہونے سے پہلے منیٰ واپس تشریف لے گئے۔ اس وقت فضل ابن عباس رضی اللہ عنہ اونٹنی پر پیچھے بیٹھے تھے۔ وادی محسر میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مجھے کنکریاں چن دیں۔ جمرۃ عقبہ کی رمی سے فارغ ہو کر میدان منیٰ میں تشریف لائے۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ ناقہ کی مہار تھامے تھے۔ آپ نے اس عظیم الشان مجمع کو غور سے دیکھا۔

فرائض نبوت کے ۲۳ سالہ نتائج نگاہوں کے سامنے پھر رہے تھے۔ زمین سے آسمان تک قبول و اعتراف حق کا نور ضوفشاں تھا۔ دیوان قضا میں انبیائے سابقین کے فرائض تبلیغ کے کارناموں پر ختم رسالت کی مہر ثبت ہو رہی تھی اور دنیا اپنی تخلیق کے لاکھوں برس بعد دین فطرت کی تکمیل کا مژدہ کائنات عالم کی زبان سے سن رہی تھی۔ ریگستان عرب کا ذرہ ذرہ اس وقت اسلام کے نور سے منور اور خانہ

Marfat.com

جب ہمیشہ کے لئے مدینہ منورہ ہی دین کا مرکز بن چکا تھا۔

آپ نے ایک سو اونٹ کی قربانی ادا فرمائی۔ ۶۳ اونٹ آپ نے خود اپنے دست اطہر سے ذبح کئے اور ۳۷ کی سیدنا علی المرتضیٰ نے قربانی کی۔ قربانی سے فارغ ہو کر حضور نے معمر بن عبداللہ سے سر منڈوایا۔ فرط محبت سے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی ام سلیم رضی اللہ عنہا کو اپنے دست مبارک سے کچھ بال عنایت فرمائے۔ اور باقی ماندہ بال ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے تمام مسلمانوں میں ایک ایک دو دو کر کے تقسیم کر دیئے۔ بعد ازاں طواف زیارت کیا۔ چاہ زمزم پر تشریف لائے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ڈول میں پانی نکال کر پیش کیا۔ آپ نے قبلہ رو کھڑے ہو کر نوش فرمایا۔ اور منیٰ واپس تشریف لے جا کر نماز ظہر ادا فرمائی۔ ۱۳ ذی الحجہ سہ شنبہ تک منیٰ میں قیام فرمایا۔ زوال کے بعد منیٰ سے چل کر وادی محصب (معاہدہ) میں قیام کیا۔ رات وہاں بسر فرمائی اور سحری کے وقت مکہ شریف تشریف لائے۔ کعبہ شریف کا الوداعی طواف ادا فرمایا اور نماز صبح کے بعد مدینہ منورہ کو روانگی فرمائی۔ (مسلم شریف باب حجۃ النبی' داؤد شریف باب حجۃ النبی' الشمر الحرم وغیرہ)

شق القمر

سرور کائنات رحمت موجودات حضرت محمد مصطفی ﷺ کے معجزات' آپ کی حقانیت اور صداقت کی واشگاف نشانیاں ہیں۔ جن کی تعداد عدد وشمار سے فزوں تر ہے جن سے قرآن مجید' احادیث اور سیر اور تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں' چونکہ کتاب کا موضوع اس بحث سے مختلف ہے' اس لئے صرف معجزہ شق القمر کا ایمان افروز تذکرہ ہی ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ (سورہ قمر پ ۲۷)

''قیامت قریب آ گئی ہے اور چاند پھٹ گیا''۔

Marfat.com

حضرت انس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

''رحمت دو عالم فخر موجودات حضور نبی کریم ﷺ ایک چاندنی رات منیٰ میں رونق افروز تھے کہ مشرکین مکہ نے آپ سے کوئی محیر العقول نشانی دکھانے کا مطالبہ کیا۔ اور یہ عہد بھی کیا کہ اگر کوئی انوکھی نشانی آپ نے دکھا دی تو ہم اسلام قبول کر لیں گے۔

پروردگار عالم نے اپنے حبیب ﷺ کی صداقت کو آشکارا کرنے کے لئے ایک ایسا عظیم الشان معجزہ ظاہر فرمایا جسے دیکھ کر لوگوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ اللہ تعالیٰ نے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے جنہیں وہاں موجود ہر ایک آدمی نے دیکھا۔ لیکن اس جلیل القدر نشانی اور ٹھوس ثبوت کا مشاہدہ کرنے کے باوجود بھی ازلی بدبخت لوگوں نے اسے تسلیم نہ کیا اور کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) کے جادو نے آسمان پر بھی اثر کر دکھایا۔ بعض لوگوں نے اپنا ردعمل اس طرح ظاہر کیا کہ اگر یہ جادو کا کرشمہ ہے تو آپ سارے جہاں پر جادو تو نہیں کر سکتے۔ اس لئے دوسرے ملکوں سے آنے والے لوگوں کا انتظار کیا جائے وہ اس واقعہ کے متعلق کیا کہتے ہیں''۔ (ترمذی شریف جلد ۲ ص ۱۶۱ سورۃ قمر)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

''اہل مکہ نے حضور نبی کریم ﷺ سے کہا کہ اپنی نبوت کی کوئی نشانی دکھائیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھا دیا' حتیٰ کہ انہوں نے چاند کے دونوں ٹکڑوں کے درمیان جبل حراء کو حائل دیکھا''۔ (بخاری شریف جلد ۱ ص ۵۴۲)

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ' امام ابونعیم کے حوالہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل فرماتے ہیں کہ

''ابوجہل' ولید بن مغیرہ' عاصی بن وائل' اسود بن مطلب اور نضر بن حرث

Marfat.com

وغیرہ مشرکین نے جمع ہو کر نبی ﷺ سے کہا کہ اگر آپ دعویٰ نبوت میں سچے ہیں تو چاند دو ٹکڑے کر کے دکھا دیں"۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۱۴۴)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

"حضور ﷺ کے ساتھ ہم منیٰ میں تھے کہ چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا جسے سب لوگوں نے صاف صاف دیکھا۔ ایک ٹکڑا ایک پہاڑ پر اور دوسرا دوسرے پہاڑ پر چلا گیا۔ حاضرین سے مخاطب ہو کر حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا لوگو! دیکھو اور گواہ رہنا"۔

(بخاری شریف جلد ۲ ص ۷۲۱، ترمذی شریف جلد ۲ ص ۱۶۱)

بخاری شریف کی اس روایت میں منیٰ کا لفظ نہیں ہے لیکن ترمذی شریف کی حدیث میں یہ صراحت موجود ہے کہ یہ واقعہ منیٰ میں ہوا تھا۔

علامہ طاہر کردی مدظلہ نے اس خیال کی سختی سے تردید کی ہے کہ واقعہ شق القمر جبل ابی قبیس پر ہوا تھا۔ یہ روایت جو لوگوں میں عام طور پر مشہور ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔ بلکہ یہ واقعہ منیٰ میں پیش آیا تھا۔ نیز جبل ابی قبیس کی بلند و بالا تھکا دینے والی چوٹیوں پر حضور ﷺ کا چڑھنا کسی روایت سے ثابت نہیں ہے۔ اور نہ ہی آپ ﷺ کا نحیف و ناتوان وجود مسعود پہاڑ پر چڑھنے کا متحمل ہو سکتا تھا۔ علاوہ ازیں اس زمانہ میں قریش کا جبل ابی قبیس پر رہائش پذیر ہونا بھی ثابت نہیں ہے۔ (تاریخ القویم جلد ۱ ص ۱۷۶)

چاند کا معجزانہ طور پر دو ٹکڑے ہو کر پھر مل جانے کا واقعہ رات کے وقت پیش آیا تھا جس کی وجہ سے بعض جگہ تو لوگوں نے اسے دیکھا اور اکثر ممالک کے لوگوں نے یہ منظر نہیں دیکھا۔ جس کی وجہ سے بعض ملحدین اس شہرۂ آفاق معجزہ کا انکار کرتے ہیں۔ مولانا بدر عالم رحمۃ اللہ علیہ کے رشحات قلم ملاحظہ ہوں۔

اس معجزہ کا اظہار جیسا کہ احادیث سے ظاہر ہے منیٰ میں ہوا۔ اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنی چشم دید شہادت بھی پیش فرماتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ

Marfat.com

واقعہ ہجرت سے پہلے رونما ہوا تھا۔ کیونکہ ہجرت کے بعد چھٹیں سال نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ کا سفر اختیار فرمایا' مگر حدیبیہ کے مقام پر مشرکین نے روک لیا تھا۔ اور آپ ﷺ مکہ شریف میں داخل نہ ہو سکے تھے۔ اس کے بعد فتح مکہ کے وقت آپ کا ورد مسعود مکہ مشرفہ میں ضرور ہوا' لیکن اس سے پہلے مشرکین کے سرغنہ بدر ہی میں واصل جہنم ہو چکے تھے۔ اور فتح مکہ کے دن کسی مشرک کو لب کشائی کی جسارت ہی نہ ہو سکی تھی۔ اس سفر میں آپ کا منیٰ جانا کسی روایت سے ثابت نہیں ہے۔

بالفرض آپ منیٰ گئے بھی ہوں تو اس وقت کسی کی کیا مجال تھی کہ ایسے معجزہ کا مطالبہ کرتا۔

ہجرت کے نویں سال آپ کا مکہ میں آنا نہیں ہوا۔ پھر دسویں سال حجۃ الوداع کے لئے آپ تشریف لائے اس سال آپ نے منیٰ میں ضرور قیام فرمایا تھا مگر اب تو معاشرہ پاک صاف ہو چکا تھا۔ مشرکین کی حج پر آنے کی ممانعت کا اعلان ہو چکا تھا۔ ان حقائق کی روشنی میں اس واقعہ کا ظہور ہجرت سے قبل ہی ثابت ہوتا ہے۔

چنانچہ جب سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

قد مضی ذالك قبل الهجرة

"یہ معجزہ ہجرت سے پہلے ہو چکا ہے"۔

مشرکین نے دوسرے ممالک سے آنے والے قافلوں سے بھی اس کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بھی اپنا مشاہدہ بیان کر کے اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی تھی۔ جس قدر یہ معجزہ عظیم الشان ہے قدرت نے اس کا ثبوت بھی اتنا ہی مضبوط فراہم کر دیا اور وہ بھی ایسے زمانہ اور ماحول میں جہاں ان امور کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی تھی۔ یعنی اس امر کی شہادت موافق' مخالف' حاضر اور غائب سب کی زبان سے ثابت ہو چکی ہے۔ (ترجمان السنہ جلد ۴ ص ۱۶۳)

مفتی اعظم مفتی محمد شفیع مرحوم و مغفور لکھتے ہیں چونکہ یہ واقعہ رات سے

Marfat.com

وقت نمودار ہوا، جس کے باعث بعض جگہ دیکھا گیا اور اکثر ممالک میں مشاہدہ نہیں کیا گیا۔ ایک واقعہ کا اچانک ظہور پذیر ہونا اور وہ بھی رات کے وقت جب کہ اکثر لوگ غفلت میں یا سوئے ہوئے ہوتے ہیں اسے نہ دیکھنا کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے۔ لیکن بایں ہمہ مشرکین نے انہی دنوں دوسرے ممالک سے آنے والے قافلوں سے اس کی تصدیق پائی تھی۔

''تاریخ فرشتہ'' کے مؤلف نے ہندوستان کے راجہ ملیبار کا ذکر کیا ہے کہ اس حیرۃ العقول واقعہ کو راجہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اسے اپنے روزنامچہ میں لکھوایا تھا۔ یہی واقعہ اس کے مسلمان ہونے کا سبب بنا۔ (معارف القرآن جلد ۸ ص ۲۲۷)

محقق عصر حاضر علامہ قاضی سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے یہ ثابت کیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں رات کے ۹ بجے جب یہ واقعہ وقوع پذیر ہوا تو اس وقت دنیا کے بڑے بڑے ممالک میں کیا وقت تھا۔ جس سے یہ اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے کہ پوری دنیا میں اس کا دیکھا جانا ممکن تھا یا نہیں۔

ہندوستان	۵۰	۱۲	رات
ماریشس	۲۰	۱۱	//
رومانیہ، بلغاریہ، ترکی، یونان، جرمنی، لکسمبرگ			
ڈنمارک اور سویڈن	۲۰	۸	دن
آئس لینڈ، ڈیریا	۲۰	۵	//
مشرقی برازیل	۲۰	۲	بعد نیم شب
متوسط برازیل، چلی	۲۰	۲	//
برٹش کولمبیا	۲۰	۱۰	قبل دوپہر
واٹون	۲۳	۹	//
برما	۵۰	۱	بعد نیم شب

Marfat.com

شمالی لینڈ، ڈغاسکر	۲۰	۱۰	شب
ریاستہائے ملایا	۳۰	۳	بعد نیم شب
جزائر سنڈوک	۵۰	۷	دن
انگلستان، آئر لینڈ، فرانس، بلجیم، سپین، پرتگال، جبل الطارق الجیریا، پیرو، تہامہ، جیکا، بھاسن	۰۰	۲	//
امریکہ	۴۰	۱	بعد نیم شب
سموا	۴۰	۲	دن
نیوزی لینڈ	۵۰	۲	//
تسمانیہ، وکٹوریہ، نیوساؤتھ	۲۲	۵	صبح
جنوبی آسٹریلیا	۵۰	۳	//
جاپان، کوریا	۳۰	۳	سہ پہر
مغربی آسٹریلیا، شمالی بورنیو، جزائر فلپائن، ہانگ کانگ اور چین	۴۰	۳	//

(یہ نقشہ اوقات سٹینڈرڈ ٹائم کے مطابق تیار کیا گیا ہے۔)

(رحمت للعالمین جلد ۳ ص ۱۸۳)

Marfat.com

خلافت فاروقی

عہد فاروقی میں مکہ معظمہ کی اصلاحات کے ضمن میں علامہ فرید وجدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

''سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں تمام بلاد عرب کو غیر مسلم آبادی سے پاک کر دیا تھا اور حرمین شریفین میں غیر مسلموں کا داخلہ قانوناً ممنوع قرار دے دیا تھا جس کی وجہ سے جدہ، ینبوع اور صنعاء کی بندرگاہوں تک غیر مسلم آتے تھے مگر مکہ شریف میں داخل ہونے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے''۔ (دائرۃ المعارف جلد ۹ ص ۳۳۴)

امام المؤرخین علامہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

''قدیم زمانہ سے مکہ شریف میں انتہائی تباہ کن سیلاب آتے رہتے تھے جن سے نہ صرف جانی اور مالی نقصان ہوتا تھا بلکہ بیت اللہ شریف کو بھی ناقابل تلافی نقصان پہنچتا رہا۔ چنانچہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سیلاب کی روک تھام کے لئے ''المدعا'' میں (مروہ کے قریب) ایک بے حد مضبوط بند تعمیر کرایا جس کے باعث ۱۸۵ سال تک حرم شریف اور اہل مکہ سیلاب کی آفت سے محفوظ رہے۔ بعد ازاں ۲۰۲ھ میں وہ بند کمزور ہو جانے کی وجہ سے سیلاب کی نذر ہو گیا''۔ (اعلام الاعلام ص ۹۶)

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ''ازالۃ الخفاء'' کے حوالہ سے لکھتے ہیں

''۱۷ھ میں جب امیر المومنین خلیفہ ثانی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فریضہ حج ادا کرنے مکہ معظمہ تشریف لائے تو انہوں نے مکہ اور مدینہ کے درمیان ہر ایک منزل پر چوکیاں، سرائیں، چشمے، سایہ دار جگہیں اور مسافر خانے بنوائے۔ بہت سے نئے کنوئیں کھودنے اور پرانے صاف کرنے کا حکم دیا۔ تاکہ حجاج

کرام کو پانی سہولت سے دستیاب ہو سکے"۔ (الفاروق جلد ۲ ص ۷۲)

امیر المومنین خلیفہ ثانی عمر رضی اللہ عنہ نے حرم شریف کی توسیع کے لئے قرب و جوار کے بہت سے مکانات خرید کر اسے وسیع کیا۔ انہوں نے ایک ایسے عظیم الشان نیک کام کی بنیاد رکھی جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے اور امید کی جاتی ہے کہ قیامت تک جاری رہے گا۔

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

خلافت اموی

اموی خاندان میں سب سے پہلے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ کی ترقی اور فلاح و بہبود پر خصوصی توجہ دی۔ سبزیوں کی پیداوار اور پینے کے لئے پانی کا معقول انتظام کیا۔ متعدد بند' حوض اور کنوئیں بنوائے۔ بعد ازاں اموی خلفاء نے نہ صرف سیلاب کی روک تھام کے لئے بند تعمیر کئے بلکہ سیلاب کا رخ موڑنے کے لئے نالے کھدائے۔

خلیفہ ولید بن عبدالملک کے عہد خلافت میں کعبہ شریف کی حفاظت کے لئے حرم شریف کے چاروں طرف ایک مضبوط پشتہ تعمیر ہوا جس میں شام اور مصر کے ماہرین کی خدمات حاصل کی گئیں۔ اموی دور میں مکہ' مدینہ اور طائف پورے حجاز میں بڑی اہمیت کے شہر تھے۔ (قسم مکہ ص ۱۹۵)

گورنر مکہ خالد بن عبداللہ القسری الیمنی نے بہت سے قابل تعریف کام کئے تھے۔ مثلاً رمضان شریف میں طواف کے دوران تکبیرات بلند آواز سے پڑھنے کا حکم دیا۔ ان سے پہلے کعبہ شریف کی صرف ایک سمت میں صفیں بنائی جاتی تھیں۔ لیکن موصوف نے چاروں طرف صفیں بنانے کا طریقہ رائج کیا۔ عورتوں کو مردوں سے الگ طواف کرنے کا حکم دیا۔ حجاج کرام کو پانی کی سہولت فراہم کرنے کی غرض

Marfat.com

سے چاہ زمزم کے اوپر دو حوض تعمیر کرائے۔

موصوف کے دادا عقبہ بن الازرق نے سب سے پہلے حرم شریف میں روشنی کا انتظام کیا تھا۔ وہ اپنی حویلی کی دیوار پر ایک بہت بڑا چراغ جلا کر رکھتا تھا جس سے پورا مطاف منور ہو جاتا تھا۔ خالد موصوف نے اپنے عہد امارت میں ایک اور چراغ کا اضافہ کر دیا۔ اس نے حجر اسود کے سامنے زمزم کے قریب لکڑی کا ایک ستون نصب کیا جس پر چراغ جلایا جاتا تھا۔ اسی نسبت سے اس چراغ کا نام ''مصباح زمزم'' مشہور ہوا۔ (شفاء الغرام ص ۱۷۱)

اس کے علاوہ شہر کے باہر ایک کنواں بھی بنوایا تھا جس کے سبب پانی کی قلت رفع ہو گئی تھی۔ (روض الانف جلد ا ص ۱۰۹)

۱۳۷ھ میں مکہ شریف قحط اور گرانی کی لپیٹ میں آ گیا۔ صرف ایک درہم میں اور جوار تقریباً ایک سیر بیس درہم میں فروخت ہونے لگی۔ (شفاء الغرام ص ۳۱۱)

خلافت عباسی

۱۳۲ھ تا ۶۲۳ھ

خلافت عباسی میں اسلامی ریاست کے مراکز دمشق' شام اور بغداد ہونے کی وجہ سے مکہ معظمہ میں صرف ایک گورنر تعینات کر دیا جاتا جو وہاں کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ بعض اوقات امیر حجاج ہی کو عارضی گورنر بنا دیا جاتا تھا جو حج کے دنوں میں وہاں کا نظم و نسق چلاتا تھا۔

عباسی خلفاء نے اہالیان مکہ کی امداد و تعاون اپنا معمول بنا رکھا تھا۔ چنانچہ خلیفہ ہارون الرشید نے اپنی عہد خلافت میں بلا تمیز تمام شہریوں کو صدقات و خیرات دے کر مالا مال کر دیا تھا۔ موصوف نے بے دریغ روپیہ خرچ کیا' اور ان میں سے کوئی شخص بھی محتاج اور مفلس نہیں رہا۔ (اعلام الاعلام ص ۹۰)

عباسی دور کی ایک عظیم یادگار ''نہر زبیدہ'' ہے جسے زبیدہ خاتون نے بنوایا

Marfat.com

تھا۔ جو عدیم النظیر منفعت کی حامل اور زبیدہ کے باقیات الصالحات کا عظیم شاہکار ہے۔ اس کی تفصیلات پوری شرح و بسط کے ساتھ آئندہ صفحات میں قارئین پڑھیں گے۔

۱۶۰ھ میں جب خلیفہ مہدی عباسی فریضہ حج ادا کرنے مکہ مکرمہ آیا تو اس متقی و پرہیزگار اور نیک خصال خلیفہ نے لاکھوں دینار باشندگان مکہ میں تقسیم کیے۔ (اعلام الاعلام ص ۹۰)

۴۵۵ھ میں علی بن محمد الصلیحی امارت مکہ پر تعینات ہوئے تو ان کے حسن انتظام اور اخلاق کریمانہ سے ظلم و جور کا دور ختم ہوا۔ اور رعایا کو عدل و انصاف اور امن و امان کی دولت نصیب ہوئی۔ لوگ ان کی حسن کارکردگی سے اس قدر مطمئن اور مسرور تھے کہ ہر آدمی کی زبان سے ان کے حق میں دعا نکلتی تھی۔ (شفاء الغرام ص ۲۱۲)

۵۶۹ھ میں مکہ معظمہ شدید ترین قحط کی گرفت میں آ گیا۔ پونے دو سیر گندم ایک دینار میں فروخت ہونے لگی۔ لوگ بھوک کی شدت سے خون چمڑے اور ہڈیاں کھانے پر مجبور ہو گئے۔ اکثر لوگ جاں بحق ہو گئے۔ پھر خلیفہ المستضی بامر اللہ نے صدقہ و خیرات کا بہت زیادہ مال بھیجا جس کے سبب قحط کی آفت سے لوگوں کو نجات حاصل ہوئی۔ (شفاء الغرام ص ۳۱۱)

خلافت عثمانیہ

دولت عثمانیہ کی بعض سماجی معاشی اور رفاہی خدمات کا تذکرہ سپرد قلم کیا جاتا ہے۔

۸۱۱ھ میں سلطان غیاث الدین اعظم شاہ بن سکندر شاہ نے ہندوستان سے اپنے خادم حاجی یاقوت الغیاثی کے ہاتھ بہت زیادہ تعداد میں مال و دولت دے کر حرمین شریفین بھیجا تا کہ وہاں کے باشندوں کی خدمت میں وہ مال پیش کرے۔ علاوہ ازیں تعلیم و تربیت کے فروغ کی خاطر باب ام ہانی کے قریب ایک مدرسہ جاری

Marfat.com

کیا اور زائرین، مدرسین اور طلباء کی رہائش کے لئے ایک سرائے تعمیر کرائی۔ نیز نہر باذان کو مرمت کرایا جس سے پانی کی قلت رفع ہو گئی۔ (اعلام الاعلام ص ۱۹۹)

۸۱۶ھ میں حسن بن عجلان نے حرم شریف کے شمال میں ایک ہسپتال ''بیمارستان'' کے نام سے بنوایا۔ جس میں امیر غریب، مقیم اور مسافر کا علاج بلا معاوضہ کیا جاتا تھا۔ مریض شفایاب ہونے کے باوجود جب تک خود نہ جانا چاہے اسے فارغ نہیں کیا جاتا تھا۔ قیام، طعام اور علاج وغیرہ تمام انتظام بلا معاوضہ تھے۔ اس طریق کار اور حسن انتظام سے غرباء اور مساکین کو بہت زیادہ فائدہ پہنچا۔ (اعلام الاعلام ص ۲۰۳)

۸۴۳ھ میں امیر سودون نے عرفات کا راستہ خاردار درختوں اور چٹانوں سے صاف کرایا۔ خاردار درختوں کی بہتات کے سبب حجاج کا چلنا سخت دشوار تھا۔ راستوں کی صفائی اور توسیع کے اس عظیم کار خیر پر موصوف کو لوگوں نے مبارک پیش کی۔

۸۵۰ھ میں خواجہ بیرم ناظم حرم نے معلاہ میں ایک سبیل اور حوض تعمیر کرایا۔ جن کے پانی سے انسانوں کے علاوہ جانور، پرندے اور درندے بھی سیراب ہوتے تھے ان دونوں باقیات اصلاحات سے ۹۶۸ھ تک خلق خدا بہرہ یاب ہوتی رہی۔ بعد ازاں پانی کی کثرت کے باعث مولانا محمد بن محمود آفندی قاضی مکہ نے وہاں باغ بھی بنایا تھا۔ (اعلام الاعلام ص ۲۱۷)

۸۵۰ھ میں سلطان مراد خان ثانی کا ایک نیک سیرت وزیر فریضہ حج ادا کرنے آیا۔ تو اس نے مکہ اور مدینہ کے باشندوں کو صدقات وخیرات دے کر مالا مال کر دیا۔ موصوف نے حوض عباس جدہ میں ۳۶۰ بوری شکر اور کافی مقدار میں شہد ڈال کر بہت زیادہ شربت بنایا۔ جس سے حجاج کرام کو خوب سیراب کیا۔ علاوہ ازیں نہر زبیدہ کی اصلاح اور مرمت کا کام بھی کرایا۔

۸۵۳ھ میں موصوف نے عرفات کے متعدد حوض جو عرصہ دراز سے مٹی اور

Marfat.com

ریت سے اٹے پڑے تھے صاف کرا کر قرب و جوار کے کنوؤں سے پانی لا کر بھر دیا۔ جس کے سبب حجاج کو عرفات میں پانی کی تکلیف پیش نہ آئی۔ (اعلام ار علام ص ۲۱۱)

۸۷۴ھ میں سلطان اشرف قایتبائی نے منیٰ میں مسجد خیف کے قریب حجاج کے امراء کی رہائش کے لئے ایک مکان تعمیر کرایا اور اس کے دروازہ کے پاس پانی کی سبیل بنوائی جسے مسجد کے صحن میں واقع حوض سے بھر دیا جاتا تھا۔ اس کار خیر سے منیٰ میں بھی حجاج کو پانی کی دقت نہیں ہوئی۔ (اعلام الاعلام ص ۲۲۳)

سلطان موصوف نے نہر زبیدہ کی صفائی اور مرمت کا عظیم کارنامہ انجام دیا۔ گذشتہ ۱۵۰ سال سے نہر خشک پڑی تھی' کیونکہ مٹی' ریت اور دیواروں کے گرنے سے پانی بند ہو گیا تھا' مرمت اور صفائی کا کام جبل رحمت سے لے کر وادی نعمان تک کیا گیا' جس میں وافر مقدار میں پانی پایا گیا۔ پھر حوض اور برساتی گڑھوں کو صاف کرایا اور پانی سے بھروا دیئے۔

اس کے بعد نہر حنین کی مرمت کرائی اور اس کے قریب واقع تمام حوض صاف کر کے پانی سے بھر دیئے۔ اس طرح زائرین اور حجاج کو بہت زیادہ فائدہ پہنچا۔ (اعلام الاعلام ص ۲۲۴)

۸۸۶ھ میں سلطان بایزید خان بن سلطان محمد خان نے اپنے عہد خلافت میں حرمین شریفین کے باشندوں پر بے دریغ روپیہ خرچ کیا۔ وہ ہر سال ۱۴۵۰۰۰ دینار سرخ بھیجتا۔ جو نصفا نصفی کر کے مکہ اور مدینہ کے لوگوں میں تقسیم کر دیئے جاتے تھے۔ (اعلام الاعلام ص ۲۶۱)

۹۰۸ھ میں سلطان قانصوہ غوری نے باب ابراہیم کے باہر بیت الخلاء بنوائے۔ مگر صفائی کا انتظام ناقص ہونے کی وجہ سے ان میں تعفن پیدا ہو جاتا تھا۔ جس سے حرم شریف میں نمازیوں کو اذیت پہنچتی تھی۔ چنانچہ ۹۶۹ھ میں انہیں بند کر دیا گیا۔ (اعلام الاعلام ص ۲۳۳)

۹۳۳ھ میں سلطان سلیم خان نے مکہ کے علماء اور فقہاء کا ایک سو دینار

Marfat.com

مشاہرہ مقرر کیا تھا جسے بعد میں شریف ابی نمی نے ۵۰۰ دینار کر دیا۔ علماء فقہاء غربا اور دوسرے لوگوں کے نام رجسٹر میں درج کرائے اور ان کا حسب مراتب ماہوار وظیفہ مقرر کیا۔ اس کے علاوہ سال میں ایک مرتبہ تمام غربا اور مساکین کو دو دو دینار دیئے جاتے تھے۔ یہ سلسلہ کئی برس تک جاری رہا۔

اسی سال سلطان موصوف نے گندم کے پانچ ہزار تھیلے خیرات کئے۔ غلہ تقسیم کرنے کے لئے تمام محلوں کی مردم شماری کرائی گئی۔ مردوں' عورتوں اور بچوں کی مجموعی تعداد ۱۲۰۰۰ تھی۔ ہر آدمی کو گھر کے افراد کے مطابق فی کس کے حساب سے غلہ دیا گیا۔ اس زمانہ میں قحط اس قدر شدت اختیار کر گیا تھا کہ اگر خدانخواستہ سلطان موصوف کی امداد نہ پہنچتی تو لوگ بھوک سے مر جاتے۔ ان صدقات جاریات کا سلسلہ علامہ قطب لدینؒ کے زمانہ ۹۶۸ھ تک مسلسل جاری رہا۔ (اعلام الاعلام ص ۲۸۵)

۹۲۹ھ میں سلطان مذکور کے خلف الرشید سلطان سلیم خان نے اس مقدار میں اضافہ کر دیا۔ عام شہریوں کے لئے سات ہزار تھیلے اور فقراء اور مساکین کے لئے تین ہزار تھیلے گندم کر دی گئی۔ اسی طرح مدینہ منورہ' ینبوع اور جدہ کے لئے بھی سالانہ امداد مقرر کر دی۔

علاوہ ازیں جدہ کے ایسے معذور اور نادار لوگ جو حج کا شوق رکھتے ہوئے بھی اس سعادت سے محروم تھے ان کے لئے پانچ ہزار اردب گندم مخصوص کی گئی۔ اس کے علاوہ مدینہ طیبہ کے حجاج کو عرفات کے اخراجات کے لئے ایک ہزار دینار دیئے جاتے۔ اور مکہ مکرمہ کے فقراء میں بھی حج کے دنوں میں وظائف تقسیم کئے جاتے تھے۔ علماء کرام اور صلحاء عظام کی خدمت میں عمدہ اور نفیس پوشاک کا ہدیہ پیش کیا جاتا تھا۔ (اعلام الاعلام ص ۳۸۸، ۳۸۹)

۹۶۵ھ میں سلطان اعظم سلطان سلیمان خان کے حکم سے حرم شریف کے قریب فقراء اور غرباء کے لئے ایک سرائے تعمیر کرائی گئی تاکہ یہ لوگ حرم شریف کو قیام گاہ بنائیں۔ اسی عمارت میں ایک دارالشفاء تعمیر کرایا اور اس کے متصل فقراء

Marfat.com

غربا اور مریضوں کے استعمال کے لئے چند دوکانیں اور مکان بھی بنوائے علاوہ ازیں شہر کے وسط میں ایک عالیشان حمام بنوایا۔ جس میں صاف ستھرا پانی اور ہوادار کمرے تھے۔ سلطان موصوف کے یہ جلیل القدر اور منفعت بخش کارنامے ۹۸۴ھ تک قائم رہے۔ (اعلام از اعلام ص ۳۰۸)

۹۹۳ھ میں سلطان سلیم خان نے زائرین اور دوسرے لوگوں کی آسائش و آرام کی خاطر باب الصفاء کے باہر دائیں طرف پانی کی ایک سبیل بنوائی اور اس کے قریب ہی وضوء کے لئے جگہ بنائی گئی۔ یہ کام ۹۹۵ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچا اور اس پر بیس ہزار دینار خرچ آیا۔

۹۹۷ھ میں حج کے موقعہ پر مکہ معظمہ کے باشندوں کے لئے تین ہزار دینار، امیر اور شریف مکہ کے لئے زر کثیر اور قاضی و شیخ حرم کے لئے قیمتی پوشاک بھیجیں۔ (اعلام الاعلام ص ۳۱۶)

Marfat.com

خاندانِ سعود

اس عظیم المرتبت خاندان کی قابل صد افتخار تاریخ بہت قدیم اور طویل ہے۔ لیکن زیرِ نظر کتاب کے مضمون سے تفاوت کے باعث طویل وعریض واقعات و حالات قلم بند کرنا خلاف اولیٰ ہے۔ بایں ہمہ اس خاندان کی حرمین شریفین کی ناقابل فراموش خدمات اور زریں کارہائے نمایاں کے پیش نظر اس خاندان کی تفصیلات سے قارئین کو محروم رکھنا بھی صریح ناانصافی اور ناسپاس گزاری ہوگی۔ اس لئے اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسی قدر تفصیلات سپرد قلم کی جاتی ہیں۔

نسب نامہ:

خاندان عالیہ سعودیہ کا نسب نامہ حسب ذیل ہے

فیصل بن عبد العزیز بن عبد الرحمن بن فیصل بن ترکی بن عبد اللہ بن محمد بن سعود بن محمد بن مقرن بن مرخان بن ابراہیم بن موسیٰ بن ربیعہ بن مانع بن المسیب بن المتعد بن یدران بن مالک بن سالم بن مالک بن غسان بن ربیعہ بن ملقہ بن الحارث بن ہمام بن مرہ بن ذہل بن شیبان بن ثعلبہ بن عکابہ بن صعب بن بکر بن وائل بن قاسط بن ہنب بن دعمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان۔ (المملکۃ العربیہ السعودی جلد ا ص ۴۶)

۱۴۶۶ عیسوی میں قطیف کا ایک عام شہری' ریاض کے قریب "المنفوحہ" میں مقیم اپنے ایک رشتہ دار ابن درع کو ملنے گیا۔ میزبان رئیس کبیر تھا۔ اس نے مہمان کو غصیبہ اور الملیبیہ کی جاگیر تحفہ میں دے دی۔ اور ساتھ ہی اپنی دوشیزہ سے عقد بھی کر دیا۔ یہی علاقہ بعد میں درعیہ کے نام سے شہرت پذیر ہو۔

اسی بستی میں محمد بن مقرن کے گھر ۱۶۶۵ء میں ایک فرزند ارجمند تولد ہو

Marfat.com

جس کا نام سعود رکھا گیا۔ سعودی عرب کے موجودہ فرماں روا شاہ خالد ان کی سولہویں پشت میں سے ہیں۔ موصوف ۲۵ برس کی عمر میں درعیہ کے امیر بنے۔ ۱۱۳۳ھ مطابق ۱۷۲۱ء سعودی گھرانے میں اس بطل جلیل نے جنم لیا جسے عبدالعزیز اوّل کے نام سے دنیا یاد کرتی ہے۔

۱۲ رجون ۱۷۲۵ء امیر سعود اللہ کو پیارے ہو گئے اور ان کے جانشین زید بن مرخان بنے۔ ان کے بعد عبداللہ بن معمر اور پھر ۱۷۲۶ء میں محمد بن سعود درعیہ کی امارت پر فائز ہوئے اور تادم آخرین ۱۱۷۹ھ مطابق ۱۷۶۵ء تک اس عہدہ پر متمکن رہے۔

محمد بن عبدالوہاب

اس اثناء میں ۱۱۱۵ھ مطابق ۱۷۰۳ء عیینہ میں شیخ عبدالوہاب کے ہاں ایک فرزند پیدا ہوا جس کا نام محمد رکھا گیا۔ والد گرامی قدر سے تفسیر' حدیث اور فقہ حنبلی کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد زیارت حرمین شریفین کو جانا ہوا۔ وہاں مدینہ منورہ کے شیوخ سے اکتساب علم کیا۔ بعد ازاں بصرہ کے جید علماء سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا۔

موصوف نے جس ماحول میں پرورش پائی تھی وہاں ہر سو مشرکانہ اور جاہلانہ رسومات کا دور دورہ تھا' ایمان اور اسلام نام کا باقی رہ گیا تھا۔ مسلمانوں کی ہلاکت خیز گمراہی کو دیکھ کر شیخ نے توحید و رسالت اور اصلاح اعمال کی تبلیغ شروع کر دی۔

عقیدہ

شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے متبعین کا عقیدہ ان کی اپنی تصریحات کے مطابق حسب ذیل تھا۔

'ہمارا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا رتبہ اور مقام ساری مخلوق سے اعلیٰ اور افضل ہے' آپ اپنی قبر مبارک میں برزخی زندگی کیساتھ زندہ ہیں جو

Marfat.com

شہداء کی زندگی سے بلند تر ہے۔ کیونکہ آپ بلاشک و شبہ شہداء سے افضل ہیں۔ آپ ﷺ سلام پیش کرنے والے کا سلام سنتے ہیں' آپ ﷺ کی قبر اطہر کی زیارت مسنون ہے۔ لیکن شد رحال کی مشہور حدیث کے پیش نظر صحیح طریقہ یہ ہے کہ مسجد نبوی کی حاضری اور اس میں نماز پڑھنے کی نیت سے سفر کیا جائے' اور اگر اس کے ساتھ زیارت قبر اطہر کا قصد بھی شامل کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ جو شخص اپنا قیمتی وقت آپ ﷺ پر درود شریف پڑھنے میں صرف کرے تو حدیث شریف کی رو سے اسے دنیا اور آخرت کی سعادت اور کامرانی نصیب ہوگی۔ اور درود شریف کی برکت سے رنج والم اور پریشانیوں سے نجات مل جائے گی۔

ہم اولیاء اللہ کی کرامات کو تسلیم کرتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ نے جو خاص مرتبہ اور مقام عنایت فرمایا ہے۔ ہم اس کے قائل ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ وہ زندگی میں اور نہ ہی مرنے کے بعد کسی قسم کی عبادت کے مستحق ہیں اور نہ وہ حاجت روا اور مشکل کشا ہیں۔ البتہ زندگی میں اولیاء سے بلکہ ہر مسلمان سے دعا کی درخواست کرنا جائز ہے۔

ہمارا یہ ایمان ہے کہ قیامت کے دن شفیع المذنبین ﷺ تمام انبیاء' اولیاء' ملائکہ اور معصوم بچے بھی شفاعت کریں گے۔ جس کی تصریح احادیث صحیحہ میں وارد ہوئی ہیں۔ اور ہم اللہ تعالیٰ سے اس شفاعت کے طلب گار ہیں۔ انتہائی عاجزی اور انکساری سے بارگاہ خداوندی میں التجا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حضور نبی کریم ﷺ کی شفاعت نصیب فرمائے اور اسے ہمارے حق میں قبول فرمائے۔ ہم اسی طرح اولیاء کرام اور فرشتوں کی شفاعت کے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں۔ (سیرت محمد بن عبد الوہاب ص ۵۸'۵۹)

ہمارا مسلک حنبلی ہے' لیکن ہم چاروں فقہی مسالک کو حق پر سمجھتے ہیں

Marfat.com

اور ہم کسی بھی مسلمان کی تکفیر نہیں کرتے۔ ہماری نسبت جتنی باتیں منسوب کی گئی ہیں وہ سب جھوٹ کا پلندہ ہیں"۔ (سیرت محمد بن عبدالوہاب ص ۳۸،۳۹)

عہد ساز رفاقت

امیر محمد بن سعود اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کے مابین بھرپور تعاون اور طویل رفاقت کا عہد صرف دو شرائط پر طے ہوا تھا۔ ابن سعود نے شیخ سے کہا

"مجھے اس بات کا خدشہ ہے کہ اگر میں نے آپ سے تعاون کیا اور ہم نے دنیا فتح کر لی تو آپ مجھے چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں گے۔ اور دوسرا یہ کہ میں اپنی رعایا سے زراعت اور دیگر کاروبار کی آمدنی پر قانونا مالیہ وصول کرتا ہوں لیکن آپ مجھے اس کی وصولی سے منع کریں گے"۔

شیخ نے جواب دیا:

"پہلی شرط مجھے منظور ہے ہاتھ بڑھائیں اور عہد لے لیں اور دوسری شرط کے متعلق عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ پر فتوحات کے دروازے کھول دے گا۔ اور آپ کو اس قدر مال غنیمت ملے گا کہ مالیہ کی آمدن کی حیثیت اس کے سامنے پرکاہ کے برابر بھی نہیں ہوگی"۔

باہم معاہدہ طے ہو جانے کے بعد مال غنیمت کا بیس فی صد مرکزی بیت المال میں جمع ہوتا تھا' جسے دونوں رہنما اپنے فرائض کی انجام دہی پر خرچ کرتے تھے۔ اس طرح یہ بھی بے نظیر تعاون اور اشتراک تقریباً نصف صدی تک قائم رہا اور بالآخر اجل نے اسے منقطع کر دیا۔

امیر ابن سعود کی تلوار اور شیخ کی تبلیغ نے ایسے جوہر دکھائے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ریاست کی حدود وسیع تر ہو گئیں۔ لیکن جب ابن سعود پیرانہ سالی کے سبب سیاسی' مالی اور انتظامی امور کے بوجھ کا متحمل نہ رہا تو شیخ کے مشورہ سے ۱۱۶۹ھ مطابق ۱۷۵۵ء میں عبدالعزیز بن سعود کو ولی عہد بنا دیا گیا۔ ۱۱۷۹ھ مطابق

Marfat.com

۱۷۶۵ء کو امیر محمد بن سعود اس دارِ فانی سے دارِ بقا کو رحلت فرما گئے۔

۱۱۸۱ھ مطابق ۱۷۶۷ء میں امیر عبدالعزیز ریاض پر حملہ کرنے کے ارادہ سے روانہ ہوا جب ارقہ گاؤں میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ دہام بن دواس والیٔ ریاض اس گاؤں پر قبضہ کرنے آ رہا ہے' لیکن جب دہام نے عبدالعزیز کی فوج دیکھی تو الٹے پاؤں واپس بھاگ گیا۔ مگر عبدالعزیز نے بجلی کی سی تیزی سے اس کا تعاقب کیا۔ چنانچہ دہام کے دو بیٹے دواس اور سعدون اپنے چند ہمراہیوں سمیت قتل کر دیئے گئے۔ دہام کے لئے یہ صدمہ ناقابل برداشت تھا جس کے سبب خود اعتمادی نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔

۱۱۸۵ھ مطابق ۱۷۷۳ء میں جب امیر عبدالعزیز نے ریاض کی طرف پیش قدمی کی تو دہام نے راہِ فرار اختیار کر لی۔ اور اس طرح ریاض پر عبدالعزیز کا قبضہ ہو گیا۔ اسی سال احمد بن سعید والی مکہ نے شیخ محمد بن عبدالوہاب اور امیر عبدالعزیز کی طرف خط لکھا کہ اپنا کوئی معتمد عالم مکہ بھیجیں تاکہ وہ آپ کی دعوت کی تفصیلات سے آگاہ کرے۔ چنانچہ عبدالعزیز بن عبداللہ الحصین کو بھیجا گیا جو ۱۱۸۶ھ میں مکہ پہنچے۔ ۱۷۹۰ء اور ۱۷۹۵ء میں غالب بن مساعد درعیہ پر حملہ آور ہوا۔ ۱۷۹۶ء میں دونوں فوجوں میں سخت مقابلہ ہوا' اور غالب کو شکست فاش ہوئی۔ ۱۷۹۹ء میں دونوں میں عارضی صلح ہوئی جس کے باعث ذشم اور قصیم کے لوگ حج کی سعادت سے فیض یاب ہوئے۔ ۱۸۰۰ء میں نجد کے بہت سے لوگوں نے فریضہ حج ادا کیا۔ رجب ۱۲۱۸ھ مطابق جون ۱۸۰۳ء میں امام عبدالعزیز کو عصر کی نماز پڑھتے ہوئے سجدہ کی حالت میں عثمان نامی ایک شخص نے شہید کر دیا۔

۱۸۰۳ء میں سعود بن عبدالعزیز کی رسم تخت نشینی ادا کی گئی۔ موصوف رموزِ سلطنت اور امورِ جہانبانی میں خاصی مہارت کے حامل تھے۔ اسی سال مکہ معظمہ فتح ہوا۔ ۱۸۰۵ء میں مدینہ شریف بھی زیرِ نگیں کر دیا۔ ۱۸۱۰ء میں سلطان سعود نے ساتویں مرتبہ حج ادا کیا' اور اعلان کیا کہ آئندہ اس مقدس شہر میں کوئی آدمی ہتھیار

Marfat.com

ے کر نہیں آ سکتا اور نہ ہی خواتین زیورات اور ہیروں کی نمائش کریں گی۔ جب کہ اس سے دو سال قبل سرعام تمباکو نوشی کی ممانعت کر دی گئی تھی۔

اا/ مارچ ۱۸۱۸ء میں ابراہیم نے درعیہ کا محاصرہ کر لیا اور چھ ماہ بعد اا/ ستمبر کو فتح کر لیا۔ ۱۸۲۰ء میں مشاوری کی قید سے سعود فرار ہو کر درعیہ پر قابض ہو گیا۔ ۱۸۲۳ء میں امیر ترکی نے ریاض پر کئی مرتبہ حملہ کیا۔ بالآخر اس شرط پر صلح ہوئی کہ امیر ترکی کی فوج نجد کا سارا علاقہ خالی کر دے۔ ۱۸۲۹ء میں فیصل بن ترکی نے احسا پر قبضہ کیا اور ۱۸۳۴ء کو امیر ترکی نماز جمعہ سے فارغ ہو کر مسجد سے نکل رہا تھا کہ قتل کر دیا گیا۔ (المملکۃ العربیۃ السعودیۃ: ج ۱ ملخصاً)

۲۰/ رجب ۱۲۸۲ھ میں فیصل بن ترکی کا وصال ہو گیا۔ شہزادہ عبداللہ کو جانشین بنایا گیا۔ لیکن شہزادوں کی باہمی چپقلش کے باعث ان کی حکومت کو دوام نصیب نہ ہوا۔ ۱۲۹۲ھ میں امام عبدالرحمٰن بن فیصل کو امیر بنایا گیا مگر خاندانی رنجش نے ان کی قوت کا شیرازہ تار تار کر دیا تھا۔ جس کے سبب حائل کے امیر ابن رشید نے ریاض پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں اور ۱۲۹۳ھ میں اس نے ریاض کے گرد و نواح میں چند مقامات پر قبضہ کر لیا۔

اسی سال ۱۳/ جمادی الثانی کو شریف مکہ عبداللہ بن محمد بن عبدالمعین ۱۹ سال مکہ معظمہ کی امارت پر فائز رہنے کے بعد ۵۲ سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔ ۱۲۹۵ھ سے ۱۲۹۹ھ تک نجد و حجاز میں حالات سخت پر آشوب تھے۔ ۱۲۹۹ھ میں عون بن محمد بن عبدالمعین مکہ کا گورنر بنا۔

آل سعود کو باہمی جنگ و جدال میں مصروف پا کر ابن رشید نے ۱۳۰۲ھ میں ریاض پر حملہ کر دیا۔ امام عبدالرحمٰن کے علاوہ تمام شہزادوں کو شہر بدر کر دیا اور سیم کو وہاں حاکم بنا دیا۔

۱۸۸۰ء صبح صادق کے قریب امام عبدالرحمٰن کے گھر ایک فرزند ارجمند پیدا ہوا جس کا نام جد اعلیٰ کی نسبت سے ابن سعود رکھا۔ جمادی الاول ۱۳۰۸ھ امام

Marfat.com

عبد الرحمن الحساء چلے گئے۔ کچھ دن بعد اہل خاندان کو بحرین بھیج دیا۔ جزیرۃ العرب میں ترکوں کی آئینی حکومت تھی۔ وہ تمام قبائل میں توازن قائم رکھنا چاہتے تھے کہ مبادا کوئی قبیلہ حکومت پر حملہ آور نہ ہو جائے۔ یہی وجہ تھی کہ آل سعود کی مسلسل شکست اور آل رشید کی مکمل فتح سے حکومت خائف تھی۔ بنابریں کویت کے حکمران محمد نے امام عبدالرحمن کو طلب کیا اور انہیں اعزازات وانعامات سے نوازا۔ جب امام موصوف کو طمانیت قلبی نصیب ہوئی تو پھر ریاض فتح کرنے کا منصوبہ بنانے لگے۔ اسی اثناء میں محمد کو اپنے بھائی مبارک نے قتل کر کے کویت کی امارت پر قابض ہو گیا۔ چونکہ شیخ مبارک بھی امام عبدالرحمن کی شخصیت سے بے حد متاثر تھا اس لئے آل سعود کے حوصلے بلند اور عزم راسخ ہو گئے۔

انیسویں صدی کے اواخر میں جب کہ امام موصوف کی عمر پچاس سال کی ہو چکی تھی' شہزادہ عبدالعزیز نے شیخ مبارک کی معاونت سے ریاض پر حملہ کیا مگر شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن شوال ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۵ر جنوری ۱۹۰۲ء شہزادہ نے ریاض فتح کر لیا اور اس طرح گیارہ سال کی جلاوطنی کے بعد آل سعود نے دوبارہ خاندانی شوکت وسطوت کو حاصل کر لیا' چند سالوں میں نجد کے آدھے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔

۲۱، ۱۳۲۰ھ مطابق ۲، ۱۹۰۱ء میں آل رشید اور آل سعود کے مابین زبردست جنگ جاری رہی۔ مگر فتح ونصرت نے ابن سعود کی عظمت کے انمٹ نقوش لوگوں کے دلوں پر مرتسم کر دیئے۔ ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹۰۳ء کے اوائل میں قحط کی سنگینی کے باعث فریقین کو جنگ موقوف کرنا پڑی۔ ۱۳۳۲ھ تک نجد کا پورا علاقہ آل سعود کے زیرنگیں ہو چکا تھا۔ اس سیاسی استحکام کے بعد مذہبی استحکام کے لئے سلطان نے دعوت الی الحق کی تحریک پورے جوش وخروش سے شروع کر دی۔

(المملكة العربية السعودية ج ۱ ص ۲۵۹ تا ۲۸۸ ملخصاً)

جنوری ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم میں سلطان محمد رشاد نے خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے

Marfat.com

جہاد کا فتویٰ دیا اور ترکوں نے جنگ میں شمولیت اختیار کر لی۔

(سیرت محمد بن عبدالوہاب ص ۳۸، ۳۹)

برٹش حکومت جو نجد و حجاز میں اپنے حامیوں کی تلاش میں بڑی سرگرمی سے معروف تھی۔ اس نے ۱۹۱۵ء میں امیر مکہ حسین بن علی سے معاہدہ کر لیا۔ اس عالمی جنگ میں ابن سعود نے نہ تو کسی کا تعاون کیا اور نہ ہی مخالفت۔ اگرچہ اس پالیسی سے فائدہ انگریز ہی کو پہنچا۔

علماء دیوبند کا ابتلاء

اس زمانہ میں جب کہ حجاز مقدس کا امن و امان تاخت و تاراج ہو چکا تھا۔ شریف مکہ کی انگریز نواز پالیسی کے باعث ہندوستان کے چند مشاہیر اور جید علماء کرام قید و بند کی روح فرسا صعوبتوں سے دوچار ہوئے۔ اس جاں گداز داستان کا اجمالی خلاصہ حسب ذیل ہے:

۲۷/ ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ شیخ الہند مولانا محمد الحسن نور اللہ مرقدہٗ مولانا عزیز گل سخاکوٹ صوبہ سرحد' مولانا محمد میاں انبھٹوی بیتھ اور چند دیگر رفقاء کی معیت میں فریضہ حج ادا کرنے حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ مناسک حج سے فراغت کے بعد شاہ کونین ﷺ کی بارگاہ میں کچھ عرصہ حاضر باشی کے بعد دوبارہ مکہ معظمہ تشریف لے آئے۔

چونکہ اس زمانہ میں ہندوستان میں انگریز کے خلاف علماء کرام و عوام الناس نے زبردست تحریک چلا رکھی تھی اس لئے ان اکابرین کی نقل و حرکت کی کڑی نگرانی کی جاتی تھی۔ برٹش گورنمنٹ نے اپنے معتمد خاص خان بہادر مبارک علی کو حج کے بہانے حجاز بھیجا۔ اس نے وہاں شریف حسین امیر مکہ سے ملاقات کی اور بتایا کہ مجھے انڈین گورنمنٹ نے حجاز کے حالات و واقعات دریافت کرنے بھیجا ہے۔ کیونکہ ہندوستان کے لوگ برطانوی حکومت کے سخت خلاف ہیں اور وہ شاہ حجاز کو بھی برا بھلا

Marfat.com

کہتے ہیں لہٰذا آپ علماء مکہ کا ایک مصدقہ بیان تیار کرادیں جس میں ترک حکومت کے عیب اور برائیاں بیان کرنے کے علاوہ ان کے استحقاق خلافت کی پرزور الفاظ میں تردید ہو۔ اور موجودہ شریفی حکومت اور انقلاب کی تعریف وتوصیف کی جائے۔

چنانچہ ایک مضمون بعنوان "من علماء مكة المكرمة المدرسين بالحرم الشريف المكی" تیار کیا گیا۔ جس میں سلطان عبدالمجید خان کو تخت سے دست بردار کرنے کی وجہ سے تمام ترک قوم کی تکفیر کی گئی۔ خلافت آل عثمان کا صریح انکار اور شریف حسین کی بغاوت کو انتہائی مستحسن اقدام قرار دیا گیا۔ شاہی فرمان کے مطابق بعض علماء نے خوشی سے اور بعض نے عزت نفس کے خوف سے اس پر دستخط اور مہریں ثبت کر دیں۔

لیکن خان بہادر کا منصوبہ ابھی تک تشنۂ تکمیل تھا۔ اس نے یہ عذر لنگ پیش کیا کہ ان علماء کرام کو ہندوستان میں کوئی جانتا نہیں اس لئے مناسب یہ ہے کہ مولانا محمود الحسن جو علماء ہند میں ایک مسلم شخصیت اور مشہور ہیں اور چند دیگر علماء ہند کے دستخط کرائے جائیں۔

چنانچہ شیخ الاسلام مفتی عبداللہ سراج جو خلافت عثمانیہ میں مفتی احناف رہ چکے تھے انہوں نے وہ مضمون نقیب العلماء کی وساطت سے اواخر محرم ۱۳۳۵ھ کو نماز عصر کے بعد مولانا محمود الحسن صاحب کے مکان پر بھیجا۔ ان ایام میں مولانا موصوف عصر کے بعد بخاری شریف کا درس دیا کرتے تھے۔ نقیب العلماء نے جب وہ فتویٰ پیش کیا تو حسب ذیل وجوہات کے پیش نظر دستخط کرنے سے معذوری ظاہر کی گئی

① اس کا عنوان ہے "من علماء مكة المكرمة المدرسين بالحرم الشريف المكی" یعنی یہ تحریر مکہ مکرمہ کے ان علماء کی طرف سے ہے جو حرم مکی میں پڑھاتے ہیں۔ چونکہ مولانا نہ تو علماء مکہ میں سے ہیں اور نہ حرم شریف میں کبھی پڑھایا ہے اس لئے انہیں دستخط کرنے کا کوئی استحقاق نہیں۔

② اس فتویٰ میں ساری ترک قوم کو کافر کہا گیا ہے' حالانکہ شریعت مطہرہ کسی

Marfat.com

مسلمان کو کافر کہنے میں سخت محتاط ہے۔

③ ترکوں کو اس وجہ سے کافر قرار دیا گیا کہ انہوں نے ایک بادشاہ کو سبکدوش کر دیا ہے حالانکہ کسی بھی فقیہ نے ایسے فعل کو موجبات کفر میں شمار نہیں کیا۔

④ شریف حسین بن علی کے انقلاب کو مستحسن قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ فعل شرعاً نہایت قبیح واقع ہوا ہے۔

بایں ہمہ نقیب العلماء کو خان بہادر کے در پردہ عزائم سے بھی روشناس کیا گیا اور اسے کہا گیا کہ تم شیخ الاسلام کو صرف یہی کہنا کہ مولانا نے کہا ہے کہ عنوان علماء مکہ اور مدرسین حرم کے ساتھ مخصوص ہے اور میں آفاقی اور پردیسی آدمی ہوں لہٰذا مجھے اس پر دستخط کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔

شیخ الاسلام کو جب اس حقیقت کا علم ہوا تو اس نے مضمون بالکل تبدیل کر دیا۔ اور تکفیر کا حصہ نکال دیا۔ لیکن شیخ الہندؒ کے پاس دوبارہ دستخط کے لئے نہیں بھیجا۔ صرف مخصوص علماء کے دستخطوں کے بعد اخبار "القبلہ" میں شائع کر دیا اور وہی اخباری مضمون خان بہادر لے کر ہندوستان روانہ ہو گیا۔

چند دن بعد شریف حسین جدہ گیا اور وہاں کرنل ولسن معتمد برطانیہ سے گفت و شنید ہوئی۔ جس کے بعد شیخ الاسلام کو حکم ہوا کہ مولانا محمود الحسن اور ان کے تمام ساتھیوں کو فوراً گرفتار کر کے جدہ بھیج دو۔ شیخ المطوفین احمد کی یہ حکم پہنچانے مولانا موصوف کے مکان پر گیا۔ چنانچہ رفقاء کے باہمی مشورے سے طے پایا کہ شیخ الاسلام سے مل کر کوئی مناسب حل تلاش کرنا چاہئے۔ معلم سید امین عاصم کو ساتھ لے کر چند احباب شیخ الاسلام کے پاس گئے۔ پہلے معلم نے تنہائی میں ملاقات کی اور شیخ الاسلام نے فتویٰ پر دستخط نہ کرنے کا الزام پیش کیا۔ معلم نے کہا' اس کی حقیقت آپ کو سید حسین احمد مدنی بتا سکتے ہیں۔ میں انہیں آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں۔

جب حضرت مدنی پیش ہوئے تو شیخ الاسلام نے کہا کہ مولانا ہمیں باغی اور خارجی کہتے ہیں۔ لہٰذا انہیں باغی حکومت میں نہیں رہنا چاہئے۔ حضرت مدنیؒ نے

Marfat.com

استفسار کیا کہ آپ کے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا' پھر فتویٰ پر دستخط کیوں نہیں کئے۔ حضرت مدنی نے فرمایا آپ نقیب العلماء سے دریافت فرمائیں کہ مولانا نے فتویٰ کے عنوان کی وجہ سے معذرت پیش کی تھی۔ اگرچہ نقیب نے اس کی تصدیق بھی کر دی مگر مقصد پورا نہ ہو سکا۔ صلح کی ہر ممکن کوشش کے باوجود شریف حسین کرنل ولسن کے حکم کو پورا کرنے کا ادھار کھائے بیٹھا تھا۔ شیخ الاسلام کو سخت غضب ناک ہو کر کہا انہیں آج ہی جدہ پہنچا دو۔

حالات کی سنگینی کے پیش نظر مولانا اور مولوی وحید احمد کو کسی جگہ روپوش کر دیا گیا تاکہ رات کے وقت کسی مناسب جگہ منتقل ہو جائیں۔ اس کے تھوڑی ہی دیر کے بعد حضرت مدنی اور مولانا وحید احمد کو کمشنر کے سامنے پیش ہونے کا حکم ملا۔ مولانا وحید صاحب کی عدم موجودگی کے باعث حضرت مدنی بہ تنہا تشریف لے گئے۔ کمشنر نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور کہنے لگا تم انگریز کی حکومت کو برا بھلا کہتے ہو' اب اس کا مزہ چکھو اور ساتھ ہی قید کا حکم صادر کر دیا۔

مکہ کی جیل

اس دور میں جیل کی دو قسمیں تھیں متمدن اور غیر متمدن۔ متمدن جیل محلہ حمیدیہ میں تھی جہاں قیدی اپنے لباس ہی میں بند کئے جاتے تھے۔ ان سے مشقت نہیں لی جاتی تھی۔ قیدی کا کھانا بھی گھر سے آ سکتا تھا اور ملاقات پر بھی کوئی پابندی نہ تھی۔

غیر متمدن جیل کے دونوں طبقے شریف مکہ کے محل کے قریب واقع تھے۔ ایک تو انتہائی گہرے تہ خانہ میں تھا جہاں بہت سی سیڑھیاں اتر کر جانا پڑتا تھا۔ اس میں روشنی کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے دن رات یکساں تھے۔ دوسرا قید خانہ جسے تخشیبہ کہتے ہیں۔ اس میں قیدی کے پاؤں لکڑیوں میں پھنسا دیئے جاتے تھے۔ جس کی وجہ سے چلنا پھرنا ناممکن ہو جاتا تھا۔ وہ اندھیرے میں ننگا مادر زاد پڑا رہتا تھا۔

Marfat.com

یہ دونوں جیل نہیں بلکہ عذاب دوزخ کے نمونے تھے۔

بہر حال حضرت مدنی رحمہ اللہ کو جیدیہ کے متمدن جیل میں بند کر دیا گیا۔ اور مولانا عزیز گل مدظلہ اور حکیم نصرت حسین رحمہ اللہ کو اپنے مکان میں نظر بند کر دیا گیا۔ ان دونوں سے شیخ الہند کے متعلق بڑی سختی سے پوچھ گچھ ہوتی رہی مگر وہ لاعلمی کا اظہار کرتے رہے' انہیں جان سے مار ڈالنے کی دھمکی بھی دی گئی لیکن اس کے باوجود خدام نے نشان دہی سے گریز کیا۔

اس اثناء میں دہلی کے بڑے بڑے تاجر جو حج کرنے آئے ہوئے تھے ان کا ایک وفد شریف حسین کو ملا اور کہا کہ اگر مولانا اور ان کے رفقاء سے کوئی قصور سرزد ہوا ہے تو آپ خود اپنی مملکت میں انہیں سزا دیں' لیکن حرم شریف کی پاک سرزمین سے نکال کر انہیں غیر مسلم قوم کے سپرد نہ کریں۔ جس کے جواب میں شریف نے کہا' چونکہ ہماری دوستی انگریز سے ابھی نئی ہے اگر ان کی رعایا کے کسی آدمی کو ہم سزا دیں تو ممکن ہے ہمارے تعلقات میں کچھ فرق آ جائے۔ ہم ان کی دوستی کو ہر حال میں قائم رکھیں گے۔ لہٰذا مولانا اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ قطعاً کوئی رعایت نہیں ہو سکتی۔

اسی شام شریف کو اطلاع دی گئی کہ تلاش بسیار کے باوجود مولانا کا کوئی پتہ نہیں چل سکا۔ جس پر اس نے حکم دیا کہ اگر عشاء تک وہ نہ آ جائیں تو حکیم نصرت اور عزیز گل دونوں کو گولی مار دی جائے۔

جب یہ افسوسناک خبر مولانا کو پہنچی تو فرمایا میں یہ کسی طرح بھی گوارا نہیں کر سکتا کہ میری وجہ سے کسی کو اذیت پہنچے۔ چنانچہ مشورہ کے مطابق احرام کی حالت میں مکان پر تشریف لے آئے۔ اسی وقت اتوار کی شب ۲۳ صفر ۱۳۳۵ھ کو دو اونٹوں پر چاروں حضرات کو پولیس کی نگرانی میں جدہ روانہ کر دیا۔ شیخ الہند رحمہ اللہ روانگی کے وقت بالکل مطمئن تھے اور احباب سے رخصت ہوتے وقت فرما رہے تھے

"الحمدللہ بمصیبتے گرفتارم نہ بمعصیتے"

Marfat.com

۲۴ صفر پیر کی صبح کے وقت جدہ پہنچے۔ ادھر اتوار کی صبح کے وقت حضرت مدنی کو سید ابن عاصم نے حالات سے مطلع کیا اور ساتھ ہی بتایا کہ شریف حسین آپ سے بھی سخت ناراض ہے، کم از کم آٹھ دن تو آپ کو قید میں رہنا پڑے گا۔ انہوں نے کہا میں مدینہ طیبہ سے صرف شیخ کی خدمت کے لئے آیا تھا۔ اگر ممکن ہو تو مجھے بھی جدہ میں ان کے ساتھ قید کر دیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام نے انہیں خچر پر سوار کر کے جدہ روانہ کر دیا۔ شیخ الہند رحمتہ اور ان کے رفقاء کے تھوڑی دیر بعد مدنی رحمتہ بھی ان کے پاس جدہ پہنچ گئے۔

بروز جمعۃ المبارک ۱۲ر جنوری ۱۹۱۷ء مطابق ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ ان حضرات کو جدہ سے قاہرہ اور وہاں سے جیزہ جیل پہنچا دیا گیا۔ جہاں ۲۲ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۸ر جنوری ۱۹۱۷ء کو شیخ الہند رحمتہ کو کال کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔ جب کہ باقی چاروں ساتھی اکٹھے تھے۔ بعد ازاں وہاں سے مالٹا منتقل کر دیے گئے۔ اس طرح تین برس اور سات ماہ کے بعد ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ مطابق ۸ر جون ۱۹۲۰ء کو بمبئی پہنچا کر انہیں رہا کر دیا گیا۔ (اسیر مالٹا ملخصاً)

شریف حسین ابن علی کی حجاز میں روز افزوں سیادت نے انگریز کے ہاں اس کے اثر و رسوخ کو چار چاند لگا دیے۔ لیکن قدرتی طور پر ابن سعود کو اس کی یہ برائی کسی طرح گوارا نہیں تھی۔ ان دونوں کے درمیان رقابت اور ایک دوسرے پر تفوق کے رجحانات ترقی پذیر تھے۔ فریقین اپنی مخالفت کا برملا اظہار کرتے اور ہر وقت جنگ کے لئے پابہ رکاب رہتے تھے۔

سلطان ابن سعود کی تبلیغ اور اصلاحی سرگرمیوں کے باعث مشرقی حجاز کی اکثریت متبع شریعت اور پابند سنت بن کر اس کے دست و بازو بن چکی تھی۔ اسی طرح قصبہ ''خرما'' کے باشندے بھی انگریز اور شریف حسین کے دام تزویر سے نکل کر ابن سعود کے ساتھ مل گئے تھے۔ (المملكة العربية السعودية حصه ۱ ص ۱۷۷)

اقتدار کے نشے میں سرمست اور شاہی کا دلدادہ حسین بن علی نے انگریز

Marfat.com

کے ایما پر ۹ شعبان ۱۳۳۴ھ مطابق جون ۱۹۱۶ء کو شاہ حجاز ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس کے باوجود ابن سعود کا حجاز میں بڑھتا ہوا اثر و نفوذ وہ اپنے لئے انتہائی خطرناک سمجھتا تھا۔ ادھر ترک حکومت کو حجاز میں سخت ہزیمت کا سامنا تھا اور شریف حسین کے بلند و بانگ دعاوی کا سلسلہ بھی جاری تھا کہ اسی اثنا میں ۱۹۱۸ء کو اس نے "خرما" کی سرزنش کے لئے ایک فوجی دستہ بھیجا جسے بری طرح شکست ہوئی' جس سے شاہ حجاز کی قوت کا راز طشت از بام ہو گیا۔

اس صورت حال کو دیکھ کر انگریز نے ایک نئی چال چلی کہ ابن سعود اور شریف حسین کو باہم دست و گریباں ہونے سے بچا کر ابن سعود کو آل رشید سے ٹکرایا جائے جو مدائن صالح میں ترکوں کی معاونت کر رہا تھا۔ چنانچہ ستمبر ۱۹۱۸ء میں ابن سعود نے شمار کے قصبہ "یعلب" پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ اسی عرصہ میں شریف حسین خرما پر تین مرتبہ حملہ کر چکا تھا۔ اگرچہ شکست اس کا مقدر بن چکی تھی۔ بالآخر سلطان ابن سعود نے پوری قوت کے ساتھ اہل خرما کی مدد کا اعلان کر دیا۔

۱۹۱۹ء نجدی اور حجازی طاقتوں کا نبرد آزما ہونا ناگزیر ہو چکا تھا۔ اس لئے شریف حسین کی گرتی ہوئی ساکھ کو سہارا دینے اور اس کے بے جان تابوت میں اپنی روح پھونکنے کے لئے انگریز نے ایک مجلس مشاورت قائم کی جس نے شریفی فوجوں کو سعودی فوجوں کا مقابلہ کرنے کے لئے جدید ترین اسلحہ سے لیس کرنے کا فیصلہ کیا' تاکہ "خرما" کو دوبارہ حاصل کیا جا سکے۔

مئی ۱۹۱۹ء میں ابن سعود نے مقابلہ کی زبردست تیاری شروع کر دی۔ ادھر شریف حسین نے بھی اپنے بیٹے عبداللہ کی قیادت میں ایک لشکر جرار تیار کیا۔ لیکن دونوں فوجوں کا مقابلہ ہونے سے پہلے ہی خرما کے والی خالد بن لوی نے شریفی فوجوں پر شب خون مار کر سب کو موت کی نیند سلا دیا۔ امیر عبداللہ کسی طرح جان بچا کر بھاگ نکلا اور باپ کو ساری سرگذشت سے آگاہ کیا۔

(المملکة العربية السعودية جلد ۲ ص ۱۸)

Marfat.com

لیکن سلطان ابن سعود نے اس سانحہ پر حسرت اور نفرت کا اظہار کیا۔
اگرچہ پیش قدمی کا اچھا سنہری موقعہ تھا مگر سلطان نے اپنی برتری اور تفوق کے اظہار کے لئے مذکورہ واقعہ کو ہی کافی سمجھا۔ واپسی کا فیصلہ موصوف کی دانشمندی اور حسن و تدبر کا آئینہ دار تھا۔ (المملكة العربية السعودية جلد ۲ ص ۱۸۱ عنوان امير الخرمه خالد بن لوى)

سلطان ابن سعود کی عسکری اور ایمانی قوت کا اندازہ کرنے میں انگریز غلطی کا شکار رہے۔ مذکورہ واقعہ کے بعد انہیں اپنی پالیسی تبدیل کرنا پڑی۔ چنانچہ وہ شریف حسین کی معاونت سے دست بردار ہو گئے۔

(المملكة العربية السعودية جلد ۲ ص ۱۱۸)

۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں نجد کے علماء روسا اور امراء کا ریاض میں اجتماع ہوا اور سب نے متفقہ طور پر امام عبدالعزیز بن عبدالرحمن آل سعود کو سلطان نجد کے اعزازی لقب سے نوازا۔ (المملكة العربية السعودية جلد ۲ ص ۲۳۱)

۱۹۲۰ء کے موسم گرما میں سلطان نجد نے اپنے ہونہار شہزادہ "فیصل" کی قیادت میں "فتح عسیر" کے لئے ایک لشکر روانہ کیا۔ شہزادہ بعونہ تعالیٰ فتح و کامرانی کے ساتھ جب واپس لوٹا تو بڑی آب و تاب اور شان و شوکت سے اس کا استقبال کیا گیا۔ (المملكة العربية السعودية جلد ۲ ص ۲۳۱ عنوان احتلال عسير)

آل سعود کی اس عظیم الشان فتح سے شریف حسین کی کمر ٹوٹ گئی۔ اس کے حوصلے پست ہو گئے اور اسے اپنا عبرتناک انجام نظر آنے لگا۔

۱۹۲۱ء میں ابن سعود نے "حائل" پر زبردست حملہ کر کے آل رشید کو عبرتناک شکست دی۔ ۱۹۲۳ء میں سلطان اس قدر سخت بیمار ہوا کہ موت کی نوا میں گشت کرنے لگیں لیکن قدرت نے ابھی اس مرد آہن سے کچھ اور کام لینا تھا۔ جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے شفاء عطا فرما دی۔ (المملكة العربية السعودية جلد ۲ ص ۱۲۰ تا ۱۲۱)

۱۳۴۲ھ مطابق ۳ مارچ ۱۹۲۴ء کو خلافت عثمانیہ ترکیہ ہمیشہ کے لئے

Marfat.com

حجاز سے ختم ہو گئی جسے شریف حسین نے شہنشاہیت کے دیرینہ خواب کی تکمیل کے لئے نیک فال سمجھا اور خلیفۃ المسلمین ہونے کا اعلان کر دیا۔ جس سے پورے عالم اسلام میں کہرام مچ گیا۔ حالانکہ اس کی قسمت کا ستارہ گردش میں آ چکا تھا اور یہی سال اس کے زوال کا تھا۔ پیہم ناکامی و نامرادی اور مسلسل شکست سے اسے جان کے لالے پڑ گئے۔ اس طرح ۴ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ مطابق ۳ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو ستر سال کی عمر میں اپنے بیٹے علی کے حق میں دستبردار ہو کر ۱۰ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۳ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو جدہ روانہ ہو گیا۔ وہاں ایک ہفتہ قیام کے بعد اپنی دولت اور سیم و زر ساتھ لے کر "عقبہ" چلا گیا۔ بالآخر انگریز کی عنایات کے باعث اسے عقبہ بھی چھوڑنا پڑا۔ اور قبرص میں بقیہ زندگی گزار کر ۳ جون ۱۹۳۱ء کو دنیا سے رخصت ہو گیا۔ (المملکۃ العربیۃ السعودیۃ جلد ۲ ص ۳۰۶ و ۳۱٤)

کچھ دن بعد امیر علی بن حسین بن علی بھی بھاگ کر جدہ چلا گیا تھا۔

۱۵ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۸ اکتوبر ۱۹۲۴ء سلطان ابن سعود کا لشکر جس کی قیادت فوج جرنیلوں کے علاوہ جید علماء کرام بھی کر رہے تھے۔ احرام باندھے فاتحانہ شان و شوکت سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوا۔ سلطان کی دلی خواہش اور علماء کرام کے فتویٰ کے مطابق اس مقدس سرزمین پر خون کا ایک قطرہ تک نہیں بہایا گیا۔ (المملکۃ العربیۃ السعودیۃ جلد ۲ ۳۰٦)

۶ جنوری ۱۹۲۵ء کو جدہ کا محاصرہ کیا گیا۔ جدہ کی فتح انتہائی اہمیت کی حامل لیکن سخت جان لیوا تھی۔ تاہم اس کا فتح کرنا اس لئے بھی ناگزیر تھا کہ مسلمانان عالم کو حج کی نعمت گراں مایہ سے سرفراز کرنا اشد ضروری تھا۔ گذشتہ چند سالوں سے حج کا مقدس فریضہ بدامنی کا شکار تھا۔ اور اگر اس سال بھی لوگ اس سعادت سے محروم رہتے تو عالم اسلام کی نظروں میں سلطان کی عزت و عظمت گر جاتی اور ان کے اخلاقی تعاون سے بھی محروم رہتا۔

کیونکہ انگریز اور انگریز نواز مسلمانوں نے انہیں "وہابی" کہہ کر ساری دنیا

Marfat.com

میں بدنام کر دیا تھا۔ سلطان کی خواہش تھی کہ دنیا بھر کے مسلمان حج کو آئیں اور امن و سکون' حرمین شریفین کا عزت و احترام اور حجاج کی آسائش و تسکین کا نظارہ اپنی آنکھوں سے کریں۔ چنانچہ ۲ / اکتوبر ۱۹۲۴ء کو اعلان کیا گیا کہ حجاز کے مستقبل کا تصفیہ کرنے کے لئے جدہ میں مسلمانانِ عالم کی کانفرنس بلائی جائے گی۔

۲۵ / جنوری ۱۹۲۵ء کو ایک اور اعلان کیا گیا کہ جدہ کا محاصرہ سختی سے جاری ہے۔ اس لئے حجاج کرام رابغ' لتھ اور قنفذا کی بندرگاہوں سے تشریف لائیں۔ ان کے جان و مال کی حفاظت حکومت کے ذمہ ہے۔ اس طرح حجاج نے طمانیت قلبی کے ساتھ حج ادا کیا۔ اور امن و امان اور حسن انتظام کے باعث سلطان ابن سعود کے دلدادہ بن گئے۔ (المملکۃ العربیۃ السعودیۃ جلد ۲ ص ۳۵۶)

اگست ۱۹۲۵ء میں سعودی فوجوں نے مدینہ طیبہ کی طرف پیش قدمی شروع کی اور سخت مزاحمت کے بعد ۱۹ / جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ مطابق ۵ / دسمبر ۱۹۲۵ء کو شہر پر قبضہ حاصل ہو گیا۔ قبل ازیں یکم دسمبر کو ینبوع بھی فتح کیا جا چکا تھا۔

ادھر جدہ میں امیر علی بن حسین طویل محاصرہ اور شدید جنگ سے تنگ آ کر ہمت ہار بیٹھا تھا اور اسے امان حاصل کرنے کی فکر دامنگیر تھی۔ چنانچہ اس نے سلطان کو اس شرط کے ساتھ صلح کی پیش کش کی

"ہم حجاز کی حکومت سے دستبردار ہو جائیں گے' لیکن ہماری سپاہ سے باز پرس نہ کی جائے"۔

سلطان نے اس شرط کو قبول کر لیا اور یکم جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۸ / دسمبر ۱۹۲۵ء کو امیر علی بن حسین نے دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ اور ۱۹ / دسمبر کو سلطان ابن سعود کی فوجوں نے جدہ پر قبضہ کر لیا اس کے تین دن بعد امیر علی عدن کے راستے عراق چلا گیا اور ۷ / جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ مطابق ۲۵ / دسمبر ۱۹۲۵ء کو پورے حجاز پر سعودی حکومت کا آفتاب عالمتاب پوری آب و تاب سے چمکنے لگا۔

(سلطان ابن سعود ص ۱۵۷۔ المملکۃ العربیۃ السعودیۃ ص ۳۶۲ ، ۳۶۲)

Marfat.com

۱۱ر جمادی الثانی ۱۳۴۳ھ کو سلطان کی دعوت پر مکہ مکرمہ میں علماء حجاز کا ایک نمائندہ اجتماع منعقد ہوا جس میں مکہ کے ۱۵ اور نجد کے ۷ علماء نے شرکت کی۔ جس میں دین اسلام کے اصول اور فروع پر بحث وتمحیص کے بعد متفقہ طور پر اعلان کیا گیا کہ ہم سب یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہر چیز کا مالک ومختار صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ نفع اور ضرر اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ علاوہ ازیں قبروں کو پختہ بنانا' ان پر قبے تعمیر کرنا اور چراغ جلانا شریعت محمدیہ کے قطعاً خلاف ہے۔

(سلطان ابن سعود ص ۱۵۷۔ المملکة العربیة السعودیة ص ۲۴۴)

انہی دنوں مکہ مکرمہ میں علماء' امراء' رؤسا اور تجار کا ایک مشترک اجتماع ہوا' جس کی صدارت خود سلطان نے کی' اس اجلاس میں اتفاق رائے سے ۱۴ ارکان پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ بنائی گئی۔

(سلطان ابن سعود ص ۱۵۷۔ المملکة العربیة السعودیة ص ۲۴۵)

سلطان حجاز کا اعزاز

۲۵ر جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۰ جنوری ۱۹۲۶ء بروز جمعۃ المبارک باب الصفا کے قریب حرم شریف میں ایک انتہائی ذی شان مجلس منعقد ہوئی۔ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر سلطان ابن سعود بے حد وقار اور متانت کے ساتھ مجلس میں رونق افروز ہوئے۔ اس مجلس میں نہ تو شاہانہ بناؤ سنگار تھا اور نہ ہی متکبرانہ وضع قطع' بلکہ شاہی رسومات اور تزک واحتشام کو بالائے طاق رکھ کر اسلامی وضع اور سادگی کے ساتھ اپنی مسند پر جلوہ گر ہوئے۔ قریب ہی بیت الحرام کے امام اور خطیب صاحب کے لئے کرسی رکھی تھی۔

حمد کبریاء اور صلوٰۃ وسلام مصطفیٰ ﷺ کے بعد قوم کی طرف سے عبدالعزیز بن عبدالرحمن آل سعود کو ''سلطان حجاز'' کا عظیم اعزاز عطا کیا گیا۔ اور ان سے ملک میں کتاب وسنت کے مطابق آئین نافذ کرنے کا عہد لیا گیا۔ اور شہزادہ فیصل کو

Marfat.com

''نائب حجاز'' کا عہدہ تفویض ہوا۔ جب مجلس برخاست ہوئی تو سلطان نے اللہ بزرگ و برتر کی اس نعمت بیکراں کا شکر ادا کرنے کے لئے بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔ (المملکة العربیه السعودیه ص ۳۸۷)

مکہ معظمہ فتح ہوتے ہی عالم اسلام میں خصوصاً اور مغربی ممالک میں عموماً سعودی حکومت کے خلاف غیض وغضب کے جذبات بھڑک اٹھے۔ جس کے کئی اسباب تھے ایک تو یہ کہ بارھویں صدی ہجری میں نجدی حکومت سے حجازی رعایا عدل وانصاف کی شاکی تھی۔ اس وجہ سے اب بھی لوگوں کے دلوں میں شکوک پائے جاتے تھے۔ پھر حسین بن علی شریف مکہ نے انگریز کے ایما پر آل سعود کو دنیا بھر میں بدنام کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔ اور اس مہم پر اس نے پانی کی طرح پیسہ بہایا تھا۔ (سلطان ابن سعود ص ۱۶۷)

ایک سبب یہ بھی تھا کہ دنیا کے بیشتر اسلامی ممالک میں شریعت اسلامیہ پر عمل برائے نام ہو رہا تھا۔ لیکن اس خاندان نے ایک مرتبہ پھر قرون اولیٰ کی تابناک جھلک دنیا کے سامنے پیش کی جسے عجوبہ روزگار سمجھ کر اس خاندان کو خلاف شریعت گردانا گیا۔ اب سلطان ابن سعود کے دل میں یہ جذبہ موجزن تھا کہ عالم اسلام کو حرمین شریفین کے تقدس اور امن وامان کی بحالی کا اطمینان دلانا انتہائی ضروری ہے۔ تاکہ ان مقدس مقامات کی اسلامی اور بین الاقوامی حیثیت برقرار رہے۔ چنانچہ ۲۸ / اپریل ۱۹۲۶ء میں سلطان نے مکہ معظمہ میں ایک عظیم اسلامی کانفرنس طلب کی' جس میں ترکی' ایران' افغانستان' یمن کی آزاد اسلامی حکومتیں' مصر اور عراق کی نیم آزاد ریاستیں' مراکش' تیونس' فلسطین' نظارت مذہبی' اسلامی روس اور ہندوستان کو مدعو کیا گیا۔

۷ / جون ۱۹۲۶ء کو مختلف ممالک کے ۷۰ نمائندے جمع ہوئے۔ لیکن ایک ماہ کی طویل بحث وتمحیص کے باوجود خاطر خواہ کامیابی نہ ہو سکی۔ اور ۷ / جولائی کو مجلس برخاست ہو گئی۔ (سلطان ابن سعود ص ۱۶۷)

Marfat.com

اس کے بعد اگست ۱۹۲۶ء میں سلطان ابن سعود نے حجاز میں دستوری حکومت کا اعلان کیا جو ۲۶ راگست مکہ مکرمہ کے سرکاری اخبار ''ام القریٰ'' میں شائع ہوا جس کا مضمون حسب ذیل تھا

''ملک کا قانون شریعت اسلامیہ ہوگا' ملک اور حکومت سلطان کے ہاتھ میں ہوگی اور وہ قرآن مجید' سنت رسول اللہ (ﷺ) اور اجتہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے مطابق شریعت اسلامیہ کو نافذ کرے گا''۔

علاوہ ازیں مکہ معظمہ کی ایک انتظامی مجلس اعلیٰ قائم کی گئی جو حاکم اعلیٰ کے علاوہ چھ ارکان پر مشتمل تھی۔ (سلطان ابن سعود ص ۱۷۳)

سلطان ابن سعود ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۴ء سے ۱۲ ربیع الاول ۱۳۷۳ھ مطابق نومبر ۱۹۵۳ء تک اس عہدے پر فائز المرام رہے' اور مذکورہ تاریخ کو اس جہان فانی سے رحلت فرما کر عالم جاودانی کو رخصت ہوگئے۔

علامہ طاہر کردی لکھتے ہیں ۱۳۴۳ھ میں حجاز اور نجد پر آل سعود کا اقتدار قائم ہوا تو اس ملک کے حاکم اعلیٰ کو "ملك الحجاز و نجد و ملحقاتها" کے لقب سے نوازا گیا۔ لیکن ملک عبدالعزیز مرحوم و مغفور نے غالباً ۱۳۵۲ھ میں حجاز اور نجد کی تقسیم کو ختم کر کے اس وسیع و عریض مملکت کا نام "المملكة العربية السعودية" تجویز کیا۔ چنانچہ اس کے بعد تاریخ کے اوراق اور دنیا کے نقشے میں یہ سلطنت اسی نام سے موسوم اور مشہور ہوئی۔ (تاریخ القویم جلد ا ص ۴۷)

ہم نے خاندان عالیہ سعودیہ کے حالات و واقعات کو ضرورت سے زیادہ ہی طویل کر دیا ہے' لیکن نہ صرف اسلامی ممالک بلکہ پوری دنیا اس ناقابل تردید حقیقت کا انکار نہیں کر سکتی کہ مکہ مکرمہ زادہ اللہ تعظیماً و تکریماً کی اقتصادی' معاشرتی' سیاسی' مذہبی' اخلاقی' تمدنی' عمرانی اور تہذیبی ترقیاں اسی خاندان کی شرمندۂ احسان ہیں جن کی تفصیلات ہم اپنے اپنے مقامات پر قارئین کی خدمت میں پیش کریں گے۔ ابتداء اسلام سے عہد سعودی تک ہر دور میں اور ہر ایک حکومت نے اپنی بساط

Marfat.com

کے مطابق نہ صرف حرم محترم کی بیش بہا خدمات انجام دیں بلکہ شہر اور اہل شہر کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لئے اپنے تمام تر وسائل کو بروئے کار لایا۔ لیکن تاریخ گواہ ہے کہ اس خاندان کی خدمات نے دنیا بھر کے بڑے سے بڑے متمدن اور مہذب شہر سے بھی اس مقدس شہر کی شان کو بلند و بالا کر رکھا ہے۔

خالق کائنات اس خاندان کو اپنی خصوصی نوازشات سے مالا مال فرمائے اور ان کی حکومت کو دوام نصیب فرمائے اور انہیں حرمین شریفین کی بیش از بیش خدمات انجام دینے کی سعادت مرحمت فرمائے اور اسلام کی عظمت اور شوکت تا قیام قیامت تابندہ و پائندہ رکھے۔

Marfat.com

باب پنجم

سیادت و قیادت

اور

مقامات مقدسہ

○ سیاسی اور مذہبی انتظامات

Marfat.com

- سیاسی نظام
- امراء مکہ
- امراء حج اور حوادثات
- مساجد مکہ
- چند متبرک مکانات

Marfat.com

سیاسی نظام

مکہ معظمہ کے غیر مہذب اور غیر تعلیم یافتہ باشندے معاشی اور سیاسی استحکام کے حصول کی غرض سے جزیرہ نما عرب کے معاشی وفاق سے منسلک تھے جو وہاں کے سالانہ میلے اور تجارتی قافلوں کا انتہائی ترقی یافتہ نظام تھا۔ پورے عرب میں ایک زبان بولنا' ایک طرز سے فال دیکھنا' مختلف بتوں اور دیوتاؤں کی مشترک طور پر عبادت کرنا اور ان کے رسم و رواج میں یکسانیت کا پایا جانا' یہ تمام چیزیں ان کے سیاسی اتحاد اور ملی یگانگت کا مظہر تھیں۔

مکہ کے باشندوں نے اسلام سے بہت زمانہ پہلے ایک ایسا ترقی کناں دستور مرتب کیا تھا جس پر عمل پیرا ہو کر نہ صرف مکہ بلکہ ایشیا' افریقہ اور یورپ تینوں براعظموں کا نظم و نسق چلا سکتے تھے۔

مکہ مکرمہ پر پہلی حکومت جرہم کی قائم ہوئی جو پانچ سو سال تک رہی۔ ان کے بعد خزاعہ نے تین سو سال حکومت کی' پھر کسی دور میں جرہم کو اقتدار حاصل ہو گیا۔ جن کا آخری حکمران خلیل بن حبیشہ تھا جس کی بیٹی حُبّیٰ سے قبیلہ قضاعہ کے چشم و چراغ قصی بن کلاب نے شادی کر لی تھی۔ اس طرح ایک دو عہدے قصی کو وراثت میں مل گئے۔ لیکن بعد میں بزور شمشیر حکومت پر قبضہ کر لیا۔ اس جنگ میں قبیلہ قضاعہ نے قصی کا بھرپور تعاون کیا۔ بلکہ ابن قتیبہ کے بیان کے مطابق قیصر روم نے بھی اسے امداد فراہم کی جو عرب میں اپنا اثر و نفوذ بڑھا کر ہند سے خشکی کے راستے ہونے والی تجارت پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ قصی نے نظام مملکت چلانے کے لئے دس رکنی ایک مجلس مشاورت قائم کی جو دس بڑے قبائل کے سرداروں پر مشتمل تھی۔ یہ کونسل ملی قوانین اور تحریراتی احکام صادر کرتی تھی۔ اس کے تمام ارکان معمر جہاں دیدہ اور تجربہ کار تھے۔ جن کی عمر کم از کم چالیس سال ہونا ضروری تھا' البتہ حاکم شہر کے بیٹے

Marfat.com

اعزازی طور پر عمر کی اس شرط سے مستثنیٰ تھے۔ لیکن قریش نے اپنے دور میں ان شرائط کو کافی نرم کر دیا تھا۔ چنانچہ ابو جہل کی اصابت رائے اور اعلیٰ صلاحیت کے پیش نظر اسے تیس سال کی عمر میں شوریٰ کا ممبر بنا لیا گیا تھا۔ اسی طرح حکیم بن حزام کو پندرہ یا بیس سال کی عمر میں یہ اعزاز حاصل ہو گیا تھا۔

قصی سے پہلے مجلس شوریٰ کا اجلاس کسی کھلی جگہ یا اپنے سردار کے خیمہ میں ہوتا تھا لیکن قصی نے اس میں جدت پیدا کی اور کعبہ شریف کے شمال میں دارالندوہ تعمیر کیا۔ جس میں اجلاس منعقد ہوتے تھے۔ مجلس کے انعقاد کا کوئی معین وقت نہیں تھا بلکہ حسب ضرورت اجلاس بلا لیا جاتا تھا۔

دارالندوہ کو مرکزی دارالبلد کی حیثیت حاصل تھی' جب کہ ہر محلّہ میں مجالس قائم ہوتی تھیں۔ جنہیں ''نادی'' کہا جاتا تھا۔ جس طرح مدینہ طیبہ کی محلّہ وار مجالس کو ''سقیفہ'' کہتے تھے۔

مشہور قول کے مطابق مکہ معظمہ کی حکومت میں دس عہدے پائے جاتے تھے۔ جب کہ ابن عبدربہ نے سترہ عہدے بیان کئے ہیں' حالانکہ ان کی تعداد اس سے بھی زائد تھیں مثلاً ندوہ' مشورہ' قیادہ' سدانہ' حجابہ' سقایہ' عمارۃ البیت' افاضہ' اجارہ نسی' قبہ' عنہ' رفادہ' اموال' محجرہ' ایسار' اشناق' حکومہ' سفارہ' عقاب' لوا اور حلوان النفر آبادی یا شہریوں کو ''جماعۃ'' کہا جاتا تھا۔ اس لفظ کو رسول اللہ ﷺ نے بھی برقرار رکھا۔ جس سے آپ کے صحابہ کی پوری جماعت مراد لی جاتی تھی۔ جو ہتی دنیا سے ممتاز ایک وحدت تھی' یہی وجہ تھی کہ حضور ﷺ نے شاہ بحرین کو اپنے مکتوب میں ''جماعت'' میں شرکت کی دعوت دی تھی۔ اس میں عام رائے دہندگان شہر شامل ہوتے تھے۔ جو شوریٰ عمومی میں حصہ لینے کے مجاز تھے۔ قرآن کی اصطلاح میں انہیں ''ملاء'' کہا گیا ہے۔ ان کی رضامندی سے حکمران فیصلہ کرتا تھا۔

مکہ شریف میں ''نقیب'' کا عہدہ بھی پایا جاتا تھا۔ جسے ''منادی'' یا ''موذن'' بھی کہتے تھے' جو مجالس کے انعقاد کا شہر میں ڈھنڈورا پیٹتا تھا۔ ہر قبیلہ کے سردار کے

Marfat.com

پاس کم از کم ایک یا متعدد نقیب ہوتے تھے۔ علاوہ اریں نقیب تقریبات کی دعوت پہنچانے اور کسی آدمی کے "جات باہر" کئے جانے کی اطلاع بھی محلوں میں دیتا تھا۔

ہنگامی اور فوری اطلاع دینے کے لئے نقباء کے علاوہ شہری اور اجنبی آدمی بھی مجالس ہدیہ کے انعقاد کا اعلان کر سکتے تھے۔ اس صورت میں اجنبی لوگ کسی بلند جگہ کھڑے ہو کر تمام کپڑے اتار دیتے اور بالکل ننگے ہو کر دہائی دیا کرتے تھے۔ عربی میں اسے "النذیر العریان" کہتے تھے۔ بدر کے موقعہ پر قریشی قافلہ پر نبی علیہ السلام کے حملہ آور ہونے کی اطلاع ابوسفیان کے قاصد نے مکہ پہنچ کر اسی انداز میں پہنچائی تھی۔

"اشناق" کا عہدہ موروثی طور پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خاندان میں چلا آرہا تھا' اس کا عہدہ داران جرائم کا جو قابل راضی نامہ ہوں مالی جرمانہ عائد کرتا تھا۔ جس کا فیصلہ تمام شہریوں کے لئے قابل قبول ہوتا تھا۔

"حجابہ" کعبہ شریف کی کلید برداری کا منصب قصی کے بعد عبدالدار کو ملا۔ بعدازاں عثمان بن عبدالدار' عبدالعزیٰ بن عثمان' ابی طلحہ یعنی عبداللہ بن عبدالعزیٰ' طلحہ بن ابی طلحہ کو نسلاً بعد نسلاً ملتا رہا۔ فتح مکہ کے دن شہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن طلحہ سے چابی لے کر در کعبہ کھولا اور خیال یہ تھا کہ اب چابی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو دی جائے۔ مگر فرمان باری تعالیٰ نازل ہوا

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾

"اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ امانت والوں کو ان کی امانت ادا کر دو"۔ (سورۃ النساء آیت ۵۸ رکوع ۸ پ ۲)

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن طلحہ کو چابی مرحمت فرما دی۔ موصوف صفر ۸ھ میں حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے چچا زاد بھائی شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ کو یہ اعزاز نصیب ہوا۔ جب اب تک نسلاً بعد نسلاً اسی خاندان کو حاصل ہے۔ (انساب الاشراف ص ۵۳)

"لواء" یہ عہدہ بھی عبدالدار بن قصی سے طلحہ بن ابی طلحہ تک اسی خاندان کے

Marfat.com

پاس رہا۔ چنانچہ جنگ بدر میں مشرکین کا علمبردار طلحہ ہی تھا۔ جبکہ اسلامی فوج کا جھنڈا مصعب بن عمیر بن ہاشم کے ہاتھ میں تھا۔ جنگ احد میں بھی مشرکین کا جھنڈا طلحہ ہی کے پاس تھا۔ جسے دوران جنگ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا تھا۔ بعد ازاں اس کے بھائی سعد بن ابی طلحہ نے جھنڈا اٹھا لیا۔ لیکن اسے سعد بن ابی وقاص نے قتل کر دیا تو عثم (یا عثمان) بن ابی طلحہ نے آگے بڑھ کر جھنڈا سنبھال لیا۔ جسے بھی سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا تو مسافع بن طلحہ بن ابی طلحہ نے اٹھا لیا۔ اسے عاصم بن ثابت بن ابی الاقلح انصاری نے قتل کر دیا۔ پھر اس کے بھائی جلاس بن طلحہ بن ابی طلحہ نے اٹھا لیا' عاصم بن ثابت نے اسے بھی ایسا تیر مارا کہ وہ قریب المرگ ہو گیا۔ تو جھنڈا اپنے بھائی کلاب بن طلحہ بن ابی طلحہ کے سپرد کر دیا۔ جسے بھی قزمان رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا تو اس کے بھائی حارث بن طلحہ بن ابی طلحہ نے جھنڈا اٹھا لیا۔ قزمان کے وار سے وہ بھی قتل ہو گیا۔ تو شرحبیل بن ہاشم نے جھنڈا اٹھا لیا۔ جسے مصعب بن عمیر نے قتل کر دیا۔ بعد ازاں زرارہ بن عمیر یا یزید بن عمر نے اٹھایا جسے قزمان نے قتل کر دیا۔ پھر قاسط بن شاس بن عبدالدار نے سنبھالا' لیکن اسے بھی قزمان نے قتل کر دیا' پھر صواب حبشی نے اٹھایا جب اس کا دایاں ہاتھ کٹ گیا تو بائیں سے پکڑ لیا جب وہ بھی کٹ گیا تو ٹھوڑی سے تھام لیا' لیکن قزمان نے اس کا بھی کام تمام کر دیا اور جھنڈا زمین پر گر گیا جس کے ساتھ ہی مشرکین بھاگ نکلے۔ اس طرح مشرکین کا یہ منصب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ (کتاب ملتقی ص ۵۵)

سفارہ۔ مکہ کے کشوری نظم ونسق میں آخری اور انتہائی اہم عہدہ ''سفیر یا منافر'' کا تھا۔ یہ عہدہ موروثی طور پر بنی عدی یعنی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے خاندان میں چلا آ رہا تھا۔ جب کبھی جنگ چھڑ جاتی تو قریش حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا سفیر مختار بنا کر بھیجتے۔ اسی طرح جب کوئی بیرونی قبیلہ قریش کی اولیت کو چیلنج کرتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہی منافر بنا کر بھیجا جاتا تھا۔ ان کی جواب دہی اور بات چیت قریش کے لئے ناقابل تردید ہوتی تھی۔

Marfat.com

ظہور اسلام کے وقت قریش کے بعض مذہبی' عدالتی اور سیاسی عہدے حسب ذیل تھے

مذہبی

شمار	عہدہ	خدمات	نام قبیلہ	عہدہ دار کا نام
۱	سقایہ	حاجیوں کے لئے کھانے پینے کا انتظام	بنو ہاشم	عباس بن عبدالمطلب
۲	عمارہ	خانہ کعبہ کا انتظام	,,	,,
۳	رفادہ	حاجیوں کی مالی اعانت کا انتظام	بنو نوفل	حارث بن عامر
۴	سدانہ	کعبہ شریف کی دربانی و کلید برداری	بنو عبدالدار	عثمان بن طلحہ
۵	ایسار	بتوں سے استخارہ کی خدمت	بنو جمح	صفوان بن اُمیہ
۶	اموال محجرہ	بتوں کے نذرانے اور جائیداد کا انتظام	بنو سہم	حارث بن قیس

عدالتی

شمار	عہدہ	خدمات	نام قبیلہ	عہدہ دار کا نام
۷	ندوہ	عدالت خانہ اور مشورہ گاہ کا انتظام	بنو عبدالدار	عثمان بن طلحہ
۸	مشورہ	امور مہمہ میں مشورہ لینا	بنو اسد	یزید بن زمعہ
۹	شناق	خون بہا' جرمانہ اور مالی تاوان کا انتظام	بنو تیم	ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

سیاسی و جنگی

شمار	عہدہ	خدمات	نام قبیلہ	عہدہ دار کا نام
۱۰	حکومہ	مقدمات کا فیصلہ	بنو سہم	حارث بن قیس
۱۱	عقاب	قومی نشان کی علمبرداری	بنو امیہ	ابوسفیان
۱۲	قبہ	فوجی کیمپ کا انتظام	بنو مخزوم	خالد بن ولید
۱۳	اعنہ	سواروں کے رسالہ کی سپہ سالاری	,,	,,
۱۴	سفارہ	سفارت	بنو عدی	عمر بن الخطاب

Marfat.com

علاوہ ازیں ہر قبیلہ میں ایک پنچائت ہوتی' جو مقدمات اور تنازعات کا فیصلہ کرتی تھی۔ لیکن جب کبھی دو قبائل کے مابین فیصلہ کرنا ہوتا تو کسی اجنبی ثالث کی طرف رجوع کرتے تھے۔ ایسے مقدمات مختلف معبدوں کی دیوہانی یا مشہور پنچوں کے پاس لے جاتے تھے۔ عرب میں کاہن' ہاتف' عائف' ازلام اور ایسارو غیرہ سے فیصلہ کرانے کا عام رواج بھی تھا۔

قصی کا دور ختم ہوتے ہی عدلیہ کا نظام تار تار ہو گیا۔ مختلف قبائل کی باہم رقابتوں نے قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ ایسے حالات و واقعات کے پیش نظر رضاکاروں کی ایک جماعت "حلف الفضول" کے نام سے قائم ہوئی۔ جس کا اولین مقصد مظلوم کی دادرسی تھا۔ قریب تھا کہ یہ ادارہ ترقی کر کے ایک مستقل نظام کی حیثیت اختیار کر لیتا' لیکن جلد ہی اسلام کا آفتاب عالمتاب طلوع ہو گیا اور پھر اسلام نے ایک نہایت منظم مرکزی نظام عدالت قائم کر دیا' جو راحت و راحت کا مژدہ جاں فزا ثابت ہوا۔

مورخ شہیر احمد بن ابراہیم الشریف لکھتے ہیں

"مکہ میں ہمیشہ جمہوری حکومت رہی' خواہ خزاعہ کا دور ہو یا قصی بن کلاب کا۔ شورائی طرز سے تنازعات کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ "مجلس الشیوخ" (ملاء) سیاسیات' اقتصادیات اور اجتماعیات کے احکام صادر کرتی ہے۔ زمانہ قدیم میں کوئی باقاعدہ مسودہ قانون تو نہیں تھا' لیکن مجلس عرف اور علاقائی عادات کے مطابق فیصلہ کرتی تھی"۔ (تاریخ مکہ و مدینہ ص ۱۱۲)

علامہ فرید وجدی مرحوم لکھتے ہیں

"قدیم زمانہ میں اشراف مکہ ہر روز عصر سے قبل کچھ دیر کے لئے دارالندوہ میں جمع ہوتے اور عوام کی شکایات و مسائل سن کر انہیں حل کرتے تھے"۔ (دائرۃ المعارف جلد ۹ ص ۳۲۵ مادہ مکہ)

Marfat.com

کرنسی

چونکہ مکہ مکرمہ صوبہ حجاز کا دارالخلافہ ہے اور صوبہ حجاز بشمول دیگر صوبہ جات کے ایک مستقل ملک بنتا ہے۔ اس بنا پر یہاں سکہ ہر دور میں ملکی حکومت کا رائج رہا۔ خواہ اس حکومت کی حدود مصر تک پھیلی ہوئی ہوں یا اس کا دائرۂ اثر تنگ کی تنگ وسیع ہو۔ آج کل سعودی حکومت کا سکہ رائج ہے جسے ریال کہتے ہیں۔ جس کا کرنسی نوٹ کاغذ کی شکل میں ہے۔ ۱، ۵، ۱۰، ۵۰ اور ۱۰۰ ریال۔ جب کہ ایک ریال ۲۰ قرش کا ہوتا ہے اور قرش ۱، ۵، ۲۵ اور ۵۰ ہللہ کا ہوتا ہے۔ ہللہ پاکستان کے نئے پیسے کے برابر سمجھ لیں۔

چونکہ مکہ مکرمہ میں دنیا کے بیشتر ممالک سے مسلمان فریضہ حج ادا آتے ہیں جن کے پاس اپنے ممالک کی مختلف الانواع کرنسی ہوتی ہے جسے ریال میں تبدیل کرنے کے لئے بینک اور صراف سے رجوع کرنا پڑتا ہے۔ صراف ایسے دکاندار ہوتے ہیں جو صرف کرنسی تبدیل کرنے کا کاروبار کرتے ہیں۔ اور مختلف اوقات میں مختلف سکوں کی قیمت کم وبیش ہوتی رہتی ہے۔

۱۹۵۳ء میں رچرڈ ایچ سینگر نے لکھا تھا' سعودیہ کا ریال چاندی کا ہوتا ہے اور انگلستان' امریکہ اور میکسیکو کی ٹکسالوں میں تیار ہوتا ہے۔ (عرب اور اہل عرب ص ۲۳)

مالیاتی نظام

حکومت اور اہل مکہ کی آمدنی کے متعدد ذرائع تھے۔ جرہم اور قطورہ کے دو قبائل نے جب مکہ میں وفاقی حکومت قائم کی تو انہوں نے شہر کو دو حصوں میں تقسیم کر لیا۔ جس حصہ سے کوئی تاجر شہر میں داخل ہوتا اسی حصہ کے قبیلہ کو وہ عشر ادا کرتا تھا۔ لیکن قصی نے اپنے عہد حکومت میں اس تقسیم کو ختم کر دیا اور مطلق العنان حکمران بن گیا۔

Marfat.com

محصول یا عشر کا یہ طریقہ زمانہ تاریخ سے پہلے بھی عمالقہ کے ہاں رائج تھا اور یہی سب سے بڑا ذریعہ آمدن تھا۔ البتہ مکہ کے باشندے اس سے مستثنیٰ تھے۔ سلام کے بعد بھی حجاج اور تجار پر کئی مرتبہ ٹیکس لگایا گیا اور ترک بھی کیا جاتا رہا۔ سعودی حکومت بھی تنازل وصول کرتی ہے۔

قصی نے ایک اور فنڈ (رفادہ) بھی قائم کیا تھا' اس نے اپنی قوم کو ترغیب دی کہ حجاج کی خدمت اور ضیافت ہمارا اخلاقی فرض ہے لہٰذا تمام اہل مکہ اپنی آمدنی سے سالانہ کچھ رقم اس فنڈ میں جمع کریں۔ تاکہ حج کے ایام میں غریب حجاج کا تعاون کیا جائے اور "بلدیہ" کی طرف سے ان کی ضیافت بھی ہوتی رہے۔ گویا کہ یہ ایک سالانہ محصول تھا۔

عرب میں عام دستور تھا کہ روسا اور امراء بڑی عالی شان ضیافتوں کا اہتمام کیا کرتے تھے' لیکن اہل مکہ سب مل کر ان مصارف کا بوجھ برداشت کرتے تھے۔ اور جو رقم بچ جاتی تھی وہ حاکم وقت کے خزانہ کو معمور کرتی تھی۔

علاوہ ازیں کوئی اجنبی زائر یا مسافر مکہ میں فوت ہو جاتا تو اس کا مال بھی حاکم وقت کو دے دیا جاتا تھا۔ آمدن کا ایک انفرادی ذریعہ یہ بھی تھا کہ باہر کے لوگ جب طواف بیت اللہ کے لئے آتے تو وہ اہل مکہ سے کرایہ پر لباس حاصل کرتے تھے' اگر کسی وجہ سے لباس دستیاب نہ ہوتا تو پھر اپنے غیر مقدس اور گناہ آلود لباس کو اتار کر مرد اور عورتیں سب کامل برہنگی کی حالت میں طواف کرتے تھے۔ اس طرح قریش مکہ کے لئے یہ بھی ایک معقول ذریعہ آمدن بن گیا تھا۔

پہلے پہل حجاج کرایہ کے مکان میں نہیں بلکہ بطور مہمان کسی کے گھر ٹھہرتے تھے۔ اگرچہ یہ کرایہ کے بوجھ سے سبکدوش تھے' مگر میزبان کی خاطر مدارت کے لئے وہ کپڑوں کا جوڑا' قربانی کا جانور یا کوئی اور چیز بطور معاوضہ ادا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں اہل مکہ کی آمدن کے تین انتہائی معقول ذرائع ہیں یعنی فیس' کرایہ مکان اور تجارت۔

Marfat.com

ان ذرائع سے صرف حج کے زمانہ میں اس قدر آمدنی ہو جاتی ہے جو انہیں سال بھر کے لئے کفایت کرتی ہے بلکہ اس آمدنی سے اہل مکہ کی اقتصادی پوزیشن انتہائی مستحکم ہو گئی ہے۔

معلم

قدیم زمانہ میں نہ تو کوئی معلم تھا اور نہ ہی معلمی فیس' لیکن ۶۰ے ھ میں سلطان مصر قایتبائی جب حج کے لئے آیا تو اسے یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ مزاج' طبیعت اور زبان کے لحاظ سے حجاج خدمت' راحت رسانی اور رہنمائی کے لئے ایسے صالح و باعمل اشخاص کا انتخاب کیا جائے جو ان کی خلوص اور نیک نیتی سے رہبری کر سکیں۔ سلطان موصوف کی اس خواہش پر امیر مکہ شریف ابونمی نے چند اصحاب علم و تقویٰ کو منتخب کر کے اللہ کے مہمانوں کو ان کے سپرد کر دیا۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ معلموں نے اصل مقصد کو فراموش کر کے اسے ایک مستقل پیشہ بنا لیا۔ کچھ عرصہ یہ طریقہ بھی رائج رہا کہ ہر قوم یا صوبہ کا ایک ہی معلم ہوتا تھا۔ اس کے سوا کسی دوسرے معلم کے پاس حاجی کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اس وقت مکہ شریف میں معلموں کی حسب ذیل تعداد ہے

پاک و ہند کے تقریباً ۲۰۰۔ انڈونیشیا' ملایا' سنگاپور اور ان علاقوں کے مختلف جزیروں کے تقریباً ۳۵۰۔ ترکی' ایران' افغانستان' الجزائر' مراکش' تیونس' افریقہ اور عرب ممالک کے تقریباً ۶۵۰۔ اس طرح مجموعی تعداد تقریباً ۱۲۰۰ ہے۔

Marfat.com

امرائے مکہ

یہ اعزاز سب سے پہلے عتاب بن اسید بن ابی العیص بن امیہ کو شوال ۸ ھ میں ملا۔

فتح مکہ سے فارغ ہو کر حضور ﷺ جب غزوہ حنین کو تشریف لے جا رہے تھے تو انہیں مکہ کا امیر مقرر فرمایا اس وقت ان کی عمر ۲۱ برس تھی۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا

''عتاب تمہیں معلوم ہے کہ میں نے کن لوگوں پر تجھے مقرر کیا ہے، میں نے اہل اللہ پر تجھے عامل بنایا ہے لہٰذا ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا''۔ (شفاء الغرام ص ۱۵۹)

امام فاکہی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ انہیں چالیس اوقیہ سونا بطور تنخواہ سالانہ ملتا تھا۔ (تلخیص فی اخبار ام القری ص ۴۰)

ابن عقبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ غزوہ حنین کو تشریف لے جا رہے تھے تو سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو مکہ شریف میں اپنا نائب مقرر فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیں اور دین کے احکام سکھائیں۔ امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے طبری سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے طائف تشریف لے جاتے وقت ہبیرہ بن شبل الثقفی رضی اللہ عنہ کو مکہ میں نائب مقرر کیا تھا۔ یہ سب سے پہلے صحابی ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد حرم شریف میں نماز کی امامت کرائی۔ بظاہر یہ تینوں روایات مختلف اور متعارض معلوم ہوتی ہیں اور یہ صراحت نہیں ہوتی کہ ان تین صحابہ میں سے اولیت کسے نصیب ہوئی تھی۔ چنانچہ امام فاسی رحمۃ اللہ علیہ نے ان روایات میں یوں تطبیق دی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عتاب رضی اللہ عنہ

Marfat.com

کو گورنر بنایا' معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو امامت اور تدریس کی خدمت سپرد فرمائی اور ہبیرہ رضی اللہ عنہ کو معاذ رضی اللہ عنہ کا معاون مقرر فرمایا تا کہ ان کی عدم موجودگی میں امامت کے فرائض انجام دیں۔ (شفاء الغرام ص ۱۵۹)

عتاب رضی اللہ عنہ بن اسید تادم مرگ اس عہدہ پر فائز رہے۔ حضور اقدس ﷺ کے بعد خلافت صدیقی میں بھی اس عہدہ پر قائم رہے۔ اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ آپ کا وصال بھی اسی دن ہوا جس دن امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس دار فانی سے عالم جاودانی کو رخصت ہوئے تھے۔ اور یہ روایت بھی ہے کہ جس دن خلیفہ اول کے وصال کی خبر مکہ مکرمہ پہنچی اسی دن آپ کا وصال ہوا تھا۔ (شفاء الغرام ص ۱۶۱)

۱۴ھ : المحرز بن حارثہ بن ربیعہ۔

امام ابن ظہیرہؒ نے امام عبدالبر سے نقل کیا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حارث بن نوفل بن الحارث کو گورنر بنا دیا تھا۔ مگر یہ روایت ضعیف ہے۔ صحیح اور متواتر روایت کے مطابق المحرز ہی تادم مرگ اس عہدہ پر فائز رہے۔ البتہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کی نیابت کے لئے چند حضرات کا تقرر فرمایا تھا۔ (جامع اللطیف ص ۱۷۶)

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے امراء۔ آپ کا زمانہ خلافت ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ مطابق ۶۳۴ء تا ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ مطابق ۶۴۵ء۔ قنفذ بن عمیر بن جدعان التیمی۔ نافع بن عبدالحارث الخزاعی۔ طارق بن المرتفع بن الحارث۔ عبدالرحمن بن ابزی۔ حارث بن نوفل بن حارث اور خالد بن العاص المخزومی۔

بعض روایات میں ہے کہ خالد بن عاص کو اس عہدہ پر برقرار رکھنے کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی تھی۔ جس کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں معزول نہیں کیا تھا۔ (شفاء الغرام ص ۱۶۱)

خلیفہ ثالث سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کے امراء۔ زمانہ خلافت ۲۴ھ مطابق ۶۴۵ء تا ۳۵ھ مطابق ۶۵۶ء۔

۲۴ھ علی بن عدی' الحارث بن نوفل' عبداللہ بن خالد بن اسید اور

Marfat.com

۳۵ھ میں عبداللہ بن عامر الحضرمی۔ (شفاء الغرام ص ۱۶۲)

خلیفہ رابع سیدنا علی المرتضیٰ ؓ کے امراء۔ زمانہ خلافت ۳۵ھ مطابق ۶۵۶ء تا ۴۰ھ مطابق ۶۶۱ء۔

ابو قتادہ الانصاری ۳۶ھ میں قثم بن عباس، معبد بن عباس، ابو قتادہ کے نام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ الحارث بن ربعی یا النعمان بن ربعی تھا۔ (جامع اللطیف ص ۱۷۷)

خلیفہ امیر المومنین سیدنا معاویہ ؓ المتوفی ۶۰ھ کے امراء۔ زمانہ خلافت ۴۱ھ تا ۶۰ھ۔

۳۹ھ عتبہ بن ابی سفیان۔ ۴۲ھ خالد بن العاص المخزومی۔ مروان بن الحکم، امام ابن العربی مروان کے متعلق لکھتے ہیں صحابہ، تابعین، فقہاء اور عامۃ المسلمین کے نزدیک اس کا شمار امت کے اکابرین میں ہوتا تھا۔ (العواصم من القواصم ص ۸۹) اور سعید بن العاص بن امیہ۔ سعید بن العاص کے متعلق ابو عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ ان کا شمار قریش کے اشراف میں ہوتا تھا۔ یہ سخاوت اور فصاحت و بلاغت میں مشہور تھے۔ عمرو بن سعید بن العاص المعروف اشدق۔ ۴۰ھ میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر ؓ۔ ۴۴ھ میں خالد بن اسید بن ابی العیص المتوفی ۵۳ھ اور عبداللہ بن خالد بن اسید۔ (شفاء الغرام ص ۱۶۳ تا ۱۶۶)

خلیفہ یزید بن معاویہ المتوفی ۶۴ھ کے امراء۔

۶۱ھ عمرو بن سعید بن العاص اشدق۔ ولید بن عتبہ بن ابی سفیان۔ عثمان بن محمد بن ابی سفیان۔ حارث بن خالد بن العاص۔ عبدالرحمٰن بن زید بن الخطاب اور یحییٰ بن حکیم بن عمرو۔ (شفاء الغرام ص ۱۶۷)

۶۲ھ سے ۱۷ جمادی الثانی ۷۳ھ سیدنا عبداللہ بن زبیر ؓ مکہ مکرمہ کے خود مختار حاکم ہوئے ہیں۔ (طبری جلد ۵ عنوان شہادت ابن زبیر)

خلیفہ عبدالملک بن مروان المتوفی ۹۶ھ کے امراء۔ زمانہ خلافت ۷۳ تا ۸۲ھ۔

Marfat.com

۷۳ھ حجاج بن یوسف الثقفی' حارث بن خالد المخزومی۔ خالد بن عبداللہ القسری۔ ۸۰ھ عبداللہ بن سفیان المخزومی۔ عبدالعزیز بن عبداللہ بن خالد۔ نافع بن علقمہ الکنانی اور یحییٰ بن الحکم بن ابی العاص۔

خلیفہ ولید بن عبدالملک بن مروان المتوفی ۹۶ھ۔ زمانہ خلافت ۸۶ تا ۹۶ھ۔ کے صرف عمر بن عبدالعزیز اور خالد بن عبداللہ امیر تھے۔

خلیفہ سلیمان عبدالملک المتوفی ۹۹ھ کے امرا۔ زمانہ خلافت ۹۶ تا ۹۹ھ۔

۹۶ھ خالد بن عبداللہ القسری۔ ۹۷ھ طلحہ بن داؤد الحضرمی اور عبدالعزیز بن خالد بن اسید۔

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے امراء۔

۹۹ھ تا ۱۰۰ھ عبدالعزیز بن عبداللہ اموی۔ محمد بن طلحہ بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن۔ عروہ بن عیاض' عبداللہ بن قیس بن مخرمہ اور عثمان بن عبیداللہ۔

خلیفہ یزید بن عبدالملک المتوفی ۱۰۵ھ کے امراء۔ زمانہ خلافت ۱۰۱ تا ۱۰۵ھ۔

۱۰۲ھ عبدالعزیز بن عبداللہ بن اسید۔ ۱۰۳ھ عبدالرحمٰن بن ضحاک بن قیس اور ۱۰۴ھ عبدالواحد بن عبداللہ النصری۔

خلیفہ ہشام بن عبدالملک المتوفی ۱۲۵ھ کے امراء۔ زمانہ خلافت ۱۰۵ تا ۱۲۵ھ۔

عبدالواحد بن عبدالملک المذکور ۱۰۶ھ تا ۱۱۳ھ ابراہیم بن ہشام ۱۱۴ھ تا ۱۲۵ھ محمد بن ہشام اور اس کے بعد محمد عبداللہ۔

خلیفہ ولید بن یزید بن عبدالملک المتوفی ۱۲۶ھ

۱۲۵ھ تا ۱۲۶ھ یوسف بن محمد الثقفی' ۱۲۶ھ تا ۱۲۸ھ عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز ۱۲۹ھ عبدالواحد بن سلیمان بن عبدالملک ۱۳۰ھ ابوحمزہ الخارجی۔ اور ۱۳۱ھ ولید بن عروہ السعدی۔

Marfat.com

خلیفہ مروان بن محمد المتوفی ۱۳۲ھ کے امراء۔

عبدالملک بن محمد بن عطیہ۔ الولید بن عروہ السعدی اور محمد بن عبدالملک بن مروان۔

خلفاء دولت عباسیہ خلیفہ السفاح عبداللہ بن محمد بن علی المتوفی ۱۳۶ھ کے امراء
۱۳۲ھ تا ۱۳۳ھ داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباس۔ ربیع الاول ۱۳۳ھ تا ۱۳۶ھ زیاد بن عبیداللہ بن عبدالمدان۔

خلیفہ ابوجعفر المنصور کے امراء

۱۳۶ھ تا ۱۳۷ھ العباس بن عبداللہ بن معبد۔ ۱۳۷ھ تا ۱۴۱ھ زیاد بن عبداللہ الحارثی ۱۴۲ھ تا ۱۴۵ھ الہیثم بن معاویہ العتکی ۱۴۵ھ محمد بن حسن بن معاویہ ۱۴۵ھ تا ۱۴۶ھ السری بن عبداللہ بن الحارث ۱۴۶ھ تا ۱۴۹ھ عبدالصمد بن علی بن عبداللہ اور ۱۵۷ھ تا ۱۵۸ھ محمد بن ابراہیم بن محمد بن علی۔ ان کے متعلق کئی اقوال ہیں۔ ایک قول کے مطابق ۱۵۰ھ اور ۱۵۷ھ تک ان کا زمانہ بیان کیا گیا ہے۔ مگر علامہ فاسی فرماتے ہیں کہ اگر یہ قول صحیح تسلیم کیا جائے تو پھر یہ اسی نام کے دوسرے گورنر کے متعلق ہے۔ (شفاء الغرام ص ۱۸۲)

خلیفہ محمد بن المنصور المہدی العباسی المتوفی ۱۶۹ھ کے امراء۔ زمانہ خلافت ۱۵۸ھ ابراہیم بن یحییٰ بن محمد۔ ۱۶۱ھ تا ۱۶۳ھ جعفر بن سلیمان بن علی ۱۶۲ھ تا ۱۶۹ھ عبیداللہ بن قثم بن عباس اور محمد بن ابراہیم الامام۔ (شفاء الغرام ص ۱۸۳)

خلیفہ موسیٰ بن المہدی العباسی کے زمانہ میں تین امراء تھے۔ عبیداللہ بن قثم بن عباس، حسین بن علی بن حسن اور محمد بن عبدالرحمن السلیمانی۔

خلیفہ ہارون الرشید بن مہدی کے امراء۔ زمانہ خلافت ۱۷۰ھ مطابق ۷۸۶ء تا ۱۹۳ھ مطابق ۸۰۹ء۔

احمد بن اسماعیل بن علی بن عبیداللہ ۱۷۸ھ محمد بن ابراہیم الامام ۱۸۳ھ حمادی البربری ۱۸۶ھ سلیمان بن جعفر بن سلیمان، عباس بن موسیٰ بن عیسیٰ، عباس بن

محمد بن ابراہیم الامام' عبداللہ بن محمد بن ابراہیم الامام' عبداللہ بن محمد بن عمران' عبیداللہ بن قثم بن عباس' عبیداللہ بن محمد بن ابراہیم الامام' علی بن موسیٰ بن یحییٰ۔ ۱۹۷ھ فضل بن عباس بن محمد' محمد بن عبداللہ بن سعید بن مغیرہ اور موسیٰ بن عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد۔

خلیفہ امین محمد بن ہارون الرشید المتوفی ۱۹۸ھ زمانہ خلافت ۱۹۴ھ مطابق ۸۰۶ء تا ۱۹۸ھ مطابق ۸۱۳ء میں صرف داؤد بن عیسیٰ بن موسیٰ مکہ کے گورنر ہوئے ہیں۔

خلیفہ مامون عبداللہ بن ہارون الرشید المتوفی ۲۱۸ھ زمانہ خلافت ۱۹۸ھ مطابق ۸۱۳ء تا ۲۱۸ھ مطابق ۸۳۳ء۔

۱۹۸ھ تا ۱۹۹ھ داؤد بن عیسیٰ بن موسیٰ ۱۹۹ھ تا ۲۰۰ھ الحسین بن علی بن علی ۲۰۰ھ محمد بن جعفر الصادق ۲۰۳ھ تا ۲۰۹ھ عبیداللہ بن حسن بن عبیداللہ ۲۱۰ھ تا ۲۱۲ھ صالح بن عباس بن محمد ۲۱۲ھ حمدون بن علی بن عیسیٰ۔ یزید بن محمد بن حنظلہ' ابراہیم بن موسیٰ بن جعفر ۲۱۴ھ تا ۲۱۶ھ سلیمان بن عبداللہ بن سلیمان ۲۱۶ھ محمد بن سلیمان بن عبداللہ۔ عبیداللہ بن عبداللہ بن حسن الحسن بن سہل اور محمد بن سلیمان الزینبی۔

خلیفہ المعتصم محمد بن ہارون الرشید عباسی المتوفی ۲۲۷ھ کے امراء زمانہ خلافت ۲۱۸ھ مطابق ۸۳۳ء تا ۲۲۷ھ مطابق ۸۴۱ء۔

۲۱۹ھ تا ۲۲۲ھ صالح بن عباس بن محمد ۲۲۲ھ محمد بن داؤد بن عیسیٰ ۲۲۹ھ تا ۲۳۳ھ۔ اشناس ترکی۔

خلیفہ المتوکل علی اللہ جعفر بن المعتصم علی بن عیسیٰ المتوفی ۲۴۷ھ کے امراء زمانہ خلافت ۲۳۲ھ مطابق ۸۴۷ء تا ۲۴۷ھ مطابق ۸۶۱ء۔

۲۳۳ھ تا ۲۳۵ھ المنتصر محمد بن علی المنصور ۲۳۸ھ تا ۲۳۹ھ علی بن عیسیٰ بن ابی جعفر المنصور ۲۳۹ھ تا ۲۴۲ھ عبداللہ بن محمد بن داؤد ۲۴۲ تا ۲۴۳ عبدالصمد بن موسیٰ بن محمد بن ابراہیم الامام ۲۴۳ھ تا ۲۴۵ھ محمد بن سلیمان بن عبداللہ بن محمد۔

Marfat.com

خلیفہ محمد بن متوکل المنتصر باللہ المتوفی ۲۴۸ھ زمانہ خلافت ۲۴۷ھ مطابق ۸۶۱ء تا ۲۴۸ھ مطابق ۸۶۲ء صرف چھ ماہ کے عرصہ میں محمد بن سلیمان الزینی اور محمد بن عبداللہ بن امیر طاہر تھے۔

خلیفہ احمد بن المعتصم مستعین باللہ المتوفی ۲۵۱ھ زمانہ خلافت ۲۴۸ھ مطابق ۸۶۲ء تا ۲۵۱ھ مطابق ۸۶۵ء کے۔

۲۴۹ھ عبدالصمد بن موسیٰ بن محمد اور شہزادہ العباس۔ ۲۵۰ھ تا ۲۵۱ھ جعفر بن الفضل بن عیسیٰ المعروف شاشات ۲۵۱ھ تا ۲۵۲ھ اسماعیل بن یوسف بن ابراہیم۔

خلیفہ محمد بن المعتز باللہ ۲۵۱ھ مطابق ۸۶۵ء تا ۲۵۵ھ مطابق ۸۶۹ء کے امیر تھے۔ ۲۵۲ھ اسماعیل بن یوسف بن ابراہیم اور ۲۵۳ھ تا ۲۵۴ھ میں عیسیٰ بن محمد بن اسماعیل۔

خلیفہ محمد بن واثق المہتدی باللہ المتوفی ۲۵۶ھ زمانہ خلافت ۲۵۵ھ مطابق ۸۶۹ء تا ۲۵۶ھ مطابق ۸۷۰ء میں علی بن الحسن ہاشمی مکہ کے امیر تھے۔

خلیفہ المعتمد احمد بن المتوکل زمانہ خلافت ۲۵۶ھ مطابق ۸۶۹ء تا ۲۷۹ھ مطابق ۸۹۲ء کے امراء۔

۲۵۷ھ ابواحمد طلحہ بن الموفق ۲۶۰ھ تا ۲۶۱ھ ابراہیم بن محمد بن اسماعیل۔ ۲۶۳ھ محمد بن عیسیٰ بن محمد ابوالمغیرہ اور الفضل بن عباس بن حسین۔ محمد بن عیسیٰ بن محمد بن اسماعیل۔ ۲۶۷ھ محمد بن ابی ساج ۲۶۸ھ ہارون بن محمد بن اسحاق ۲۶۹ھ احمد بن طولون ۲۷۱ھ یوسف بن ابی ساج ابوعیسیٰ محمد بن یحییٰ اور محمد بن المتوکل۔

علامہ قطب الدین رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ۲۷۹ھ مطابق ۸۹۲ء سے ۳۶۳ھ مطابق ۹۷۳ء تک چند امراء کے سوا تاریخ میں کسی کا نام نہیں ملتا۔ یہ زمانہ حسب ذیل خلفاء پر مشتمل تھا۔

معتضد باللہ بن موفق ۲۷۹ھ مطابق ۸۹۲ء تا ۲۸۹ھ مطابق ۹۰۲ء، مکتفی

Marfat.com

باللہ بن معتضد ۲۸۹ھ مطابق ۹۰۲ء تا ۲۹۵ھ مطابق ۹۰۸ء، مقتدر باللہ بن معتضد ۲۹۵ھ مطابق ۹۰۸ء تا ۳۲۰ھ مطابق ۹۳۳ء، قاہر باللہ بن معتضد ۳۲۱ھ مطابق ۹۳۳ء تا ۳۲۳ھ مطابق ۹۳۴ء، راضی باللہ بن مقتدر ۳۲۲ھ مطابق ۹۳۴ء تا ۳۲۹ھ مطابق ۹۴۰ء، متقی للہ بن مقتدر ۳۲۹ھ مطابق ۹۴۰ء تا ۳۳۳ھ مطابق ۹۴۴ء۔

۲۸۱ھ عج بن حاج ۳۰۰ھ ابن ملاحظ' ۳۱۷ھ ابن مخلب ۳۲۱ھ ابن محارب۔

۳۳۱ھ محمد بن طغج' ۳۲۷ھ محمد بن عبداللہ العلوی ۳۵۶ھ جعفر بن محمد بن حسن ۳۵۶ھ تا ۳۸۴ھ عیسیٰ بن جعفر' ۳۹۰ھ تا ۴۳۰ھ ابوالفتوح حسن بن جعفر' اس کی سرتابی کے باعث ۴۰۱ھ میں اس عہدہ سے معزول کر دیا گیا تھا۔ مگر اطاعت پذیری کے بعد دوبارہ ۴۰۳ھ میں بحال ہو گیا۔ ۴۳۰ھ تا ۴۵۳ھ شکر بن الفتوح المتوفی ۴۵۳ھ۔ محمد بن جعفر ۴۵۵ھ علی بن محمد صلیحی' ۴۵۵ھ تا ۴۸۷ھ ابن ابی ہاشم کی سال چند ماہ کے لئے قاسم بن محمد بھی اس عہدہ پر فائز ہوا۔ ۴۸۷ھ تا ۵۱۸ھ۔ اصبہبد بن سارتکین المتوفی ۵۱۸ھ۔ ۵۱۸ھ تا ۵۲۷ھ اور فلیتہ بن قاسم بن اصبہبد المتوفی ۵۲۷ھ' ۵۲۷ھ تا ۵۲۹ھ۔

ہاشم بن فلیتہ اس کے سال وصال میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ ۵۲۹ھ یا ۵۵۱ھ بیان کیا گیا ہے۔

۵۴۹ھ تا ۵۵۶ھ قاسم بن ہاشم ۵۵۶ھ تا ۵۵۷ھ عیسیٰ بن فلیتہ۔ ۵۵۷ھ تا ۵۷۰ھ قاسم بن ہاشم المذکور اس اثناء میں اس کے بھائی مالک بن فلیتہ نے ۱۰ محرم ۵۶۶ھ کو صرف نصف دن کے لئے اقتدار پر قبضہ کر لیا تھا مگر اسی روز بعد دوپہر قبضہ بحال ہو گیا۔

۵۷۰ھ تا ۵۷۱ھ داؤد بن عیسیٰ۔ ۵۷۱ھ مکثر بن عیسیٰ۔ ۵۸۱ھ طغتکین بن ایوب۔ ۵۹۷ھ تا ۶۱۷ھ قتادہ بن ادریس۔ ایک روایت میں قتادہ کا دور اقتدار ۵۹۵ھ اور ۵۹۹ھ بھی بیان کیا گیا ہے۔ اور اسی طرح وصال میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ ۶۱۷ھ یا ۶۱۸ھ۔ ۶۱۷ھ تا ۶۱۹ھ حسن بن قتادہ۔ ۶۱۹ھ تا ۶۲۶ھ ملک

Marfat.com

مسعود۔ اقباش ناصری' نورالدین عمر بن علی طغتکین الترکی۔ ۶۳۰ھ راجح بن قتادہ' ۶۳۵ھ تا ۶۳۷ھ۔ الملک المنصور ۶۳۹ھ حسن بن علی بن قتادہ۔

۶۴۷ھ تا ۶۵۱ھ ابوسعید بن علی بن قتادہ۔ ابوسعید شوال ۶۴۸ھ میں اس عہدہ پر فائز ہوا اور ۳ر شعبان ۶۵۱ھ کو قتل کر دیا گیا۔ ایک روایت کے مطابق اسی سال رمضان میں قتل ہوا۔ اس کے بعد جماز بن حسن بن قتادہ کو یہ منصب ملا جو ۲۹ر ذی الحجہ ۶۵۱ھ تک اس عہدہ پر رہا۔ بعد ازاں جماز کے چچا راجح بن قتادہ کو اقتدار ملا جو ربیع الاول ۶۵۲ھ کو ختم ہو گیا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا غانم امیر بنایا گیا جو اسی سال شوال میں برطرف کر دیا گیا۔ پھر ادریس بن قتادہ اور ابونمی بن ابی سعد اسی سال شوال سے ۲۵ر ذیقعدہ تک برسر اقتدار رہے۔ ۲۵ر ذی قعدہ ۶۵۲ھ سے ۲۶ر محرم ۶۵۳ھ تک ظفر بن برطاس کو اقتدار ملا۔

۶۵۴ھ تا ۷۰۱ھ ادریس بن قتادہ اور ابونمی بن سعد کا دور حکمرانی تھا۔ ادریس اور ابونمی نے مل کر ظفر کی حکومت پر زبردستی قبضہ کر لیا' لیکن بعد میں ادریس اپنے بھائی راجح کے پاس چلا گیا اور ابونمی تنہا حکمران بن گیا۔ مگر تھوڑے عرصہ بعد ادریس واپس آ کر اقتدار میں شریک ہو گیا۔ اس اثنا میں صرف چھ دن تک حسن بن قتادہ کی اولاد نے مکہ پر قبضہ کر لیا تھا مگر ابونمی نے انہیں مار بھگایا۔ پھر ۶۶۷ھ تک ادریس اور ابونمی حکمران رہے۔ پھر کچھ عرصہ کے لئے ادریس اقتدار سے الگ ہو گیا اور ابونمی تنہا حکومت کرنے لگا۔ لیکن دوبارہ دونوں کی مشترکہ حکومت بحال ہو گئی۔ اور پھر ۶۶۹ھ تک دونوں شریک رہے۔ بعد ازاں صرف چالیس دن کے لئے ادریس تنہا گورنر رہا۔ لیکن اس کے قتل ہو جانے کے بعد ابونمی ۶۷۰ھ تک حکومت کرتا رہا۔ اسی سال ماہ صفر میں جماز بن شیحہ اور غانم بن ادریس نے بھی چالیس دن تک اقتدار پر قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن ابونمی نے ان پر غلبہ حاصل کر لیا اور ۶۸۷ھ تک حکومت کرتا رہا۔ اس سال جماز بن شیحہ نے ایک مرتبہ پھر مکہ پر قبضہ کر لیا۔ مگر ابونمی نے بزور بازو اقتدار حاصل کر لیا۔ اور مرتے دم تک یعنی اتوار ۴ر صفر ۷۰۱ھ تک ک

عہدہ پر قائم رہا۔ ابونمی نے مجموعی طور پر پچاس سال تک مکہ شریف پر حکومت کی: تیس سال تنہا اور بیس سال مشترک۔

ابونمی کے وصال سے دو دن قبل اس کے دولڑکوں حمیضہ اور رمیثہ کی نیابت کا اعلان کیا گیا۔ لیکن اسی سال ذی الحجہ میں ان کے دوسرے دو بھائیوں ابوالغیث اور عطیفہ نے اقتدار پر قبضہ کرلیا۔ ۷۰۳ھ میں حمیضہ اور رمیثہ نے دوبارہ اقتدار حاصل کرلیا اور ۷۱۳ھ تک قابض رہے۔

۷۱۸ھ میں حمیضہ قتل ہوگیا تو اس کے بعد رمیثہ اور عطیفہ دونوں بھائیوں کے درمیان اقتدار کی جنگ چھڑ گئی۔ کبھی ایک غالب آجاتا اور کبھی دوسرا۔ لیکن ۷۳۷ھ سے ۷۴۵ھ تک رمیثہ تنہا حکومت کرتا رہا۔

۷۴۸ھ سے ۷۵۰ھ تک عجلان اور ثقبہ دونوں بھائی حکومت کرتے رہے۔ ۷۵۰ھ میں عجلان مصر چلا گیا اور اسی سال ۵ر شوال کو واپس آ کر اقتدار میں شریک ہوگیا۔ چنانچہ ذی الحجہ ۷۵۷ھ تک دونوں مشترکہ حکومت کرتے رہے۔ بعد میں دونوں میں مخاصمت ہوگئی جس کی وجہ سے ۷۵۳ھ تک ثقبہ اکیلا قابض رہا۔ اس کے بعد ایک سال عجلان کا قبضہ رہا۔ پھر دونوں نے ۷۵۷ھ تک مل کر حکومت کی۔ یہی سلسلہ ۷۶۰ھ تک جاری رہا۔

اس کے بعد احمد بن ثقبہ اور عقیل بن مبارک بھی اقتدار میں شریک ہو گئے۔ جس کی وجہ سے ملک الظاہر برقوق نے ان سب کو معزول کر کے علی بن عجلان بن رمیثہ کو گورنر مقرر کردیا۔ بعد میں ۷۹۴ھ محمد بن عجلان بھی کچھ عرصہ تک حکومت میں شریک ہوگیا۔ اس کے بعد ۷۹۴ھ سے ۷۹۷ھ تک علی بن عجلان تنہا قابض رہا۔ علی اسی سال ۹ر شوال کو انتقال کرگیا۔ ۷۹۷ھ محمد بن عجلان۔ ۷۹۸ھ حسن بن عجلان اور ۸۰۹ھ میں برکات بن حسن' باپ کے ساتھ حکومت میں شریک ہوگیا تھا۔ ۸۱۰ھ میں حسن نے حکومت برکات اور احمد دونوں بیٹوں کے سپرد کردی تھی جو ۸۱۸ھ تک حکمران رہے۔ ان کے بعد ۸۱۸ھ میں رمیثہ بن محمد بن عجلان گورنر بنا۔

Marfat.com

۸۱۸ھ میں حسن بن عجلان نے اقتدار سنبھال لیا اور ۸۲۲ھ میں اپنے بیٹے زین الدین کو بھی شریک کر لیا اور اس طرح دونوں باپ بیٹا ۸۲۷ھ تک حکومت کرتے رہے۔

۸۲۷ھ تا ۸۲۸ھ علی بن عنان بن مغامس' ذی الحجہ ۸۲۸ھ میں ملک اشرف قایتبائی نے حسن بن عجلان کو امیر مقرر کیا لیکن ۱۶ ر جمادی الثانی ۸۲۹ھ کو اس کا قاہرہ میں انتقال ہو گیا۔ تو اس کا جانشین برکات کو بنا دیا گیا۔

(یہ تمام تفصیلات شفاء الغرام سے منقول ہیں)

۸۲۵ھ سے ۱۳۴۴ھ تک کے امراء کی تفصیلات الشیخ محمد ابراہیم رفعت پاشا کی کتاب مرآۃ الحرمین سے پیش کی جاتی ہیں:

۸۲۵ھ علی بن حسن' برکات بن حسن۔ ۸۴۲ھ ابوالقاسم بن حسن۔ ۸۵۱ھ تا ۸۵۳ھ برکات بن حسن۔ ۸۵۹ھ محمد بن برکات۔ ۹۰۱ھ برکات بن محمد۔ ۹۰۷ھ ہزاع بن محمد۔ احمد بن محمد۔ ۹۰۸ھ حمیضہ بن محمد۔ ۹۱۸ھ میں سلطان غوری نے ابونمی ثانی کو باپ کے ساتھ حکومت میں شریک کر دیا۔ چنانچہ دونوں ۹۳۱ھ تک برسر اقتدار رہے۔ بعد ازاں ابونمی تنہا حکومت کرنے لگا اور ۹۴۵ھ میں سلطان سلیمان خان نے اس کے بیٹے احمد کو بھی اس کے ساتھ شریک کر دیا۔ لیکن یہ باپ کی زندگی ہی میں ۹۶۱ھ کو فوت ہو گیا۔ تو ابونمی نے دوسرے بیٹے حسن کو شریک اقتدار کر لیا۔ پھر ۹۹۲ھ میں ابونمی کا انتقال ہو گیا اور حسن بن ابونمی خود مختار ہو گیا۔ اس کے بعد حسن کے دو لڑکے حسین اور مسعود بھی باپ کے ساتھ حکومت میں کچھ عرصہ شریک رہے۔ مگر باپ کی زندگی ہی میں دونوں فوت ہو گئے۔

۱۰۱۰ھ ابوطالب بن حسن۔ ۱۰۱۲ھ ادریس بن حسن۔ پھر اس کا بھائی فہید بھی شریک اقتدار ہو گیا اور پھر دونوں نے ۱۰۱۹ھ تک مل کر حکومت کی۔ ۱۰۳۲ھ میں محسن بن حسین بن حسن بھی حکومت میں شریک ہو گیا۔ اس نے اپنے چچا ادریس اور فہید کے ساتھ مل کر بھی کچھ عرصہ حکومت کی لیکن ۱۰۳۲ھ میں تنہا حکمران بن گیا۔ ۱۰۳۷ھ احمد بن عبدالمطلب بن حسن۔ ۱۰۳۹ھ مسعود بن ادریس بن حسن۔ ۱۰۴۰ھ

Marfat.com

عبداللہ بن حسن۔ ۱۰۴۱ھ محمد بن عبداللہ بن حسن اور زید بن محسن۔ ۱۰۴۱ھ تا ۱۰۴۲ھ نامی بن عبدالمطلب المتوفی محرم ۱۰۴۲ھ۔ ۱۰۷۷ھ سعید بن زید۔ ۱۰۸۰ھ احمد بن زید۔ ۱۰۸۲ھ تا ۱۰۹۴ھ برکات بن محمد بن ابراہیم المتوفی ۱۰۹۴ھ۔

۱۰۹۴ھ سعید بن برکات۔ ۱۰۹۵ھ تا ۱۰۹۹ھ احمد بن زید؛ اس کا انتقال اسی سال ہوا۔ ۱۰۹۹ھ تا ۱۱۰۱ھ احمد بن غالب اور سعید بن سعد بن زید ۱۱۰۱ھ محسن بن حسین بن زید۔ ۱۱۰۳ھ مساعد بن سعد' سعید بن سعد' سعد بن زید۔ ۱۱۰۵ھ عبداللہ بن ہاشم۔ ۱۱۰۶ھ تا ۱۱۱۳ھ سعد بن زید۔ ۱۱۱۹ھ عبدالمحسن بن احمد بن زید۔ اور عبدالکریم بن یعلی' سعد بن زید' سعید بن سعد۔ ۱۱۲۹ھ عبداللہ بن سعید۔ ۱۱۳۰ھ علی بن سعید' یحیی بن برکات۔ ۱۱۳۲ھ مبارک بن احمد بن زید۔ ۱۱۳۳ھ یحیی بن برکات۔ ۱۱۳۶ھ برکات بن یحیی' مبارک بن احمد بن زید' عبداللہ بن سعید۔ ۱۱۴۳ھ تا ۱۱۴۵ھ محمد بن عبداللہ بن سعد۔ ۱۱۴۵ھ مسعود بن سعید پھر ۱۱۵۱ھ میں اس کے ساتھ اس کا بھتیجا محمد بن عبداللہ بھی شریک ہو گیا۔ ۱۱۶۴ھ مسعود بن عبداللہ۔ ۱۱۶۵ھ مساعد بن سعد۔ ۱۱۷۲ھ جعفر بن سعید۔ ۱۱۷۳ھ مساعد بن سعید۔ ۱۱۸۴ھ عبداللہ بن سعید' عبداللہ بن حسین بن یحیی۔ ۱۱۸۵ھ احمد بن سعید۔ سرور بن مساعد ۱۲۰۲ھ غالب بن مساعد۔ ۱۲۲۸ھ یحیی بن سرور۔ ۱۲۴۲ھ عبدالمطلب بن غالب بن مساعد۔ ۱۲۴۳ھ تا ۱۲۶۷ھ محمد بن عبدالمعین بن عون۔ ۱۲۶۷ھ تا ۱۲۷۲ھ عبدالمطلب بن غالب۔ ۱۲۷۲ھ تا ۱۲۷۴ھ محمد بن عبدالمعین۔ ۱۲۷۴ھ تا ۱۲۹۴ھ عبداللہ پاشا بن محمد۔ ۱۲۹۴ھ حسین پاشا بن محمد بن عبدالمعین۔ ۱۲۹۷ھ تا ۱۲۹۹ھ عبدالمطلب بن غالب ۱۲۹۹ھ عون الرفیق پاشا بن محمد ۱۳۲۳ھ علی پاشا ۱۳۲۶ھ حسین بن علی۔ یہ ۹ر شوال ۱۳۲۶ھ میں دولت عثمانیہ کی طرف سے مکہ کا گورنر مقرر ہوا تھا۔ مگر بعد میں اس نے "شاہ حجاز" ہونے کا اعلان کر دیا۔ یہ دولت عثمانیہ ترکیہ کا آخری گورنر تھا۔ اس کے بعد سلطان عبدالعزیز بن سعود نے ۱۳۴۳ھ میں اپنا پہلا گورنر خالد بن لوی مقرر کیا۔ (مرآۃ الحرمین جلد ۱ ص ۳۶۳ تا ۳۶۶)

Marfat.com

امرائے حج اور حوادثات

اسلام کی تاریخ میں یہ اعزاز سب سے پہلے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو عنایت ہوا جنہیں ۹ ہجری میں حضور اقدس ﷺ نے امیر الحجاج بنا کر مکہ مکرمہ بھیجا تھا۔ امارت حج کے علاوہ آپ کو یہ خدمت بھی تفویض کی گئی تھی کہ منیٰ اور عرفات کے اجتماعات میں اعلان کریں کہ آئندہ سال سے کوئی مشرک حج بیت اللہ کے لئے نہیں آ سکتا اور نہ ہی کوئی آدمی ننگے ہو کر طواف کر سکتا ہے۔ (بخاری شریف جلد ۳ ص ۱۷۱۰ سورۃ براۃ)

اس کے بعد آپ ۱۲ھ میں بحیثیت خلیفۃ المسلمین فریضہ حج ادا کرنے گئے تھے۔ امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں ہر سال حج کو تشریف لے جاتے رہے صرف ۱۳ ہجری کو تشریف نہیں لا سکے۔ اس سال سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ امیر الحجاج تھے۔

اسی طرح سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ بھی خلافت کے ہر سال فریضہ حج ادا کرنے جاتے رہے۔ لیکن پہلے سال ۲۴ھ میں نہیں جا سکے تھے۔ اس سال بھی عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو امارت حج تفویض ہوئی تھی۔ موصوف خلافت کے آخری سال ۳۵ھ میں جب کہ فتنہ پردازوں نے زبردست خوف و ہراس پھیلا رکھا تھا اور وہ آپ کی جان عزیز کے درپے تھے' بنابریں آپ فریضہ حج کی ادائیگی سے قاصر رہے اور اپنی طرف سے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا تھا۔

۳۸ھ میں سیدنا قثم بن عباس رضی اللہ عنہ نے جو سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے امیر مکہ تھے' امارت کی خدمت انجام دی۔ ۳۹ھ میں امارت حج پر اختلاف پیدا ہو گیا تھا' کیونکہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سیدنا قثم بن عباس رضی اللہ عنہ کو امیر حجاج بنا کر بھیجا تھا' لیکن سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی حادیہ بن یزید بن شجرہ

Marfat.com

الرہادی کو امیر بنا بھیجا۔ مکہ معظمہ پہنچ کر دونوں کے مابین نزاع ہوا اور دونوں نے ایک دوسرے کی امارت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن حجاج نے انتہائی دانشمندی سے کام لے کر شیبہ بن عثمان کی امارت کا اعلان کر دیا جس کے باعث نزاع ختم ہو گیا۔

۴۰ھ میں مغیرہ بن شعبہ ؓ نے امارت حج کی ذمہ داری نباہی۔ ۴۴ھ میں امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ ؓ اپنے عہد خلافت میں امیر الحجاج کی حیثیت سے حج کرنے گئے۔ اور پھر ۵۰ھ میں بھی دوبارہ فریضہ حج ادا کیا۔

(شفاء الغرام ص ۲۴۴، ۲۴۵)

۴۵ھ میں مروان بن الحکم والی مدینہ امیر حج تھے۔ خطبہ حج اور عرفات میں امامت کے فرائض بھی انجام دیئے۔ ۴۶، ۴۷ھ میں عتبہ بن ابی سفیان اور ۴۸ھ میں مروان بن الحکم امیر حج تھے۔ ۴۹، ۵۲ھ اور ۵۳ھ میں سعید بن عاص امیر تھے۔ البتہ ۵۱ھ میں یزید بن معاویہ کو یہ منصب عنایت کیا گیا۔ ۵۴ھ میں مروان بن الحکم مدینہ سے امیر حج بن کر گئے۔ ۵۸ھ میں ولید بن عتبہ ؓ کو امیر بنایا گیا۔ ۵۹ھ میں عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو امارت ملی۔ ۶۰ھ میں یزید نے ولید بن عتبہ کو مکہ کی گورنری سے معزول کر کے عمرو بن سعید بن عاص کو گورنر بنایا۔ اور اس سال یہی امیر حج بھی تھے۔ ۶۱ھ اور ۶۲ھ میں یہ خدمت ولید بن عتبہ نے انجام دی۔

(طبری جلد ۴ خلافت امیر معاویہ)

۶۳ھ سے ۷۱ھ تک سیدنا عبداللہ بن زبیر ؓ یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ ۶۶ھ میں امارت کے چار جھنڈے تھے۔ ایک سیدنا عبداللہ بن زبیر ؓ کا، دوسرا ابن عامر کا خوارج کے لئے۔ تیسرا محمد بن الحنفیہ کا شیعہ کے لئے اور چوتھا جھنڈا اہل شام کا بنو امیہ کی طرف سے تھا۔ لیکن نماز اور خطبہ کا فریضہ سیدنا ابن زبیر ؓ نے ادا کیا۔

۷۵ھ اور ۷۸ھ میں خلیفہ عبدالملک بن مروان نے یہ خدمت انجام دی۔

Marfat.com

۹۱ھ اور ۹۵ھ خلیفہ ولید بن عبدالملک بن مروان امیر تھے۔ ۹۷ھ میں خلیفہ سلیمان بن عبدالملک امیر حج کی حیثیت سے حج کرنے آئے۔ ۱۰۶ھ میں خلیفہ ہشام بن عبدالملک امیر ہے۔ ۱۴۰ھ' ۱۴۴ھ' ۱۴۷ھ اور ۱۵۲ھ میں خلیفہ ابو جعفر المنصور امیر الحجاج تھے۔ ۱۵۸ھ میں اسی عزم سے سفر اختیار کیا لیکن راستہ میں بیر میمون کے پاس پہنچ کر اس دار فانی کو خیر باد کہہ گئے۔

۱۶۰ھ اور ۱۶۴ھ میں خلیفہ المہدی محمد بن ابی جعفر نے دو مرتبہ بحیثیت امیر فریضہ حج ادا کیا۔

۱۷۰ھ' ۱۷۳ھ' ۱۷۵ھ' ۱۷۷ھ' ۱۷۹ھ' ۱۸۱ھ' ۱۸۶ھ اور ۱۸۸ھ ان سالوں میں خلیفہ ہارون الرشید امیر الحجاج کی حیثیت سے حج کرنے جاتے رہے۔ ۱۹۹ھ میں حجاج نے امام اور خطبہ کے بغیر فریضہ حج ادا کیا۔ اس سال افطس کو مامون نے مکہ فتح کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور امارت حج بھی اسی کو سونپی تھی۔ مگر یہ بروقت نہ پہنچ سکا۔ اگرچہ محمد بن داؤد کے نام ایک فرضی حکم نامہ بنایا گیا مگر وہ کارآمد ثابت نہ ہوا۔ چنانچہ لوگوں نے عرفات میں ایک اجنبی آدمی کو نماز کے لئے کھڑا کر دیا۔ مگر خطبہ کے بغیر ہی سب نے حج ادا کیا۔ افطس غروب آفتاب سے تھوڑی دیر پہلے مکہ پہنچا۔ طواف اور سعی سے فارغ ہو کر عرفات گیا رات وہیں بسر کی اور صبح کے قریب مزدلفہ آ گیا اور وہاں حجاج کو صبح کی نماز پڑھائی۔ پھر بقیہ ایام منیٰ میں گزارنے کے بعد شہر میں جا کر مفسدین کا قلع قمع کیا۔

۲۰۰ھ میں ابراہیم بن موسیٰ بن جعفر نے عقیل بن ابی طالب کی اولاد میں سے ایک شخص کو بہت بڑی فوج کے ساتھ امیر حجاج بنا کر مکہ بھیجا۔ لیکن جب یہ بطن نخلہ میں بستان ابن عامر کے مقام پر پہنچا تو اُسے معلوم ہوا کہ اس سال ابو اسحاق بن ہارون الرشید امیر حج کی حیثیت سے آ چکا ہے اور اس کے ساتھ ایسی بہادر اور جری فوج ہے جس کا مقابلہ کرنا سخت دشوار ہے۔ چنانچہ وہ بستان ابن عامر میں ہی رک گیا۔ اس اثنا میں حجاج اور تجار کا ایک قافلہ وہاں سے گزرا جن کے پاس غلاف

Marfat.com

کعب اور عطریات تھے۔ عقیلی فوج نے یہ سب کچھ لوٹ لیا۔ اس طرح وہ لٹا پٹا قافلہ کسمپرسی کے عالم میں مکہ پہنچا۔ جب اس المناک واقعہ کی اطلاع ابو اسحاق کو ہوئی تو اس نے فی الفور عقیلی فوج پر حملہ کر کے غلاف کعبہ سمیت تمام سامان برآمد کر لیا۔ اور ان کے بہت سے آدمی گرفتار بھی کر لئے۔ (شفاء الغرام ص ۶۳۹)

۲۰۱ھ میں اسحاق بن موسیٰ بن عیسیٰ بن موسیٰ نے امارت حج کی خدمت انجام دی۔ ۲۰۲ھ میں ابراہیم بن محمد بن جعفر۔ ۲۰۳ھ میں سلیمان بن علی۔ ۲۰۴ھ تا ۲۰۶ھ عبیداللہ بن الحسن بن عبیداللہ بن عباس۔ ۲۰۷ھ میں ابو عیسیٰ بن الرشید۔ ۲۰۸ھ میں صالح بن الرشید۔ ۲۰۹ھ تا ۲۱۱ھ میں صالح بن عباس بن محمد بن علی۔ ۲۱۲ھ، ۲۱۳ھ عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس بن محمد۔ ۲۱۴ھ میں اسحاق بن عباس بن محمد۔ ۲۱۵ھ، ۲۱۶ھ میں عبداللہ بن عبیداللہ۔ ۲۱۷ھ میں سلیمان بن عبداللہ بن سلیمان۔ ۲۱۸ھ تا ۲۲۰ھ میں صالح بن عباس۔ ۲۲۱ھ تا ۲۲۶ھ میں محمد بن داؤد۔ ۲۲۷ھ میں جعفر بن المعتصم۔ ۲۳۶ھ المنتصر محمد بن متوکل۔ ۲۳۷ھ، ۲۳۸ھ علی بن عیسیٰ بن جعفر المنصور۔ ۲۳۹ھ تا ۲۴۱ھ میں عبداللہ بن محمد بن داؤد بن عیسیٰ۔ ۲۴۲ھ، ۲۴۳ھ میں جعفر بن دینار امیر حج تھے۔

۲۴۴ھ میں عبدالصمد بن موسیٰ امیر حج تھے۔ اس سال مکہ میں شدید ترین قحط تھا' ایک دینار سرخ کے عوض پانچ سیر گندم ملتی تھی۔ بعد میں وہ بھی نایاب ہو گئی۔ لوگ بھوک سے مرنے لگے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ٹڈیوں کا ایک لشکر بھیجا جس سے زمین بھر گئی اور لوگوں نے ٹڈیاں کھا کر جان بچائی۔ ۲۴۵ھ، ۲۴۶ھ میں محمد بن سلیمان بن عبداللہ۔ ۲۴۹ھ میں عبدالصمد بن موسیٰ اور ۲۵۰ھ میں جعفر بن الفضل بشاشات امیر تھے۔

ربیع الاوّل ۲۵۱ھ میں اسماعیل بن یوسف علوی نے مکہ معظمہ پر حملہ کیا۔ والی مکہ جعفر بن الفضل بن عیسیٰ خوف کے مارے بھاگ گیا۔ اسماعیل نے بے دریغ غارت گری اور قتل کیا۔ کعبہ کا غلاف اور سونے چاندی کے علاوہ اہالیان مکہ کے..

Marfat.com

لاکھ دینار لوٹ لئے۔ بعد ازاں اس نے مدینہ پر شب خون مارا۔ پھر واپس لوٹ کر ایام حج میں ہزارہا حجاج کے خون ناحق سے ہاتھ رنگین کئے۔

جب یہ روح فرسا اطلاعات المعتز کو پہنچیں تو اس نے محمد بن احمد بن عیسی اور عیسی بن المخزومی کو ایک لشکر جرار دے کر مکہ روانہ کیا۔ جن سے اسماعیل کا زبردست مقابلہ ہوا۔ گیارہ ہزار حجاج شہید ہوئے اور باقی ماندہ بھاگ گئے۔ اس سال حجاج کو عرفات میں وقوف کرنے کے لئے نہ تو دن کو وقت مل سکا اور نہ ہی رات کو۔ اسماعیل نے ۵۷ دن تک مکہ کا محاصرہ کئے رکھا جس کے باعث لوگ بھوک کی شدت سے جاں بلب ہو گئے۔ اور گرانی کا یہ عالم تھا کہ ایک روٹی تین درہم میں مشکل سے ملتی تھی اور اسی طرح پانی کا ایک مشکیزہ تین درہم میں ملتا تھا۔

۲۵۲ھ میں محمد بن احمد بن عیسی۔ ۲۵۳ھ میں عبداللہ بن محمد بن سلیمان الزینبی۔ ۲۵۴ھ' ۲۵۵ھ میں علی بن الحسین بن اسماعیل۔ ۲۵۶ھ میں محمد بن احمد بن عیسی۔ ۲۵۷ھ' ۲۵۸ھ میں الفضل بن اسحاق۔ ۲۵۹ھ' ۲۶۰ھ میں ابراہیم بن محمد بن اسماعیل اور ۲۶۱ھ تا ۲۶۳ھ میں الفضل بن اسحاق بن الحسن امیر حج تھے۔ (طبری واقعات ۲۵۲ھ تا ۲۶۳ھ)

۲۶۳ھ میں فریضہ حج جزارین اور حناطین کے مابین جنگ وجدال کی نذر ہو گیا تھا۔ ۱۹ حجاج مارے گئے اور باقی لوگ حج کی سعادت سے محروم واپس لوٹ گئے تھے۔ ۱۲ ذی الحجہ ۲۹۵ھ منیٰ میں حج بن حاج اور دوسرے حجاج کے درمیان زبردست خون ریزی ہوئی۔ پیاس کی شدت کے باعث بہت سے حاجی موت کا لقمہ بن گئے۔ (شفاء الغرام واقعات ۲۶۳ھ اور ۲۹۵ھ)

۳۱۲ھ میں ابوطاہر قرامطہ نے حجاج کرام کے خون سے ہولی کھیلی۔ ان کا تمام مال اور سامان لوٹ لیا اور انہیں لق و دق صحرا میں لے جا کر چھوڑ دیا۔ جس سے اکثر شدت تشنگی، گرسنگی اور تمازت آفتاب سے مر گئے۔ اور جو زندہ بچ نکلے بسیار خرابی اور وقت کے بعد بغداد واپس لوٹ گئے۔ (ابن خلدون جلد ۴ ص ۹۳)

Marfat.com

۳۱۴ھ تا ۳۱۶ھ میں مکہ پر قرامطہ کا قبضہ ہونے کی وجہ سے عراق سے کوئی آدمی بھی حج کو نہ آ سکا۔ حتیٰ کہ ۳۱۴ھ میں اہل مکہ بھی قلیل تعداد میں حج کی سعادت حاصل کر سکے تھے۔

۳۱۷ھ میں بغداد سے منصور الدیلمی امیر الحجاج بن کر آیا۔ حجاج کا قافلہ امن و امان سے مکہ معظمہ پہنچ گیا۔ راستہ میں تو کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔ لیکن یوم الترویہ کو ابوطاہر قرامطہ سات سو کے لشکر کے ساتھ مکہ معظمہ میں داخل ہوا اور پہنچتے ہی ظلم کی تیغ آبدار سے حجاج کا قتل عام شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ حرم محترم میں بھی خون کی ندیاں بہا دیں۔ ایک ہزار نو سو حجاج کے خون ناحق سے حرم مقدس کی زمین کو رنگین کیا۔ جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔ بہت سے مقتولین کو چاہ زمزم میں پھینک دیا۔ کتنے تھے جنہیں حرم کے اندر لٹکایا گیا۔ ایک شقی ازلی کعبہ شریف پر چڑھ کر میزاب کعبہ (پرنالہ) اکھاڑنے کی ناپاک جسارت کرنے لگا، مگر بچونک اللہ کی لاٹھی چلی اور بے آواز چلی۔ اور وہ سر کے بل گر کر جہنم واصل ہو گیا۔ حجر اسود اٹھا کر ہجر بھیج دیا گیا، غلاف کعبہ کو پھاڑ کر اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا۔ اہل مکہ کے مکانات اور حاجیوں کا سامان لوٹ لیا۔ یہ چھ دن تک وہاں رہا۔ ان حالات کے پیش نظر کوئی آدمی بھی فریضہ حج ادا نہ کر سکا۔ لیکن جب اس اندوہناک واقع کی خبر خلیفہ عبیداللہ المہدی والی افریقہ کو پہنچی، جس کے یہ لوگ مداح اور معتقد تھے۔ اور اس کے نام کا خطبہ بھی پڑھتے تھے تو موصوف نے ان افعال قبیحہ پر انہیں سخت لعن طعن کیا اور حکم دیا کہ حجر اسود اور حجاج کا مال و متاع فوراً واپس کیا جائے۔ چنانچہ تقریباً ۲۲ سال بعد حجر اسود تو واپس کر دیا گیا، مگر حجاج کا سامان خرد برد ہو گیا۔ (ابن خلدون جلد ۴، واقعہ قرامطہ)

علامہ قطب الدین بحجیہ اس روح فرسا و جاں گداز واقعہ کی تفصیل سے اس طرح بیان کرتے ہیں

ان مفسدین محمد ... اور اعداء الدین کا سرغنہ یحییٰ بن مہرویہ القرمطی تھا۔

''ہجر'' کے رہنے والے تھے' ان کا عقیدہ تھا کہ نبی کریم ﷺ کے بعد ابن الحنفیہ بن علی بن ابی طالب امام برحق ہیں۔ وہ اپنے ان اوہام باطلہ کے ثبوت میں بے سند اور من گھڑت روایات پیش کر کے لوگوں کو گمراہ کرتے تھے۔

خلیفہ المکتفی باللہ کو جب ان کے گمراہ کن نظریات کا علم ہوا تو اس نے ان پر فوج کشی کی جس میں یحییٰ سمیت بہت سے ملحد لقمۂ اجل بن گئے۔ بعد ازیں یحییٰ کے بھائی حسین اور چچا زاد بھائی عیسیٰ بن مہرویہ نے پھر سر اٹھایا۔ عیسیٰ بن مہرویہ کا لقب ''المدثر'' تھا اور وہ اپنے باطل خیال میں قرآن مجید کی سورت مدثر اپنے نام سے منسوب کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے امام مہدی ہونے کا دعویٰ کر دیا اور شام میں زبردست فساد بپا کیا۔ ۲۹۱ھ میں ان سب کے سر قلم کر کے عبرت کے لئے شہر میں پھرائے گئے' جس سے یہ فتنہ دب گیا۔ (اعلام الاعلام ص ۱۰۵)

۳۱۷ھ میں اس فتنہ نے پھر سر اٹھایا' اور ابو طاہر القرامطی کی قیادت میں بڑی تیزی سے ہر سو پھیلنے لگا۔ اس نے ''ہجر'' میں ایک محل ''دار الہجرۃ'' کے نام سے بنایا۔ اور ملک بھر میں اس کا حج کرنے کا اعلان کیا۔ ذی الحجہ ۳۱۷ھ میں ابو طاہر لشکر جرار کے ساتھ مکہ معظمہ پر حملہ آور ہوا۔ اور طواف کرنے والوں' نماز پڑھنے والوں اور احرام کی حالت میں حجاج کرام کو بے دریغ قتل کیا۔ تیس ہزار مسلمانوں کے خون ناحق سے ہاتھوں کو رنگین کیا چاہ زمزم اور مطاف حجاج کی لاشوں سے اٹے پڑے تھے۔ وہ ظالم اعلان کرتا تھا ''مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا'' آج کہاں گیا۔ (اعلام الاعلام ص ۱۴۲)

حجر اسود کی واپسی کی تفصیلات ہم نے اس کتاب کی دوسری جلد میں ''حجر اسود'' کے ضمن میں بیان کر دی ہیں۔

۳۱۹ھ' ۳۲۰ھ' ۳۲۳ھ اور ۳۲۴ھ میں راستہ محفوظ نہ ہونے کی وجہ سے عراق کے لوگ حج سے محروم رہے۔ البتہ ۳۲۰ھ میں مغربی ممالک اور یمن کے حاجی آئے تھے۔ امام ذہبی کی روایت کے مطابق ۳۲۶ھ میں عراق سے حجاج نہ جا سکے۔

Marfat.com

صرف بغداد کے لوگ حج کرنے آئے مگر واپسی پر شام کا راستہ اختیار کیا۔ ۳۳۲ھ میں بھی عراقی اس سعادت سے محروم رہے کیونکہ خلیفہ المتقی عراق سے بہت دور تھا اور راستہ محفوظ نہیں تھا حتیٰ کہ ۳۳۲ھ سے ۳۳۸ھ تک یہی کیفیت رہی۔ لیکن امام ذہبی کی دوسری روایت میں اس کے بالکل برعکس ہے۔ وہ کہتے ہیں ۳۳۵ھ سے ۳۳۹ھ تک ہر سال عمر بن یحییٰ علوی کی امارت میں عراق سے حجاج آتے رہے۔

۳۴۱ھ سے ۳۴۴ھ تک مختلف ممالک کے مابین مخاصمت کے باعث تین علیحدہ علیحدہ امیر حج آتے رہے۔ مصر کی طرف سے احمد بن الفضل بن عبدالملک: عراق کی جانب سے احمد بن عمر بن یحییٰ علوی اور عمر بن الحسن بن عبدالعزیز۔ ۳۵۵ھ میں کافور الاخشیدی مصر کی طرف سے امیر حج تھا۔ ۳۶۳ھ میں معز لدین اللہ والی مصر کا خطبہ پڑھا گیا۔ اس سال بنو ہلال وغیرہ نے حجاج پر حملہ کر کے بے شمار خلق خدا کو قتل کیا۔ اسی خوں ریزی میں وقت گزر گیا اور لوگ فریضہ حج ادا نہ کر سکے۔ ۳۶۴ھ میں ابن الفقر صاحب القرامطہ نے اپنے لوگوں کو حج کرایا۔ ۳۶۵ھ میں عراق اور مشرقی بلاد کا راستہ محفوظ نہ ہونے کی وجہ سے لوگ حج کرنے نہ آ سکے۔ اسی سال عزیز والی مصر کے لشکر نے مکہ پر حملہ کیا تھا۔

۳۶۶ھ میں ایک سعادت مند خاتون جمیلہ بنت ناصر الدولہ ربی محمد الحسن بن عبداللہ نے فریضہ حج ادا کیا۔ اس نیک خصال عورت نے اہل مکہ پر بے دریغ پیسہ خرچ کیا۔ دس ہزار دینار کعبہ شریف کی نذر کیے۔ کعبہ کے خدام کو اس قدر دیا کہ وہ غنی ہو گئے۔ اور لاکھوں دینار اہل مکہ پر پانی کی طرح بہا دیے۔ یہ خاتون بے حد نیک، شب بیدار اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والی تھی۔ ۵۹۷ھ میں عزیز باللہ والی مصر و افریقہ امیر حج تھے۔ جب موصوف مکہ پہنچا تو لصوص اور اس کے چند ساتھیوں نے جن کی تعداد تیس کے قریب تھی پانچ ہزار درہم کا مطالبہ پیش کیا اور عدم ادائیگی کی صورت میں خطبہ حج میں خلل اندازی کی دھمکی دی۔ خلیفہ نے انہیں کہا کہ تمام رفقا کو

Marfat.com

بلا ہوتا کہ سب کی موجودگی میں فیصلہ کیا جائے۔ جب وہ سب جمع ہو گئے تو خلیفہ نے حکم دیا کہ سب کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں۔

۳۸۰ھ میں ابوعبداللہ احمد بن محمد بن عبیداللہ نے ابی احمد موسیٰ کے نائب کی حیثیت سے امارت حج کی خدمت انجام دی۔ ۳۸۳ھ' ۳۹۲ھ اور ۳۹۳ھ میں عراق سے کوئی آدمی حج کرنے نہ آ سکا۔ ۳۹۳ھ اور ۳۹۴ھ میں ابوالحارث محمد بن محمد بن عمر علوی امیر حج تھے۔ ۳۹۷ھ میں بھی عراق سے حجاج نہ آ سکے۔ کیونکہ ابن بجراح نے ان سے مال کا مطالبہ کیا تھا' لیکن وہ مطلوبہ رقم مہیا نہ کر سکے۔ اس لئے حج کئے بغیر واپس لوٹ گئے۔ ۳۹۸ھ سے ۴۱۱ھ تک قزاقوں سے راستہ محفوظ نہ ہونے کی وجہ سے عراق اور خراساں کے لوگ حج نہ کر سکے۔ کئی سال بعد ۴۲۲ھ میں کوفہ سے بہت بڑا قافلہ حج کو روانہ ہوا جو حفظ و امان کے ساتھ مناسک حج ادا کر کے واپس پہنچ گیا۔ ۴۲۳ھ میں عراق کے سوا دیگر ممالک کے حجاج آئے۔ لیکن عرصہ تک عراق اور بعض دوسرے ممالک سے حجاج کا آنا دوبھر ہو گیا تھا۔

۴۵۵ھ میں علی بن محمد صلیحی شاہ یمن حج کو آیا اور مکہ میں عدل و انصاف قائم کیا۔ جس کے باعث لوگوں نے امن و سکون کے ساتھ فریضہ حج ادا کیا۔ لوگ بلا خوف و خطر دن رات عمرہ کرتے رہے تھے اور ان کے مال و جان بالکل محفوظ تھے۔ خلیفہ موصوف کی مدح سرائی میں بے اختیار زبانیں جاری تھیں۔

۶۱۱ھ میں الملک عیسیٰ بن العادل ابی بکر بن ایوب نے حج ادا کیا۔ اور بڑی فراخ دلی سے صدقہ و خیرات کیا۔ ۶۱۹ھ میں عراق' شام اور دیگر بلاد سے بڑی تعداد میں حجاج آئے۔ شدید بھیڑ کی وجہ سے متعدد حاجی پاؤں تلے دب کر مر گئے۔ ۶۲۶ھ' ۶۳۲ھ' ۶۳۴ھ میں مکہ معظمہ شدید قحط کی زد میں رہا۔ ۶۵۹ھ میں ملک مظفر یوسف بن نور الدین عمر بن علی والی یمن حج کے لئے آیا اور بہت زیادہ صدقہ کیا۔ ۶۶۹ھ میں سلطان ظاہر بیبرس صالحی شاہ مصر فریضہ حج کرنے آیا اور خوب صدقہ خیرات کی۔

۶۷۱ھ میں مکہ میں ایسی شدید وبا پھیلی کہ صرف رجب کے مہینہ میں ہزاروں آدمی لقمۂ اجل بن گئے۔ ایک ایک دن میں پچاس پچاس جنازے اٹھائے جاتے تھے۔ ۶۷۷ھ میں حجاج کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ باب العمرہ سے باہر نکلنے میں تقریباً ۸۰ آدمی جاں بحق ہو گئے۔ ۶۹۳ھ میں سلطان عادل کتبغا المنصوری حج کو آیا اور حرمین کے باشندوں کے ساتھ بڑی نرمی اور ملاطفت سے پیش آیا۔ اس نے ستر ہزار درہم صدقہ کئے۔ ۷۰۳ھ میں امیر سیف الدین سلار حج کرنے آیا۔ غلہ اور نقد خوب خیرات کیا۔ ۷۰۵ھ میں مصر عراق اور دیگر بلاد سے لا تعداد حجاج آئے۔ ۷۰۷ھ میں مکہ میں سخت گرانی کا دور دورہ تھا۔ ۷۱۶ھ میں امیر سیف الدین ارغون ناصری قاہرہ سے حج کی ادائیگی کے لئے آیا اور حرمین شریفین کے باشندوں پر خوب خرچ کیا' اس نے ۷۲۰ھ میں بھی حج کیا اور مکہ سے عرفات تک پیدل چل کر گیا۔ ۷۱۹ھ میں ملک الناصر محمد بن قلاوون نے بہت سے اعوان و انصار کی معیت میں حج کیا۔

۷۲۰ھ میں حجاج نے مناسک حج پوری تسلی اور اطمینان کے ساتھ ادا کئے بلکہ مسنون کام بھی بحسن وخوبی ادا کئے۔ اب کی بار ۸ رذی الحجہ کو منیٰ کے قیام میں پانچ نمازیں پوری پڑھیں اور رات بھی وہاں قیام کیا' پھر اگلے روز نویں ذی الحجہ کو صبح کو جب دھوپ جبل ثبیر پر چمکی تو عرفات کو روانگی ہوئی اور اس دفعہ حج بھی جمعہ کے دن واقع ہوا تھا۔ اسی سال دنیا جہان کے حجاج آئے تھے۔

شیخ رضی الدین طبری فرماتے ہیں میں نے ساری زندگی میں حجاج کی اتنی بڑی تعداد کبھی نہیں دیکھی تھی۔

۷۲۱ھ میں سخت قحط پڑا' گندم کا تھیلا ۲۴ درہم' گھی ایک اوقیہ پانچ درہم میں ملتا تھا اور کھجور مطلقاً غائب ہوگئی۔ ۷۲۵ھ میں حجاج نے ہفتہ اور اتوار دو دن عرفات میں قیام کیا۔ کیونکہ ذی الحجہ کے چاند میں اختلاف ہوگیا تھا' مصری حجاج پانی کی قلت کے باعث جلد واپس چلے گئے تھے۔ ۷۵۷ھ میں حجاج عرفات میں ..

Marfat.com

ں مقیم رہے۔ پہلے دن سخت بارش کے باعث سیلاب آ گیا اور حجاج کی مزدلفہ روانگی ۔ ہو سکی اس لئے دوسرے دن مزدلفہ گئے۔ ۷۶۰ھ میں غلہ کھجور گھی بھیڑ بکریاں وغیرہ اور دیگر اشیاء خوردنی پر ٹیکس معاف کر دیا گیا۔ اس سال ظلم وجور کے گھٹا ٹوپ بادل عدل، انصاف اور امن وسکون کی بہار میں تبدیل ہو گئے تھے۔ کیونکہ ملک الناصر حسن شاہ مصر نے مکہ مکرمہ کی دیکھ بھال اور ضرورت کے لئے ایک لشکر وہاں تعینات کر دیا اور ان کے معاون دو امیر محمد بن عطیفہ بن ابی نمی اور سند بن رمیثہ بن ابی نمی مقرر کئے۔ یہ لشکر ۷۶۱ھ کے آخر تک وہاں مقیم رہا۔

۷۶۱ھ ذی الحجہ کے چاند میں اختلاف ہو گیا۔ بری اور بحری راستہ سے آنے والے اکثر حجاج اور مکہ مکرمہ کے رہنے والے بعض حضرات نے چاند منگل کو دیکھا۔ لیکن مکہ مکرمہ کی اکثریت اور مصر سے آنے والے حجاج نے منگل کی رات کو چاند نہیں دیکھا جس کے باعث حجاج آٹھ ذی الحجہ منگل کے دن عصر کے بعد عرفات چلے گئے۔ لیکن منیٰ میں قیام نہیں کیا۔ لیکن اہل مکہ نے اپنی رؤیت کے مطابق اگلے روز صبح کرنا تھا جس کے باعث وہ ان کے ساتھ نہ گئے۔ اگلے روز ظہر کے بعد جب اہل مکہ عرفات جا رہے تھے تو راستہ میں قزاقوں نے حملہ بول دیا۔ بہت سے لوگ قتل ہو گئے اور بے شمار زخمی ہوئے۔ قزاقوں نے ان کے جانوروں کے پاؤں کاٹ ڈالے۔ جو لوگ بچ گئے وہ عرفات پہنچ گئے۔ حجاج اب کی بار بھی دو یوم عرفات میں ٹھہرے کیونکہ چاند کے اختلاف کے باعث انہیں دو دن ٹھہرنا پڑا۔ دوسری شام کو مزدلفہ روانگی ہوئی۔ صبح تک مزدلفہ میں قیام کرنے کے بعد جمرات کو منیٰ واپس آئے۔ اسی رات منیٰ میں دوبارہ قزاقوں نے حملہ کیا اور لوگوں کے مال واسباب لوٹ کر لے گئے۔

۸۱۸ھ میں عرصہ دراز کے بعد سنت کے مطابق آٹھویں ذی الحجہ کو منیٰ میں قیام کیا اور پانچ نمازیں ادا کیں۔ نویں کی صبح کو سورج نکلنے کے بعد عرفات روانہ ہوئے اور بقیہ مناسک ادا کئے۔ منیٰ میں خطبہ مدت سے متروک تھا اس سال اس شعار کا احیاء بھی ہوا۔ (یہ تمام تفصیلات شفاء الغرام کے باب نمبر ۲۸ سے منقول ہیں)

ایام حج میں آتش زدگی کے چند واقعات

حاجی سلطان محمود مدظلہ ساکن راولپنڈی اپنا چشم دید واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں ذی الحجہ ۱۳۷۸ھ مطابق ۱۹۵۸ء ایک دن نماز عشاء کے بعد محلہ میں روشنی کرنے والے گیس سے آگ لگ گئی۔ اس زمانہ میں حرم شریف کی دولت عثمانیہ ترکیہ والی عمارت کے متصل محلہ شامیہ واقعہ تھا۔ اکثر مکانات کی بڑی بڑی کھڑکیاں لکڑی کی بنی ہوئی تھیں۔ جس کے باعث آگ فوراً پھیل گئی۔ تنگ گلیوں کے باعث فائر بریگیڈ کی گاڑیاں محلہ کے اندر نہیں جاسکتی تھیں اس لئے حرم کے اندر داخل ہوکر اس کے عملہ نے باب العمرہ والے مینار پر چڑھ کر پانی پھینکا۔ تین دن کی شبانہ روز جدوجہد کے بعد آگ پر قابو پایا گیا۔ ہندوستان اور انڈونیشیا کے بہت سے حجاج جاں بحق ہو گئے اور بے اندازہ مالی نقصان بھی ہوا۔

بعد میں اُسی مقام پر سعودی حکومت کی نئی تین منزلہ پرشکوہ حرم کی عمارت تعمیر کی گئی اور اس کے متصل مروہ سے باب العمرہ صغیر تک ایک عالی شان مارکیٹ بھی تعمیر ہوئی۔

بروز جمعۃ المبارک ۱۰؍ ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ مطابق ۳؍ جنوری ۱۹۷۴ء منیٰ میں مغرب کے وقت مصری حجاج کے خیموں میں آگ لگ گئی تھی۔ جس کے فلک بوس شعلوں سے سخت خوف و ہراس پھیل گیا۔ اکثر حجاج اس وقت طواف زیارت کے لئے مکہ شریف گئے ہوئے تھے۔ عشاء کے بعد فائر بریگیڈ نے قابو پا لیا تھا' اگر چہ جانی نقصان تو نہیں ہوا لیکن مصری اور ہندی حجاج کا مالی نقصان بہت زیادہ ہو گیا تھا۔

۱۰؍ ذی الحجہ ۱۳۹۵ مطابق ۱۱؍ دسمبر ۱۹۷۵ء کے بعد منیٰ میں ایرانی حجاج

کے خیموں میں گیس کا سلنڈر پھٹنے سے زبردست آگ لگ گئی۔ قربانی اور حج کی خوشیاں آناً فاناً غم واندوہ اور چیخ وپکار میں تبدیل ہو گئیں۔ آگ اس قدر شدید تھی کہ اس سے اٹھنے والا دھواں سیاہ بادل کی طرح پورے منیٰ میں سایہ فگن ہو گیا تھا۔ ایرانی حجاج کی موٹریں' ٹرک اور کاریں جو وہاں پاس ہی کھڑی تھی جب وہ بھی آگ کی لپیٹ میں آ گئیں تو معاملہ کنٹرول سے باہر ہو گیا۔ فائر بریگیڈ کا عملہ انتھک جدوجہد کے باوجود آگ کے سامنے بے بس ہو گیا۔ بالآخر دو انجن نمبر ۹ گیس بردار پہنچ گئے' جو غالباً جدہ سے آئے تھے۔ انہوں نے بڑی تیزی سے آگ پر قابو پا لیا۔ لیکن اس وقت تک تقریباً ایک مربع میل کا ایریا جل کر خاکستر ہو چکا تھا۔ بے شمار حجاج جن میں اکثریت ایرانیوں کی تھی جاں بحق ہو گئے۔ متعدد موٹریں' کاریں اور ٹرک بھی جل کر راکھ کا ڈھیر بن گئے۔ اور کروڑوں روپے کا مالی نقصان بھی ہوا۔

حکومت سعودیہ نے متعلقین سے حجاج کی جان اور مالی فہرستیں طلب کر کے انہیں معقول معاوضہ دیا۔

محلہ جیاد میں آتشزدگی

۱۵ر ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ مطابق ۲۵ر نومبر ۱۹۷۷ء بروز جمعہ سحری کی اذان کے بعد اور صبح کی اذان سے پہلے حرم شریف کے قریب محلہ جیاد میں خوفناک آتشزدگی کا واقعہ پیش آیا۔ جیاد سے حرم کو آنے کے لئے لکڑی کا ایک عارضی پل بنایا گیا تھا۔ جس کے کنارے چند عارضی دکانیں اور لکڑی کے کھوکھے بھی تھے۔ پل کے نیچے بعض حاجی حضرات بھی خیمہ زن تھے۔ وہاں کسی کا چولہا پھٹ جانے سے آگ لگ گئی جو دیکھتے ہی دیکھتے پل سے گزر کر دکانوں تک پہنچ گئی۔

اگرچہ فائر بریگیڈ کا عملہ دس منٹ کے اندر جائے وقوعہ پر پہنچ گیا۔ مگر آگ اتنی شدید تھی کہ بلند وبالا عمارات گھاس پھوس کی طرح اس میں بھسم ہو رہی تھیں۔ فائر بریگیڈ کے عملہ کی جاں فشانی اور قابل رشک کارکردگی کے باعث ۷۵ منٹ میں آگ پر قابو پا لیا گیا لیکن لاکھوں روپے کے مالی نقصان کے علاوہ پچاس افراد بھی حادثہ کا شکار ہو گئے۔

Marfat.com

حرم کعبہ میں خوفناک جنگ

اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا دل دوز و جاں گداز المیہ ہے کہ کعبہ شریف پر مرتدین کا قبضہ ہو جانے کی وجہ سے ۱۴ دن مسلسل طواف معطل رہا اور حرم پاک کے در و دیوار اذان اور جماعت کی سعادت سے محروم رہے۔ اس ناعاقبت اندیش گمراہ ٹولے نے کعبہ شریف کے تقدس کو پامال کیا۔ اس کے حسین و جمیل اور مرمری فرش کو حجاج کے پاکیزہ خون سے رنگین کر دیا اور روئے زمین کی عظیم ترین عبادت گاہ کو مقتل میں تبدیل کرنے کی انتہائی ناپاک جسارت کی۔

یکم محرم الحرام ۱۴۰۰ھ مطابق ۲۰ نومبر ۱۹۷۹ء منگل کی صبح کو جب کہ پورے عالم اسلام میں پندرہویں صدی کا جشن منانے کی زبردست تیاریاں کی جا رہی تھیں کہ مرتدین نے ۶۰ کروڑ مسلمانوں کے قبلہ پر قبضہ کر لیا۔ امام حرم شیخ عبداللہ بن سبیل نے ابھی نماز فجر کا سلام پھیرا ہی تھا اور مکبر دوسری جانب سلام پھیرنے والا تھا کہ حملہ آور اللہ اکبر' جہاد جہاد کے فلک شگاف نعرے لگاتے' ریوالور' رائفلیں اور سٹین گنیں ہوا میں لہراتے' جوتوں سمیت دوڑتے ہوئے حرم میں گھس آئے۔ چند آدمیوں نے امام صاحب کو گھیرے میں لے لیا اور کچھ لوگ مکبرہ میں لاؤڈ سپیکر پر قابض ہو گئے۔ اس وقت حرم شریف میں ایک لاکھ کے قریب نمازی موجود تھے جن میں اکثریت غیر ملکی حجاج کی تھی۔ جب کہ حملہ آوروں کی تعداد ۲۰۰ سے ۵۰۰ تک بتائی جاتی ہے جو زیادہ تر سعودی اور بعض مصری' یمنی' کویتی' سوڈانی' عراقی اور پاکستانی بھی تھے۔ یہ لوگ باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت طویل جنگ کے لئے تیار ہو کر آئے تھے۔

ان کا ۲۷ سالہ سرغنہ محمد بن عبداللہ قحطانی تھا۔ جس نے چار سال تک مکہ

Marfat.com

یونیورسٹی میں اسلامی قانون کی تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کا دست راست عثمان بن سیف العتیبہ تھا۔ مفسدین نے حرم کے تمام دروازے بند کر لئے اور مؤذن کے کیبن سے ایک آدمی نے عربی میں اعلان کیا کہ مہدی موعود جس کا نام محمد بن عبداللہ ہوگا' آ چکا ہے۔ دوسرے آدمی نے عربی میں لکھی ہوئی تقریر پڑھ کر سنائی اور اس کا اردو ترجمہ ایک اور آدمی نے سنایا۔ نام نہاد مہدی نے بھی مائیک پر اعلان کیا کہ میں ئی صدی کا مہدی ہوں' میرے ہاتھ پر سب لوگ بیعت کریں۔ چنانچہ بعد میں مقام ابراہیم کے پاس جا کر گولیوں اور سنگینوں کے سائے میں لوگوں کو دھمکاتے ہوئے گمراہ ٹولے نے خود ہی بیعت کرنا شروع کر دی کہ شاید دوسرے لوگ بھی دام تزویر میں پھنس جائیں۔ مگر حجاج میں سے کسی نے بھی اس مذموم فعل کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ امام کعبہ کو بھی بیعت کے لئے مجبور کیا گیا' مگر اس مرد حق آگاہ کے پائے استقامت میں ذرہ برابر جنبش نہ آئی۔

اتنے میں انتظامیہ نے بجلی کا کنکشن کاٹ دیا اور پورا حرم تاریکی میں ڈوب گیا جس سے لوگوں میں زبردست خوف و ہراس اور سراسیمگی پھیل گئی۔ جب وہ باہر نکلنے کے لئے دروازوں کی طرف لپکے تو انہیں مقفل پا کر اور زیادہ حواس باختہ ہو گئے۔ باب السلام جدید کے قریب زیر زمین راستہ سے اکثر لوگ باہر نکلے جب کہ بہت سے لوگوں نے صفا مروہ کے درمیان بلند و بالا کھڑکیوں سے چھلانگیں لگا کر جان بچائی۔ امام حرم جو اپنی حاضر دماغی کے باعث مفسدین کے چنگل سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ فوراً ایک کمرہ میں جا کر ٹیلی فون پر حکام کو صورت حال سے آگاہ کیا' اور اپنی عبا اتار کر عام نمازیوں میں شامل ہو کر باہر نکل گئے۔ اس اثناء میں حملہ آور میناروں سمیت بہت سی محفوظ اور اہم جگہوں پر مورچہ بند ہو گئے اور وقفے وقفے سے گولیاں چلانے لگے۔

چونکہ سعودی حکومت میں سپر پاور علماء کرام کو حاصل ہے اس لئے شاہ خالد نے فی الفور ۲۴ علماء پر مشتمل سپریم کونسل کا اجلاس ریاض میں طلب کر لیا۔ علماء کرام

Marfat.com

نے قرآن و حدیث کی روشنی میں متفقہ طور پر فیصلہ دیا کہ مسلح گمراہ افراد کے خلاف تشدد کی کاروائی شریعت کے عین مطابق ہے۔ اور مسلمانوں کی جان کا تحفظ کرنے کے لئے مناسب اقدامات انتہائی ضروری ہیں۔ اس فتویٰ کی روشنی میں بیت اللہ کے تقدس کے پیش نظر یہ ضروری تھا کہ کم از کم نقصان ہو اور بحران پر قابو پا لیا جائے۔ اس لئے سعودی فوج نے بھاری اسلحہ استعمال کرنے سے گریز کیا۔ تاہم چودہ دن کی زبردست جنگ کے نقصانات کی چشم دید رپوٹ ''عرب نیوز'' کے نمائندے نے ۱۰ دسمبر کو اس طرح پیش کی:

''حرم کے باہر پارکنگ فوجی جیپوں سے بھری ہوئی تھی۔ جن میں مشین گنیں نصب تھیں۔ حفاظتی انتظامات انتہائی سخت تھے۔ قرب و جوار کے مکانات لڑائی کے دوران خالی کرا لئے گئے تھے۔ مروئی کی جانب مسعیٰ کا آخری دروازہ ٹوٹا ہوا تھا۔ دونوں طرف کی دیواریں مسمار ہو چکی تھیں۔ حرم کے مشرقی جانب مروئی کو صفا سے جدا کرنے والی دیوار مکمل طور پر تباہ ہو گئی تھی۔ دیواروں دروازوں اور چند بچی کھچی کھڑکیوں کے ٹکڑوں پر گولیوں اور گولوں کے نشانات نمایاں تھے۔ بجلی کی ٹیوبیں پنکھے اور ایرکنڈیشنز تباہ و برباد پڑے تھے۔

حرم کے مینار جن پر مفسدین مورچہ بند تھے۔ جہاں سے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر رکھی تھی اور جہاں کوئی چیز ہلتی نظر آئی تو اس پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ میناروں پر جا بجا گولیوں کے نشانات موجود تھے۔ متعدد ستون ٹوٹے ہوئے تھے۔ مسجد کے بعض دروازے مکمل طور پر تباہ کر دیئے گئے تھے۔ دوسری منزل کو جانے والی تمام سیڑھیاں بکتر بند گاڑیوں اور فوجی ٹرکوں کے وزن سے ڈھیر ہو چکی تھیں۔ ستونوں پر بڑی نفاست سے جو سنگ مرمر چڑھایا گیا تھا وہ اکھڑا ہوا تھا۔

حرم کے تہہ خانوں میں گھٹنوں تک پانی کھڑا تھا اور صبح کی لڑائی کے

Marfat.com

دوران سعودی فوج نے مرتدین کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کرنے کے لئے جو تاثر
جلائے تھے ان کی بو اب تک کافی شدید تھی جس سے میرا دم گھٹنے لگا۔ میں
نے دیکھا کہ تہہ خانوں کو جانے والے راستوں پر مفسدین نے خاردار تار
بچھا رکھی تھی تا کہ سعودی فوج کا راستہ روکا جا سکے۔ میں یہ حالات دیکھ کر
جذبات پر قابو نہ رکھ سکا''۔ (بحوالہ روزنامہ نوائے وقت ۱۱ دسمبر ۱۹۷۹ء)

اس المناک سانحہ میں کتنی معصوم جانوں کو خاک و خون میں تڑپایا گیا اور حرم محترم کی تقدیس کو کس طرح پامال کیا گیا۔ مرتدین کا مکمل صفایا کرنے کے بعد ۷ دسمبر ۱۹۷۹ء کو جب دوبارہ حرم شریف کو عبادت کے لئے کھول گیا تو سعودی ٹیلی ویژن پر حسب ذیل تفصیلات ٹیلی کاسٹ کی گئیں۔

سعودی عرب کے وزیر داخلہ شہزادہ نائف بن عبدالعزیز نے کہا

''خانہ کعبہ کو مفسدین سے پاک کرنے اور بیت اللہ شریف پر دوبارہ مکمل کنٹرول حاصل کرنے کے لئے سعودی نیشنل گارڈ اور مسلح حملہ آوروں کے درمیان شدید جنگ ہوئی۔ اس لڑائی میں ۷۵ باغی اور ۶۰ نیشنل گارڈ کے فوجی ہلاک ہوئے۔ چار پاکستانیوں سمیت ۲۶ حاجی بھی جاں بحق اور سینکڑوں آدمی زخمی ہوئے۔ بیت اللہ کی حرمت اور تقدس کو پامال کرنے والوں میں سے ۱۷۰ کو زندہ گرفتار کر لیا اور ان میں سے ۵۰ مفسدین کو ٹیلی ویژن پر بھی دکھایا گیا''۔

ٹیلی ویژن کے تبصرہ نگار نے ان لوگوں کو ازلی جہنمی اور مرتد قرار دیا اور کہا کہ ان پر ہمیشہ لعنت اور پھٹکار بھیجی جاتی رہے گی۔

کعبہ شریف سے رشتے جڑتے ہیں تا کہ مسلمانان عالم قوی، باعزم اور باہمت بن کر دنیا میں مثالی کردار ادا کر سکیں۔ لیکن یہ شور کیسا ہے؟ یہاں تو گولیاں چل رہی ہیں۔ بیت الامن کے میناروں سے آگ برسائی جا رہی ہے۔ اس شور و غوغا کی پشت پر ارتداد اور فساد فی الارض کارفرما ہے۔ خانہ کعبہ جہاں کسی کو گزند نہیں

Marfat.com

پہنچایا جا سکتا وہاں کچھ ایسے گمراہ' مرتد اور مفسدین گھس آئے ہیں جنہوں نے کعبہ کے تقدس کو پامال کر دیا۔ ہر سو سناٹا ہے۔ حق کی آواز بھی خاموش ہو گئی ہے وہ حرم جو تہلیل و تکبیر کی روح پرور آواز سے گونجتا رہتا تھا اور خدائے واحد کی حمد اور توحید کی صدائیں بلند ہوتی تھیں' آج خالی عمارت میں تبدیل ہو چکا ہے۔

کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ حرمِ پاک میں گولیاں چلائی جائیں گی اور آگ برسائی جائے گی۔ مسلمانانِ عالم کے دل پر یہ قیامت بھی ٹوٹی' مگر تکوینی چیزیں ہو کر رہتی ہیں۔ دیکھئے حرم کی عمارت اداس' اداس ہے۔ دیواروں سے دہشت برس رہی ہے۔ ناچار سعودی فوج حرکت میں آئی۔ یہ ایک مقدس عمل تھا۔ فوجی نوجوانوں نے مفسدین سے اپیل کی کہ حرم کے تقدس کو برقرار رکھیں اور اسے پامال نہ کریں۔ جس کا جواب گولیوں سے دیا گیا۔ مسلمان کا یہ وطیرہ نہیں کہ حرم میں کشت و خون کا بازار گرم کرے۔ مگر یہ اندوہ ناک عمل دیکھنے میں آیا۔ مفتیانِ اسلام اور علماء عظام نے حرم پاک کے تقدس کو بحال کرنے کے لئے طاقت کے استعمال کا فتویٰ چند شرطوں کے ساتھ دیا کہ اللہ کا لشکر حرم کی تقدیس کو مزید پامال نہیں کرے گا۔ کم سے کم جانوں کا اتلاف ہوگا۔ قتل و خوں ریزی سے حتی الامکان گریز کیا جائے۔ اگرچہ یہ حرم امن و سلامتی کا گہوارہ ہے مگر یہ اقدام مجبوراً کرنا پڑا۔

پھر سعودی جوان حرکت میں آ گئے۔ فضاء سے بیلی کاپٹروں نے مفسدین پر گیس کے گولے پھینکے اور گولیاں بھی چلائیں۔ ٹینک اور بکتر بند گاڑیوں کو بھی استعمال میں لانا پڑا۔ اور فوج کے چند جوان مفسدین کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے حرم شریف میں داخل ہو گئے۔ ضروری کارروائی کر کے مفسدین پر قابو پا لیا گیا۔ حرم کی تقدیس کو بحال کرانے کا جہاد کرنے والوں کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ یہ کوئی عام جنگ نہیں تھی' بلکہ حرم کے تقدس اور نزاکتوں کا پورا پورا خیال رکھنا لازمی تھا۔ بالآخر حق کا بول بالا ہوا اور مفسدین اپنے ناپاک عزائم میں بری طرح ناکام ہوئے۔ (روزنامہ نوائے وقت ۱۱ر دسمبر ۱۹۷۹ء)

Marfat.com

مکہ یونیورسٹی کے ایک سکالر کا مکتوب

ہمارے ایک کرم فرما جو مکہ یونیورسٹی کے سکالر ہیں اپنے چشم دید واقعات کو ایک خط میں اس طرح تحریر کرتے ہیں:

"یہ ۲۰ نومبر ۱۹۷۹ء کی ایک سوہانی صبح تھی۔ حرم کے مقدس مینار سورج کی روپہلی کرنوں کے لئے آغوش رحمت وا کرنے ہی والے تھے کہ یکایک نعرۂ تکبیر کی صدائے جاں فزا کانوں میں گونجی۔ نوجوانوں کا ایک گروپ صفوں کو چیرتا ہوا مقام ابراہیم تک پہنچ گیا۔ انہوں نے امام صاحب سے ہاتھ ملایا اور انہیں ساتھ لے گئے۔ چمکتی ہوئی جدید ترین رائفلیں ان کا زیور تھا۔ انہوں نے بندوقوں کو ہوا میں اچھالا اور ایک کالے بچے والا شان بے نیازی سے یوں گویا ہوا قُلْ جَاءَ الْحَقُّ۔ الٰہ بار خدایا یہ کیا ماجرا ہے۔ لوگ حیران اور ششدر ہیں۔ اتنے میں مؤذن کے مکبر و سے نہایت جوشیلی پر رعب زوردار اور پر اعتماد آواز ابھرتی ہے۔ خطبہ مسنونہ کے بعد اس نے ۱۲ احادیث بیان کیں کہ مہدی کا ظہور ہو گیا ہے۔ اس تقریر کے دوران ایک اور آواز اُبھرتی ہے۔ او فلاں بن فلاں تو میناروں پر چلا جا۔ او فلاں تم ساتھیوں کو لے کر باب الصفا پر جاؤ۔ او فلاں بن فلاں تم فلاں دروازہ بند کر دو۔ خطبہ ختم ہو جاتا ہے۔ حاجی نفسانفسی کے عالم میں بھاگ رہے ہیں۔ مگر تمام دروازے بند اور باقی میناروں پر قابض ہو چکے ہیں۔

نام نہاد مہدی مقام ابراہیم کے پاس بیٹھا ہے اس کا ایک ساتھی لوگوں کو کہتا ہے اقامے پھاڑ دو۔ اب یہاں سب کو رہنے کی عام اجازت ہوگی۔ چنانچہ بعض لوگوں کے اقامے پھاڑ دیئے گئے۔

میں اس کے بعد ایک نو منزلہ عمارت کی چھت پر کھڑے ہو کر جنگ کا

Marfat.com

منظر دیکھتا رہا۔ میناروں سے گولیاں چلتی رہیں۔ باغی اکا دکا سپاہیوں کو دیکھتے ہی گولی مار دیتے تھے۔ تاخ' تاخ گولیوں کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ شام ساڑھے پانچ بجے سعودی افواج کے دستے پہنچنا شروع ہوئے۔ ان کا پہلا دستہ پاکستان ہاؤس کے متصل گزرنے والی سڑک سے' دوسرا غزہ بازار سے گزر کر چھتے بازار کی طرف مارچ کر رہا ہے۔ تیسرا دستہ سوق صغیر کی جانب سے آگے بڑھ رہا ہے اور چوتھا دستہ محلّہ جیاد کی طرف سے۔ سب کا رُخ حرم کی طرف تھا۔ اب فوجوں نے حرم کے گرد دور دور تک گھیرا ڈال لیا ہے۔ مگر میناروں سے برابر آگ برسائی جا رہی ہے۔ ۲/۱ ۳ بجے سحری کے وقت توپ کا پہلا گولا فائر ہوتا ہے جو صفا کے مینار پر گرا مگر کوئی نقصان نہیں ہوا۔ اس وقت حرم میدان جنگ میں تبدیل ہو چکا تھا۔ یہ لڑائی اسی طرح مسلسل پندرہ دن جاری رہی۔ حرم پاک طواف' اذان اور نماز سے محروم ہو گیا۔ بالآخر ۱۴ اور ۱۵ محرم کی درمیانی شب ایک خوفناک جنگ کے بعد باغیوں کو گرفتار کر لیا گیا کچھ قتل ہو گئے۔

میں نے اتنی خوفناک' دلیرانہ اور مردانہ لڑائی نہ چوڑہ میں دیکھی نہ تاریخ میں پڑھی۔ شاہی افواج کی ہمت' دلیری' جرأت مندی کے انمٹ نقوش ذہن پر ایسے مرتسم ہوئے' جو تازیست قائم رہیں گے''۔

۱۶ محرم الحرام مطابق ۷ دسمبر کو مرتدین کا صفایا ہونے کے بعد پہلی مرتبہ نماز جمعہ ادا کی گئی۔ دو ہفتوں کی المناک صورت حال کے بعد بیت اللہ شریف میں عبادت کے ایمان افروز روح پرور مناظر دیکھ کر لوگوں کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو امڈ آئے۔ دنیا بھر میں کروڑوں مسلمانوں نے ٹیلیویژن پر جمعہ کا خطبہ سنا اور نماز کا منظر دیکھا۔

Marfat.com

سزائے موت

حرم کعبہ پر قبضہ کرنے اور خون ریزی کرنے والے ۶۳ مرتدین اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئے۔ سعودی وزیر داخلہ کے اعلان کے مطابق اس المناک واقعہ کی مکمل تحقیقات کی گئی اور اس کی رپورٹ شاہ خالد کو پیش کر دی گئی۔ اس رپورٹ میں مرتدین کے حلفیہ بیان بھی شامل تھے جس میں انہوں نے اعتراف جرم کیا تھا۔ بعد ازاں علماء کرام کی اعلیٰ کونسل سے اس بارے میں فتویٰ حاصل کیا گیا۔ ان علماء نے مجرموں کا سر قلم کرنے کی اجازت دی۔ اس بنا پر شاہ خالد نے سزائے موت کے احکامات جاری کر دیے۔

وزارت داخلہ کے بیان کے مطابق مکہ معظمہ میں پندرہ افراد، ریاض میں دس، مدینہ منورہ میں سات، دمام میں سات، بریدہ میں سات، حائل میں پانچ، ابہاء میں سات اور ابوک میں پانچ منافقوں کے سر قلم کیے گئے۔ سزائے موت پانے والوں میں سے ۴۱ سعودی عرب، ۱۰ مصر، ۶ جنوبی یمن، ۳ کویت، شمالی یمن، عراق اور سوڈان کا ایک آدمی تھا۔

جن مجرموں نے حرم میں خون بہایا، یا جو منافقوں کے سرغنے نہیں تھے یا اکسانے والوں میں شامل نہیں تھے، ان افراد کو قید کی سزا ان کے جرم کی نوعیت کے مطابق دی جائے گی۔ مجرموں میں بعض عورتیں بھی شامل تھیں جنہیں اصلاح عقیدہ کے لئے دار الحنسواں کے سپرد کر دیا گیا۔ (نوائے وقت ۱۰ر جنوری ۱۹۸۰ء)

Marfat.com

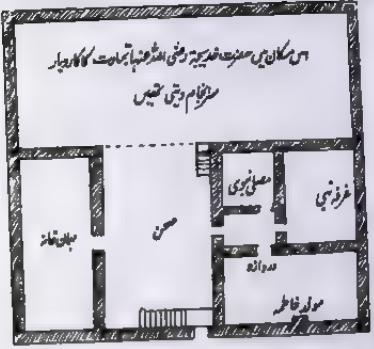

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر کا سرسری خاکہ اور مولد سیدہ فاطمہؓ

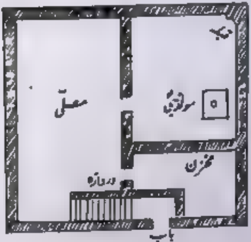

مولد نبیؐ یعنی حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کا مکان۔ مکہ مکرمہ

Marfat.com

مساجد مکہ

مکہ معظمہ کی بڑھتی ہوئی آبادی کے پیش نظر مساجد کی تعمیر اور تعداد میں اضافہ ناگزیر تھا۔ اکثر انہیں مقامات پر تعمیر کی گئیں جہاں حضور ﷺ نے نماز ادا فرمائی تھی۔

① مسجد ذی طوی

حضور نبی کریم ﷺ جب بھی عمرہ یا حج کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لاتے تو اس جگہ قیام فرماتے تھے۔ جب آپ حج کے لئے تشریف لائے تو یہاں رات کو قیام فرمایا اور صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی معمول تھا۔ (بخاری شریف جلد اص ۲۳۷، ۲۳۸)

کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ایک سعادت مند خاتون زبیدہ بازج نے اس جگہ مسجد تعمیر کرادی۔ (اخبار مکہ ص ۳۲۶)

② مسجد اجابہ

منیٰ جاتے ہوئے دائیں ہاتھ محلہ اذاخر میں واقع ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے اس جگہ نماز ادا فرمائی تھی۔ علامہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں' ہمارے دور میں یہ مسجد ویران اور منہدم ہو چکی ہے البتہ اس میں ایک پتھر پر یہ لکھا ہوا ہے کہ یہ مسجد اجابہ ہے اور اسے ۲۰۷ھ میں تعمیر کیا گیا تھا۔ بعد ازاں منہدم ہوگئی۔

اس کے قرب وجوار میں کچھ آبادی ہوگئی تھی وہ لوگ اس میں نماز پڑھتے اور اس کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ مگر آبادی کے اضافہ کی وجہ سے اس میں توسیع اور تعمیر نو کی ضرورت تھی۔ (اعلام الاعلام ص ۳۵۲)

Marfat.com

③ مسجد المتکا

یہ مسجد محلہ جیاد میں واقع ہے۔ اس میں ایک پتھر تھا جس کے متعلق مشہور ہے کہ نبی علیہ السلام نے اس سے تکیہ لگایا تھا' اگرچہ یہ روایت پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچی اور نہ ہی وثوق سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسی جگہ نبی علیہ السلام نے نماز پڑھی تھی۔ (اخبار مکہ ص ۴۲۵)

④ مسجد رایہ

حضور نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن اس مقام پر اپنا جھنڈا نصب فرمایا تھا۔ اور جبیر بن مطعم بن عدی کے کنوئیں کے قریب آپ ﷺ نے نماز ادا فرمائی تھی۔ بعد میں جہاں آپ نے نماز ادا فرمائی وہاں مسجد بنا دی گئی اور جھنڈے کی نسبت سے شہرت پذیر ہوئی۔

علامہ قطب الدین رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ہمارے زمانے میں مسجد کے پیچھے دو کنواں موجود تھا' یہ جگہ قدیم زمانہ میں شہر پناہ کے قریب واقع تھی لیکن بعد میں شہر پناہ کے آثار مٹ گئے۔ (اعلام الاعلام ص ۱۲، ۳۵۳)

⑤ مسجد جن

یہ مسجد مکہ معظمہ کے بالائی حصہ میں حجون کے سامنے واقع ہے۔ علامہ ازرقی نے لکھا ہے کہ اہل مکہ اسے مسجد الحرس کہتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اسی جگہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں جنات حاضر ہوئے اور ایمان لائے تھے۔ اور یہ روایت بھی ہے کہ جس مقام پر حضور ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بٹھا کر چاروں طرف ایک دائرہ کھینچ دیا تھا تا کہ جنات کے شر سے محفوظ رہیں۔ بعد میں اسی جگہ یہ مسجد بنائی گئی۔ (اخبار مکہ ص ۴۲۴)

علامہ قطب الدین رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں لوگ اسے مسجد فرماد یہ کہتے ہیں۔ (اعلام الاعلام ص ۳۵۳)

Marfat.com

⑥ مسجد المختبا

امام ابن ظہیرہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ سوق اللیل میں مولد النبی ﷺ کے قریب ایک مسجد ہے جسے لوگ مسجد المختبا کہتے ہیں۔ ماہ ربیع الاول میں لوگ اس کی زیارت کو کثرت سے جاتے ہیں۔ لیکن علامہ تقی الدین فاسی کا کہنا ہے کہ میں نے اس مسجد کا ذکر نہ تو کسی کتاب میں پڑھا اور نہ ہی کسی عالم سے سنا ہے۔

البتہ علامہ سراج الدین عمر بن فہد رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس مقام پر سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کا مکان تھا۔ جس میں وہ عبادت کیا کرتے تھے اور اسی مکان میں کفار سے بچنے کے لئے نبی علیہ السلام روپوش ہوئے تھے۔ (جامع اللطیف ص ۲۰۵)

⑦ مسجد ابراہیم

یہ مسجد جبل ابی قبیس پر بنی ہوئی ہے۔ علامہ ازرقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا نام مسجد ابراہیم لکھا ہے۔ انہوں نے اپنے دادا سے دریافت کیا کہ یہ مسجد کب بنائی گئی ہے تو انہوں نے کہا کہ یہ قدیم زمانہ سے موجود ہے۔ امام ازرقی کہتے ہیں میں نے بہت سے اہل حضرات سے پوچھا کیا اسے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے بنایا تھا تو انہوں نے اس بات کا انکار کیا اور کہا کہ یہ ابراہیم قبیسی نے بنائی تھی۔ وہ آدمی پہاڑ پر رہائش پذیر تھا۔ (اخبار مکہ)

اسی طرح محب الدین طبری المتوفی ۶۹۴ھ نے ام القریٰ ص ۶۶۴ میں امام ابن ظہیرہ نے جامع اللطیف ص ۲۰۵ میں بھی اس کا نام مسجد ابراہیم بیان کیا ہے لیکن خدا جانے اس کا نام مسجد بلال کب اور کیسے مشہور ہو گیا۔ علامہ کردی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ ہند کے کسی آدمی نے تعمیر کی تھی۔ (تاریخ القویم جلد ۲ ص ۲۸۵)

۱۹۷۳ء میں راقم الحروف نے ایک عجیب بات دیکھی۔ مذکورہ مسجد کا مؤذن جب اذان کے لئے مینار پر کھڑا ہوتا ہے تو قبلہ کی سمت سے اذان شروع کر کے اُلٹے پاؤں چلتا ہے یہاں تک کہ مینار کا پورا چکر لگا کر قبلہ کی طرف پہنچ کر اذان

Marfat.com

پوری کرتا ہے۔ لیکن ۱۹۷۸ء میں یہ بات دیکھنے میں نہیں آئی۔

⑧ مسجد مدعیٰ

یہ مسجد زقاق مجزرہ میں واقع ہے اس کے متعلق علامہ فاسی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس جگہ نبی علیہ السلام نے مغرب کی نماز ادا فرمائی تھی۔ اس میں دو پتھر پڑے ہیں جن پر عبدالرحمٰن بن ابی حربی کے ہاتھ سے اس کی تعمیر کرنے کی تاریخ لکھی ہوئی ہے۔ ایک پتھر پر ۵۸۸ھ اور دوسرے پر ۶۲۷ھ میں تعمیر کا ذکر ہے۔

(اعلام الاعلام ص ۳۵۴)

⑨ مسجد صدیق (تی ہذہ)

یہ محلہ مسفلہ میں واقع ہے جہاں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا رہائشی مکان تھا۔ اور اسی جگہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق رضی اللہ عنہ کی معیت میں ہجرت فرمائی تھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق رضی اللہ عنہ کو ہجرت کی اجازت مل جانے کی اطلاع دی تو اس کے بعد صدیق نے گھر ہی میں ایک جگہ کو مسجد بنا کر اس میں عبادت شروع کر دی تھی۔ (بخاری شریف جلد ا باب ہجرت)

علامہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس زمانہ میں یہ "دار الهجرت" کے نام سے مشہور ہے۔ (اعلام الاعلام ص ۳۵۴)

علامہ ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے سفرنامہ میں اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

شہر کے ملحق میں خرما، انار، عناب اور حنا کے سرسبز و شاداب باغات کے درمیان یہ مسجد واقع ہے۔ اس جگہ صدیق رضی اللہ عنہ کا مکان تھا۔ (ابن جبیر ص ۹۶)

سعودی دور حکومت میں جب اس کی نئی تعمیر ہوئی تو اسے دو منزلہ بنا دیا گیا۔ پہلی منزل میں دفتری خانہ ہے جب کہ نماز اوپر والی منزل میں پڑھی جاتی ہے اور مدرسہ الفرقانیہ قائم ہے۔

Marfat.com

⑩ مسجد صولتیہ

محلہ حارت الباب میں مدرسہ صولتیہ کی یہ مسجد ہے۔ ۱۳۰۲ھ میں جب حرم شریف کی توسیع کی جا رہی تھی۔ زم زم کے قریب کتب خانہ حرم کی عمارت کو گرایا گیا۔ جس کا سارا ملبہ مولانا رحمت اللہ نور اللہ مرقدہ نے خرید لیا اور اس مبارک ملبہ سے مدرسہ کے احاطہ میں مسجد تعمیر کرائی۔ (میم، م۔ ج ص ۲۵)

⑪ مسجد جعرانہ

حضور انور ﷺ نے اس جگہ سے عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ بعد میں قریش کے ایک آدمی نے اس جگہ مسجد بنا دی جس کا نام امام ازرقی کے زمانہ میں مسجد اقصیٰ تھا۔ محرش الکعبی سے روایت ہے کہ ایک رات نبی ﷺ جعرانہ سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ شریف تشریف لے گئے۔ عمرہ ادا کرنے کے بعد جعرانہ واپس تشریف لائے اور صبح کی نماز اسی جگہ ادا فرمائی بعد ازاں سرف تشریف لے گئے۔ (خبار مکہ ص ۴۳۰)

امام ابن ظہیرہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام فاکہی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جعرانہ سے تین سو انبیاء کرام علیہم السلام نے عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ اور اس جگہ جو کنواں واقع ہے اسے نبی ﷺ نے اپنے دست مبارک سے کھودا تھا۔ پھر خود اور تمام لوگوں نے پانی پیا تھا۔ اور اس جگہ کی نسبت قریش کی ایک عورت کی طرف ہے۔ جس کا لقب جعرانہ تھا۔ اور یہ اسد بن عبد العزیٰ کی بیوی تھی۔ (جامع اللطیف ص ۲۰۹)

امام تقی الدین فاسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جعرانہ سے مکہ مکرمہ کا فاصلہ ۱۸ میل ہے اور اس مسجد کا نام "مسجد اقصیٰ" بیان کیا ہے۔ (شفاء الغرام ص ۷۹)

⑫ مسجد تنعیم

امام ابن ظہیرہ رحمۃ اللہ علیہ اس کی وجہ تسمیہ اس طرح بیان فرماتے ہیں اس کے دائیں جانب جو پہاڑ واقع ہے اس کا نام نعیم ہے اور بائیں جانب ناعم اور ال

Marfat.com

دونوں کے درمیان والی وادی کا نام نعمان ہے۔ اس نسبت سے یہ جگہ تنعیم مشہور ہوئی۔ (جامع اللطیف ص ۲۰۸)

۹ھ میں جب نبی ﷺ حج کے لئے تشریف لائے تو آپ کے ساتھ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ آپ نے مناسک حج تو سب ادا کئے مگر بیماری کی وجہ سے طواف ادا نہ کرسکیں۔ پھر جب آپ پاک ہوگئیں تو طواف ادا کیا لیکن حضور ﷺ نے ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ انہیں ساتھ لے جاؤ اور تنعیم سے عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ ادا کرلیں۔ آپ نے یہ عمرہ حج کے بعد ذی الحجہ ہی میں ادا کیا۔

سراقہ بن مالک نے نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ حج کے بعد ذی الحجہ کے بقیہ ایام میں عمرہ کرنے کا حکم صرف آپ ﷺ یا آپ ﷺ کے خاندان کے ساتھ مخصوص ہے۔ تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں۔ یہ حکم ہمیشہ کے لئے اور سب مسلمانوں کے لئے ہے۔ (بخاری شریف جلد ا ص ۲۴۰)

ابن خثیم کا قول ہے کہ میں نے عطا بن ابی رباح، مجاہد، عبداللہ بن کثیر الداری اور بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ رمضان کی ۲۷ ویں شب میں تنعیم سے عمرہ کرتے ہیں۔ اس لئے میں نے بھی زندگی بھر اس کو اپنا معمول بنالیا۔ لیکن بڑھاپے کی وجہ سے یہ عمل ترک ہوگیا۔

اس جگہ سب سے پہلے محمد بن علی شافعی نے مسجد تعمیر کی۔ امام خزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں پھر جب ابوالعباس عبداللہ بن محمد بن داؤد امیر مکہ نے اس جگہ سے عمرہ کا احرام باندھا تو اس جگہ جو کنواں تھا اس کے اوپر قبہ بنایا۔ بعد ازاں ایک بڑھیا نے اس مسجد کو بڑی زیب و زینت کے ساتھ تعمیر کرایا۔ (اخبار مکہ ص ۳۳۱)

۶۱۹ھ میں ملک مسعود نے اس کی تجدید کرائی۔ اس کے بعد مسجد کا نام "بلیلجۃ الشجرہ" مشہور ہوا۔ ۱۰۱۱ھ میں سلطان محمود غزنوی نے بھی اس کی تعمیر جدید کرائی۔ (النجوم الزاہرہ ص ۲۷۷)

Marfat.com

علامہ ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ تنعیم سے کچھ فاصلہ پر راستہ سے بائیں جانب ابولہب اور اس کی بیوی کی قبریں ہیں۔ جن پر پتھروں کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ زمانہ قدیم سے اب تک لوگ ان کی قبروں پر سنگ باری کرتے رہتے ہیں جس کے سبب ان پر پہاڑوں کی طرح پتھر جمع ہو گئے ہیں۔ (سفرنامہ ابن جبیر ص ۹۳)

علامہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ہمارے دور میں یہ مسجد بالکل منہدم ہو چکی تھی صرف اس کی دیواروں کے آثار باقی رہ گئے تھے۔ اس کے قریب ایک گڑھا تھا جس میں بارش کا پانی جمع ہو جاتا اور عمرہ کرنے والے اس پانی سے وضو کیا کرتے تھے۔

۹۷۸ھ میں وزیر المعظم المجاہد فی سبیل اللہ حضرت سنان پاشا جب عمرہ ادا کرنے کے لئے تنعیم آیا تو اس وقت گڑھے میں پانی بالکل خشک ہو چکا تھا۔ کیونکہ کافی عرصہ سے بارش نہیں ہوئی تھی۔ وزیر موصوف نے دیکھا کہ دور دور سے لوگ پانی بھی اپنے ساتھ اٹھائے آ رہے ہیں۔ معتمرین کی تکلیف کو دیکھ کر وزیر کو سخت دکھ ہوا۔ اس جگہ ایک پرانا کنواں بھی تھا جو خراب اور خستہ حال تھا۔ مٹی اور پتھروں سے اٹا پڑا تھا۔ وزیر نے شیخ الاسلام ناظر المسجد الحرام قاضی حسین الحسینی کو اس کی صفائی اور کھدائی کا حکم دیا۔ چنانچہ شیخ الاسلام نے اس کنوئیں کو کھود کر از سر نو تعمیر کرایا۔ پھر کنوئیں سے گڑھے تک نالی بنوا کر اسے بھرنے کا حکم دیا تاکہ عمرہ کرنے والوں کے علاوہ دوسرے لوگ بھی وضو کرنے اور پینے کے لئے استعمال کریں اور جانور بھی اس سے فائدہ اٹھائیں۔ (اعلام الاعلام ص ۳۵۴ تا ۳۵۵)

الشیخ ابراہیم رفعت پاشا لکھتے ہیں کنوئیں سے حوض کا فاصلہ ۲۰۰ میٹر تھا۔ حوض تک پانی پہنچانے کے لئے قد آدم اونچی پتھر سے پختہ نالی بنوائی گئی اور قدیم گڑھے کو حوض بنا دیا۔ اور پانی کھینچنے کے لئے مصری اوقاف کی جانب سے آدمی مقرر کئے گئے۔ جو ۹۸۱ھ تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ حوض کا طول ۲۲ میٹر

Marfat.com

عرض ۱۹ میٹر اور گہرائی تین میٹر تھی۔ (مراۃ الحرمین جلد ا ص ۳۳۳)

موصوف نے مسجد کا طول و عرض اس طرح بیان کیا ہے طول ۱۶ میٹر عرض ۵ میٹر اور بلندی ۴ میٹر ہے۔ محراب میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم انما یعمر مساجد اللّٰہ من امن باللّٰہ

اس کی تجدید جمادی الثانی ۱۰۱۱ھ میں سلطان محمود نے کرائی پھر امیر عبداللہ بن محمد بن داؤد عباسی امیر مکہ نے اس کے بعد المقتدر کی بوڑھی والدہ نے بعد ازاں ملک المنصور کی بیگم نے اور آخر میں والی جدہ محمود بک نے ۱۰۱۲ھ میں تعمیر کرائی جو مؤرخ موصوف رفعت پاشا کے عہد تک قائم تھی۔ (مراۃ الحرمین جلد ا ص ۳۳۳)

⑬ مسجد نمرہ

یہ مسجد عرفات کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔

۸۴۳ھ میں ملک ظاہر جقمق نے اسے از سر نو تعمیر کرایا۔ پھر ۸۵۳ھ میں بھی اس کی اصلاح اور مرمت کرائی گئی۔ ۸۷۴ھ میں ملک اشرف قایتبائی نے اس کی تعمیر اور مرمت کرائی اور مسجد کے درمیان دو بڑے برآمدے بنوائے تاکہ حجاج نماز کے وقت دھوپ سے محفوظ رہیں۔ (اعلام الاعلام ص ۲۱۸ تا ۲۲۳)

الشیخ ابراہیم رفعت پاشا لکھتے ہیں اسے مسجد عرفہ جامع ابراہیم اور مصلی عرفہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا طول ۹۰ میٹر اور عرض ۸۰ میٹر ہے۔ اس کے چاروں طرف برآمدے بنے ہوئے ہیں۔ محراب تین میٹر اونچا اور ۵ میٹر چوڑا ہے۔ اس کا منبر ۲½ میٹر اونچا اور دس سیڑھیوں والا ہے۔ ۸۴۳ھ میں سلطان جقمق نے سے تعمیر کرایا تھا۔ پھر ۸۷۴ھ میں سلطان قایتبائی نے اور ۱۰۷۳ھ میں سلیمان بک والی جدہ نے تعمیر کرایا۔ (مراۃ الحرمین جلد ا ص ۳۳۳)

سعودی حکومت نے پوری مسجد از نو تعمیر کی۔ راقم الحروف جب ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۹۷۳ء میں زیارت حرمین شریف سے شرف بار ہوا تو اس وقت مسجد کا مغربی

Marfat.com

حصہ مکمل ہو چکا تھا۔ مینار زیر تعمیر تھے اور برآمدہ کے علاوہ موجودہ مشرقی حصہ تعمیری پروگرام میں شامل تھا۔ لیکن ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۹ء میں جب زیارت نصیب ہوئی تو تعمیر مکمل ہو چکی تھی۔ موجودہ تعمیر کا تقریباً نصف حصہ حدود عرفات سے باہر ہے۔ صحن کے ابتدا میں فرش نہیں بنایا گیا۔ اور ایک بڑے سائن بورڈ پر عربی' انگریزی' اردو اور دو ایک دوسری زبانوں میں یہ اعلان لکھا ہوا ہے

''اعلان بہت اہم ہے۔ حاجی بھائی یہ حد عرفہ کی ہے اور جو حاجی اس تختے کے پیچھے کھڑا ہوگا تو اس وجہ سے اس کا حج نہیں ہوگا''۔

⑰ مسجد خیف

منیٰ کی مساجد میں سب سے بڑی اور مشہور مسجد خیف ہے۔ اس کے فضائل میں حضور نبی کریم ﷺ نے بہت کچھ ارشاد فرمایا ہے۔ امام ابن ظہیرہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ الشیخ مجد الدین صاحب قاموس نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں مکہ مکرمہ میں قیام پذیر ہوتا تو ہر ہفتہ کے دن مسجد خیف کی زیارت کو جاتا۔ امام ازرقی نے اپنے دادا سے روایت کی ہے کہ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ مسجد خیف میں ۷۵ انبیاء علیہم السلام نے نماز پڑھی ہے۔ جن میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں۔ (اخبار مکہ ص ۳۰۰)

امام ازرقی رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد خیف کی تفصیلات بڑی شرح و بسط سے بیان فرمائی ہیں۔

مسجد کا طول شمالاً جنوباً ۲۹۳ ذراع اور ۱۲، انگل (تقریباً ۴۲۸ فٹ' ۱۵۳ میٹر) اور عرض ۲۰۳ ذراع اور ۱۲، انگل ہے (۸ ۳۰۶ فٹ۔ ۳۵ میٹر ۸۰ سینٹی میٹر) اس کے چاروں طرف برآمدے بنے ہوتے ہیں لیکن مغربی حصہ میں تین برآمدے تھے جن کے ستونوں کی تعداد ۱۶۸ ہے۔ مغربی برآمدہ میں ۸ ٪ جنوب یعنی پہاڑ کی

Marfat.com

سمت میں ۳۸' مشرقی یعنی عرفات کی طرف ۳۴' اور شمال میں ۳۱ ستون ہیں۔ ان ستونوں پر جو محرابیں بنی ہوئی تھیں ان کی تعداد ۱۱۹ تھی۔ قبلہ کی سمت ۲۷' شمال ۳۳' جنوب میں ۳۵' اور عرفات کی جانب ۲۴ تھیں۔ محرابوں کی بلندی ۹ ذراع ۱۲ انگل تھی (۱۳.۲ فٹ۔ ۴ میٹر ۱۰ سینٹی میٹر) اور ہر دو ستونوں کے درمیان ۵ ذراع ۱۲، ۱ انگل کا فاصلہ تھا (۸.۲ فٹ۔ ۸ سینٹی میٹر) ان میں سے بعض ستونوں کی بلندی بھی زیادہ تھی ور ایک دوسرے کے درمیان فاصلہ بھی نسبتاً زیادہ تھا۔

مسجد میں روشنی کرنے کے لئے ۱۷۱ قندیلیں آویزاں تھیں جن میں سے مغربی برآمدہ میں ۸۱' شمال میں ۳۵' جنوب میں ۳۱ اور مشرق میں ۲۴۔

مغربی برآمدہ کا عرض ۳۷ ذراع (۵۵.۲ فٹ۔ ۱۶.۶۰ میٹر) شمالی برآمدہ ۱۱ ذراع (۲.۶ فٹ یعنی تقریباً ۵ میٹر) مشرقی برآمدہ ۱۰ ذراع (۱۵ فٹ یعنی ۶۰ ۴ میٹر) اور جنوب والا ۱۱ ذراع ۱۰، ۱ انگل تھا (ساڑھے ۷ انچ ۱۶' فٹ یعنی ۷ ۵ میٹر) اور ان کی بلندی ۲۴ ذراع تھی (۳۷ فٹ یعنی ۱۱ میٹر)۔

مسجد کے صحن میں ایک حوض بھی تھا جس کا طول ۵۰ ذراع (۵۷ فٹ یعنی ۲۲.۹۰ میٹر) عرض ۵ ذراع (۶ ۷ فٹ یعنی ۲۸ ۲ میٹر) اور گہرائی ۹ ذراع تھی (۱۳.۲ فٹ یعنی ۴.۱۱ میٹر) حوض کے دروازے ساگوان کی لکڑی کے بنے ہوئے تھے۔ مسجد کے دروازوں کی مجموعی تعداد ۲۰ تھی۔ شمال کی طرف ۹ دروازے تھے جن میں سے بعض کی بلندی ۸ ذراع ۱۲، ۱ انگل (۹ ۱۲ فٹ یعنی ۳.۹۰ میٹر) اور چوڑائی ۵ ذراع تھی' اور بعض کی بلندی اس سے کم و بیش تھی۔ مشرقی دیوار میں پانچ دروازے تھے جن کی بلندی ۸ ذراع ۱۲، ۱ انگل (۹ ۱۲ فٹ یعنی ۹۰ ۳ میٹر) اور چوڑائی ۵ ذراع تھی (۶ ۷ فٹ یعنی ۲.۲۸ میٹر) اور بعض چوڑائی میں کم و بیش تھے۔ جنوب والی دیوار میں ۴ دروازے تھے۔ ان میں سے تین دروازے ۸ ذراع لمبے تھے (۱۲ فٹ یعنی ۳.۲۵ میٹر) پہلے دروازہ کی چوڑائی ۵ ذراع (۶ ۷ فٹ یعنی ۲.۲۸ میٹر) دوسرا دروازہ ۴ ذراع ۴، ۱ انگل (۳ ۶ فٹ یعنی ۱.۹۰ میٹر) اور تیسرا ۳۱۱ ذراع ۱۸،

Marfat.com

انگل تھا (۷ ۵ فٹ یعنی ۷۰ ۱ میٹر) جب کہ چوتھا دروازہ ۷ ذراع (۷ ۱۰ فٹ یعنی ۹۰ ۱ میٹر) اور تیسرا ۳ ذراع ۱۸، انگل تھا (۷ ۵ فٹ یعنی ۷۰ ۱ میٹر) جب کہ چوتھا دروازہ ۷ ذراع (۶ ۱۰ فٹ یعنی ۳.۲۰ میٹر) اونچا اور ۳ ذراع (۴ ۶ فٹ یعنی ۳۷ ۱ میٹر) چوڑا تھا۔ اور قبلہ والی دیوار میں بھی دو دروازے تھے جن میں سے ایک کی لمبائی ٦ ذراع ۱۲، انگل (۹ ۹ فٹ یعنی تقریباً ۳ میٹر) اور چوڑائی ۲ ذراع (٦ فٹ یعنی ۸۳ ۱ میٹر) اور دوسرے کی لمبائی ۳ ذراع ۹، انگل (۴ ٦ فٹ یعنی ۹۳ میٹر) اور چوڑائی ۲ ذراع تھی (٦ فٹ یعنی ۸۳ ۱ میٹر) مسجد کے وسط میں ایک مربع شکل مینار تھا جس کی چوڑائی ۲ ذراع اور ۱۲، انگل اور بلندی ۲۴ ذراع تھی اس کے اندر ۳۱ سیڑھیاں تھیں۔

۸۵۳ھ میں ملک ظاہر جقمق کے حکم سے ناظر حرم خواجہ بہرام نے مسجد خیف کی تعمیر نو کرائی۔ جس پر بہت زیادہ روپیہ صرف کیا۔ اور اسے بے حد مضبوط اور خوبصورت بنوایا۔ (اعلام الاعلام ص ۲۱۸)

۸۷۴ھ میں ملک اشرف قایتبائی نے اسے انتہائی قابل رشک اور عالیشان تعمیر کرایا۔ اس کے چاروں طرف دیوار بنوائی اور قبلہ والی جانب یکے بعد دیگرے چار برآمدے بنوائے (جب کہ پہلے چاروں طرف ایک ایک برآمدہ تھا) مسجد کے صحن میں ایک ذی شان قبہ تعمیر کرایا اور قبہ اتنی جگہ گھیرے ہوئے تھا جو نبی ﷺ کی مسجد کی حدود تھیں اور جہاں آپ ﷺ کا مصلی تھا وہاں محراب بنوائی۔ اس کے قریب ہی اذان کی جگہ بنوائی جب کہ دروازہ کے قریب پہلے ہی اذان دینے کی جگہ بنی ہوئی تھی۔

مسجد کے دروازے کے قریب امراء و رؤساء حج کے قیام کے لئے ایک محل تعمیر کرایا اور اس کے دروازہ کے قریب ایک سبیل بنوائی' جو مسجد کے صحن میں واقع حوض سے بھری جاتی تھی۔ جب کہ حوض بارش کے پانی سے بھرا جاتا تھا۔ مسجد کا ایک اور دروازہ مشرق کی طرف بنوایا' اس میں پہاڑ کی جانب ایک چھوٹی کھڑکی

Marfat.com

بنائی جو غار مرسلات کی طرف کھلتی تھی۔ مؤرخ موصوف لکھتے ہیں

"اگرچہ اب بھی مذکورہ عمارت قائم ہے مگر یہ تعمیر جدید کی خواستگار ہے"۔(اعلام الاعلام ص ۲۲۳)

الشیخ رفعت پاشا مصری رحمۃ لکھتے ہیں مسجد کا طول ۱۳۰ میٹر اور عرض ۱۰۰ میٹر ہے۔ بڑے دروازہ پر موذنہ بنا ہوا ہے جس کی بلندی ۱۳ میٹر ہے۔ مغربی جانب شمال جنوباً چار برآمدے ہیں۔ ان کا مجموعی عرض ۳۷ میٹر ہے۔ ہر ایک برآمدہ میں ۲۱ ستون ہیں۔ چھت کے اندر ایسے بے نظیر گنبد بنے ہوئے ہیں جو صرف اندر سے نظر آتے ہیں جب کہ اوپر سے چھت ہموار ہے۔ مغربی دیوار میں محراب اور منبر بنا ہوا ہے اور محراب پر گنبد بنا ہوا ہے۔ صحن میں آٹھ ستونوں پر قائم ایک بہت بڑا گنبد بنا ہوا ہے۔ اس کی مغربی دیوار محراب نما بنی ہوئی ہے اور یہی وہ جگہ تھی جہاں نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے دن خیمہ لگایا تھا۔ اسی خیمہ میں آپ نے نماز ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور عرفہ کی فجر ادا فرمائی تھی۔

قبہ کی مشرقی جانب موذنہ بنا ہوا ہے جو ۱۳.۶۰ میٹر بلند ہے۔ قبہ کے باہر ایک چھوٹا سا دروازہ ہے جہاں سے اندر راستہ جاتا ہے اور اندر ۲۷ سیڑھیاں ہیں اور ہر ایک سیڑھی کی بلندی ۲۰ سنٹی میٹر ہے۔ صحن میں چار بہت بڑے حوض بنے ہوئے ہیں جن میں بارش کا پانی جمع کر لیا جاتا ہے اور ایام حج میں حجاج استعمال کرتے ہیں۔

۲۵۶ھ میں خلیفہ المعتمد احمد بن متوکل العباسی نے اس کی تعمیر کرائی تھی بعد ازاں ۵۵۹ھ میں وزیر محمد بن علی المعروف الجواد اصفہانی نے تجدید کرائی۔ اسی طرح خلیفہ الناصر لدین اللہ العباسی کی والدہ مکرمہ اور ملک مظفر جو یمن کا بادشاہ تھا نے بھی تجدید کرائی تھی۔ ۶۷۴ھ میں یمن کے بادشاہ نے اس کی تعمیر و مرمت پر ۲۰ ہزار درہم خرچ کئے۔ ۸۲۰ھ میں الشیخ علی البغدادی نے اور ۸۷۴ھ میں ملک اشرف قایتبائی نے اس کی تعمیر کا حکم دیا۔ اسے بے حد مضبوط اور خوبصورت بنوایا۔ ۱۰۷۲ھ

Marfat.com

میں سلطان محمد قرمدر آغا نے اور پھر ۱۰۹۲ھ میں سلیمان آغا نے سلطان محمد خان کے حکم سے اس کی تجدید کرائی۔ (مرأۃ الحرمین جلد اص ۳۲۲ تا ۳۲۵)

اس ذی شان مسجد کی تعمیر جدید کا حکم شاہ عبدالعزیز آل سعود نے دیا تھا۔ مگر اس کی تکمیل شاہ خالد کے دور میں ہوئی۔ اس کے شمالی دروازہ پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم انما یعمر مساجد اللّٰہ من امن باللّٰہ والیوم الآخر امر بتجدید عمارۃ ھذا المسجد علی نفقۃ الخاصۃ حضرت صاحب الجلالۃ الملک عبدالعزیز بن عبدالرحمن الفیصل ال سعود ایدہ اللّٰہ ۱۳۶۲ھ و اعید تجدیدہ فی عھد صاحب الجلالۃ الملک فیصل بن عبدالعزیز ایدہ اللّٰہ ۱۳۹۲ھ

اسے مکمل طور پر ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹۷۶ء کو بالکل نئے انداز میں تعمیر کیا گیا ہے۔ اب نہ تو اس میں گنبد ہے اور نہ ہی قدیم نقشہ۔

⑱ مسجد کوش

یہ مسجد جبل ثبیر کے دامن میں واقع ہے جہاں سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کرنا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے فدیہ میں جنت سے دنبہ یہاں پہنچا کر ذبح کرا دیا۔ یہ مسجد علی بن عبداللہ بن عباس نے بنائی تھی اور مسجد کوش کے نام سے مشہور ہوئی۔ (اخبار مکہ ص ۲۰۱)

علاوہ ازیں اس وقت کی مشہور مساجد حسب ذیل ہیں

① مسجد جن، محلہ سلیمانیہ

② مسجد الجمیزۃ، محلہ معابدہ

③ مسجد الامیرۃ حصۃ، حجون میں

④ مسجد حمدان الفرح، محلہ عتیبہ

Marfat.com

⑤ مسجد ابن رشد الهمرانی، محله معابده

⑥ مسجد ملك عبدالعزیز قصر عالی کے قریب محله معابده میں

⑦ مسجد حی التوفیق' محله جرول

⑧ مسجد ملك عبدالعزیز' محله الزاهر

⑨ مسجد بیئر الحمام' محله شعب عامر

⑩ مسجد الامیر بندر' محله المعابده

⑪ مسجد آل الشیخ شارع المنصور

⑫ مسجد الکویتی' شارع المنصور

⑬ مسجد الطیبشی محله جرول

⑭ مسجد الکعکی' محله جرول

⑮ مسجد البدوی یا مسجد رایه

Marfat.com

چند متبرک مکانات

مکہ مشرفہ میں بعض ایسے مقدس و متبرک مکان تھے جن کی زیارت باعث اجر و ثواب اور یادگار اسلاف تھی۔ اگرچہ ان میں سے چند ایک حرم شریف اور سڑکوں کی توسیع کے باعث معدوم ہو چکے ہیں تاہم برکت کے لئے ان کا ذکر کر دیا جاتا ہے۔

مولد النبی ﷺ

وہ مقدس مکان جہاں آفتاب نبوت طلوع ہوا تھا۔ وہ شہ کونین ﷺ کے والد ماجد کی ملکیت تھا۔ جب آپ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ جانے لگے تو اپنے چچا زاد بھائی عقیل بن ابی طالب کو ہبہ کر دیا تھا۔ ان سے محمد بن یوسف ثقفی جو حجاج بن یوسف کا بھائی تھا' نے خرید کر اپنے مکان میں شامل کر لیا تھا اور اسی کے نام سے ''بیت ابن یوسف'' مشہور ہوا۔ حتیٰ کہ ۱۷۱ھ میں خلیفہ ہارون الرشید کی والدہ خیزران جب حج بیت اللہ کو گئی تو اس نے وہ مکان خرید کر وہاں مسجد تعمیر کرا دی جس میں لوگ نماز پڑھنے لگے۔ (خبار مکہ ازرقی' عنوان مولد النبی ﷺ)

الشیخ رفعت پاشا مرحوم لکھتے ہیں نبی ﷺ کا مکان دمادت سڑک سے تقریباً ڈیڑھ میٹر نشیب میں واقع ہے۔ جس میں داخل ہونے کے لئے پتھر کی بنی ہوئی چند سیڑھیاں اتر کر جانا پڑتا ہے۔ شمالی دروازہ سے اندر داخل ہوتے ہی ۱۲ میٹر لمبا اور ۲ میٹر چوڑا صحن ہے۔ اس کے دائیں جانب ایک دروازہ چھوٹے سے کمرہ کی طرف کھلتا ہے' جس کے اندر لکڑی کا ایک چبوترا بنا ہوا ہے' جس میں سنگ مرمر کا ایک پتھر ہے جو درمیاں سے کھود کر گہرا کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ

Marfat.com

بی علیہ السلام کی ولادت گاہ ہے اس کا کل رقبہ تقریباً ۸۰ مربع میٹر ہے۔

مذکورہ مسجد مصری سلطنت کے اوقاف کے زیر انتظام تھی جس میں امام اور مؤذن مقرر تھے لیکن زمانہ دراز کے بعد مسجد کو پھر مکان میں تبدیل کر دیا گیا۔ جس کی تعمیر و مرمت مختلف سلاطین اپنے اپنے دور میں کرتے رہے۔ چنانچہ ۵۷۶ھ میں خلیفہ الناصر عباسی۔ ۶۶۲ھ میں ملک مظفر صاحب یمن۔ ۷۴۰ھ میں حفید والمجاہد۔ ۷۵۸ھ میں مصر کے ایک رئیس۔ ۷۶۶ھ، ۸۰۱ھ میں ملک اشرف شعبان۔ ۹۳۵ھ میں سلطان سلیمان خاں نے یہ خدمت انجام دی۔ ۹۲۳ھ میں سلطان سلیمان خان نے تین بیش بہا قندیلیں بھیجیں جن میں سے دو کعبہ شریف کے لئے اور ایک مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں آویزاں کرنے کے لئے۔ ۱۰۰۹ھ میں سلطان مراد خان نے از سر نو تعمیر کرائی اور اس پر ایک عظیم الشان گنبد اور مینار بنوایا۔ بعد ازیں دولت عثمانیہ میں اس جگہ دینی درسگاہ قائم کر دی گئی۔ (مرآۃ الحرمین جلد ۲ ص ۱۸۸)

علامہ طاہر کردی دامت برکاتہم تحریر کرتے ہیں ۱۳۳۳ھ میں یہ عمارت منہدم ہو گئی تھی جسے الشیخ عباس بن یوسف القطان المتوفی ۱۳۷۰ھ نے اپنے ذاتی اخراجات سے تعمیر کرنا شروع کیا تھا لیکن دو ہی ماہ بعد ان کا وصال ہو گیا۔ چنانچہ ان کے خلف الرشید الشیخ امین نے کام مکمل کرایا۔ مرحوم نے وصیت کی تھی کہ یہاں ایک جلیل القدر لائبریری بنائی جائے جس سے علماء اور طلباء استفادہ کریں۔ بہر حاصل اس وقت وہاں افادۂ عوام کے لئے عالی شان لائبریری بنی ہوئی ہے اور دروازہ پر المکتبۃ المکیۃ کا سائن بورڈ لگا ہوا ہے۔ (تاریخ التقویم جلد ا ص ۲۷۱)

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مکان

ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مکان درب الحجر میں واقع تھا۔ جہاں اب زیورات کی بکثرت دکانیں پائی جاتی ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری اولاد انہیں کے بطن اطہر سے اسی گھر میں پیدا ہوئی۔ صرف حضرت ابراہیم سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اسی میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بھی

Marfat.com

پرورش پائی تھی۔ اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا وصال بھی اسی مکان میں ہوا تھا۔ سڑک سے مکان نشیب میں ہے۔ چند سیڑھیاں اتر کر ایک تنگ راستہ جاتا ہے۔ اس کے بعد ایک چھوٹا سا کمرہ جو ۱۰ ذراع (۱۵ فٹ لمبا) اور ۶ ذراع (۹ فٹ) چوڑا ہے۔ اس میں بچے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اس کی دائیں جانب دو سیڑھیاں چڑھ کر ایک دروازہ ہے۔ اس دروازہ سے آگے چھوٹا سا راستہ ہے جس میں تین دروازے ہیں۔ بائیں طرف والا کمرہ صرف ساڑھے ۴ فٹ لمبا ہے۔ جہاں نبی کریم ﷺ عبادت فرمایا کرتے تھے۔ اور اسی میں آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی۔ اس کمرہ کے اندر دائیں طرف ایک گہری جگہ ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس جگہ نبی علیہ السلام وضو فرمایا کرتے تھے۔

مذکورہ تنگ راستہ میں داخل ہوتے ہی جو سامنے کمرہ ہے اس کی لمبائی ۶ میٹر ۱۹ فٹ ساڑھے ۸ انچ ہے۔ اور چوڑائی ۴ میٹر ۱۳ فٹ ڈیڑھ انچ ہے۔ یہاں آپ اپنے گھر والوں کے ساتھ رہائش رکھتے تھے۔ جو کمرہ دائیں جانب ہے اس کی لمبائی ساڑھے ۷ میٹر (۲۴ فٹ ۷ انچ) اور چوڑائی ۴ میٹر (۱۳ فٹ ڈیڑھ انچ) ہے۔ اس کے اندر لکڑی کا ایک چھوٹا سا چبوترہ بنا ہوا ہے۔ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ جگہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ولادت گاہ ہے۔ اس کمرہ میں مشرقی دیوار کے پاس چکی کا ایک حصہ پڑا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی چکی تھی۔ اس کمرہ کی لمبائی کے ساتھ ساتھ شمال کی طرف ایک کھلی جگہ ہے جو تقریباً ڈیڑھ گز اونچی ۱۶ گز لمبی اور ۷ گز چوڑی ہے۔ اس کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ یہاں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا مال تجارت رکھتی تھیں۔ (اعلام الاعلام ص ۳۳۲)

جب نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ چلے گئے تو آپ ﷺ نے یہ مکان اپنے چچا زاد بھائی عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ پھر سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سے خرید کر یہاں مسجد بنا دی۔ مسجد کا ایک دروازہ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے اس مکان کی طرف بھی بنایا جس کے متعلق نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا

Marfat.com

"جو آدمی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا وہ امن میں آ گیا"۔

مسجد کا حدود اربعہ بیت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے برابر رکھا گیا' اس میں کمی بیشی نہیں کی گئی۔

الشیخ رفعت پاشا مصری شفاء الغرام کے حوالے سے لکھتے ہیں بیت خدیجہ کی جگہ بنی ہوئی مسجد کی کیفیت اس طرح ہے

۸ ستونوں پر برآمدہ بنا ہوا ہے جس کی سات محرابیں (ڈاٹیں) ہیں۔ قبلہ والی دیوار میں تین محرابیں ہیں۔ اس کے سامنے والے برآمدہ میں چار محرابیں ہیں۔ ان دونوں برآمدوں کے درمیان صحن ہے۔ اس گھر میں تین مقامات کی طرف سے زیارت کے لئے لوگ آتے ہیں۔ مولد فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ اس کے قریب ہی قبۃ الوحی اور المختبا جو قبہ وحی کے قریب واقع ہے کہا جاتا ہے کہ جب نبی علیہ السلام پر مشرکین سنگ باری کرتے تھے تو آپ اس کے نیچے ہو جاتے تھے۔ المختبا کا رقبہ ۴×۳ ذراع ہے۔

خلیفہ الناصر عباسی' ملک اشرف شعبان' المقتدر عباسی' ملک ناصر فرج بن برقوق نے تعمیری خدمات انجام دیں۔ ۹۳۰ھ میں سلیمان خان نے بھی اس کی تعمیر کی تھی۔ (مراۃ الحرمین جلد اص ۱۹۰،۱۹۲)

علامہ طاہر کردی مدظلہ لکھتے ہیں ۱۳۶۸ھ میں الشیخ عباس بن یوسف نے اسے از سر نو تعمیر کرنا شروع کیا جو ۱۳۷۰ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اور اس میں حفظ قرآن کا مدرسہ جاری کیا۔ (تاریخ القویم جلد اص ۱۷۴)

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مکان

آپ رضی اللہ عنہ کا مکان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان ولادت سے کوئی ۲۰۰ میٹر کے فاصلہ پر سوق اللیل میں واقع تھا۔ علامہ طاہر کردی لکھتے ہیں کہ ۱۳۷۶ھ میں یہاں کوئی عمارت نہیں تھی۔ چنانچہ شیخ عبداللہ نے شاہ سعود سے درخواست کی کہ یہاں ایک دارالعلوم قائم کیا جائے جہاں حفظ قرآن' تجوید اور دیگر تمام علوم

Marfat.com

پڑھانے کا معقول انتظام ہو۔ شاہ موصوف نے اس درخواست کو شرف قبولیت سے نوازا لیکن جدہ کے رئیس الشیخ السید حسن الشربتلی نے دارالعلوم کی تعمیر اور دیگر تمام تر اخراجات کی کفالت کا اعلان کیا۔ جن کی مساعی جمیلہ سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ (تاریخ القویم جلد ا ص ۳۰۲)

سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا مکان

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جو ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے تھے۔ ان کا مکان باب علی رضی اللہ عنہ اور باب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان مسعیٰ (سعی کرنے والی جگہ) میں تھا۔ دسویں صدی ہجری میں اسے منہدم کر کے رباط (مسافر خانہ) بنا دیا گیا جس میں فقراء اور مساکین ٹھہرتے تھے۔

۱۳۶۷ھ میں جب حرم شریف کی توسیع کا کام جاری تھا تو اسے بھی گرا کر یہ جگہ حرم شریف میں شامل کر لی گئی۔ مسعیٰ میں جہاں میلین اخضرین دو سبز ستون ہیں اس جگہ یہ مکان تھا۔ پھر اس جگہ سعی کرنے والوں کے لئے لوہے اور کنکریٹ کی شیڈ بنا دی گئی تاکہ سایہ رہے۔ صفا سے مروہ جاتے وقت دائیں جانب دار عباس رضی اللہ عنہ اور شمال مشرق میں دار ابوسفیان تھا۔

سیدنا ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا مکان

یہ مکان مروہ کی جانب مدعا کے بالکل آخر میں واقع تھا۔ فتح مکہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی عزت افزائی کی خاطر ارشاد فرمایا تھا

من دخل داره و اغلق بابه فهو امن و من دخل المسجد فهو امن، و من دخل دار ابی سفیان فهو امن

"جس آدمی نے اپنے گھر میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا وہ امن میں آ گیا اور جو آدمی مسجد حرام میں داخل ہو گیا وہ امن میں آ گیا اور جو آدمی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا وہ بھی امن میں آ گیا"۔

Marfat.com

۱۲۷۶ھ میں محمد شریف پاشا نے اس جگہ ہسپتال بنا دیا۔ ۱۲۸۲ھ میں سلطان عبدالمجید خان کی والدہ محترمہ نے اس میں توسیع کی۔ ۱۳۶۴ھ میں وزارت صحت کا دفتر بنا دیا گیا۔ پھر ۱۳۸۵ھ میں سعودی حکومت نے ہسپتال گرا کر اس جگہ پبلک لائبریری بنا دی (اس وقت ۱۳۹۹ھ میں لائبریری بھی نہیں رہی بلکہ یہاں بازار بن چکا ہے)۔

علامہ کردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۲۸/رجب ۱۳۷۲ھ کو میں نے یہ مکان اندر سے دیکھا۔ اس میں ایک پتھر کی تختی پر خط ثلث میں یہ حدیث لکھی ہوئی تھی

من دخل دار ابی سفیان فهو امن کتبهٔ محمد عارف مصطفی شکری ۱۳۱۳ھ (تاریخ القویم جلد ۲ ص ۸۵ تا ۸۷)

دار ارقم (رضی اللہ عنہ)

یہ مقدس و متبرک مکان صفا سے بائیں جانب ۳۵ یا ۴۰ میٹر کے فاصلہ پر واقع تھا۔ یہ ارقم بن ابی ارقم بن عبد مناف بن جندب اسد بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کا تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اسے عرصہ دراز تک تبلیغ، تدریس اور نماز کا مرکز بنائے رکھا۔ کیونکہ مشرکین کے غلبہ کی وجہ سے آپ ﷺ اعلانیہ نہ تو نماز پڑھ سکتے تھے اور نہ ہی تبلیغ دین کی خدمت انجام دے سکتے تھے اس لئے آپ یہاں تشریف فرما ہو جاتے اور دیگر مسلمان بھی اس شمع کے گرد پروانہ وار جمع ہو کر اسلام کے احکام سے بہرہ یاب ہوتے اور اسی مکان میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تھا۔ جس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کی شجاعت نے مسلمانوں کو سر عام نماز پڑھنے کی ہمت سے ہمکنار کر دیا۔

۱۷۱ھ میں خیزران والدہ خلیفہ ہارون الرشید جب حج کے لئے آئیں تو دار ارقم کو خرید کر یہاں مسجد تعمیر کرائی۔ امام تقی فاسی کے بیان کے مطابق مسجد کا طول تقریباً ۸ گز (۲۴ فٹ) اور عرض تقریباً ۷ گز (۲۱ فٹ) تھا۔ ابن جبیر اندلسی نے ۵۷۸ھ میں بھی اس مسجد کا ذکر کیا ہے۔ اس کا دروازہ مشرق کو کھلتا تھا۔ ۱۳۲۷ھ

Marfat.com

میں محمد لبیب البتونی نے بھی ذکر کیا ہے۔ مسجد کے اندر دو پتھر ایک دوسرے کے اوپر رکھے ہوئے تھے۔ جن میں سے ایک پتھر پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ هذا مختبا رسول الله و دار الخيزران و فيها مسجد الاسلام ، امر بتجديده الفقير الى مولاه آمين الملك مصلح ابتغاء ثواب الله ورسول والله لا يضيع اجر المحسنين

اور دوسرے پتھر پر یہ عبارت کندہ تھی

بسم الله الرحمن الرحيم هذا مختبا رسول الله صلى الله عليه وَسَلَّم المعروف بدار الخيزران امر بعمله و انشائه العبد الفقير لرحمة الله تعالى جمال الدين شرف الاسلام ابو جعفر محمد بن علي بن ابي منصور الاصفهاني وزير الشام والموصل الطالب وصول الى الله تعالى الراجي لرحمته اطال الله في اطاعة بقاء و ادا له في الدارين ابناه في سنة خمس و خمسين و خمس مائة ٥٥٥ھ

اس جگہ خیزران ام الرشید نے ۱۷۱ھ میں مسجد بنوائی تھی۔ بعد ازاں اس کی تعمیر حسب ذیل امراء اور سلاطین نے کی' امین الملک مصلح' وزیر الجواد' المستعصر عباسی' جمال الدین شرف الاسلام' ابوجعفر نے ۵۵۵ھ' سلطان مراد خاں ۱۱۱۲ھ میں' ابراہیم بک نے بنیادوں سے لے کر چھت تک پوری عمارت کی تجدید کی' لیکن ۱۳۳۳ھ عمارت منہدم ہوگئی تھی۔

۱۳۷۵ھ میں جب سعودی حکومت نے حرم شریف کی بے مثال توسیع پروگرام بنایا تو یہ جگہ اور مسجد بھی اس کی زد میں آ گئی جس کی وجہ سے اسے گرا دیا گیا۔ (تاریخ القویم جلد اص ۲۸۸ تا ۲۹۰) اور یہاں ایک سہ منزلہ مارکیٹ بنائی گئی۔ اور ایک مکان اس جگہ مخصوص بنایا گیا۔ جس کے دروازہ پر لکھا ہوا تھا ''دار ارقم'' جو ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۹۷۳ء تک موجود تھی۔ مگر بعد ازاں سڑکوں کی توسیع کے باعث

Marfat.com

اس جگہ کو زمین کے برابر کر دیا گیا بلکہ شارع ارقم جو تقریباً ایک سو فٹ بلندی پر تھی سے بھی پیوند زمین کر دیا گیا۔ اس طرح نہ تو یہاں مسجد کا نشان باقی رہا اور نہ ہی دار ارقم کا۔

سیدہ اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا کا مکان

سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی چچا زاد بہن ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ان کے گھر تشریف لایا کرتے تھے۔ بعض روایات کے مطابق معراج کی شب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہی کے گھر میں آرام فرما تھے اور یہیں سے معراج کے لئے تشریف لے گئے۔

ان کا مکان موجودہ باب الوداع کے قریب تھا۔ زمانہ قدیم میں مؤرخین نے اس کا محل وقوع سوق حناطین حزورہ والے مینار کے قریب بیان کیا ہے۔ قصی بن کلاب نے العجول نامی کنواں اسی جگہ کھودا تھا۔ جہاں سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا کا گھر تھا۔

۱۶۷ھ میں جب خلیفہ مہدی عباسی نے حرم شریف کی توسیع کی تو یہ جگہ حرم میں آ گئی تھی۔ رکن یمانی سے باب الوداع کی طرف ۱۲۰ میٹر کے فاصلہ پر یہ مقدس مکان واقع تھا۔ (تاریخ القویم جلد ا عنوان دار ام ہانی رضی اللہ عنہا)

Marfat.com

جبال مکہ

اگرچہ مکہ مشرفہ کی ساری آبادی پہاڑوں پر مشتمل ہے لیکن ان میں سے بعض اسلامی اور تاریخی روایات کے حامل ہیں اس لئے ان کا تذکرہ کارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

جبل ابی قبیس

اس کی بلندی ۴۲۰ میٹر ہے۔ اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق زمین پر سب سے پہلے یہی پہاڑ پیدا کیا گیا تھا۔ قبیلہ ایاد میں سے ابوقبیس نامی ایک آدمی نے اس پر مکان بنایا تھا۔ جس کی وجہ سے یہی اس کا نام مشہور ہو گیا۔ یہ پہاڑ حرم شریف کے مشرق میں واقع ہے۔ طوفان نوح کے وقت قدرتی طور پر حجر اسود اس میں امانت رکھا گیا جسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کعبہ کے وقت حاصل کر کے نصب فرمایا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس پر دعا قبول ہوتی ہے۔

جبل قعیقعان

اسے جبل ہندی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ۴۳۰ میٹر بلند ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ میں کہا جاتا ہے کہ شاہ تبع نے اس کے قریب ایک بہت بڑی دعوت کی تھی۔ چنانچہ اس کے بعد اس پہاڑ کو قعیقعان کہا جانے لگا۔ اس کے ابتداء میں مروہ واقع ہے جبل ابی قبیس اور جبل قعیقعان کے درمیان حرم کعبہ شریف پایا جاتا ہے۔

جبل عمر (رضی اللہ عنہ):

یہ پہاڑ محلہ شبیکہ سے محلہ مسفلہ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کے قریب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مکان (دارت) پایا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے پہاڑ کا نام بھی جبل عمرؓ مشہور ہو گیا۔

Marfat.com

جبل ثور:

یہ پہاڑ ۷۵۹ میٹر اونچا اور حرم سے تقریباً ۴ کلومیٹر دور ہے اس کی چوٹی پر غار ثور ہے جہاں نبی کریم ﷺ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی معیت میں ہجرت کے وقت تین شب روپوش رہے تھے۔ اس کے قریب ثور بن عبد مناف نے اقامت اختیار کی تھی جس کے باعث پہاڑ کا نام ثور مشہور ہو گیا۔

غار ثور کی لمبائی ۱۳.۶ فٹ یعنی ۴ میٹر سے کچھ زائد جب کہ اس کا منہ ۳۹ فٹ لمبا تھا اور منہ کی چوڑائی صرف ۹.۰ انچ تھی۔ لوگوں کے بکثرت داخل ہونے اور نکلنے کے باعث اس وقت منہ تقریباً ایک میٹر کشادہ ہو چکا ہے۔

امام ابن ظہیرہ نے جامع اللطیف میں لکھا ہے کہ اب اس کے دو کشادہ منہ بن گئے ہیں۔ ۱۲۹۹ھ میں شریف عون امیر مکہ نے اس کا منہ کشادہ کرایا تھا۔ ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۱ء میں غار تک پہنچنے کے لئے راستہ میں چار مقامات پر ٹکڑے بنے ہوئے تھے۔ جو تین میٹر بلند اور چار میٹر چوڑے تھے۔ لوگ ان پر آرام کرتے تھے۔ مگر بعد میں ٹکڑوں کی بجائے پتھروں کے چھوٹے چھوٹے ڈھیر بنا دیئے گئے۔ ۱۲۹۹ھ میں عثمان پاشا نوری والی حجاز اور ۱۳۰۷ھ میں سید اسماعیل حقی پاشا والی حجاز نے اس راستہ کو کشادہ اور صاف کرایا تھا۔

جبل ثبیر:

مکہ معظمہ سے منیٰ جاتے ہوئے دائیں ہاتھ پر واقع ہے جب کہ اس کے بالمقابل جبل حرا ہے۔ اسی پہاڑ کے ایک حصہ کا نام ثبیر الاثیرہ ہے جس کے متعلق نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ جب سورج کی کرنیں اس پر پڑیں تو حجاج منیٰ سے عرفات روانہ ہو جائیں۔ امام سہیلی نے لکھا ہے کہ جب قریش نے نبی کریم ﷺ کو قتل کرنے کا ناپاک منصوبہ بنایا تو اس وقت آپ جبل ثبیر پر تھے۔ اس پہاڑ نے آپ ﷺ سے استدعا کی کہ میرے اندر آپ چھپ جائیں تاکہ قریش اپنے مذموم ارادہ میں ناکام رہیں۔

Marfat.com

جبل خندمہ:

یہ پہاڑ جبل ابی قبیس سے معلاۃ کی طرف پھیلا ہوا ہے۔ اس کے دامن میں شعب علی جسے شعب بنی ہاشم بھی کہا جاتا ہے' واقع ہے۔ ایک روایت کے مطابق اس کے دامن میں ستر انبیاء علیہم السلام کی قبریں ہیں۔ علامہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ نبی ﷺ نے اس پر استراحت فرمائی تھی۔

جبل کداو:

اسے حجون بھی کہا جاتا ہے۔ نبی ﷺ فتح مکہ کے دن اسی راستہ سے شہر میں داخل ہوئے تھے۔ ۱۳۲۸ھ میں شریف حسین بن علی امیر مکہ نے اس کے درمیان سے سڑک نکال کر راستہ قریب اور آسان بنا دیا۔

جبل حرا

مکہ مشرفہ سے منیٰ جاتے ہوئے بائیں ہاتھ پر واقع ہے۔ اسے جبل نور بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ یہیں سے انوار نبوت کا ظہور ہوا تھا۔ اس کی چوٹی پر غار حرا واقع ہے۔ جہاں نبوت سے پہلے نبی کریم ﷺ مدتوں عبادت کرتے رہے۔ اور اسی میں نزول وحی کا آغاز ہوا تھا۔ حرم سے دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

جبل رحمت

یہ پہاڑی عرفات کے مشرق میں واقع ہے جس پر دعا قبول ہوتی ہے۔ اس پر ایک سفید مینار بنا ہوا ہے جو سیدہ ام سلمٰی رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک مسجد بنی ہوئی ہے جس کے پتھر کہن سالی کے باعث گھس گئے ہیں۔ اس کے قبلہ رخ ایک اور مسجد بھی بنی ہوئی ہے۔ زائرین ان میں نوافل پڑھتے ہیں۔

Marfat.com

باب ششم

رفاہی منصوبے

مواصلات و نشریات

میں محیر العقول ترقی

Marfat.com

- نہر زبیدہ
- سیلاب کا تفصیلی تذکرہ
- ہسپتال
- نشریاتی ادارے
- نظام مواصلات

Marfat.com

مکہ کے کنوئیں

مکہ کی مقدس سرزمین میں سب سے پہلے سیدنا آدم علیہ السلام نے شعب حرا میں ایک کنواں گڑھ آدم کھودا تھا جس کا پانی لوگ استعمال کرتے تھے۔ اسی طرح مرۃ بن کعب بن لوی نے ''رُم''۔ کلاب بن مرہ نے بنی مخزوم کے لئے ''خُمّ'' اور ہاشم بن عبد مناف نے ''سجلہ'' صفا اور مروہ کے درمیان کھودا تھا۔ بعد میں یہ کنواں جبیر بن مطعم کے نام سے مشہور ہوا۔ عبدالشمس بن عبد مناف نے ''الطّوی'' ہوایا تھا جو بعد میں عقیل بن ابی طالب نے بحال کیا تھا۔ امیہ بن عبدالشمس نے ''الجفر'' نامی کنواں جیاد میں کھودا۔ بنی عبدالشمس کے کنوئیں ''اُمّ جعلان'' اور ''علوق'' بھی تھے۔ اُم ہانی کے مکان والی جگہ قصی بن کلاب نے ''العجول'' کھودا تھا۔

دور اسلام میں حسب ذیل کنوئیں بھی بنائے گئے۔ سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما نے منیٰ میں شعب آل عمر کے مقام پر بنی مخزوم میں بیر الشرکاء جیاد میں بیر عکرمہ شعب عمر میں عبداللہ بن صفوان الجمحی نے ابو موسیٰ اشعری کا کنواں شعب بن ابی ذئب میں مجاں کے مقام پر واقع تھا۔ بیر شوذب باب بنی شیبہ کے قریب پایا جاتا تھا۔ یہ جگہ ۱۶۱ھ میں خلافت مہدی عباسی کے دوران حرم میں داخل ہو گئی تھی۔ خراش بن امیہ نے بیرود ذی طویٰ میں بیر بکار، بیرودران ذی طویٰ، بیر السلاصل، منیٰ میں عقبہ کے قریب اور بیر سقایہ عرفات میں عبداللہ بن زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے بنوایا تھا۔

علامہ تقی فاسی رحمۃ اللہ علیہ نے ۵۸ کنوئیں بیان کئے ہیں۔ جن میں سے باب معلاء سے منیٰ تک ۱۷، منیٰ میں ۱۵ اور مزدلفہ میں تین کنوئیں پائے جاتے ہیں۔ عرفات میں زیادیہ الکبریٰ، زیادیہ الصغریٰ اور الشمر دقیہ کا ذکر کیا ہے اور باب

Marfat.com

الشبیکہ سے تنعیم تک ۲۳ کنوئیں بیان کئے ہیں۔ علاوہ ازیں عسقلانی' جعرانہ اور زاہر جیسے کنوئیں بھی پائے جاتے تھے۔ جعرانہ تو اب بھی موجود ہے' چونکہ ابتداء میں آبادی تھوڑی اور حجاج کی تعداد بھی زیادہ نہ ہوتی تھی اس لئے کنوئیں کے پانی سے گزر ہو جاتی تھی۔ لیکن جب آبادی اور زائرین کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تو پھر مزید انتظام کی شدید ضرورت درپیش تھی۔ چنانچہ نہریں اور برساتی تالاب بھی بنائے جانے لگے۔

Marfat.com

نہر زبیدہ

ایک فرشتہ صفت خاتون کا صدقہ جاریہ

اہالیان مکہ اور زائرین چشموں' کنوؤں اور تالابوں کا پانی استعمال کرتے تھے' لیکن ایک سعادت مند خاتون نے ایک ایسا فقید المثال کارنامہ انجام دیا جو قیامت تک تابندہ و پائندہ رہے گا۔ ام جعفر زبیدہ بنت جعفر بن المنصور المتوفی ۲۱۶ھ جس کا نام اَمۃ العزیز تھا۔ بچپن میں ان کے دادا الملک المنصور رحمت سے زبیدہ کہا کرتے تھے اس لئے اسی نام سے مشہور ہو گئیں۔ خلیفہ ہارون الرشید کے چچا کی بیٹی تھیں۔ جو موصوف کے عقد میں آئیں۔ ملکہ زبیدہ جب فریضہ حج ادا کرنے آئیں تو حجاج کرام اور اہالیان مکہ کو پانی کی دشواری اور سخت مشکلات میں مبتلا دیکھ کر شدید صدمہ ہوا۔ چنانچہ اس نے اپنے اخراجات سے ایک عظیم وجلیل نہر کھودنے کا حکم دیا۔ مکہ مکرمہ سے ۳۵ کلومیٹر شمال مشرق میں وادی حنین کے ''جبال طاد'' سے نہر نکالنے کا پروگرام بنایا۔ جس کے لئے مختلف ممالک کے ماہر انجینئر بلائے گئے۔ ایک اور نہر جس کا پانی جبال قرا سے وادی نعمان کی طرف جاتا تھا اسے بھی اس میں شامل کیا۔ یہ مقام عرفات سے ۱۲ کلومیٹر جنوب مشرق میں واقع تھا۔ علاوہ ازیں منیٰ کے جنوب میں صحرا کے مقام پر ایک تالاب بیر زبیدہ نامی تھا جس میں بارش کا پانی جمع کیا جاتا تھا۔ اس سے سات کاریز کے ذریعہ پانی نہر میں لے جایا گیا۔ پھر وہاں سے ایک لائن مکہ معظمہ کی طرف اور ایک عرفات میں مسجد نمرہ تک لے جائی گئی۔ اس طرح اس عظیم الشان منصوبہ پر ۱۷,۰۰۰,۰۰۰ دینار خرچ ہوئے۔

اس عظیم الشان کام کی انجام دہی سے فراغت کے بعد منتظم اور نگران حضرات نے اخراجات کی تفصیلات تحریری طور پر ملکہ کی خدمت میں پیش کی جب کہ

Marfat.com

ملکہ درائے دجلہ کے کنارے واقع اپنے محل میں تھیں۔ انہوں نے وہ تمام کاغذات دریا برد کر دیئے اور فرمایا کہ میں یہ حساب قیامت کے دن پر چھوڑتی ہوں۔ میں نے یہ کام محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کیا ہے۔ مجھے حساب سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ (اعلام الاعلام ص ۳۳۵)

ساتویں صدی ہجری کے آخر میں اس تالاب کو نقصان پہنچا اور نہر کی دیواریں بھی ٹوٹ گئیں جس کی وجہ سے پانی کی سپلائی بند ہو گئی۔ شہر کے لوگ سخت پریشانی کا شکار ہو گئے۔ خصوصاً حج کے موقع پر پانی کی قلت انتہا کو پہنچ گئی اور دس درہم میں ایک مشکیزہ فروخت ہونے لگا جب کہ حج سے پہلے چھ سات درہم میں مل جاتا تھا۔ اسی زمانہ میں تاتاریوں کے بادشاہ سلطان ابی سعید بن خربندہ یا خدابندہ کے نائب سلطنت امیر جوبان عراق کو شوق ہوا کہ مکہ مکرمہ میں کوئی ایسا کام کیا جائے جس سے خلق خدا فیض یاب ہوتی رہے۔ چنانچہ اس نے نہر زبیدہ تعمیر کرنے کا تہیہ کر لیا۔ بازان نامی ایک معتمد خاص کو پچاس ہزار دینار دے کر روانہ کیا۔ چار ماہ کی مسلسل جدوجہد کے بعد ۷۲۶ھ میں یہ کام بحسن وخوبی پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔ اس میں یہ جدت بھی کی گئی کہ ۸ر جمادی الثانی ۷۲۵ھ میں صفا مروہ کے درمیان جو کنواں بنایا گیا تھا نہر کا پانی اس میں ڈال دیا گیا۔ پانی میں اس قدر فراوانی تھی کہ لوگوں نے باغات اور سبزیاں لگانا شروع کر دیں۔ اس منصوبہ پر ۱۵۰,۰۰۰ درہم خرچ ہوئے۔

بعد ازاں ۷۲۸ھ میں ملک ناصر بن قلاوون نے ایک برساتی نالہ اس میں ملا دیا۔ ۷۴۳ھ میں مصری حکومت نے منیٰ کے ایک نالہ کا مزید اضافہ کیا۔ ۸۱۸ھ میں اس کی پھر تعمیر ہوئی۔ ۸۲۱ھ میں مصر، شام اور حرمین الشریفین کے قائدین کی مشترکہ جدوجہد سے اس کی تعمیر ومرمت کا کام کیا گیا لیکن اسی سال موسم حج میں پھر پانی کی قلت ہو گئی۔ چنانچہ ۸۲۲ھ میں اسے گہرا کیا گیا اور ۸۲۵ھ میں خواجہ بیرم نے اس کی اصلاح کرائی۔ ۸۷۵ھ میں ملک قایتبائی نے اس کی تعمیر

Marfat.com

کرائی۔ جس کے بعد عرصہ دراز تک حجاج اور اہل مکہ پانی کی نعمت سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ مگر جب حکام وقت نے اس کی طرف سے توجہ ہٹا کر داخلی امور کی بجائے خارجی معاملات پر مرکوز کر دی تو پھر نہر کی حالت خستہ وشکستہ ہوگئی۔ جس کے باعث ۹۳۰ھ سے ۹۷۰ھ تک پانی بند رہا۔ اور لوگ ایک مرتبہ پھر شدائد ومشکلات کا شکار ہوگئے۔ پانی کی قلت ایسی سنگین صورت اختیار کر گئی جو بیان سے باہر ہے۔ تین لیٹر کا ایک مشکیزہ ایک پونڈ سرخ میں فروخت ہونے لگا۔

چونکہ معظمہ کے باشندے اس سے براہ راست متاثر تھے اس لئے انہوں نے ۹۶۹ھ میں سلطان سلیمان خان سے نہر کی اصلاح ومرمت کا پے در پے مطالبہ کیا۔ تاکہ اس ناگہانی آفت سے نجات مل جائے۔ سلطان موصوف کی عالی مرتبت زوجہ محترمہ مسماۃ مہرماہ نے اس خدمت جلیلہ کو سرانجام دینے کے لئے سلطان سے اجازت طلب کی تاکہ اس کار خیر کے ذریعہ باشندگان مکہ کی خدمت کا شرف حاصل ہو سکے۔ ملکہ معظمہ نے اپنے ذاتی مال میں سے زر کثیر دے کر اپنے ایک قابل اعتماد آدمی کو یہ کام انجام دینے کے لئے مکہ مکرمہ روانہ کر دیا۔ اس دانشور آدمی نے مکہ پہنچ کر اکابرین ومعززین کی ایک کمیٹی تشکیل دی اور ان کے مشورہ اور رہنمائی کے مطابق کام شروع کرا دیا۔ چنانچہ نہر کھودنے' ٹوٹی ہوئی شاخوں کی مرمت کرانے اور اس کی برانچوں کی صفائی کا کام پورے زور وشور سے شروع ہو گیا۔

جب عین حنین سے نہر زبیدہ تک اصلاح ومرمت کا کام پورا ہو گیا تو منتظمہ کمیٹی اس بات پر غور کرنے لگی کہ نہر زبیدہ وشہر کی سطح سے نشیب میں واقع ہے' کیوں نہ اسے کسی بلند جگہ تعمیر کیا جائے تاکہ پانی کی سپلائی میں سہولت ہو۔ اگرچہ ۲۵ میٹر بلند پہاڑی پر اس کام کو انجام دینا بے حد دشوار تھا' لیکن ان کی عالی ہمتی اور عزم مصمم کے سامنے پہاڑ بھی موم بن گیا اور کئی پہاڑوں کو کاٹ کر ۹۷۹ھ میں اس نہر کو شہر تک پہنچا کر اپنے مشن کو مکمل کر دیا۔ اس نئی تعمیر میں نہر کو ۱/۲ ۱ میٹر چوڑا اور

Marfat.com

۲/۱ میٹر اونچا کر دیا گیا۔ (دائرۃ المعارف جلد ۹ ص ۳۵۰ تا ۳۵۲)

مؤرخ شہیر طاہر کردی لکھتے ہیں کہ سلطنت سلیمانیہ کے سلطان سلیمان خان کے ایوانوں تک صورت حال کی سنگینی کی صدا پہنچائی گئی۔ چنانچہ حکومت کی طرف سے عبدالباقی بن علی المعربی قاضی مکہ اور خیر الدین مجلد ار امیر جدہ کو نہروں کی تجدید و تعمیر کا فرمان جاری کیا۔ انہوں نے بڑی محنت اور جدوجہد سے اوجر سے نعمان اور پھر مکہ مکرمہ تک پینتالیس ہزار (۴۵۰۰۰) ذراع یعنی بائیس ہزار پانچ گز تک نہر کی تجدید و تعمیر کرائی اور باقی حصہ کی مرمت اور صفائی کی خدمت انجام دی۔ س کام پر تیس ہزار دینار خرچ آئے۔

۹۶۹ھ میں بیگم سلطان سلیمان نے نہر کی تجدید و تعمیر کے لئے ابراہیم پاشا دفتر دار مصر کو ستر ہزار (۷۰۰۰۰) دینار دے کر مکہ مکرمہ بھیجا۔ موصوف شریف محمد بن ابی نمی صاحب مکہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نہروں کی تعمیر و صفائی کے لئے مشاورت کی۔ چنانچہ پہلے تو ان کنوؤں کی صفائی کرائی گئی جن سے اہالیان مکہ پانی پیتے تھے' پھر نہر نعمان کی صفائی مرمت اور تعمیر کا کام شروع کرایا۔

نہر کی گہرائی اور صفائی کا کام ''اوجر'' کے مقام سے وادی نعمان کا شروع کیا۔ اس کام میں چار سو آدمی مشغول تھے۔ پھر موصوف نے حکومت کو مزید آدمی' کاریگر اور دیگر سامان مثل لوہا' پیتل' اساس وغیرہ بھیجنے کو لکھا۔ جب مزید کمک پہنچ گئی تو مختلف حصے مختلف جماعتوں میں تقسیم کر دیئے گئے۔ جو کھدائی اور صفائی کا کام کرنے لگے۔ چنانچہ جب منیٰ کے راستہ میں واقع ''بیر زبیدہ'' تک کام مکمل کر لیا گیا تو اس سے آگے نہ تو نہر کے نشانات مل سکے اور نہ ہی کوئی نالہ یا چشمہ معلوم ہو سکا جو شہر کے اندر جاتا ہو۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ملکہ زبیدہ اسی کنویں تک نہر پہنچا سکی تھیں۔ اس لئے آگے بہت سخت پتھر واقع تھا۔ جسے توڑنے کے لئے آلات مفقود تھے' بالآخر عاجز ہو کر کام ختم کر دیا تھا۔

Marfat.com

نہر مکہ میں پہنچانے کا اہتمام

وہ سخت ترین پہاڑ پانچ سو گز طویل اڑھائی گز عریض اور پچیس گز گہرا کھود کر مکہ مکرمہ نہر پہنچانا ناممکن تھا اور زیر زمین سرنگ بنانا بھی ممکن نہ تھا۔ اب اس جاں گداز کام کو انجام دینا بھی جان لیوا تھا اور چھوڑ دینا مملکت کی بدنامی اور ناکامی کا موجب تھا۔

طویل غور و خوض کے بعد طے پایا کہ پہاڑ پر بہت زیادہ آگ جلائی جائے' رات بھر آگ جلانے سے پتھر کچھ نرم ہو جائے گا۔ چنانچہ اس طرح بار بار آگ جلا کر پتھر نرم کیا جاتا' اور تھوڑا تھوڑا کھودا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ مکہ مکرمہ کے جنگلات درختوں سے خالی ہو گئے۔ جس کی وجہ سے دور دراز علاقوں سے لکڑی لائی جانے لگی۔ اور کام کرنے والوں کے حوصلے پست ہونے لگے۔ اور پانچ لاکھ دینار خرچ ہو چکے تھے۔

اسی اثناء میں ۹۷۴ھ میں ابراہیم پاشا مذکور کی رحلت کا سانحہ پیش آیا۔ ان کی جگہ امیر قاسم بک کو مامور کیا گیا۔ اور ادھر سلطان سلیمان خان کے انتقال پر ملال کے باعث سلطان سلیم خان کو تفویض ہو چکی تھی۔ سلطان موصوف نے محمد بک دفتر دار کو اس خدمت پر تعینات کیا لیکن ۹۷۶ھ میں ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ پھر یہ خدمت امیر قاسم بک مذکور کے سپرد کی گئی۔ انہوں نے شیخ الاسلام قاضی القضاۃ و ناظر مسجد الحرام قاضی حسین الحسینی کے ساتھ مل کر کام آگے بڑھایا۔ دس سال کی مسلسل جدوجہد اور جاں گداز محنت و کاوش کے بعد ۲۰ ذیقعدہ ۹۷۹ھ کو مکہ معظمہ شہر میں نہر پہنچانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس عظیم الشان کام کی تکمیل پر بے حد خوشی منائی گئی' سینکڑوں بھیڑ بکریاں اور اونٹ ذبح کر کے غربا اور مساکین کو کھانا کھلایا گیا۔ جب یہ ایمان افروز خبر ملکہ عالیہ کو سنائی گئی تو انہوں نے ناقابل فراموش کارگزار پر بے حد انعامات و کرامات سے نوازا۔

Marfat.com

علامہ استجاری نے "منائح الکرم" میں لکھا ہے کہ اس کام پر پانچ لاکھ سات ہزار (۵۰۷۰۰۰) دینار خرچ آیا (جو تقریباً ایک کروڑ ایک لاکھ چالیس ہزار روپیہ ہوتے ہیں)۔

اس کے بعد سلطان سلیم خان نے "ابطح" سے "مسفلہ" تک ایک علیحدہ نہر کھودنے کا کام امیر احمد بک کو سونپا۔ موصوف قاضی الحسینی کے ساتھ مل کر کام کا انتظام کیا "اسدعا" سے کام کا آغاز کیا' مروہ کے قریب سے گزرتے ہوئے "سویقہ" اور پھر سوق صغیر میں پہنچ کر کام مکمل کر لیا۔ "ابطح" کے مقام پر عالی شان قبہ بنایا' پانی پینے کے لئے ٹونٹیاں لگائیں' مسجد تعمیر کرائی' ایک سبیل اور حوض بنوایا۔ حوض جانوروں کو پانی پلانے کے لئے بنوایا۔ "معلاۃ" کے آخر میں بھی مسجد اور سبیل بنوائی اور وضو کے لئے ٹونٹیاں لگائیں۔

۹۸۲ھ میں سلطان مراد خان کے وزیر محمد پاشا نے مکہ مکرمہ کے کنویں اور نہر کی صفائی کرائی' اور عرفات سے مکہ مکرمہ تک نہر کی صفائی و مرمت کرائی۔

۱۰۲۵ھ میں سلطان احمد خان کے حکم سے حسن پاشا نے تعمیر' مرمت اور صفائی کا کام کرایا۔

۱۰۶۶ھ میں نہر خشک ہو جانے پر لوگوں کو پانی کی شدید قلت کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ محمد بک صاحب جدہ نے تعمیر مرمت اور صفائی کرائی اور پانی جاری ہو گیا۔

۱۰۸۴ھ میں نہر کی مرمت کا کام محمد جاوش نے کرایا۔ جہاں کہیں سوراخ ہو گئے تھے انہیں بند کرایا۔ مرمت کرنے کے دوران پانی بند رہا۔

۱۰۹۱ھ میں سلطان محمد خان مکہ مکرمہ تشریف لائے تو نہر کی صفائی' مرمت اور تعمیر کا حکم صادر فرمایا۔ چنانچہ شگاف وغیرہ بند کر کے نہر کو گہرا کیا گیا۔ اور سیلاب کی وجہ سے نہر کو شدید نقصان پہنچتا تھا۔ لہٰذا مکہ مکرمہ اور مصر کے انجینئر اس بات پر متفق ہوئے کہ وادی نعمان میں بند باندھ کر سیلاب کی روک تھام کی جائے' سلطان

Marfat.com

موصوف کے حکم سے بند تعمیر کرا دیا گیا اور نہر محفوظ ہو گئی۔

۱۱۰۴ھ میں نہر کی دیوار ٹوٹ گئی جس کی لمبائی پندرہ گز تھی۔ اس کی اطلاع مولانا شریف سعد کو ہوئی' تو انہوں نے نہر کی مرمت کے لئے انجینئر بھیجے' نہوں نے عارضی طور پر لکڑی کی نہر بنا کر پانی جاری رکھنے کا فیصلہ اور ٹوٹی ہوئی دیوار کو مرمت کرنے کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ وزیر عثمان حیدان نے تعمیر و مرمت کے لئے درکار تمام میٹریل مہیا کر دیا جس سے مکہ مکرمہ میں تختے تیار کر کے نہر سی بنائی گئی۔ جسے مطلوبہ جگہ نصب کر کے نہر مضبوطی سے مرمت کر دی گئی۔

۱۱۲۴ھ شوال المکرم ۱۱۲۳ھ میں سلطان احمد خان کی جانب سے محمد بک بن حسین پاشا کو نہر زبیدہ کی تعمیر و مرمت کے لئے مکہ معظمہ بھیجا گیا۔ جس نے مکہ معظمہ کے مشائخ' معززین اور مہندسین حضرات سے تبادلہ خیالات کیا اور پھر سب حضرات عرفات تشریف لے گئے' ساری نہر کا بغور معائنہ کیا' سامان اور اخراجات کا تخمینہ لگایا اور تفصیلات سے سلطان موصوف کو آگاہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور یہ بھی طے پایا کہ حج کا موسم قریب ہے لہٰذا مناسک حج کی ادائیگی کے بعد کام شروع کیا جائے۔ چنانچہ ایک لاکھ اشرفی اور دیگر تمام ساز و سامان اور انجینئر وغیرہ مصر سے پہنچ جانے پر نہر انتہائی مضبوطی اور خوبصورتی سے تعمیر کر دی گئی۔ جہاں کہیں مرمت کی ضرورت تھی مرمت کا کام کیا گیا۔

۱۲۴۲ھ بارش اور سیلاب کے باعث نہر میں جا بجا شگاف پڑ گئے' جگہ جگہ سے ٹوٹ گئی اور پانی کی ترسیل منقطع ہو گئی تھی۔ اسی دوران وزیر اعظم سید محمد شیروانی پاشا والی حجاز مکہ مکرمہ آیا۔ موصوف کو حالات سے آگاہ کیا گیا' تو اس نے تیس ہزار قریش نہر کی مرمت' تعمیر اور صفائی کے لئے مختص کر دیئے اور کاریگر بھی فراہم کئے' لیکن اچانک وزیر اعظم کا وصال ہو گیا۔ جس کے باعث امیر مکہ کی خدمت میں علماء اور معززین شہر کی جماعت گئی اور نہر کے مصارف کے لئے عوام الناس سے اپیل کی گئی۔ اس وفد میں شیخ عبدالرحمٰن سراج مفتی مکہ' شیخ عبداللہ الشیبی' شیخ عبدالرحمٰن

Marfat.com

جمال، شیخ عبدالقادر خوقیر وغیرہ شامل تھے' امیر موصوف نے اس کار خیر کی اجازت دے دی۔ مذکورہ کمیٹی کا رابطہ سب سے پہلے ہندوستانی تاجروں سے ہوا۔ چنانچہ شیخ احمد فندی نے ایک سو جنی اپنی طرف سے پیش کئے اور دوسرے ہندوستانی تاجروں سے بھی رقم جمع کی۔ جن میں الحاج عبدالواحد المعروف وحدنا میمن اور الحاج عبداللہ عرب میمن شامل ہیں۔

ہندی علماء کی تعمیر

۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۷۸ء مورخ الغازی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں' ۱۲۹۵ھ میں الحاج عبدالواحد المعروف وحدنا اور الحاج عبداللہ عرب اور ان کے دیگر ہندی رفقاء نے اس کار خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ امیر مکہ شریف حسین پاشا سے اس کام کی اجازت حاصل کر لینے کے بعد ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے رئیس مفتی احناف فضیلۃ الشیخ عبدالرحمن سراج اور خازن شیخ عبدالواحد واحدنا ہندی تھے۔ امیر مکہ کی مشاورت سے ممالک اسلامیہ میں وفود اور خطوط بھیجے گئے' خاص کر مصر اور ہندوستان کے مسلمانوں سے پرزور اپیل کی گئی۔ امیر مکہ نے حکومت کی جانب سے سات سو پچاس ریال مجیدی کی پیش کش کی' جب خاطر خواہ رقم جمع ہو گئی تو ہند سے انجینئر اور کاریگر بلائے گئے' اور کام شروع ہوا۔

وادی نعمان سے مکہ مکرمہ تک نہر کی پیمائش کی گئی جو سترہ ہزار میٹر تھی۔ عرفات سے کام شروع کر کے وادی نعمان تک پورا کیا بعد میں مکہ مکرمہ تک کام مکمل کیا گیا۔ نہر کی تعمیر جدید' توسیع اور مرمت جملہ کام نہایت مضبوط اور محکم کئے گئے اور جا بجا مخزن بنائے گئے جن سے ہر ایک آدمی بسہولت پانی پی سکتا تھا۔ اسی طرح شہر کے اندر بھی مخزن بنا دیے گئے۔ اسی طرح نہر حنین کی تعمیر و مرمت کی گئی۔

۱۔ تاریخ القویم ج ۶ ص ۲۵۸، ۲۵۸

علامہ طاہر کردی رحمۃ اللہ علیہ کی نقل کردہ مذکورہ ہندی تاجر اور ان کے مرشد کی کے متعلق دیوبندی مسلک کے مایۂ ناز سپوت مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ تفصیلات قارئین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں۔ جن کے والد گرامی قدر مولانا خیر الدین کی سعی مشکور اور جدوجہد سے یہ عظیم المرتبت کارنامہ انجام دیا گیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد بیان کرتے ہیں: نہر کا طولانی رقبہ بہت وسیع ہے' درمیان میں یا تو ریگستانی سرزمین ہے یا کوہستانی' جبکہ دونوں آب رسانی میں مزاحم ہیں' نیز بدو جنہیں موسم حج میں پانی کے ذریعہ لاکھوں روپیہ کی آمدن ہوتی ہے' ہمیشہ اس نہر کی خرابی کا باعث بنتے رہے ہیں' اس لئے صدیوں سے اس نہر سے انتفاع بہت کم ہوتا ہے۔ سلطنت عثمانیہ نے کئی مرتبہ اس کی اصلاح اور درستگی کی مگر چند سالوں میں اس کے آثار مفقود ہو گئے۔

والد مرحوم مولانا خیر الدین کے قیام مکہ کے زمانہ میں نہر زبیدہ میں پانی خشک ہو گیا۔ جو تھوڑا بہت آتا اس پر شریف مکہ کے آدمی قبضہ کر کے نہایت گراں قیمت فروخت کرتے' دو ریال میں ایک مشک پانی فروخت کرتے تھے۔ ایک سال پانی کی بندش کے باعث ہزاروں حجاج پیاس کی شدت سے جاں بحق ہو گئے تھے۔ یہ منظر والد گرامی قدر نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اس لئے قیام منیٰ میں عزم مصمم کر لیا کہ انشاء اللہ آئندہ سال حج سے پہلے نہر زبیدہ کی تعمیر و مرمت کر کے پانی جاری کرا دوں گا۔ پہلے تو سلطانی نوازشات کے پیش نظر قصر سلطانی کے احباب کی توجہ اس طرف مبذول کرائی' لیکن مصر اور ترکی کی جنگ کے باعث کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ اس لئے انہوں اپنے وسائل سے اس کام کو انجام دینے کا تہیہ کر لیا۔

حضرت موصوف کے مریدین میں سے حاجی عبدالواحد تاجر کلکتہ اور بمبئی میں حاجی واحدنا کے نام سے شہرت رکھتے تھے۔ اور ان کے شریک کار حاجی زکریا تھے' ان کی کلکتہ' بمبئی' رنگون' موریشس' عدن' جدہ اور ینبوع وغیرہ میں بڑی بڑی

Marfat.com

کوٹھیاں تھیں اور بہت امیر کبیر تھے۔ مولانا نے اپنی دونوں سے ابتداء فرمائی' اس عظیم الشان کام کے لئے ان دونوں نے دو لاکھ کی پہلی گراں قدر رقم پیش کر دی۔ اسی سال والی رام پور نواب کلب علی خان اور عبدالغنی خان نواب ڈھاکہ بھی حج کے موقع پر مکہ مکرمہ موجود تھے۔ انہیں بھی اس کار خیر میں حصہ لینے کی اپیل کی گئی۔ چنانچہ نواب کلب علی خان نے پانچ لاکھ روپیہ اور نواب عبدالغنی خان نے ایک لاکھ روپیہ پیش کیا۔

مولانا خیر الدینؒ نے چند دنوں میں یہ خطیر رقم فراہم کر لی۔ تو انہیں خیال ہوا کہ یہ کام کمیٹی کے سپرد ہونا چاہئے تاکہ رقم کے ضائع ہونے کا امکان نہ رہے۔ آپ نے سات رکنی کمیٹی بنا کر اس کے سپرد رقم اور کام کر دیا۔ اردو اور عربی زبان میں اپیلیں لکھ کر مصر اور ہند کے صاحب ثروت حضرات کی طرف ارسال کیں۔ حاجی عبدالواحد کو چندہ وصول کرنے کے لئے ہند بھیجا' نیز ہندوستان کے اچھے انجینئر منتخب کر کے لائیں۔ چھ ماہ کے قلیل عرصہ میں مصارف اور انجینئرز کا معقول بندوبست ہو گیا۔ آٹھ انجینئر جدہ پہنچے' جن میں سے تین یورپین جدہ ہی میں مقیم رہے' اور پانچ مسلمان مکہ مکرمہ میں قیام پذیر ہوئے' اس موقع پر ترکی حکام کو بھی کام کی اہمیت کا احساس ہوا' اور دو ترک انجینئر مصر سے طلب کر لئے گئے۔

ہندوستانی مسلمانوں نے بڑی فراخ دلی سے چندہ پیش کیا' مصر سے بھی ایک معقول رقم فراہم ہو گئی تھی اور حکومت نے بھی حصہ لیا' اس طرح مجموعی رقم انیس لاکھ روپیہ جمع ہو گیا تھا۔ انگریز انجینئر کی وجہ سے صدر دفتر جدہ میں اور اس کی شاخ مکہ مکرمہ میں قائم کی گئی۔ سب سے پہلے پوری نہر کا معائنہ کیا گیا' پھر اس کی پیمائش ہوئی اور اصول ہندسہ کے مطابق نقشہ مرتب کیا گیا۔

طے پایا کہ پہلے نہر کی زیریں تہہ کو پختہ اور سنگی فرش کر دیا جائے' کیونکہ رفتار آب میں زیادہ تر مانع ریگ ہی ہوتی ہے جب سات آٹھ لاکھ روپیہ خرچ ہو چکا تو شریف کی حکومت نے مزید روپیہ دینے میں پس و پیش شروع کر دیا۔ مجبورا

Marfat.com

کام کی نوعیت تبدیل کر کے مکمل کیا گیا اور شریف مکہ کی انتظامیہ یہ خطیر رقم ہضم نہ کر جاتی تو نہر اس قدر مضبوطی سے تعمیر ہوتی کہ صدیوں تک پھر ضرورت پیش نہ آتی' تاہم تیس سال تک دوبارہ تعمیر و مرمت نہیں ہوئی۔ ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء میں سلطنت عثمانیہ کو مرمت کرنا پڑی۔

مولانا خیر الدین کو اس بات کا سخت صدمہ ہوا کہ مسلمانوں کی فراہم کردہ رقم اگر کمیٹی کے سپرد نہ کرتا تو شریف مکہ کے اہل کاروں کے پیٹ میں نہ جاتی۔

کام کی تکمیل پر حکومت کی طرف مولانا خیر الدین کی خدمات کا اعتراف میں تمغۂ مجیدی درجہ اول ملا اور ان کی سفارش سے حاجی عبدالواحد اور حاجی زکریا کو درجہ دوم کے تمغے دیے گئے۔

۱۳۲۳ھ میں پانی کی شدید قلت پیدا ہوگئی' امیر مکہ شریف علی پاشا نے سلطنت عثمانیہ کو آگاہ کیا اور اپنے طور پر دس ہزار جنیہ جمع کئے اور حکومت کی جانب سے چھتیس ہزار جنیہ کی امداد وصول ہوئی۔ اور نشات بک اور توفیق بک وغیرہ انجینئر بھی حکومت نے بھیج دیئے' جنہوں نے وادی نعمان میں نہر کے منبع سے کام شروع کیا اور مکہ مکرمہ تک جہاں کہیں تعمیر یا مرمت کی ضرورت تھی عمدگی کے ساتھ کام کیا اور پانی جاری ہوگیا۔ (ابوالکلام کی کہانی ۱۱۲ تا ۱۱۶)

۱۳۲۶ھ میں نہر کے منبع اور دیگر مقامات پر مرمت کا کام کیا گیا' یہ کام شریف حسین بن علی ملک الحجاز کے حکم پر انجام دیا گیا۔

۱۳۲۸ھ میں سیلاب کی تباہ کاریوں سے نہر زبیدہ بھی بری طرح متاثر ہوئی۔ جابجا شگاف پڑ گئے اور جگہ جگہ سے ٹوٹ گئی۔ اور پانی بند ہوگیا۔ شبانہ روز کی محنت شاقہ سے نہر کی صفائی اور مرمت کی گئی اور پانی جاری ہوگیا۔

۱۳۳۰ھ میں محرم الحرام میں پھر سیلاب آیا جس سے نہر تباہ ہوگئی' جسے امیر مکہ نے صاف کرایا اور مرمت کرائی۔

Marfat.com

۱۳۳۵ھ میں سعودی عہد حکومت میں پہلی مرتبہ نہر کی مرمت اور صفائی کا کام کرایا گیا۔ جہاں سیلاب کی گزرگاہ تھی وہاں چونے سے پتھر لگائے گئے تاکہ سیلاب میں محفوظ رہیں۔ ۱۳۴۴ھ میں شاہ عبدالعزیز بن عبدالرحمن السعود نے نہر کی تعمیر و مرمت پر بہت بڑی رقم خرچ کر کے پانی جاری کرایا اور ضروریات پوری ہونے لگیں۔ (تاریخ القویم ج ۶ ص ۸۷)

Marfat.com

مکہ شریف میں سیلابوں کا تفصیلی تذکرہ

اس شہر خوباں میں نہ تو کوئی دریا ہے اور نہ ہی ندی نالہ۔ مگر اس کے باوجود نہ صرف شہر بلکہ اللہ کے مقدس گھر کو بھی متعدد بار سیلاب سے ناقابل تلافی نقصان پہنچتا رہا۔ اگرچہ یہ بات قارئین کے لئے حیران کن ہے کہ "مکہ" جہاں نہ دریا' نہ ندی نالہ اور نہ ہی بارشوں کی کثرت ہے وہاں سیلاب کیسے اور کہاں سے آجاتا ہے۔ لیکن مندرجہ ذیل تفصیلات سے واضح ہے کہ اگر طائف وغیرہ کے پہاڑوں پر بارش ہو جائے تو وہ بھی سیلاب کی شکل اختیار کر کے مکہ شریف میں تباہی مچا دیتی ہے۔

نمبر شمار	سنہ ہجری	تفصیلات
۱	زمانہ جاہلیت	ایک مرتبہ جرہم کے زمانہ میں ایسا تباہ کن سیلاب آیا جس سے کعبہ شریف منہدم ہو گیا۔ چنانچہ اسی وجہ سے جرہم کو نئے سرے سے تعمیر کرنا پڑی۔
۲	//	خزاعہ کے زمانہ میں بھی زبردست سیلاب آیا جس میں فارۃ نامی ایک عورت ڈوب گئی تھی۔ اسی وجہ سے وہ سیلاب فارہ کے نام سے مشہور ہوا۔
۳	//	علامہ ازرقی رحمۃ اللہ علیہ نے زمانہ جاہلیت کے ایک اور سیلاب کا ذکر کیا ہے مگر اس کی تفصیلات بیان نہیں کیں۔
٤	۱۷ھ	ظہور اسلام کے بعد پہلا تباہ کن سیلاب ۱۷ھ میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور میں آیا تھا جو "ام نہشل" کے نام سے مشہور ہوا۔ کیونکہ اس میں ایک عورت ام نہشل

Marfat.com

		بنت عبیدہ بن سعید بن العاص بن اُمیہ ڈوب گئی تھی۔ اس سیلاب میں مقام ابراہیم بھی بہہ گیا تھا جو بڑی تلاش و جستجو کے بعد محلہ مسفلہ سے دستیاب ہوا تھا۔ اس واقعہ کی پوری تفصیلات اس کتاب کی دوسری جلد ''حجر اسود'' کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیے۔ (اخبار مکہ ص ۱۷۵-۲۔ اعلام الاعلام ص ۷۶)
۵	۸۰ھ	خلیفہ عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں ۸ رذی الحجہ کی صبح کے وقت زبردست سیلاب آیا اور حرم شریف میں بھی داخل ہو گیا۔ بہت سے مکانات زمین بوس ہو گئے جن کے نیچے دب کر کئی آدمی جاں بحق ہوئے۔ اکثر لوگوں نے پہاڑوں پر چڑھ کر جان بچائی جب کہ کچھ لوگ منیٰ جا چکے تھے۔
٦	۸۸ھ	عرصہ تک بارش نہ ہونے کی وجہ سے سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تنعیم میں نماز استسقاء پڑھائی جس کے بعد موسلا دھار بارش ہوئی اور قیامت خیز سیلاب بھی آیا۔ (شفاء الغرام عنوان سیلاب مکہ) امام طبریؒ نے اس کی تباہ کاری کو قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔ اس سال ایسا خوفناک سیلاب آیا کہ شہر میں جس قدر حجاج اور مقامی آدمی تھے سب کو بہا کر لے گیا۔ جہاں تک اس کی رسائی ہوئی نہ تو کوئی مکان سلامت رہا اور نہ ہی کوئی دوسری چیز بچ سکی۔ سب کچھ سیلاب کی نذر ہو گیا۔ اسی وجہ سے اس سال کا نام ''عام الجحاف'' مشہور ہو گیا تھا۔ الجحاف کے معنی بہا لے جانے کے ہیں۔ ایک

Marfat.com

		عینی شاہد کا بیان ہے کہ سیلاب اتنا شدید تھا کہ اونٹ بمعہ سامان اور سواریوں کو بہا کر لے گیا۔ کئی اونٹوں پر مرد، عورتیں اور سامان بہتے ہوئے دیکھا گیا۔ حرم میں حجر اسود تک پانی بلند ہو گیا تھا اور پورا حرم جھیل نما نظر آتا تھا۔ (طبری واقعات ۸۰ھ)
۷	۸۴ھ	اس سیلاب کے بعد ایک مرض پھیل گئی تھی اسی نسبت سے اس کا نام سیلاب تحیل مشہور ہوا۔●
۸	۱۲۰ھ	خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں یہ سیلاب آیا تھا۔ ۱۱۹ھ میں ابی شاکر نے حج ادا کیا تھا اور اسی کے نام سے یہ سیلاب مشہور ہوا۔●
۹	۲۰۲ھ	خلیفہ مامون الرشید کے دور میں جب یزید بن محمد بن حنظلہ مکہ کا گورنر تھا، یہ سیلاب آیا اور گورنر موصوف کے نام سے مشہور ہوا۔ اس میں بہت سے لوگ جاں بحق ہوئے اور بعد میں کئی امراض پیدا ہو گئے تھے۔
۱۰	۲۰۸ھ	یہ سیلاب بھی مامون ہی کے زمانہ میں آیا تھا، مگر پہلے سیلاب سے کم درجہ کا تھا۔ یہ اس قدر اچانک آیا کہ لوگوں کو خبر تک نہ ہو سکی۔ حرم مٹی، کیچڑ اور پتھروں سے بھر گیا جسے شہر کے لوگوں، حجاج اور عورتوں وغیرہ نے اپنے ہاتھوں سے صاف کیا۔
۱۱	۲۲۵ھ	اس سال چاہ زمزم میں پانی اس قدر زیادہ ہو گیا کہ کنوئیں سے نکل کر حرم میں پھیل گیا اور سیلاب کی صورت اختیار کر لی تھی۔

● تاریخ القوام جلد ۲ عنوان سیلاب مکہ ● تاریخ القوام جلد ۲ عنوان سیلاب مکہ

Marfat.com

۱۲	۲۳۰ھ	اس سیلاب میں بہت سے مکان مسمار ہو گئے اور منی میں مسجد خیف کو بھی نقصان پہنچا۔❶
۱۳	۲۵۳ھ	اس سیلاب کا پانی حرم شریف میں داخل ہو کر حجر اسود کے قریب تک پہنچ گیا تھا نشیبی علاقہ کے اکثر مکان منہدم ہو گئے۔ لوگوں کا بہت سا مال و متاع پانی میں بہہ گیا اور حرم شریف مٹی اور کیچڑ سے بھر گیا تھا۔❷
۱٤	۲۶۲ھ	اس سیلاب میں حرم شریف کی تمام کنکریاں پانی میں بہہ گئیں۔ اس کی بلندی حجر اسود کے قریب تک تھی اور تھوڑی دور تک مقام ابراہیم کو بھی بہا کر لے گیا تھا۔❸
۱۵	۲۷۹ھ	اس سیلاب میں سارا حرم شریف پانی سے بھر گیا جو کعبہ شریف کے دروازہ تک پہنچ گیا تھا اور چاہ زمزم بھی بھر گیا تھا۔ (شفاء الغرام)
۱٦	۳۱۷ھ	اس سیلاب سے حرم شریف کا کتب خانہ بھی خراب ہوا اور بہت سی کتابیں تلف ہو گئیں۔
۱۷	۳۸۹ھ	یہ سیلاب وادی النخلہ تک پہنچ گیا تھا جس کے باعث بہت سے لوگ مر گئے اور مال و متاع کا نقصان بھی ہوا۔
۱۸	۵۲۸ھ	سات دن تک مسلسل بارش جاری رہی۔ جس کے باعث بہت سے مکانات منہدم ہو گئے۔ اور لوگوں کا مالی نقصان بہت زیادہ ہوا۔❹
۱۹	۵۴۹ھ	بارش اور سیلاب سے اہل مکہ کو جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا۔

❶ تاریخ القویم جلد ۲ سیلاب مکہ ❷ شفاء الغرام عنوان سیلاب مکہ

❸ شفاء الغرام ❹ تاریخ القویم جلد ۲ عنوان سیلاب مکہ

۲۰		بارش اور شدید اولے برسے' وادی ابراہیم لبریز ہوگئی اور اولے انڈے کے برابر موٹے تھے۔
۲۱	۵۶۹ھ	شدید بارش کے باعث باب بنی شیبہ سے حرم شریف میں بھی پانی داخل ہوگیا جو دارالامارات تک پہنچ گیا۔
۲۲	۵۷۰ھ	اس سال بہت زیادہ بارشیں ہوئیں اور وادی ابراہیم میں پانچ مرتبہ سیلاب آیا۔ (تاریخ القویم جلد ۲ عنوان سیلاب مکہ)
۲۳		۸ر صفر پیر کے دن سخت طغیانی آئی اور باب ابراہیم کے دروازے کا کچھ حصہ پانی کی نذر ہوگیا۔ منبر شریف اور کعبہ شریف کی سیڑھی بھی پانی میں بہہ گئی۔ سیلاب اس قدر شدید تھا کہ حرم شریف میں لگی ہوئی قندیلوں تک پہنچ گیا۔ بہت سے مکانات بھی منہدم ہوگئے۔ (شفاء، الغرام)
۲۴	۶۲۰ھ	سیلاب کا پانی کعبہ شریف میں داخل ہوگیا جس کے باعث کعبہ شریف منہدم ہونے کا خدشہ پیدا ہوگیا مگر اللہ تعالیٰ نے اسے محفوظ فرمالیا۔ بہت سے لوگ ڈوب کر مر گئے اور کئی آدمی مکانات کی چھتوں کے نیچے دب کر مر گئے۔ (تاریخ القویم جلد ۲)
۲۵	۷۵۱ھ	مؤرخین نے اس کی تفصیلات کا ذکر نہیں کیا۔
۲۶	۷۶۹ھ	اس صدی کا شدید ترین سیلاب تھا۔ جمعہ کے دن ۱۴ر شعبان کو شروع ہوا۔ دیکھتے ہی دیکھتے حرم شریف میں داخل ہوگیا اور ۱۵ر شعبان کی رات کے وقت سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ منبر شریف پانی پر تیر رہا تھا۔ غرقابی اور ہلاکت کے خوف سے لوگ حرم شریف میں نماز ادا کرنے بھی نہ آسکے۔ حرم شریف میں نہ اذان

Marfat.com

		ہوئی اور نہ ہی طواف کی کسی کو ہمت ہو سکی۔ البتہ اس قیامت خیز منظر میں بھی ایک اللہ کا نیک بندہ جان پر کھیل کر طواف میں مصروف رہا' لوگ اس کی جرأت' شجاعت اور مردانگی پر داد و تحسین پیش کر رہے تھے۔ (شفاء الغرام)
۲۷	۷۳۰ھ	مکہ مکرمہ میں بارش نہ ہونے کے باوجود ندی نالوں میں سیلاب آ گیا۔ اور دو دن تک حرم شریف میں پانی کھڑا رہا۔ (تاریخ التقویم جلد ۲)
۲۸	۷۳۲ھ	ذی الحجہ کے آخری ایام میں سخت بارش ہوئی اور آسمانی بجلیاں بھی گریں۔ جبل ابی قبیس پر بجلی گرنے سے بہت سے آدمی لقمہ اجل بن گئے۔ منیٰ میں مسجد خیف پر بھی بجلی گری جس سے کچھ آدمی جاں بحق ہو گئے۔ اسی طرح جعرانہ میں بجلی گرنے سے دو آدمیوں کی موت واقع ہوئی۔ اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ بجلی گرنے کے حادثات ہو چکے تھے۔ ۱۵۴ھ میں بھی حرم شریف میں بجلی گرنے سے چند مؤذن موت کا لقمہ بن گئے تھے۔ (شفاء الغرام)
۲۹	۷۳۸ھ	۱۰ / جمادی الثانی بروز جمعرات زبردست سیلاب آیا اور پانی حرم شریف میں داخل ہو کر کعبہ شریف کے اندر بھی ایک ایک بالشت تک چڑھ گیا۔ حرم میں بلند و بالا قندیلوں تک پہنچ گیا تھا۔ منبر اور کعبہ شریف کی سیڑھی خس و خاشاک کی طرح پانی میں تیر رہے تھے۔ حرم شریف کا کتب خانہ بھی متاثر ہوا۔ حرم شریف کیچڑ سے بھر گیا جسے مسلسل کئی دن تک نکالا جاتا رہا۔ ایک دوسری روایت میں اس سیلاب کی تفصیلات اس طرح مذکور ہیں۔ سیلاب

Marfat.com

		حرم کے تمام دروازوں سے داخل ہوا۔ اس کی شدت کے باعث باب بنی شیبہ اور باب ابراہیم کے علاوہ بہت سے ستونوں کے گرد تقریباً گیارہ فٹ گہرے گڑھے بن گئے تھے اگر ان کی بنیادیں مضبوط اور گہری نہ ہوتیں تو یقیناً سیلاب انہیں بہا کر لے جاتا۔ حرم محترم کے اکثر دروازے گر گئے۔ کعبہ شریف کے چاروں طرف چھ فٹ کے قریب پانی بلند تھا اور دہلیز کے اوپر سے پانی اندر داخل ہوا اور تقریباً ڈیڑھ فٹ پانی اندر جمع ہو گیا۔ مطاف میں بلند و بالا کھمبوں پر نصب قندیلوں کی چمنیوں سے پانی اس میں بھر گیا۔ بہت سے مرد اور عورتیں پانی میں ڈوب گئے۔ کئی مکانات تباہ ہو گئے اور ان کے ملبے میں دب کر بہت سے لوگ ہلاک ہوئے۔ اگر یہ قیامت خیز کیفیت صبح تک جاری رہتی تو یقیناً سارا شہر فناہ ہو جاتا۔ (شفاء الغرام عنوان سیلاب مکہ)
۳۰	۷۵۰ھ	سخت طوفان باد و باراں آیا' بجلیاں گریں اور مطاف میں قندیلوں کے تمام کھمبے زمین بوس ہو گئے۔
۳۱	۷۷۱ھ	سخت بارش اور ژالہ باری کے باعث سیلاب آیا' اولے بہت بڑے بڑے تھے۔ حرم شریف میں پانی داخل ہو کر کعبہ شریف کے تالے تک پہنچ گیا۔ تقریباً ایک ہزار آدمی ہلاک' ایک ہزار مکانات منہدم اور چالیس اونٹ مر گئے تھے۔ (تاریخ القویم جلد ۲' سیلاب مکہ)
۳۲	۸۰۲ھ	۸ر جمادی الاوّل ۸۰۲ھ میں سخت بارش شروع ہوئی جو ۹ر جمادی الاوّل کو اور بھی شدت اختیار کر گئی۔ یہ سیلاب

Marfat.com

		وادیِ ابراہیم کی جانب رواں دواں تھا' لیکن وادیِ جیاد کا پانی بھی اس کے ساتھ شامل ہوا تو یہ ایک بحرِ زخار کی صورت اختیار کر گیا۔ اور حرم شریف میں بھی داخل ہو گیا۔ حرم جھیل کی طرح نظر آتا تھا۔ پانی کی سطح سات فٹ سے بھی بلند تھی۔ کعبہ شریف کی دہلیز سے پانی ڈیڑھ فٹ اونچا ہو گیا تھا۔ جس کے سبب اندر بھی داخل ہو گیا۔ کعبہ شریف کی سیڑھی بہا کر باب براہیم کے قریب جا پہنچی۔ اگر پہاڑ راستہ میں حائل نہ ہوتے تو خدا جانے کہاں تک لے جاتا۔ باب عجلہ کے قریب ستون خستہ حال ہو گئے۔ پورے شہر میں مکانات گرنے سے تباہی مچ گئی۔ بہت سے لوگ ملبے میں دب کر ہلاک ہو گئے۔ بے شمار مال و اسباب برباد ہوا۔ حرم شریف میں رکھے ہوئے قرآن مجید بھی سیلاب کی ستم ظریفی سے نہ بچ سکے۔ خدا خدا کر کے صبح ہوئی تو لوگوں کے کانوں میں اذان کی آواز پڑی لیکن ساتھ ہی اعلان ہوا کہ حرم شریف کیچڑ سے اٹا پڑا ہے' راستے سخت خطرناک ہیں لہٰذا نماز اپنے اپنے گھروں میں ادا کی جائے۔ یہی کیفیت نماز جمعہ تک قائم رہی۔ خطبہ جمعہ منبر پر پڑھنا ممکن نہیں تھا۔ مسجد کے شمالی جانب رکن یمانی کی سمت کچھ آدمی دو روز سے رکے ہوئے تھے اسی جگہ خطبہ پڑھا گیا اور مختصری جماعت سے نماز جمعہ ادا ہوئی۔ (شفاء الغرام۔ سیلاب کعبہ)
۳۳	۸۱۴ھ	ظہر کے وقت سیلاب شروع ہوا اور شہر رجیدہ کا بند بھی ٹوٹ گیا تھا۔

Marfat.com

۳٤	۸۲۵ھ	۲۷/ ذی الحجہ ہفتہ کے دن صبح کی نماز کے بعد اچانک بارش شروع ہوئی اور سیلاب کا پانی حرم میں داخل ہو کر باب کعبہ کی دہلیز تک پہنچ گیا اور کعبہ شریف کی سیڑھی کو باب الحزورہ کے قریب جا پھینکا۔ (شفاء الغرام' سیلاب کعبہ)
۳۵	۸۲۷ھ	۲/ جمادی الاوّل نمازِ عصر کے بعد بارش شروع ہوئی' دوسرے دن مغرب کے بعد اور بھی شدت اختیار کر گئی۔ شمالی دروازوں سے پانی حرم میں داخل ہو کر حجر اسود تک پہنچ گیا۔ حرم شریف میں کوڑا بہت زیادہ جمع ہو گیا۔ بعد میں پانی خشک ہونے پر بڑی مشکل سے صاف کیا گیا۔ (شفاء الغرام' سیلاب کعبہ)
۳٦	۸۳۸ھ	حرم شریف میں پانی داخل ہو کر باب کعبہ کے قریب پہنچ گیا۔ تقریباً ایک ہزار مکانات منہدم ہو گئے۔
۳۷	//	اسی سال دوبارہ سخت سیلاب آیا۔ جس نے حرم میں داخل ہو کر حرم کے چبوترہ کا دروازہ گرا دیا اور آٹھ سو مکانات کو نقصان پہنچایا تھا۔
۳۸	۸٦۵ھ	سیلاب حرم شریف میں داخل ہو کر کعبہ شریف کی دہلیز تک پہنچ گیا۔
۳۹	۸٦۷ھ	موسلا دھار بارش کے بعد شدید طغیانی آئی اور حرم کے شمالی اور مشرقی سب دروازوں سے پانی اندر داخل ہو گیا۔ جس میں کعبہ شریف کا دروازہ بھی دو فٹ تک ڈوب گیا۔
٤۰	۸۷۱ھ	اس مرتبہ بھی سیلاب نے خوب تباہی مچائی۔ حرم شریف' کعبہ شریف اور چاوز حرم میں پانی بھر گیا۔

Marfat.com

٤١	٨٨٠ھ	اس سیلاب کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جاہلیت اور اسلام کی تاریخ میں سب سے بڑا سیلاب تھا صرف حرم شریف کے اندر ۱۸۰ آدمی ڈوب کر جاں بحق ہوئے دیگر تباہی اس کے علاوہ تھی۔
٤٢	٨٨٣ھ	۱۵ر اور ۲۳ر رمضان کو سخت بارش کے بعد دو مرتبہ سیلاب آیا۔
٤٣	٨٨٧ھ	۴ر ذیقعدہ کو انتہائی شدید بارش ہوئی اور اس کے بعد سیلاب آ گیا جس میں لاتعداد انسان ہلاک اور بے شمار مکانات تہس نہس ہو گئے۔
٤٤	٨٨٨ھ	سیلاب سے بہت نقصان ہوا۔
٤٥	٨٩٥ھ	سیلاب حرم میں داخل ہو گیا اور حجر اسود تک پانی بلند ہو گیا۔ کئی مکانات تباہ ہو گئے۔
٤٦	٨٩٧ھ	شدید بارش کے بعد سیلاب آیا جو حرم میں بھی داخل ہو گیا۔
٤٧	٩٠٠ھ	سیلاب اتنا شدید تھا کہ حرم شریف میں داخل ہو کر حجر اسود تک بلند ہو گیا اور بہت سا مالی نقصان بھی ہوا۔
٤٨	٩٠١ھ	شدید بارش کے بعد سخت سیلاب آیا جو حرم میں داخل ہو کر کعبہ شریف کے تالے تک پہنچ گیا اور حرم کی قندیلیں پانی میں ڈوب گئیں۔
٤٩	٩٢٠ھ	سیلاب حرم میں داخل ہو گیا جس کے باعث مطاف کی قندیلیں ڈوب گئیں' چاہ زمزم بھی بھر گیا اور باب کعبہ تک پانی پہنچ گیا۔
٥٠	٩٣١ھ	زبردست ژالہ باری اور بارش ہوئی' لوگوں نے اولے جمع کر لئے جو کئی دن تک محفوظ رہے۔

Marfat.com

۵۱	۹۷۱ھ	سیلاب اتنا شدید تھا کہ کعبہ شریف کے تالے تک پانی پہنچ گیا اور ایک دن رات تک مطاف میں پانی کھڑا رہا۔
۵۲	۹۸۳ھ	زبردست سیلاب آیا جو حرم شریف میں داخل ہو کر کعبہ شریف کے تالے تک پہنچ گیا۔ ایک دن رات پانی مطاف میں کھڑا رہا' جس کی وجہ سے سات نمازیں جماعت سے ادا نہ ہو سکیں۔ امیر المعظم احمد بیک نے خدام حرم اور دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر مسفلہ کی طرف راستہ بنا کر پانی نکالا۔ بعد میں حرم کو صاف کر کے دھویا اور کعبہ شریف کو بھی اندر سے غسل دیا۔
۵۳	۹۸۳ھ	یہ سیلاب بھی باب کعبہ تک پہنچ گیا تھا۔
۵۴	۹۸۹ھ	منیٰ کے قیام کے دوران شدید بارش کے بعد ہر جانب سے سیلاب آ گیا' جس میں حجاج کا کافی مال و متاع غرقاب ہو گیا تھا۔
۵۵	۱۰۰۹ھ	سخت بارش ہوئی اور زبردست سیلاب آیا۔
۵۶	۱۰۱۹ھ	شدید بارش کے بعد سیلاب آیا اور حرم شریف میں داخل ہو گیا۔
۵۷	۱۰۲۱ھ	بارش کے ساتھ بڑے وزنی اولے پڑے اور سیلاب بھی آیا۔
۵۸	۱۰۲۴ھ	اس سیلاب میں بہت سے مکانات گر گئے۔
۵۹	۱۰۳۳ھ	۷ رجمادی الثانی کو بارش ہوئی اور سخت سیلاب آیا جس کا پانی حجر اسود تک بلند ہو گیا۔
٦۰	۱۰۳۹ھ	مکہ مکرمہ اور گرد و نواح میں بہت زیادہ بارش ہوئی اتنی شدید بارش عرصہ دراز سے نہیں ہوئی تھی جس کے بعد

Marfat.com

		زبردست سیلاب آیا اور پانی حرم شریف میں داخل ہو گیا۔ کعبہ شریف بھی پانی سے بھر گیا۔ پانی کی سطح مطاف کی قندیلوں تک بلند تھی' ایک ہزار کے قریب لوگ ہلاک ہوئے۔ اسی سیلاب میں کعبہ شریف بھی منہدم ہوا جس کی تعمیر سلطان مراد خان نے کرائی (اس کی تفصیل تاریخ مکۃ المکرمہ حصہ دوم میں ملاحظہ فرمایئے)۔
٦١	١٠٥٣ھ	٩ ذی الحجہ یعنی حج کے دن عرفات میں شدید بارش ہوئی اور ندی نالوں میں طغیانی آ گئی۔ حجاج کرام شام کو مزدلفہ نہ جا سکے' حتیٰ کہ رات کے آخری حصہ میں جب پانی میں کمی ہوئی تو بڑی مشکل سے لوگ مزدلفہ پہنچے۔
٦٢	١٠٥٥ھ	سیلاب کا پانی حرم شریف میں داخل ہو گیا اور باب کعبہ سے ڈیڑھ فٹ اونچا تھا۔ اسی طرح چاہ زمزم کا چبوترہ تقریباً چھ فٹ پانی میں ڈوب گیا' البتہ کسی جانی نقصان کی اطلاع نہیں ملی۔
٦٣	١٠٧٣ھ	اس سیلاب کا پانی بھی حرم شریف میں داخل ہو کر باب کعبہ کے نصف سے بھی اونچا ہو گیا تھا۔
٦٤	١٠٨١ھ	یہ سیلاب بھی حرم شریف میں داخل ہوا اور باب کعبہ تک پہنچ گیا۔
٦٥	١٠٩٠ھ	اس سیلاب سے بہت زیادہ مالی نقصان ہوا۔
٦٦	١٠٩١ھ	سیلاب کا پانی حرم شریف میں داخل ہو گیا اور کعبہ شریف نصف تک پانی میں ڈوب گیا۔ کئی اونٹ سامان سمیت سیلاب نے بہا کر حرم شریف میں جا پھینکے۔ سیلاب میں ڈوب جانے کے خوف سے ایک سو پچاس آدمی معلاۃ کی

Marfat.com

		جانب ایک اخروٹ کے درخت پر چڑھ گئے لیکن سیلاب اس قدر شدید تھا کہ وہ درخت بھی جڑوں سے اکھڑ گیا اور بہتا ہوا باب صفا تک جا پہنچا۔ پانچ ہزار حیوان بھی اس میں ہلاک ہوئے۔
٦٧	١١٠٨ھ	شدید بارشوں کے باعث سیلاب کا پانی باب کعبہ کے قریب پہنچ گیا۔
٦٨	١١٥٣ھ	سخت سیلاب آیا جو باب کعبہ تک پہنچ گیا۔
٦٩	١١٥٩ھ	ذی الحجہ کے ایام تشریق میں سخت بارش ہوئی جب کہ حجاج منیٰ میں تھے۔ رات کے آخری حصہ میں بارش ہوئی اور اس قدر سخت اندھیرا تھا کہ پاس والی چیز بھی دکھائی نہیں دیتی تھی۔
٧٠	١٢٠٨ھ	سخت سیلاب آیا اور حرم شریف میں داخل ہو کر کعبہ شریف کے تالے تک پہنچ گیا۔
٧١	١٢٤٢ھ	اس سیلاب سے نہر زبیدہ کو نقصان پہنچا۔
٧٢	١٢٧٨ھ	شدید بارش کے باعث نماز فجر کے وقت اچانک سیلاب آ گیا اور حرم شریف میں داخل ہو گیا جس میں قندیلیں بھی ڈوب گئیں۔ چاہ زمزم بھی بھر گیا اور پانچ وقت کی جماعت بھی حرم شریف میں نہ ہو سکی۔ حرم شریف کے
٧٣	١٢٩٣ھ	اندر اور باہر بہت سے لوگ سیلاب کی نذر ہو گئے۔
٧٤	١٣٢٥ھ	بارش کے بعد سیلاب آیا مگر زیادہ نقصان نہیں ہوا۔
٧٥	١٣٢٧ھ	۲۱ ذی الحجہ کو سخت بارش ہوئی اور مکہ شریف کے چاروں طرف ندی نالے سمندر کی صورت اختیار کر گئے۔ حرم شریف کے تمام دروازوں سے سیلاب اندر داخل ہو گیا۔

Marfat.com

		اونٹ اور کجاوے پانی میں کشتیوں کی طرح تیر رہے تھے۔
۷۵	۱۳۲۷ھ	اس سیلاب کی نسبت عباس حلمی پاشا خدیو جو مصری حاکم تھا اس کی طرف ہے جس کی وجہ سے سیلاب کا نام "سیل خدیو" ہے جب کہ موصوف حج سے فارغ ہو کر مدینہ شریف جا چکا تھا۔ ۲۳؍ ذی الحجہ کو سیلاب آیا اور حرم شریف میں داخل ہو گیا۔ اور تقریباً گیارہ فٹ پانی جمع ہو گیا۔ مطاف میں کیچڑ اور مٹی بہت زیادہ جمع ہو گئی۔ اس سیلاب سے نہر زبیدہ بھی متاثر ہوئی اور شہر میں پانی کی سپلائی بند ہو گئی۔
۷۶	۱۳۲۸ھ	یہ سیلاب وادی نعماں کی جانب سے بڑی تیزی کے ساتھ آیا اور حرم شریف میں داخل ہو گیا۔
۷۷	۱۳۳۰ھ	یہ بھی وادی نعمان کی جانب سے آیا تھا۔
۷۸	۱۳۳۵ھ	اس سال محرم اور شعبان میں دو مرتبہ سیلاب آیا۔
۷۹	۱۳۴۴ھ	یہ سیلاب بھی وادی نعمان کی طرف سے آیا تھا۔
۸۰	۱۳۵۰ھ	ساڑھے تین گھنٹے کی موسلا دھار بارش کے بعد وادی ابراہیم میں سخت سیلاب آیا جو مطاف میں تقریباً پانچ فٹ کی بلندی پر تھا۔ مکانات اور مال، متاع کا بہت زیادہ نقصان ہوا۔
۸۱	۱۳۶۰ھ	ماہ ربیع الاول میں ایک دن صبح کے وقت بارش شروع ہوئی جو سارا دن جاری رہی اور عصر کے بعد اور بھی شدت اختیار کر گئی جس سے سیلاب آ گیا اور حرم شریف میں داخل ہو کر کعبہ شریف کے دروازہ تک پانی چڑھ گیا۔ جو سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ نماز اور طواف سے

Marfat.com

		لوگ محصور ہو گئے۔ حرم شریف اور سڑکیں مٹی کیچڑ اور کوڑا کرکٹ سے بھر گئیں۔
۸۲	۱۳۷۲ھ	اس سال حرم محترم کی توسیع کا کام جاری تھا کہ سخت بارش شروع ہو گئی جس سے سیلاب آ گیا مگر کوئی جانی یا مالی نقصان نہیں ہوا۔
۸۳	۱۳۸۲ھ	بارش کی کثرت سے سیلاب آیا لیکن کوئی نقصان نہیں ہوا۔
۸۴	۱۳۸۳ھ	۵ رشعبان بدھ کے دن عصر کے قریب بارش شروع ہوئی اور مسلسل کئی گھنٹے تک موسلا دھار ہوتی رہی۔ کافی شدید طغیانی بھی آئی مگر کسی قسم کا نقصان نہیں ہوا۔●
۸۵	۱۳۸۸ھ	مولانا محمد داؤد صاحب مدظلہ (ٹیکسلا راولپنڈی) اپنا چشم دید واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ حج سے تقریباً ایک ہفتہ بعد زبردست بارش ہوئی اور سیلاب آ گیا۔ سیلاب کا ریلا اتنا تیز تھا کہ بہت سی کاریں بھی بہا کر لے گیا۔ وہ کاریں پانی کے نکاسی والے نالے میں جا پھنسیں اور پانی رک کر حرم میں داخل ہو گیا۔ جس کے باعث حرم جھیل کی مانند جل تھل نظر آتا تھا۔ مطاف میں پانی کی طرح تقریباً ۴ فٹ بلند تھی۔ زمزم کا کنواں پانی سے لبریز ہو گیا۔ اور قرآن مجید پانی پر تیر رہے تھے۔ بعض لوگوں نے بڑی جرأت سے تیر کر قرآن مجید باہر نکالے۔ جو لوگ حرم شریف میں تھے ان کا باہر نکلنا ناممکن ہو گیا۔ اس کے باوجود طواف کرنے والے ایمانی جرأت کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ وہ اس خوفناک سیلاب میں بھی تیر کر طواف کعبہ

● تاریخ القویم جلد ۲ عنوان سیلاب مکہ

Marfat.com

		میں مصروف تھے۔ جب بارش تھم گئی اور سیلاب کا زور ٹوٹ گیا تو لوگوں نے مطاف اور حرم شریف کو صاف کیا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ زمزم کا کنواں جو غلیظ پانی سے بھر گیا تھا۔ اسے بجلی کی موٹر سے صاف کرنے کی میونسپلٹی کے عملے نے سرتوڑ کوشش کی۔ مگر وہ موٹر چلانے میں بری طرح ناکام رہے' متعدد موٹریں بھی جل گئیں مگر وہ اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ایک پاکستانی انجینئر (جو گوجرانوالہ کا رہنے والا تھا) بڑی دیر سے یہ منظر دیکھتا رہا۔ اس نے بار بار درخواست کی کہ مجھے موٹر چلانے کی اجازت دی جائے۔ میں فوراً آپ کا کام کر دوں گا۔ مگر منتظمین نے ایک نہ سنی۔ جب وہ سخت مجبور ہوئے اور متعدد موٹریں بھی جل گئیں تو انہوں نے بامر مجبوری پاکستانی حاجی کو اجازت دی۔ جس نے فوراً موٹر اسٹارٹ کر دی اور میونسپلٹی کے عملے نے کام شروع کر دیا۔ چونکہ حج کے فوراً بعد سیلاب آیا تھا اور زمزم کا کنواں بھی متاثر ہوا تھا۔ اس لئے اکثر حجاج زمزم کا تحفہ اپنے ساتھ وطن لانے سے محروم رہے۔
۸٦	١٣٨٩ھ	حاجی محمد یوسف صاحب چاہ میراں لاہور اپنا چشم دید واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ۲۲ر جنوری ١٩٦٩ء مطابق ١٣٨٩ھ بدھ کے دن صبح کے وقت تقریباً پون گھنٹہ موسلا دھار بارش ہوئی اور حرم شریف جل تھل ہو گیا۔ مطاف میں قرآن مجید کی الماریاں کشتی کی طرح پانی پر تیر رہی تھیں۔

Marfat.com

سیلاب کی روک تھام کے لئے بند کی تعمیر

جیسا کہ آپ ابھی پڑھ چکے ہیں کہ کعبۃ اللہ اور مکہ شہر بیسیوں مرتبہ سیلاب کی تباہ کاریوں کا نشانہ بنے۔ اگرچہ سیلاب کی روک تھام اور رخ تبدیل کرنے کی کوششیں بھی جاری رہیں مگر وہ دیرپا نہ ثابت ہوسکیں۔ پہلا بند خزاعہ نے تعمیر کیا تھا۔ اور بعد میں کئی مرتبہ بند باندھے گئے۔ خزاعہ کے زمانہ میں ایک مرتبہ شدید سیلاب آیا جس میں ایک مرد اور ایک عورت جاں بحق ہو گئے' مرد کی شناخت تو نہ ہو سکی البتہ عورت کا نام فارہ تھا جو قبیلہ بنو بکر کی تھی۔ اس واقعہ کے بعد عنذ بنت خزاعہ نے کعبہ شریف کی حفاظت کے لئے ایک پشتہ تعمیر کر دیا۔ لیکن شہری آبادی پہاڑوں اور ندی نالوں کے کنارے تھی جس کی حفاظت کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ (تاریخ القویم جلد ۲ ص ۲۰۳)

۱۷ھ میں زبردست سیلاب آیا جو مقام ابراہیم بھی بہا کر لے گیا تھا۔ چنانچہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کعبہ شریف اور شہر کی حفاظت کے لئے "المدعا" یعنی مروہ کے قریب ایک نہایت مضبوط اور محکم بند باندھا۔ اس زمانہ میں منیٰ' جبل حراء اور الحجون کی طرف سے سیلاب آتا اور مدعا سے حرم میں داخل ہو جاتا تھا۔ اس وقت یہ جگہ بہت گہری تھی۔ یہ بند بڑی بڑی چٹانوں' سنگ ریزوں اور مٹی سے اس قدر مضبوط بنایا گیا تھا کہ ۱۸۵ سال تک بالکل صحیح حالت میں قائم رہا۔ بالآخر ۲۰۲ھ میں سیلاب کی نذر ہو گیا۔

اس کا تباہ شدہ منظر دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اتنی بڑی اور وزنی چٹانیں ہم نے کبھی نہیں دیکھیں۔ (اعلام الاعلام ص ۷۶)

جب بند تعمیر ہو گیا تو سیلاب نے اپنا رخ شمال کی طرف کر لیا۔ حالانکہ اس سے پہلے مدعا' مسعیٰ اور باب السلام کی جانب سے حرم شریف میں داخل ہو کر تباہی مچا دیتا تھا۔ ۱۷ھ سے ۱۴۰۰ھ تک بند والی جگہ اس قدر اونچی ہو چکی ہے کہ اب پانی سوق الليل سے گزر کر حرم کے جنوب سے مسفلہ کی طرف چلا جاتا ہے۔ سیلاب کے

Marfat.com

اس قدیم راستہ کو وادی ابراہیم کہا جاتا تھا۔ (تاریخ القویم جلد ۲ ص ۲۰۷)

جمادی الاول ۱۳۹۸ھ مطابق اپریل ۱۹۷۸ء میں سعودی حکومت نے سیلاب کی روک تھام کے لئے ستر کروڑ ریال سے ایک عظیم منصوبہ شروع کیا تھا جس کے بعد شہر اور حرم سیلاب کی آفت سے محفوظ ہو گیا ہے۔

مکہ مشرفہ کے ہسپتال

مکہ مکرمہ میں خلافت عثمانیہ کے زمانہ میں کوئی باقاعدہ ہسپتال نہیں تھا۔ البتہ شریف حسین بن علی کے دور میں جیاد اور المدعا میں دو ہسپتال قائم ہوئے۔ پہلے کا نام مستشفی اجیاد اور دوسرا مستشفی القبان کے نام سے مشہور تھا۔ ان دونوں میں تقریباً پانچ اطباء کام کرتے تھے اور تمام امراض کا تسلی بخش علاج ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں مروہ کے قریب ایک چھوٹی ڈسپنسری ''حسین'' کے نام سے تھی۔ اس کے بعد ''قاعۃ الشفا'' کے نام سے ایک دوکان حرم شریف کے قریب باب القطبی اور باب الباسطہ کی جانب شروع کی گئی۔ ان کے علاوہ کچھ پنسار کی دوکانیں بھی تھیں۔ جہاں عرق اور بعض دوسری جڑی بوٹیوں سے تیار کردہ ادویات اور ہندی گولیاں ملتی تھیں۔

مکہ مکرمہ میں بعض ہندوستان کے اطبا بھی تھے جہاں یونانی طریق علاج جڑی بوٹیوں سے کیا جاتا تھا' چونکہ آبادی بہت تھوڑی تھی اس لئے مذکورہ علاج کا نظام کافی تھا لوگ ان ادویات پر حسن عقیدت رکھتے تھے اور توکل علی اللہ کی دولت سے بھی مالا مال تھے۔ علاوہ ازیں امراض بھی زیادہ نہیں تھے اور اللہ تعالیٰ انہیں شفاء سے نوازتے تھے۔

جب سعودی حکومت کے دور میں آبادی بڑھنے لگی' عمرانی ترقی اپنے عروج کو پہنچ گئی اور مختلف ممالک سے لوگوں کی آمد میں اضافہ ہوا جس کی وجہ سے طرح طرح کے امراض پھیل گئے۔ چنانچہ حکومت نے مختلف ممالک سے مغربی

Marfat.com

طریق علاج کے ماہر ڈاکٹروں کی خدمات حاصل کیں' جب سے ہسپتال اور ڈسپنسریاں قائم کیں جن میں زود اثر انگریزی ادویات کا انتظام کیا گیا۔ سب سے بڑا اور عالیشان ہسپتال جرول میں "مستشفی الزاہر" ہے۔ جس میں ہر مرض کے بہت سے سپیشلسٹ ڈاکٹر کام کر رہے ہیں۔ اور ہزاروں مریض ہر روز ادویہ حاصل کرتے ہیں۔ بیرونی مریضوں کے لئے صاف ستھرے بستروں کا انتظام ہے۔ حج کے دنوں میں بے پناہ ہجوم ہو جاتا ہے۔ محلہ جیاد میں بھی اسی نوعیت کا ہسپتال ہے۔

ان کے علاوہ ہر محلہ میں ڈسپنسریاں بھی ہیں۔ ڈاکٹر بڑی دیانتداری اور جاں فشانی سے کام کرتے ہیں۔ ان ہسپتالوں میں یہ بات انتہائی قابل تعریف ہے کہ عورتوں کے لئے پردہ کا معقول انتظام ہے۔ اس حصہ میں ڈاکٹر سے لے کر چپڑاسی تک سارا عملہ عورتوں پر مشتمل ہے۔ مردوں کو اس طرف جانے کی قطعاً اجازت نہیں ہوتی۔ البتہ سنگین امراض میں مرد ڈاکٹروں سے تعاون حاصل کیا جاتا ہے۔

مریضوں کے لئے مکسچر اور لیکوڈ ادویات پلاسٹک کی شیشیوں میں بند دی جاتی ہیں' سعودی ہسپتالوں اور ڈسپنسریوں کے علاوہ ہر مسلم حکومت حج کے ایام میں حجاج کے لئے تقریباً ہر محلہ میں ڈسپنسریاں قائم کرتی ہے لیکن انتظامات اور حسن کارکردگی کے اعتبار سے سعودی ہسپتالوں کو فوقیت حاصل ہے۔

سعودی حکومت نے صحت و صفائی کا انتہائی معقول اور مؤثر انتظام کیا۔ انہیں حجاج زوار اور مقامی آبادی سب کی صحت کا یکساں خیال اور پاس لحاظ ہے۔ تمام امراض کی دیکھ بھال اور متعدی امراض کی روک تھام کے لئے خصوصی انتظامات کئے ہیں۔ وزارت صحت دو خاص بنیادی اصولوں پر کاربند ہے۔

احتیاطی تدابیر (Preventive Hygine) اور ادویات (Medicaton)

ملک کے ہر باشندے' زائرین اور حجاج کا بلا امتیاز اور بلا معاوضہ علاج کیا جاتا ہے۔ ادویہ قیمتی اور عمدہ دی جاتی ہیں۔ زچہ بچہ کی نگرانی کے لئے علیحدہ ہسپتال قائم تھا۔ وزارت تعلیم نے مدارس کے طلبہ و طالبات کے علاج معالجہ کے لئے بھی

Marfat.com

سپتال قائم کیے ہیں (جو یونیورسٹی کے اندر اور اسکولوں کے احاطہ میں الگ بنائے گئے ہیں) گشتی شفاخانے بھی حج کے موقعہ پر حجاج کی خدمات انجام دیتے ہیں۔

مؤلف روڈ ٹو مکہ (Road To Mecca) نے کنگ ڈم آف سعودی عرب (Kingdom of SaudiArabia) کے حوالہ سے لکھا ہے۔ سعودی عرب کا ہر شہری ہسپتال میں اپنا معائنہ کرا سکتا ہے اور اسے جو ادویات ضرورت ہوں وہ بالکل مفت مہیا کی جاتی ہیں۔

اسی طرح عالمی ادارہ صحت کے ڈائریکٹر نے ۱۹۶۲ء میں بارھویں عالمی کانفرنس منعقدہ ریاض کے موقعہ پر کہا تھا کہ سعودی حکومت میں صحت کا معیار خاصا بلند اور اطمینان بخش ہے۔ صحت یا علاج کی سہولتیں ملکی باشندوں کے علاوہ ملکوں حجاج کو بھی مفت مہیا کی جاتی ہیں۔ مدینے منورہ کو صحت وصفائی کی مثال پیش کرنے کے لیے ایام حج نہ صرف مثالی ہیں بلکہ صحت وصفائی کا اعلیٰ معیار قائم کرنے میں پوری دنیا میں ممتاز ہیں۔ (مکہ ص۳۳۲)

پرنٹنگ پریس

قدیم زمانہ میں اہل علم حضرات خطاطی کے فن میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اور ہر فن کی کتابیں ہاتھ سے لکھی جاتی تھیں۔ مکہ مکرمہ میں بھی علم کا تمام ذخیرہ قلمی تھا۔ لیکن ہاتھ سے لکھنے میں جہاں وقت زیادہ خرچ ہوتا تھا وہاں مالی اخراجات بھی بہت زیادہ ہوتے تھے۔ علاوہ ازیں علم کی ترویج اور تدریس کے لئے کسی کتاب کے ایک نسخہ سے کام چلانا بھی ممکن نہیں تھا۔ بلکہ اس مقصد کے حصول کے لئے متعدد کتابوں کی ضرورت تھی۔ مثلاً کافیہ جو علم نحو کی مشہور اور چھوٹی سی کتاب ہے اگر اسے ہاتھ سے لکھوایا جائے پھر اس کی تصحیح کرائی جائے تو کم از کم ایک مہینہ خرچ ہوتا ہے۔ اگر مدرسہ میں پچاس طلباء ہوں تو انہیں پچاس کتابیں ضرورت ہوں گی اگر اتنی ہی تعداد کاتبوں کی ہو تو وہ ایک ماہ میں پچاس کتابیں لکھیں گے۔ اور اگر ایک کاتب ہو تو پچاس ماہ یعنی ۴ سال ۲ ماہ کی مدت دراز میں اتنی تعداد میں کتابیں لکھ سکے گا۔ پھر ایک کاتب جو ایک ماہ میں ایک کتاب لکھے گا اسے مہینہ بھر کی ضروریات کے لئے اجرت بھی اسی قدر یا کچھ زائد درکار ہوگی۔ کیونکہ وہ اتنے عرصہ میں کتابت کے سوا کوئی دوسرا کام نہیں کر سکتا۔ اور یہی طرز عمل ماضی میں کاتبوں کا تھا۔

کاتبوں کے مختلف طبقات تھے' بعض کاتب صرف قرآن مجید اور حدیث شریف کی کتابت کرتے تھے اور اس میں انہیں بہت زیادہ مہارت تھی۔ بعض سیرت النبی ﷺ اور آپ کے اوصاف حمیدہ پر مشتمل کتابوں کے مخصوص کاتب تھے۔ اسی طرح بعض کاتب قدیم اور جدید شعراء کے دیوان اور قصائد لکھنے میں ممتاز تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے بادشاہوں' وزراء امراء اور رؤسا کی خدمت کے لئے اپنے فن کو مخصوص کر رکھا تھا اور ۱۳۴۳ھ جو خلافت اسلامیہ ترکیہ کا آخری دور تھا اس میں

Marfat.com

کچھ کاتبوں نے شاہی فرامین اور احکامات کی کتابت کا پیشہ اختیار کر لیا تھا۔ ایسے کاتبوں کو صرف اجرت ہی نہیں ملتی تھی بلکہ سلطانی انعامات و اکرامات سے بھی نوازا جاتا تھا' جس سے ان کی اولاد در اولاد آسودہ حال ہو جاتی تھی۔ اور اگر کوئی کاتب کسی بادشاہ کی خدمت میں قرآن مجید لکھ کر پیش کرتا تو اسے اس قدر انعام ملتا جو ساری زندگی کے لئے کافی ہو جاتا تھا۔ لیکن جب اسلامی اور غیر اسلامی تمام ممالک میں پریس کے ذریعہ کتابت شروع ہوئی تو مصنفین اور مؤلفین پریس سے کتابیں چھپوانے لگے۔ ہر ملک کے لوگ اپنی زبانوں عربی' فارسی' اردو' ترکی' جاوی' سریانی' عبرانی' لاطینی' فرانسیسی' المانی اور انگریزی وغیرہ میں طباعت کرانے لگے۔

پریس کی ایجاد سے جہاں کام میں سہولت' طباعت میں نفاست اور اخراجات میں کمی جیسے بہت سے فوائد حاصل ہوئے مگر اس کے ساتھ ہی ایک بہت بڑا نقصان یہ ہوا کہ خطاطی کا فن یکسر ختم ہو گیا۔ پہلے ہر ملک میں لوگوں کے خط انتہائی عمدہ اور خوبصورت تھے۔ بڑی بڑی کتابیں وہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے لیکن پریس کی سہولت ہونے کے بعد ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریر پڑھی بھی نہیں جا سکتی۔

۱۴۳۱ء میں المانیہ میں پریس ایجاد ہوا۔ لیکن قرآن مجید عربی رسم الخط میں پہلی مرتبہ ۱۱۱۳ء میں المانیہ کے شہر ہمبرگ میں طبع ہوا تھا جو اب بھی مصر کے دارالکتب میں محفوظ ہے بعد ازاں ۱۵۱۲ء میں اٹلی کے بندقیہ پریس میں دوسری مرتبہ قرآن مجید طبع ہوا۔ اس وقت تک کسی اسلامی ملک میں پریس کا انتظام نہیں تھا۔

اٹلی میں جب پریس نے کام شروع کیا تو بعض علماء کرام نے اس میں اسلامی مطبوعات کو ممنوع قرار دے دیا جس کے باعث لوگوں نے مطبوعہ کتب خریدنے سے اجتناب کیا۔ پھر جب سلطان احمد ثالث کے عہد سلطنت میں ترکی میں پریس نے کام شروع کیا تب مشائخ نے قرآن مجید کے سوا دوسری اسلامی کتب کی طباعت کے جواز کا فتویٰ دیا۔ سلطان محمود غزنوی کے دور میں پریس کے کام میں بہت زیادہ ترقی ہوئی۔

Marfat.com

۱۱۲۹ھ میں عربی کی پہلی کتاب "صحاح الجوہری" طبع ہوئی۔ اسی سال شیخ الاسلام نے عبداللہ آفندی کے پریس سے غیر اسلامی کتابوں کی طباعت کا فتویٰ بھی دیا۔ بعد ازاں ۱۱۴۱ھ میں طباعت میں بہت فروغ ہوا۔ لغت' ادب اور تاریخ کی کتابیں عربی' ترکی اور فارسی زبانوں میں طبع ہونے لگیں۔ پریس کی منفعت کے پیش نظر علماء نے دینی کتابوں کی طباعت اور مشین کے ذریعہ قرآن مجید کی جلد بندی کا فتویٰ صادر فرمایا۔

۱۱۷۱ھ میں تیونس کے بادشاہ محمد پاشا باکی نے اپنے ملک میں پریس درآمد کیا۔ ۱۶۹۸ھ میں پہلی مرتبہ حلب میں پریس نصب ہوا۔ ۱۷۳۳ھ میں لبنان میں پہلی مرتبہ "قزحیا" پریس نے سریانی طباعت کا کام شروع کیا۔ پھر عربی طباعت بھی شروع کر دی۔ ۱۷۵۳ھ میں جاورجیوس نے بیروت میں "مطبعة القديس" قائم کیا۔ بعد ازاں مالٹا میں ۱۸۲۲ھ میں المطبعة الامیر کیتہ قائم ہوا۔ جو ۱۸۳۴ھ میں بیروت میں منتقل ہو گیا۔ پھر ۱۸۴۸ھ میں المطبعة الكاثو ليكية نے بھی کام شروع کیا۔ اس وقت طباعت کا کام پتھروں پر کیا جاتا تھا۔ عربی' انگریزی' یونانی' سریانی عبرانی اور آرمینی زبانوں کی طباعت حروف کے ذریعے ہونے لگی۔

۱۷۹۸ھ میں پہلی مرتبہ "مطبعة الحملة الفرنساوية" قائم کیا جہاں عربی رسائل اور کتب طبع ہوتی تھیں۔ ۱۸۰۱ھ میں قاہرہ میں "المطبعة الاهلية" شروع ہوا۔ اس کے بعد بیس سال تک پریس کا کام موقوف رہا۔ پھر ۱۸۲۱ھ میں محمد علی پاشا والی مصر نے اسی پریس کو دوبارہ شروع کرنے کا حکم دیا۔ بعد میں یہ پریس "مطبعة بولاق" کے نام سے مشہور ہوا۔ کیونکہ یہ قاہرہ میں ولاق کی جانب لگایا گیا تھا۔ اور ۱۸۲۲ھ میں عربی میں قاموس ایطالی کی طباعت ہوئی۔ یہ پریس تقریباً ۹۰ سال تک قائم رہا۔ دنیا میں عربی مطبوعات کا یہ سب سے بڑا پریس تھا۔ بعد میں یہی پریس المطبعة الامیریه کے نام سے شہرت پذیر ہوا' جس کی حسین وجمیل مطبوعات آج پورے عالم اسلام میں موجود ہیں۔

Marfat.com

۱۳۰۳ھ میں عثمان پاشا نوری والی حجاز نے خلافت عثمانیہ کے زمانہ میں پہلی بار مکہ میں حرم شریف کے قریب محلہ جیاد میں ایک چھوٹا سا پریس لگایا۔ جو مذکورہ بالا مطبعۃ الامیریہ کی ایک شاخ تھی۔ جس کا نام "مطبعۃ ام القری" رکھا گیا۔ جو بعد میں "مطبعہ الحکومۃ" کے نام سے مشہور ہوا۔ پھر جب سعودی حکومت کا آفتاب حجاز میں طلوع ہوا تو اس پریس کو بہت زیادہ ترقی دی گئی۔

۱۳۲۷ھ میں الشیخ محمد ماجد الکردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ذاتی اخراجات سے محلہ الفلق میں "المطبعۃ الماجدیۃ" کے نام سے پریس لگایا۔ جس میں بہت سی کتابیں طبع ہوئیں۔ مکہ شریف میں یہ دوسرا پریس تھا۔ ۱۳۴۵ھ میں الشیخ محمد صالح نے "المطبعۃ السلفیہ" قائم کیا جو بعد میں فروخت کر دیا۔ ایک پریس "المطبعۃ العربیہ" اخبارات و رسائل کی اشاعت کے لئے لگایا گیا۔ جس میں اخبار "صوت الحجاز" کی طباعت ہونے لگی۔

۱۳۷۳ھ میں اہل مکہ کے بعض مخیر حضرات نے "مطابع الندوہ" قائم کیا۔ اس کے بعد استاد صالح محمد جمال نے ایک پریس سٹیشنری کی طباعت کے لئے لگایا۔ پھر الاستاذ احمد سباعی نے "مطبعۃ قریش" قائم کیا۔ ۱۳۶۸ھ میں "مطبعۃ مصحف مکۃ المکرمۃ" نے کام شروع کیا۔ علاوہ ازیں "مطبعۃ الوفاء المحمدیۃ" شیخ عبدالرحیم ایبذ برادران اور "المطبعۃ الوطنیۃ" الشیخ عبداللہ کردی نے لگایا۔ اس وقت متعدد پریس کام کر رہے ہیں جن میں مقامی کام عمدگی سے کیا جا رہا ہے۔

ذرائع ابلاغ

ذرائع ابلاغ میں اخبارات و جرائد بھی انتہائی اہمیت رکھتے ہیں۔ ملکی ملی مذہبی اور سیاسی ہر ایک موضوع سے روشن خیال اور اہل علم حضرات ہر وقت تازہ حالات سے باخبر رہنے کے لئے اخبار بینی کو ضروریات زندگی میں شمار کرتے ہیں۔

Marfat.com

آج کے ترقی یافتہ دور میں علی الصبح ہر آدمی اخبار دیکھنے کا عادی ہے۔ پھر وہ اس ایٹمی اور مشینی دور میں نئی ایجادات' تجربات' انکشافات اور حادثات کی اطلاعات سے آگاہی حلقوں اور مملکتوں کے قوانین و آئین کا جزو لازمی بن گئی ہے۔ علاوہ ازیں اخبارات ملک و ملت اور حکومت کے فکری' نظری' تمدنی اور اقتصادی نظام اور سحافت و ثقافت کا آئینہ دار ہوتے ہیں۔ چنانچہ دوسرے ممالک اور ہر بڑے شہر کی طرح مکہ مشرفہ بھی جو کہ نوے کروڑ مسلمانوں کی توجہات کا مرکز اور پوری دنیا میں سب سے بڑی اجتماع گاہ ہے۔ گردو پیش کے باشندوں کے علاوہ اسلامیان عالم کو اس مقدس شہر کے احوال و حالات سے روشناس کرنے کے لئے اخبارات و جرائد کی شاعت میں کسی طرح بھی پیچھے نہیں ہے۔ ہم قارئین کی خدمت میں مکہ معظمہ کے بعض اخبارات و جرائد کے اجراء اور نظام کی تفصیل پیش کرتے ہیں

کچھ عرصہ قبل مکہ مکرمہ میں اخبارات اور رسائل کی درآمد اور طباعت کا سلسلہ شروع ہوا۔ روزنامہ البلاد السعودیہ اور الندوہ جو پہلے "جریدہ حراء" اور "جریدۃ ام القری" کے نام سے شائع ہوتا تھا۔ یہی اخبار شریف حسین والی مکہ کے زمانہ میں "جريدة القبلة" کے نام سے موسوم تھا۔ اسی طرح "مجلة المنهل" "مجلة الحج" اور جریدۃ قریش بھی شائع ہوتے تھے۔

۱۳۸۱ھ میں جدہ سے شائع ہونے والے چند اخبار پورے ملک میں تقسیم ہوتے تھے۔ مگر بعد میں مکہ مکرمہ سے بھی کچھ اخبار شائع ہونا شروع ہو گئے۔ جریدۃ ام القری' جریدۃ الندوہ' مجلۃ الحج۔

عربی زبان میں سب سے پہلا اخبار ۱۷۹۹ء میں قاہرہ سے "الحوادث اليومية" کے نام سے شائع ہوا۔ پھر ۱۸۵۸ء میں "حديقة الاخبار" کے نام سے لبنان۔ ۱۸۵۶ء میں دمشق سے "سوریا"۔ ۱۸۶۹ء میں عراق سے "الزوراء"۔ ۱۸۷۹ء میں یمن سے "صنعاء" اور ۱۹۰۳ء میں فلسطین سے "المقبر العثماني" جاری ہوا۔

Marfat.com

الشیخ رشیدی کی تحقیق کے مطابق مکہ مشرفہ میں وارد ہونے والا سب سے پہلا ہفت روزہ اخبار ''الحجاز'' تھا۔ جو عربی اور ترکی دونوں زبانوں میں چھپتا تھا۔ یہ اخبار ۱۳۰۱ھ میں جاری ہوا اور ۱۳۳۴ھ تک مسلسل شائع ہوتا رہا۔ لیکن خلافت عثمانیہ ختم ہونے کے ساتھ ہی اس کی اشاعت بند ہو گئی۔ یہ اخبار چار صفحات کا تھا۔ محمد جمال آفندی احمد حقی آفندی اور الشیخ محمود شلوب کے اشتراک سے مطبعة الامیریہ سے شائع ہوتا تھا۔

۱۳۲۷ھ میں مکہ مکرمہ سے روزنامہ ''شمس الحقیقة'' کی اشاعت شروع ہوئی جس کا ہفتہ وار ایڈیشن عربی اور ترکی میں شائع ہوتا تھا۔ اس کے مدیر مسئول محمد توفیق مکی اور نائب مدیر ابراہیم ادہم تھے۔ جو جمعیۃ الاتحاد والترقی مکہ کے زیر اہتمام شائع ہوتا تھا۔ مگر کچھ عرصہ بعد اس کی اشاعت بند ہو گئی۔

خلافت عثمانیہ میں تعلیم و تدریس کی کمی کے باعث جہالت کا دور دورہ تھا۔ مکہ مکرمہ میں صرف ایک ہی مدرسہ تھا جس کی بنا پر اخبارات کے شائقین بھی تھوڑے تھے۔ لیکن خلافت عثمانیہ کے بعد سعودی حکومت کو جب استقلال نصیب ہوا تو تعلیم و تعلم کے ساتھ ساتھ ثقافت و صحافت کو فروغ اور ترقی سے ہمکنار کیا گیا۔

چنانچہ ۱۰/ جمادی الاول ۱۳۴۳ھ میں ملک عبدالعزیز آل سعود کے عہد میں اخبار ''ام القریٰ'' کی اشاعت شروع ہوئی۔ جس کے پہلے مدیر الاستاذ الشیخ یوسف یاسین تھے۔ پھر استاذ رشیدی ملحس پھر محمد سعید عبدالمقصود استاذ عبدالقدوس انصاری اور آخر میں الاستاذ الطیب الساسی مقرر ہوئے۔

۱۳۴۷ھ میں ایک ماہنامہ جاری ہوا جو دینی اور اخلاقی مضامین کا مجلہ تھا۔ جس کی ادارت کی خدمات الاستاذ محمد حامد الفقی انجام دیتے تھے۔ لیکن ۱۳۴۹ھ میں اس کی اشاعت ختم ہو گئی۔

۱۳۵۰ھ میں الشیخ محمد صالح نے اخبار ''صوت الحجاز'' شروع کیا۔ جس کے مدیر اول استاد عبدالوہاب آشی تھے۔ ان کے بعد استاد احمد ابراہیم الغزاوی' اسید

Marfat.com

حسن الفقی' محمد سعید العامودی' محمد حسن عواد' احمد السباعی' محمد علی رضا اور محمد علی مغربی وغیرہ ادارت کے فرائض انجام دیتے رہے۔

۱۳۵۳ھ میں یہ اخبار "شركة الطبع والنشر العربية" کے زیر اہتمام ہفتہ وار نکلنے لگا۔ کچھ عرصہ بعد ہفتہ میں دو مرتبہ شائع ہونے لگا۔ لیکن چند سال جنگ کی وجہ سے کاغذ نایاب ہونے کے باعث بند رہا۔ پھر ۱۳۶۵ھ میں یہی اخبار ہفتہ وار "البلاد السعودية" کے نام سے الاستاذ عبداللہ عریف کے زیر ادارت دوبارہ شروع ہو گیا۔ جو بعد میں ہفتہ میں دو مرتبہ اور کچھ عرصہ بعد ہفتہ میں تین مرتبہ شائع ہونے لگا۔

اور بالآخر ربیع الثانی ۱۳۷۳ھ کو روزنامہ کی حیثیت سے اشاعت پذیر ہوا۔ اس اخبار نے صحافت و ثقافت عربی کا صحیح حق ادا کیا۔ ہر طبقہ کے لوگ صبح سویرے اسے پڑھنے کے منتظر رہتے۔ ملکی اور غیر ملکی خبریں پورے وثوق کے ساتھ شائع کرتا۔

۱۳۵۵ھ میں اخبار "المنهل" مدینہ منورہ سے استاذ عبدالقدوس الانصاری کی ادارت میں شروع ہوا۔ جس نے علم و ادب میں بہت جلد شہرت اور قبولیت حاصل کر لی۔ اور ۱۳۵۶ھ میں مکہ مکرمہ سے بھی شائع ہونے لگا۔ یہ اخبار سرکاری تھا جو حکومت سعودیہ کی پوری ترجمانی کرتا تھا۔

رجب ۱۳۶۶ھ میں ماہنامہ "مجلة الحج" کی اشاعت شروع ہوئی۔ ابتداء میں کئی سال الاستاذ السید ہاشم رواوی ایڈیٹر رہے۔ پھر ۱۳۷۰ھ میں علامہ طاہر کردی مؤلف تاریخ القویم (دامت برکاتہم) بھی اس کے ایڈیٹر رہے۔ یہ رسالہ حج اور حجاج سے متعلق مضامین کے علاوہ بلند پایہ اسلامی' ادبی اور علمی مضامین پر مشتمل ہوتا تھا۔

اس وقت عکاظ اور البلد کثیر الاشاعت روزنامے اور جریدہ ام القریٰ ہفتہ وار شائع ہوتا ہے۔

Marfat.com

کتب خانے

مکہ مکرمہ میں مذہبی ادبی عربی کتب اخبارات رسائل اور عصری کتابیں حرم شریف کے قریب چند دکانوں پر فروخت ہوتی تھیں۔ باب السلام کبیر باب اسلام صغیر باب زیادہ باب ابراہیم باب العمرہ اور باب دریبہ کے ساتھ ساتھ کتب خانے پائے جاتے تھے۔ لیکن حرم شریف کی توسیع کے باعث بہت سی دکانیں اور مکانات منہدم کرنے پڑے۔ جس کے باعث یہ کتب خانے شہر کے مختلف بازاروں میں منتقل ہو گئے۔

ان کتب خانوں میں مختلف ممالک کے مطبوعہ قرآن مجید تفاسیر احادیث فقہ اور تمام علوم اسلامیہ تاریخ اور فنون کے علاوہ دیگر رسائل بھی فروخت ہوتے ہیں۔ لیکن سٹیشنری کا سامان ان دکانوں پر نہیں ہوتا تھا۔ کچھ عرصہ قبل حسب ذیل کتب خانے پائے جاتے تھے

① مکتبة المعارف	شیخ احمد سعید حلوانی	صفا کے قریب
② مکتبة العرابی	شیخ عبداللہ عرابی	" " "
③ المکتبة التجاریه	شیخ نبیل مصطفیٰ الباز	" " "
④ مکتبة دار التعاون	شیخ عباس احمد الباز	مروہ کے قریب
⑤ مکتبة مہرو	شیخ مصطفیٰ مہرو	" " "
⑥ مکتبة الثقافة	شیخ صالح محمد جمال	سوق الليل
⑦ مکتبة النهضة الحديثة	شیخ عبدالشکور فدا	" "
⑧ مکتبة مرزا	شیخ عبدالعزیز مرزا و اولادہ	مروہ کے قریب
⑨ مکتبة السلفيه	شیخ صالح الباز و اولادہ	ققاشیہ میں
⑩ مکتبة النهضه	شیخ علی البار و اولادہ	صفا کی جانب

Marfat.com

⑨ مکتبة العلمیه شیخ عبدالفتاح خداو اولادہ باب السلام کے قریب

⑩ مکتبة التقدیم العلمیة شیخ عبدالحمید قدا صفا کے قریب

۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۹ء میں اکثر کتب خانے مروہ اور باب العمرہ کے درمیان واقعہ بازار میں منتقل ہو چکے ہیں۔ اور سوق الليل میں ایک مکتبہ محلہ جیاد میں منشق اجیاد کے عقب میں اور دو کتب خانے محلہ شبیکہ میں بھی واقع ہیں۔

(تاریخ القویم جلد ۲ ص ۱۳۸)

مکتبة التجاریه یہ مروہ کے بالکل قریب واقع ہے۔

مکتبة مرزا 〃 〃 〃 〃

مکتبة النهضة الحدیثه اس وقت باب العمرہ الصغیر کے بالکل سامنے۔ اس مکتبہ کے مالک عبدالشکور فدا نے تاریخ القویم شائع کی ہے۔ اور اس کے دائیں مکتبۃ الفکر العربی اس کے ساتھ مکتبة تقدم العلمی اس کے دائیں جانب مکتبہ امدادیہ واقع ہے۔ ایک کتب خانہ باب عمرہ کے سامنے اور دو مروہ کی جانب ہیں۔ اس طرح پورے بازار میں سات کتب خانے پائے جاتے ہیں۔

فونٹن پین کا استعمال

قدیم زمانہ میں لکھائی کے لئے نرکل (بانس) کی قلم اور کالی سیاہی استعمال ہوتی تھی۔ یہ طریقہ نہ صرف عمومی تھا بلکہ شاہی محلات میں سرکاری اور تجارتی دفاتر میں بھی یہی رواج تھا۔ البتہ کتابوں کے مؤلفین کالی اور سرخ دو رنگ سیاہی استعمال کرتے تھے۔ سرخ سیاہی جو عموماً شنگرف سے بنائی جاتی تھی' عنوانات' ابواب' فصول اور مخصوص نشانات کے لئے استعمال ہوتی اور کالی سیاہی سے بقیہ مضامین لکھے جاتے تو اس بنا پر ہر پڑھے لکھے آدمی کے پاس قلمدان ہوتا جس میں دوات اور قلمیں رکھی جاتی تھیں۔

Marfat.com

۱۳۲۰ھ کی پہلی عالمی جنگ کے بعد حجاز میں فونٹین پین کا استعمال شروع ہوا جب کہ ۱۳۳۲ھ میں مکہ شریف میں درآمد کیا گیا۔ اور اس کے لئے مختلف رنگوں کی سیاہی بھی درآمد کی گئی۔ سرکاری اور غیر سرکاری دفاتر کے علاوہ تقریباً ہر آدمی نے اس کا استعمال شروع کر دیا۔ جس کے باعث وہ قدیم زمانہ کی قلمیں اور دواتیں بالکل غائب ہو گئیں۔

البتہ اب بھی خطاط ان قلموں اور کالی سیاہی کا استعمال کرتے ہیں۔ یہ طریقہ نہ صرف بشمول مکہ مکرمہ حجاز کے تمام شہروں میں اپنایا گیا بلکہ دنیا بھر میں اسے پذیرائی حاصل ہوئی۔

فونٹین پین کی عمدہ سے عمدہ اقسام اچھے داموں دستیاب ہیں اور بڑی کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ حجاج بھی بطور یادگار وہاں سے خرید لاتے ہیں۔

رسل و رسائل اور نقل و حمل کا نظام

سعودی عرب میں رسل و رسائل اور نقل و حمل کا نظام اونٹ' خچر اور گھوڑے' گدھے وغیرہ پر مبنی تھا۔ لیکن آج عصر جدید کی سائنسی ایجادات' ریل' تار' فون اور وائرلیس وغیرہ سے پوری طرح استفادہ کیا جا رہا ہے۔

سعودی وزارت مواصلات چار اہم شعبوں پر مشتمل ہے۔ ڈاک خانہ جات' ٹیلیفون' ٹیلیگراف' تعمیر و اصلاح شاہرات۔

ڈاک خانہ

پیغام رسانی کا قدیم ذریعہ صرف "خط و کتابت" تھا۔ اور اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلے سرور دو عالم ہادی کل' ختم رسل حضرت محمد ﷺ نے دنیا کے بادشاہوں کی طرف نامہ ہائے مبارک ارسال فرمائے۔ اور اس کے بعد سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ڈاک کا نظام قائم کیا۔ لیکن اس دور میں ایک جگہ سے دوسری جگہ ڈاک لے جانے کے لئے خچر' گھوڑے اور گدھے استعمال کئے جاتے تھے۔ بعض

Marfat.com

اوقات اونٹ سے بھی یہ کام لیا جاتا تھا۔ ان جانوروں کی رفتار سست ہونے کی وجہ سے ہر ۲۳ کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک مخصوص مکان بنایا گیا جس تک ایک جانور ڈاک پہنچا دیتا اور اس جگہ سے آگے دوسرا جانور ڈاک لے جاتا تھا۔

مثلاً مکہ مکرمہ سے جدہ جانے والی ڈاک ایک جانور مکہ سے لے کر روانہ ہوتا اور ۲۳ کلومیٹر کی مسافت طے کر کے ''الشمیس'' کے مقام پر پہنچا دیتا۔ پھر وہاں سے دوسرا جانور ۲۳ کلومیٹر تک لے جاتا اور اس جگہ سے تیسرا جانور اسے جدہ تک پہنچاتا تھا۔ اس طرح ۹۶ کلومیٹر کا فاصلہ تین جانور طے کرتے تھے۔ یہی طریقہ تمام شہروں تک ڈاک پہنچانے کا تھا۔ لیکن اس طرح نامہ و پیام پہنچانے میں بہت زیادہ وقت خرچ ہوتا تھا۔ اس لئے جنگ اور بعض دوسرے اہم مواقع میں جہاں خط جلدی پہنچانا مقصود ہوتا تو یہ خدمت خاص قسم کے سکھائے ہوئے کبوتروں سے لی جاتی۔ ان کی اڑان بڑی تیز ہوتی تھی۔ ایک دن میں تقریباً ۴۰۰۰ کلومیٹر مسافت طے کرتے تھے۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ۴۹۷ کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ ان شہروں میں یہ کبوتر دن میں دس مرتبہ ڈاک پہنچا سکتے تھے۔ کبوتروں کی اس قابل قدر وصف کی بنا پر ان کی قیمت بہت زیادہ ہوتی تھی۔ جو سونے کی سات سو اشرفیوں سے لے کر ایک ہزار اشرفی تک ہوتی تھی۔ اسی طرح ان کے دو انڈوں کی قیمت بیس اشرفیاں تھیں۔ یہ کبوتر پیدائشی طور پر سیکھے ہوئے نہیں ہوتے تھے بلکہ ان کی تعلیم و تربیت کے لئے خاص قسم کے آدمی مقرر ہوتے جو ان کی رہائش کے لئے عمدہ اور ہوادار جگہ بناتے۔

اگرچہ سائنسی ایجادات نے ان کی ضرورت و اہمیت کو بالکل ختم کر دیا ہے مگر اس کے باوجود آج بھی بعض ممالک میں یہ کبوتر سرکاری طور پر پالے جاتے ہیں' ان کی پوری طرح نگہداشت کی جاتی ہے جس طرح متعدد دوسرے عجائبات کی حفاظت کی جاتی ہے' اسی طرح ان کی حفاظت کا بھی پوری طرح اہتمام کیا جاتا ہے۔ مصر' شام اور عراق کے علاوہ بعض مغربی ممالک میں آثار قدیمہ کی طرح ان کی نگرانی کی جاتی ہے۔

Marfat.com

مکہ مکرمہ میں ڈاک کا نظام خلافت عثمانیہ ترکیہ میں کافی ترقی کر چکا تھا۔
جدہ، طائف مدینہ منورہ اور بعض دوسرے شہروں کو ہر روز ڈاک روانہ ہوتی تھی۔ عملہ انتہائی دیانتدار اور امانت دار تھا۔ ڈاک ہی کے ذریعہ منی آرڈر بھیجنے کا انتظام بھی کیا گیا۔ اس وقت کا سکہ ریال اور اشرفیاں سونے اور چاندی کی ہوتی تھیں۔ جب نقدی زیادہ ہوتی تو دو ایک آدمی حفاظت کے لئے مزید ساتھ بھیجے جاتے تھے۔ سعودی حکومت میں ۱۳۴۷ھ تک یہی طریقہ رائج رہا۔ اس کے بعد موٹروں کے ذریعہ ڈاک بھیجنے کے انتظامات کئے گئے۔ پھر اندرون اور بیرون ملک ہوائی جہازوں کے ذریعہ ڈاک بھیجی جانے لگی۔

خلافت عثمانیہ کے زمانہ میں ڈاک خانہ کے نظام کو "ابوستہ" کہا جاتا تھا۔
یہ ترکی زبان کا لفظ ہے۔ مگر اس وقت یہ نظام بڑا تکلیف دہ اور مشکل تھا۔ خط کی ترسیل میں بہت زیادہ وقت ضائع ہوتا تھا۔ دور جدید میں ڈاک اور تار وغیرہ کا نظام پہلی مرتبہ "الاسعاف الخیری" نے قائم کیا۔
ابتداء میں خط پر کوئی ٹکٹ وغیرہ نہیں لگایا جاتا تھا لیکن شریف حسین بن علی کے دور میں ٹکٹ لگانے کا سلسلہ شروع ہوا۔ پھر سعودی حکومت کے ابتدائی زمانہ میں ٹکٹ پر یہ عبارت درج ہوتی تھی "سلطنة نجد و الحجاز" لیکن کچھ عرصہ بعد "المملكة العربية السعودية" لکھا جانے لگا۔

مکہ شریف میں سعودی عہد میں پہلا بڑا ڈاک خانہ محلہ "القشاشية" میں قائم ہوا جس کے پوسٹماسٹر الشیخ عبداللہ کاظم تھے۔ ۱۳۷۹ھ میں اسے "عمارة الاشراف محلہ جیاد" میں منتقل کر دیا گیا۔ جہاں اس کے شعبہ جات میں اضافہ کیا گیا اور کارکردگی کو بہتر بنایا گیا۔ لیکن یہاں سے بھی منتقل کر کے "سوق المعلاة" میں ایک بلند و بالا اور عالیشان عمارت میں تبدیل کر دیا گیا جہاں آج (محرم الحرام ۱۴۰۰ھ میں) بھی موجود ہے۔
۱۳۸۵ھ تک تقریباً پندرہ ڈاک خانہ جات مختلف محلوں میں قائم تھے۔ مثلاً

Marfat.com

قناشیہ جیاد' مسفلہ' شبیکہ اور جرول وغیرہ۔ ایام حج میں منیٰ میں بھی ڈاک کا انتظام کیا جاتا ہے۔ مکہ مکرمہ کے ڈاک خانہ جات میں تار اور ٹیلیفون کا محکمہ شامل ہوتا ہے۔

ایام حج میں جب کہ ساری دنیا کے لاکھوں فرزندانِ توحید جمع ہو جاتے ہیں تو خطوط کی تعداد حجاج کی تعداد سے کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ ۱۳۸۴ھ میں ایام حج میں صرف ایک دن کی ڈاک میں دو ہزار خطوط مختلف ممالک سے حجاج کے نام آئے ہیں جن میں بھارت' پاکستان' انڈونیشیا' مصر' چند مغربی ممالک اور عرب ممالک شامل تھے۔

اس وقت یعنی محرم ۱۴۰۰ھ میں جہاں ڈاک خانوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہو چکا ہے وہاں ڈاک تقسیم کرنے کا انتظام بھی قابل تعریف ہے۔ ۷۵۔۱۹۷۴ء میں دارارقم کے اوپر صفا کے قریب ایک ڈاک خانہ تھا' لیکن سڑک کی توسیع کے باعث وہاں سے سوق اللیل میں منتقل کر دیا گیا۔

مقامی لوگوں کے خطوط ص ب (صندوق البرید" یعنی پوسٹ بکس کے نمبر پر جاتے ہیں۔ جب کہ حجاج کی ڈاک معلم کی معرفت جاتی ہے۔ معلم لکڑی کے ایک ڈبہ میں خطوط رکھ دیتے ہیں۔ جہاں سے حجاج اپنے اپنے خط تلاش کر لیتے ہیں۔ ایام حج میں مکہ مکرمہ کے ڈاک خانوں سے ٹکٹ والے لفافے یا ایروگرام بہت تھوڑی تعداد میں دستیاب ہوتے ہیں البتہ ٹکٹ بکثرت مل جاتے ہیں۔ لیکن ٹکٹ حاصل کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ خط لکھ کر سادہ لفافہ میں بند کر کے اس پر پتہ لکھیں اور پھر ڈاک خانہ میں وہ خط دکھا کر ٹکٹ حاصل کر لیں۔ اس طرح ایک خط ہو یا زیادہ ان کے لئے ٹکٹ آسانی سے مل جاتے ہیں۔ ورنہ صرف ٹکٹ نہیں ملتے۔ اب تو مشین کے ذریعہ ٹکٹ کی مہر بھی لگائی جاتی ہے۔ ہر ملک کے لئے ٹکٹ کی قیمت مختلف ہے۔ سعودی عرب سے پاکستان کے لئے دس قرش تقریباً دو روپے کا ٹکٹ لگتا ہے۔ جب کہ پاکستان میں سعودی عرب کے لئے ایروگرام ۷۵ پیسے کا اور لفافہ ۸۵ پیسے جاتا ہے۔

Marfat.com

ٹیلیگرام

ٹیلیگرام کا نظام ۱۸۳۲ء میں تین مغربی باشندوں صاموئیل مورس' مسٹر رونالڈز اور ولیم فوذکیا نے ایجاد کیا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس نظام میں بہت زیادہ ترقی ہوئی۔ آج پوری دنیا میں یہ نظام جاری ہے۔

مکہ مکرمہ میں خلافت عثمانیہ ترکیہ کے دور سے یہ نظام قائم ہے۔ مگر اس وقت اس سے اتنا زیادہ فائدہ حاصل نہیں کیا جاتا تھا۔ عموماً جنگی خبروں اور خاص معاملات میں تار کا استعمال ہوتا تھا۔ لیکن جب سعودی سلطنت میں ہر ایک چیز میں ترقی ہوئی تو یہ محکمہ بھی بہت زیادہ مقبول ہوا۔ اور اس کی حسن کارکردگی سے لوگوں نے فائدہ اٹھایا۔

ٹیلیفون

۱۸۷۶ء میں پہلی مرتبہ ٹیلیفون گراہم بل نے ایجاد کیا۔ اس سے لوگوں کو ہر معاملہ میں بے حد سہولت اور بہت زیادہ فائدہ حاصل ہوا۔ مکہ مشرفہ میں خلافت عثمانیہ کے زمانہ میں ٹیلیفون نصب ہو چکے تھے۔ شریف حسین بن علی والی حجاز کے زمانہ میں مکہ شریف میں تقریباً ۲۰ ٹیلیفون کام کر رہے تھے۔ لیکن ۱۳۴۳ھ میں جب سعودی حکومت قائم ہوئی اور پوری مملکت میں ہر شعبہ میں بے انتہا ترقی ہوئی تو پھر سرکاری دفاتر' تجارتی مراکز' سرکاری اور غیر سرکاری اداروں میں ٹیلیفون نصب کیے گئے۔ اور ۱۳۸۵ھ تک تقریباً ۵۰۰۰ ٹیلیفون لگ چکے تھے۔ کیونکہ اب مکہ شریف کی آبادی کے ساتھ ساتھ اقتصادی' تمدنی اور عمرانی ترقی بھی عروج کو پہنچ چکی ہے۔

یہ سلسلہ روز بروز ترقی پذیر ہے۔ آج محرم الحرام ۱۴۰۰ھ میں مکہ مکرمہ کے تقریباً تمام مکانات اور دکانوں میں ٹیلیفون لگے ہوئے ہیں اور کئی مقامات پر لوکل کال آفس بنے ہوئے ہیں' حرم شریف میں بھی ایک لوکل کال آفس موجود ہے اور موذن کے چبوترہ میں بھی فون نصب ہے۔

Marfat.com

○

عرب کے اونٹ' گھوڑے' خچر اور گدھے عالمی شہرت رکھتے تھے۔ خصوصاً حجاز کے شہروں مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں انتہائی عمدہ نسل اور طاقتور قسم کے تھے۔ کیونکہ سفر' تجارت اور حج کے لئے بھی استعمال ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان جانوروں کی افادیت اور اہمیت کا خاص طور پر ذکر فرمایا ہے

﴿ وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ○ وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ○ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴾ [سورۃ النحل پ ۱۴ آیت ۵ تا ۷]

''اور ہم نے تمہارے لئے جانور پیدا کئے ان میں جوڑے بھی ہیں۔ ان میں کتنے فائدے ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے بھی ہو اور تمہارے لئے ان سے عزت ہے۔ جب شام کو چرا کر لاتے ہو اور جب چرانے لے جاتے ہو اور تمہارے بوجھ ان شہروں تک اٹھا کر لے جاتے ہیں' جہاں تک تم سخت دقت کے بغیر نہیں پہنچ سکتے تھے' بیشک تمہارا رب بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔ اور زینت کے لئے گھوڑے' خچر اور گدھے پیدا کئے تاکہ تم ان پر سواری کرو اور جو تم نہیں جانتے وہ بھی پیدا کرتا ہے''۔

اہل حجاز اور خصوصیت سے حرمین شریفین کے لوگ اونٹ' گھوڑے اور گدھے بڑے اُنس اور دل لگی سے پالتے تھے۔ ان کی خوراک' پانی اور راحت کا بہت خیال رکھتے۔ البتہ خچر ان شہروں میں بہت ہی تھوڑی تعداد میں پائے جاتے تھے۔ کیونکہ یہ جانور پہاڑی علاقوں میں زیادہ وزنی سامان کے پہنچانے کے لئے یا پھر جنگ و جدال میں دشمن کے مقابلہ میں پہاڑوں پر سامان لے جانے کے لئے استعمال کئے جاتے تھے۔

اونٹ اور گھوڑوں سے اہل عرب کو اس قدر پیار اور لگاؤ تھا کہ جس طرح

Marfat.com

وہ اپنے خاندانوں اور قبیلوں کی پشتوں اور نسلوں کو جانتے تھے اسی طرح ان جانوروں کے آباء و اجداد کے نام اور پوری پوری نسلوں سے واقف تھے۔ ان جانوروں کی سواری کے لئے بھی ان کے کچھ قواعد وضوابط بھی تھے۔

دور دراز سفر کے لئے جن اونٹوں پر سواری کی جاتی تھی انہیں الرکائب' النجائب اور العیس کہا جاتا تھا۔ ان پر اکثر ایک ہی آدمی سوار ہوتا تھا اور کبھی ضرورت کے وقت دوسرے آدمی کو سوار کرنا ہوتا تو وہ اس کی پیٹھ کے پیچھے بیٹھتا۔ اس پر چند ضروری ہلکی اشیاء کے سوا زیادہ بوجھ نہیں مارا جاتا تھا۔ اس بنا پر دوسرے اونٹوں کی نسبت اس کی رفتار بھی تیز ہوتی تھی۔ جن اونٹوں پر زیادہ وزن ہوتا اس پر دو تین آدمی بھی ہودج پر سوار ہو جاتے۔ اور بعض اونٹ صرف مال برداری کے لئے استعمال کئے جاتے۔ ان پر کوئی آدمی سوار نہیں ہوتا تھا۔ ان کی رفتار بھی کم ہوتی۔ ایسے اونٹ جدہ سے مکہ مکرمہ تک دو راتوں میں سفر طے کرتے۔ دن کے وقت گرمی سے بچنے کے لئے راستہ میں ''بحرا'' کے مقام پر آرام کرتے اور دوسری رات سفر کر کے صبح مکہ پہنچ جاتے۔

اس طرح وہ مال و متاع کی نقل و حمل اور سفر میں ان جانوروں سے کام لیتے تھے۔ یہی طریقہ تقریباً پوری دنیا میں رائج تھا۔ یہاں تک کہ ۱۳۰۰ ہجری میں ریل گاڑیوں موٹر گاڑیوں اور ہوائی جہازوں کے دور کا آغاز ہوا۔ بنا بریں ہر ملک میں اونٹوں' گھوڑوں اور گدھوں کی جگہ بتدریج ان نئی' مضبوط اور تیز رفتار سواریوں سے کام لیا جانے لگا۔

ایک زمانہ تھا کہ اہل عرب شتر بانی کے سوا کچھ جانتے تک نہیں تھے اور حج کے مہینوں میں ہزاروں اونٹ مکہ مکرمہ میں جمع ہو جاتے تھے' تاکہ حجاج کرام کو مناسک حج کی ادائیگی کے لئے اپنے شہر سے مکہ معظمہ اور پھر منیٰ' مزدلفہ اور عرفات لے جائیں اور لے آئیں۔ مناسک حج سے فارغ ہونے کے بعد حجاج کو مدینۃ الرسول ﷺ کی زیارت کرائیں۔ اس طرح جہاں حجاج کو سفر طے کرنے میں آسانی ہوتی وہاں شتر بانوں کی روزی کا ایک معقول ذریعہ بھی تھا۔

چنانچہ مکہ مکرمہ کی تھوڑی سی آبادی' تنگ اور دشوار گزار راستوں میں حجاج

Marfat.com

کے ساتھ ساتھ اونٹوں کا بھی بے پناہ ہجوم ہوتا' لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے سب ہی وہاں سما جاتے۔

حجاز کے شہروں میں جب موٹر گاڑیاں چلنا شروع ہوئیں تو ان کی آواز کی دہشت سے اونٹ بدکنے لگے اور شہروں میں ان کا چلنا محال ہو گیا۔ علاوہ ازیں نئی سواریوں کے فوائد کے پیش نظر شہر میں آباد لوگوں نے اونٹ رکھنا چھوڑ دیئے اور موٹریں خرید لیں۔ اس طرح وہ ہزاروں لاکھوں اونٹ بدوؤں کے ساتھ بادیہ وصحرا اور پہاڑی علاقوں میں چلے گئے جہاں بدوان پر سواری کرتے' سامان لادتے اور ان کا گوشت کھاتے۔

۱۳۴۰ھ میں مکہ مکرمہ کی سرزمین میں جو پہلی موٹر گاڑی آئی وہ ہندوستان کے ایک رئیس تاجر کندوانی نے شریف حسین بن علی امیر مکہ کو بطور تحفہ پیش کی تھی۔ مگر شریف حسین نے اسے بہت کم استعمال کیا کیونکہ وہ گھڑ سواری کا شائق تھا اور مکہ شریف کے ناہموار اور تنگ راستے گاڑے کے لئے کارآمد بھی نہیں تھے۔

۱۳۴۳ھ میں جب حجاز پر جلالۃ الملک عبدالعزیز بن عبدالرحمن آل سعود کی حکومت قائم ہوئی اور پھر اللہ تعالیٰ نے حجاز کی ریت کے ذروں سے تیل کے سمندر جاری کر دیئے جس سے اہل حجاز کی کایا پلٹ گئی اور تیل کی دولت نے سعودی حکومت کو عرب کی تمام حکومتوں سے زیادہ دولت مند بنا دیا۔

حکومت نے تمدنی اور عمرانی ترقی پر بہت زیادہ توجہ دی۔ سڑکیں کشادہ اور پختہ بنائی گئیں۔ شہروں کی حالت دن بدن بہتر ہونے لگی۔ ہر آدمی کے پاس دولت کی فراوانی ہوگئی۔

۱۳۴۶ھ میں مکہ مکرمہ' مدینہ منورہ اور جدہ کے لئے مغربی ممالک سے گاڑیاں درآمد کرنے کی غرض سے ایک کمپنی بنائی گئی۔ اس کے بعد گاڑیوں کے کئی اور تجارتی ادارے اور مراکز قائم ہوئے اور حکومت نے بھی درآمدی لائسنس جاری کر کے اس کام کی حوصلہ افزائی کی۔ بہت سی اقسام' مختلف اور دیدہ زیب رنگ کی لاتعداد گاڑیاں درآمد ہونے لگیں۔ اب تو حکومت کے ہر شعبہ' ہر دفتر اور ہر آدمی

Marfat.com

کے پاس گاڑی موجود ہے۔

۱۳۷۳ھ میں جب ملک عبدالعزیز بن عبدالرحمن آل سعود کا انتقال ہوا تو اس وقت مکہ مکرمہ میں اونٹوں اور گھوڑوں کا نام ونشان تک نہ تھا۔ شہر کی سڑکوں پر ہر جانب تیز رفتار اور آرام دہ گاڑیاں چلتی نظر آتی تھیں۔ اس طرح حجاج کرام کو بھی سفر کی سہولتیں میسر آئیں۔

۱۳۴۸ھ کے بعد مکہ مشرفہ میں بہت کثرت سے گاڑیاں استعمال ہونے لگیں' ان کی کثرت سے اور سفر کی سہولت کے باعث حجاج کرام کی تعداد میں بھی ہر سال بے پناہ اضافہ ہونے لگا۔

یہ کیفیت تو ۱۳۸۵ھ تک کی بیان کی گئی ہے' جب کہ اس کے بعد گاڑیوں کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا۔ مکہ میں کوئی گھر بمشکل ایسا ہوگا جن کے ہاں موٹر کار نہ ہو بلکہ امیر گھرانوں میں گھر کے ہر فرد کے لئے علیحدہ علیحدہ کار ہوتی ہے۔ اس وقت نہ صرف اہل مکہ موٹر گاڑیوں اور کاروں میں سفر کی سہولت سے لطف اندوز ہو رہے ہیں بلکہ تمام زائرین اور حجاج کرام بھی ان سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

کرایہ پر چلنے والی ٹیکسیاں اس قدر اعلیٰ معیار کی ہیں جن میں سفر کرتے ہوئے احساس تک نہیں ہوتا۔ ٹیوٹا' کرونا' مزدہ' ڈاٹسن اور مرسڈیز وغیرہ مارک I-II بطور ٹیکسی چل رہی ہیں۔ اندرون شہر دو تین ریال یعنی ۸۔۵ یا ۷۔۸ روپے عام کرایہ ہے۔ اور مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ گورنمنٹ ۱۲ یا ۱۴ ریال' پرائیویٹ ٹیکسیاں ۲۰ سے ۳۰ ریال اور ایئر کنڈیشنڈ گاڑیاں جو ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۸ء کو شروع ہوتی ہیں' ۳۰ ریال سے ۷۰ ریال تک وصول کرتی ہیں۔ سٹیشن ویگن جنہیں اہل مکہ طاب کہتے ہیں کا کرایہ ۳۰ ریال ہے۔ مگر یہ کرائے متعین نہیں ہیں۔ حج کے ایام میں ان میں زبردست اضافہ ہو جاتا ہے۔

اس وقت دو بڑی ٹرانسپورٹ کمپنیاں پائی جاتی ہیں الشرکۃ الاھلیہ اور النقل الجماعی۔

Marfat.com

باب ہفتم

تہذیب و تمدن

مکہ کا تہذیبی و تمدنی ارتقاء
دنیا کے لئے قابل رشک ہے

Marfat.com

- زبان
- لباس
- معاشرت
- پیشہ
- صنعت وحرفت
- عمرانی ترقی

Marfat.com

زبان

مکہ مشرفہ کے یوم تاسیس سے آج تک وہاں عربی زبان بولی جاتی ہے۔
جب سیدنا اسماعیل علیہ السلام اپنی والدہ ماجدہ کے ہمراہ اس سنسان بیابان میں فروکش ہوئے تو تھوڑے ہی عرصہ بعد قبیلہ بنو جرہم پانی کی جستجو میں وہاں آ کر آباد ہو گیا۔
سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی مادری زبان عبرانی تھی' جب کہ جرہم عربی بولتے تھے۔ ان کے اختلاط سے آپ نے بھی عربی سیکھ لی اور پھر عربی اس مقدس شہر کی اصل زبان قرار پائی اور اسے ایسی پذیرائی نصیب ہوئی کہ ربّ کائنات نے اپنے مقدس کلام قرآن مجید کو بھی اسی زبان میں نازل فرمایا' اور امام المرسلین رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب زبان بھی یہی تھی۔

سیدنا اسماعیل علیہ السلام اور ان کے بعد بنو اسماعیل قرب و جوار کے تمام ممالک کی مروجہ زبانوں پر بھی عبور رکھتے تھے اور بغیر کسی ترجمان کے گفت و شنید کرتے تھے۔ کیونکہ ان سے نسلی تعلق کے علاوہ تجارتی روابط بھی تھے چنانچہ مسیحی مؤرخ جرجی زیدان لکھتا ہے:

"بنو اسماعیل قربت وطن کے باعث گرد و پیش کے تمام متمدن بلاد کی زبان جانتے تھے۔ مثلاً سامی جو اس زمانہ میں تلفظ اور معنی میں عربی سے ملتی جلتی تھی۔ کلدانی' اشوری' عبرانی' حبشی اور فنیقی وغیرہ زبانوں میں انہیں گفتگو کرنے میں کسی ترجمان کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی"۔ (تمدن اسلامی ص ۱۰)

فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے عربی نے دنیا میں ایسا قابل رشک مقام حاصل کیا جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی اور پھر شہری باشندوں کی نسبت دیہاتی لوگوں کی زبان بہت زیادہ فصیح اور خالص ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے زمانہ قدیم کے امراء اور

Marfat.com

روسا اپنے شیر خوار بچوں کی پرورش کا انتظام دیہات میں کرتے تھے۔ تاکہ زبان پر پوری طرح عبور حاصل ہو جائے۔ اسی دستور کے مطابق آقائے نامدار مدنی تاجدار ﷺ نے بھی بچپن سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں شہر سے بہت دور دیہات میں بسر فرمایا تھا۔

چونکہ شہر مختلف زبان بولنے والے لوگوں کی آمد و رفت کا مرکز ہوتا ہے۔ اس لئے ان کی زبان خلط ملط ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ مکہ معظمہ کے لوگ عربی النسل اور عربی اللسان ہونے کے باوجود آج دنیا کی مختلف زبانوں کا اثر قبول کر چکے ہیں۔ عام لوگوں کی بول چال اور گفتگو میں بکثرت ایسے الفاظ پائے جاتے ہیں جو عربی لغت اور قواعد کے بالکل خلاف ہیں۔

عصر حاضر میں عربی دو اقسام پر مشتمل ہے "فصیحہ" اور "عامیہ" "فصیحہ" انتہائی فصیح و بلیغ زبان ہے۔ یہی سرکاری زبان ہے۔ اسکولوں، ریڈیو، ٹی وی، اخبارات اور تصنیفات و تالیفات میں اسی کا استعمال ہوتا ہے۔ "عامیہ" یہ عام لوگوں کی زبان ہے جس میں بہت سی خامیاں پائی جاتی ہیں۔

الشیخ لبیب عونی رحمہ اللہ لکھتے ہیں حج کے موقع پر ساری دنیا کے مسلمان مکہ میں جمع ہوتے ہیں جن کی طبیعتیں اور زبان مختلف ہونے کی وجہ سے عربی لوگوں کی گفتگو میں زبردست تغیر آ گیا ہے۔

مثلاً هذا حق فلان اگر کہنا ہو تو هذا حقوں فلان کہتے ہیں یا اسے تانیث کے ساتھ استعمال کرنا ہو تو حقة فلان کہیں گے۔ اور صلوا و ارکبوا کہنا ہو تو هيا صلوں و ارکبوں کہیں گے۔ قم لعندنا کی بجائے قم لنا اعمل كذا کی جگہ قل كذا شكراً کہنا ہو تو ايص کہتے ہیں۔ اجلس کی بجائے اتجعمص۔ اخلع نعلك کی جگہ فصخ حذائك۔ مرکی بجائے رِل۔ اخرج کی بجائے اُنْقُر۔ إِلّا کو نعم کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ رح کی جگہ الغد۔ احسن من هذا کی جگہ اشكل من هذا۔ تكلّم کی جگہ حرج۔ ما كلمته کی جگہ ماهرّحته'

Marfat.com

بطیخ کو قربوذ کہتے ہیں۔ کلیب کی بجائے سلیب ۔ کبد کی بجائے سبد اور کواکب کی جگہ سواسب کہتے ہیں۔(الرحلة الحجازية ص ٤٢ تا ٤٥)

علامہ بشاری نے چند اغلاط کی نشاندہی کی ہے عدن کولوگ رجلیہ کی جگہ رجلینہ اور یدیہ کی جگہ یدینہ کہتے ہیں۔ اسی طرح رجب کی جگہ رکب اور رجل کی جگہ رکل۔ جیم کو کاف سے بدل دیتے ہیں اور ان سے متاثر ہو کر اہل مکہ بھی ان الفاظ کو استعمال کرنے لگے ہیں۔(احسن التقاسیم ص ٩٦)

مذکورہ اغلاط تو کچھ زمانہ پہلے پائی جاتی تھیں مگر آج کل جو زبان بولی جا رہی ہے وہ بھی عربی قواعد سے بیحد مختلف ہے۔ اور نہ جانے کن کن ممالک کی زبانوں سے اخذ شدہ الفاظ استعمال ہو رہے ہیں۔ مثال کے طور پر شا کی بجائے شالی۔ مَاءٌ کو مُویا ۔ نِصف کو نُص یا نُصف ۔ ثا کو تا میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ ثلاثہ کو تلاتہ ۔ ثمانیہ کو تمانیہ اور ثانی کو تانی کہتے ہیں۔ قاف کو گاف سے بدل کر بولتے ہیں۔ قُل کو گل۔ قُم کو گُم ۔ قُلتُ کی جگہ گُلتُ اور قهوه کو گهوه کہتے امر کے صیغے اکثر غلط استعمال کرتے ہیں۔ اِصبِر کی جگہ اُصبُر ۔ اِغفِر کی جگہ اُغفُر اور اَرکب کی جگہ اُرکُب ۔ دجاجة کی جمع دواجن ۔ سرعة کی جگہ یلاً اور دُگ وغیرہ اسی طرح دہی کو لَبَن جب کہ دودھ کو صرف حلیب کہتے ہیں۔

مذہب

مکہ معظمہ میں سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی تعلیمات کی تبلیغ کی جاتی تھی اور لوگ اس پر عمل پیرا بھی تھے۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگ دین حنیفہ سے روگردانی کر کے یہودیت' مسیحیت' اجسام پرستی' کواکب پرستی' ارواح پرستی اور بت پرستی کے خوگر بن گئے۔ آفتاب اسلام طلوع ہونے سے پہلے کعبہ شریف کا فرش' چھت' دیواریں' غرض اندر اور باہر بت ہی بت نظر آتے تھے۔ گویا کہ دنیا کے

Marfat.com

بڑے بڑے بت خانوں کی طرح یہ بھی ایک بت کدہ بن چکا تھا۔ مکہ معظمہ میں بت پرستی کا بیج عمرو بن لحی نے بویا تھا۔

لیکن فتح مکہ کے دن امام الانبیاء ﷺ نے نہ صرف کعبہ شریف کو بلکہ پورے شہر کو بتوں کی نحوست سے پاک کر دیا اور اب چودہ سو سال ہو چکے ہیں کہ وہاں کے تمام باشندے صحیح العقیدہ مسلمان ہیں۔ کوئی غیر مسلم اس طرف بھٹک بھی نہیں سکتا۔ قرآن و حدیث کی تعلیمات کے مطابق نہایت راسخ العقیدہ اور مضبوط ایمان والے لوگ ہیں۔ شرک تو کجا بدعات تک سے سخت متنفر ہیں۔ آج کل فقہی مسلک حنبلی رائج ہے۔

تعلیم

قدیم زمانہ میں پوری دنیا کی طرح مکہ شریف میں اہل علم حضرات کی تعداد بہت کم تھی' لیکن اسلام کے بعد اس میں بتدریج ترقی ہونے لگی۔ اور اس وقت دینی علوم وفنون کے ساتھ جدید عسکری تعلیم کا بھی انتہائی معقول انتظام ہے۔ مکہ معظمہ میں نہ صرف تعلیم مفت ہے بلکہ طلباء اور طالبات کو کتابیں اور خوراک بھی مفت مہیا کی جاتی ہے۔ ہم انشاء اللہ اس موضوع کو پوری شرح وبسط کے ساتھ تاریخ مکۃ المکرمہ کی جلد سوم میں بیان کریں گے۔ قارئین انتظار فرمائیں۔

لباس

عرب قدماء کے رواج کے مطابق آج تک عربوں کا لباس ڈھیلا ڈھالا' لمبا' باعزت اور باوقار ہے۔ تنگ وچست نہیں ہے۔ البتہ کپڑے کی اقسام' ارزانی وگرانی اور رنگ وغیرہ زمانے کی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے مؤرخین نے مختلف اوقات میں کئی رنگوں کے لباس کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ مشہور سیاح ابن بطوطہؒ نے ۷۲۶ھ میں حسب ذیل نوعیت کا لباس

Marfat.com

بیان کیا ہے:

''اہل مکہ نہایت خوش پوش ہوتے ہیں۔ سفید لباس سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ وہ ہمیشہ سفید لباس زیب تن کرتے ہیں۔ سرمہ' خوشبو اور مسواک کا استعمال بہت زیادہ کرتے ہیں''۔

(سفرنامہ ابن بطوطہ ص ۲۱۳)

الشیخ ابراہیم رفعت پاشا مرحوم نے ۱۳۲۷ھ میں لباس کی تفصیلات اس طرح بیان کی ہیں:

''مکہ کے لوگ لباس اور خوراک میں بہت مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔ لباس میں سبز' سرخ' گلابی اور زرد رنگ زیادہ پسند کرتے ہیں۔ گھروں میں آرائش و زیبائش کی بیش بہا قیمتی چیزیں ہوتی ہیں۔ عورتیں جب بازار جاتی ہیں تو موٹے کپڑے کا برقع جس میں آنکھوں کے سامنے دو دائرے بنے ہوتے ہیں' پہن کر جاتی ہیں۔ پاؤں میں پورا جوتا ہوتا ہے۔ اکثر زرد رنگ کا جوتا پہنتی ہیں''۔ (مراۃ الحرمین ص ۲۰۳ تا ۲۰۵)

لیکن اس زمانہ میں مرد اکثر سفید لباس پہنتے ہیں۔ کرتہ جسے توپ کہتے ہیں ٹخنوں تک لمبا ہوتا ہے۔ اس کے نیچے پاجامہ یا نکر پہنتے ہیں۔ پاؤں میں بوٹ' چپل اور ہوائی چپل استعمال کرتے ہیں۔ اور سر پر دھاگے کی بنی ہوئی ٹوپی یا رومال ہوتا ہے کرتہ عموماً کے ٹی۔ ہائی صافی اور بوسکی وغیرہ کا ہوتا ہے۔ نکر اور پاجامہ دھاری دار یا رنگدار ہوتا ہے۔ رومال زیادہ تر سفید استعمال کرتے ہیں جب کہ سبز اور سرخ بھی استعمال ہوتا ہے۔ رومال سر پر باندھنے کی بجائے سہ کونہ سا بنا کر ڈال لیا جاتا ہے' اور بعض آدمی بالخصوص معززین اس پر سیاہ دھاگے یا سنہری تار سے بنا ہوا۔

رؤسا' امراء' علماء' فضلاء اور معززین جبہ بھی پہنتے ہیں' جو عموماً زرد' سیاہ' سبز اور کئی دوسرے رنگوں میں ہوتا ہے۔ عورتیں بھی توپ یعنی لمبی قمیص' پاجامہ اور دوپٹہ پہنتی ہیں۔ ان کا لباس زیادہ تر پرنٹڈ اور بہت قیمتی ہوتا ہے۔ پاؤں میں بوٹ

Marfat.com

یا چپل ہوتی ہے۔ بازار یا حرم شریف جاتے وقت برقع اوڑھ کر جاتی ہیں۔ جو عموماً سیاہ رنگ کا ہوتا ہے۔ آج کل قدیم طرز کے مطابق آنکھوں کے سامنے دو دائرے بھی ہوتے ہیں اور جدید طرز کا قدرے باریک کپڑے کا نقاب بھی ہوتا ہے۔ عرب خواتین بازار میں بہت کم جاتی ہیں۔ خرید و فروخت مرد ہی کرتے ہیں' مرد اور عورتیں اکثر جرابیں بھی پہنتے ہیں۔

چونکہ مکہ معظمہ میں سردی نہیں ہوتی اس لئے موسم سرما اور گرما کا لباس تقریباً ایک ہی ہوتا ہے۔ دوسرے ممالک کے لوگوں کو دیکھ کر اب وہاں بھی نوجوان ننگے سر نظر آتے ہیں۔ جب کہ کچھ عرصہ قبل تک مرد ننگے سر بازار جانا عیب سمجھتے تھے۔ نفاست اور صفائی کے بے حد خوگر ہیں۔ لباس' بستر' برتن' مکانات اور ہر چیز صاف ستھری رکھتے ہیں۔ گھروں' دکانوں اور موٹر گاڑیوں میں ٹائلٹ پیپر صفائی کے لئے ہر وقت موجود رہتا ہے۔ مسواک اس کثرت سے کرتے ہیں کہ بازاروں میں چلتے پھرتے' دکان پر بیٹھے حتیٰ کہ جب نماز کی جماعت ہونے لگتی ہے تب بھی عربی لوگ مسواک کی سنت ادا کررہے ہوتے ہیں۔

ابن بطوطہؒ اہالیانِ مکہ کے اوصاف اور عادات اس طرح بیان کرتے ہیں

''اہل مکہ کے افعال جمیلہ' مکارم عظیمہ اور اخلاق کریمانہ بے حد قابل تعریف ہیں۔ غرباء' مساکین' تارک الدنیا لوگوں اور ہمسایہ کے ساتھ بہت عمدہ برتاؤ کرتے ہیں۔ جب کوئی آدمی دعوت ولیمہ کرتا ہے تو غربا کو بڑی عزت واحترام' رفق و ہمدردی اور حسن اخلاق سے کھانا کھلاتے ہیں''۔

اسی طرح چھوٹے یتیم بچوں کے ساتھ بے حد رحمدلی اور شفقت سے پیش آتے ہیں۔ یہ بچے چھوٹی اور بڑی ٹوکریاں لے کر بازار میں بیٹھ جاتے ہیں۔ لوگ بازار سے غلہ' گوشت' سبزی اور دوسری چیزیں خرید کر ان بچوں کے سپرد کر کے خود طواف کرنے یا کسی دوسرے کام کو چلے جاتے ہیں اور بچے بڑی دیانتداری اور حفاظت

Marfat.com

سے سامان ان کے گھر پہنچا دیتے ہیں اور گھر والے انہیں انعام و اکرام سے نوازتے ہیں۔ (ابن بطوطہ ص ۲۰۲)

لیکن ہمارے اکثر پاکستانی بھائی جب فریضہ حج کی ادائیگی سے وطن لوٹتے ہیں تو اہل مکہ کی سنگدلی' بداخلاقی اور ترش روی کا شکوہ کرتے ہیں۔ حالانکہ ہمیں زیبا نہیں کہ جن لوگوں کو اللہ کریم نے اپنے مقدس گھر کا پڑوسی ہونے کے شرف سے ممتاز فرمایا ہے' ان کی عیب چینی کریں اور ان کے حق میں زبان طعن دراز کریں۔ علاوہ ازیں نبی امی سید العرب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ''میں عربی ہوں اور تم عربوں کو ہرگز برا نہ کہنا''۔

ہمارے حجاج کی شکایت کا اصل سبب یہ ہے کہ اس وقت مکہ میں عربی النسل لوگ بہت کم رہ گئے ہیں' اکثریت ان لوگوں کی ہے جو دوسرے ممالک کے باشندے ہیں اور ایک دو پشت یا زیادہ عرصہ سے مکہ میں مقیم ہیں۔ ان لوگوں کے اخلاق اور اصل عربی لوگوں کے اخلاق میں بہت بڑا فرق ہے' اور حجاج کو اکثر انہی لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ بہرحال اُن کی عیب چینی سے گریز کرنا انتہائی ضروری ہے۔

خوراک

شیخ رفعت پاشا اہالیان مکہ کی خوراک کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''لباس کی طرح خوراک بھی عمدہ اور پر تکلف ہوتی ہے۔ قسم قسم کے کھانے تیار کیے جاتے ہیں جن میں ہندی' مغربی' شامی' ترکی اور مصری وغیرہ ہر طرح کے ہوتے ہیں۔ مکہ کے لوگ مہمان نوازی میں بے حد فیاض ہیں۔ مہمان اور میزبان قالین پر بیٹھتے ہیں' پہلے قہوہ سے تواضع کی جاتی ہے اور پھر باری باری ہر قسم کا کھانا رکھتے جاتے ہیں۔ یہ لوگ دن میں دو وقت صبح اور عصر کے بعد کھانا کھاتے ہیں البتہ قہوہ سارا دن چلتا رہتا ہے''۔ (مرآۃ الحرمین جلد ۱ ص ۲۰۳' ۲۰۴)

Marfat.com

روٹی پکانے کا طریقہ

قدیم زمانہ میں مکہ کے لوگ گھروں میں روٹی نہیں پکاتے تھے بلکہ بازار سے پکواتے تھے۔ شہر میں مختلف مقامات پر روٹی پکانے والے چولہے ہوتے تھے جن میں لکڑی جلائی جاتی تھی۔ لوگ گھروں میں آٹا گوندھ کر پیڑے بناتے اور لکڑی کی ایک تختی پر رکھ کر بچوں یا نوکروں کو دے کر چولہے پر بھیج دیتے۔ وہاں صبح سے شام تک خوب بھیڑ رہتی تھی۔ لوگ بازار کی دکانوں سے روٹی قطعاً نہیں کھاتے تھے' بلکہ گھر میں آٹا گوندھ کر بازار سے پکواتے تھے۔ البتہ غریب اور مزدور جنہیں آٹا میسر نہیں آتا تھا وہ بازار سے کھاتے تھے۔

۱۳۷۵ھ میں جب مکہ مشرفہ میں تمدنی اور عمرانی تہذیب عروج پر تھی اور قدیم طرز کی پرانی اور بوسیدہ عمارات کی جگہ بلند و بالا' عالیشان اور مضبوط محلات تیار ہونے لگے' تو جن مقامات پر چولہے تھے وہاں بھی مکان بن گئے۔ صرف چند جگہیں جو جدید تعمیراتی منصوبہ سے متاثر نہیں ہوئی تھیں' چولہے باقی رہ گئے۔ لیکن جہاں ہر ایک چیز میں ترقی ہو رہی تھی اس نظام میں بھی تبدیلی ناگزیر تھی۔ بنا بریں تیل سے جلنے والے لوہے کے چولہے استعمال ہونے لگے۔ جن پر پکائی ہوئی روٹی قدیم طرز کے چولہوں کی نسبت زیادہ عمدہ اور لذیذ ہوتی تھی جسے اہل مکہ نے بہت زیادہ پسند کیا اور گھروں میں آٹا گوندھ کر روٹی پکوانے کی بجائے تیل کے چولہوں پر پکی ہوئی روٹی بڑی رغبت سے خریدنے لگے۔ یہاں تک کہ امیر' وزیر' فقیر اور غریب ہر طبقہ کے لوگوں نے بازار سے خریدنا شروع کر دی۔ اگرچہ گھر سے آٹا گوندھ کر پکوائی جانے والی روٹی کی نسبت یہ مہنگی تھی۔ اب تو گھر میں روٹی پکانے کا دستور ختم ہو گیا ہے۔ تقریباً نصف صدی پہلے لوگوں نے گھروں میں کھانا پکانا اور سردی کے ایام میں آگ تاپنے کے لئے چولہے تیار کئے تھے۔ جن میں لکڑی یا کوئلہ جلایا جاتا تھا۔ لیکن ۱۳۳۳ھ کے بعد تیل سے جلنے والے چولہے اور بجلی کے ہیٹر استعمال ہونے لگے۔

یہاں تک کہ ۱۳۷۳ھ میں لکڑی جلانے کا رواج تقریباً ختم ہو گیا۔ البتہ چلم کے لئے اب بھی لکڑی اور کوئلہ ہی استعمال ہوتا ہے۔

اب تیل سے چلنے والے چولہے بھی بہت کم استعمال ہوتے ہیں بلکہ فان گیس کی سہولت سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ اور بازار میں چولہوں پر روٹی پکانے کا طریقہ بالکل ختم ہو گیا ہے۔ ان کی جگہ ہر محلہ میں دو دو' تین تین تنور لگے ہوئے ہیں جن میں لکڑی جلائی جاتی ہے۔ البتہ گھروں میں روٹی پکانے کا طریقہ مفقود ہے۔ تنور سے تازہ روٹی ملنے کے علاوہ بیکری سے بھی روٹی ملتی ہے جو مختلف نام سے پکاری جاتی ہے۔ مثلاً صمولی' گول اور لمبی روٹی' عیش' موٹی روٹی' تمیز' تنوری روٹی' شامی' نان کی مانند اور ابو شمن' گھی والی روٹی۔ لوگ گھروں میں ترکاری پکا لیتے ہیں اور روٹی بازار سے خریدتے ہیں۔ ترکاری میں سرخ مرچ قطعاً استعمال نہیں کرتے صرف کالی مرچ استعمال ہوتی ہے۔

۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۹ء میں آٹومیٹک بیکریاں بھی شروع ہو گئی ہیں۔ یہ مشین گاڑی میں نصب ہوتی ہے اور جہاں ضرورت ہو اسے لے جاتے ہیں۔ حج کے دنوں میں شہر کے علاوہ منیٰ اور عرفات میں بھی ان سے کام لیا جاتا ہے۔ اس مشین میں آٹا اور پانی حسب ضرورت ڈال دیا جاتا ہے اور پکی پکائی روٹی برآمد ہوتی ہے۔

ہنڈیا پکانے کے لئے حسب ذیل اشیاء دستیاب ہیں

اونٹ' دنبہ' بکرا اور گائے کا گوشت بکثرت ملتا ہے۔ مرغی اور مچھلی بھی خوب فروخت ہوتی ہے۔ سبزیاں تقریباً سبھی دستیاب ہیں۔ مثلاً شلغم' مولی' گاجر' پیاز' بینگن' سبز توری' بھنڈی توری' گھیا' حلوہ کدو' لوکی' پھول اور بند گوبھی۔ مٹر' ٹماٹر' سبز موٹی مرچ' آلو' کریلے' فریش بین۔ اور دالوں میں دال چنا' دال مسور' دال مونگ' لوبیا وغیرہ۔ اور پھلوں میں کھجور' آم' مالٹا' تربوز' خربوزہ' کھیرا' ککڑی' سیب' امرود' کیلا' انناس' ناشپاتی' انگور اور انار وغیرہ ہر موسم کے پھل اور سبزیاں سارا سال ملتے ہیں۔
چائے عموماً بغیر دودھ کے استعمال کرتے ہیں جسے اسود کہتے ہیں۔ تیز گرم

Marfat.com

پانی گلاس میں ڈال کر چینی اور لپٹن ٹی بیگ ڈال دیا جاتا ہے جس سے چائے تیار ہو جاتی ہے۔ دودھ اکثر خشک استعمال ہوتا ہے جس میں نیڈو نسلے اور ۔۔ زیادہ عمدہ ہے۔ بند ڈبوں میں لیکوڈ دودھ بھی ملتا ہے جو وادی فاطمہ میں پیک کیا جاتا ہے۔ گائے اور بکری کا کچا اور پکا دودھ بھی مل جاتا ہے۔ دہی اور ملائی گتے اور ٹین کے ڈبوں میں بند ملتی ہے۔ وہ لوگ سبز قہوہ' سونٹھ کا قہوہ اور پودینہ کا قہوہ بھی بڑے ذوق سے پیتے ہیں۔

مشروبات

مکہ مشرفہ کے لوگ مہمان نوازی کے وصف میں پوری دنیا میں مشہور ہیں۔ مہمان کی دلجوئی اور دلداری پر جان قربان کرتے ہیں۔ زائرین کی آمد یا مختلف خوشی کے مواقع مثلاً عید' شادی' بچوں کا ختنہ اور بچوں کا حفظ یا ناظرہ قرآن مجید ختم کرنے کے موقع پر شربت سے تواضع کی جاتی ہے۔ مٹی کے مٹکے یا تانبے کے گاگر پانی سے بھر کر ان میں شکر ڈالتے اور پھر اسے رنگدار بنانے کے لئے زرد' سرخ' سبز یا گلابی رنگ ڈالتے۔ عرق گلاب' کیوڑہ یا مصطگی سے خوشبو دار بنا کر خوش ذائقہ بنانے کی خاطر نارنج یا لیموں دستیاب ہوں تو وہ نچوڑ لئے جاتے۔ اس کے بعد شیشے کے گلاسوں میں بھر کر مہمانوں کے سامنے پیش کرتے تھے۔ اس طرح کا شربت مخصوص تقریبات میں پیش کیا جاتا تھا۔ شربت پلانے کے بعد قہوہ پلایا جاتا تھا۔

اس کے علاوہ بازار میں حسب ذیل مشروبات فروخت ہوتے تھے۔

شربت تمر ہندی' شربت انگور' شربت کھجور' شربت لیمن اور خشک روٹی کا مخصوص طریقہ سے تیار کردہ شربت وغیرہ۔ شربت سے مٹکا بھر کر قدرتی ہوا یا ہاتھ کے پنکھے سے ٹھنڈا کر کے اسے لذیذ بنانے کی خاطر تخم ریحاں ڈالتے تھے۔ جب کوئی شخص دکاندار سے شربت طلب کرتا تو وہ شیشے کے گلاس میں تر شدہ تخم ریحان ڈال کر اس میں شربت ڈالتا اور پھر گاہک کو پیش کرتا۔ اس شربت کو "الفالوذہ" کہتے تھے۔

Marfat.com

اس نوعیت کے مشروبات ۱۳۸۵ھ سے تقریباً ۳۰ سال پہلے استعمال ہوتے تھے۔ لیکن بعد میں ان کی جگہ مختلف قسم کے نئے مشروب آ گئے۔ شربت گلاب' شربت اورنج' شربت توت اور شربت انار وغیرہ یہ مصر اور شام میں تیار ہوتے تھے۔

۱۳۷۰ھ میں جب برف دستیاب ہونے لگی تو کوکا کولا' اورنج' برتقال' پیپسی' میرانڈا' التفاح اور سینالکو وغیرہ بھی آنا شروع ہو گئے۔ کوکا کولا کے مالکان شیخ صدقہ اور شیخ سراج کعکی دو بھائیوں نے جدہ میں فیکٹری لگائی۔ یہ مشروبات بوتلوں میں بند ہوتے ہیں اور انہیں ٹھنڈا کرنے کے لئے برف میں لگایا جاتا ہے جس سے یہ بے حد لذیذ بن جاتے۔

اب تو دن بدن جدید اور لذیذ مشروبات بکثرت ملتے ہیں۔ کیلا' مالٹا' خربوزہ کا جوس' جو کا پانی' پیپسی کولا' مینگو' لیمن' اورنج سکوائش کے علاوہ گتے کے ڈبہ میں سن ٹاپ جونلکی لگا کر پیا جاتا ہے بھی دستیاب ہے۔ اکثر مشروب ٹین کے ڈبوں میں بند ہوتے ہیں۔ ڈھکن میں ایک چھوٹی سی چٹری ایسی عمدگی سے لگی ہوتی ہے' جسے ہاتھ سے پکڑ کر اتار دیا جاتا ہے اور اس سوراخ سے مشروب پیتے ہیں۔

مہمان نوازی میں اس قدر زیادہ تکلف کیا جاتا ہے کہ متوسط درجہ کے لوگ بھی متعدد اقسام کے کھانے ضیافت میں پیش کرتے ہیں۔ راقم الحروف ناشتہ کی ایک دعوت میں شریک ہوا' جہاں صاحب خانہ گھر میں علالت کے عذر کی وجہ سے صرف سادہ چائے کی دعوت دی تھی۔ اور اپنی معذوری کا بار بار اظہار بھی کرتے رہے۔ ہم لوگ صبح وقت مقررہ پر پہنچے تو ناشتہ تیار ہونا شروع ہوا۔ کچھ دیر بعد جب ناشتہ آیا تو اس میں حسب ذیل چیزیں تھیں

پراٹھا' فرائی انڈہ' ڈبل روٹی' گوشت' مکھن' پنیر' زیتون کا اچار' حلوہ' پوسٹریاں' بسکٹ' مٹھائی' کیک اور چائے۔ ہم اس پرتکلف سادہ چائے کو دیکھ کر سوچ رہے تھے کہ اگر یہ سادہ چائے ہے تو پھر پرتکلف چائے کتنی اقسام کے کھانوں پر مشتمل ہوگی؟

Marfat.com

سیدی و مرشدی مولانا عبیداللہ انور دامت فیوضہم خلف الرشید قطب الزماں مولانا احمد علی لاہوری نور اللہ مرقدہ کا بیان ہے کہ ہمیں ایک مرتبہ شاہی دعوت میں شرکت کا موقع ملا۔ جس میں سینکڑوں آدمی مدعو تھے۔ کھانے کا انتظام ایک بہت بڑے ہال میں کیا گیا۔ جب لوگ اندر جانے لگے تو ہال کے وسط میں ایک اونٹ بیٹھا ہو نظر آیا۔ تعجب ہوا کہ شاہی مہمان خانہ میں اونٹ کا کیا سروکار؟ لیکن چند ہی لمحوں میں شاہی خدام چھریاں لے کر اس پر حملہ آور ہوئے اور اس کا پیٹ چیر کر ایک بکرا نکالا۔ بکرے کے پیٹ سے مرغ اور مرغ کے پیٹ سے تیتر نکالا۔ اور یہ تمام چیزیں بڑی عمدگی سے روسٹ کی ہوئی تھیں۔ بعد ازیں مہمانوں نے انہیں چھریوں سے کاٹ کر کھانا شروع کر دیا۔

حضرت فرماتے ہیں' کھانا تو کیا تھا ہم اس سوچ کی موج میں گم تھے کہ انہیں کس طرح روسٹ کیا گیا۔ اور پورا اونٹ پکانے کے لئے اتنے بڑے برتن کیسے مہیا کئے۔ اور پھر اس کے پیٹ میں دوسرے جانوروں کو کس عمدگی سے پکایا اور سجایا گیا۔

حج کے موقع پر بڑی بڑی پرتکلف دعوتیں ہوتی ہیں جن میں سے الشیخ بن باز وزیر تعلیم کی دعوت حدیقۃ الزھرا میں تمام ممالک کے سربرآوردہ علماء کرام کی ہوتی ہے۔ دعوت میں متعدد مرغن کھانوں کے علاوہ سالم بکرے بھی بھنے ہوئے ہوتے ہیں۔ مہمانوں کو قالین پر بٹھا کر کھانا پیش کیا جاتا ہے۔

علاوہ ازیں شیخ بن باز چونکہ بدوی ہیں اس لئے منیٰ میں اپنے خیمہ کے اندر جہاں قیمتی قالین بچھے ہوتے ہیں' بدوؤں کی قہوہ سے ضیافت کرتے ہیں۔ یہ دور دن رات چلتا رہتا ہے۔ اور اس میں بے مثال سادگی کا منظر دیکھنے میں آتا ہے۔

اہل مکہ خوشبو کا استعمال اس کثرت سے کرتے ہیں کہ مہمانوں کو بھی خوشبو سے معطر کر دیتے ہیں۔ چارپائی کا استعمال ابھی تک بہت کم ہے فرش پر قالین اور غالیچے ہوتے ہیں جن پر تکیہ رکھ کر سوتے ہیں۔ اب تو فوم کے گدے تکئے اور لحاف بھی استعمال ہونے لگے ہیں۔ نیز بیش بہا قیمتی صوفہ سیٹ بھی گھروں کی زینت بن گئے ہیں۔

Marfat.com

حلاوات

مکہ مکرمہ میں نہ تو کوئی حلوائی کی دکان تھی نہ ہی ٹافیوں اور چاکلیٹوں کی کوئی صنعت' البتہ ہندوستانی حجاج اپنے ساتھ لڈو' جلیبی' برفی' نمک پارے اور دیگر اقسام کی مٹھائیاں لے جاتے تھے۔ اور اسی سے مٹھائی کی ضرورت پوری کی جاتی۔

۱۳۷۴ھ میں الشیخ عبداللہ کعکی نے سب سے پہلے مٹھائی کی دکان شروع کی۔ یہ جدہ روڈ پر "ام الدور" میں واقع تھی۔ جس پر ہر قسم کی مٹھائی اور حلوہ بنایا جاتا تھا۔

رفتہ رفتہ اس کاروبار میں خوب ترقی ہوئی' لیکن مٹھائی کی نسبت مختلف قسم کی ٹافیوں اور چاکلیٹوں سے بڑی بڑی دکانیں بھری پڑی ہیں۔ اور اب تو غیر ملکی مصنوعات کثرت سے آتی ہیں جو بے حد لذیذ' خوش ذائقہ اور عمدہ ہیں۔

مچھلی کی درآمد

حجاز میں لفظ حوت اور سمک ایک ہی معنی میں استعمال ہوتا ہے' جب کہ دوسرے ممالک میں چھوٹی مچھلی کو حوت اور بڑی کو سمک کہتے ہیں۔ حجاز کے ساحلی شہروں جدہ' رابغ' ینبوع' المواقع اور اللیث میں مچھلی بکثرت پائی جاتی ہے۔ ماضی اور حال میں مکہ شریف میں تین قسم کی مچھلی دستیاب ہے۔ ماضی میں تازہ مچھلی نہیں ملتی تھی بلکہ جدہ سے تیل میں بھنی ہوئی مچھلی کھجور کی ٹہنیوں سے بنے ہوئے ہوادار ٹوکروں میں بند کر کے تیسیم اور طاقتور گدھوں پر لائی جاتی تھی۔ اگرچہ یہ پہلے سے بھنی ہوتی تھی مگر گرمی سے خراب ہونے کے خطرہ کے پیش نظر دن کو سفر کرنے کی بجائے یہ قافلے مغرب کے قریب جدہ سے چل کر صبح سویرے مکہ پہنچ جاتے تھے۔ اونٹوں کی رفتار ان کی نسبت کم ہوتی تھی۔ اونٹ جدہ سے مکہ کا سفر دو راتوں میں طے کرتے تھے۔ پہلی رات سفر کے "بحرہ" نامی گاؤں جو مکہ اور جدہ کے درمیان واقع ہے میں قیام کرتے' اور دوسری رات کو وہاں سے روانہ ہو کر صبح مکہ شریف پہنچ

Marfat.com

جاتے۔ دن کے وقت گرمی کی شدت کے باعث سفر کرنا سخت تکلیف دہ ہونے کے علاوہ مچھلی خراب ہو جانے کا قوی اندیشہ ہوتا تھا۔ اس لئے اونٹوں پر مچھلی نہیں لاتے تھے۔ یہ بھنی ہوئی مچھلی مکہ کے دکاندار خرید کر دوبارہ بھون کر فروخت کرتے تا کہ خراب نہ ہو جائے۔

یہ طریقہ قدیم زمانہ میں پایا جاتا تھا۔ لیکن جب سعودی حکومت میں موٹر گاڑیوں کا عام استعمال ہونے لگا تو جہاں سفر میں بے حد آسانی اور آسائش ہوئی وہاں سامان کے نقل و حمل میں بھی بہت زیادہ سہولت ہو گئی۔ علاوہ ازیں ریفریجریٹر اور برف کے استعمال سے مچھلی تازہ دستیاب ہونے لگی۔

جدہ رابغ اور ینبوع میں رات کے وقت مچھلی پکڑی جاتی اور صبح سویرے مکہ شریف پہنچ جاتی' جب کہ مچھلی اسی طرح تر و تازہ ہوتی تھی۔ مکہ میں زقاق الوزیر میں منڈی لگتی جہاں سے دکان دار خرید کر صندوق میں برف لگا کر رکھ لیتے۔ اس طرح دو تین دن تک تازہ رہتی۔ جدہ سے دوران یا ایک دن چھوڑ کر مچھلی آتی اور آنے کا مدار پیدا مال فروخت ہونے پر ہوتا تھا۔

اس زمانہ میں تیسری قسم خشک مچھلی بھی ہے جو کئی ماہ تک خراب نہیں ہوتی۔ یہ زیادہ تر جھینگا مچھلی ہوتی ہے۔ جو جدہ اور دوسرے شہروں سے خشک ہی درآمد کی جاتی ہے۔

مکہ کے لوگ مختلف طریقہ سے مچھلی پکاتے ہیں مگر زیادہ تر سالم تلی ہوئی پسند کرتے ہیں۔ جدہ والے مچھلی پکانے میں بہت مہارت رکھتے ہیں۔ قدرتی طور پر مچھلی کا گوشت' پرندوں' مرغی اور دوسرے گوشت کی نسبت زود ہضم اور لذیذ بھی ہوتا ہے۔ یہ کیفیات اور حالات آج سے پندرہ برس پہلے کے تھے۔ مگر اس وقت مچھلی اور سبزیاں فروخت کرنے کے لئے ایرکنڈیشنڈ گاڑیاں استعمال کی جاتی ہیں۔ اور پھر ان اشیاء کو تر و تازہ رکھنے کے لئے کولڈ سٹورز میں محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ جس کی بنا پر ہفتوں نہیں بلکہ مہینوں تک خراب نہیں ہوتیں۔

Marfat.com

مرغی خانے

مکہ مشرفہ میں دیسی مرغیوں اور انڈوں کا رواج کچھ عرصہ پہلے تک موجود تھا۔ لیکن ۱۳۷۳ھ میں پولٹری مرغیوں اور انڈوں کا استعمال کثرت سے شروع ہو گیا۔ اگرچہ ابتداء میں دیسی مرغ اور انڈے وافر مقدار میں مل جاتے تھے' لیکن پولٹری مرغیوں اور انڈوں کی اس قدر بہتات ہوئی کہ رفتہ رفتہ دیسی مرغیاں اور انڈے مکہ سے غائب ہو گئے۔

چوزے جنہیں مکہ والے ''الفراریج'' اور مصری ''الکتاکیت'' کہتے ہیں باہر سے درآمد کئے جاتے ہیں اور انہیں مخصوص مرغی خانوں میں جہاں ایک دو کمرے ٹھنڈے بنے ہوتے ہیں میں رکھا جاتا ہے۔ ان کے ساتھ ان کی مخصوص خوراک اور نگہبانی کے لئے ایک تجربہ کار آدمی بھی رکھا جاتا ہے۔

مرغی خانے کو ''مزرعۃ الدواجن'' کہا جاتا ہے۔ ابتدا میں صرف تین مرغی خانے تھے سب سے پہلے مزرعۃ فقیۃ الدواجن قائم ہوا' پھر مزرعۃ الشیخ عبداللہ کعکی اور بعد میں مزرعۃ عبداللہ کوہر۔

اس کاروبار میں اس قدر ترقی ہوئی کہ اب دیسی مرغ بہت ہی کم دکھائی دیتے ہیں اور دیسی انڈوں کا کہیں وجود نہیں ہے جب کہ پولٹری مرغ اور انڈوں کی جا بجا دکانیں پائی جاتی ہیں جن پر خریداروں کا ہر وقت جم گھٹا رہتا ہے۔

شادی کی رسومات

شادی کی تقریبات بھی دوسرے ممالک سے قدرے مختلف ہیں۔ اکثر ممالک میں تو یہ رواج ہے کہ عورت اپنے ساتھ جہیز لاتی ہے جب کہ مکہ مکرمہ اور عرب میں مرد عورت کو جہیز دیتا ہے۔ جیسا کہ فرانسیسی مؤرخ ڈاکٹر لی بان لکھتا ہے ''یورپ کی رسم کے بالکل خلاف یہاں عورت مرد کو جہیز نہیں دیتی بلکہ مرد

Marfat.com

عورت کو جہیز دیتا ہے"۔ (تمدن عرب ص ۳۳۷)

اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب رشتہ طے پا جاتا ہے تو لڑکے کے والدین لڑکی کے والدین کو جہیز تیار کرنے کے لئے اپنی حیثیت کے مطابق رقم دیتے ہیں' جو کم از کم ۲۵ ہزار ریال ہوتی ہے۔ لڑکی والے اس رقم سے مکان اور کار کے علاوہ ہر وہ چیز خریدتے ہیں جن کی گھر میں ضرورت پیش آتی ہے۔ سوئی سلائی سے لے کر ٹی وی تک سب کچھ خرید کر مکان میں سجا دیتے ہیں' تاکہ جب دلہن اس گھر میں آئے تو اسے کسی چیز کی کمی اور ضرورت محسوس نہ ہو۔ اگر طے شدہ رقم ختم ہو جائے تو دلہن کے والدین اپنے پاس سے کمی پوری کر دیتے ہیں۔ اگرچہ کمی کا اتفاق شاذ و نادر ہی پیش آتا ہے۔ رئیس لوگ شادی کی تقریبات "حدائق الزاہر" منی کے راستہ میں مناتے ہیں۔

علامہ ابراہیم رفعت پاشا بنجو لکھتے ہیں شادی کے موقع پر عزیز و اقارب کو دعوت دی جاتی ہے۔ مرد مکان کے باہر بیٹھتے ہیں اور عورتیں اندر۔ نماز عشاء کے بعد دستر خوان بچھایا جاتا ہے' جس پر کھانا چنا جاتا ہے۔ مرد کھانا کھا کر گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ عورتیں مکان کے اندر جاتی ہیں تو ایک عورت ان کے ہاتھوں پر مہندی لگاتی ہے۔ پھر وہ دلہن کے کمرے میں جا کر سلام پیش کر کے بیٹھ جاتی ہیں اور ادھر ادھر کی باتیں شروع ہو جاتی ہیں حتیٰ کہ آدھی رات ہو جاتی ہے۔ اس وقت دلہن کو سادگی کے ساتھ دولہا کے گھر بھیج دیا جاتا ہے' اور عورتیں اپنے اپنے گھروں کو واپس چلی جاتی ہیں۔ (مرآۃ الحرمین جلد ۱ ص ۲۰۵)

تجہیز و تکفین

مکہ میں مرگ ہو جانے پر نہ تو نوحہ گری ہوتی ہے اور نہ قل' تیجا' ساتواں' چالیسواں اور برسی ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ تمام رسومات غیر اسلامی ہیں۔

علامہ رفعت پاشا بنجو رقمطراز ہیں جب کوئی موت واقع ہو جاتی ہے تو متوفی کے اقربا میں سے کوئی عورت ایک یا دو مرتبہ بلند آواز سے چیختی ہے۔ جس کی

Marfat.com

آواز سن کر گرد و نواح کے لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ آنے والے مختلف اقسام کے حوادثات کا تذکرہ کر کے گھر والوں کی دلجوئی کرتے ہیں' اور پھر چلے جاتے ہیں۔ میت کے لواحقین میت کو شرشورہ میں پہنچا دیتے ہیں اور وہی قبر' غسل' کفن اور دفن کا انتظام کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ بہت تھوڑے آدمی جاتے ہیں۔ (مراۃ الحرمین جلد اص ۲۰۵)

آج کل اس کا باقاعدہ محکمہ قائم ہے' جہاں مملکت کے دوسرے امور کا بجٹ منظور ہوتا ہے' وہاں موتیٰ کی تجہیز و تکفین کا بجٹ بھی پاس کیا جاتا ہے۔ ان امور کا انچارج الشیخ الحارہ (محلہ کا نمبردار) کہلاتا ہے۔ اسے معقول تنخواہ دی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں ۱۰۰۰۰ ریال اس کے پاس موجود رہتے ہیں۔ محلہ داروں کی خبر گیری' محتاج اور حاجت مندوں کی امداد کرنا' ان کی ضروریات اور گزران سے باخبر رہنا اس کے فرائض میں ہے۔ جب کوئی مرگ ہو جاتی ہے تو فوراً شیخ الحارہ کو اطلاع دی جاتی ہے۔ وہ شرشورہ میں (میت کو غسل دینے کا محل) فون پر اطلاع کرتا ہے' وہاں سے ایمبولینس آتی ہے اور میت لے جا کر شرعی قواعد کے مطابق غسل دیا جاتا ہے۔ اگر لواحقین اپنا کفن دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں۔ بصورت دیگر شرشورہ والے اپنے فنڈ سے اسے کفن پہناتے ہیں۔ اگر اس کے بعد لواحقین میت گھر لے جانا چاہیں تو ان کے حوالے کر دی جاتی ہے۔ ورنہ حرم شریف میں جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا جاتا ہے۔ عموماً فرض نماز کے بعد جنازہ پڑھا جاتا ہے' اگر حجاج میں سے کوئی آدمی فوت ہو جائے' تو اس کا معلم شیخ الحارہ کو مطلع کرتا ہے۔ شیخ الحارہ معلموں کے رئیس کو رپورٹ کرتا ہے اور وہ وزارت حج کو آگاہ کرے گا۔ پھر جب شرشورہ کے منتظمین میت لینے جائیں گے تو اس کا وارث دریافت کریں گے۔ اگر اس کا صحیح وارث موجود ہو تو متوفی کا سامان وارث کے حوالے کر کے میت لے جا کر غسل کفن دے کر دفن کر دیتے ہیں۔ اور اگر وہاں اس کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کا سامان وزارت حج کے دفتر میں جمع ہو جائے گا۔ اور وہاں سے متوفی کے ملک کے سفارت خانہ کے حوالے کیا جائے گا۔ جب ایام حج گزر جائیں گے تو سفارت خانہ اس کے ورثا کو فوتیدگی کی

Marfat.com

اطلاع دے گا۔ پھر وہ چاہیں تو اس کا سامان بھی بھیج دیتے ہیں۔

وہ لوگ بڑے ہی خوش قسمت ہیں جنہیں مکہ کے قبرستان کی مٹی نصیب ہو جاتی ہے۔ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اس قبرستان سے قیامت کے دن ایسے نیک اور صالح لوگ اٹھیں گے جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ اور ان میں سے ہر ایک آدمی ستر ہزار لوگوں کی شفاعت کرے گا۔ ان لوگوں کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے۔

اس قبرستان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے علاوہ بے شمار صحابہ، تابعین، اولیاء اور صلحاء محو خواب ہیں۔ نیز محلہ شبیکہ میں بھی ایک قبرستان تھا جو اب بند کر دیا گیا ہے۔

تجارت

مکہ معظمہ کے لوگوں کا ذریعہ معاش قدیم زمانہ سے تجارت اور گلہ بانی تھا۔ اونٹ، گائے، بھیڑ، بکریاں، گھوڑے، گدھے اور خچر بہت بڑی تعداد میں پالتے اور ان کی تجارت کرتے تھے۔ پورے عرب میں ریوڑ اور گلہ بانی معاش کا سب سے بڑا ذریعہ تھا۔

الشیخ ابراہیم الشریف مدظلہ لکھتے ہیں

''اہل مکہ مویشی پالتے اور انہیں وادیوں اور گھاٹیوں میں چراتے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ بھی محلہ جیاد میں بکریاں چراتے رہے ہیں۔ اسی طرح سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی اپنے والد کے اونٹ شہر کے قرب و جوار میں چراتے رہے۔ اس کے علاوہ یہ شہر عہد عتیق سے بین الاقوامی منڈی کی حیثیت رکھتا تھا۔ آج سے ہزار ہا برس پہلے مشرق اور مغرب کے تجارتی قافلے اسی راستے سے گزرتے تھے جس کی وجہ سے یہ لوگ بھی بہت بڑے تاجر بن گئے'' (تاریخ مدینہ)

Marfat.com

جس طرح مکہ مشرفہ کی قدامت ایک ناقابل تردید حقیقت ہے اسی طرح اہل مکہ کی تجارت بھی ازمنہ قدیم سے بین الاقوامی حیثیت رکھتی ہے۔ آج سے ساڑھے تین ہزار سال پہلے تاریخ جس پہلے تجارتی قافلہ کا ذکر پیش کرتی ہے وہ مکہ سے مصر جاتا دکھائی دیتا ہے۔ اگرچہ تجارت تو اس سے پہلے بھی شروع تھی مگر تاریخ اس کے تذکرہ سے خاموش ہے۔

اس تجارتی قافلہ کا ذکر قرآن مجید اور تورات دونوں میں موجود ہے۔ البتہ قرآن مجید نے اپنے اعجاز کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف اتنا ہی فرمایا

﴿ وَ جَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ ﴾ [سورہ یوسف پ ۱۲ رکوع ۲]

''اور قافلہ آیا پس انہوں نے اپنا آدمی پانی بھرنے والا بھیجا''۔

قرآن مجید میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ یہ قافلہ کہاں سے آیا اور کہاں جا رہا تھا۔ اور نہ ہی اس کے تجارتی یا غیر تجارتی ہونے کا ذکر ہے۔ البتہ احادیث اور اسلامی روایات میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔ تورات نے اس کی تفصیلات حسب ذیل بیان کی ہیں:

> ''اور یوں ہوا کہ جب یوسف اپنے بھائیوں کے پاس پہنچا تو اسے اٹھا کر گڑھے میں ڈال دیا' وہ گڑھا سوکھا تھا' اس میں ذرا بھی پانی نہ تھا' اور وہ کھانا کھانے بیٹھے اور آنکھ اٹھائی تو دیکھا کہ اسماعیلیوں کا ایک قافلہ جلعاد سے آ رہا ہے۔ اور گرم مصالحہ اور روغن بلسان اور مُر اونٹوں پر لادے ہوئے مصر کو جا رہے ہیں۔ تب یہود نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ اگر ہم اپنے بھائی کو مار ڈالیں اور اس کا خون چھپائیں تو کیا نفع ہوگا۔ آؤ اسے اسماعیلیوں کے ہاتھ بیچ ڈالیں کہ ہمارا ہاتھ اس پر نہ اٹھے۔ کیونکہ وہ ہمارا بھائی اور ہمارا خون ہے۔ اس کے بھائیوں نے اس کی بات مان لی۔ پھر وہ مدیانی سوداگر ادھر سے گزرے تب انہوں نے یوسف کو کھینچ کر گڑھے سے باہر نکالا۔ اور اسے اسماعیلیوں کے ہاتھ بیس روپے کو بیچ

Marfat.com

ڈالا۔ اور وہ یوسف کو مصر لے گئے''۔ (پیدائش باب ۳۷۔ آیت ۲۲ تا ۲۸)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام سے ہزاروں سال پہلے اہل مکہ کا سامان تجارت بلساں' صنوبر' لوبان اور دیگر عطریات پر مشتمل تھا۔ چنانچہ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

''یہ تجارت کی تاریخ کا سب سے پہلا صفحہ' اسماعیل اور مدیانی عربوں کی تجارت کا سب سے پہلا قافلہ اور مصر ان کی تجارتی سفر کی اولیں منزل نظر آتا ہے۔ دو ہزار سال قبل المسیح قدامت پرست عرب کے اس قافلہ کا سامان تجارت وہی تھا جو عربوں کی تجارت کا سامان ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے''۔ (ارض القرآن ص ۳۳۶)

مسیحی مؤرخ ڈاکٹر لی بان لکھتا ہے

''عرب ابتدا سے نہایت دلیر اور جہاز ران چلے آ رہے ہیں۔ دور دراز ممالک کا سفر طے کرنے سے مطلق نہ گھبراتے۔ قدیم زمانہ میں دور دراز کا سفر طے کر کے مکہ آتے۔ جب اہل یورپ بڑی محنت اور مشقت کے بعد وسط افریقہ میں پہنچے تو دیکھا کہ عربوں کے تجارتی کارواں پہلے سے وہاں موجود ہیں' عربوں کے لئے یہ سفر معمولی نوعیت کا تھا۔

عربوں نے اپنے حکومت کی ابتداء ہی میں ان دور افتادہ ممالک سے تجارتی تعلقات پیدا کر لئے' جہاں اہل یورپ کا خیال تک نہیں جاتا تھا۔ ان میں چین' روس کے بعض علاقے اور افریقہ وغیرہ کے نامعلوم علاقے شامل ہیں''۔ (تمدن عرب ص ۳۲۷)

سامان تجارت

یہ انتہائی اہم اور تعجب انگیز سوال ہے کہ عرب کا ملک جو ایک بنجر اور بے آب و گیاہ زمین ہے۔ وہاں تجارت کا سامان کہاں سے ہاتھ آتا ہوگا۔ وہاں کسی چیز کی پیداوار

Marfat.com

ہوتی ہوگی اور عرب سوداگروں کا سرمایۂ تجارت کیا کچھ تھا؟ اس سلسلہ کی مختلف تاریخی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ تجارت کا مال عموماً تین اقسام پر مشتمل تھا

① کھانے کا مصالحہ اور خوشبودار چیزیں (عطریات وغیرہ)۔
② سونا' چاندی جواہرات اور لوہا۔
③ چمڑا' کھال' زین پوش اور بھیڑ بکریاں۔

چنانچہ حزقیال نبی کے ستائیسویں باب میں عرب کی تجارت کی تفصیلات اس طرح بیان کی گئی ہیں:

"ودان اور یادان' ازوال سے تیرے بازار میں آتے تھے۔ آبدار' فولاد' تیزپات اور مصالحہ وہ تیرے بازار میں بیچتے تھے۔ ددان تیرا سوداگر تھا۔ سواری کے چار جامے تیرے ہاتھ بیچتا تھا۔ عرب اور قیدار (بنواسماعیل) کے رؤسا تیرے تاجر ہیں۔ وہ بکری اور مینڈھے لے کر تیرے ساتھ تجارت کرتے ہیں۔ سبا اور رعما کے سوداگر تیرے ساتھ سوداگری کرتے تھے۔ وہ ہر قسم کے نفیس اور خوشبودار مصالحے اور ہر طرح کے قیمتی پتھر (جواہرات) اور سونا تیرے بازار میں لاتے ہیں۔ حاران اور قنہ اور عدن سے سبا کے سوداگر تیرے ساتھ سوداگری کرتے تھے"۔ (تورات باب ۲۷' آیت ۱۹ تا ۲۴)

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ہمارے نزدیک مصالحہ یعنی لونگ' سیاہ مرچ' الائچی' لی' دار چینی' ناریل اور املی وغیرہ جنوبی ہند اور جزائر ہند کے سواحل سے عرب آتے تھے۔ گزشتہ تاریخی بیانات کے علاوہ آج تک یہ چیزیں انہی مقامات سے ساری دنیا میں جاتی ہیں اور اس دعویٰ کا ایک بہت بڑا ثبوت یہ بھی ہے کہ مصالحہ اور خوشبو کی اکثر چیزوں کے نام عربی میں سنسکرت سے آئے ہیں۔ مثلاً مشک' فلفل' کافور' زنجبیل' صندل' نارجیل اور قرنفل وغیرہ۔ بعض ایسی چیزیں بھی ہیں جن کے نام کے ساتھ "ہندی" کا لفظ نام کا جزو بن گیا ہے۔ مثلاً عود ہندی' قسط ہندی' تمر ہندی' چونکہ لوہے کی تلواریں ہندوستان ہی سے بن کر جایا کرتی

Marfat.com

تھیں' اسی لئے عربی میں ہندی اور مہند تلوار کے وصف کے طور پر آتا ہے۔ خوشبودار مصالحوں میں لونگ' الائچی' سیاہ مرچ' دارچینی' ہلدی وغیرہ سب داخل ہیں۔ اور یہ سب اشیاء جنوبی ہند اور جزائر ہند کی پیداوار ہیں۔ اس کے علاوہ کپڑا' غلہ' شراب' ہتھیار اور آئینہ وغیرہ آرائشی سامان بھی عرب درآمد کرتے تھے۔ (ارض القرآن ص ۳۳۸)

اگرچہ اہل مکہ کا پیشہ ہزار ہا برس سے تجارت ہی تھا۔ لیکن اسے قریش کے دور میں اور بھی زیادہ فروغ حاصل ہوا۔ قرآن مجید نے خصوصیت کے ساتھ اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ احسان بھی جتا دیا کہ عالمگیر بدامنی اور لوٹ مار کے باوجود قریش کے قافلے مامون اور محفوظ تھے۔ یہ قافلے موسم سرما میں یمن اور گرما میں شام کا سفر کرتے اور ذیقعدہ میں مکہ مکرمہ میں آرام کرتے تھے۔

اسلام کے اوائل میں قریش کے بعض تجارتی قافلوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔

۲ھ میں نبی کریم ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بواط کی جانب تشریف لے گئے۔ وہاں سے امیہ بن خلف کا قافلہ گزرا جس میں قریش کے ایک سو آدمی اور دو ہزار پانچ سو اونٹ تھے۔ (طبری جلد ا عنوان جنگ بدر)

سریہ عبداللہ بن جحش الاسدی کے موقعہ پر جس قافلہ سے مسلمانوں کا سامنا ہوا تھا' اس کے سامان تجارت میں شراب' چمڑا اور کشمش کی بہت بڑی مقدار تھی۔ یہ سامان طائف سے لایا گیا تھا۔ (طبری جلد ا عنوان جنگ بدر)

قریش کے جس قافلہ کو روکنے کی وجہ سے غزوۂ بدر ہوا تھا' وہ قافلہ ابوسفیان کی سربراہی میں ملک شام سے آ رہا تھا' اس میں تیس' چالیس آدمی اور بہت بڑی تعداد میں مال تجارت تھا۔ (سیرت ابن ہشام عنوان جنگ بدر)

مسیحی مورخ امیل ورمنگم لکھتا ہے قریش کے قافلے دو دو' تین تین ہزار اونٹوں پر مشتمل ہوتے تھے جن پر سونا' چاندی' چمڑا' گھی اور دو دو' تین تین سو آدمی بھی ساتھ ہوتے تھے۔ (حیات محمد ﷺ ص ۳۰)

دور حاضر میں بھی مکہ کے لوگوں کا سب سے بڑا ذریعہ معاش تجارت ہی

ہے۔ مگر ذرائع مواصلات نے ماضی کی تمام مشکلات کو حل کر دیا ہے۔ ٹیلیفون کے ذریعہ اندرون و بیرون ملک سے مال خرید لیا جاتا ہے۔ اور ایام حج میں نرخ تیز ہونے کے باوجود حجاج اس کثرت سے اشیاء خریدتے ہیں کہ اہل مکہ کی سال بھر کی روزی مہیا ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ مکانات کا کرایہ بھی ان کا ایک معقول ذریعہ آمدن ہے۔ تقریباً ہر آدمی مکان کا مالک ہے۔ ایام حج میں ان کا کرایہ انتہائی زیادہ بڑھا دیا جاتا ہے۔ پھر حج کے علاوہ عمرہ کرنے والے لوگ بھی سال بھر آتے رہتے ہیں۔

تجارتی میلے

اس مقام پر عرب کے تجارتی میلوں کا ذکر بھی برمحل ہوگا۔ اگرچہ کتاب کے موضوع کے ساتھ صرف عکاظ کا میلہ مناسبت رکھتا ہے' مگر اجمالاً عرب کے دیگر بڑے بڑے تیرہ میلوں کا ذکر بھی کر دیا جاتا ہے دومۃ الجندل، مشقر، صحار' دبا، شجرہ، عدن، صنعاء، حضر موت، عکاظ، ذوالمجاز، منیٰ، خیبر اور یمامہ۔

دومۃ الجندل سے میلے کا آغاز ہوتا تھا۔ یہ مقام شام کے پاس حجاز کی آخری سرحد پر واقع ہے۔ یکم ربیع الاول سے ۱۵ ربیع الاول تک چہل پہل اور رونق خوب رہتی تھی۔ اس کے بعد گھٹنا شروع ہو جاتی۔ کلبؔ اور جدیلہؔ دو قبیلے اس کے پڑوس میں آباد تھے۔ جن کا رئیس قابو اس بازار کا حاکم تھا۔ عرب کے علاوہ عراق اور شام کے تاجر بھی اس کی اجازت سے بازار لگاتے تھے۔ رئیس خود بھی تجارت کرتا تھا۔ جب تک اس کا مال فروخت نہیں ہو جاتا تھا کسی دوسرے کو مال بیچنے کی اجازت نہیں تھی۔ یہاں خرید و فروخت کا طریقہ یہ تھا کہ جسے جو مال پسند آ گیا اس پر ایک کنکری ڈال دیتا۔

اس کے بعد مشقر اور بحرین میں یہ میلہ جمادی الاول کے پورے ماہ میں

Marfat.com

جاری رہتا۔ یہ مقام ایران کے قریب ہونے کی وجہ سے یہاں ایرانی تاجر بھی آتے تھے۔ یہاں خرید و فروخت کا طریقہ یہ تھا کہ بائع (بیچنے والا) اور مشتری (خریدنے والا) دونوں خاموش رہتے اور صرف اشاروں سے بات چیت ہوتی تھی۔

۲۱ر رجب سے صحار (عمان) میں سوداگر جمع ہونے شروع ہو جاتے تھے۔ پہلے دو میلوں میں جو تاجر شرکت کرنے سے قاصر رہتے وہ یہاں آ جاتے۔ اس میں خرید و فروخت کا طریقہ پہلے سے بھی مختلف تھا۔ سامان اندازہ سے لگایا جاتا تھا اور گاہک پتھر پھینکتے تھے۔ جس سامان پر پتھر جا پڑا اسے اٹھا لیتے۔

جب یہ میلہ ختم ہو جاتا تو رجب کی آخری تاریخ کو عمان کی بندرگاہ دبا میں جہاں اکثر ممالک کے تاجر آتے تھے' میلہ شروع ہو جاتا تھا۔ یہاں ہندوستان' سندھ' چین اور افریقہ سے بھی سوداگر آتے تھے۔ عرب اور دریا کی چیزیں یہاں فروخت ہوتی تھیں۔ پھر یہاں سے تمام سوداگر شحر میں جمع ہوتے تھے۔ جو عرب کے ساحل پر حضرت موت اور عمان کے درمیان واقع ہے۔ یہ میلہ ۱۵ر شعبان سے شروع ہوتا تھا۔ چمڑا کپڑا اور دیگر عام ضرورت کی اشیاء یہاں فروخت کی جاتی تھیں اور کچھ جڑی بوٹیاں (نباتاتی دوائیں) بھی لوگ یہاں سے خرید کر لے جاتے تھے۔

شحر سے چل کر عدن میں ان کے ڈیرے لگتے۔ یہاں زیادہ تر دریائی سوداگر جمع ہوتے۔ یکم سے ۲۰ر رمضان تک میلہ رہتا۔ یہاں قسم قسم کے عطریات اور خوشبوئیں فروخت ہوتی تھیں۔ عربوں کا یہ دعویٰ ہے کہ خوشبو بنانے میں ان سے زیادہ ماہر پوری دنیا میں کوئی نہیں۔ اس لئے بحری راستہ سے ہندوستان اور سندھ تک۔ اور بری راستہ سے ایران اور روم تک خوشبو یہاں ہی سے سپلائی ہوتی تھی۔

عدن کے بعد صنعاء کے میلہ کا زمانہ آتا۔ صنعا یمن کا پایہ تخت تھا۔ یہاں روئی' زعفران' رنگ' کپڑے اور لوہے کی تجارت ہوتی تھی۔ ۱۵ر سے ۳۰ر رمضان شریف تک یہاں چہل پہل رہتی۔ اس کے بعد لوگ حضر موت چلے جاتے۔ وہاں بھی میلہ لگتا تھا۔ لیکن زیادہ اژدہام عکاظ کے میلہ میں ہوتا۔ عکاظ کا میلہ نجد اور

Marfat.com

عرفات کے درمیان لگتا۔ یہاں ۱۵ ارذیقعدہ سے شروع ہوتا تھا۔

عکاظ ایام جاہلیت کا سب سے بڑا بازار تھا۔ یہاں قریش' ہوازن' غطفان' خزاعہ' حارث' ابن مناۃ' عضل اور مصطلق وغیرہ قبائل جمع ہوتے تھے۔ شعرا اپنے قصائد سناتے' خطباء تقریریں کرتے' حکام اپنے فیصلے سناتے اور شیوخ معاہدے کی دفعات طے کرتے تھے۔ جب ذی الحجہ کا چاند نظر آتا تو میلہ برخاست ہو جاتا اور تمام لوگ ذوالمجاز کے بازار میں آ جاتے اور نو ذی الحجہ تک جمع رہتے۔ اور حج سے فارغ ہو کر گھروں کو لوٹ جاتے۔ حتیٰ کہ پھر نئے سال سے نیا دور شروع ہو جاتا۔ (ارض القرآن)

یورپین مؤرخ امیل ورمنغم بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے کہ'' مکہ تجارتی منڈی بننے کا سبب عکاظ کا میلہ اور حج تھا''۔ (حیات محمد ﷺ ص ۳۹)

مکانات

عرب کے قدیم باشندے خیموں اور جھونپڑیوں میں رہتے تھے۔ سامی زبان میں عرب کے معنی دشت وصحرا میں رہنے والے بادیہ نشین ہے۔ کچھ لوگ شہروں میں اور اکثر صحرا میں آباد تھے۔ مسیحی مؤرخ جرجی زیدان بدوی اور حضری معاشرت کا فرق اس طرح بیان کرتا ہے'

''موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر اخیر قرن قبل المسیح تک بڑ۔ اس کے بعد پہلی صدی عیسوی میں بھی رومانی حکام کے جور وستم سے تنگ آ کر یہود عرب کے صحراؤں میں بھاگ آئے اور مکہ' مدینہ اور طائف میں سکونت اختیار کی۔ اس اختلاط سے عربوں کی دو قسمیں بن گئیں۔ ایک اہل بادیہ جو اپنی نیچرل سادہ زندگی پر قانع رہے' انہیں خانہ بدوش کہا گیا۔ اور دوسرا شہری گروہ جو مکہ' مدینہ اور طائف میں آباد ہوئے۔ انہیں حضری یعنی شہری کہا گیا''۔ (تاریخ تمدن عرب اسلامی جرجی زیدان جلد ا ص ۱۵)

Marfat.com

مؤرخ موصوف ایک اور مقام پر لکھتا ہے

''سامی زبان میں ''عرب'' کا معنی ''بدو'' ہے۔ چنانچہ عرب کے لوگ بدو تھے۔ خصوصاً شمالی عرب کے باشندے خیموں میں رہتے اور گلہ بانی ان کا پیشہ تھا۔ ایک جگہ قیام نہیں کرتے تھے بلکہ جہاں سبزہ شادابی اور پانی ملتا وہاں چلے جاتے۔ کیونکہ ان کی معاش کا ذریعہ اونٹ اور بھیڑ بکریاں تھیں' وہ لوگ نہ تو مکان بناتے اور نہ ہی تمدن اختیار کرتے تھے''۔

(العرب قبل الاسلام جلد ۱ ص ۱۵۲)

اہل مکہ عربی کلچر اور معاشرت کے اس قدر پابند تھے کہ ان کے نزدیک اسے چھوڑنا مذہبی ملی اور قومی تمدن کی صریح خلاف ورزی سمجھی جاتی تھی۔ علاوہ ازیں ان کے سامنے ''بیت اللہ'' بھی جلوہ فگن اور رونق افروز تھا۔ اس کے قرب و جوار میں مکان بنانا اس کی بے حرمتی سمجھتے تھے۔ اس لئے لوگ ندی نالوں کے کنارے رہتے۔ دن حرم شریف میں بسر کرتے اور رات حدود حرم سے باہر اپنے خیموں اور جھونپڑیوں میں گزارتے تھے۔ البتہ قریش کے زمانہ میں تمدنی ترقی میں بہت زیادہ پیش رفت ہوئی۔

قریش کے ترقی پذیر عہد میں مٹی گارے کے کچے اور پتھر کے سادہ مکانات تعمیر ہونے شروع ہوئے۔ مکہ مکرمہ میں سب سے پہلے سعد بن عمرو السہمی نے مکان بنایا یہ بھی چوکور نہیں تھا اور نہ ہی اس کی چھت ہموار تھی۔ آج کل کے مکانات سے اس کی شکل بالکل مختلف تھی۔ اس طرح کا مربع شکل کا پہلا مکان حمید بن زہیر نے بنایا تھا۔ جس پر قریش نے ان الفاظ میں اپنا ردعمل ظاہر کیا

ربع حمید بنا اما حیاۃ و اما موتا

''حمید نے مکان تو بنالیا ہے اب دیکھئے یہ اس کی موت کا باعث بنتا ہے یا آبادی کا''۔

وہ لوگ کعبہ شریف کی تعظیم و تکریم کے پیش نظر مربع شکل اور چھت دار مکان

Marfat.com

بنانا کعبہ شریف کی توہین سمجھتے تھے۔ حالانکہ وہ برائے نام مکان تھے۔ ان میں نہ تو دروازہ ہوتا تھا اور نہ ہی وضع قطع مکان کی تھی۔ عرصہ دراز کے بعد حاطب بن ابی بلتعہ نے سب سے پہلے اپنے مکان کا دروازہ بنایا۔ اس دور میں مکانات کے سامنے کھلے اور کشادہ صحن بنائے جاتے تھے تاکہ حجاز اور زائرین آسانی سے قیام کر سکیں۔

قریش نے جب مکانات بنانا شروع کئے تو سب سے پہلے قومی فلاح و بہبود کی خاطر "دارالندوہ" تعمیر کیا۔ اس کی تعمیر سے پہلے انہوں نے اپنے بادشاہ کا مکان بھی نہیں بنایا۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ حکم جاری فرمایا تھا کہ مکہ مکرمہ کے مکانات کی حویلی کے دروازے نہ بنائے جائیں۔ ایک مرتبہ ہند بنت سہیل نے اپنی حویلی کا دروازہ بنانا چاہا تو امیر المومنین سے اس کی اجازت طلب کی۔ آپ نے یہ فرماتے ہوئے اس درخواست کو مسترد کر دیا کہ کیا تم لوگ حج و عمرہ کرنے والوں پر اپنے دروازے بند کرنے کا ارادہ رکھتے ہو۔

ہند نے عرض کی: خدا کی قسم! ایسا فاسد خیال تو ہرگز نہیں ہے بلکہ ہم تو حجاج کے سامان کو چوروں سے محفوظ رکھنے کی غرض سے دروازہ بنانا چاہتے ہیں۔

عرصہ دراز تک اسی نوعیت کے کچے اور سادہ مکانات اس شہر کا طرۂ امتیاز رہا۔ لیکن رفتہ رفتہ اس قدر ترقی ہوئی کہ آج مکہ کی بلند و بالا اور عالیشان عمارتیں یورپ کے متمدن شہروں کی عمارات سے گوئے سبقت لے گئی ہیں۔ اس وقت مکانات بے حد مضبوط' عالیشان اور بلند و بالا ہیں۔ اکثر مکان نو دس منزلہ ہیں' کم از کم تین چار منزلیں ضرور ہوتی ہیں۔ جدید طرز کے مکانات کنکریٹ کے بلاکوں اور بجلی کے ذریعہ پکائی گئی اینٹوں سے بنائے جاتے ہیں۔ اور چھت لینٹر کا ہوتا ہے جو لوہے' سیمنٹ اور کنکریٹ کی آمیزش سے بنایا جاتا ہے۔ عمارت کے درمیان میں سیڑھی ہوتی ہے جو آخری منزل تک چلی جاتی ہے' دروازے لکڑی اور پلائی وڈ کے بنائے جاتے ہیں۔ کھڑکیاں' روشندان اور الماریاں لکڑی اور شیشے کی ہوتی ہیں۔ اس

Marfat.com

وقت اکثر مکان ایئر کنڈیشنڈ ہیں۔

چونکہ شہر میں پانی کی سپلائی کا انتظام وسیع پیمانے پر نہیں ہے اس لئے لوگ مکان کی پہلی منزل میں ڈیوڑھی کے اندر زیر زمین ٹینکی بنا لیتے ہیں جسے موٹر گاڑی کے ذریعہ بھروا لیتے ہیں اور پھر بجلی کی موٹر کے ذریعہ آخری چھت پر رکھی ہوئی چھوٹی فولادی ٹینکیاں بھری جاتی ہیں۔ پھر ان ٹینکیوں سے پائپ کے ذریعہ ہر منزل میں پانی پہنچایا جاتا ہے۔ زاہر عسقلانی جعرانہ کے کنوؤں اور جدہ سے گاڑیوں کے ذریعہ پانی لایا جاتا ہے۔ جس طرح پاکستان میں آئل ٹینکر ہوتے ہیں اسی طرح کے ٹینکر وہاں پانی لاتے ہیں۔ جدہ میں سمندر کا پانی فلٹر کیا جاتا ہے اور وہی مکہ معظمہ میں سپلائی ہوتا ہے۔ نہر زبیدہ کا پانی بھی استعمال ہوتا ہے۔ شہر میں جا بجا مخزن بنے ہوئے ہیں جہاں کافی مقدار میں ٹونٹیاں لگی ہوتی ہیں۔ جن سے سقے اور حجاج پانی بھرتے ہیں۔ کسی زمانہ میں حجاج کو پانی قیمتاً خریدنا پڑتا تھا۔ چونکہ پانی کی سخت قلت ہوتی تھی اس لئے حج کے ایام میں خاصا گراں فروخت ہوتا تھا۔ لیکن ابوالقلم خاموش فتح پوری ۱۹۳۵ء کی کیفیت اس طرح بیان کرتے ہیں۔

سعودی حکومت کی برکت سے پانی کا انتظام بہت ہی عمدہ ہو گیا ہے ایک ٹین صرف ایک پیسے میں مل جاتا ہے جب کہ اس سے پہلے ایک ٹین آٹھ اور بارہ آنے میں ملتا تھا۔ (مرقع حجاز ص ۵۵)

اس دور میں تمام مکانات فلش سسٹم ہیں بڑے بڑے گٹروں کے ذریعے گندگی نشیبی علاقوں میں چلی جاتی ہے۔ بعض مکانات میں اب بھی قدیم طرز کے عارضی فلیش بنے ہوئے ہیں۔ مگر ان میں تعفن پیدا ہو جاتا ہے۔ مولانا ابوالقلم خاموش نے اپنے سفرنامہ میں بیت الخلاء کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے

لوگ سنڈاس (بیت الخلاء) میں پاخانہ پھرتے ہیں جس میں صرف قدمچہ نظر آتا ہے مگر معلوم نہیں فضلہ کہاں چلا جاتا ہے۔ فرش پر جہاں پیشاب کرتا ہے وہ دھلتا رہتا ہے۔ اور سنڈاس میں نمک ڈالتے رہتے ہیں۔ جس سے فضلہ گل سڑ کر مٹی

Marfat.com

ہو جاتا ہے۔ بدبو یا غلاظت ہرگز نہیں ہوتی۔ سنڈاس کا دروازہ بھی ہوتا ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ انگریزی طرز کا ایک خاص ہوٹل بھی بن گیا ہے۔ جس میں مسہریاں' مچھر دانیاں' باتھ روم وغیرہ سب کچھ موجود ہے۔ اس کا کرایہ پانچ روپے یومیہ فی کس ہے۔ (مرقع حجاز ص ۵۵)

سڑکوں اور بازاروں کی صفائی کا کام ۱۳۲۲ھ سے میونسپلٹی کا عملہ کر رہا ہے' جو تمام تر مسلمان ہے' عملہ وزارت داخلہ مقرر کرتی ہے۔ کوڑا کرکٹ ٹرکوں میں بھر کر شہر سے باہر ڈال دیا جاتا ہے' سڑکیں خوبصورت اور صاف ستھری ہیں' کہیں بھی غلاظت دکھائی نہیں دیتی۔

ابن بطوطہؒ نے ۷۲۸ھ میں صفا مروہ کے بازار کا تذکرہ اس طرح کیا تھا

''اس جگہ بہت بڑا اور منظم بازار ہے۔ پورے شہر میں اس سے اچھا بازار نہیں ہے' یہاں غلہ' گوشت' کھجور' گھی اور پھل کی دکانیں ہیں۔ حج کے زمانہ میں سخت بھیڑ ہوتی ہے''۔ (سفرنامہ ابن بطوطہؒ ص ۲۰۵)

لیکن اس زمانہ میں صفا مروہ کے درمیان بازار کا نام ونشان تک نہیں ہے۔ اس جگہ صرف سعی کی جاتی ہے' البتہ صفا کے باہر دار ارقم کی جگہ ایک سہ منزلہ بازار تھا جسے ۱۳۹۵ھ میں ختم کر دیا گیا۔ اس وقت سب سے بڑی مارکیٹ سوق الليل میں ہے جہاں قدیم بازار کے علاوہ ایک سہ منزلہ جدید مارکیٹ بھی بنائی گئی ہے۔ جو سارے شہر میں مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ تجار کی تمام مطلوبہ اشیاء اس میں دستیاب ہیں۔ تھوک اور پرچون ہر طرح کی دکانیں ہیں۔ ہر قسم کا کپڑا' ریڈیو' کراکری' گھڑیاں' رومال' ٹوپیاں' تسبیحاں' جائے نماز' قالینیں' کیمرے' جوتے' کھلونے اور اشیائے خوردنی بکثرت پائی جاتی ہیں۔

علامہ لبیب بتونی مصری نے بھی اس بازار کی کچھ کیفیات بیان کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''سوق اللیل میں حجاج کی تمام ضروریات دستیاب ہیں' ایام حج میں سخت

Marfat.com

رش ہوتا ہے۔ بوجھ اٹھانے والے' لکڑیاں لانے والے' شتر بان' خرکار' بہشتی اور مزدور بہت کثرت سے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے چلنا دشوار ہو جاتا ہے''۔ (الرحلۃ الحجازیہ ص ۹۲)

اگر چہ پہلے کی نسبت اس زمانہ میں بھیڑ بہت زیادہ ہوتی ہے۔ مگر شتر بان خرکار اور لکڑیاں لانے والے اب کہیں دکھائی نہیں دیتے۔ اس وقت ٹیکسی گاڑیاں اس قدر عام ہیں کہ جہاں کسی نے جانا ہو یا تھوڑا بہت سامان لے جانا ہو تو مرسڈیز' مزدہ اور شورلائٹ جیسی گاڑیاں موجود ہیں۔ اور لطف یہ کہ اندرون شہر بہت سستے داموں میسر آجاتی ہیں۔ مزدور زیادہ تر معلموں کے پاس ہوتے ہیں۔ در بدر بازار میں خال خال نظر آتے ہیں۔

ٹریفک کنٹرول کے لئے مواصلاتی کیمرے جابجا نصب ہیں۔ جو اپنے ہیڈ کوارٹر میں تصویر پہنچاتے ہیں۔

الشیخ ابراہیم رفعت رحمہ نے ۱۳۲۷ھ میں بازار کا نقشہ اس طرح بیان کیا تھا ''مکہ مکرمہ کی آبادی تقریباً سات ہزار مکانات پر مشتمل ہے۔ ایام حج میں ہیں لاکھ آدمی سما جاتے ہیں۔ بازاروں میں کل ۳۰۰۰ دکانیں ہیں۔ محلہ قرارہ میں بڑے بڑے مکانات ہیں۔ لیکن محلہ جیاد میں بہت زیادہ حسین و جمیل اور بلند و بالا ترکی طرز کے مکانات ہیں۔ کیونکہ اس کا محل وقوع بلند جگہ پر ہے''۔

تعمیراتی نظام

قدیم زمانہ ہی سے مکہ میں فن تعمیر کے ماہرین کی بہتات تھی۔ اس فن میں کمال کسی ٹیکنیکل یونیورسٹی کی تعلیم کا مرہون منت نہیں تھا۔ بلکہ ان لوگوں کی خداداد صلاحیت اور عقل و دانش کا یہ کرشمہ تھا۔ مکہ کے جاہل معمار دنیا کے بڑے بڑے تعلیم یافتہ انجینئروں سے زیادہ ماہر تھے۔ وہ سنگ تراشی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ پتھروں کی ایک بے نظیر عمارتیں بناتے جنہیں دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی تھی۔ ان کی

Marfat.com

بے مثال کاریگری کے نادر نمونے آج بھی موجود ہیں۔ ان کا تعمیراتی شعبہ حسب ذیل افراد پر مشتمل تھا۔

① رئیس۔ ڈائریکٹر جنرل تعمیرات جس کے حکم کے مطابق ماتحت عملہ کام کرتا تھا۔ رئیس سمیت تمام عملہ صرف مکہ کے باشندوں پر مشتمل تھا۔

② معلم۔ رئیس کی ہدایات کے مطابق تعمیر کا کام اپنے ہاتھوں کرتا اور عمارت کی کمزوری اور مضبوطی دریافت کرنے میں خاصا ماہر ہوتا تھا۔

③ قراری: یہ پتھر کی تراش خراش اور بنانے کا کام کرتا تھا۔ پہاڑوں سے بڑے بڑے پتھر توڑ کر قراری کے سپرد کئے جاتے اور وہ انہیں تراش کر درست کرتا تھا۔

④ فلاتی: یہ قراری کے پاس پتھر پہنچانے پر مامور ہوتا تھا۔

⑤ مروج تعمیر میں چھوٹے اور بڑے پتھروں کے درمیان خلا پر کرنے کے لئے پتھروں کے ٹکڑے معلم کو دینا اس کا کام تھا۔

⑥ خلاط: یہ آدمی مٹی میں مناسب مقدار میں چونا ملا کر گوندھنے والا تھا۔

⑦ طیان۔ وہ مزدور جو معمار کو چونا گارا دیتا تھا۔

پتھر پہاڑوں سے توڑ کر گدھوں کے ذریعہ مکان کی جگہ لائے جاتے تھے۔ ایک گدھا چار یا پانچ پتھر اٹھا سکتا تھا۔ اسی طرح چونے کی بھٹیاں تنعیم کے قریب تھیں۔ وہاں سے گدھوں پر لاد کر لاتے تھے۔

پتھروں کے مکانات کے علاوہ جھونپڑوں کا عام رواج تھا۔ جو کھجور کی شاخوں اور بعض دوسرے درختوں کی لمبی ٹہنیوں سے قبہ نما بنائی جاتی تھیں۔ ان کی وسعت چار میٹر تک ہوتی تھی۔ بعض حویلیوں میں مردوں' عورتوں' کھانے پینے اور سونے کے لئے علیحدہ علیحدہ جھونپڑیاں ہوتی تھیں۔ اگرچہ ان کی چھت شاخوں اور چٹائیوں کی ہوتی تھی' مگر بارش کا پانی اندر نہیں جا سکتا تھا۔ سوڈان' ہندوستان اور جاوا کے لوگ زیادہ تر جھونپڑوں میں رہتے تھے۔ لیکن ۱۳۷۰ھ کے بعد جھونپڑوں کا

Marfat.com

وجود ختم ہو گیا۔

بڑھئی لکڑی کے کام میں بہت زیادہ ماہر تھے۔ مکانات کی چھتیں اور کھڑکیاں نقش و نگار سے اس طرح مرصع کرتے تھے کہ دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں۔ قصیدے اور اہم فیصلے چھت کے اندر لکڑی تراش کر عمدگی سے لکھتے تھے۔ حرم شریف کے چاروں طرف اکثر مکانات ان کی اس فنکاری کی منہ بولتی تصویر تھی۔ لیکن ۱۳۷۵ھ میں حرم کی توسیع کے باعث ان تمام عمارتوں کو منہدم کر دیا گیا۔

قہوہ خانے

عرب کے دستور کے مطابق مکہ مکرمہ میں بھی بکثرت قہوہ خانے پائے جاتے تھے۔ جو رفتہ رفتہ ہوٹل کا روپ دھار چکے ہیں۔ ڈاکٹر لی بان فرانسیسی قہوہ خانہ کی کیفیات اس طرح بیان کرتا ہے۔

قہوہ خانے کثرت سے ہیں۔ چٹائیوں' قہوہ کی پیالیوں اور نارگیلوں (چلم) کے سوا کوئی سامان ان میں نہیں ہوتا۔ لیکن جو قہوہ یہاں بنایا جاتا ہے وہ اس قدر نفیس ہوتا ہے کہ یورپ واپس آنے کے بعد سب سے بڑی تکلیف یہ ہوتی ہے کہ پھر آپ کو ازسرنو اس بے مزہ اور بے لطف جوشاندہ کا عادی کرنا پڑتا ہے' جسے ہمارے ہاں قہوہ کہتے ہیں۔

ہمیں معلوم ہے کہ مشرق میں قہوہ کا استعمال بالکل جدید ہے۔ تمدن عرب کے عروج کے وقت نہیں تھا' قہوہ پیتے وقت اس خوشبودار اور مزیدار تمباکو کے پینے کا بھی دستور ہے' جس کی محض مصنوعی نقل یورپ میں آئی ہے۔

یہ تمباکو اکثر لمبے نیچے والی نارگیلوں میں جن کی کئی شکلیں ہوتی ہیں' پیتے ہیں۔ یہ نارگیلیاں اس طرح بنی ہیں کہ دھواں پینے والے کے منہ میں آنے سے پہلے پانی میں سے گزرتا ہے جس کی وجہ سے تمباکو کی سمیت رفع ہو جاتی ہے۔ نارگیل کو تمباکو پہلے پانی میں بھگوتے ہیں پھر باریک کپڑے میں نچوڑ لیتے ہیں۔ تمباکو چلم پر

Marfat.com

رکھا جاتا ہے اور پھر اس پر دہکتے ہوئے کوئلے کا ٹکڑا رکھ دیتے ہیں' بعد ازاں نیچے والے سرے کو منہ سے کھینچتے ہیں اور ذرا سی کش لگانے سے دھواں منہ میں آ جاتا ہے۔ (تمدن عرب ص ۳۳۹)

اگرچہ حجاز اور دیگر ممالک میں "قہوہ خانہ" کے قیام کی صحیح تاریخ تو معلوم نہیں ہو سکی' مگر کم از کم پانچ سو سال سے ان کا وجود پایا جاتا ہے۔ قہوہ خانہ میں روح اور بدن کو خوش کرنے کے اسباب پائے جاتے ہیں۔ ہر طرح کے پھل' کھانا' پانی اور دیگر مشروبات دن رات ہر وقت دستیاب ہوتے ہیں۔ ان میں جو سامان استعمال ہوتا ہے اس کی تفصیلات اس طرح ہیں۔

لکڑی کی کرسیاں جن کی لمبائی قد انسانی کے برابر اور زمین سے تین فٹ اونچی ہوتی ہیں ایک کرسی پر تین آدمی آسانی سے اور ضرورت کے وقت چار بھی بیٹھ جاتے ہیں۔ کرسیوں کے پائے لکڑی کے ہوتے ہیں اور بیٹھنے کی جگہ کھجور کی رسی سے بنی ہوتی ہے۔ یہی کرسیاں چارپائی کے طور پر بھی استعمال ہوتی ہیں جن پر سردی اور گرمی ہر موسم کے مطابق بستر لگا دیئے جاتے ہیں۔ لوگ دن رات انہی پر سوتے ہیں۔

ان قہوہ خانوں میں پانی اور چائے وغیرہ پینے کے لئے مٹی کے گلاس اور پیالیاں ہوتی تھیں۔ کہیں کہیں ٹین کے تیس گلاس بھی پائے جاتے تھے۔ زائرین اور حجاج کی سہولت کے لئے قہوہ خانے دن رات کھلے رہتے تھے۔ مکہ اور مدینہ کے راستہ میں رابغ' ینبوع' مستورہ اور کئی دوسری جگہ بھی قہوہ خانے موجود ہیں۔ ان میں ٹھنڈا پانی' مچھلی' لوبیا' انڈے' چاول' مسور' گوشت اور پھل وغیرہ بکثرت ملتے ہیں۔

اس زمانہ میں بھی یہ قہوہ خانے مکہ مشرفہ کے باہر اور مدینہ منورہ کے راستہ میں بہت سی جگہوں پر موجود ہیں۔ جہاں استراحت کے ساتھ ساتھ کھانے پینے کی تمام چیزیں بھی مل جاتی ہیں۔

Marfat.com

ہوٹل یا فندق

مکہ مکرمہ بلکہ پورے حجاز میں ایسے ہوٹلوں کا کہیں نام و نشان نہیں تھا' جو ریسٹوران کی حیثیت رکھتے ہوں۔ اور ان میں مسافروں کے قیام و طعام کا انتظام ہو۔ اگرچہ مکہ معظمہ میں ہر دور میں ایسی عمارتیں موجود رہی ہیں جنہیں حجاج قیام کے لئے استعمال کرتے تھے جو "رباط" یعنی مسافر خانہ کہلاتی تھیں۔ لیکن ریسٹورنٹ نہیں تھا۔ بلکہ ۱۳۵۲ھ تک پورے سعودی عرب میں ایسا کوئی ہوٹل نہیں تھا۔

جب لوگ مکہ مکرمہ سے جدہ یا جدہ سے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ یا کسی دوسرے شہر میں سفر کرتے' تو وہاں اپنے رفقا اور شناسا لوگوں کے ہاں بطور مہمان قیام کرتے۔ یا پھر تھوڑی یا طویل مدت کے لئے کسی کا مکان کرایہ پر لیتے۔ اور اگر کوئی سرکاری مہمان ہوتا تو وہ ریسٹ ہاؤس میں قیام کرتا۔ اسی طرح حجاج اپنے وکلا کے ہاں قیام کیا کرتے تھے۔

الاستاذ ابراہیم عبدالقادر المازنی بھی اپنے سفر نامہ میں لکھتے ہیں کہ جدہ میں کوئی ریسٹوران نہیں ہے۔ آنے والے مسافر اپنے واقف کار لوگوں کے پاس یا پھر کرائے کے مکان میں قیام کرتے ہیں۔ مکہ معظمہ میں سب سے پہلا ریسٹوران ۱۳۵۵ھ میں فندق مصر محلہ جیاد میں مصر کی وزارت مالیات نے بنایا تھا۔ جو بے حد خوبصورت اور بڑا تھا۔ جسے ۱۳۶۹ھ میں الشیخ کعکی نے خرید لیا۔ پھر اس کے بعد آٹھ فندق اور بن گئے جن کے نام حسب ذیل ہیں

فندق مصر' فندق السلام' فندق الحرم' فندق عرفات' فندق التیسیر' فندق شبرا' فندق ام القریٰ اور فندق مکہ پالاس۔

آج کل ان کی تعداد بہت زیادہ ہو چکی ہے۔ حرم محترم کے چاروں طرف فلک بوس ہوٹل اپنی نرالی شان دکھا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی بعض شاہراہوں پر اسی طرح کے خوبصورت' بلند و بالا ہوٹل موجود ہیں۔ صرف حرم کے ارد گرد جو بڑے

Marfat.com

بڑے ہوٹل ہیں ان کا مختصر حال تحریر کیا جاتا ہے۔

خوقیر ہوٹل' محلہ جیاد کے سامنے ۱۳ منزلہ ہے۔ جو تمام ہوٹلوں سے بڑا ہے۔ اس کے ساتھ ہی غربی سمت شبرا ہوٹل ۱۲ منزلہ ہے۔ مروہ کی جانب باب السلام کے سامنے تقریباً ایک سوگز کے فاصلہ پر عمارت الاشراف کی دوسری منزل میں فندق زمزم واقع ہے۔ سبز رنگ کی ٹیوبیں جوڑ کر انتہائی خوبصورت ''فندق زمزم'' لکھا ہوا ہے۔ عمارت الاشراف مکہ مکرمہ کی تمام عمارتوں سے بڑی ہے۔ باب عمرہ کے سامنے مکہ ہوٹل ۱۲ منزلہ عمارت میں ہے اور اس کے ساتھ ہی ۹ منزلہ عمارت میں ہوٹل عرفات واقع ہے۔ اس کے ساتھ ہی فندق قطب الدین اور فندق انانصر بھی ہیں۔ اسی طرح فندق افریقیا' فندق الحرم' فندق الفتح' فندق المدینہ' فندق العدنان اور فندق الصفا وغیرہ بہت بڑے اور مشہور ہیں۔

جدہ روڈ پر جہاں مکہ مکرمہ کی آبادی ختم ہو رہی ہے' سڑک کے دائیں جانب فرانسیسی طرز کی ایک ماڈرن قسم کی عمارت میں ہوٹل انٹرکانٹی نینٹل واقع ہے اور اس کے بالمقابل بائیں جانب غلاف کعبہ بننے کا کارخانہ ہے۔

محلہ جیاد میں پاکستانی ہوٹل واقع ہے۔ جہاں صرف پاکستانی طرز کا کھانا ملتا ہے جو بازار کی نسبت رعائت بھی ہوتا ہے۔

رباط

مکہ معظمہ جہاں اطراف و اکناف عالم سے زائرین جوق در جوق سارا سال آتے رہتے ہیں ان کی آسائش اور راحت رسانی کی خاطر صاحب ثروت و دولت مند لوگوں نے مختلف ادوار میں متعدد رباطیں (سرائیں' مسافر خانے' ہاسٹل) تعمیر کرائیں اور انہیں وقف عام کر دیا جو چاہے وہاں قیام و آرام کریں۔ اس دور میں بھی چند رباطیں موجود ہیں۔ اکثر حجاج کرائے کے مکان اور ہوٹلوں میں قیام کرتے ہیں' یہاں چند رباطوں کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

رباط السدرۃ حرم شریف کی شرقی جانب باب بنی شیبہ کے قریب واقع تھی۔ امام تقی الدین فاسیؒ فرماتے ہیں

"یہ معلوم نہ ہوسکا کہ یہ کس نے تعمیر کرائی اور کب وقف کی' البتہ اتنا اندازہ پیش فرماتے ہیں کہ چوتھی صدی ہجری سے قبل بنائی گئی تھی۔ اور یہ اسی جگہ واقع ہے جہاں ہارون الرشید کے زمانہ میں دار القوارير تعمیر ہوا تھا"۔

رباط قاضی القضاۃ ابی بکر محمد بن عبداللہ بن عبدالرحیم المراغی۔ یہ رباط بھی مذکورہ رباط کے متصل تھی اور اس کا دروازہ حرم شریف کے باب الجنائز کے قریب تھا۔ جو ۵۷۰ھ میں وقف کی گئی تھی۔

رباط امیر اقبال المستنصر عباسی یہ بھی باب ابن ابی شیبہ کے قریب دروازہ میں داخل ہوتے ہی دائیں جانب تھی۔ یہ ۶۴۱ھ میں تعمیر ہوئی تھی۔

رباط خلیفہ ناصر العباسی کی والدہ ماجدہ جو عطیفہ کے لقب سے مشہور تھی۔ یہاں عطیفہ والی مکہ کی رہائش تھی۔ ۵۹۹ھ کو وقف کی گئی۔ اس کے دروازہ پر لکھا ہوا تھا کہ یہ فقراء' صوفیاء' واصفیاء اور علماء وغیرہ کے لئے وقف ہے۔

رباط حافظ ابی عبداللہ بن مندہ الاصفہانی۔ یہ دار اندوہ کے قریب واقع تھی۔ اور برہان طبری کے نام سے شہرت پذیر تھی۔ اور اس کے دروازہ کے پتھر پر لکھا ہوا تھا کہ اصفہان سے آنے والے حجاج کے لئے چالیس دن کے لئے وقف ہے اور دوسرے ہر ملک کے زائرین کے لئے دس ماہ اور بیس دن گویا کہ سارا سال۔

رباط الشیخ ابی حفص عمر بن عبدالمجید المیانشی' **رباط** انقطاعیہ یہ ۵۹۲ھ میں وقف کی گئی تھی' اور ایک رباط صالحہ کے نام سے مشہور تھی۔

رباط الخاتون جو ابن محمود کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ۵۷۷ھ میں وقف کی گئی تھی۔ اس کے دروازہ کے پتھر پر لکھا ہوا تھا کہ یہ عرب و عجم کے صوفیاء اور نیک لوگوں کے لئے وقف کی جاتی ہے اور یہ فاطمہ بنت امامیر ابی لیلٰی محمد بن انوشیروان الحسنی نے وقف کی ہے۔

Marfat.com

صنعت وحرفت

اب قارئین کی خدمت میں مکہ کرمہ کے کاریگروں کے فنی کارناموں کا تذکرہ پیش کیا جاتا ہے' جس سے اکثر لوگ بلکہ اہل علم حضرات بھی بے خبر ہیں۔ یہاں تک کہ اس شہر دلربا کے تذکرہ نگاروں نے بھی ان سے پہلوتہی کی ہے۔

اھالیان مکہ قدیم زمانہ سے مختلف چیزوں کی صنعت میں خاصی مہارت رکھتے تھے' جن میں سے بعض چیزیں برآمد بھی کی جاتی تھیں' مثلاً نجاری' خدادی' زرگری اور ظروف سازی میں مکہ کے کاریگر بہت مشہور تھے۔ لیکن یہ صنعتیں معدود نوعیت کی ہونے کے باعث مؤرخین نے انہیں نظرانداز کر دیا۔ اور اسی وجہ سے عام لوگ بھی یہی نظریہ رکھتے ہیں کہ وہاں صنعت وحرفت نہیں ہے۔ اگرچہ اب بحمد اللہ اس شعبہ میں قابل قدر ترقی ہو چکی ہے لیکن ہم بطور نمونہ صرف چند چیزوں کا ذکر کرتے ہیں۔

زرگری

انسانی ضروریات' آرائش اور خوبصورتی کے لئے زیور کو بے حد قدر و منزلت حاصل ہے۔ خصوصاً عورتوں کے فطری احساسات اور خواہشات کا ان سے گہرا تعلق ہے۔ قدیم زمانہ سے مختلف بیش بہا قیمتی دھاتوں اور جواہرات سے زیورات بنانے کا سلسلہ قائم ہے۔ اس معاملہ میں دنیا کے دوسرے ممالک کی طرح مکہ مشرفہ بھی برابر کا شریک ہے۔ آج سے پانچ ہزار سال پہلے کے زیورات' مصر' یمن' عراق اور بعض دوسرے ممالک کے عجائب خانوں میں محفوظ ہیں۔ مکہ مشرفہ کے کاریگر اس صنعت میں مدت دراز سے قابل تعریف ترقی کر چکے تھے۔ اس دور میں

Marfat.com

بھی انتہائی نفیس اور عمدہ' دلربا اور جاذب نظر زیورات بنانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ نادر الوجود اور بیش بہا قیمتی جواہرات سے مرصع سونے کے لاکٹ' ہار' کنگن اور نفیس و کریم قیمتی پتھروں کے نگینوں سے مرصع انگوٹھیاں قابل ذکر ہیں۔

بعض زرگر کئی کئی پشتوں سے یہ کام کر رہے ہیں جب کہ بعض نئے کاریگروں نے ذوق اور شوق میں درجۂ کمال حاصل کر لیا ہے۔ مکہ مکرمہ زیورات درآمد کرنے کا چنداں محتاج نہیں ہے۔

دنیا کے دوسرے ممالک کی طرح مکہ مکرمہ میں بھی تانبے کے برتن بنانے کا طریقہ قدیم زمانہ سے چلا آ رہا تھا۔ خصوصاً ہانڈی اور کھانا پکانے کے برتن بڑے عمدہ اور خوبصورت بنائے جاتے تھے۔ لیکن مٹی کی ہانڈی یا دوسرے برتن نہیں بنتے تھے' کیونکہ مکہ شریف کی مٹی اس کام کے لئے موزوں نہیں تھی۔ البتہ مصر اور یمن میں مٹی کی ہانڈیاں بنتی تھیں اور یمن میں ہانڈیوں کے علاوہ چائے کے دیگچے اور پیالیاں بھی بنائی جاتی تھیں۔ اب بھی ان کی یہ صنعت مشہور ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ مٹی کے برتن میں لکڑی کی آگ پر پکا ہوا کھانا تانبہ کے برتنوں میں تیل کے چولہے پر پکے ہوئے کھانے سے زیادہ خوش ذائقہ ہوتا ہے۔

تانبے کے برتنوں کی صنعت اب تک مکہ مکرمہ میں قائم ہے۔ لیکن ۱۳۳۰ھ میں جب ایلومنیم کی مصنوعات ایجاد ہوئیں تو اس کے برتنوں کو اس قدر پذیرائی ہوئی کہ بازاروں کے بازار بھرے پڑے ہیں' جب کہ حجاز کے شہروں میں یہ برتن ۱۳۶۰ھ میں آئے ہیں۔

صراحی کی صنعت

مکہ معظمہ میں پانی ٹھنڈا کرنے کے لئے مٹی کی صراحی کا استعمال بکثرت ہوتا تھا۔ یہ مختلف طرز اور سائز کی چھوٹی' بڑی' متوسط' گول اور لمبی کئی قسم کی ہوتی تھیں۔ پھر ان پر دیدہ زیب نقاشی کر کے اور بھی زیادہ دلکش بنا دی جاتی تھیں۔ ان میں پانی بھر دیا جاتا جو کچھ دیر بعد ٹھنڈا ہو جاتا تھا۔ اس مقصد کے لئے مکہ مکرمہ کی

Marfat.com

نسبت مدینہ منورہ کی مٹی زیادہ مفید ثابت ہوئی' اس مٹی کی صراحی مضبوط ہونے کے علاوہ پانی ٹھنڈا کرنے میں زیادہ مشہور تھی۔ اس کا رنگ سفید ہوتا تھا۔

۱۳۶۰ھ کے بعد برف' کولر اور فرج وغیرہ آ گئے تو ان صراحیوں کی صنعت ماند پڑ گئی' اور لوگ ان کی بجائے نئی ایجادات سے مستفید ہونے لگے۔ اس کے علاوہ وضو کے لئے مٹی کے لوٹے اور گھڑے بھی مکہ مکرمہ میں بنائے جاتے تھے۔

۱۳۹۳ھ مطابق ۱۹۷۳ء میں راقم الحروف نے ان صراحیوں کا کرشمہ دیکھا کہ رمضان المبارک میں ظہر کے بعد زمزم سے بھر کر باب السلام کی جانب صحن حرم میں واقع گرم کنکریوں میں رکھ دی جاتیں۔ جب کہ دھوپ بھی کافی تیز ہوتی تھی۔ لیکن افطار کے وقت حجاج اور زائرین جب ان صراحیوں سے پانی پیتے تو خاصا ٹھنڈا ہوتا تھا۔ حالانکہ دھوپ میں اور پھر گرم کنکریوں پر پانی گرم ہونا تو یقینی امر ہے مگر اس کا ٹھنڈا ہونا حیرت انگیز کرشمہ ہے۔ رمضان المبارک کے بعد ہم اپنی قیام گاہوں میں بھی ان صراحیوں کے ٹھنڈے پانی سے لطف اندوز ہوتے رہے۔

۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۸ء کو جب اللہ رب العزت نے زیارت حرمین شریف کی نعمت سے نوازا تو اس وقت ان صراحیوں کی بجائے برف اور فرج کا پانی بکثرت ملتا رہا۔ بازار میں صراحیاں بہت کم دیکھی گئیں۔ کیونکہ اب تو ان کا رواج بالکل ختم ہو گیا ہے البتہ بعض حجاج تحفۃً خرید کر لاتے ہیں۔

پلاسٹک کی صنعت

۱۳۸۲ھ میں الشیخ محمد احمد بوقری نے پلاسٹک کی مصنوعات کا ایک کارخانہ لگایا۔ جس میں بجلی کا سامان' بعض عمارتی سامان' سٹیشنری کی بعض چیزیں' بوتلیں اور کین وغیرہ بنائے جانے لگے۔ اس صنعت میں خاصی ترقی ہو۔

اس وقت پلاسٹک کے لوٹے' بوتلیں اور کین بہت بڑی تعداد میں تیار کئے جا رہے ہیں اور پلاسٹک کی چپلیں بھی بنائی جاتی ہیں۔

انسائیکلوپیڈیا کا مقالہ نگار لکھتا ہے' اب تو تھوڑی بہت انڈسٹریز اور ٹیکنیکل

Marfat.com

ملز بھی لگ گئی ہیں۔ فرنیچر اور برتن بھی بنائے جاتے ہیں۔

(انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا مطبوعہ ۱۹۷۷ء لفظ مکہ)

برف سازی

دوسرے ممالک کی نسبت مکہ مکرمہ میں بارشیں بہت کم ہوتی ہیں لیکن کبھی کبھی اولے بھی پڑتے ہیں جو اہالیان مکہ خصوصاً بچوں کے لئے نادر تحفہ ہوتا ہے۔ جنہیں جمع کر کے شربت میں ڈال کر خوشی خوشی پیتے ہیں۔ اگر اولے چھوٹے چھوٹے دانے ہوں تو انہیں حَبُّ الغَمام اور حَبُّ المُزن کہتے ہیں۔ بعض اوقات انگور کے برابر یا اس سے قدرے چھوٹے بھی ہوتے ہیں۔ یمن کے علاقہ میں بعض دفعہ انار اور سیب کے برابر بھی اولے پڑے ہیں۔

لیکن مکہ والے مصنوعی برف یعنی کارخانہ میں تیار شدہ برف سے ناواقف تھے۔ علامہ ازرقی کی روایت کے مطابق مکہ شریف میں ۱۶۴ھ میں پہلی مرتبہ برف اس وقت آئی جب خلیفہ مہدی عباسی فریضہ حج ادا کرنے آیا تھا۔

(اخبار مکہ عنوان تعمیر مہدی عباسی)

چنانچہ مختلف اوقات میں مندرجہ ذیل کارخانے لگائے گئے جن سے شہر میں کسی حد تک برف کی ضرورت پوری ہونے لگی

(۱) ۱۳۳۸ھ میں پہلا کارخانہ الحاج تسیم شامی نے لگایا۔ یہ کارخانہ جنت المعلاء کی جانب سوق المعلاء میں تھا۔ بعد میں الشیخ عبداللہ باحمدین رحمۃ اللہ علیہ نے خرید لیا۔ اور عرصہ دراز تک اسی جگہ قائم رہا۔ بعد ازاں جدہ روڈ پر ام الدود کے مقام پر منتقل کر دیا گیا۔

(۲) ۱۳۷۰ھ میں الشیخ صدقہ اور الشیخ سراج کعکی دو بھائیوں نے جرول میں ایک کارخانہ لگایا۔

(۳) ۱۳۷۵ھ میں الشیخ عبداللہ کعکی نے مسفلہ میں لگایا۔

(۴) ۱۳۷۷ھ میں الشیخ طہ احیاط نے مکہ اور منیٰ کے درمیان الششہ کی جانب

Marfat.com

لگایا تھا۔

⑤ ۱۳۷۹ھ میں الشیخ محمد عمر سعید عید نے مکہ اور منیٰ کے درمیان حوض البقر کے مقام پر کارخانہ لگایا تھا۔

اس وقت نہ صرف برف سازی کے کارخانوں میں بہت زیادہ اضافہ ہو چکا ہے بلکہ اب تو تقریباً ہر گھر میں برف بنانے اور دوسری اشیاء کو محفوظ رکھنے کے لئے ریفریجریٹر موجود ہیں۔ مشروبات کو ٹھنڈا رکھنے کے لئے ہر دکان پر ڈیفریزر موجود ہیں۔ یہ ترقی زیادہ تر ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۹۷۴ء کے بعد ہوئی ہے۔ بلکہ ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۹ء کے آخر میں آٹومیٹک برف ساز گاڑیاں بھی حجاج کو اپنی طلسم کاری سے محظوظ کر رہی تھیں۔ ان گاڑیوں کے باعث منیٰ میں حجاج کو بے حد سہولت نصیب ہوئی۔ موٹر کے اگلے حصہ میں پائپ سے پانی داخل ہوتا اور دوسری طرف سے برف بن کر نکل آتی تھی جس کا بلاک تقریباً ۱۰ کلوگرام کا ہوتا ہے۔

آٹا مشین

قدیم زمانہ میں دنیا کے تمام ممالک میں گندم مکئی اور دیگر غلہ پتھر کی بنی ہوئی ہاتھ چکی سے پیستے تھے۔ جن علاقوں میں پانی وافر مقدار میں ہوتا وہاں پن چکی پائی جاتی تھی۔ چنانچہ مکہ مکرمہ میں بھی گندم باجرہ مکئی اور چنے وغیرہ ہاتھ چکی سے پیسنے کا رواج تھا۔ جیسا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے متعلق روایت ہے کہ وہ چکی پیسا کرتی تھیں۔ تقریباً ہر گھر میں ہاتھ چکی موجود تھی۔

دولت عثمانیہ کے آخری ایام میں ۱۳۳۰ھ میں فہمی آفندی قرملی الترکی نے محلہ الفلق میں آٹا پیسنے والی مشین لگائی۔ لوگ اسے دیکھ کر تعجب کرتے اور اسے "بابور الطحین" (انجن والی گاڑی) کہتے تھے۔ اس مشین کے آنے سے ہاتھ چکی کا رواج رفتہ رفتہ کم ہوتا گیا حتیٰ کہ ۱۹۸۵ھ میں بہت تھوڑے گھروں میں ہاتھ چکی باقی رہ گئی تھی۔ اکثر لوگ مشین سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ابتدا میں اس کا انجن ڈیزل

Marfat.com

سے چلاتا تھا' مگر اس وقت بجلی سے چلنے والی مشینیں لگی ہوئی ہیں۔

اس دور میں اگرچہ مکہ مکرمہ کے لوگ گھروں میں روٹی نہیں پکاتے بلکہ تنور اور بیکری سے روٹی خریدتے ہیں اس کے باوجود تقریباً ہر محلہ میں مشینیں لگی ہوئی ہیں۔ گذشتہ کئی سال سے پاکستانی حجاج کو راشن کے طور پر مکہ شریف میں گندم ملتی تھی جو پاکستان سے بوریوں میں بند کر کے بھیجی جاتی تھی۔ اکثر حجاج اسے مشین سے پسوا کر اپنے کام میں لاتے تھے۔ ممکن ہے کسی دوسرے ملک کے حجاج کو بھی اس طرح راشن ملتا ہو علاوہ ازیں مکہ شریف میں گندم باجرہ اور دوسری اجناس دکانوں سے دستیاب ہیں۔

آرا مشین

دنیا کے دوسرے ممالک کی طرح مکہ مکرمہ میں لکڑی چیرنے کا نہایت سادہ مگر سخت محنت طلب اور تکلیف دہ انتظام تھا۔ جس لکڑی کو چیرنا مقصود ہوتا اس کا ایک سرا زمین میں گاڑ کر دو مستری اس کے اوپر والے سرے سے آرا چلانا شروع کرتے جب وہ نصف تک چیر لیتے یعنی اوپر والا سرا زمین میں گاڑ دیتے اور زمین والا اوپر کر کے پھر آرا چلانا شروع کر دیتے اس طرح پہلے اس کے دو حصے کرتے۔ پھر حسب ضرورت ان کی چھوٹی چھوٹی تختیاں اور بلیاں ایک آدمی بھی بنا لیتا تھا۔

اس طریقہ میں جہاں تکلیف اور مشقت بہت زیادہ ہوتی تھی وہاں وقت بھی کافی خرچ ہوتا تھا جب مکہ کی آبادی میں بہت اضافہ ہو گیا اور لکڑی کے کام کی مانگ بڑھ گئی تو ۱۳۵۸ھ میں الشیخ احمد نحاتمیں نے بجلی سے چلنے والی آرا مشین لگائی جس سے کام میں بے حد آسانی ہو گئی۔ پھر رفتہ رفتہ دوسرے لوگوں نے بھی یہ کاروبار شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ ۱۳۸۵ھ تک شہر میں تیس آرا مشینیں لگ چکی تھیں۔ جن سے نجاری کے کام میں بہت سہولت ہو گئی۔

اگرچہ اس وقت مکانات کے لئے لکڑی کا کام بہت کم ہوتا ہے' لیکن فرنیچر کی لکڑی ان مشینوں سے حسب ضرورت چیری جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ مذکورہ تعداد میں اب کمی بیشی ہو گئی ہو کیونکہ اب حالات کافی بدل چکے ہیں۔

Marfat.com

مکہ معظمہ کے باغات

مکہ مکرمہ کی سرزمین جس کا تعارف سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے "بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ" سے کرایا تھا۔ اور قرآن پاک نے بھی اس بے آب و گیاہ مقدس سر زمین کو اسی وصف سے یاد فرمایا۔ ہزاروں سال گزر جانے کے باوجود تاریخ بھی اسی نظریہ پر قائم تھی۔ مگر اس رنگ بدلتی دنیا میں عجائبات قدرت کا ظہور ہر روز ہوتا رہتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ صدیوں کے اٹل نظریات اور تجربات ہوا کی طرح تحلیل ہو جاتے ہیں۔ بالخصوص سائنسی اور مشینی ایجادات نے تو دنیا کی کایا پلٹ دی۔ کبھی تسخیر خلا تو کوئی تعجب انگیز بات ہی نہیں رہی۔ اب تو چاند پر قدم جمانے کے بعد زہرہ پر کمند ڈالی جا رہی ہے جو زمین سے کروڑوں میل کی مسافت پر ہے۔ ایک قدیم نظریہ کے مطابق فضا میں محدود حد سے تجاوز کرنا ناممکنات میں تھا۔ لیکن خلائی دوڑ نے اس موہومہ کو تار تار کر دیا۔ مواصلات کی محیر العقول ترقی نے سمندر کو کوزے میں بند کر دیا۔ معدنیات اور زیر زمین ذخائر کی دریافت پر صدیاں گزر چکی ہیں۔ مگر کروزن آئل' پٹرولیم اور سوئی گیس جیسی دولت کروڑوں برس زمین کے پیٹ میں مخفی رہی۔ جن کے وجود کا کسی کو وہم تک نہیں تھا۔ اسی طرح بہت سے علوم و فنون نیز عمرانی اور زرعی ترقی نے عہد کہنہ کے تجربات کو غلط ثابت کر دکھایا ہے۔ زرعی مشینی آلات اور کیمیاوی کھاد نے نہ صرف اجناس کی افزائش میں بے پناہ اضافہ کیا بلکہ عمل تقلیم کی بدولت نارنگی سے کنوں اور مالٹے کی نفیس ترین اقسام سامنے آئی ہیں۔ کھجور کے بار آور ہونے کے متعلق یہ مثل مشہور تھی کہ ''دادا لگائے اور پوتا کھائے''۔ لیکن اب یہ مثل بھی غلط ثابت ہو گئی ہے۔ (راقم الحروف نے پاکستان کے سابق صدر ایوب خان کے باغ واقعہ ٹیکسلا میں کھجور کے ایسے بے شمار درخت

Marfat.com

دیکھے جو چند سالوں میں بارآور ہو چکے ہیں)۔

اسی طرح تمدنی اور عمرانی ترقی کے پیش نظر آج مکہ کے قدیم شہر کا تصور بھی نہیں ہو سکتا بلکہ دنیا کے متمدن ممالک کے حسین ترین شہر کی تمام تر خوبیاں اور اوصاف کا یہ مجموعہ بن گیا ہے۔ کل تک تو یہی تصور تھا لیس بها نهر ولا بئر يشرب ماؤها وليس بجميع مكة شجر مثمر' فاذا جُزت الحرم فهناك عيون و أبار و مزارع و نخيل اس میں نہ تو کوئی نہر ہے نہ کنواں جس سے پانی پیا جائے۔ اور نہ ہی تمام شہر میں کوئی پھلدار درخت ہے اور جب آپ حرم سے باہر نکلیں' تو چشمے' کنوئیں' کھیت اور کھجوروں کے باغات پائیں گے۔ لیکن اب حرم کی حدود کے اندر بھی پھلدار اور پھولدار درخت شہر کے اندر اور باہر موجود ہیں۔ جن کی تفصیلات قارئین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے۔

وہ سرزمین جو پیدائشی طور پر زراعت' ثمرات' کنوؤں اور نہروں سے خالی تھی آج فضل خداوندی اور لوگوں کی عمرانی جدوجہد اور محنت کے باعث سرسبز و شاداب' پھلواری اور پھلداری کے قابل بن گئی ہے۔ عصر جدید میں زرعی آلات اور عمرانی تجربات نے مکہ مکرمہ کے باغات کی بہاروں میں اضافہ کر دیا ہے۔ مختلف اوقات میں حدود حرم کے اندر بارہ باغات کا ذکر ملتا ہے۔ جن میں سے بعض آج بھی موجود ہیں۔ اور بعض آبادی کے بڑھتے ہوئے سیلاب کی نذر ہو چکے ہیں۔ حدود حرم میں راقم الحروف نے بھی بعض باغات کا مشاہدہ کیا ہے جن میں قابل ذکر معابدہ تنعیم اور مسفلہ کے بعض باغات ہیں۔

① ۹۶۷ھ میں خواجہ قیلی محمد بن محمود آفندی قاضی مکہ نے معلاء کے راستہ کی دائیں جانب باغ لگایا تھا۔ اس جگہ ۸۵۰ھ میں خواجہ بہرام ناظر حرم نے اس میں رفاہ عامہ کے لئے سبیل اور حوض تعمیر کرائے جس سے انسان اور حیوان فائدہ اٹھاتے تھے۔ پھر وزیر اعظم رستم پاشا کی زوجہ محترمہ نے اس میں اضافہ کیا تھا۔ اس باغ کا تذکرہ علامہ قطب الدین ہنجی نے بھی کیا ہے۔

Marfat.com

② ۱۰۰۵ھ میں عثمان بن حمیدان مشیر امیر مکہ نے معابدہ میں باغ لگایا جو بہت وسیع و عریض تھا۔ جس میں انواع و اقسام کی سبزیوں کے علاوہ پھلدار درخت بھی تھے۔ عثمان موصوف اسی باغ میں بڑی بڑی دعوتوں کا اہتمام بھی کرتے تھے۔ اس کا ذکر تاریخ غازی جلد ۲ ص ۲۵۱ میں بھی موجود ہے۔ مگر اب اس کا نام ونشان مٹ چکا ہے۔

③ ۱۰۴۰ھ میں مسعود بن ادریس نے معابدہ میں جہاں ابی طالب کا حوض پایا جاتا تھا۔ باغ لگایا پھر اسے وخیل اللہ العواجی نے خرید لیا اور اسی نسبت سے اس کا نام بستان عواجی مشہور ہوا۔ علامہ سباعی کے بیان کے مطابق اب اس کے نشانات بھی معدوم ہو چکے ہیں۔

④ ۱۲۷۰ھ میں میر اسحاق علوی نے عتبلہ اور شیکہ کے درمیان باغ لگایا۔ موصوف شریف عبدالمطلب اور والی کامل پاشا کے زمانہ میں تھے۔ لیکن اب یہاں آبادی ہو چکی ہے اس کا ذکر بھی علامہ سباعی نے کیا ہے۔

⑤ باغ برکہ ماجن' حرم محترم سے دو کلو میٹر کے فاصلہ پر مسفلہ میں واقع تھا۔ غالب خیال ہے کہ یہ باغ سب سے قدیم ہے۔ کیونکہ برکہ ماجن اور اس کا شیریں پانی آٹھویں صدی ہجری سے مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔ اس کے پانی سے بہت بڑا رقبہ سیراب کیا جاتا تھا۔ جس سے مکہ مشرفہ میں سبزیوں کی معقول مقدار فراہم ہوتی تھی۔ یہ باغ ایک سے دوسرے ہاتھ میں چلا آتا رہا اور آج بھی موجود ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ اس وقت کس کی ملکیت ہے۔ ۸۲۸ھ میں اس کی تعمیر اور اصلاح بھی کی گئی تھی۔ اور غالباً سید حسین ناظر اسکندریہ نے اصلاح کرائی تھی۔ راقم الحروف نے ۱۳۹۴ھ میں اس باغ کو دیکھا تھا' اس میں ٹیوب ویل لگا ہوا ہے۔

⑥ باغ وزیر عثمان نوری پاشا' موصوف دولت عثمانیہ سے پہلے مکہ کے والی ہو گزرے ہیں۔ یہ سب سے پہلا باغ ہے جس پر لاکھوں روپیہ خرچ کر کے

Marfat.com

قابل زراعت اور انتفاع بنایا گیا' اس میں وافر مقدار میں ہر طرح کی زراعت کا انتظام کیا گیا۔ حرم محترم سے تقریباً تین کلومیٹر کے فاصلہ پر جرول میں واقع تھا۔

⑤ شریف عون الرفیق گورنر مکہ مکرمہ جن کی ولادت ۱۲۵۶ھ میں ہوئی اور امارت مکہ پر ۱۲۹۹ھ میں فائز ہوئے۔ انہوں نے جرول میں ایک باغ بنایا۔ جو کعبہ شریف سے تقریباً تین کلومیٹر کے فاصلہ پر تھا۔ جس میں ہر قسم کے پھل دار درخت' سبزیاں اور دوسری اجناس تھیں۔ پھر ۱۳۱۰ھ وزیر عثمان پاشا نوری نے اس کا انتظام سنبھالا' اور یہ بے نظیر باغ ۱۳۵۰ھ تک موجود تھا' لیکن بعد میں اجڑ گیا۔ اور زراعت کے آثار مٹ گئے۔ پھر اس قطعہ اراضی کو امیر منصب بن عبدالعزیز آل سعود نے خریدا۔ بعد ازاں ۱۳۶۷ھ میں یہاں ہسپتال بن گیا۔

اس باغ میں سبزیوں کے علاوہ اخروٹ' مالٹا' لیموں' انگور' چھوہارا' بند گوبھی' بینگن اور ٹماٹر وغیرہ بکثرت پائے جاتے تھے۔

الشیخ محمد ابراہیم رفعت پاشا مرحوم نے اس باغ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔ یہ باغ جرول میں مستطیل شکل کا ہے۔ بحری جانب سے طول ۲۷۰ میٹر اور مغرب میں ۱۸۰ میٹر ہے۔ اس کے چاروں طرف دو میٹر بلند دیوار بنی ہوئی ہے۔ باغ کے درمیان ایک مربع شکل کا بہت بڑا حوض ہے۔ جس کا ہر ضلع ۲۱ میٹر ہے۔ اس کی گہرائی چار میٹر جب کہ زمین سے دیواروں کی بلندی سوا تین میٹر تھی۔ دیوار زرد رنگ کے مضبوط پتھروں سے بنی ہوئی تھی۔ اور اندر باہر سے پلستر شدہ تھی۔ اس حوض سے باغ کی آب پاشی کا کام لیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ دو حوض اور بھی تھے جن سے لوگ نہاتے اور کپڑے وغیرہ دھوتے تھے۔

اس باغ میں اخروٹ' مالٹا' لیموں' کھجور' انگور' گلاب' بریسم جاری'

Marfat.com

بند گوبھی' ٹماٹر وغیرہ ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ ایسے پھولدار درخت بھی کثرت سے تھے جن کے پھولوں سے عطر اور خوشبوئیں بنائی جاتی تھیں۔ (مراۃ الحرمین ج اص ۱۹۵، ۱۹۶)

⑧ بستان الشہداء۔ یہ تنعیم کے راستہ میں واقع ہے جو حرم شریف سے پانچ کلومیٹر سے بھی کم فاصلہ پر ہے۔ یہ کوئی چالیس سال پہلے وجود میں آیا تھا' اور اب بھی آباد ہے۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اب کس کی ملکیت ہے۔

⑨ ۱۳۵۲ھ میں الشیخ عبداللہ السلیمان سابق وزیر مالیات نے جرول میں اپنے مکان کے قریب بنایا تھا۔ یہ حرم محترم سے صرف دو کلومیٹر دور ہے' اور آج بھی پر از میوہ و بہار ہے۔ اس باغ کا تذکرہ مولانا ابوالقلم خاموش فتح پوری نے بھی کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس میں امرود بہت عمدہ قسم کا ہوتا ہے۔ پپیتا اور آم کے علاوہ اور بھی کئی قسم کے پھل اور سبزیاں ہیں۔ (مرقع حجاز ص ۵۶)

⑩ شیخ محمد سرور الصبان وزیر مالیات و اقتصادیات نے جدہ روڈ پر ام الدرج کے قریب باغ لگایا تھا' جو حرم سے چار کلومیٹر دور ہے۔ بہت خوبصورت اور ہر قسم کی پیداوار ہوتی ہے۔ اس کے اندر ایک چھوٹا سا باغیچہ تفریح کے لئے بنا ہوا ہے۔

⑪ باغ الشیخ عبداللہ الکعکی' یہ مسفلہ میں ہے۔ اس کے اور حرم کے درمیان چار کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ یہ سیر و سیاحت کے لئے بے حد روح پرور جگہ ہے۔ اس کی بنیاد ۱۳۶۹ھ میں رکھی گئی تھی۔ اس باغ کا ذکر رفعت پاشا نے بھی مراۃ جلد اص ۱۷۹ میں کیا ہے۔

⑫ منیٰ کے راستہ میں یہ کافی لمبا باغ ہے' اس میں کئی کنوئیں اور نل ہیں' اور بہت سے درخت ہیں' جن میں املی کے درخت بھی ہیں۔ یہ باغ ایک میل سے بھی زیادہ لمبا ہوگا۔ سڑک کے درمیان بے حد نشاط افزا منظر پیش کرتا ہے۔ پھولدار اور پھلدار درخت کثرت سے ہیں۔

Marfat.com

بجلی کا استعمال

قدیم زمانہ سے مکہ مکرمہ کے لوگ گھروں اور سڑکوں پر روشنی کے لئے مٹی کے تیل سے جلنے والے چراغ جلاتے تھے۔ بازاروں میں قندیلیں جلائی جاتی تھیں۔ لیکن ۱۳۸۴ھ میں جب شہر میں بجلی آ گئی تو بازاروں اور گھروں کو بجلی سے منور کیا جانے لگا۔ اگرچہ بجلی کا استعمال سب سے پہلے حرم محترم میں ہوا۔ اس کے بعد جب زیادہ عمدہ انتظام ہو گیا اور بجلی وافر مقدار میں سپلائی ہونے لگی تو پھر تمام شہر کو روشن کر دیا گیا۔

اس وقت بجلی کا نظام اس قدر عمدہ اور تسلی بخش ہے کہ نہ صرف بجلی سے روشنی کا کام لیا جا رہا ہے بلکہ ہزار ہا مشینیں' پنکھے' ہیٹر' فریزر' ایئر کنڈیشنر اور خدا جانے کیا کیا چیزیں چل رہی ہیں۔ بجلی گھر تنعیم کے قریب واقع ہے۔

ٹیلیویژن کا استعمال

۱۹۰۸ء میں کاسل سونیٹون نے ٹیلی ویژن ایجاد کیا تھا۔ ۱۹۲۵ء میں ج ل بیئرڈ نے اس میں بہت سی اصلاحات کیں۔ اسلامی ممالک میں سب سے پہلے ۱۳۷۸ھ میں مطابق ۱۹۵۹ء میں مصر میں استعمال کیا گیا۔ ۱۳۸۵ھ میں سعودی حکومت نے ٹیلی ویژن اسٹیشن قائم کرنے کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ ربیع الاول ۱۹۸۵ھ کو مکہ مکرمہ میں بھی ٹی۔ وی کا استعمال شروع ہوا۔ جس پر پند و نصائح اور اصلاحی پروگرام نشر ہوتے تھے۔

لاؤڈ سپیکر

اذان کی آواز دور تک پہنچانے کے لئے حرم شریف کے ہر ایک مینار پر ایک ایک مؤذن اذان دیا کرتا تھا لیکن جب لاؤڈ سپیکر ایجاد ہوا' اور اس کے ذریعہ

Marfat.com

نہ صرف اذان کی آواز دور دراز تک پہنچائی جانے لگی' بلکہ لاکھوں مقتدیوں کو امام کی قراءت اور تکبیرات سننے میں بھی بے حد سہولت ہوگئی۔ اسی طرح درس و تدریس' وعظ و نصیحت اور جمعہ و عیدین کا خطبہ سننے میں بھی ہر ایک آدمی محظوظ ہونے لگا۔

چنانچہ ۱۳۶۸ھ میں سعودی حکومت نے حرم شریف کے لئے لاؤڈ سپیکر درآمد کیا۔ جسے میناروں پر' مبلغین کے چبوتروں پر' نماز میں امام کے سامنے اور خطبہ کے وقت منبر پر استعمال کیا جاتا تھا۔ مؤذن اور مکبر کی جگہ حنفی مصلی کے اوپر بنی ہوئی تھی' اور اسی جگہ لاؤڈ سپیکر کی مشینری رکھی جاتی تھی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں بہت زیادہ اضافہ اور ترقی ہوئی۔ رکن یمانی کے سامنے دولت عثمانیہ کی تعمیر کے باہر ایک دو منزلہ شیش محل بنایا گیا۔ جس میں نہایت عمدہ قسم کے متعدد ایمپلی فائر نصب کئے گئے۔ جن پر سینکڑوں کی تعداد میں یونٹیں چلتی ہیں۔ جن کی تفصیلات ہم نے پیش نظر کتاب کی دوسری جلد میں بیان کردی ہیں۔

علاوہ ازیں اسی چبوترہ میں ریڈیو سیٹ بھی نصب کیا گیا۔ جس کے ذریعہ اذان' نماز اور خطبہ براڈ کاسٹ کیا جاتا ہے۔ محرم الحرام ۱۳۹۹ھ میں مطاف کی توسیع کے باعث یہ چبوترہ منہدم کرکے اس کے متصل برآمدوں میں نیا شیش محل بنا دیا گیا۔

گھڑیوں کی آمد

قدیم زمانہ میں وقت معلوم کرنے کے بے حد سادہ اور مختلف طریقے رائج تھے۔ شمسی (دھوپ گھڑی) اور قمری گھڑیاں قابل اعتماد بھی جاتی تھیں۔ بلکہ موجودہ سائنسی اور ترقی یافتہ دور میں بھی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں نماز کے اوقات معلوم کرنے کے لئے شمسی اور قمری گھڑیاں موجود ہیں۔ علاوہ ازیں سورج کے سایہ سے بھی اندازہ کیا جاتا تھا اور رات کے وقت ستاروں اور مرغ کی اذان سے وقت معلوم کرنے کا رواج بھی تھا۔

لیکن محیر العقول سائنسی ایجادات نے وقت معلوم کرنے کے لئے گھڑیاں

Marfat.com

ایجاد کیں۔ اس صنعت نے اس قدر جلدی ترقی کی کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ چھوٹی اور بڑی انتہائی خوبصورت مختلف سائز اور ڈیزائن میں گھڑیاں ہر ملک میں دستیاب ہیں۔ آج سے پچھتر سال پہلے خلافت عثمانیہ کے زمانہ میں مکہ مکرمہ میں بہت تھوڑی تعداد میں صرف جیب گھڑی پائی جاتی تھی۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور معبوط اور قیمتی جیب گھڑی "راسکوف" تھی۔ اس کی قیمت سونے کی ایک گنی تھی۔ یہ سویزرلینڈ کی بنی ہوئی تھی۔ اس کی چابی نصف انچ سے کچھ لمبی اور دیاسلائی کے برابر موٹی تھی۔

۱۳۶۰ھ میں متعدد انواع واقسام دیدہ زیب اور دلفریب جیب گھڑیاں اور ہاتھ گھڑیاں ٹائم پیس اور کلاک آنے لگے۔ ابتداء میں جیب گھڑی' ہاتھ گھڑی ور ٹائم پیس کو روزانہ اور کلاک کو ہفتہ وار چابی دی جاتی تھی۔ مگر اب ایسی آٹومیٹک ہاتھ گھڑیاں بن گئی ہیں جنہیں چابی دینے کی ضرورت ہی نہیں۔ اسی طرح ہاتھ گھڑی' ٹائم پیس اور کلاک (الیکٹرونک) سیل سے چلنے والے ایجاد ہو چکے ہیں۔

یہ سیل ایک سال تک چلتا ہے۔ اس کے بعد نیا سیل تبدیل کرنا ہوتا ہے۔ کلاک کی صنعت میں یہ پیش رفت ہوئی کہ ہفتہ وار چابی دینے کی بجائے ۱۵ اور ۳۰ دن بعد چابی دی جانے لگی اور اس وقت بیٹری سیل سے چلنے والی ٹائم پیس اور کلاک بھی ایجاد ہو چکے ہیں جو مکہ مکرمہ میں بھی دستیاب ہیں۔ چونکہ ان کی مختلف اقسام ہیں اس لئے ان کی قیمتیں بھی مختلف ہیں۔

قدیم زمانہ میں گھڑیوں کی صنعت میں سویٹزرلینڈ پوری دنیا میں مشہور تھا۔ لیکن اس وقت جرمن ٹائم پیس اور جاپانی کلاک اور ہاتھ گھڑی کی صنعت میں پوری دنیا پر چھا گیا ہے۔ اگرچہ بعض اقسام چائنہ فرانس اور انگلینڈ کی مارکیٹ میں موجود ہیں۔ اس وقت چند مشہور اور قیمتی گھڑیاں حسب ذیل ہیں۔ رومیکا' رولیکس' رومر' لونجین' زینت اور راڈو۔

Marfat.com

سٹوڈیو

قدیم زمانہ میں دوسرے ممالک کی طرح مکہ مکرمہ میں بھی دخول کے لئے کوئی خاص پابندی نہیں تھی۔ لیکن بعض انتظامی اور ملکی امور کے استحکام کی خاطر دنیا بھر میں سرکاری نیم سرکاری محکموں اور نو واردوں کے لئے فوٹو کی ضرورت پیش آئی۔ ابتداء میں مکہ مکرمہ میں شرعی احکام کے پیش نظر اسے کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ مگر واقعات اور حالات کی سنگینی کے باعث بعض اہم ضروریات میں تصویر ہونا ازبس ضروری تھا۔

چنانچہ ۱۳۵۰ھ میں فوٹوگرافی کی ایک دکان قائم ہوئی۔ تاکہ بیرون ملک جانے والے حضرات کے پاسپورٹ کے لئے یا دوسرے ممالک کے لوگ جو مکہ میں اقامت کے خواہشمند ہوں ان کے لئے تصویر سازی کی جائے۔ اسی طرح بعض سرکاری اجلاس اور مجالس کی تصاویر لینا بھی مقصود تھا۔

لیکن ابتداء سے اب تک عورتوں کی تصاویر پاسپورٹ' اقامہ یا کسی بھی ضرورت کے لئے جائز قرار نہیں دی گئی۔ یہ مطلقاً ممنوع ہے۔ مذکورہ بالا ضروریات میں جس قدر اضافہ ہوتا گیا رفتہ رفتہ فوٹوگرافی کا کام بھی بڑھتا گیا۔ حتیٰ کہ ۱۳۸۵ھ میں مندرجہ ذیل ۱۳ دکانیں بن چکی تھیں

① **صبری بوشناق** ۔ یہ مکہ مکرمہ کا باشندہ تھا جو پہلے سے یہ کام کر رہا تھا۔

② **جمیل بوشناق** ۔ " " " " " "

③ **محمود شفیق** ۔ " " " " " "

④ **سعید شاورلی** " " " " "

⑤ **الزبیر** ۔ یہ ہندوستان کا باشندہ تھا اور ۱۳۶۵ھ میں مکہ شریف میں کام شروع کیا۔

⑥ **اسٹوڈیو الشہاب** ۔ یہ دکان علی بزاع کی تھی جس نے ۱۳۸۲ھ میں مکہ شریف میں کام شروع کیا۔

Marfat.com

⑦ **اسٹوڈیو الشرق** ۔ یہ حضرموت کا رہنے والا تھا' ۱۳۷۹ھ میں مکہ شریف میں کام شروع کیا۔

⑧ **اسٹوڈیو اکفا** یہ جاوہ کا آدمی تھا' ۱۳۷۱ھ میں مکہ شریف میں کام شروع کیا۔

⑨ **اسٹوڈیو الشمس** یہ بھی ہندوستانی تھا جس نے ۱۳۸۱ھ میں مکہ شریف میں کام شروع کیا۔

⑩ **اسٹوڈیو العلم الاخضر** : یہ دکان ۱۳۸۲ھ میں شروع ہوئی۔

⑪ **اسٹوڈیو النصر** یہ آدمی جاوہ یا ہند کا تھا' ۱۳۸۳ھ میں مکہ شریف میں کام شروع کیا۔

⑫ **محمد سلیمان الکشیری** یہ حضرموت کا رہنے والا تھا' ۱۳۷۴ھ میں مکہ شریف میں کام شروع کیا۔

⑬ **اسٹوڈیو العاصمہ** ۔ یہ احمد محمد العدنی کا سٹوڈیو تھا' جس نے ۱۳۸۲ھ میں مکہ شریف میں کام شروع کیا۔

اس کے علاوہ بھی بعض محلوں میں اسٹوڈیو پائے جاتے ہیں مگر ہم نے بطور نمونہ چند مشہور اسٹوڈیوز کی نشاندہی کر دی ہے۔ علاوہ ازیں طلباء اور بعض دوسرے لوگوں کے پاس بھی کیمرے ہوتے ہیں۔ خواہشمند حضرات مختلف مقامات کی تصویریں بناتے ہیں۔

جہاں مختلف شعبہ جات کی ترقی ہوئی وہاں فوٹوگرافی میں بھی کافی پیش رفت ہوئی۔ فوٹو سٹوڈیو کے علاوہ اب تو پورے شہر اور حرم شریف کے اندر اور باہر آٹومیٹک کیمرے نصب ہیں' جو مواصلاتی سیاروں کے ذریعہ بیرونی ممالک میں بھی تصاویر بھیجتے ہیں۔

مقدس مقامات کی زیارت کے لئے جب زائرین جاتے ہیں تو وہاں کئی آدمی کیمرے لئے ان کا استقبال کرتے ہیں اور انہیں فوٹو بنوانے کی ترغیب دلاتے ہیں اور عموماً دس ریال میں ایک تصویر بناتے ہیں۔ یہ دھندا ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۹۷۴ء

Marfat.com

تک تو نہیں تھا مگر اس کے بعد بہت زیادہ ہو گیا ہے۔

حرم شریف اور کعبۃ اللہ شریف کی تصاویر لینے سے حکام سختی کے ساتھ منع کرتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات کیمرے چھین کر توڑ بھی دیتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود چوری چھپے لوگ تصاویر لے لیتے ہیں۔ لیکن دوسرے ممالک کے خصوصی نمائندوں یا کسی خاص کمپنی وغیرہ کو حرم شریف کی تصاویر لینے کے لئے باقاعدہ اجازت لینی پڑتی ہے۔

عمرانی ترقی

یہ نظریہ قدیم زمانہ سے چلا آ رہا تھا کہ مکہ کے لوگ عمرانیات اور تمدن سے قطعاً بے خبر ہیں اور وہاں عمرانی وسائل کا سخت فقدان ہے۔ لیکن اب تو سائنسی ایجادات نے ہر ناممکن کو ممکن کر دیا ہے۔ چنانچہ اس وقت مکہ کے بازار' دکانات' مواصلات' تمدنی اور عمرانی زندگی کے ہر شعبہ میں یورپ کے ترقی یافتہ اور حسین ترین شہروں سے کسی چیز میں پیچھے نہیں ہیں۔ قارئین کی خدمت میں مکہ کی عمرانی اور تمدنی ترقی کا مختصر سا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

بلدیہ (میونسپلٹی)	۱۳۴۲ھ	شہر کی فلاح و بہبود اور نگرانی کے لئے بلدیہ کا قیام عمل میں لایا گیا۔
ٹیلیفون مشین	۱۳۴۴ھ	مکہ میں پہلی بار ٹیلیفون مشین آیا۔
موٹر کار	۱۳۳۸ھ	والی مکہ شریف حسین بن علی کو ہندوستان کے ایک رئیس نے کار تحفہ میں پیش کی۔ البتہ ۱۳۴۶ھ میں کثرت سے گاڑیاں چلنے لگیں۔
برف سازی	۱۳۳۹ھ	الحاج نسیم الشامی نے برف سازی کا کارخانہ لگایا۔
بجلی	۱۳۴۶ھ	پہلی مرتبہ بجلی آئی اور اس کا استعمال حرم شریف میں شروع ہوا۔ ۱۳۶۵ھ میں پورا مکہ بجلی کے قمقموں سے منور ہو گیا۔

Marfat.com

پختہ سڑکیں	۱۳۵۲ھ	تارکول اور بجری کی آمیزش سے سڑکیں پختہ بنائی گئیں۔
اسکول	۱۳۵۴ھ	مروجہ تعلیم کا نظام شروع ہوا۔ اگرچہ دینی مدارس کا سنگ بنیاد فتح مکہ کے بعد نبی ﷺ نے رکھا تھا۔
برقی پنکھے	۱۳۶۲ھ	برقی پنکھوں کی ابتدا بھی حرم شریف سے شروع ہوئی۔ لیکن اب تو پورا شہر ایئر کنڈیشنڈ بن چکا ہے۔
لاؤڈ سپیکر	۱۳۶۷ھ	حرم محترم جہاں لاکھوں فرزندانِ توحید نماز با جماعت ادا کرتے ہیں' ان تک امام صاحب کی آواز پہنچانے کے لئے لاؤڈ سپیکر کا استعمال شروع ہوا۔
پریس	۱۳۶۹ھ	جب پہلی بار پریس نصب کیا گیا اس کا افتتاح قرآن مجید کی طباعت سے کیا گیا۔
وزارت	۱۳۷۴ھ	
شرشورہ	۱۳۷۶ھ	میت کی تجہیز و تکفین کے لئے یہ محکمہ قائم کیا گیا۔
پختہ عمارات	۱۳۷۵ھ	اس سال مٹی کی بجائے سیمنٹ سے پختہ مکانات پہلی مرتبہ بنائے گئے۔
شفا خانے	۱۳۷۱ھ	نئے آلات اور مشینری سے استفادہ کرنے کی غرض سے کثیر تعداد میں ہسپتال کھولے گئے۔
حمام	۱۳۷۳ھ	حمام اور سیلون کا سلسلہ شروع ہوا۔
تعمیر مساجد	۱۳۷۰ھ	پورے شہر میں بہت سی مساجد تعمیر کی گئیں۔
گرلز سکول	۱۳۷۸ھ	لڑکیوں کے سکولوں کا اس سال اجرا ہوا۔
واٹر موٹر	۱۳۶۸ھ	برقی موٹروں کا استعمال شروع ہوا' ان سے کنوؤں اور دوسرے مخازن سے مکانات میں پانی پہنچانے کا انتظام کیا گیا۔
فوٹو گرافی	۱۳۵۵ھ	اگرچہ شرعاً فوٹو گرافی ممنوع ہے مگر بعض قومی' ملکی اور بین

Marfat.com

		الاقوامی ضروریات کو پورا کرنے کی غرض سے اس سال فوٹو سٹوڈیو قائم ہوئے۔
ٹیلیفون	۱۳۵۰ھ	شہر میں فون کا نظام شروع ہوا۔ اگرچہ سرکاری دفاتر میں اس سے قبل ہیں ٹیلیفون کام کر رہے تھے۔
	۱۳۵۰ھ	خشک دودھ دہی اور بعض سبزیاں ڈبوں میں بند درآمد ہونا شروع ہوئیں۔
	۱۳۵۵ھ	چھوٹے اور بڑے ڈبوں میں گھی کی درآمد شروع ہوئی۔
	۱۳۸۰ھ	سڑکوں کی توسیع کا کام شروع ہوا' پہلے ۱۰ سے ۲۰ میٹر تک چوڑی تھیں اور اس سال ۳۰ سے ۹۰ میٹر تک چوڑی کر دی گئی۔

○○○

اس باب کا اکثر حصہ علامہ طاہر کردی دامت برکاتہم کی تاریخ القویم جلد۲ سے ماخوذ ہے اور اس کے علاوہ جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے ان کے حوالہ جات درج کر دیے گئے ہیں۔

Marfat.com

مصادر و مآخذ

فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ

شمار	کتب	مصنفین عظام	مطبع
		الف	
۱	ابن ماجہ	امام ابی عبداللہ بن محمد القزوینی المتوفی ۲۷۳ھ	کتب خانہ نور محمد کراچی ۱۳۸۱ھ
۲	ابو داؤد	امام ابی داؤد سلیمان بن الاشعث المتوفی ۲۷۵ھ	کتب خانہ نور محمد کراچی ۱۳۶۹ھ
۳	آثار البلاد و اخبار العباد	امام زکریا بن محمد بن محمود قزوینی المتوفی ۶۸۲ھ	بیروت ۱۳۸۰ھ ۱۹۶۰ء
۴	احسن التقاسیم	محمد بن ابی بکر بشاری	مطبع بریل ۱۹۰۶ء
۵	اخبار العلماء	ابی الحسن علی بن قاضی اشرف القفطی المتوفی ۶۴۶ھ	مطبع سعادت مصر ۱۳۲۶ھ
۶	اخبار مکہ	امام ازرقی	بیروت لبنان
۷	اسیر مالٹا	سید حسین احمد مدنی	مکتبہ محمودیہ لاہور ۱۳۹۲ھ ۱۹۷۳ء
۸	الاصابہ	امام احمد بن علی بن محمد بن علی العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ	مکتبہ تجاریۃ الکبریٰ ۱۳۵۸ھ ۱۹۳۹ء
۹	البدایہ والنہایہ	الحافظ ابن کثیر دمشقی المتوفی ۷۷۴ھ	مکتبۃ المعارف۔ بیروت ۱۹۷۴ء

Marfat.com

۱۰	الفاروق	علامہ شبلی نعمانی	دہلی ۱۸۹۸ء
۱۱	العواصم من القواصم	قاضی ابی بکر بن العربی المتوفی ۵۴۳ھ	مطبع سلفیہ قاہرہ ۱۳۷۵ھ
۱۲	النجوم الظاہرہ	امام جمال الدین یوسف بن تغری بردی المتوفی ۸۷۴ھ	کوستا تسوماس ۔ الظاہر
۱۳	اعلام الاعلام	امام قطب الدین	مؤلفہ ۹۸۵ھ مطبوعہ ۱۲۷۳ھ
۱۴	انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا	.	لندن مطبوعہ ۱۹۷۰ء تا ۱۹۷۷ء
۱۵	انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم		شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور
۱۶	انسائیکلو ریجس	جیمس ہسٹنگز	نیویارک
۱۷	النصرانیت دارابہا	للاب یوبس شیخو یسوعی	مطبع ابا المرسلین الیسوعین بیروت ۱۹۱۳ء
۱۸	المسالک والممالک	ابن خردادبہ	بریل لیڈن ۱۳۵۶ھ
		ب ، ت	
۱۹	بخاری شریف	امام محمد بن اسمٰعیل البخاری المتوفی ۲۵۶ھ	کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱۳۷۵ھ
۲۰	بلاد فلسطین وشام	جی لی اسٹرینج' مترجم مولوی سید ہاشمی	حیدر آباد دکن ۱۳۵۱ھ ۱۹۳۲ء
۲۱	تاج العروس	سید محمد مرتضیٰ الحسینی زبیدی	کویت ۱۳۸۵ھ ۱۹۶۵ء
۲۲	تاریخ ارض القرآن	سید سلیمان ندوی	دار الاشاعت کراچی ۱۹۷۵ء
۲۳	تاریخ ابن خلدون	امام عبد الرحمٰن بن خلدون المتوفی ۸۰۸ھ	نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۷ء
۲۴	تاریخ اسلام	شاہ معین الدین ندوی	ایچ ایم سعید کراچی ۱۹۷۳ء
۲۵	تاریخ اسلام والعرب	مروم لائد	دار العلم للملایین بیروت ۱۹۶۲ء

۲۶	تاریخ ابن خلدون	امام عبدالرحمن بن خلدون المتوفی ۸۰۸ھ	نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۷ء
۲۷	تاریخ بائبل	ہیگی مترجم طالب الدین پاسٹر	ہندوستانی پرسبٹیرین چرچ لاہور
۲۸	تاریخ تمدن اسلامی	جرجی زیدان	مطبوعہ ہلال مصر ۱۹۰۲ء
۲۹	تاریخ تمدن عرب	ڈاکٹر گستاولی بان	مفید عام آگرہ ۱۸۹۸ء
۳۰	تاریخ حرمین الشریفین	مولانا عبدالسلام ندوی	پاکستان ۱۳۳۲ھ
۳۱	تاریخ طبری اردو	امام ابی جعفر بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ	نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۷ء
۳۲	تاریخ العالم العرب	ل۔ ا۔ سیدیو۔ مترجم عادل زعیتر	عیسیٰ البابی الحلبی ۱۳۶۷ھ ۱۹۴۸ء
۳۳	تاریخ عرب قبل الاسلام	ڈاکٹر جواد علی	المجمع العلمی عراق ۱۳۷۳ھ ۱۹۵۳ء
۳۴	تاریخ کعبہ	شیخ حسین عبداللہ	
۳۵	تاریخ القویم	علامہ محمد طاہر کردی مکی	النہضۃ الحدیثہ مکہ ۱۳۸۵ھ
۳۶	تاریخ لبنان	فلپ کے حتی۔ مترجم غلام رسول مہر	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۶۱ء
۳۷	تاریخ مکہ و مدینہ	شیخ احمد ابراہیم الشریف	دار الفکر عربی قاہرہ ۱۹۶۵ء
۳۸	ترجمان السنہ	مولانا بدر عالم	مطبوعہ ایچ ایم سعید کراچی
۳۹	ترمذی شریف	امام ابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ	مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۵۹ھ ۱۹۴۰ء
۴۰	تفسیر ابن جریر عربی	امام جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۰۱ھ	مطبعی البابی مصر ۱۳۵۱ھ ۱۹۵۴ء
۴۱	تفسیر ابن جریر مترجم	امام جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۰۱ھ	بیت الحکمت دیوبند بھارت

Marfat.com

۴۲	تفسیر ابن کثیر	امام اسماعیل بن کثیر دمشقی المتوفی ۷۷۴ھ	سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۹۲ھ ۱۹۷۲ء
۴۳	تفسیر زاد المسیر	امام جمال الدین عبد الرحمن بن علی الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ	مکتب الاسلامی دمشق ۱۳۷۴ھ ۱۹۶۴ء
۴۴	تفسیر روح المعانی	امام سید محمود آلوسی۔ المتوفی ۱۲۷۰ھ	مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۳۹۵ھ
۴۵	تفسیر طبری	امام ابی محمد جریر جعفر طبری المتوفی ۳۱۰ھ	دار المعارف مکہ
۴۶	تفسیر کبیر	امام فخر الدین رازی	مصر ۱۳۲۴ھ
۴۷	تفسیر کشاف	امام محمود بن عمر زمخشری المتوفی ۵۲۸ھ	طبع الکبریٰ امیریہ مصر ۱۳۱۸ھ
۴۸	تفسیر قرطبی	امام ابی عبد اللہ محمد بن احمد القرطبی	دار الکتب مصریہ ۱۳۵۸ھ ۱۹۳۹ء
۴۹	تفسیر معارف القرآن	مفتی محمد شفیع	ادارۃ المعارف کراچی ۱۳۹۵ھ ۱۹۷۵ء
		ج ، ح	
۵۰	جامع التواریخ	فضل اللہ الوزیر بن عماد دولہ	مطبوعہ کلکتہ ۱۸۳۶ء
۵۱	جامع الصغیر	امام جلال الدین سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ	مکتبہ سلفیہ فیصل آباد ۱۳۹۴ھ
۵۲	جامع اللطیف	امام ابن ظہیرہ	مکتبہ الشعبیہ بیروت ۱۳۹۳ھ ۱۹۷۳ء
۵۳	جزیرۃ العرب	فوائد ہاشم الکتبی دمشق	مطبوعہ ہاشمیہ ۱۳۶۲ھ ۱۹۴۳ء
۵۴	جزیرۃ العرب	ہمدانی	مکتبہ سلفیہ مکہ مکرمہ ۱۳۵۲ھ ۱۹۳۳ء
۵۵	جغرافیہ بطلیموس	بطلیموس	
۵۶	جمہرۃ الانساب	محمد علی بن احمد بن سعید اندلسی المتوفی ۴۵۶ھ	دار المعارف مصر ۱۳۸۲ھ ۱۹۶۲ء

Marfat.com

۵۷	جمع الفوائد	امام مبارک بن محمد بن اثیر جزری المتوفی ۶۰۶ھ	میرٹھ ۔ ہند
۵۸	جواہر لطنطاوی	امام طنطاوی الجوہری	مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر ۱۳۵۰ھ
۵۹	حالات عرب و عراق	امریکن پادری ایس ایم زویمر معہ تقریر پادری جیمز ایس ڈینز	حمیدیہ سٹیم پریس۔ لاہور
۶۰	حیات محمد ﷺ	ہیکل (مترجم)	عیسیٰ البابی مصر
		د ، ر	
۶۱	دائرۃ المعارف	علامہ محمد فرید وجدی	مصر ۱۳۲۹ھ ۱۹۱۱ء
۶۲	رحلۃ الحجازیہ	الشیخ محمد لبیب البتونی	مطبع الجمالیہ مصر ۱۳۲۹ھ
۶۳	رحمۃ للعالمین	علامہ قاضی سلیمان منصور پوری	شیخ غلام علی لاہور ۱۹۶۶ء
۶۴	روض الانف	امام ابی القاسم عبدالرحمن بن عبداللہ السہیلی المتوفی ۵۸۱ھ	مکتبہ الفاروقیہ ملتان ۱۳۹۷ھ ۱۹۷۷ء
۶۵	زرقانی	علامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	مصر ۱۳۲۷ھ
		س ، ش	
۶۶	سبائک الذہب	علامہ محمد امین البغدادی	بغداد
۶۷	سفرنامہ ابن بطوطہ	شیخ ابن بطوطہ	مطبوعہ بک لینڈ کراچی ۱۹۶۱ء
۶۸	سفرنامہ ابن جبیر	ابن جبیر	
۶۹	سلطان ابن سعود	سردار محمد حسین	جالندھر ۱۹۳۶ء
۷۰	سمط النجوم العوالی	عبدالملک بن حسین بن عبدالملک المتوفی ۱۱۱۱ھ	مطبع سلفیہ قاہرہ ۱۳۸۰ھ
۷۱	سیرت ابن ہشام	امام ابو محمد عبدالملک بن محمد بن ہشام المتوفی ۲۱۳ھ	مقبول اکیڈمی لاہور ۱۹۶۵ء
۷۲	سیرت النبی ﷺ	علامہ شبلی نعمانی	ناشران قرآن

Marfat.com

۷۳	سیرت محمد بن عبدالوہاب	علامہ احمد بن حجر بن محمد آل ابوطامی	مطبع حکومہ مکہ مکرمہ ۱۳۹۵ھ
۷۴	شاہراہ مکہ	ڈاکٹر ایچ بی خان	نوری پبلی کیشنز کراچی نمبر ۱۱ ۱۹۷۶ء
۷۵	شفاء الغرام	امام تقی الدین محمد بن احمد بن علی الفاسی۔ المتوفی ۸۳۲ھ	مکتبہ خیاط۔ بیروت
۷۶	صورت الارض	علامہ ابی القاسم بن خوقل	مدینہ لیدن ۱۹۳۸ء
		ط ، ع	
۷۷	طبقات ابن سعد	امام محمد بن سعد۔ المتوفی ۲۳۰ھ	نفیس اکیڈمی کراچی ۱۳۹۰ھ
۷۸	عرب اور اہل عرب	رچرڈ ایچ سینگر	مکتبہ معین الادب۔ لاہور
۷۹	عرب قبل الاسلام	جرجی زیدان	مطبوعہ الہلال ۱۹۳۹ء
		ف ، ق ، ك	
۸۰	فتح الباری	امام ابن حجر عسقلانی۔ المتوفی ۸۵۲ھ	مصر ۱۳۲۸ھ
۸۱	قاموس بستانی	پطرس بستانی	بیروت ۱۸۷۶ء
۸۲	قسم مکہ مکرمہ	جعفر الخلیلی	دار التعارف بغداد ۱۳۸۷ھ ۱۹۶۷ء
۸۳	کتاب اخبار الدول	علامہ ابی العباس احمد بن یوسف المعروف قرمانی	
۸۴	کتاب الاشتقاق		
۸۵	کتاب الاصنام	ابن کلبی	دار الکتب مصریہ ۱۹۳۶ء
۸۶	کتاب مقدس		پاکستان بائبل سوسائٹی، لاہور
۸۷	کتاب المنتقی	امام فاکہی	مکتبہ خیاط۔ بیروت
۸۸	کتاب الہدیٰ	مولانا یعقوب حسن صاحب	واحد بک ڈپو۔ کراچی

Marfat.com

		ل ، م	
۸۹	لسان العرب	امام ابی الفضل جمال الدین محمد بن مکرم	بیروت ۱۳۷۴ھ ۱۹۵۵ء
۹۰	مراۃ الحرمین	شیخ ابراہیم رفعت پاشا	دار الکتب قاہرہ ۱۳۴۴ھ ۱۹۲۵ء
۹۱	مرقاۃ المفاتیح	امام علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ	مکتبہ امدادیہ ملتان طبع اوّل
۹۲	مرقع الحجاز		
۹۳	مروج الذہب	امام ابی الحسن علی بن الحسین بن علی المسعودی۔ المتوفی ۳۴۶ھ	مصر طبع رابع ۱۳۸۴ھ ۱۹۶۴ء
۹۴	مسلم شریف	امام ابی الحسن بن الحجاج المتوفی ۲۶۱ھ	نور محمد کراچی ۱۳۴۹ھ
۹۵	مشکوٰۃ شریف	امام ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب	نور محمد کراچی ۱۳۶۸ھ
۹۶	مصنف عبدالرزاق	امام عبدالرزاق بن ہمام المتوفی ۲۱۱ھ	المجلس علمی بیروت ۱۳۹۲ھ ـ ۱۹۷۲ء
۹۷	معجم البلدان	امام شہاب الدین عبداللہ یاقوت بن عبداللہ الحموی۔ المتوفی ۶۲۶ھ	مطبع السعادۃ مصر ۱۳۲۳ھ
۹۸	ملت عربی	فلپ کے حتی	بار اوّل ۱۹۳۷ء
۹۹	مملکۃ العربیۃ السعودیہ	صلاح الدین مختار	بیروت ۱۳۹۰ھ
۱۰۰	موطا امام مالک	امام مالک	نور محمد۔ کراچی
۱۰۱	میراث اسلام	مترجم الفریڈ گیام سر ٹامس آرنلڈ	مجلس ترقی اردو۔ لاہور
		ن	
۱۰۲	نتائج الافہام	علامہ محمود پاشا فلکی	مطبوعہ امیریہ۔ مصر ۱۳۰۵ھ
۱۰۳	نہایت الارب	علامہ ابی العباس احمد القلقشندی المتوفی ۸۲۱ھ	قاہرہ ۱۹۵۹ء

Marfat.com

اضافہ شدہ ایڈیشن

تاریخ

المکۃ المکرمہ

مکہ مکرمہ اور بیت اللہ شریف کی چار ہزار سالہ

مکمل مفصل اور مدلل تاریخ

جلد دوم

مؤلفہ

محمد عبد المعبود

مکتبہ رحمانیہ

اقرا سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار۔ لاہور

Marfat.com

Marfat.com

تاریخ مکة المکرمه (جلد دوم)

آئینہ کتاب

شمار	عنوان	صفحہ
	باب اوّل	
۱	تعارف	7
۲	تخلیق ارض بیت اللہ	9
۳	بیت اللہ کی منقبت وفضیلت	14
۴	کعبۃ اللہ قیامت تک قائم رہے گا	18
۵	بیت اللہ کے اسماءِ مبارکہ	20
۶	قبلۂ عالم	24
۷	تعمیر بیت اللہ الکریم	26
۸	ملائکہ عظام کی تعمیر	28
۹	سیدنا آدم علیہ السلام کی تعمیر	31
۱۰	سیدنا شیث علیہ السلام کی تعمیر	36
۱۱	طوفانِ نوحؑ اور بیت اللہ	36
۱۲	سفینۂ نوح علیہ السلام کا طواف کعبہ	37
۱۳	حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت	
	ابراہیم علیہ السلام تک کا زمانہ	38
۱۴	سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر	40
۱۵	تعمیر ابراہیمی کی خصوصیات	46
۱۶	سرخ ٹیلہ	48
۱۷	اعلانِ حج	50
۱۸	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حج	51
۱۹	جرہم اور عمالقہ کی تعمیر	54
۲۰	قصی بن کلاب کی تعمیر	56
۲۱	قریش کی تعمیر	58
۲۲	تنصیب حجر اسود	63
۲۳	تعمیر قریش کی خاص باتیں	66
۲۴	تعمیر قریش پر حضور ﷺ کا اظہار ناپسندیدگی	67
۲۵	سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ کی تعمیر	71
۲۶	تعمیر بیت اللہ کی وجوہات	72
۲۷	تعمیر ابن زبیر کی خصوصیات	83
۲۸	حجاج بن یوسف کی تعمیر	85
۲۹	خلیفہ ہارون الرشید کا عزم تعمیر	88
۳۰	خاقانِ خاقان سلطان مراد خان	90
۳۱	سلطان مراد خان کی تعمیر	91
۳۲	کعبہ شریف کی پیمائش	98

Marfat.com

۳۳	کعبہ شریف کی اندرونی پیمائش	99
۳۴	تفصیلی پیمائش	103
۳۵	کعبہ شریف کی اصلاح و مرمت	111
۳۶	عہد سعود میں تعمیر جدید	115
۳۷	اندر والی چھت کی تجدید	120
۳۸	زینۂ کعبہ	125
	باب دوم	
۳۹	ملحقات کعبہ	129
۴۰	باب کعبہ	131
۴۱	باب کعبہ پر کندہ عبارات	134
۴۲	باب کعبہ کھلنے کا منظر	135
۴۳	ملتزم	136
۴۴	غلاف کعبہ	139
۴۵	ظہور اسلام کے بعد غلاف	143
۴۶	خلافت بنو امیہ میں غلاف کعبہ	145
۴۷	خلفاء بنو عباس کے عہد میں	
	غلاف کعبہ	146
۴۸	خلافت عثمانیہ میں غلاف کعبہ	152
۴۹	شاہان آل سعود کے غلاف	155
۵۰	مکہ مکرمہ میں غلاف کی تیاری	156
۵۱	غلاف کعبہ کے اجزاء	161
۵۲	حزام یعنی پٹی	162
۵۳	مختلف ادوار میں غلاف	

	چڑھانے کی تاریخ	166
۵۴	غلاف میں تحریر کردہ اسماء	
	کے نام	167
۵۵	احرام کعبہ	170
۵۶	مصر سے مکہ تک غلاف کی	
	منازل	173
۵۷	غلاف کے اخراجات	173
۵۸	کعبہ شریف کا اندرونی غلاف	179
۵۹	ستارہ کعبہ	181
۶۰	دار الکسوہ کے نگران	183
۶۱	محمل	184
۶۲	حجر اسود	187
۶۳	منقبت و فضائل	188
۶۴	قرب قیامت میں حجر اسود	
	اٹھالیا جائے گا	197
۶۵	حجر اسود اور حوادثات	199
۶۶	رکن یمانی	208
۶۷	میزاب رحمت	210
۶۸	حطیم	213
۶۹	حطیم کی پیمائش	216
۷۰	حطیم کی تعمیر	218
۷۱	سبز پتھر	220
۷۲	کعبہ شریف کے اندر کا فرش	221

Marfat.com

۷۳	کعبہ کے قیمتی تحفے	225
۷۴	امواج	231
۷۵	خزانہ کعبہ	234
۷۶	معالیق کعبہ	237
۷۷	خدام کعبہ	241
۷۸	پشتۂ کعبہ	243
۷۹	کلید برداری	247
۸۰	غسل کعبہ	250
۸۱	بیت اللہ پر عطر فشانی	252
۸۲	دعا کی قبولیت کے مقامات	255
۸۳	مصلیٰ جبرئیل	255
۸۴	معجن کا بند کرنا	258
۸۵	کعبہ شریف میں مصلیٰ نبویؐ	261
	باب سوم	
۸۶	المسجد الحرام	265
۸۷	حرم کی توسیع	268
۸۸	خلیفہ ابوجعفر کی توسیع	272
۸۹	خلیفہ مہدی کی توسیع	273
۹۰	خلیفہ مہدی کی توسیع ثانی	275
۹۱	المقتدر کی توسیع	280
۹۲	حرم میں آتشزدگی	281
۹۳	سلطان سلیم کی تعمیر	284
۹۴	وادیٔ ابراہیم	286
۹۵	سعودی حکومت کی توسیع	287
۹۶	عباس کرارہ کے تاثرات	288
۹۷	حرم کی اصلاحات ومرمت	292
۹۸	سلطان عبدالحمید کی مرمت	296
۹۹	آل سعود کی تعمیر واصلاح	297
۱۰۰	حرم کی مرمت کا اجمالی خاکہ	299
۱۰۱	حرم کی توسیعات کا اجمالی خاکہ	301
۱۰۲	مسجد حرام کی پیمائش	302
۱۰۳	مسجد حرام کے دروازے	304
۱۰۴	مطاف کا فرش	320
	باب چہارم	
۱۰۵	ملحقاتِ حرم	325
۱۰۶	مقام ابراہیم	329
۱۰۷	مقام ابراہیم کی حقیقت	330
۱۰۸	توصیف قبہ ومقام	338
۱۰۹	قبہ کی اصلاح ومرمت	345
۱۱۰	آب زمزم	350
۱۱۱	زمزم کے دیگر اسماء	350
۱۱۲	فضائل ومناقب	356
۱۱۳	آب زمزم پینے کے آداب	362
۱۱۴	دوسرے شہر میں زمزم کا تحفہ لے جانا	364
۱۱۵	چاہ زمزم	366

Marfat.com

۱۱۶	کیمیائی تجزیہ	377
۱۱۷	سقایۃ العباس	378
۱۱۸	منبر مبارک	380
۱۱۹	سلطان سلیمان کا منبر	382
۱۲۰	حرم کے مینار	384
۱۲۱	حرم کے ستون	387
۱۲۲	حرم کے گنبد	390
۱۲۳	پنکھے	391
۱۲۴	حرم کے ملازمین	392
	باب پنجم	
۱۲۵	متفرقات	393
۱۲۶	مسعیٰ کی تعمیر نو	395
۱۲۷	عرفات	396
۱۲۸	منیٰ	402
۱۲۹	مزدلفہ	403
۱۳۰	کعبہ شریف کے چاروں طرف صفیں	404
۱۳۱	مسالک اربعہ کے مصلے	405
۱۳۲	ادارۂ حرم	406
۱۳۳	روشنی کا انتظام	408
۱۳۴	موذن کا چبوترہ	412
۱۳۵	دھوپ گھڑی	414
۱۳۶	حرم مکہ	415
۱۳۷	حدود حرم	419
۱۳۸	حرم کے کبوتر	420
۱۳۹	صفا۔مروہ	423
۱۴۰	مکہ کی مساجد میں جمعہ کا اجراء	426
۱۴۱	طہارت خانے اور وضو کا انتظام	427
۱۴۲	مصادر و مآخذ	429

Marfat.com

باب اوّل

تعارف

وہ چمن استانِ ابراہیمی جسے آپ نے خونِ جگر سے سینچا' جس کے حضور اپنے لختِ جگر کا نذرانہ پیش کیا اور اپنی وفاشعار زوجہ مکرمہ کو اس کا مالی بنایا۔ جب اپنے جوبن اور نکھار میں کامل ہو گیا اور اس کی شاخیں گل وغنچہ کی تاج در اور میوہ وثمر سے بھرپور ہو گئیں' تو اس کی مالن اپنی بیش بہاء خدمات کی انجام دہی سے بحسن و خوبی عہدہ برآ ہو کر' مالکِ حقیقی کے ہاں اپنی کارگزاری پیش کرنے اس جہان سے تشریف لے گئیں۔

آیئے! اس سدابہار گلزار (کعبۃ اللہ) کے روح پرور تذکرہ سے اپنے ایمان تازہ کریں' جس کی شان وشوکت اطراف واکناف عالم سے فزوں تر' جس کی عظمتیں اور رفعتیں ہفت افلاک سے بلند وبالا' جس کے جاہ وجلال نے بادشاہوں کے محلات اور تخت وتاج کی عظمت کو خاک میں ملا دیا۔ جو نظافت ولطافت میں نیرِاعظم' جس کے انوار وتجلیات کے سامنے آفتاب عالمتاب بھی شرمندہ وخجل' جس کی ضوفشانی وضیاباری پہاڑوں کے سینوں کو چیرتی ہوئی اور صحراؤں کی وسعتوں کو معمور کرتی ہوئی' قلوبِ انسانی کو مجلّی اور منور کرنے کے لئے سرگرمِ عمل ہے اور تاقیامت رہے گی۔

ربِ ذوالجلال کی یہ عظیم نشانی خشک وسیاہ پہاڑوں کے دامن میں ایسے جلوہ فگن اور رونق افروز' جیسے ستاروں کے جھرمٹ میں بدرِ منیر اور صدف کے دو پاٹوں میں دُرِّ مکنون' کعبۃ اللہ مکہ معظمہ کے نشیمن میں ایسا ہے' جیسے ''نون'' کے وسط

میں نقطہ اور کٹورے کی تہہ میں دائرہ۔ یوں لگتا ہے جیسے کوئی نئی نویلی دُلہن سیاہ پوشاک زیب تن کئے بروجمالی میں لپٹی ہوئی مسند جلال پر جلوہ فگن ہو۔

نہیں نہیں! اس کی شان وشوکت اس سے کہیں بلند و بالا ہے۔ انسان کی کیا مجال اور الفاظ میں اتنی طاقت کہاں کہ وہ اس کی تعریف کر سکیں۔ اس کی صحیح تعریف تو وہی ہے جو خود خداوند کریم نے فرمائی ہے۔

ہاں! اس کے ایمان افروز' روح پرور' فرحت انگیز اور نشاط آفرین تذکرہ سے دلوں کو جلا' روح کو کیف و سرمستی اور ایمان کو تروتازگی کی لازوال دولت نصیب ہوتی ہے۔ اور چونکہ یہ اپنے دامن میں بے شمار نورانی' ایمانی' تاریخی' تمدنی اور تہذیبی یادیں سمیٹے ہوئے ہے۔ اس لئے ہم اپنی بساط کے مطابق اس کے جاہ و جلال اور فضل و کمال کا مسرت انگیز اور حیات آفریں تذکرہ سپردِ قلم کرتے ہیں۔

وما توفیقی الا باللہ ، علیہ توکلت و الیہ انیب

Marfat.com

نبی کریم ﷺ نے فرمایا

''بیت المعمور آسمانوں میں بیت اللہ کے بالکل برابر میں ہے (خدانخواستہ)
اگر گر جائے تو سیدھا بیت اللہ پر ہی گرے''۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۵ ص ۲۸)

فرمان باری تعالیٰ ہے

﴿ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ ﴾

''سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا''۔

ابن منذر نے ابن جریج سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ یہود نے کہا کہ بیت المقدس عظمت و توقیر میں کعبہ مشرفہ سے بزرگ تر ہے۔ کیونکہ یہ انبیاء علیہم السلام کی ہجرت گاہ اور پھر مقدس سرزمین میں واقع ہے۔ مسلمانوں نے ان کے جواب میں کہا کہ نہیں بلکہ کعبہ شریف کا شرف و مجد بیت المقدس سے فزوں تر ہے۔ چنانچہ اسی جب سے مذکورہ آیت مَقَامُ اِبۡرٰهِیۡمَ تک نازل ہوئی۔ (روح المعانی جلد ۳ پ ۴ ص ۲)

مفتی اعظم علامہ محمد شفیع مرحوم و مغفور اولیت کعبہ کی توجیہ اس طرح بیان فرماتے ہیں

''مذکورہ آیت میں ساری دنیا کے مکانات حتیٰ کہ تمام مساجد کے مقابلہ میں بھی بیت اللہ شریف کا شرف اور افضلیت کا بیان ہے۔ اور یہ شرف و فضیلت کئی وجہ سے ہے۔ مثلاً

① اس لئے کہ وہ دنیا کی تمام سچی عبادت گاہوں میں سب سے پہلی عبادت گاہ ہے۔

② وہ برکت والا ہے۔

③ وہ پورے جہان کے لئے ہدایت اور راہنمائی کا ذریعہ ہے''۔

دنیا میں سب سے پہلا عبادت خانہ کعبہ ہے اس کی صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دنیا کے سب گھروں میں پہلا گھر عبادت ہی کے لئے بنایا گیا ہو اس سے پہلے نہ کوئی عبادت خانہ ہو نہ دولت خانہ۔

سیدنا آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی ہیں ان کی شان سے کچھ بعید

Marfat.com

تخلیق ارض بیت اللہ

یہی وہ مقدس خطہ ہے جو تمام روئے زمین کی پیدائش کا سبب بنا۔ اور جسے زمین و آسمان کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے وجود بخشا گیا۔ حضرت کعب بن اخبار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمین اور آسمان کی پیدائش سے چالیس برس پہلے کعبہ شریف کی سرزمین پانی پر قائم تھی۔ پھر اس سے زمین کو پھیلا دیا گیا۔ (اخبار مکہ ص۲)

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

''اللہ تعالیٰ نے کعبہ شریف والی جگہ زمین کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے پیدا فرمائی اور اس کی بنیادیں ساتویں زمین تک گہری تھیں''۔ (اخبار مکہ ص۲)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے

''اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے پہلے پانی پیدا فرمایا' اور پانی کو ہوا پر ٹھہرایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی ہوا بھیجی جس سے پانی میں ہل چل پیدا ہو گئی۔ چنانچہ اللہ پاک نے اپنی قدرت کاملہ سے اسی حرکت میں بیت اللہ والی جگہ قبہ نما ایک ٹیلہ پیدا کر دیا۔ جہاں دو ہزار سال بعد بیت اللہ شریف تعمیر کیا گیا''۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۵ ص ۹۰)

ایک اور روایت میں ہے:

''سیدنا آدم علیہ السلام کی پیدائش سے بہت عرصہ پہلے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ بیت المعمور کی مانند زمین میں میرا گھر بناؤ۔ جب وہ گھر تیار ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کو حکم دیا کہ تم اس کا طواف اسی طرح کرو' جس طرح آسمان والے بیت المعمور کا کرتے ہیں''۔ (تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۲)

Marfat.com

نہیں کہ انہوں نے زمین پر آنے کے بعد اپنا گھر بنانے سے پہلے اللہ کا گھر یعنی عبادت کی جگہ بنائی ہو۔ اسی لئے سیدنا عبداللہ بن عمرؓ مجاہدؒ قتادہ اور سدی وغیرہ مشاہیر صحابہ وتابعین اسی کے قائل ہیں کہ کعبہ دنیا کا سب سے پہلا گھر ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ لوگوں کے رہنے سہنے کے مکانات بھی بن چکے ہوں مگر عبادت کے لئے یہ پہلا گھر بنا ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہی قول منقول ہے۔

چنانچہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل النبوت میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''حضرت آدم اور حواء علیہما السلام کے دنیا میں آنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے جبرئیل امین کے ذریعہ انہیں حکم دیا کہ وہ اللہ کا گھر تعمیر کریں۔ جب وہ ارشاد خداوندی کی تعمیل سے فارغ ہوئے تو ارشاد ہوا کہ اس کا طواف کریں۔ پھر آدم علیہ السلام سے کہا گیا کہ آپ اول الناس یعنی سب سے پہلے آدمی ہیں اور یہ گھر اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ ہے یعنی سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا وہ یہی ہے''۔ (معارف القرآن جلد ۲ ص ۱۱۳)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''آیت میں اوّلیت سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ' مجاہد' قتادہ اور سدی رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ آسمان اور زمین کی پیدائش کے زمانہ میں پانی کی سطح پر سب سے اول کعبہ کا مقام نمودار ہوا۔ شروع میں یہ سفید جھاگ تھے (جو بعد میں منجمد ہو گئے تھے) زمین کی پیدائش سے دو ہزار برس پہلے اس کی تخلیق ہوئی۔ پھر اسی کے نیچے سے زمین پھیلا دی گئی''۔

حضرت علی بن حسین (امام زین العابدین) رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

''اللہ تعالیٰ نے عرش کے نیچے ایک مکان بنایا' جس کا نام بیت المعمور تھا' اور آسمان کے فرشتوں کو اس کا طواف کرنے کا حکم تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے

Marfat.com

زمین میں رہنے والے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم بیت المعمور کی طرح زمین پر ایک مکان بناؤ۔ چنانچہ جب ملائکہ نے مکان تیار کر لیا تو اس کا نام صراح رکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کو حکم دیا کہ جس طرح آسمان کے فرشتے بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں' اسی طرح زمین والے بھی صراح کا طواف کریں''۔

بعض روایات میں ہے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے ملائکہ نے کعبہ شریف تعمیر کیا اور اس کا حج بھی کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری جلد ۲ ص ۲۹۹)

ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی علیہ السلام سے دریافت کیا کہ سب سے پہلے کونسی مسجد کا سنگ بنیاد رکھا گیا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اَلْمَسْجِدُ الْحَرَامَ یعنی بیت اللہ شریف کو اس قدامت کا شرف حاصل ہے۔

سائل نے پھر استفسار کیا کہ بیت اللہ شریف کے بعد کونسی مسجد وجود میں آئی۔ تو آپ نے گوہر افشانی فرمائی اَلْمَسْجِدُ الْاَقْصٰی دوسرا درجہ بیت المقدس کو حاصل ہے۔ دریافت کیا گیا کہ دونوں کے درمیان کتنے عرصے کا فاصلہ ہے تو ارشاد فرمایا'' چالیس برس کا''۔ (بخاری شریف جلد ۱ ص ۴۷۷، مسلم شریف جلد ۱ ص ۱۹۹)

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے دریافت کیا گیا کہ بیت اللہ ہی سب سے پہلا گھر بنا ہے۔ آپؓ نے فرمایا' ایسا نہیں ہے' بلکہ اس سے پہلے بھی بہت سے مکانات موجود تھے۔ البتہ جو گھر لوگوں کے لئے سب سے پہلے برکت' ہدایت اور رحمت کے اعتبار سے بنا وہ یہی مقدس گھر ہے' جسے ابراہیم علیہ السلام نے بنایا تھا۔ (تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۷)

مذکورہ بالا حدیث پر امام ابن جوزی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک اشکال کا تذکرہ کیا ہے کہ حدیث میں مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کی تعمیر میں چالیس سال کا وقفہ بیان ہوا ہے' جب کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا سلیمان علیہ السلام کے مابین ایک ہزار سال کا عرصہ تھا۔ جس کا جواب فتح الباری میں علامہ الحافظ ابن حجر عسقلانی رحمتہ اللہ علیہ نے پوری شرح و بسط سے ارقام فرمایا ہے۔

Marfat.com

فرماتے ہیں کہ نہ تو ابراہیم علیہ السلام نے کعبۃ اللہ کی بنیاد رکھی تھی اور نہ ہی سیدنا سلیمان علیہ السلام بیت المقدس کے بانی ہیں۔ بلکہ یہ دونوں دوسرے کی بنا کی تجدید کرنے والے ہیں۔ جیسا کہ بعض روایات میں آتا ہے کہ بیت المقدس کی سب سے پہلے تعمیر آدم علیہ السلام نے فرمائی اور پھر ملائکہ نے۔ پھر سام بن نوح علیہ السلام نے اور پھر یعقوب علیہ السلام نے۔ اور یہی صورت حال تعمیر کعبہ میں بھی ہے کہ پہلے ملائکہ نے پھر آدم علیہ السلام نے، پھر شیث علیہ السلام نے اور پھر ابراہیم خلیل اللہ نے تعمیر فرمائی۔

ابن ہشام نے "کتاب التیجان" میں روایت بیان کی ہے کہ آدم علیہ السلام جب تعمیر کعبہ سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کی سیاحت کا ارشاد فرمایا۔ چنانچہ آپ جب وہاں پہنچے تو بیت المقدس کی تعمیر کا کام بھی سرانجام دیا اور اس طرح دونوں مساجد میں چالیس سال کا فرق ہے۔ (فتح الباری جلد ۳)

Marfat.com

بیت اللہ کی منقبت و فضیلت

اس مقدس گھر کی زیارت اور دیدار نہ صرف تسکین و طمانیت قلبی اور روحانیت کی غذا کے علاوہ ایمان کی جلا کا موجب ہے' بلکہ مغفرت و بخشش کا یقینی ذریعہ ہے۔ یہی ایک ایسی عمارت ہے جسے دیکھنا بھی عبادت ہے۔ اس کے فضائل و مناقب میں سرور کونین رحمت دارین ﷺ نے بہت کچھ ارشاد فرمایا ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

''جو شخص بیت اللہ شریف کی زیارت کو آیا اور پھر یہاں کسی سے جھگڑا' بدزبانی اور فساوت کیا تو وہ گناہوں سے اس طرح پاک صاف ہو جاتا ہے جس طرح ماں کے پیٹ سے گناہوں سے پاک پیدا ہوا تھا''۔

(مسلم شریف جلد اص ۴۳۶)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول الثقلین ﷺ نے فرمایا کہ

''اللہ تعالیٰ دن رات میں ایک سو بیس رحمتیں کعبہ شریف پر نازل فرماتا ہے جن میں سے ساٹھ طواف کرنے والوں کے لئے' چالیس نماز پڑھنے والوں اور بیس ان کے لئے ہوتی ہیں جو صرف کعبہ شریف کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو منور کر رہے ہوتے ہیں''۔ (جامع اللطیف ص ۸۵)

حضور اقدس ﷺ کا فرمان ہے کہ

''کعبہ شریف کو دیکھنا بھی عبادت ہے''۔ (القری مقاصد ام القریٰ ص ۳۰۵)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

''ایک ساعت کعبہ شریف کی تعظیم و تکریم کی نگاہ سے دیکھنا' درآں حالیکہ

ایمان وتصدیق کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی رضا جوئی کے لئے ہو تو ایک حج اور عمرہ کے برابر ثواب ملتا ہے"۔ (جامع اللطیف ص ۸۵)

کعبہ شریف کو ایمان کامل اور یقین محکم کے ساتھ دیکھنے سے اللہ تعالیٰ اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیتا ہے۔ اور ایسا آدمی قیامت کے دن "امن" والے لوگوں میں اٹھایا جائے گا۔ (جامع اللطیف ص ۸۵)

سیدنا سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "جس آدمی نے کعبہ شریف کی طرف ایمان اور تصدیق کے ساتھ دیکھا تو اللہ تعالیٰ اسے گناہوں سے اس طرح پاک کر دیتے ہیں گویا کہ وہ اسی وقت ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا"۔ (القریٰ لقاصد ام القریٰ ص ۳۰۵)

ابن سائب المدنی فرماتے ہیں:

"ایمان اور تصدیق قلبی سے کعبہ شریف کو دیکھنے سے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح موسم خزاں میں ہوا سے درختوں کے پتے جھڑتے ہیں"۔ (القریٰ ص ۳۰۵' تاریخ القویم جلد ۳ ص ۱۵۲)

حضرت عطا کا قول ہے کہ

"کعبہ شریف کو دیکھنے سے ایک سال کی عبادت کا ثواب ملتا ہے"۔ (القریٰ ص ۳۰۵' تاریخ القویم جلد ۳ ص ۱۵۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"مسجد نبوی میں ایک نماز کا اجر ایک ہزار گنا ہے جب کہ مسجد حرام میں دوسری مسجدوں کے مقابلہ میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ گنا بڑھ جاتا ہے"۔ (ابن ماجہ ص ۱۰۱' باب ما جاء فی فضل الصلوٰۃ فی مسجد الحرام)

علاوہ ازیں اس گھر کی ایک مخصوص عبادت "طواف" بھی ہے۔ جو ساری روئے زمین پر کسی مکان' مقام' عبادت گاہ یا کسی بھی چیز کا جائز نہیں ہے۔ جس طرح بیت اللہ شریف میں دوسری نیکیوں اور طاعات کا اجر وثواب ایک لاکھ گنا بڑھ جاتا ہے'

Marfat.com

اسی طرح اس کا طواف کرنے سے بھی بے انتہا اجر ملتا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "جب سیدنا آدم علیہ السلام حج بیت اللہ کے لئے تشریف لائے تو وہاں ملائکہ نے ان کا استقبال کیا اور بتایا کہ ہم دو ہزار سال سے اس گھر کا طواف کر رہے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ان سے دریافت کیا کہ تم طواف کے دوران کونسی دعا پڑھتے ہو۔ تو فرشتوں نے عرض کیا سبحان اللّٰہ والحمد للہ ولا الہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر چنانچہ آپ نے بھی طواف میں یہی دعا پڑھی"۔ (اخبار مکہ ص ۱۳)

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام نے ملتزم کے پاس یہ دعا پڑھی تھی

اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ تَعْلَمُ سَرِيْرَتِيْ وَ عَلَانِيَتِيْ فَاقْبَلْ مَعْذِرَتِيْ وَ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ ، وَمَا عِنْدِيْ ، فَاغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ وَ تَعْلَمُ حَاجَتِيْ فَاعْطِنِيْ سُؤْلِيْ ، اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ اَسْئَلُكَ إِيْمَانًا يُبَاشِرُ قَلْبِيْ ، وَ يَقِيْنًا صَادِقًا حَتّٰى اَعْلَمَ اَنَّهُ لَنْ يُصِيْبَنِيْ إِلَّا مَا كَتَبْتَ لِيْ وَ الرِّضٰى بِمَا قَسَمْتَ عَلَيَّ

اس پر اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اے آدم علیہ السلام آپ نے ایسی دُعا کی ہے جسے قبول نہ کرنا میری رحمت سے بعید ہے۔ یہ شرف قبولیت نہ صرف آپ کے لئے بلکہ آپ کی اولاد میں سے بھی جو آدمی یہ دُعا کرے گا تو میں اس کی برکت سے اس کے غم و الم دور اور اس کی روزی میں کفایت پیدا کر دوں گا۔ اس کے دل کو فقر سے پاک کر کے اسے غنی کر دوں گا۔ (اخبار مکہ)

نبی علیہ السلام نے فرمایا "جس آدمی نے بیت اللہ شریف کے سات چکر لگائے یعنی طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پاس طواف کے دو نفل پڑھے اور زمزم پیا تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف فرما دیں گے"۔
(جامع اللطیف ص ۷۶، القری لقاصد ام القری ص ۲۸۸)

Marfat.com

امام واحدی نے لکھا ہے کہ'

''طواف کرنے والے کے ہر قدم پر اللہ تعالیٰ پانچ سو گناہ معاف کرتا' پانچ سو نیکیاں عنایت کرتا اور پانچ سو درجات بلند کرتا ہے۔ پھر جب آدمی طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم علیہ السلام کے پاس دو نفل پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے گناہوں سے اس طرح پاک کر دیتا ہے جس طرح وہ ماں کے پیٹ سے پاک پیدا ہوا تھا''۔

(جامع اللطیف ص ۷۶' القریٰ لقاصد ام القریٰ ص ۲۸۸)

امام ازرقی نے ایک روایت نقل کی ہے' نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ

''ستر ہزار فرشتوں نے کعبہ شریف کو گھیر رکھا ہے۔ وہ فرشتے طواف کرنے والوں کے لئے دعاء مغفرت کرتے رہتے ہیں''۔ (جامع اللطیف ص ۷۶)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

''جس آدمی نے کعبہ شریف کا پچاس مرتبہ طواف کیا' تو اللہ تعالیٰ اسے گناہوں سے اس طرح پاک کر دیتا ہے' گویا کہ وہ اسی دن پیدا ہوا ہے''۔ (ترمذی شریف جلد ا باب فضل الطواف ص ۱۳۶)

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رکن یمانی پر ستر فرشتے مقرر ہیں' جو آدمی طواف میں درج ذیل دعا پڑھتا ہے تو وہ اس پر آمین کہتے ہیں

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ [ابن ماجہ ص ۲۱۲]

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس آدمی نے کعبہ شریف کا طواف کیا اور دوران طواف مندرجہ ذیل دعا کے سوا کوئی بات نہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما کر اسے دس نیکیاں عنایت کرتے ہیں اور دس درجات بلند کرتے ہیں۔ دعا یہ ہے۔

Marfat.com

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ. [ابن ماجہ ص ۲۱۲]

داؤد بن عجلان فرماتے ہیں' ہم نے ابی عقال رضی اللہ عنہ کے ساتھ بارش میں طواف کیا' بعد ازاں مقام ابراہیم کے پاس نفل پڑھے۔ تو وہ کہنے لگے ہم نے ایک مرتبہ حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ اسی طرح بارش میں طواف کیا تھا تو انہوں نے طواف سے فارغ ہو کر فرمایا کہ تمہارے اس عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے سب گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ ہمیں نبی علیہ السلام کی معیت میں ایک مرتبہ بارش میں طواف کرنے کا موقعہ ملا تو آپ نے ہمیں یہی ارشاد فرمایا تھا۔

(القری لقاصد ام القریٰ ص ۲۹۵' ابن ماجہ ص ۲۲۵)

کعبۃ اللہ قیامت تک قائم دائم رہے گا

کن فیکون کے لاریب امر تخلیق کی زد میں جو چیز بھی آئی' فنا اس کا مقدر ہو گیا ہے۔ اور اللہ رب العزت نے "كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ" کی سند قائم کر دی۔ غریب کا جھونپڑا ہو یا قلندر کا کاخ' امیر کے محلات ہوں یا شہنشاہ کا تخت و تاج' کوئی چیز بھی اس کی گرفت سے نہیں بچ سکتی۔ کعبہ شریف بھی اس کی زد میں آتا ہے۔ کئی مرتبہ آگ کے شعلوں کی نذر ہوا' متعدد بار گرا اور بنا' بالآخر اسے بھی دنیا سے اٹھا لیا جائے گا۔

سیدنا ابی ہریرہ اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"بیت اللہ شریف کی عدیم النظیر اور نادر الوجود عمارت اپنی ضوفشانی سے مسلمانان عالم کے قلوب مستنیر کرتی رہے گی اور اس سے رشد و ہدایت کے لامتناہی چشمے بھی جاری رہیں گے۔ حتیٰ کہ دنیائے قدیم اپنے انجام کے قریب پہنچ جائے گی"۔

Marfat.com

یاجوج و ماجوج کے خروج تک' بلکہ اس کے بعد بھی کعبہ شریف کے پروانے اس کی زیارت سے شرف بار ہو کر حج وعمرہ کی لازوال سعادت سے بہرہ یاب ہوتے رہیں گے۔ بالآخر ایک شقی ازلی کے ہاتھوں یہ عظیم المرتبت عمارت تباہ و برباد ہو جائے گی۔ جو اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔

مخبر صادق حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے قریب ایک چھوٹی پنڈلیوں والا' تیز سے ہاتھوں والا' گنجا' کعبہ شریف کو خراب کرے گا۔ گویا وہ منظر اب بھی میری آنکھوں کے سامنے رقص کر رہا ہے۔ وہ ظالم ایک ایک پتھر اکھاڑ کر الگ کر دے گا۔ اس کا غلاف چرا کر لے جائے گا' اور خزانہ کعبہ بھی لوٹ لے گا۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ کدال چلا رہا ہے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہا ہے۔ (العیاذ باللہ) (بخاری شریف جلد ۱ ص ۲۱۶، ۲۱۷)

Marfat.com

بیت اللہ کے اسماء مبارکہ

وہ مقدس گھر جس کی نسبت تشریفی اللہ جل شانہ کی طرف ہے۔ اپنے شرف و مجد اور عزت و تکریم کے باعث ''کعبہ'' کے نام سے موسوم ہوا۔ ''کعب'' کسی چیز کی سربلندی اور شرافت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اس فرشِ خاکی پر یہ گھر بے انتہا معزز و مکرم، اشرف و امجد اور اقدم ہے۔ جو پیدائش میں بھی سب سے قدیم اور جس کی فضیلت ہر ایک چیز پر حاوی اور اغلب ہے۔ اسی وجہ سے تو یہ ''کعبہ'' کے نام سے پکارا گیا ہے۔ یہ لفظ لغوی اور معنوی اعتبار سے حسب ذیل مفہوم کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

الکعب جمع کُعُوبٌ جس کے معنی بلند و مرتفع، بزرگی اور شرافت والی چیز کے ہیں جس طرح کہا جاتا ہے۔ اَعلَى اللّٰہ کَعبَهُم اللہ تعالیٰ ان کی شان بلند کرے اور رَجُلٌ عَالِي الكَعبِ بڑی شان و شوکت والا مرد۔ گویا کہ یہ گھر بلند و بالا، عظمت و شان والا، رفیع الدرجات، عظیم المرتبت اور لسم المنقبت ہے۔ (تاج العروس جلد ص ۴۵۶)

امام ازرقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

''اسے کعبہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ بلند، مرتفع اور چوکور ہے۔ جب کہ قدیم زمانہ میں لوگ اس کی تعظیم کے پیش نظر اپنے مکانات مربع شکل اور چھت والے نہیں بناتے تھے۔ اس طرز کا پہلا مکان جب حمید بن زہیر نے بنایا تو قریش نے اظہار ناپسندیدگی کیا تھا''۔ (اخبار مکہ ص ۱۹۶)

Marfat.com

بیت العتیق ——— اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴾

"پھر قربانیوں کو اس قدیم گھر تک پہنچاؤ"۔

اس آیت میں کعبہ شریف کو بیت العتیق کہا گیا ہے۔ اور عتیق کے معنی کہنہ اور پرانا کے ہیں۔ عَتَقَ، عِتْقًا، عُتْقًا، عَتُقَ سے ہو تو کہنہ اور پرانا معنی لیا جاتا ہے۔ چونکہ دنیا میں سب سے قدیم گھر یہی ہے اس لئے اسے عتیق کہا گیا۔ جیسا کہ اکثر روایات میں آتا ہے کہ زمین کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل اس گھر کو پیدا کیا گیا تھا۔ اور عَتَقَ، عِتْقًا، عَتَاقًا، عَتَاقَةً کے باب سے ہو تو اس کے معنی آزاد ہونے کے ہیں۔

مختصر الفاظ میں اس کی تشریح یوں کر سکتے ہیں کہ یہ ایک ایسا ذی شان مقام ہے جسے اللہ کریم نے مخلوق کی ملکیت سے آزاد قرار دیا ہے۔ اسے عتیق اس لئے بھی کہا جاتا ہے کہ جس خوش نصیب انسان کو اس کی زیارت کا شرف حاصل ہو جائے۔ پروردگار عالم اسے جہنم کی آگ سے آزاد کر دیتے ہیں۔ اور اس معنی میں بھی یہ عتیق ہے کہ طوفان نوح کی عالمگیر تباہی سے اسے محفوظ رکھا گیا۔

(تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۹ وزاد المسیر جلد ۵ ص ۴۲۸)

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے اسے ظالم لوگوں کی دسترس سے آزاد کر دیا ہے اس بنا پر بھی یہ عتیق کہلاتا ہے۔ (تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۹، اخبار مکہ ص ۱۹۶)

المسجد الحرام ——— قرآن مجید میں اس متبرک گھر کو مسجد حرام کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ مثلاً

﴿ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾ (سورہ البقرہ آیت ۱۴۴)

"پس اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں"۔

﴿ ذَٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾ (سورہ البقرہ آیت ۱۹۶)

"یہ حکم ان کے لئے ہے جو مسجد حرام کے پاس نہ رہنے والے ہوں"۔

Marfat.com

﴿ سُبْحَانَ الَّذِیْ أَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَی الْمَسْجِدِ الْأَقْصٰی ﴾ [سورہ بنی اسرائیل آیت ۱]

"پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو ایک رات کے اندر مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی"۔

﴿ إِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾

[سورہ حج آیت ۲۵]

"بیشک جو لوگ کافر ہوئے وہ اللہ کی راہ اور مسجد حرام سے روکتے ہیں"۔

بیت الحرام ـــــ اللہ رب العزت نے اس مقدس گھر کو بیت الحرام بھی کہا ہے

﴿ جَعَلَ اللّٰهُ الْکَعْبَةَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ ﴾ [سورہ مائدہ آیت ۹]

"اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو عزت والا گھر بنایا ہے"۔

﴿ إِنِّیْ أَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ ﴾

[سورہ ابراھیم آیت ۲۵]

"میں نے اپنی اولاد کو تیرے حرمت والے گھر کے پاس بنجر زمین میں بسایا ہے"۔

قرآن مجید اس ذی شان مکان کی غرض و غایت اور مقصود و مطلوب کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے

﴿ مُبَارَکًا وَّهُدًی لِّلْعَالَمِیْنَ ﴾ [سورہ آل عمران آیت ۹۶]

"برکت والا اور تمام انسانوں کے لئے ہدایت کا سرچشمہ ہے"۔

﴿ مَنْ دَخَلَهٗ کَانَ اٰمِنًا ﴾ [سورہ آل عمران آیت ۹۶]

"جو آدمی اس کی حدود میں داخل ہوا وہ امن میں آ گیا"۔

﴿ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا ﴾ [سورہ بقرہ آیت ۱۲۵]

"تمام انسانوں کے لئے مرکز اجتماع اور پناہ گاہ ہے"۔

﴿ قِیَامًا لِّلنَّاسِ ﴾ [سورہ مائدہ آیت ۹۷]

Marfat.com

''لوگوں کے قیام کی جگہ''۔

﴿ سَوَآءَنِ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ﴾ [سورہ حج آیت ۲۵]

''اس میں رہنے اور باہر سے آنے والے سب کے لئے برابر ہے۔

Marfat.com

قبلۂ عالم

مکہ معظمہ روئے زمین کے وسط میں ہونے کی وجہ سے ساری دنیا کے مسلمانوں کا قبلہ بھی بیت اللہ شریف مقرر کیا گیا ہے جس کے تقریباً ہر حصہ کی جانب مسلمانانِ عالم نماز میں اپنا رخ کرتے ہیں۔ جس کی تفصیلات بھی مؤرخین نے بیان کی ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن خرداذبہ نے حسب ذیل تفصیل سپرد قلم کی ہے

''آرمینیہ' آذربائیجان' بغداد' واسط' کوفہ' مدائن' بصرہ' حلوان' دینور' نہاوند' ہمدان' اصفہان' رے' طبرستان' خراسان کا پورا علاقہ' بلاد خزر' کشمیر اور ہندوستان کے لوگ کعبہ شریف کی اس دیوار کی سمت منہ کرتے ہیں' جس میں دروازہ ہے۔

تبت' ترکستان' چین اور منصورہ کے لوگوں کا رُخ حجر اسود کی طرف ہوتا ہے۔

اہل یمن کا قبلہ رکن یمانی کی سمت میں ہے اور اس طرح نماز میں ان کے منہ آرمینیہ والوں کی طرف ہو جاتے ہیں۔

اہل مغرب' افریقہ' مصر' شام اور جزائر وسط المغرب یہ یہ رکن عراقی کی طرف منہ کرتے ہیں اور اس طرح نماز میں ان کے چہرے اہل منصورہ کی طرف ہو جاتے ہیں''۔ (المسالک والممالک ص ۵)

علامہ طاہر کردی نے قدرے تفصیل سے انہیں بیان کیا ہے۔

''مدینہ منورہ' رملہ' بیت المقدس' دمشق' فلسطین' عکا' صیدا اور اسی سمت کے ساحلی علاقے میزاب کعبہ کی طرف منہ کرتے ہیں۔

شام کا پورا ملک' حمص' حماۃ' سلمیہ' حلب' منبج' حران' میافارقین اور

Marfat.com

سواحل روم کے لوگ میزاب کعبہ اور رکن شامی کے درمیان رخ کرتے ہیں۔

موصل' رہ' ملطیہ' سمیشاط' سنجار' جزیرہ' دیار بکر اور اس سمت کے دوسرے شہروں کے لوگ رکن شامی اور مصلی آدم کے درمیان منہ کرتے ہیں۔

کوفہ' بغداد' حلوان' قادسیہ' ہمدان' ری' نیشاپور' خراسان' مرو' خوارزم' بخاری' نسا' فرغانہ' شاش اور اس جانب کے دوسرے لوگوں کا قبلہ مصلی آدم علیہ السلام سے باب کعبہ کے قریب تک ہے۔

بصرہ' فارس' کرمان' اصفہان' بجستان' چین کا شمالی علاقہ اور اس سمت کے دوسرے شہروں کا قبلہ باب کعبہ سے حجر اسود تک ہے۔

چین کے وسطی شہر' پاک و ہند' مہرجان' کابل' مہدیان' تتار' مغل' خدہار اور اس طرف کے دوسرے شہروں کا قبلہ سمت حجر اسود سے مصلی نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تک ہے۔

ہندوستان کے بعض شہر' چین کا جنوبی حصہ' اہل تہامہ' سند' بحرین' اس سمت کے لوگ مصلی نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بقیہ دیوار کے دوثلث کی جانب منہ کرتے ہیں۔

یمن' حضر موت' صنعا' عمان' صعدہ' شحرہ' سبا وغیرہ کا قبلہ رکن یمانی سے سات ذراع آگے تک ہے۔

حبشہ' زنج' زیلع' سوڈان کے اکثر شہر' جزائر فرسان وغیرہ رکن یمانی سے مغربی بند دروازہ تک رخ کرتے ہیں۔

بلاد افریقہ' بربر اور بلاد جرید وغیرہ رکن عراقی کی جانب منہ کرتے ہیں"۔ (تاریخ التقویم جلد ۲ ص ۱۲۲)

Marfat.com

تعمیر بیت اللہ الکریم

چند پتھروں کی چنی ہوئی اس سادہ سی عمارت کی چھت کو خدا کے جلال و قدوسیت نے اپنا نشیمن بنایا اور اسے ایسا لازوال دوام بخشا کہ ہزار ہا برس کے حوادثات و انقلابات اس کی قبولیت اور صداقت پر دھبہ نہ لگا سکے۔ مزید برآں اس چار دیوار کے گرد دعائے ابراہیمی نے ایک ایسا آہنی حصار کھینچ دیا کہ چار ہزار برس کے دوران انقلابات ارضی و سماوی نے سمندروں کو جنگل اور شہروں کو سمندروں میں تو تبدیل کر دیا۔ لیکن آج تک اس مقدس گھر کی بنیادوں کو کوئی حادثہ متاثر نہ کر سکا اور نہ ہی کوئی صداقت انہیں نقصان پہنچا سکی۔ اور تاریخ اس بات پر نازاں ہے کہ اس سر زمین کی مقدس و محترم خاک آج تک غیر مسلم اقوام کے حملہ سے محفوظ و مصئون ہے روئے زمین پر اس سے زیادہ قدیم اور کہنہ عمارت اور کوئی نہیں ہے۔ اور رب ذوالجلال کی شان پر سو جان سے قربان جائیں کہ اس انتہائی سادہ سی عمارت کو چار ہزار سال کے طویل عرصہ میں صرف چند بار بنانے اور تعمیر کرنے کی نوبت آئی ہے۔

جس کی تفصیلات محدثین اور مورخین نے پوری شرح و بسط سے ارقام فرمائی ہیں۔ بعض روایات میں پانچ مرتبہ بعض میں دس اور بعض میں گیارہ بار تعمیر کرنے کا ذکر آتا ہے۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے

امام سہیلی نے پانچ تعمیرات کا ذکر کیا ہے۔ ① تعمیر شیث علیہ السلام ② تعمیر ابراہیم علیہ السلام ③ تعمیر قریش قبل الاسلام ④ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ⑤ خلیفہ عبدالملک بن مروان۔ (روض الانف جلد ۱ ص ۱۲۷)

جمہور علماء کرام کے نزدیک تعمیر اوّل ملائکہ یا آدم علیہ السلام نے کی تھی۔ شیث علیہ السلام نے ان کے بعد تعمیر کیا ہے۔

Marfat.com

علامہ جمال الدین محمد جار اللہ بن ظہیرہ نے بھی پانچ تعمیرات کا ذکر کیا ہے۔ مگر مجموعی تعداد سات بیان کی ہے۔ ① ملائکہ ② آدم علیہ السلام ③ ابراہیم علیہ السلام ④ قریش ⑤ عبد اللہ بن زبیر۔ بعد میں حجاج بن یوسف نے بعض حصے گرا کر نئے تعمیر کئے تھے۔ لیکن جرہم اور عمالقہ کی تعمیر کا ذکر بھی ملتا ہے۔ (جامع اللطیف ص ۴۴)

شرح مہذب جلد ۷ ص ۲۷۶ اور روح المعانی پ ۷ ص ۱۴۲ میں بھی پانچ تعمیرات کا ذکر کیا ہے۔ لیکن علماء اور مؤرخین کے نزدیک جو روایت زیادہ قابل اعتماد ہے اس میں دس مرتبہ کا ذکر ہے۔ ① ملائکہ ② حضرت آدم علیہ السلام ③ حضرت شیث علیہ السلام ④ حضرت ابراہیم علیہ السلام ⑤ جرہم ⑥ عمالقہ ⑦ قصی بن کلاب ⑧ قریش ⑨ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ⑩ حجاج بن یوسف۔

(اخبار مکہ تفسیر کبیر جلد ۱ ص ۴۷۲ تاریخ کعبہ ص ۳۹)

امام تقی الدین فاسی نے بھی دس ہی کا ذکر کیا ہے۔ جسے ایک منظوم کلام میں پیش کرتے ہیں:

بنی الكعبة الغراء عشر ذكرتهم	ورتبتهم حسب الذى اخبر الثقة
ملائكة الرحمن، آدم، ابنهٔ	كذالك خليل الرحمن ثم عمالقه
وجرهم، يتلوهم قصى، قريشهم	كذا ابن زبير ثم حجاج لاحقه

(شفاء الغرام)

البتہ اس کے بعد بھی ایک مرتبہ بیت اللہ شریف کو تعمیر کیا گیا تھا جس کا سہرا سلطان مراد خان کے سر پر ہے۔

Marfat.com

تعمیر اوّل

ملائکہ عظام کی تعمیر

سیدنا امام باقر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ علی (زین العابدین) بن حسین بن امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ایک آدمی نے استفسار کیا کہ اس گھر یعنی بیت اللہ شریف کا سب سے پہلے طواف کس نے کیا؟ تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ جل جلالہ نے ملائکہ سے مخاطب ہو کر فرمایا

﴿ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ﴾ (سورہ بقرہ پ ۱)

''میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں''۔

تو ملائکہ نے عرض کی کہ نئی جنس سے بننے والا خلیفہ زمین میں فساد بپا کرے گا' اور خون ریزی کرے گا' یا اللہ ہم تیری حمد وثنا کرتے ہیں۔ تو اللہ پاک نے ارشاد فرمایا

﴿ اِنِّىْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ (سورہ بقرہ پ ۱)

''جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے''۔

اللہ رب العزت کے اس فرمان پر ملائکہ کو گمان ہوا کہ کہیں اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض نہ ہو گئے ہوں۔ تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے عرش عظیم کے گرد طواف کرنا شروع کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے لگے۔ جس کے باعث اللہ جل شانہ نے ان پر نزول رحمت فرمایا۔ اور عرش کے نیچے حسن و جمال میں عدیم النظیر ایک گھر رکھا جو زبرجد کے چار ستونوں پر قائم تھا' اور یہ گھر بیت المعمور تھا۔ جس کے گرد طواف کرنے کا حکم بارگاہ خداوندی سے ملائکہ کو ہوا' اور عرش کی نسبت اس کا طواف سہل اور آسان تھا۔ بیت المعمور میں ستر ہزار فرشتے ہر روز داخل ہوتے ہیں۔ جسے ایک دفعہ داخل ہونا نصیب ہو گیا قیامت تک پھر اس کی باری

Marfat.com

نہیں آئے گی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ زمین پر اس گھر یعنی بیت المعمور کی مانند میرا ایک گھر بناؤ تا کہ جس طرح ملائکہ بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں اسی طرح زمین پر میرے بندے اس گھر کا طواف کریں۔ اور جس طرح میں بیت المعمور کا طواف کرنے والے فرشتوں سے راضی ہو گیا ہوں اسی طرح بیت اللہ کا طواف کرنے والے بندگانِ خدا سے راضی ہو جاؤں۔

چنانچہ ملائکہ نے حکم خداوندی کی تعمیل کی اور بیت اللہ تعمیر کرنے کے بعد اس کا طواف کیا اور اس عمارت کا نام "الضراح" رکھا۔ اور فرشتوں نے اس کا حج بھی کیا۔ (قرطبی جلد ۲ ص ۱۲۰ اخبار مکہ ص ۵)

علامہ عمادالدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ قَالُوٓا اَتَجۡعَلُ فِيۡهَا مَنۡ يُّفۡسِدُ فِيۡهَا کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زمین مکہ معظمہ کی سرزمین سے پھیلائی گئی ہے اور بیت اللہ کا سب سے پہلے ملائکہ نے طواف کیا تھا۔ اور فرمان باری تعالیٰ اِنِّىۡ جَاعِلٌ فِى الۡاَرۡضِ خَلِيۡفَةً میں ارض سے مراد مکہ معظمہ ہی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۷۰)

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں

> "سیدنا آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل فرشتوں نے بیت اللہ شریف تعمیر کیا اور زمین میں رہنے والے ملائکہ کو اللہ تعالیٰ نے اس کا طواف کرنے اور حج کرنے کا حکم دیا تھا"۔ (مرقاۃ المفاتیح جلد ۵ ص ۲۷۳)

سیدنا ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کعبہ شریف زمین کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے پیدا کیا گیا۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ جب زمین پیدا ہی نہیں ہوئی تھی تو کعبہ شریف کی پیدائش کیسے عمل میں آئی۔ جب کہ یہ بھی تو زمین پر ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت نے اس پر دو فرشتے مقرر فرما رکھے تھے جو دو ہزار سال سے دن رات اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کر رہے تھے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے

Marfat.com

زمین کو پیدا فرمانا چاہا تو کعبہ شریف کے نیچے سے زمین کو پھیلا دیا اور کعبہ شریف زمین کے عین وسط میں واقع ہے۔ اور یہی قول حضرت مجاہد کا بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کعبة المشرفہ کو زمین کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل پیدا فرمایا' اور پھر اس کے نیچے سے زمین پھیلا دی۔ (اعلام الاعلام ص ۲۰)

وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا

کعبہ شریف کی موجودہ شکل

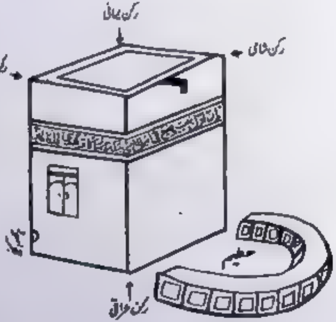

تعمیر دوم:

سیدنا آدم علیہ السلام کی تعمیر

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سیدنا آدم علیہ السلام آسمان سے اُتر کر زمین پر آئے تو وہ ملائکہ کی پاکیزہ باتیں سننے سے محروم ہو گئے۔ دل مغموم اور اداس ہو گیا۔ آپ نے بارگاہ خداوند قدوس میں عرض کی۔ بار الہا! میں اس نعمت سے محروم ہو گیا ہوں۔ تو اللہ کریم نے ارشاد فرمایا آپ مکہ معظمہ جائیں اور وہاں میرا گھر تعمیر کر کے اس کا طواف کریں اور اس کے پاس نماز پڑھیں۔ جس طرح فرشتے میرے عرش کا طواف کرتے اور اس کے پاس نماز پڑھتے ہیں۔

چنانچہ سیدنا آدم علیہ السلام حضرت جبرئیل امین کی رہنمائی میں مکہ معظمہ پہنچے اور وہاں جبریل علیہ السلام نے پر مار کر کعبہ شریف کی بنیادیں ظاہر کر دیں۔ جو انتہائی گہری تھیں۔ پھر فرشتے پانچ مختلف پہاڑوں سے بڑی بڑی وزنی چٹانیں لائے۔ جن میں سے ایک چٹان تیس آدمی مل کر بھی نہیں اٹھا سکتے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ان سے بیت اللہ شریف تعمیر کیا۔ حسب ذیل پہاڑوں سے فرشتے چٹانیں لائے تھے۔ جبل لبنان' جبل طور' جبل زیتا' جبل جودی اور جبل حرا۔

بعد میں اشتداد زمانہ اور حوادثات کے باعث وہ عمارت بنیادوں سمیت منہدم ہو گئی اور اس کے نشانات بھی مٹ گئے۔

(مصنف عبدالرزاق جلد ۵ ص ۹۲' قرطبی جلد ۲ ص ۱۲۱' اخبار مکہ ص ۷)

علامہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ اعلام الاعلام میں مذکورہ بالا روایت نقل کرنے

Marfat.com

کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ روایت اس بات کا بین ثبوت ہے کہ کعبہ شریف ملائکہ نے سب سے پہلے تعمیر کیا تھا۔ جس کی بنیادیں جبرئیل علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کے لئے منکشف کر دی تھیں۔

حضرت عطاء کی روایت میں ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے زمین ہند میں اتارا تو آپ ملائکہ کی گفتگو سے جو جنت میں سنتے تھے محروم ہو گئے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ یہ محرومی کس وجہ سے ہوئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کی لغزش نے اس نعمت سے محروم کر دیا۔

بہر حال آپ مکہ مکرمہ جائیں اور وہاں میرا گھر تعمیر کر کے اس کا اسی طرح طواف کریں' جس طرح آپ نے فرشتوں کو عرش کا طواف کرتے دیکھا ہے۔ چنانچہ آدم علیہ السلام نے حکم خداوندی کو پورا کر دیا۔ اور پھر ہندوستان سے چل کر چالیس مرتبہ حج کیا۔

لیکن حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں کعبہ شریف کے متعلق مذکورہ روایت کے برعکس واقعات سامنے آتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے بیت اللہ شریف کی اصلیت اور حقیقت دریافت کی تو انہوں نے فرمایا کہ یاقوت کا بنا ہوا یہ گھر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے ساتھ آسمان سے اتارا تھا۔ اور آپ کو حکم دیا کہ اس کا اسی طرح طواف کریں جس طرح فرشتوں کو عرش کا طواف کرتے دیکھا ہے۔ اور انہیں کی مانند اس کے پاس نمازیں پڑھیں۔ اور اس کے ساتھ ہی فرشتوں کا نزول بھی ہوا جنہوں نے پتھروں سے بنیادیں چنیں اور ان پر یہ یاقوتی گھر نصب کر دیا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کو غرق کیا تو اس یاقوتی خیمہ کو آسمان پر اٹھا لیا اور بنیادیں زمین میں رہ گئیں۔

(تفسیر کبیر جلد ا ص ۴۷۲' عمدۃ القاری جلد ۹ ص ۲۱۶' مصنف عبدالرزاق جلد ۵ ص ۹۲)

امام ازرقی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ وہ خیمہ جنت کے سرخ یاقوت کا بنا ہوا تھا۔ اس میں جنت ہی کی تین سنہری قندیلیں روشن تھیں' اور اس کے ساتھ حجر اسود بھی

Marfat.com

نازل ہوا تھا' جو انتہائی سفید جنت کا یاقوت تھا۔ (اخبار مکہ ص ۸)

امام بیہقی ؒ دلائل النبوۃ میں عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ سے روایت کرتے ہیں' حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ

''اللہ تعالیٰ نے جبرئیل امین کو حضرت آدم علیہ السلام کے پاس بھیجا کہ حوا کو ساتھ لے کر میرا گھر تعمیر کریں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے انہیں کعبہ شریف کی جگہ بتا دی۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام نے کھودنا شروع کیا اور سیدہ حوا مٹی نکالتی جاتی تھیں۔ بنیادوں کو پانی تک گہرا کھودا گیا۔ پھر ان پر تعمیر فرمائی۔ جب کعبہ شریف تیار ہو گیا تو اس کا طواف کرنے کا حکم ملا' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نوع انسانی کے لئے آپ سب سے پہلے انسان ہیں اور روئے زمین پر یہ سب سے پہلا گھر ہے۔ پھر یہ گھر نوح علیہ السلام کے زمانہ تک محفوظ و مامون رہا۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اس کا حج کیا''۔ (عمدۃ القاری جلد ۹ ص ۲۱۶' تاریخ الکعبہ ص ۴۴)

امام ازرقی ؒ سیدنا عبداللہ بن عباس ؓ کی روایت بیان کرتے ہیں کہ سیدنا آدم علیہ السلام ہی نے سب سے پہلے کعبہ شریف کی بنیادیں رکھیں' اور اس میں نماز ادا فرمائی تھی۔ (اخبار مکہ ص ۱۰)

وہب بن منبہ سے اس طرح روایت ہے' اللہ رب العزت نے جب سیدنا آدم علیہ السلام کو آسمان سے اتارا تو آپ کا نزول سرزمین ہند میں ہوا۔ آپ تنہائی کے باعث غمگین اور پریشان رہتے تھے۔ طبیعت میں قرار و سکون نہیں تھا۔ اللہ کریم نے ان کے اضطراب اور بے چینی کے پیش نظر ارشاد فرمایا کہ آپ مکہ معظمہ کی مقدس سرزمین میں تشریف لے جائیں۔ وہاں آپ کی طمانیت قلبی کا سامان موجود ہے۔ وہاں میرا ایک گھر ہے' آپ اس کا طواف اس طرح کریں جس طرح میرے عرش کا طواف کیا جاتا ہے' نماز اسی طرح پڑھیں جس طرح میرے عرش کے پاس پڑھی جاتی ہے۔

Marfat.com

چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آسمان سے سرخ یاقوت کا ایک خیمہ اتارا' جسے بیت اللہ شریف کی جگہ نصب فرما کر اپنا گھر قرار دیا۔ جب سیدنا آدم علیہ السلام کا یہاں ورود مسعود ہوا تو بیت اللہ کے دیدار سے حزن وملال کافور ہو گیا۔ اضطراب و قلق تسکین واطمانیت میں تبدیل ہو گیا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیت اللہ شریف کا طواف کیا اور مناسک حج ادا کیے۔ بعد ازاں ہند سے پا پیادہ چل کر چالیس مرتبہ حج ادا فرمایا۔ یہاں تک کہ طوفان نوح میں اللہ تعالیٰ نے اس یاقوتی خیمہ کو آسمانوں پر اٹھا لیا۔ اور اسے غرق آبی سے محفوظ و مصئون فرما دیا۔ یہ سرخ یاقوت کا خیمہ درحقیقت بیت المعمور تھا۔ جس کے شرقاً غرباً دو دروازے دل کو موہ لینے والے سبز زمرد کے بنے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جنت سے اتارا تھا۔ طوفان نوح کے وقت اللہ تعالیٰ نے اسے چوتھے آسمان پر اٹھا لیا۔ اور وہاں ملائکہ کا قبلہ قرار دے دیا گیا۔ ہر روز ستر ہزار فرشتے اس میں داخل ہوتے ہیں۔ مگر جو ایک دفعہ اس میں داخل ہوا' دوبارہ قیامت تک اسے داخل ہونے کی نوبت نہیں آئے گی۔ اور یہ کعبہ شریف کے بالکل محاذات میں واقع ہے۔

(تفسیر کبیر جلد ۱ ص ۳۰۴' کشاف جلد ۱ ص ۳۲۲' مصنف عبدالرزاق جلد ۵ ص ۹۱)

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سیدنا آدم علیہ السلام مناسک حج سے فارغ ہوئے تو اللہ پاک نے ارشاد فرمایا جس طرح حج کرنے سے ہم نے آپ کی لغزش معاف کر دی ہے' اسی طرح آپ کی اولاد میں سے بھی جو شخص اس گھر کا حج کرے گا۔ اس کے گناہ بھی معاف کر دیئے جائیں گے۔ (اخبار مکہ ص ۱۳)

Marfat.com

تعمیر ابراہیمی میں بیت اللہ شریف کی شکل حسب ذیل تھی۔

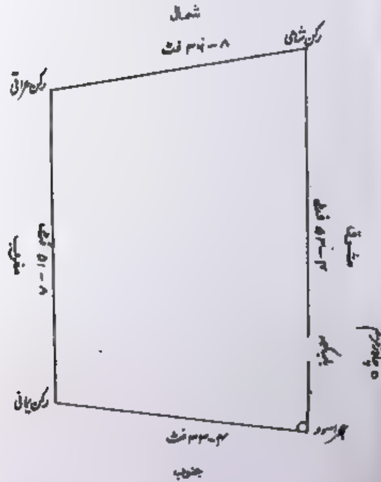

تعمیر سوم

سیدنا شیث علیہ السلام کی تعمیر

قدوۃ المورخین امام ازرقی رحمۃ اللہ علیہ وہب بن منبہ سے روایت کرتے ہیں۔ یاقوت کا وہ خیمہ جو سیدنا آدم علیہ السلام کے لئے جنت سے اتارا گیا تھا۔ آپ کے وصال کے بعد اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر اٹھالیا۔ تب انہی بنیادوں پر آپ کی اولاد نے مٹی اور پتھروں سے کعبہ شریف تعمیر کر دیا۔ اور وہ عمارت طوفان نوح تک قائم رہی۔ (اخبار مکہ ص ۱۹)

اور امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ روض الانف میں ارقام فرماتے ہیں کہ سیدنا شیث علیہ السلام نے کعبۃ اللہ کی سب سے پہلے تعمیر فرمائی تھی۔ (روض الانف جلد ا ص ۱۲۷)

لیکن اکثر علماء مفسرین محدثین اور مؤرخین نے آدم علیہ السلام کی تعمیر ہی کا ذکر کیا ہے اور شیث علیہ السلام کی تعمیر کا تذکرہ نہیں کیا اور یہی قول زیادہ قوی ہے۔ (تاریخ الکعبہ ص ۳۸)

طوفانِ نوح اور بیت اللہ

مجاہد سے منقول ہے کہ سیدنا نوح علیہ السلام کے زمانہ میں آنے والے طوفان نے جہاں دیگر شہروں اور بستیوں میں ہلاکت خیز تباہی مچائی' وہاں بیت اللہ شریف بھی اس کے دست تصرف سے محفوظ نہ رہ سکا۔ اللہ جل شانہ نے جنت سے بھیجے ہوئے سرخ یاقوتی خیمہ کو محفوظ اماں آسمان پر اٹھالیا۔ مگر اس کی بنیادیں جنہیں سیدنا آدم علیہ السلام نے بنایا تھا غرق آب ہوگئیں۔ اور ان کا نام ونشان صفحہ ہستی سے مٹ گیا۔ پانی کے ریلے نے وہاں ریت اور مٹی اکٹھی کر دی۔ جو بعد میں ایک ابھرے ہوئے سرخ ٹیلے کی شکل میں مرجع عوام بن گیا۔ یہ جگہ مرتفع ہونے کی وجہ سے

Marfat.com

برساتی نالے کے بہاؤ سے محفوظ رہتی تھی۔ اور اسی ٹیلے پر سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے بسیرا کیا تھا۔

مظلوم و مقہور' مصیبت زدہ' بیمار اور علیل لوگ یہاں آتے اور دعا کرتے جسے اللہ کریم قبولیت سے نوازتے۔ دنیا کے گوشے کونے سے لوگ اس کی زیارت کو آتے تھے۔ اور انبیاء علیہم السلام کا حج کے لئے یہاں تشریف لانا بھی ثابت ہے۔ بہر حال ہزار ہا برس کے بعد اللہ رب العزت نے دو جلیل القدر نبیوں کے ہاتھوں پھر اس کی تعمیر و تزئین کا سامان فرمایا۔ (اخبار مکہ ص ۲۰' تاریخ حرمین ندوی ص ۲۳)

امام ازرقی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ طوفانِ نوح کے بعد کعبہ معظمہ والی جگہ ایک سرخ ٹیلہ بن گیا تھا۔ جو بلند ہونے کے باعث سیلاب کی زد سے محفوظ تھا۔ طویل زمانہ گزر جانے کے باوجود لوگ اس جگہ کو جانتے تھے۔ اور زمین کے کونے کونے سے مظلوم اور بیمار لوگ وہاں آ کر دعا کرتے اور اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازتے تھے۔ بلکہ حج کے لئے آتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہی بنیادوں پر کعبہ شریف تعمیر کیا۔ (اخبار مکہ ص ۲۰)

سفینۂ نوح کا طواف کعبہ

علامہ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ کشتی نوح میں اسی مرد و زن سوار تھے جن میں حضرت نوح علیہ السلام بھی شامل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے کشتی کا رخ مکہ مکرمہ کی طرف پھیر دیا۔ جب وہ اس مقدس سرزمین میں پہنچی تو چالیس دن تک شب و روز بیت اللہ شریف کے گرد طواف میں مصروف رہی۔ پھر حکم ربانی سے اس کا رخ جودی پہاڑ کی طرف ہو گیا' جہاں جا کر ٹھہر گئی۔ یہ پہاڑ موصل کے علاقہ میں واقع ہے۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۴۴۷' بدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۲۳)

Marfat.com

ایسا حیرت انگیز واقعہ صرف ایک ہی بار وقوع پذیر نہیں ہوا' بلکہ سانپوں' اونٹوں' پرندوں اور کئی دوسرے جانوروں کے طواف کرنے کے واقعات سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک کا زمانہ

علامہ طاہر کردی دامت برکاتہم نے تورات اور بعض تواریخ کے حوالہ جات سے سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدنا ابراہیم خلیل اللہ تک کا زمانہ حسب ذیل بیان کیا ہے۔ اگرچہ یہ یقینی نہیں تخمینی ہے۔

سیدنا آدم علیہ السلام کے وصال کے ۱۲۶ سال بعد سیدنا نوح علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ سیدنا نوح علیہ السلام کے ۸۹۰ سال بعد ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ گویا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کی وفات سے ۶۰ سال قبل پیدا ہو چکے تھے۔ سیدنا نوح علیہ السلام کی ولادت کے ۶۰۰ سال بعد طوفان آیا تھا۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت سے ۲۹۰ سال قبل طوفان کا زمانہ بنتا ہے۔ طوفان نوح آنے کے ۳۰۰ سال بعد ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ شریف تعمیر کیا۔

اس حساب سے تعمیر کعبہ کے وقت آپ کی عمر ۱۱۰ سال اور اسماعیل علیہ السلام کی عمر ۲۰ سال تھی۔

آپ کے وصال کے وقت آپ کی عمر کتنی تھی؟ اس میں تین اقوال ہیں ۱۷۵، ۱۹۰ یا ۲۰۰ سال۔ (تاریخ القویم جلد ۱۹ ج ۲۳)

Marfat.com

تعمیر چہارم

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا
خلیل ایک معمار تھا جس بنا کا

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام فلسطین سے مکہ معظمہ میں مقیم اپنی بیوی اور فرزند دلبند کی ملاقات کے لئے حکم خداوندی سے براق پر سوار ہو کر گاہے گاہے تشریف لاتے رہتے تھے۔ مگر اب کی بار یہ تاریخی اور آخری سفر آپ نے عظیم وجلیل مشن کی تکمیل کے لئے اختیار فرمایا تھا۔ یہ یادگار سفر اللہ رب العزت کے گھر کی تعمیر کے سلسلہ میں تھا۔ اس وقت سیدنا اسماعیل علیہ السلام بیس سال کی عمر مبارک کو پہنچ چکے تھے۔ جب پدر بزرگوار کا ورود مسعود محمود ہوا۔ تو وہ زمزم کے قریب ایک درخت کے نیچے بیٹھے تیر بنا رہے تھے۔ ایک طویل مدت کے بعد والد گرامی قدر کا چہرہ پرضیا کا دیدار ان کے لئے نوید مسیحا ثابت ہوا۔ جوش مسرت میں والد مکرم سے بغل گیر ہو گئے۔ اور انتہائی تعظیم وتکریم سے خوش آمدید کہا۔

باہمی راز و نیاز کی گفت وشنید کے بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے گوہر مقصود سے تسلیم ورضا کے پیکر فرزند ارجمند کو آگاہ فرمایا کہ مجھے بیت اللہ شریف کی تعمیر کا عظیم الشان کام سونپا گیا ہے۔ اداشناس نبوت بیٹے نے الحاح وتضرع سے عرض کیا کہ ارشاد ربانی کی تعمیر میں تاخیر آپ کے شایان شان نہیں ہے۔ آپ اس کی تکمیل میں جلدی سے کام لیں۔

Marfat.com

ارشاد ہوا' جان پدر! اس عظیم منصوبہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا تنہا میرے بس کا روگ نہیں' تمہیں بھی میرا دست و بازو بننا ہوگا۔ فرماں بردار بیٹے نے عرض کیا۔ سو جان سے فدا ہوں' جو بھی ارشاد ہو سر تسلیم خم ہے۔

تب عظمت اسلام کے تابندہ نگیں اور شوکت و جلالت کے آفتاب و مہتاب اپنے اشتراک عمل سے خانہ خدا کی تعمیر پر کمر بستہ ہو گئے۔ یہ ایسی مقدس یادیں ہیں جن سے ایک مہکتا ہوا گلستان نبوت اور سر سبز و شاداب چمن زار رسالت وابستہ ہے۔ جہاں باران رحمت خداوندی سے سدا بہار پھول قیامت تک اپنا جوبن اور نکھار دکھاتے رہیں گے۔

چنانچہ دونبیوں کے مقدس ہاتھوں اس عظیم المرتبت اور ذی شان گھر کی تعمیر کا پروگرام طے ہو گیا۔ لیکن یہ حقیقت ابھی منکشف نہیں ہوئی تھی کہ بیت اللہ کا حدود اربعہ کتنا ہوگا؟ کونسی دیوار کتنی طویل اور کونسا گوشہ کتنا عریض ہوگا؟ امتداد زمانہ اور سیلاب وغیرہ نے اس کے قدیم نشانات کو ملیامیٹ کر دیا تھا۔ اگرچہ لوگ اس بات سے آشنا تھے کہ اس مقام پر بیت اللہ تھا۔ اسی لئے بیمار مظلوم اور فریادی زمین کے گوشے گوشے سے یہاں آتے اور ان کی دعا کو قبولیت بھی نصیب ہوتی تھی۔ بلکہ حج کے لئے بھی آتے تھے' مگر جگہ کی صحیح تعیین کسی کو بھی معلوم نہیں تھی۔

قدرت خداوندی سے ان معزز معماروں کی رہنمائی کے لئے اچانک ایک بدلی نمودار ہوئی۔ جس سے یہ صدا آ رہی تھی کہ جس قدر طول و عرض اس بدلی کے سایہ کا ہے اسی قدر جگہ میں آپ بیت اللہ کی بنیادوں پر دیواریں کھڑی کریں۔ اس میں کمی بیشی نہ ہونے پائے۔

بعض روایات میں مذکور ہے کہ جبرئیل امین علیہ السلام نے ابراہیم علیہ السلام کے لئے بنیادوں کی نشاندہی کی تھی۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک مجسم ہوا آئی جس کا نام رِیْحُ الْخَجُوج تھا اس نے بیت اللہ کی جگہ کے گرد طواف کر کے اس کی حدود کو واضح کیا تھا۔ اس وقت یہ جگہ ایک اُبھرے ہوئے سرخ ٹیلے کی شکل میں تھی' اور یہی

Marfat.com

بنائے آدم علیہ السلام یا آپ پر اتارے گئے سرخ یاقوت کے خیمہ کا مقام تھا۔

خلیل اللہ علیہ السلام اور ذبیح اللہ علیہ السلام نے اس جگہ کھدائی شروع کر دی اور کچھ دیر بعد وہ قدیم بنیادیں ظاہر ہو گئیں جن پر انہوں نے تعمیر کی تکمیل کر لی تھی۔ اسماعیل ذبیح اللہ مزدوروں کے بھیس میں پتھر لانے کی خدمت انجام دے رہے تھے اور خلیل اللہ معمار کی حیثیت سے اپنے مقدس ہاتھوں سے دیواریں چن رہے تھے۔ مٹی' گارا یا چونا کی مدد کے بغیر ہی پتھر پر پتھر جوڑتے چلے جا رہے تھے' وہ پتھر اس قدر بڑے اور وزنی تھے کہ تیس آدمی مل کر بھی بمشکل اٹھا سکتے تھے۔ اس تعمیر میں کام آنے والے پتھر پانچ مختلف پہاڑوں سے ملائکہ عظام لائے تھے۔ طور سینا' طور زیتا' یہ دونوں پہاڑ بیت المقدس کے پہاڑوں میں سے ہیں۔ کوہ لبنان' کوہ جودی اور کوہ حراء۔ بنیادوں میں کوہ حرا کے پتھر استعمال ہوئے۔ جب دیواروں کی بلندی کچھ زیادہ ہو گئی اور پتھر لگانے میں دشواری کا سامنا ہونے لگا' تو سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے چہیتے مزدور سے فرمایا کوئی ایسا پتھر تلاش کر لاؤ جس پر کھڑے ہو کر تعمیر کی تکمیل بسہولت ہو جائے' چنانچہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی نظر انتخاب جس پتھر پر پڑی وہی یادگار پتھر تھا جسے قرآن پاک میں "مقام ابراہیم" کے مبارک اعزاز سے نوازا گیا اور یہ وہی پتھر تھا جو سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی زوجہ محترمہ نے ابراہیم علیہ السلام کا سر دھوتے وقت ان کے پاؤں کے نیچے رکھا تھا۔ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ اس پتھر کو پاڑ بنا کر تعمیر میں مشغول ہو گئے۔ اس پتھر نے مزاج کی سنگینی اور سختی کے باوجود آپ کے نقش پا کا اس قدر گہرا اثر قبول کیا کہ زمانہ کے حوادثات بھی اسے نہ مٹا سکے۔ جس جگہ پتھر پر کھڑے ہو کر آپ تعمیر فرماتے رہے وہاں پاؤں مبارک کے ٹخنوں تک گہرے نقوش نصب ہو گئے' جن کا نظارہ آج بھی مسلمانان عالم بچشم خود کر رہے ہیں۔

جب دیواریں کچھ اونچی ہو گئیں تو آپ نے فرزند دل بند کو ارشاد فرمایا کہ کوئی عمدہ سا پتھر تلاش کر لاؤ جسے یہاں ایک کونے میں نصب کر دیا جائے۔ جو طواف کرنے والوں کے لئے ایک امتیازی نشان بن جائے۔ حسب حکم سیدنا

Marfat.com

اسماعیل علیہ السلام جب پتھر لے کر آئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس جگہ کی رونق ایک ایسا پتھر بن چکا ہے جس کی روشنی شرقاً غرباً شمالاً جنوباً پھیلی ہوئی ہے۔ عرض کرنے لگے ابا جان یہ پتھر کون لایا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا جان پدر یہ جبرئیل علیہ السلام امین جنت سے لائے ہیں۔ موجودہ حطیم والی جگہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی بھیڑ بکریاں باندھنے کی جگہ بنی ہوئی تھی اسے بھی کعبہ شریف میں شامل کر لیا۔ مشرق کی جانب زمین کے برابر ایک دروازہ رکھا' جس کی نہ تو چوکھٹ تھی اور نہ ہی کواڑ۔ دروازہ کے اندر دائیں جانب ساڑھے ۴ فٹ گہرا ایک کنواں بنایا۔ جس میں کعبۃ اللہ پر چڑھائی جانے والی نذر و نیاز کا خزانہ جمع کیا جاتا تھا۔ یہ فقید المثال اور عدیم النظیر مکان چھت کے بغیر ہی تھا جس کی دیواریں مٹی گارے کے بغیر پتھروں پر پتھر رکھ کر بنائی گئی تھیں۔ [1]

یہ واقعات بخاری شریف میں بھی اختصار کے ساتھ مرقوم ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا "سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جب مکہ مکرمہ پہنچے تو اسماعیل علیہ السلام کو چاہ زمزم کے پیچھے تیر بناتے ہوئے پایا۔ انہیں بتایا کہ مجھے بارگاہ ایزدی سے بیت اللہ کی تعمیر کا حکم ہوا ہے۔ فرماں بردار بیٹے نے عرض کیا' آپ حکم ربانی کی اطاعت کیجئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تمہیں بھی میرے ساتھ تعاون کا حکم دیا گیا ہے۔ عرض کرنے لگے میں حاضر ہوں"۔

چنانچہ حضرت خلیل علیہ السلام نے تعمیر شروع کر دی اور حضرت ذبیح اللہ علیہ السلام پتھر دینے لگے۔ کام کے دوران دونوں باپ بیٹا بارگاہ خداوندی میں یہ دعا بھی

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد اصفحہ ۱۷۶ تا ۱۷۸' تفسیر کبیر جلد ۱ ص ۳۷۴' تفسیر ابن جریر جلد ۱ ص ۵۲۷ تا ۵۵۲' مصنف عبدالرزاق جلد ۵ ص ۹۵۔

Marfat.com

کرتے رہے

﴿ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴾

دیواریں جب بلند ہو گئیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پتھر لگانے میں دشواری محسوس کرنے لگے تو ایک پتھر پر کھڑے ہو کر تعمیر مکمل کی۔ (بخاری شریف جلد ا کتاب الانبیاء ص ۴۷۹)

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں۔ ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے یہ دعا بھی کی تھی۔

اے اللہ! ہمیں مسلمان بنا دے۔ یعنی مخلص اور مطیع بنا' موحد بنا' شرک سے بچا' ریا کاری سے محفوظ فرما اور خشوع و خضوع کی نعمت عطا فرما۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ا ص ۱۷۸)

قدوۃ المورخین امام ازرقی رحمۃ اللہ علیہ ابن اسحاق سے روایت کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام آرمینیا سے براق پر مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ ان کے ساتھ سکینہ تھی جس کا منہ بھی تھا اور وہ کلام کرتی تھی۔ اور ان کے ساتھ فرشتہ بھی تھا جو انہیں بیت اللہ کی جگہ کی نشاندہی کرتا تھا۔ جب آپ مکہ معظمہ پہنچے تو اسماعیل علیہ السلام سے ملاقات ہوئی جب کہ ان کی عمر بیس سال کی تھی اور ان کی والدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور ان کی قبر حجر یعنی حطیم میں بنائی گئی تھی۔ آپ نے بیٹے کو حکم خداوندی سے آگاہ کیا۔ بیٹے نے دریافت کیا کہ کعبہ کس جگہ بنایا جائے گا' تو فرشتے نے جگہ بتا دی۔ پھر دونوں باپ بیٹا بنیادیں کھودنے لگے۔ ان کے ساتھ تیسرا کوئی بھی معاون نہیں تھا۔ جب ابراہیم علیہ السلام کھدائی کرتے ہوئے ان بنیادوں تک پہنچ گئے جو سیدنا آدم علیہ السلام نے بنائی تھیں تو اس میں بڑے بڑے وزنی پتھر پائے' جنہیں تیس آدمی مل کر بھی نہیں ہلا سکتے تھے۔ (اخبار مکہ ص ۳۰)

اسی طرح مصنف عبدالرزاق جلد ۵ ص ۹۲ میں بھی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا مکہ مکرمہ میں تشریف آوری کا واقعہ آرمینیا سے مذکور ہے۔

امام ازرقی رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی تعمیر بیت اللہ کی پیمائش حسب ذیل ارقام فرمائی ہے (اخبار مکہ ص ۳۱)

Marfat.com

مشرق میں:

حجر اسود سے رکن عراقی تک۔ ۳۲ ذراع ۴۸ فٹ یعنی ۱۴ میٹر ۳۳ سینٹی میٹر

شمال میں:

رکن عراقی سے رکن شامی تک۔ ۲۲ ذراع ۳۳ فٹ یعنی ۱۰ میٹر

مغرب میں:

رکن شامی سے رکن یمانی تک۔ ۳۱ ذراع ۴۶½ فٹ یعنی ۱۴ میٹر ۵۸ سینٹی میٹر

جنوب میں:

رکن یمانی سے حجر اسود تک۔ ۲۰ ذراع ۳۰ فٹ یعنی ۹ میٹر ۱۵ سینٹی میٹر

دیواروں کی بلندی ۹ ذراع ۱۳½ فٹ یعنی ۴ میٹر ۱۰ سینٹی میٹر اور چوڑائی ۲ ذراع تقریباً ۳ فٹ۔

Marfat.com

تعمیر ابراہیمیؑ کی خصوصیات

① آپ علیہ السلام نے سیدنا آدم علیہ السلام کی بنیادوں پر کعبہ شریف تعمیر فرمایا۔

② آپ علیہ السلام نے پتھر پر پتھر رکھ کر دیواریں کھڑی کیں۔ گارا مٹی چونا یا کوئی دوسری چیز استعمال نہیں کی۔

③ آپ علیہ السلام نے کعبہ شریف مستطیل شکل کا بنایا تھا۔

④ آپ علیہ السلام کی تعمیر میں چار رکن تھے (رکن حجر اسود رکن عراقی رکن شامی اور رکن یمانی) اور چاروں کا استلام کیا جاتا تھا۔

⑤ مشرقی دیوار میں ایک ہی دروازہ تھا جس کے نہ تو کواڑ تھے اور نہ ہی کسی دوسری چیز سے بند کیا جاتا تھا۔

⑥ دروازہ زمین کے برابر تھا بلندی پر نہیں تھا۔

⑦ حطیم والی جگہ کعبہ شریف میں شامل تھی۔

⑧ کعبہ شریف کی چھت نہیں تھی۔

⑨ نہ ہی کعبہ شریف پر غلاف تھا۔ غلاف سب سے پہلے شاہ تبع نے چڑھایا تھا۔

⑩ دیواروں کی بلندی ۹ ذراع (۱۳ فٹ ۶ انچ یعنی ۴ میٹر ۱۰ سینٹی میٹر) تھی۔

⑪ دروازہ والی مشرقی دیوار ۳۲ ذراع (۴۸ فٹ ۶ انچ یعنی ۱۴ میٹر ۳۳ سینٹی میٹر) حطیم کی جانب والی دیوار ۲۲ ذراع (۳۳ فٹ یعنی تقریباً ۱۰ میٹر) اور رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان کی دیوار ۲۰ ذراع (۳۰ فٹ یعنی ۹ میٹر ۱۵ سینٹی میٹر) رکن شامی سے رکن یمانی تک ۳۱ ذراع (۴۶½ فٹ یعنی ۱۴ میٹر ۵۸ سینٹی میٹر)۔

⑫ دروازہ کے سامنے دائیں جانب ۹ ۳ فٹ (ایک میٹر ۲۷ سینٹی میٹر) گہرا گڑھا تھا۔ (تاریخ التقویم جلد ۳ ص ۵۰)

Marfat.com

سرخ ٹیلہ پر کعبہ کی تعمیر کا منظر

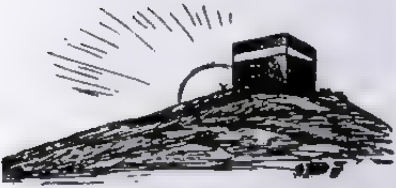

Marfat.com

سرخ ٹیلہ

جس وقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ شریف تعمیر کرنے کا حکم ملا تو آپ نے جبرئیل علیہ السلام کی نشاندہی کے مطابق ایک سرخ ٹیلہ پر کعبہ شریف تعمیر کیا تھا۔ جیسا کہ سامنے والی تصویر سے ظاہر ہے۔

اس وقت کعبہ شریف ٹیلہ پر بلند جگہ تھا اور اس کے چاروں طرف زمین پست تھی۔ یہ مقدس گھر سیلاب کے دست برد سے محفوظ تھا۔ لیکن اب چار ہزار سال گزر جانے کے بعد کیفیت اس کے بالکل برعکس ہو چکی ہے کہ کعبہ شریف نشیب میں واقع ہے جب کہ اس کے چاروں طرف راستے اور زمین خاصی بلند ہے۔ اس طویل عرصہ میں سیلاب پہاڑوں کی چوٹیوں' دامنوں اور اطراف سے مٹی اور بڑی بڑی چٹانیں بہا کر اس نشیبی جگہ میں برابر جمع کرتا رہا۔ چونکہ اس کے نکالنے اور راستہ صاف کرنے کا انتظام نہیں تھا' جس کے باعث نشیب' فراز اور بلندی' پستی میں تبدیلی ہو گئی۔

جس کے نتیجہ میں آج سے چار سو سال پہلے جس وقت سیلاب کی گزرگاہ (نالہ) حرم شریف سے شمالاً جنوباً باب الزیادہ اور باب الاجیاد کی طرف تھی۔ تو سیلاب مسلسل مٹی اور پتھر بہا کر مسفلہ کی طرف جمع کرتا رہا۔ گویا کہ دس سال کے عرصہ میں اوسطاً ایک مرتبہ سیلاب آتا رہا۔ جس سے راستے اونچے اور حرم شریف کی زمین پست ہو گئی۔ حتیٰ کہ باب ابراہیم کی طرف سے حرم شریف میں داخل ہونے کے لئے پندرہ سیڑھیاں چڑھ کر دروازہ تک پہنچنا ہوتا تھا۔

علامہ طاہر کردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ۱۳۰۰ ہجری تک چھ سیڑھیاں مٹی میں دب چکی تھیں جب کہ سات باہر باقی تھیں۔ جن پر چڑھ کر لوگ اندر داخل ہوتے

Marfat.com

ہیں۔ مؤرخ موصوف نے بھی وہ سات زینے دیکھے تھے۔

یہ جملہ احوال آج سے کافی عرصہ پہلے کے ہیں۔ اس وقت باہر صرف دو سیڑھیاں رہ گئی ہیں اور باقی سب مٹی میں دب چکی ہیں۔ اور دروازہ کے اندر صحن تک جانے کے لئے تیرہ سیڑھیاں اترنا پڑتا ہے۔ شعبان ۱۳۶۶ھ میں جب باب الزیادہ کے سامنے فرش بنایا گیا جو مٹی، بجری اور سیمنٹ سے تیار کیا گیا تھا۔ جس سے پانچ سیڑھیاں اور بھی دب گئیں اور اس طرح صرف دو باقی رہ گئیں۔ جن پر چڑھ کر لوگ حرم شریف کے دروازہ تک پہنچتے تھے۔ (تاریخ القویم جلد ۳ ص ۴۹، ۵۰)

یہ واقعات تو کافی زمانہ پہلے کے بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن سعودی حکومت نے جب حرم شریف کی توسیع اور سڑکوں کو کشادہ کیا تو باہر کی سطح اور بھی بلند ہوگئی۔ اس طرح مذکورہ بالا دروازہ کے علاوہ تمام دروازوں کے باہر صرف تین سیڑھیاں رہ گئی ہیں۔ ان پر چڑھ کر دروازہ تک پہنچ کر پھر دو متفرق جگہوں سے آٹھ سیڑھیاں اتر کر صحن حرم میں داخل ہونا پڑتا ہے۔

Marfat.com

وَاَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ

اعلانِ حج

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جب بیت اللہ شریف کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا۔ اب آپ لوگوں میں اعلان کریں کہ وہ بیت اللہ شریف کا حج کرنے کو آئیں۔ آپ نے عرض کیا پروردگار! یہاں تو دور دور تک انسانی آبادی کا نام ونشان نہیں ہے یہ تو جنگل اور چٹیل میدان ہے اور جہاں آبادی ہے وہاں تک میں اپنی نحیف آواز کیسے پہنچا سکتا ہوں (اس زمانہ میں لاؤڈ سپیکر اور برقی آلات ریڈیو وائرلیس وغیرہ تو تھے ہی نہیں)۔ تو فرمانِ ذی شان ہوا:

عَلَیۡكَ الۡاَذَانُ وَعَلَیۡنَا الۡبَلَاغُ

آپ کے ذمے صرف اعلان کرنا ہے ساری دنیا میں اسے پہنچانا اور پھیلانا ہماری ذمہ داری ہے۔ چنانچہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام مقام ابراہیم پر کھڑے ہو گئے اور وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اس قدر بلند ہو گیا کہ جبل ابی قبیس کی بلندی بھی اس کے سامنے ہیچ تھی۔ بعض روایات کے مطابق جبل ابی قبیس یا کوہ صفا پر کھڑے ہو کر اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں ڈال کر دائیں بائیں اور شرقاً غرباً بلند آواز سے اعلان فرمایا

"اے لوگو! پروردگارِ عالم نے اپنا گھر بنایا ہے لہٰذا تم اس کا حج کرنے کے لئے آؤ"۔

اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس آواز کو زمین و آسمان کی تمام مخلوق نے سنا' یہ صدا چار دانگ عالم میں گونج گئی۔ نہ صرف دنیا میں موجود انسانوں کے کانوں تک یہ دربا اور ایمان افروز آواز پہنچی بلکہ عورتوں کے ارحام اور مردوں کی اصلاب میں بھی جو بچے

Marfat.com

تھے اور جو قیامت تک پیدا ہونے والے تھے' بطور معجزہ ان سب تک یہ آواز پہنچا دی گئی۔ اللہ کریم نے جس کی قسمت میں اس مبارک گھر کی زیارت سے مشرف ہونا لکھا تھا۔ ان سب نے اس آواز پر لبیک کہا۔ جس کے مقدر میں دو مرتبہ حج کی سعادت تھی اس نے دو دفعہ اور جس کی قسمت میں تین یا اس سے بھی زیادہ دفعہ اس نعمت غیر مترقبہ سے شرف بار ہونا مقدر تھا۔ اس نے اتنی ہی مرتبہ لبیک کہا۔ یہاں تک کہ درختوں' پتھروں' پہاڑوں اور ہر ایک چیز نے اس آواز پر لبیک کہا۔ لیکن جن لوگوں نے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دعوت پر لبیک نہیں کہا۔ وہ شومئی قسمت اور اپنی بدبختی کے باعث حج کی لازوال نعمت سے محروم رہے۔●

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حج

وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ

حج کے اعلان عام کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی مذکورہ بالا دعا کو شرف قبولیت سے نوازا' اور بیت الحرام کا حکم دیا۔ جبرئیل امین کی رہنمائی میں آپ نے پہلے کعبہ شریف کا طواف کیا۔ پھر صفا' مروہ کے درمیان سعی کی۔ بعد ازاں منیٰ کو تشریف لے گئے۔ آپ جب مقام عقبہ کے قریب ایک درخت کے پاس پہنچے تو شیطان سامنے آ کھڑا ہوا۔ آپ نے سات کنکریوں سے اس کی تواضع کی' اور ہر یک کنکری مارتے وقت تکبیر پڑھتے جاتے تھے۔ وہاں سے شیطان غائب ہو کر تھوڑی دیر بعد جمرۂ ثانیہ کے پاس راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ آپ نے پھر تکبیر کہتے ہوئے اسے سات کنکریاں ماریں۔ وہ خبیث وہاں سے بھاگ کر تیسرے جمرہ کے پاس پھر سامنے آ گیا۔ وہاں بھی تکبیر کے ساتھ سات کنکریاں ماریں۔ بالآخر اسے

● تفسیر کبیر جلد ۹ ص ۱۵۶' تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۵۰' روح المعانی جلد ۹ ص ۱۳۳' مصنف عبدالرزاق جلد ۵ ص ۹۶۔

Marfat.com

پھر بے بسی کا یقین ہو گیا اور وہ ذلیل وخوار ہو کر روپوش ہو گیا۔

آپ چلتے چلتے میدان عرفات میں پہنچ گئے جسے اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ اوصاف کے مطابق پا کر آپ نے پہچان لیا۔ اسی وجہ سے اس میدان کو عرفات کہا جاتا ہے۔ دن بھر وہاں ٹھہرنے کے بعد شام ڈھلے مزدلفہ کے قریب پہنچ گئے۔ رات وہاں بسر فرمائی اور صبح وہاں سے منیٰ تشریف لے گئے۔ اور جن تین مقامات پر شیطان دکھائی دیا تھا۔ وہاں بہ سات سات کنکریاں ماریں اور منیٰ میں قیام کیا۔ جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے کہا کہ ارکان حج ادا کرنے کے بعد منیٰ کے مقام پر ہی حجامت بنائی جائے گی۔ آخر الامر ارکان حج سے فارغ ہو کر وطن واپس تشریف لے گئے۔

چنانچہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے اختیار کردہ طریقہ کے مطابق اسلام نے بھی مناسک حج ادا کرنے کا حکم دیا۔ گویا انہیں بنیادوں پر اسلام کی عمارت کھڑی کی گئی۔ (فتح الباری جلد ۳ ص ۳۳۳ تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۱۸۳ تفسیر ابن جریر جلد ۱ ص [illegible] تفسیر زاد المسیر جلد ۱ ص ۱۳۶)

علامہ یاقوت حموی رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل روایت نقل کی ہے۔

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے کعبہ شریف کی تعمیر سے فارغ ہو کر اس کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو نفل ادا کیے۔ اتنے میں جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور آپ کو صفا مروہ کی سعی کرائی۔ پھر منیٰ اور مزدلفہ میں لے گئے۔ منیٰ میں تین جگہ شیطان نظر آیا۔ تو جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے کہا کہ تکبیر کے ساتھ اسے سات کنکریاں ماریں۔ بعد میں آپ عرفات تشریف لے گئے۔ (معجم البلدان جلد ۷ ص ۲۵۸)

امام ازرقی رحمۃ اللہ علیہ ابن اسحاق سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے سیدنا اسماعیل علیہ السلام اور قبیلہ جرہم کے جو مسلمان وہاں موجود تھے ان سب کی معیت میں ارکان حج ادا فرمائے۔ آپ علیہ السلام نے منیٰ میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور دوسرے دن صبح کی نماز ادا فرمائی اور جب سورج طلوع ہو گیا تو آپ عرفات

Marfat.com

میں تشریف لے گئے۔ وہاں مسجد نمرہ کی جگہ قیام فرمایا۔ اور ظہر و عصر جماعت کے ساتھ اکٹھی مسجد ابراہیم والی جگہ ادا فرمائی۔ اور پھر موقف کی طرف تشریف لے گئے۔ موقف وہ مقام ہے جہاں امام کھڑا ہوتا ہے۔ پھر جب سورج غروب ہو گیا تو آپ نے مزدلفہ میں قدم رنجہ فرمایا۔ وہاں مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی ادا کیں۔ اگلے روز صبح صادق کے بعد نماز با جماعت ادا فرمائی۔ پھر سورج طلوع ہونے سے پہلے منیٰ کو روانہ ہو گئے اور وہاں رمی کی۔ مناسک حج سے فراغت کے بعد آپ علیہ السلام اپنے وطن ملک شام تشریف لے گئے اور وہیں وصال فرمایا۔

(اخبار مکہ ص ۳۶)

تعمیر پنجم، ششم اور ہفتم:

جرہم اور عمالقہ کی تعمیر

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی تعمیر کردہ عمارت کعبہ جب منہدم ہو گئی تو پھر بنو جرہم نے اسے از سر نو تعمیر کیا۔ مگر جب وہ بھی منہدم ہو گئی تو عمالقہ نے اسے بنایا۔ (اعلام الاعلام ص ۳۲)

سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے بعد ان کے فرزند ارجمند نابت کعبہ شریف کے متولی بنے۔ اور ان کے انتقال کے بعد ان کے نانا مضاض بن عمر متولی ہوئے۔ اور بنو اسماعیل ننھیالی رشتہ کی وجہ سے ان کے مطیع ہو گئے۔ اس طرح بنو جرہم اور بنو اسماعیل پر مضاض سلطنت کرنے لگا۔ اور کی تعداد کثیر اور اسلحہ بے شمار تھا۔ یہ لوگ جبل قعیقعان پر مقیم تھے۔ جو کہ مکہ مکرمہ کا مشہور پہاڑ ہے۔ یہ جبل ابی قبیس کے سامنے شمال مغرب کو واقع ہے۔ اس زمانہ میں تجارتی قافلے بھی اسی پہاڑ پر قیام کیا کرتے تھے۔ مکہ معظمہ کے بالائی حصہ میں واقع ہونے کی بنا پر بارش کے سیلاب سے محفوظ ترین جگہ تھی۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ جب شاہ تبع مکہ مشرفہ میں آیا تو اس نے اسی پہاڑ کے دامن میں ایک بہت بڑی دعوت کی تھی۔ جس میں بے شمار جانور ذبح کئے اور فوج کا اسلحہ بھی اسی مقام پر جمع کیا تھا۔ اسی سبب سے اس پہاڑ کا نام قعیقعان پڑ گیا۔ جرہم کا بادشاہ مضاض اسی پہاڑ پر براجمان تھا اور اس کے مخالفین بنو عمالقہ کا بادشاہ سمیدع نشیبی علاقہ میں تھا۔ ان دونوں کے مابین زبردست جنگ ہوئی جس کے نتیجہ میں جرہم عمالقہ پر غالب آ گئے اور صدیوں تک مکہ مکرمہ پر ان کی حکومت قائم رہی۔ ان کے دور حکومت میں ایک مرتبہ زبردست سیلاب آیا۔ جس سے کعبہ شریف

Marfat.com

منہدم ہو گیا۔ بنو جرہم نے اسے ازسرنو تعمیر کیا۔ اس سے قبل کعبہ شریف کے دروازہ کے کواڑ نہیں تھے۔ انہوں نے کواڑ بھی بنائے اور کواڑ نہ ہونے کی وجہ سے متعدد بار کعبہ شریف کا خزانہ چوری ہوتا رہا۔ اس لئے انہوں نے چابی تالے کا انتظام بھی کیا۔ ایک مرتبہ ایک ڈاکو چوری کی نیت سے کعبہ شریف کے کنوئیں میں اترا ہی تھا کہ ایک بڑی چٹان کنوئیں کے منہ پر آ پڑی اور چور کنوئیں میں بند ہو گیا۔ جب لوگوں کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے چٹان ہٹا کر چور کو باہر نکالا۔ چابی تالے کا انتظام ہونے کے ساتھ ہی ایک قدرتی انتظام یہ بھی ہو گیا کہ ایک بہت بڑا سانپ اللہ تعالیٰ نے بھیج دیا' جس نے خزانے کی حفاظت کے لئے کنوئیں پر ڈیرہ ڈال لیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سانپ پانچ سو سال تک کعبہ شریف میں رہا اور قریش کی تعمیر کے وقت اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک بہت بڑا پرندہ آیا اور اسے اٹھا کر لے گیا۔ (اخبار مکہ ص ۴۸۔ روض الانف جلد ا ص ۸۰)

مؤرخین کے درمیان اس امر میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے کہ کعبہ شریف کی تعمیر پہلے عمالقہ نے کی یا جرہم نے۔ مؤرخ شہیر علامہ ازرقی عمالقہ کی تعمیر جرہم سے پہلے بیان فرماتے ہیں۔ اسی طرح علامہ طبریؒ نے اپنی کتاب "القریٰ" میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ جب کہ امام فاکہیؒ جرہم کی تعمیر عمالقہ سے پہلے ہونے کے قائل ہیں۔ امام تقی الدین فاسی بھی اس کے مؤید ہیں۔ چونکہ دونوں قومیں ہم عصر تھیں اور ان کے مابین مدتوں زبردست جنگ و جدال کا سلسلہ جاری رہا' جس کے باعث مؤرخین ان کی تعمیر کے تقدیم و تاخیر میں مختلف فیہ ہیں۔ (اعلام الاعلام ص ۳۲)

علامہ طاہر کردی ارشاد فرماتے ہیں واقعات اور قرائن سے جرہم کی تعمیر عمالقہ سے پہلے ثابت ہوتی ہے۔ جرہم ہی مکہ معظمہ میں پہلے قیام پذیر ہوئے۔ اور پھر انہیں میں سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے شادی کی تھی۔ (تاریخ القویم جلد ۳ ص ۱۲۸)

Marfat.com

قصی بن کلاب کی تعمیر

جب قصی بن کلاب کی حکومت مستحکم ہو گئی تو اس نے قریش کو جمع کر کے کعبہ شریف کی تعمیر کی طرف توجہ دلائی۔ چنانچہ قریش نے اس غرض کے لئے معقول رقم جمع کر لی اور کعبہ شریف کی قدیم بوسیدہ عمارت کو منہدم کر کے تعمیر نو شروع کر دی۔ اس سے پہلے کعبہ شریف کی چھت نہیں تھی انہوں نے کھجور کے تختوں اور شہتیروں کی چھت بنائی۔ اور دیواریں ۲۵ ذراع (۳۷ فٹ ۶ انچ یعنی ۱۱ میٹر ۴۳ سینٹی میٹر) اونچی بنائیں۔

اس سے پہلے لوگ کعبہ شریف کے گردا گرد خیموں میں رہائش پذیر تھے۔ قصی نے کعبہ شریف کے چاروں طرف صحن چھوڑ کر قریش سے مکانات بنوائے۔ ہر دو مکانات کے بعد راستہ چھوڑا گیا۔ اس طرح وہ خالی جگہ صحن اور مطاف کے طور پر استعمال ہونے لگی۔ (دائرۃ المعارف جلد ۸ ص ۱۳۲)

مورخ شہیر علامہ محمد طاہر کردی تاریخ القویم کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ جب قصی نے تعمیر کعبہ کے لئے سامان اور خرچہ جمع کر لیا تو کعبہ شریف منہدم کر کے نئی تعمیر شروع کر دی۔ انہوں نے اس قدر مضبوط اور عمدہ کام کرایا کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ چھت کھجور کی لکڑی اور شاخوں سے بنوائی۔

قریش میں قصی پہلا آدمی ہے جسے کعبہ شریف تعمیر کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ یہ حضور انور ﷺ کے اجداد میں سے تھا۔ اور آپ سے تقریباً ۱۳۰ سال پہلے اس کی حکومت قائم ہوئی تھی۔ (تاریخ القویم جلد ۳ ص ۱۲۹)

قصی کی تعمیر میں کعبہ شریف کی بلندی اور ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بعد کی تعمیرات پر امام ابن ظہیرہ کے تاثرات قابل قدر اور محققانہ ہیں۔

مشہور روایات کے مطابق سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کے بعد قریش کی

Marfat.com

تعمیر ثابت ہے۔ لیکن کسی صحیح روایت سے عمالقہ' جرہم اور قصی کی تعمیر ثابت نہیں ہوتی۔ یہ مجرد خبر ہے جس کی کوئی معقول دلیل موجود نہیں ہے۔ بالفرض ان تعمیرات کو صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے' تو کسی مورخ نے بھی عمالقہ اور جرہم کی تعمیر کا ذکر تو کیا۔ مگر اس میں کعبہ کا ارتفاع بیان نہیں کیا۔

علاوہ ازیں امام تقی فاسی نے زبیر بن بکار سے جو مذکورہ بالا روایت نقل کی ہے۔ اس میں خود امام موصوف لکھتے ہیں کہ یہ روایت تحقیق طلب ہے۔ اس روایت میں بیان کردہ طول' عرض یا ارتفاع سب محل نظر ہیں۔ اور دیگر تمام متفق علیہ روایات کے خلاف ہے۔ اس لئے یہ روایت نا قابل التفات ہے۔ (جامع اللطیف ص ۵۴)

Marfat.com

تعمیر ہشتم:

قریش کی تعمیر

حضور نبی کریم ﷺ کے اعلان نبوت سے پانچ سال قبل قریش نے کعبہ شریف کی تعمیر کا پروگرام بنایا۔ تعمیر کی ضرورت کئی وجوہ سے درپیش تھی جس کی تفصیلات محدثین اور مورخین حسب ذیل ارقام فرماتے ہیں

① ابن اسحاق سے روایت ہے کہ بیت اللہ شریف شہر کے نشیبی علاقہ میں واقع ہونے کی وجہ سے بارش کا پانی سیلاب بن کر حرم محترم میں داخل ہو جاتا اور عہد کہنہ کی اس یادگار عمارت کو نقصان پہنچاتا۔ پھر کعبہ شریف کی دیواریں بھی قد آدم کے برابر اونچی تھیں۔ اور اس کے اردگرد کوئی حصار یا چار دیواری بھی نہیں تھی' جو پانی کے لئے رکاوٹ بنتی۔ بالائی حصہ میں بند باندھ کر سیلاب کی روک تھام کی کوشش تو کی گئی مگر وہ کارگر ثابت نہ ہوئی۔ بند بھی سیلاب کی نذر ہو گیا۔ سیلاب کے باعث قریب تھا کہ دیواریں گر جاتیں۔

② اشتداد زمانہ اور مرور ادوار کے باعث بیت اللہ شریف کی دیواریں بے حد بوسیدہ ہو کر آثار قدیمہ کی تصویر پیش کر رہی تھیں۔ اور زبان حال سے اپنی خستہ حالی کی فریاد کناں تھیں۔ چنانچہ قریش نے نئی تعمیر کا پروگرام بنایا۔ جس میں اس کی چھت بنانے کا منصوبہ بھی شامل تھا۔

③ اسی زمانہ میں کعبہ شریف کا خزانہ جس میں سونے کا ہرن' بیش بہا قیمتی موتی اور جواہرات تھے' چوری ہو گیا۔ مسروقہ مال ملیح بن عمرو الخزاعی جو ایک آزاد کردہ غلام تھا کے گھر سے برآمد ہوا۔ چوری کے الزام میں قریش نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔ اگرچہ بعد کی تحقیق و تفتیش میں اصل مجرم حارث بن

Marfat.com

عامر بن نوفل بن عبد مناف ثابت ہوا۔ جسے سزا کے طور پر دس سال کے لئے شہر بدر کر دیا گیا۔

④ امام زہری سے روایت ہے کہ ایک عورت بیت اللہ شریف کو با خور جو ایک خوشبو ہے کی دھونی دے رہی تھی کہ ایک شرارہ اڑ کر بیت اللہ کے غلاف پر جا پڑا۔ جس سے آگ بھڑک اٹھی۔ غلاف جل کر خاکستر ہو گیا اور کعبہ شریف کی دیواریں بھی جھلس گئیں۔ (فتح الباری جلد ۳ ص ۳۳۵ عمدۃ القاری جلد ۹ ص ۲۱۷ زرقانی جلد ا ص ۲۰۳)

ان اسباب وعوامل کے باعث قریش نے بیت اللہ شریف کی تعمیر جدید کا منصوبہ بنایا اور پورے عزم بالجزم سے اس کار خیر کی انجام دہی پر کمر بستہ ہو گئے اور تائید غیبی کے طور پر چند ایسے واقعات رونما ہوئے جو ان کے اس عظیم پروگرام کی تکمیل کے لئے ممد ومعاون بن گئے۔

بیت اللہ شریف کے خزانہ والے کنوئیں پر ایک اژدھا نے ڈیرہ ڈال رکھا تھا۔ جس کا سر بکری کے بچے کے سر جتنا موٹا اور پیٹ سفید تھا۔ یہ تقریباً پانچ سو سال سے براجمان تھا جس کے خوف اور دہشت سے کسی کو عمارت مسمار کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔ ایک دن حسب معمول دیوار پر بیٹھا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑا پرندہ "النسر" (النسر گدھ جسے کرگس کو بھی کہتے ہیں) بھیجا۔ جس کی پیٹھ کالی پیٹ سفید اور پاؤں زرد تھے۔ جس نے جھپٹا مار کر اژدھا کو اپنے پنجوں میں دبوچ لیا اور گرفت مضبوط کر کے لے اڑا۔ اس طرح تعمیر کے راستہ میں یہ رکاوٹ ہٹ گئی۔

اس واقعے سے قریش نے یہ فال نکالا کہ ہمارے پروگرام سے رب کعبہ راضی ہے اور اس کی مشیت اسی میں ہے کہ ہم یہ کام کر گزریں۔

(فتح الباری جلد ۳ ص ۳۳۵ عمدۃ القاری جلد ۹ ص ۲۱۷ اخبار مکہ ص ۳۹)

حسن اتفاق سے انہی دنوں ایک رومی تاجر کا مال بردار جہاز طوفان کے باعث شعیبہ (حجاز کی قدیم بندرگاہ تھی بعد میں سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے جدہ

Marfat.com

کی بندرگاہ قائم فرمائی تھی) کے ساحل سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا تھا۔ یہ جہاز قیصر روم کا تھا۔ اس میں لوہا' عمارتی لکڑی اور سنگ مرمر لدا ہوا تھا جسے باقوم نامی تاجر ایک گرجے کی تعمیر کے لئے لے جا رہا تھا۔

قریش نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور ولید بن مغیرہ کو ایک وفد کے ساتھ لکڑی خریدنے جدہ بھیج دیا۔ (فتح الباری جلد ۳ ص ۳۴۵' اعلام الاعلام ص ۵۰)

باقوم کون تھا؟ اس کے متعلق مختلف روایات پائی جاتی ہیں۔ مثلاً یہ تاجر تھا' مکہ کا رہنے والا ایک غلام تھا۔ قارئین کی خدمت میں محققین علماء کرام کی آراء پیش کی جاتی ہیں۔

علامہ قطب الدین لکھتے ہیں باقوم مکہ معظمہ کا ایک قبطی معمار تھا' جس نے کعبہ شریف کی چھت بنانے کے لئے اپنی خدمات پیش کی تھیں۔ (اعلام الاعلام ص ۵۰)

ابن عیینہ کی روایت کے مطابق باقوم رومی تاجر کا جہاز تباہ ہوا تھا۔ جس کی لکڑی قریش نے کعبہ شریف کی چھت کے لئے خریدی تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ باقوم سعید بن العاص کا مولی تھا جس نے کعبہ شریف تعمیر کیا تھا۔

علامہ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کے رجال کو ثقہ بیان کرتے ہیں۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ تاجر اور معمار دونوں کا نام باقوم ہو۔ ایک نے دیوار بنائی ہو اور دوسرے نے چھت۔ ایک روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب باقوم رومی تاجر کا جہاز تباہ ہو گیا تو اس نے قریش کو لکڑی اور دوسرا سامان خریدنے کی پیش کش کی تھی۔ (زرقانی جلد ۱ ص ۲۰۳' اصابہ جلد ۱ ص ۱۳۱)

علامہ طاہر کردی دامت برکاتہم لکھتے ہیں کہ یہ نام "باقوم" اور "باخوم" دو طرح استعمال ہوتا ہے۔ میں نے (طاہر کردی نے) ۱۷ اکتوبر ۱۹۵۷ء کو علامہ طٰہٰ حسین مصری کی خدمت میں خط لکھ کر دریافت کیا کہ ان دونوں الفاظ میں سے صحیح کونسا ہے۔ جس پر مورخ علام نے لکھا کہ رومانی اور یونانی زبان میں یہ لفظ "باکوموس" استعمال ہوتا ہے۔ مگر عرب مورخین نے "کاف" کی بجائے "قاف" سے لکھا ہے۔

Marfat.com

جب کہ مصری اور مسیحی لوگ اس کے "کاف" کو "خاء" سے بدل کر "باخوم" پڑھتے ہیں۔ یہ لفظ حقیقت میں قبطی زبان کا ہے۔

علامہ طاہر حرید لکھتے ہیں کہ زمانہ قدیم کا یہ ایک رومی معمار تھا جو عدن کے ساحل پر کام کرتا تھا۔ مذکورہ جہاز میں وہ بھی سوار تھا۔ یہ اپنے فن میں اس قدر ماہر تھا کہ چہار دانگ عالم میں اس کا نام روشن تھا۔ جب جہاز کو حادثہ پیش آیا اور قریش لکڑی اور دوسرا سامان خرید نے شعیبیہ گئے تو باقوم کو بھی اپنے ساتھ مکہ معظمہ آنے کی دعوت دی اور کعبہ شریف تعمیر کرنے کی پیش کش بھی کی۔

چنانچہ وہ ان کی درخواست پر مکہ معظمہ آیا اور کعبہ شریف کی تعمیر میں اپنے فن کا مظاہرہ دکھایا جب دیواریں چھت تک بلند ہو گئیں تو اس نے دریافت کیا کہ چھت قبہ نما بنائی جائے یا ہموار؟ قریش نے کہا کہ اللہ پاک کے گھر کی چھت ہموار بنایئے۔ (تاریخ القویم جلد ۳ ص ۱۳۶)

قریش نے پہلے سے ہی پتھروں کی تراش خراش کر کے ذخیرہ کر رکھا تھا۔ اب ان کے دل مسرور اور طبیعتیں ہشاش بشاش تھیں کہ ان کا پروگرام اللہ رب العزت کے عین مطابق ہے۔ لکڑی مضبوط اور عمدہ قسم کی دستیاب ہو گئی' پتھر بھی موجود تھے' اور سانپ کی آفت سے بھی نجات مل گئی۔ اس لئے وہ اب بیت اللہ کی قدیم اور بوسیدہ عمارت مسمار کر کے اسے جدت اور مضبوطی کے ساتھ تعمیر کرنے کے لئے پوری طرح مستعد تھے۔

جب تعمیری اخراجات کے لئے فنڈ جمع کرنے لگے تو ابو وہب نے جو رسول اللہ ﷺ کے والد کا ماموں تھا' قریش سے کہا کہ اس مقدس تعمیر میں ہر شخص اپنی حلال طیب کمائی میں سے خرچ کرے۔ اس میں حرام مال' زنا کاری' سودی بیوپار اور ظلم وستم سے حاصل کردہ رقم ہرگز خرچ نہ کی جائے۔ ایک روایت میں یہ قول ولید بن مغیرہ کی طرف بھی منسوب ہے۔

جب تمام انتظامات مکمل ہو گئے تو بیت اللہ شریف منہدم اور تعمیر کرنے کے

Marfat.com

لئے مختلف قبائل کے درمیان حصے بانٹ دیئے گئے۔ تاکہ حسد' عداوت یا مسابقت کے امکانات باقی نہ رہیں۔ اور تمام قبائل برابری کے درجہ میں پوری لگن اور تندہی سے اس عظیم الشان کام سے عہدہ برآ ہو سکیں۔ (فتح الباری جلد ۳ ص ۳۲۵ اعلام الاعلام ص ۵۰)
حصص کی تقسیم اس طرح کی گئی تھی:

حجر اسود سے رکن عراقی تک دروازہ کا حصہ	بنو عبد مناف اور بنو زہرہ بنائیں۔
حجر اسود اور رکن یمانی کا درمیانی حصہ	بنو مخزوم اور بنو تیم تعمیر کریں اور قریش کے دیگر قبائل بھی ان کا ساتھ دیں۔
رکن یمانی اور رکن عراقی کا درمیانی حصہ	بنو جمح اور بنو سہم کو ملا۔
حطیم کی جانب والی دیوار	بنو عبدالدار بن قصی' بن اسد بن عبدالعزیٰ اور بنو عدی بن کعب کے حصہ میں آئی۔

کسی آدمی کو بھی بیت اللہ شریف کی دیواریں گرانے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ سب کے ہاتھ لرزاں اور دل خائف تھے۔ بالآخر ولید بن مغیرہ نے جرأت کی اور کدال لے کر دیوار پر چڑھ کر کہنے لگا

''اے رب کعبہ تو دانا و بینا ہے ہمارا ارادہ قطعاً برا نہیں' ہم تیرے مقدس گھر کو ویران کرنے کی ناپاک جسارت ہرگز نہیں کر رہے' بلکہ اس کی آبادکاری تحفظ اور استحکام چاہتے ہیں''۔

یہ کہہ کر اس نے رکن یمانی کا درمیانی حصہ گرانا شروع کر دیا۔ مگر قریش کے دل ابھی تک خوف زدہ تھے۔ وہ کہنے لگے' رات بھر انتظار کرنا چاہئے' اگر اس کام سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو کر ولید بن مغیرہ پر کوئی آفت نازل کرتا ہے تو ہم ان اکھڑے ہوئے پتھروں کو پھر وہیں نصب کر دیں گے' اور اپنے عزم سے باز آ جائیں گے۔ اور اگر رات خیر و عافیت سے گزر جائے اور کوئی ناخوشگوار واقع رونما نہ ہو تو پھر یہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ یہ کام اللہ جل شانہ کی مرضی و منشا کے عین مطابق ہے' پھر ہم

Marfat.com

سب مل کر اپنے اپنے کام میں مشغول ہو جائیں۔

چنانچہ جب رات امن و امان سے گزر گئی تو صبح کے وقت تمام قبائل نے جمع ہو کر قدیم دیواروں کو مسمار کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بنیادیں ظاہر ہو گئیں۔ انہیں بھی اکھیڑنے کی کوشش تو کی گئی مگر ایک زبردست زلزلہ بپا ہو گیا' جس سے خوف زدہ ہو کر ان بنیادوں کو جوں کا توں رہنے دیا گیا' اور انہیں یقین ہو گیا کہ ان بنیادوں کو اکھیڑنا مشیت ایزدی کے خلاف ہے۔ بہر حال ہر ایک قبیلہ اپنے اپنے حصہ کی تعمیر میں منہمک ہو گیا۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ص ۱۸۰، فتح الباری جلد ۳ ص ۳۴۶)

اس متبرک تعمیر میں امام الانبیاء حبیب کبریا ﷺ بھی بنفس نفیس شریک دوسرے حضرات کے ساتھ پتھر اٹھانے میں برابر حصہ لے رہے تھے۔ پتھر اٹھانے سے آپ کا کندھا مبارک بھی متاثر ہو گیا' جس کی وجہ سے آپ کے چچا عباس نے آپ سے عرض کی کہ جس طرح دوسرے لوگوں نے اپنی ازار بند کی چادریں کندھوں پر رکھ لی ہیں تا کہ پتھر اٹھانے میں سہولت ہو اسی طرح آپ بھی چادر کندھے پر رکھ لیں (ان لوگوں کے نزدیک ستر پوشی کوئی زیادہ ضروری نہیں تھی) لیکن آپ کی چادر کھلنے کی دیر تھی کہ آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے اور سکتہ طاری ہو گیا' آنکھیں پتھرا گئیں۔ عباس نے فوراً آپ کی ستر پوشی کی' اور آپ ہوش میں آ گئے۔ آپ ﷺ کی زبان سے بے اختیار ازاری، ازاری کی آواز آ رہی تھی۔ (بخاری شریف جلد ۱ ص ۲۱۵)

تنصیب حجر اسود

تمام قبائل تعمیر کے مقدس کام میں پوری طرح یک جہتی سے مصروف اور بحسن و خوبی تیز رفتاری سے کام انجام دے رہے تھے۔ لیکن جب حجر اسود کے نصب کرنے کا وقت آیا تو قریش شدید اختلاف کا شکار ہو گئے۔ ہر ایک قبیلہ خواہشمند تھا کہ یہ خدمت اُس کے ہاتھوں انجام پائے' یہ شرف اور اعزاز اُسے نصیب ہو۔ یہ

Marfat.com

نزاع اس قدر بڑھا کہ جنگ کی شکل اختیار کر گیا۔نوبت یہاں تک پہنچی کہ تلواریں سونت لی گئیں اور ہر قبیلہ کٹ مرنے پر تیار ہو گیا۔

عرب میں دستور تھا کہ جب کوئی شخص جاں دینے کی قسم کھاتا تو کسی برتن میں خون بھر کر اس میں انگلیاں ڈبو لیتا تھا۔اس موقع پر بھی بنی عبدالدار اور بنی عدی نے لگن میں خون بھر کر اس میں ہاتھ ڈبو کر حلف اٹھایا کہ ہم سب جان تو دے سکتے ہیں مگر حجر اسود کسی دوسرے کو نصب نہیں کرنے دیں گے۔چار پانچ دن اسی کش مکش میں گزر گئے' اور کوئی تصفیہ نہ ہوا۔آخر حالات کی سنگینی اور موقع کی نزاکت کے پیش نظر اس گتھی کو سلجھانے کے لئے قریش حرم شریف میں جمع ہوئے۔ ابوامیہ بن مغیرہ نے جو قریش میں سب سے زیادہ عمر رسیدہ اور تجربہ کار تھا' تجویز پیش کی کہ کل صبح حرم شریف میں جو آدمی بھی سب سے پہلے داخل ہوا اسے حکم بنا لیا جائے' وہ جو بھی فیصلہ کرے تمام قبائل اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں' اس تجویز کو اتفاق رائے سے پذیرائی بخشی گئی۔

چنانچہ اگلے روز علی الصبح معززین قریش موقع پر پہنچے' لیکن قدرت خداوندی کا کرشمہ دیکھئے کہ صبح لوگوں کی نظریں جس ہستی پر پڑیں وہ جمال جہاں آرا چہرۂ محمدی ﷺ تھا

هٰذَا الْاَمِیْنُ رَضِیْنَاهُ

کے فلک شگاف نعروں سے فضا گونج اٹھی۔لوگوں کے چہرے مسرت وانبساط سے پھول کی طرح کھل گئے۔لیکن آپ کی شان رحمت للعالمین یہ کب گوارا کر سکتی کہ وہ اس شرف سے تنہا بہرہ اندوز ہوں۔آپ نے بے مثال دانشوری اور حسن تدبر سے ایسا طرز عمل اختیار فرمایا جس سے تمام قبائل کی دلی آرزو بھی پوری ہو گئی اور قتل و قتال اور خون ریزی کا عذاب بھی ٹل گیا۔آپ نے تمام قبائل سے ایک ایک نمائندہ لے لیا اور چادر بچھا کر اپنے دست اطہر سے حجر اسود اس میں رکھا اور ارشاد فرمایا کہ تمام سردار چادر کے کونے تھام لیں اور اوپر اٹھائیں۔ جب اس کے نصب کرنے

Marfat.com

والی جگہ تک دایا گیا تو آپ نے اپنے دست حق پرست سے اس کی جگہ اسے نصب فرما دیا۔ اس طرح اس فاضلانہ اور دانشمندانہ ترکیب سے ایک خون ریز جنگ کا انسداد بھی ہو گیا اور آپ کی عظمت و جلالت کا سکہ بھی قریش کے دلوں میں بیٹھ گیا اور وہ لوگ آپ کو "الامین" کے مبارک لقب سے پکارنے لگے۔ (فتح الباری جلد ۳ ص ۳۴۵)

قریش نے ایک طرف تو تعمیر بیت اللہ کا سنہری کارنامہ انجام دیا اور دوسری طرف بعض نے ناپسندیدہ اور قابل صد نفرین کام بھی کئے۔ جن سے عمارت ابراہیمی کی ہیئت میں تبدیلی ہو گئی۔ اگرچہ انہوں نے کسی مجبوری کے تحت حطیم کا حصہ کعبہ شریف سے جدا کیا تھا مگر آج تک عمارت ابراہیمی اپنی اصلی حالت سے محروم ہے۔

قریش نے تعمیری فنڈ کے لئے حلال مال کی جو کڑی شرط عائد کی تھی' جمع شدہ فنڈ تعمیری ضروریات کے لئے ناکافی ثابت ہوا۔ اس فنڈ سے کعبہ شریف کی عمارت کا مکمل ہونا ممکن نہیں تھا۔ اس لئے کچھ حصہ چھوڑ کر دیواریں کھڑی کرنے کا فیصلہ ہوا۔ ان کا خیال تھا کہ جب بھی حلال طیب مال جمع ہو جائے گا تو اس باقی ماندہ جگہ کو بھی شامل کر لیں گے' مگر وہ ایسا نہ کر سکے۔ اور جو جگہ چھوڑی تھی اس کے گرد چھوٹی سی دیوار بنا دی۔ اس حصہ کا نام حطیم یا حجر اسماعیل ہے۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ا ص ۱۸۰' اخبار مکہ بناء قریش)

قریش نے ایک انتہائی قبیح جدت یہ بھی کی کہ کعبہ شریف کے اندر دیواروں پر چھت کے اندر اور ستونوں پر انبیاء علیہم السلام' ملائکہ عظام کی تصویریں اور بیل بوٹے بنائے۔ ابراہیم علیہ السلام کا بت بنا کر اس کے ہاتھ میں تیر دیئے۔ علاوہ ازیں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور سیدہ مریم صدیقہ کے بت بھی بنائے۔ جن سے کعبہ شریف کی تطہیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمائی تھی۔

قریش نے تعمیر کے وقت کعبہ شریف میں معلق زیورات' قیمتی سامان' اسماعیل علیہ السلام کے دنبہ کے سینگ' جو مغربی دیوار میں آویزاں تھے جن پر لوگ خوشبو لگایا کرتے تھے' اور کعبہ شریف کا خزانہ یہ تمام اشیاء ابی طلحہ بن عبدالعزیٰ بن عثمان

Marfat.com

بن عبدالدار بن قصی کے گھر میں محفوظ کر دی تھیں۔ ہبل کا بت جو خزانہ کعبہ کے کنوئیں پر نصب تھا اسے نکال کر مقام ابراہیم کے قریب نصب کیا۔ تعمیر سے فارغ ہو کر یہ تمام چیزیں اپنی اپنی جگہ لوٹا دی گئیں۔

(اخبار مکہ ص ۱۰۹، اعلام الاعلام ص ۵۲، البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۵۵)

تعمیر قریش کی خاص باتیں

- تعمیر ابراہیمی میں دروازہ زمین کے برابر تھا۔ قریش نے قد آدم اونچا کر دیا، تا کہ ان کی مرضی و منشاء اور اجازت کے بغیر کوئی آدمی کعبہ شریف میں داخل نہ ہو سکے۔
- تعمیر ابراہیمی میں چھت نہیں تھی، قریش نے مضبوط اور عمدہ لکڑی کی چھت بنوائی۔
- تعمیر ابراہیمی میں دیواریں ۹ ذراع (۱۳ فٹ ۶ انچ یعنی ۴ میٹر ۱۱ سینٹی میٹر) اونچی تھیں۔ مگر قریش نے ۹ ذراع کا مزید اضافہ کر دیا۔ جس سے کل بلندی ۱۸ ذراع (۲۷ فٹ یعنی ۹ میٹر ۲۸ سینٹی میٹر) ہوگئی تھی۔
- تعمیر ابراہیمی میں کعبہ شریف مستطیل مکان کی شکل میں تھا۔ جب کہ قریش نے حطیم کا حصہ ۶ ذراع اور ایک بالشت چھوڑ کر تقریباً مربع شکل بنا دیا۔
- تعمیر ابراہیمی چاروں کونوں میں رکن تھے جن کا استلام کیا جاتا تھا۔ لیکن قریش نے دو رکن کم کر دیے جس کے باعث صرف رکن حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام باقی رہ گیا۔
- اس سے پہلے کعبہ شریف کا پرنالہ نہیں تھا۔ قریش نے چھت کے ساتھ یہ نالہ بھی بنایا، جس کا پانی حطیم میں گرنے لگا۔
- کعبہ شریف کا مضبوط دروازہ بنوایا اور چابی تالہ کا انتظام بھی کیا۔
- قریش نے سب سے پہلے تراشیدہ اور بنائے ہوئے پتھروں سے کعبہ شریف

Marfat.com

کی تعمیر کی۔

- قریش نے چھت کے سہارے کے لئے کعبہ شریف کے اندر تین تین ستونوں کی دو قطاروں میں چھ ستون بنائے' جب کہ اس سے پہلے نہ چھت تھی اور نہ ستون۔
- انہوں نے چھت پر چڑھنے کے لئے کعبہ شریف کے اندر رکن عراقی کی جانب لکڑی کا زینہ بھی بنایا۔
- قریش کی تعمیر میں دیواروں کی چنائی پتھروں اور لکڑی کی مشترکہ زدوں سے ہوئی۔ ایک زدہ پتھر کا اور ایک لکڑی کا بنایا گیا۔ زدوں کی مجموعی تعداد ۳۱ تھی جس میں سولہ پتھر کے اور ۱۵ لکڑی کے تھے۔

(اخبار مکہ ص ۱۰۹، اعلام الاعلام ص ۵۲، البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۱۵۵)

قریش کی تعمیر کعبہ پر حضور ﷺ کا اظہار ناپسندیدگی

قریش کی تعمیر کے وقت اگرچہ حضور نبی کریم ﷺ فہم و فراست میں خاصی شہرت کے مالک تھے۔ مگر قریش نے تعمیری منصوبہ اپنے سرداروں کی کابینہ میں پاس کیا تھا۔ جس سے روگردانی اور انحراف ناممکنات میں سے تھا۔ نہ تو انہیں کسی کی تنقید گوارا تھی اور نہ ہی ان کے تیار کردہ پروگرام میں کوئی تبدیلی کی جرأت کر سکتا تھا۔ قریش نے تعمیری خدوخال اپنی صوابدید کے مطابق وضع کئے۔ نہ تو انہیں آثار ابراہیمی کی بقا مقصود تھی اور نہ ہی اس معاملہ میں مشیت ایزدی کے طلب گار تھے۔ حالات کی نزاکت اور سنگینی کے پیش نظر امام الانبیاء حبیب کبریا ﷺ نے سکوت ہی میں بہتری سمجھی۔ لیکن اس واقعہ کے پانچ برس بعد جب آپ خلعت نبوت سے نوازے گئے تو آپ ﷺ کے حساس دل میں ابراہیمی بنیادوں میں تبدیلی اور قریش کی من چاہتی جدت کانٹے کی طرح کھٹکنے لگی۔ آپ اس کرب و اضطراب کا اظہار گاہے گاہے اپنی زوجہ محترم سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کرتے تھے۔

Marfat.com

ایک مرتبہ حبیبہ محبوب خدا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے استفسار کیا

''بیت اللہ کا دروازہ اس قدر بلند کس مصلحت کے پیش نظر رکھا گیا؟ اور یہ کمان کی مانند خم دار دیوار (حطیم) اس کی حقیقت کیا ہے؟''

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

''عائشہ (رضی اللہ عنہا)! تیری قوم نے اتنا بلند دروازہ اس غرض سے رکھا کہ کعبہ شریف میں داخلہ ان کی چاہت کا مرہون منت رہے وہ جسے چاہیں کعبہ شریف میں داخل ہونے کا اجازت نامہ جاری کریں اور جس سے نہ بنتی ہو اسے اس سعادت سے محروم رکھیں۔

علاوہ ازیں حطیم کی ہلال نما دیوار یہ حصہ بھی کعبہ شریف میں شامل تھا۔ مگر تیری قوم نے جب اسے تعمیر کیا تو حلال مال سے جمع شدہ سرمایہ جواب دے گیا۔ اور وہ اس حصہ کو کعبہ شریف کی چاردیواری میں شامل کر کے مسقف نہ بنا سکے اور یونہی اس کی حدبندی کر دی۔

عائشہ (رضی اللہ عنہا)' اگر تیری قوم کا زمانہ جاہلیت قریب نہ ہوتا اور مجھے ان کے انکار اور باہمی تصادم کا خوف بھی نہ ہوتا (ابھی نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں) تو میں اس حصہ کو ضرور بیت اللہ میں داخل کر دیتا' اس کا دروازہ زمین کے برابر بنا دیتا' بلکہ اس کے دروازے' ایک مشرق اور ایک مغرب میں بنا دیتا۔ جس سے ہر آدمی بیت اللہ شریف میں داخل ہونے کی سعادت سے بسہولت شرف یاب ہو سکتا''۔ (بخاری شریف جلد اص ۲۱۵' مسلم شریف جلد اص ۴۲۹)

ایک دفعہ حضور ﷺ نے اپنی رفیقہ غمگسار کو مخاطب ہو کر فرمایا

''عائشہ (رضی اللہ عنہا)! کیا تو دیکھتی نہیں کہ جب تیری قوم نے بیت اللہ شریف تعمیر کیا تو اسے قواعد ابراہیمی (علیہ السلام) سے گھٹا دیا''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عرض پرداز ہوئیں۔

''اے اللہ کے حبیب ﷺ! آپ اسے بڑھا کر اصل بنا کے مطابق کر دیں''۔

Marfat.com

لیکن حضور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ نے ارشاد فرمایا

''اگر تیری قوم کا ایمان تازہ اور کفر قریب نہ ہوتا تو میں ایسا کر گزرتا''۔ (مسلم شریف جلد ۱ ص ۴۲۹)

ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے اس قلق کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا

''عائشہ (رضی اللہ عنہا)! اگر تیری قوم کا زمانہ جاہلیت قریب نہ ہوتا' تو میں کعبہ شریف کے خزانہ کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا اور دروازہ زمین کی سطح کے برابر کر دیتا۔ بلکہ اس کے دو دروازے بناتا۔ ایک اندر جانے کا اور دوسرا باہر آنے کا' اور حطیم کا چھ ذراع (تقریباً نو فٹ) کا ٹکڑا بیت اللہ شریف میں داخل کر دیتا''۔ (مسلم شریف جلد ۱ ص ۴۲۹)

لیکن نامساعد حالات' مذہبی' ملکی' سیاسی اور اقتصادی امور کی طرف توجہ آپ کی اس خواہش کی تکمیل میں حائل رہی اور ابراہیمی بنیادوں کی تبدیلی کا درد دل میں لئے بیت اللہ کو اپنی ہیئت پر چھوڑ کر دنیا سے تشریف لے گئے۔

بعد میں سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے آپ کی اس خواہش کو پورا کر دیا تھا۔ جس کی تفصیلات آمدہ صفحات میں قارئین پڑھیں گے۔

Marfat.com

تعمیر قریش کا خاکہ

تعمیر سیدنا ابن زبیر کا خاکہ

Marfat.com

تعمیر نهم:

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی تعمیر

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے والد مکرم کا اسم گرامی زبیر تھا' باپ بیٹا دونوں صحابی ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ جن کا لقب ذات النطاقین تھا۔ اور خالہ حبیبہ حبیب خدا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ آپ کی ولادت ہجرت کے دس ماہ بعد مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ ہجرت کے بعد مسلمان مہاجرین میں سب سے پہلے انہی کی ولادت ہوئی جس سے تمام مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ کیونکہ اتنے عرصہ میں کسی بھی مہاجر مسلمان کے گھر اولاد نہ ہونے کی وجہ سے یہ چرچا ہونے لگا تھا کہ یہودیوں نے جادو کر دیا ہے۔

چنانچہ آپ کی ولادت کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ آپ کو لے کر حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور اقدس ﷺ نے کھجور چبا کر ان کے منہ میں ڈالی (یعنی گھٹی دی) اور عبداللہ نام تجویز فرمایا۔

حضرت عبداللہ بے حد نیک' متقی' رحم دل اور شجاعت کے مالک تھے۔ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ بڑی لمبی نماز پڑھتے اور اکثر روزہ رکھتے تھے۔ آپ نے نماز کے لئے اپنی راتوں کو چار حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک رات نماز میں ساری رات قیام میں گزار دیتے' ایک رات اتنا لمبا رکوع ہوتا کہ اسی حالت میں صبح ہو جاتی۔ اور ایک رات سجدہ اس قدر طویل ہوتا کہ صبح تک سجدہ سے سر نہیں اٹھاتے تھے۔ آپ نے حضور نبی کریم ﷺ سے تینتیس احادیث روایت کی ہیں۔

Marfat.com

تعمیر بیت اللہ کی وجوہات

قریش کی تعمیر بیت اللہ کے بعد ابھی ایک صدی بھی نہیں گزرنے پائی تھی کہ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے لئے تعمیر کی خدمت انجام دینا ناگزیر ہو گیا۔ وہ کون سے اسباب وعلل تھے جن کے باعث آپ نے اس کام کا بیڑا اٹھایا؟ احادیث' تاریخ اور سیر کی کتابوں میں ان کی تفصیلات حسب ذیل بیان کی گئی ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے کانوں میں تعمیر کعبہ کے متعلق سرور کونین ﷺ کے فرامین کی صدا گونج رہی تھی۔ اور آپ کے ایمانی جذبات اپنے آقا کی چاہت کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے انگڑائیاں لے رہے تھے۔ مگر ابھی اس ساعت نیک اختر کا انتظار تھا جو حالات اور اسباب کو اس کے حق میں سازگار اور ممد ومعاون بنا دے۔

چنانچہ خاتم المحدثین امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں' حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں

"عائشہ! اگر تیری قوم کا زمانہ جاہلیت قریب نہ ہوتا' تو میں بیت اللہ شریف کو منہدم کر دینے کا حکم دیتا۔ اور جن چیزوں کو قریش نے کعبہ سے نکال دیا ہے انہیں دوبارہ اس میں شامل کر دیتا (یعنی حطیم اور بنیادوں کا آدھا حصہ) اور دروازہ کو زمین کے برابر کر دیتا۔ اور اس کے دروازے بناتا ایک مشرق کی طرف دوسرا مغرب کی جانب' اس طرح میں ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں کے مطابق تعمیر کرتا"۔ (بخاری شریف جلد ا ص ۲۱۵)

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا "عائشہ! اگر تیری قوم کے عہد شرکیہ

Marfat.com

قریب نہ ہوتا تو میں ضرور کعبہ شریف کو منہدم کر کے دروازہ کو زمین کے برابر کر دیتا۔ مشرق اور مغرب میں دو دروازے بنا دیتا۔ اور حطیم کی جانب سے چھ ہاتھ جگہ کعبہ شریف میں شامل کر دیتا۔ کیونکہ قریش نے جب بیت اللہ شریف کی تعمیر کی تو یہ چھ ہاتھ جگہ چھوڑ دی تھی"۔ (مسلم شریف جلد ا ص ۴۳۰)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

"اگر تیری قوم کا زمانہ کفر قریب نہ ہوتا تو میں بیت اللہ کو گرا کر ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں کے مطابق اسے تعمیر کرتا۔ کیونکہ قریش نے اس کی بنیادوں میں کمی کر دی ہے۔ اور میں اس کی پشت کی دیوار میں بھی ایک دروازہ بناتا"۔ (بخاری شریف جلد ا ص ۲۱۵، مسلم شریف جلد ا ص ۴۲۹)

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کے فرامین اور چاہت کے مطابق کعبہ شریف کو تعمیر کرنے کا عزم رکھتے تھے مگر ہنوز اس سلسلہ میں کوئی اقدام نہیں کر پائے تھے کہ ایک ایسا دل دوز واقعہ پیش آیا جس کے بعد تعمیر کرنا ناگزیر ہو گیا۔ محدثین اور مورخین نے اس کی تفصیلات اس طرح بیان کی ہیں۔

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں: "یزید نے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے لوگوں سے اپنی بیعت لینے اور بیعت سے انکار کرنے والوں سے جنگ کرنے کے لئے جس لشکر کو بھیجا تھا اس کا سپہ سالار مسلم بن عقبہ تھا۔ جس نے مدینہ طیبہ کو زیر نگیں کرنے کے بعد مکہ مکرمہ کا رخ کیا۔ لیکن راستہ میں "ابوا" کے مقام پر اسے موت نے آ لیا۔ جب اس نے زندگی کا چراغ گل ہوتے دیکھا تو حصین بن نمیر کو اپنی فوج میں قائم مقام بنا دیا۔

حصین بن نمیر ۲۶ محرم ۶۴ھ کو مکہ مکرمہ کے قریب پہنچا، جہاں اہل مکہ اور حجاز کے لوگوں کو جو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے یزید کی بیعت کرنے کی دعوت دی، لیکن جب ان کی طرف سے انکار ہوا تو فریقین کے مابین جنگ چھڑ گئی۔ دن بھر جنگ کرنے کے بعد رات کے وقت شامی فوجوں نے جبل

Marfat.com

ابی قبیس اور جبل قعیقعان پر منجنیقیں نصب کر لیں۔ اور شب و روز خانہ کعبہ پر سنگ باری شروع کر دی۔ محرم کے بقیہ دن اور صفر کا پورا مہینہ حتیٰ کہ تین ربیع الاوّل تک یہ حالت قائم رہی۔ شامیوں نے کعبہ پر آگ برسائی جس سے چھت اور پردے جل گئے۔ اس دوران کوئی آدمی طواف نہیں کر سکا"۔ (تاریخ ابن خلدون جلد ۲ عنوان مکہ کا محاصرہ)

محاصرہ کے باعث حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے کعبہ شریف کے گرداگرد خیمے لگا لئے تاکہ حرم شریف کے باعث شامی فوج کے حملہ سے پناہ مل جائے۔ لیکن ان کی توقعات کے خلاف شامی فوج نے انہیں نشانہ بنانے کے ساتھ ساتھ کعبہ شریف کو بھی نشانہ بنا لیا۔

محدثین عظام اور مورخین اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ یزید کی فوج نے کعبہ شریف پر سنگ باری کی تھی جس کے باعث کعبہ شریف کو شدید نقصان پہنچا۔ اگرچہ ان کا مقصود بالذات کعبہ شریف نہیں بلکہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی فوج کو نشانہ بنانا تھا۔ البتہ مورخین اس بات میں مختلف الآراء ہیں کہ کعبہ شریف کو آگ لگانے کی ذمہ داری کس فریق پر عائد ہوتی ہے۔ اکثر محدثین اور مورخین اس کا ذمہ دار شامی فوج کو ٹھہراتے ہیں جب کہ بعض روایات سے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے اصحاب پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

امام مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری رحمۃ اللہ علیہ حضرت عطاء سے روایت کرتے ہیں' یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب اہل شام نے مکہ معظمہ پر حملہ کیا اور بیت اللہ شریف جل گیا تو انہوں نے جو کچھ کرنا تھا سو کیا۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بیت اللہ کو اسی حال پر چھوڑ دیا' تاکہ جب لوگ موسم حج میں آئیں گے تو اہل شام کو لعن طعن کریں گے۔ چنانچہ جب لوگ حج کو آئے تو ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان سے مشورہ طلب کیا کہ تمام دیواریں منہدم کر کے نئے سرے سے تعمیر کی جائیں یا صرف اصلاح اور مرمت کر دی جائے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے رائے پیش کی کہ صرف مرمت ہی سے کام چلایا جائے۔ شکستہ

Marfat.com

دیواروں کو بنایا جائے اور جو کھڑی ہیں انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے۔

مگر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اس سے اختلاف کرتے ہوئے کہنے لگے کہ اگر (خدا نہ کرے) تم میں سے کسی کا مکان نذر آتش ہو جائے تو کیا وہ مرمت و پیوند کاری ہی پر اکتفا کرے گا؟ یا اسے مکمل طور پر نیا بنائے گا۔ پھر بیت اللہ کے متعلق تمہارا کیا فیصلہ ہے؟

اچھا میں تین دن تک اپنے رب سے استخارہ کروں گا' جو بھی صورت مجھ میں آئے گی اسے اختیار کروں گا۔ تین دن بعد آپ نے باقی ماندہ دیواریں توڑ کر نئی تعمیر کا فیصلہ فرمایا۔ لیکن کعبہ شریف کے گرانے کی کسی کو ہمت نہیں پڑتی تھی۔ سب کے دل خائف تھے۔ انہیں ڈر تھا کہ جو آدمی بھی اسے توڑنے کے لئے دیوار پر چڑھے گا وہ عذاب خداوندی کا شکار ہو جائے گا۔ بالآخر ایک آدمی جرأت کر کے دیوار پر چڑھ گیا اور گرانا شروع کر دیا۔ باقی لوگوں نے جب دیکھا کہ اسے کوئی گزند نہیں پہنچا تو ان کی بھی ہمت بندھ گئی اور وہ بھی اس کام میں شریک ہو گئے' اور زمین کی سطح تک دیواریں گرا دیں۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بیت اللہ کے گرد لکڑی کے چار ستون کھڑے کئے اور کپڑے کا پردہ بنا دیا۔ تا کہ کعبہ جیسی ہیئت بن جائے اور لوگ اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہیں۔

جب کام شروع ہونے لگا تو ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا' میں نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ بیان کرتے سنا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں کے کفر کا زمانہ قریب نہ ہوتا اور میرے پاس خرچ کرنے کو خزانہ بھی ہوتا جس سے نئی تعمیر کی جا سکتی تو میں حطیم میں سے پانچ ہاتھ جگہ بیت اللہ شریف میں ضرور داخل کر دیتا' اور دروازہ بنا دیتا۔ ایک داخل ہونے کے لئے اور دوسرا باہر جانے کے لئے۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے۔ اب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے خزانہ بھی موجود ہے اور لوگوں کا زمانہ کفر بھی قریب نہیں رہا۔ یہ خوف بھی زائل ہو چکا ہے۔ اب کوئی وجہ نہیں کہ رحمت دارین ﷺ کی تمنا پوری نہ کروں۔

Marfat.com

بہر حال حطیم کی جانب سے پانچ ہاتھ شامل کر کے بنیادیں کھودی جا رہی تھیں تو پہلی بنیادیں ظاہر ہو گئیں۔ جنہیں معززین شہر علماء صلحاء نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ پھر انہی پر عمارت تعمیر کی گئی۔ قریش نے کعبہ شریف کی بلندی ۱۸ ذراع تقریباً ۲۷ فٹ رکھی تھی۔ اب کی بار اس میں ۱۰ ذراع تقریباً ۱۵ فٹ کا اور اضافہ کر دیا گیا۔ کیونکہ جب حطیم کا حصہ شامل کیا گیا تو طول کی نسبت سے بلندی تھوڑی معلوم ہوتی تھی۔ اس لئے بلندی میں بھی اضافہ کر دیا گیا۔ اور دو دروازے مشرق میں اندر داخل ہونے کے لئے اور مغرب میں باہر جانے کے لئے بنائے۔ (مسلم شریف جلد ا ص ۴۳۰)

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمتہ اللہ علیہ مذکورہ بالا بخاری اور مسلم کی روایات کی توضیح اور تشریح اس طرح کرتے ہیں۔

الف۔ امام مسلمؒ نے عطا عطا بن ابی رباح رحمتہ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ جب یزید کے زمانہ میں شامی فوجوں نے مکہ پر حملہ کیا اور بیت اللہ شریف جل گیا انہوں نے جو کچھ کرنا تھا سو کیا۔

ب۔ امام فاکہیؒ تاریخ مکہ میں یزید بن رومان وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔ جب اہل شام نے کعبہ شریف کو جلا دیا اور منجنیق سے سنگ باری کی تو کعبہ شریف گر گیا۔

ج۔ امام ابن سعد نے طبقات میں ابی حارث بن زمعہ سے روایت کی ہے کہ حصین بن نمیر کو ربیع الاول ۶۴ھ کو یزید کے مرنے کی اطلاع ملی۔ شامی فوج کی سنگ باری سے بیت اللہ شریف کی دیواریں اوپر سے نیچے تک ہل گئیں اور غلاف کعبہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اڑ گیا۔

د۔ امام فاکہیؒ عثمان بن ساج سے روایت کرتے ہیں کہ جب حصین بن نمیر کی فوج نے مکہ پر چڑھائی کی تو اس اثنا میں شامی فوجیوں نے باب بنی جمح کے قریب آگ جلائی۔ جب کہ حرم شریف میں کعبہ شریف کے چاروں طرف ابن زبیر رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے ساتھیوں کے خیمے تھے۔ آگ خیموں تک پہنچ

Marfat.com

گئی۔ حتیٰ کہ کعبہ مشرفہ بھی آگ کی زد میں آ گیا۔ دونوں فریق ایک دوسرے کو آگ لگانے کا ذمہ دار ٹھہراتے لگے۔ آگ کی وجہ سے بیت اللہ کی بنیادیں اس قدر کمزور ہو گئیں کہ اگر دیوار پر پرندہ بھی بیٹھتا تو دیواریں ہل جاتی تھیں۔

- امام عبدالرزاق نے مرثد بن شرجیل سے روایت کی ہے کہ کعبہ شریف اہل شام کے جلانے کی وجہ سے بہت کمزور ہو گیا تھا۔ جسے بعد میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے گرا کر از سر نو تعمیر کیا۔ (فتح الباری جلد ۳ ص ۳۴۵)

اسی طرح علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ بھی لکھتے ہیں کہ شامی فوج جو یزید کی طرف سے مکہ معظمہ پر حملہ آور ہوئی تھی۔ اس نے کعبہ شریف بھی جلا دیا تھا۔ (عمدۃ القاری جلد ۹ ص ۲۱۷)

مکہ معظمہ کے سب سے پہلے مشہور عالم مورخ علامہ ازرقی رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ ذیل مستقل عنوان کے تحت اس موضوع پر بحث کی ہے:

مَا جَاءَ فِي حَرِيْقِ الْكَعْبَةِ، وَمَا اَصَابَهَا مِنَ الرَّمْيِ اَبِي قُبَيْسٍ بِالْمَنْجَنِيْقِ

جس میں سے چند روایات قارئین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں.

عبیداللہ بن سعد بیان کرتے ہیں کہ حصین بن نمیر کی فوج واپس جانے کے بعد میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کے ساتھ حرم شریف میں داخل ہوا جب کہ ان کے ساتھ بہت سے لوگ اور بھی تھے۔ ہم نے دیکھا کہ کعبہ شریف کے پتھر بکھرے پڑے اور جلا ہوا ہے۔ یہ روح فرسا منظر دیکھ کر عبداللہ بن عمرو بن العاص زار و قطار رو پڑے اور کہنے لگے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ خبر پہلے ہی دے چکے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد تم ان کے نواسے کو قتل کرو گے اور اللہ کے گھر کو جلا دو گے۔

آج ہم تمہاری جسارت اور بیباکی کا نظارہ کر رہے ہیں کہ تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے کو قتل کیا اور کعبہ جلا دیا۔ میں حلفیہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور کسی سخت عذاب میں مبتلا کر دے گا اور تمہیں آپس میں لڑائے گا۔

Marfat.com

عبداللہ بن جعفر الزہری نے اباعون سے دریافت کیا کہ کعبہ شریف میں آتش زنی کا واقعہ کب پیش آیا۔ انہوں نے بتایا کہ بیس ربیع الاول ۶۴ھ کی شب شامی فوج پر آسمانی بجلی گری اور اس کے بعد بیت اللہ میں آگ لگنے کا واقعہ رونما ہوا۔ ہمارے ایک آدمی مسلم بن ابی خلیفہ المذحجی کے ہاتھوں یہ حادثہ ہوا ہے۔ جو اپنے خیموں میں آگ جلا رہے تھے اور ہوا کے سبب چنگاری اڑ کر کعبہ شریف پر جا گری جس سے آگ بھڑک اٹھی۔

عبداللہ بن جعفر کہتے ہیں کہ ہم نے کہا تم ہی لوگوں نے بیت اللہ شریف پر سنگ باری کی اور اسے جلا دیا مگر جلانے کی ذمہ داری قبول نہیں کرتے۔

کعبہ شریف کو حادثہ پیش آنے کے کچھ دیر بعد عروہ بن اذینہ اپنے والد کے ساتھ حرم میں آئے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ حجر اسود جھلس ہوا اور تین جگہ سے تڑکا ہوا تھا۔ یہ دل دوز منظر دیکھ کر لوگوں سے پوچھا کہ یہ حادثہ کیسے رونما ہوا' تو انہوں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے ایک شخص کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ اس آدمی نے برچھی کی نوک سے ایک انگارہ اٹھایا جسے ہوا نے اُڑا کر کعبہ شریف کے پردے پر گرا دیا' جس سے آگ بھڑک اٹھی اور رکن یمانی سے حجر اسود تک جل کر خاک ہو گیا۔ (امام طبری نے بھی یہ روایت نقل کی ہے)۔

رباح بن مسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے شامی فوجوں کی سنگ باری کا دلسوز منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ان کا بیان ہے کہ جبل ابی قبیس سے منجنیقوں کے ذریعہ اتنی زبردست سنگ باری کی گئی کہ پتھر موسلا دھار بارش کی طرح کعبہ شریف پر گر رہے تھے۔ غلاف کعبہ کی دھجیاں بکھر گئیں اور عورتوں کے دوپٹوں کی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ہوا میں اُڑ رہا تھا۔ سنگ باری پورے زوروں پر تھی کہ رب ذوالجلال والمنتقم نے عصر کے وقت ان پر آسمانی بجلی گرا دی۔ جس سے منجنیق جل کر راکھ ہو گئی' اور اٹھارہ آدمی لقمۂ اجل بن گئے۔

ابن مرتفع سے روایت ہے کہ جس وقت کعبہ شریف پر سنگ باری ہو رہی تھی

Marfat.com

تو ہم حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حطیم میں تھے۔ ہمیں کعبہ شریف سے ایک خوفناک آواز آ رہی تھی جس طرح مریض درد کی شدت سے آہ و زاری کرتا ہے۔

عثمان بن ساج کہتے ہیں کہ ہمیں ایک بوڑھی عورت نے بتایا کہ کعبہ شریف کے چاروں طرف خیمے نصب تھے۔ ایک خیمہ میں آگ جلائی جا رہی تھی جس سے خیمہ کو آگ لگ گئی اور اس کے شعلے غلاف کعبہ تک پہنچ گئے' جس سے بیت اللہ شریف جل گیا۔

امام موصوف لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے خیمے کعبہ شریف کے چاروں طرف لگے ہوئے تھے جن پر حصین بن نمیر نے جبل ابی قبیس اور جبل قعیقعان سے اس قدر سنگ باری کی کہ سورج کی دھوپ میں پتھروں سے سایہ ہو گیا۔ اس اثنا میں کعبہ شریف کا غلاف تار تار ہو کر بکھر گیا۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ایک آدمی نے رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان خیمہ کے اندر آگ جلائی چونکہ اس زمانہ میں حرم بہت تنگ تھا اور ہوا شدید چل رہی تھی جس سے خیمہ کو آگ لگ گئی اور اسی سے غلاف کعبہ نے آگ پکڑ لی اور سارا کعبہ جل کر خاکستر ہو گیا۔ (اخبار مکہ ص ۱۲۷ تا ۱۳۹)

امام فاکہیؒ لکھتے ہیں کہ حصین بن نمیر نے اپنا ایک آدمی ابن زبیرؓ کے خیمے جلانے پر مامور کیا تھا۔ جس نے رات کے اندھیرے میں ایک شمع روشن کر کے خیمہ کے قریب رکھ دی۔ اس رات تند و تیز ہوا چل رہی تھی جس کی وجہ سے خیمہ کو آگ لگ گئی اور اسی سے غلاف کعبہ نے بھی آگ پکڑ لی۔ جس سے غلاف جل گیا۔ دیواریں شدید متاثر ہوئیں اور دنبے کے سینگ بھی جل گئے۔ (اخبار ام القریٰ ص ۹)

امام طبریؒ لکھتے ہیں کہ ۳ ربیع الاول ۶۴ھ بروز سوموار شامی فوج نے منجنیق سے کعبہ شریف پر پتھر برسائے اور آگ لگا دی۔ (طبری جلد ۴ واقعات ۶۴ھ)

علامہ طاہر کردی نے تاریخ القویم جلد ۳ میں بڑی شرح و بسط سے حوالہ جات سپرد قلم کئے ہیں۔ مگر ہم طوالت کے خوف کی وجہ سے مذکورہ بالا حوالہ جات پر

Marfat.com

ہی اکتفا کرتے ہیں۔

بہرحال جب کعبہ شریف نذرِ آتش ہوا اور منہدم ہو جانے کی جانکاہ حادثہ رونما ہوا تو حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے تین دن تک استخارہ کرنے کے بعد پوری عمارت از سرِ نو تعمیر کرنے کا فیصلہ فرمایا۔

آپ کا خیال تھا کہ گارے میں واس جو ایک خاص قسم کی گھاس ہے ملایا جائے۔ مگر انہیں بتایا گیا کہ اس کی ملاوٹ سے مٹی کی گرفت مضبوط نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کی بجائے چونا استعمال کرنا چاہئے۔ آپ نے دریافت کیا کہ چونا کہاں سے ملے گا۔ لوگوں نے بتایا یمن کے شہر صنعا میں عمدہ چونا پایا جاتا ہے۔ چنانچہ چار سو (۴۰۰) دینار کا چونا صنعا سے خریدا گیا۔ اور جب چونا مکہ شریف پہنچ گیا تو اسے چھاننے کا حکم دیا۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے شہر کے اہل علم حضرات سے دریافت کیا کہ قریش نے بیت اللہ شریف کی تعمیر میں جو پتھر استعمال کئے تھے۔ وہ کہاں سے لائے گئے تھے۔ معززین شہر نے بتایا کہ حرا، ثبیر، المقطع اور الخندمہ وغیرہ پہاڑوں سے لائے تھے۔ آپ نے بھی انہیں پہاڑوں سے پتھر منگوائے۔

جب تمام انتظامات مکمل ہو گئے تو آپ نے دیواریں منہدم کرنے کا پروگرام بنایا۔ مگر اہل مکہ شہر چھوڑ کر منیٰ کی طرف چلے گئے۔ وہ اس بات سے خوف زدہ تھے کہ کہیں کعبہ شریف کی دیواریں گرانے سے عذاب الٰہی نازل نہ ہو جائے۔ لیکن جب کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آیا تو لوگ مطمئن ہو کر واپس شہر میں لوٹ آئے۔ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر کام کرنے لگے۔

۱۵/ جمادی الثانی ۶۴ھ بروز ہفتہ دیواریں گرانے کا کام شروع ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے جو ابھی تک شہر میں واپس نہیں آئے تھے پیغام بھیجا کہ لوگوں کو قبلہ سے محروم نہ رکھا جائے۔ بلکہ کعبہ شریف کے چاروں طرف لکڑیاں نصب کر کے ان پر کپڑے سے پردہ بنا دیا جائے تاکہ نماز پڑھنے اور طواف کرنے والے کعبہ شریف کی سعادت سے بہرہ یاب ہوتے رہیں۔ حضرت ابن زبیر

Marfat.com

نے اس مشورہ پر عمل کیا اور پھر تمام دیواریں گرا کر زمین کے برابر کر دیں۔ یہاں تک کہ ابراہیم علیہ السلام نے جن بنیادوں پر تعمیر کی تھی وہ ظاہر ہو گئیں۔ ان میں بڑے بڑے وزنی پتھر اس طرح جڑے ہوئے تھے جس طرح انگلیوں میں انگلیاں ڈالی جاتی ہیں۔ (اخبار مکہ عنوان بناء ابن زبیر اعلام الاعلام ص ۸۲)

یزید بن رومان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کعبہ شریف کی بنیادیں صاف کیں تو میں بھی وہاں موجود تھا۔ میں نے حطیم میں داخل ہو کر ابراہیمی بنیادوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

اگر حدیث کے بیان کرنے والوں میں سے ایک راوی جریر کہتے ہیں' میں نے یزید بن رومان رضی اللہ عنہ سے کہا' مجھے بھی وہ بنیادیں دکھائیں۔ چنانچہ ہم دونوں حطیم میں گئے' اور میں نے بھی ان کا مشاہدہ کیا' پھر میں نے قریش کی تعمیر کردہ دیوار کعبہ سے ان بنیادوں کی پیمائش کی تو وہ چھ ذراع کے قریب تھیں۔ (بخاری شریف جلد ا ص ۲۱۵)

ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی خواہش کے مطابق مشرق اور مغرب میں ایک ایک دروازہ زمین کے برابر بنایا۔ مغربی دروازہ رکن یمانی کے قریب ہی شاذ روان میں ایک سبز لمبے پتھر پر بنوایا۔ حجر اسود جسے آپ نے دیواریں گراتے وقت نکال کر دیباج کے غلاف میں لپیٹ کر ایک صندوق میں مقفل کر کے شیبہ بن عثمان کے گھر رکھ دیا تھا۔ اسے نصب کرنے کی جگہ نیچے اور اوپر والے دو پتھروں کو تراش کر ان کے درمیان جگہ بنوائی۔ پھر اپنے بیٹے عباد بن عبداللہ بن زبیر اور جبیر بن شیبہ بن عثمان کو کہا کہ حجر اسود ایک چادر میں رکھ لیں اور جب میں نماز ظہر شروع کر دوں تو تم اسے نصب کر دینا۔ اور فارغ ہو کر تکبیر کہہ دینا تاکہ مجھے معلوم ہو جائے۔

چنانچہ جب آپ نے نماز ظہر کی تکبیر تحریمہ کہی تو عباد بن عبداللہ اور جبیر بن شیبہ دارالندوہ سے حجر اسود لے آئے۔ عباد بن عبداللہ نے نصب کیا اور جبیر نے اس میں تعاون کیا۔ جب اسے مضبوطی سے نصب کر لیا تو تکبیر کہی گئی۔ اس دن گرمی بھی اپنے شباب پر تھی۔ اگرچہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ بڑی طویل نماز پڑھتے تھے مگر اب

Marfat.com

قدرے تخفیف کر دی۔ اور یہ ترکیب آپ نے محض اس لئے اختیار کی کہ قریش کی طرح اب بھی لوگ حجر اسود کے نصب کرنے پر ہنگامہ بپا نہ کر دیں۔ پھر آپ نے اس کے نیچے اور اوپر چاندی کا خول چڑھا کر خوب مضبوط کر دیا۔

ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر میں دیواروں کی بلندی ۹ ذراع تقریباً ساڑھے ۱۳ فٹ تھی۔ قریش نے اس میں مزید ۹ ذراع کا اضافہ کر دیا جس سے بلندی ۱۸ ذراع تقریباً ۲۷ فٹ ہو گئی۔ مگر ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے طول میں بھی اضافہ کیا تھا جس کی بنا پر سابقہ بلندی طول کی نسبت کم تھی اس لئے آپ نے مزید ۹ ذراع کا اضافہ کر دیا۔ اور دیواریں ۲۷ ذراع تقریباً ساڑھے ۴۰ فٹ بلند ہو گئیں۔ دیواروں میں کل ۲۷ ردے تھے۔ گویا کہ ہر ایک پتھر ڈیڑھ فٹ اونچا تھا۔ دیواریں تین فٹ چوڑی تھیں۔ قریش نے کعبہ شریف کے اندر چھ ستون بنائے تھے جب کہ آپ نے تین باقی رکھے اور تین ختم کر دیئے۔

یہ ستون خالص عود کی بیش بہا قیمتی لکڑی کے تھے جو زرد اور سرخ رنگ کے حسین امتزاج سے مرصع تھے ان کا قطر ۳۰ سینٹی میٹر تھا۔ چودہ سو سال گزر جانے کے باوجود ان کے نچلے حصے پر مضبوطی اور خوبصورتی کی غرض سے سونے کے پترے چڑھا دیئے گئے تھے۔ اور ۱۳۰۴ھ میں ان کے نچلے حصہ میں دراڑیں پڑ گئی تھیں جنہیں ۱۳۱۴ھ میں میخوں اور ریشہ بندی سے مضبوط کر دیا گیا۔

آپ نے یمن کے شہر صنعا سے نفیس ترین سنگ مرمر جسے "البلق" کہا جاتا تھا منگوا کر ایک روشندان بنوا کر کعبہ شریف کی چھت میں نصب کرایا۔

قبل ازیں کعبہ شریف کا دروازہ صرف ایک کواڑ کا تھا۔ آپ نے دو کواڑ والا دروازہ بنایا۔ قریش نے دروازہ زمین سے چھ فٹ اونچا کر دیا تھا جب کہ دروازہ کی انتہا تک دس ذراع یعنی پندرہ فٹ بلندی تھی۔ آج بھی اس کی بلندی اسی قدر ہے۔ مگر آپ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کے مطابق دروازہ زمین کے برابر کر دیا۔ اس کے بالمقابل مغرب میں دوسرا دروازہ بھی بنوایا جس کی بلندی اسی کے برابر تھی۔

چھت پر چڑھنے کے لئے کعبہ شریف کے اندر رکن عراقی کی جانب لکڑی

Marfat.com

کا زینہ بنوایا۔ کعبہ شریف کی تعمیر سے جو پتھر بچ گئے تھے ان سے حرم شریف یعنی مطاف والی جگہ فرش ہوا دیا جس کی چوڑائی پانچ ذراع تقریباً ۷ فٹ ۶ انچ تھی۔

جب تعمیر مکمل ہوگئی تو آپ نے مشک اور عنبر کا پلستر کعبہ شریف کے اندر اور باہر کرایا اور قباطی کا غلاف کعبہ شریف کے زیب تن کیا۔

جب تعمیر کا کام بحسن وخوبی تکمیل کو پہنچ گیا تو آپ نے اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت غیر مترقبہ کا شکریہ ادا کرنے کے لئے تنعیم سے عمرہ ادا کروں گا۔ جو لوگ میرے ساتھ عمرہ ادا کرنا چاہیں وہ تنعیم پہنچ جائیں۔ ۲۷ رجب ۶۴ھ آپ پاپیادہ تنعیم روانہ ہوئے۔ اور بے شمار مسلمانوں نے بھی آپ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ وہاں ایک عظیم الشان ضیافت کا انتظام کیا گیا جس میں خود عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک سو دُنبے ذبح کئے۔ اور دوسرے لوگوں نے بھی ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر جانوروں کی قربانیاں کیں اور عید کی طرح خوشیاں منائیں۔

سب لوگ عمرہ کا احرام باندھ کر حرم شریف میں آئے اور بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔ چونکہ اس وقت کعبہ شریف سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر مکمل تعمیر کیا گیا تھا اس لئے اس کے چاروں ارکان رکن حجر اسود' رکن عراقی' رکن شامی اور رکن یمانی کا استلام کیا۔

۲۷ رجب کو یہ عمرہ اہل عرب کے ہاں ایسا پسندیدہ ہوا کہ ہر سال بڑے اہتمام سے کیا جانے لگا اور دور دراز سے لوگ آ کر اس تاریخ تنعیم سے احرام باندھتے اور عمرہ کرتے۔ امام قطب الدین کے بیان کے مطابق ۵۵۹ھ تک یہ طریقہ جاری رہا۔ (اخبار مکہ عنوان بناء ابن زبیر' اعلام الاعلام ص ۸۲)

تعمیر ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی خصوصیات

تیری حمد سے ہے روشن میری زیست کا ستارا
اُسے مل گئی بلندی' جس نے تجھے پکارا

Marfat.com

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی تعمیر میں نمایاں خصوصیات کی تفصیلات حسب ذیل ہیں

- کعبہ شریف کے دروازے مشرق اور مغرب میں اپنے آقا ﷺ کی منشاء کے مطابق بنوائے۔
- اس سے پہلے باب کعبہ کا صرف ایک کواڑ تھا' مگر آپ نے دونوں دروازے دو' دو کواڑ کے بنوائے۔
- حطیم کا حصہ جو تعمیر ابراہیمی میں کعبہ شریف میں شامل تھا' جسے قریش نے خرچہ کی کمی کے باعث چھوڑ دیا تھا۔ ابن زبیر نے حضور نبی کریم ﷺ کی دلی خواہش کو پورا کرتے ہوئے اس حصہ کو کعبہ شریف میں شامل کر دیا۔
- تعمیر ابراہیمی کے عین مطابق چاروں کونوں میں چار رکن بنائے' جن کا استلام ہوتا تھا۔
- چھت میں ایک روشندان بنوایا تاکہ اندر روشنی آ سکے۔
- دیواروں کی چنائی چونا سے کی گئی اور چونا صنعاء (یمن) سے درآمد کیا گیا' دیواروں کی بلندی ۲۷ ذراع تقریباً ساڑھے ۴۰ فٹ کر دی۔
- کعبہ شریف کے اندر اور باہر دیواروں اور چھت پر کستوری اور عنبر سے خوشبودار پلستر کرایا یہ تمام چیزیں یمن سے خریدی گئیں۔
- دیباج یعنی سفید ریشم قباطی یعنی مصری کتان' السی سے تیار شدہ باریک نفیس کپڑے کا غلاف چڑھایا۔
- قریش نے کعبہ شریف میں پتھر کے چھ ستون بنائے تھے۔ جب کہ آپ نے تین ستون ختم کر دیے اور تین باقی رکھے جو عود خالص کے بنوائے۔
- آپ نے حرم شریف کے متصل مکانات اور دار ابی شیبہ کا نصف حصہ دس ہزار دینار میں خرید کر حرم محترم میں شامل کیا۔

(اخبار مکہ ص ۱۲۵ و ۳۰۷، دائرۃ المعارف جلد ۸ ص ۱۳۵)

Marfat.com

تعمیر دہم:

حجاج بن یوسف کی تعمیر

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی تعمیر کردہ عمارت تقریباً دس سال تک قائم رہی؛ لیکن آپ کی شہادت کے بعد جب عنانِ حکومت حجاج بن یوسف کے ہاتھ آئی تو اس نے خلیفہ عبدالملک بن مروان کو لکھا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بیت اللہ شریف قریش کی تعمیر کے برعکس نئی وضع سے بنا دیا ہے۔ اگرچہ معززین شہر اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ ابن زبیرؓ نے ابراہیمی بنیادوں پر تعمیر کی ہے اور ہم نے ان بنیادوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا بھی ہے اب آپ حکم فرمائیں کہ کیا کرنا چاہیے؟ خلیفہ نے لکھا کہ چونکہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے قریش کی تعمیر میں زیادتی اور اضافہ کر دیا ہے جو ایک غلط اقدام معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا اس عمارت کا عرض اپنے حال پر چھوڑ کر باقی حصہ منہدم کر کے قریش کی تعمیر کے مطابق بنایا جائے۔ یعنی حطیم والا حصہ الگ کر دیا جائے۔ دوسرا دروازہ بھی بند کر دیا جائے۔ اور مشرقی دروازہ قدِ آدم کے برابر اونچا کیا جائے۔

حجاج نے فرمانِ شاہی کے مطابق عمل کیا اور ایک بار پھر ابراہیمی بنا کے برعکس قریش کی تعمیر کے مطابق کعبہ شریف بنا دیا۔ حطیم کا حصہ نکال دیا۔ مشرقی دروازہ اونچا کر دیا اور غربی دروازہ بند کر دیا۔ جب کہ سنتِ ابراہیم اور خواہشِ مصطفوی ﷺ کے ساتھ مطابقت تعمیر ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو حاصل تھی۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ موصوف حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بے بہرہ اور بے خبر تھے۔ اسی وجہ سے ایک مرتبہ خلیفہ موصوف نے طواف کے دوران ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو سخت سست بھی کہا تھا اور ان

Marfat.com

کی تعمیر تبدیل کرنے کا حکم دیا تھا۔ خلیفہ کا کہنا تھا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ام المومنین رضی اللہ عنہا پر اس حدیث کا بہتان باندھا ہے۔

مگر حارث بن عبداللہ بن ابی ربیعہ ان کی بات کاٹتے ہوئے فوراً بول پڑے کہ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی صداقت کا گواہ ہوں۔ میں نے بھی یہ حدیث ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سنی ہے۔ یہ سنتے ہی خلیفہ نادم اور پشیمان ہو کر کہنے لگے کہ اگر مجھے اس حدیث کا علم ہوتا تو بیت اللہ شریف کے گرانے کا حکم کبھی نہ دیتا۔ اور ابن زبیر کی تعمیر قائم رکھتا۔ (مسلم شریف جلد اص ۴۳۱)

ایک دفعہ ایک وفد کے ساتھ حارث بن عبداللہ خلیفہ کے پاس آئے' دوران گفتگو موصوف نے کہا میرا خیال ہے کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث اپنی خالہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نہیں سنی ہوگی۔

حارث بن عبداللہ نے کہا' ہاں ہاں! ضرور سنی ہوگی' یہ حدیث تو میں نے بھی ام المومنین سے سنی ہے۔

خلیفہ نے سوال کیا کہ تم نے کیا سنا تھا؟

انہوں نے کہا ام المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا۔ عائشہ! تیری قوم نے بیت اللہ کو تنگ کر دیا ہے۔ اگر تیری قوم کا زمانہ شرک قریب نہ ہوتا' تو میں نئے سرے سے تعمیر کر کے اس کی کو پورا کر دیتا۔

عائشہ! میرے ساتھ چل میں تجھے ابراہیم علیہ السلام کی اصل بنیادیں دکھاتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا حطیم میں سے سات ہاتھ اندر کا حصہ بیت اللہ شریف میں شامل تھا اور اس جگہ ابراہیمی بنیادیں تھیں اور میں چاہتا ہوں کہ اس کے دو دروازے ایک مشرق میں اور دوسرا مغرب میں ہو' ایک اندر جانے کے لئے اور دوسرا باہر نکلنے کے لئے۔

عائشہ تمہیں معلوم ہے تیری قوم نے اتنا اونچا دروازہ کیوں رکھا؟ ----

Marfat.com

مجھے تو خبر نہیں ۔۔۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔۔۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا محض اپنی بڑائی' تکبر اور نخوت کی وجہ سے انہوں نے ایسا کیا ہے۔ تاکہ وہ جسے چاہیں کعبہ شریف میں داخل ہونے دیں اور جسے چاہیں اس سعادت سے محروم رکھیں (سیڑھی کے ذریعہ اندر جانا ہوتا تھا اور دروازہ کی کرسی پر دربان بیٹھا تھا) جس آدمی کے اندر داخل ہونے پر وہ خوش نہ ہوں اسے دھکا دے کر نیچے گرا دیتے' اور جس کا داخلہ ان کی خواہش کے مطابق ہوتا اس کی دستگیری کرتے۔

عبدالملک نے کہا' حارث کیا تم نے یہ حدیث خود سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سنی تھی؟ حارث نے اثبات میں جواب دیا۔ تو خلیفہ کچھ دیر تک اپنی لاٹھی پر ٹیک لگائے سوچتے رہے اور پھر فرمایا۔ اے کاش! میں بیت اللہ کو اپنے حال پر چھوڑ دیتا۔ اس کے گرانے اور تبدیل کرنے کا فرمان جاری نہ کرتا۔

(مسلم شریف جلد اص ۴۳۰' فتح الباری جلد ۳ ص ۳۵۰)

علامہ ابن حجر لکھتے ہیں۔ کعبہ شریف کا غربی دروازہ جو سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بنایا تھا اور جسے بعد میں حجاج بن یوسف نے بند کر دیا' اس کے نشانات اب بھی بالکل نمایاں نظر آتے ہیں۔ مگر نشانات سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ دروازہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے سطح زمین سے اونچا بنایا تھا۔ اس کے متعلق علامہ ازرقی فرماتے ہیں

۲۳۶ھ میں مجھے کعبہ شریف کے اندر جانا نصیب ہوا' اور اندر سے یہ دروازہ دیکھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ دروازہ بند کرتے وقت حجاج نے اسے سامنے والے شرقی دروازہ کے برابر اور اسی کے مطابق چوڑا اور لمبا کر دیا تھا۔ (فتح الباری جلد ۳ ص ۳۵۰)

واللہ اعلم (حالانکہ یہ اس قدر بلند نہیں تھا اور پھر زمین کے برابر تھا)۔

ولید بن عبدالملک نے خالد بن عبداللہ القسری کو ۳۶ ہزار دینار مرحمت کئے کہ ان کی پلیٹیں بنا کر کعبہ شریف کے دروازہ اور میزاب کعبہ پر چڑھا دو۔ اور کعبہ شریف کے اندر جو ستون ہیں ان پر بھی زرکاری کی جائے۔ اسلام میں سب سے

Marfat.com

پہلے ان ہی نے کعبہ شریف کے دروازہ پر زرپاشی کی اور کعبہ شریف کی چھت ساگوان کی بنوائی اور ستونوں پر ۱۵۰ مثقال سونا چڑھایا۔ (اخبار مکہ ص ۱۳۶)

امام سہیلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقم طراز ہیں کہ سیدنا سلیمان بن داؤد ﷺ کے خزانوں میں سے سونا اور چاندی جو ''طلیطلہ'' ملک اندلس میں تھا ولید بن عبدالملک نے یاقوت اور زبرجد کے ہار اور دیگر خزانہ بڑی بڑی طاقتور اور جسیم خچروں پر لاد کر مکہ مکرمہ پہنچایا اور اس سے بیت اللہ شریف کی تزئین کرائی۔

(روض الانف جلد اص ۱۳۰)

خلیفہ ہارون الرشید کا عزم تعمیر

چونکہ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیت تعمیر نبی کریم ﷺ کے فرمان اور منشاء کے ساتھ پوری طرح مطابقت رکھتی تھی اور ابراہیمی بنیادوں پر قائم تھی مگر حجاج نے اپنی نخوت اور غرور کے باعث اسے گوارا نہ کیا۔ اور پھر قریش کی وضع پر تعمیر کر دیا۔ اس لئے جب خلیفہ ہارون الرشید مسند خلافت پر متمکن ہوا تو اس نے بیت اللہ کو ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی بنیادوں کے مطابق بنانا چاہا۔ لیکن اس ارادہ کی تکمیل کے لئے امام مالکؒ سے فتویٰ طلب کیا۔ امام صاحب نے خلیفہ کو یہ ارادہ ترک کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ بیت اللہ کی بار بار شکست و ریخت سے اس کی عظمت لوگوں کے دلوں سے جاتی رہے گی۔ اور یہ بادشاہوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن جائے گا۔ ہر آنے والا بادشاہ پہلی عمارت کو برداشت نہ کرتے ہوئے اسے گرا کر از سر نو بناتا رہے گا۔ اور یہ عمل اس پر شکوہ عمارت کی شایان شان نہیں۔ چنانچہ خلیفہ اپنے عزم سے باز آ گیا۔ اور یہ مقدس عمارت بازیچۂ اطفال بننے سے محفوظ ہو گئی۔

Marfat.com

۱۲۸۰ھ میں آنے والے سیلاب میں کعبہ شریف گھرا ہوا ہے۔

Marfat.com

تعمیر دوازدھم:

خاقان خاقان سلطان مراد خان

بیت اللہ شریف زمینی اور آسمانی حوادثات سے صدیوں محفوظ رہا۔ لیکن تقریباً ایک ہزار سال بعد سیلاب کی ستم ظریفی سے زمین بوس ہوگیا۔ جس کی تعمیر جدید کا شرف اللہ رب العزت نے سلطان السلاطین خاقان خاقان سلطان مراد خان کو عنایت فرمایا۔

علامہ طاہر کردی مدظلہٗ لکھتے ہیں حجاج بن یوسف نے (۷۴ھ مطابق ۶۹۳ء) کعبہ شریف تعمیر کیا۔ اس کے بعد کبھی کبھار اس کی اصلاح ومرمت تو کی جاتی رہی مگر اسے منہدم کر کے نئے سرے سے تعمیر کرنے کی نوبت نہیں آئی' لیکن اس تعمیر کے ۹۶۶ سال بعد مکہ مکرمہ میں سخت بارش ہوئی اور زبردست سیلاب آیا' جس کے سبب کعبہ شریف منہدم ہو گیا اور ۱۰۴۰ھ میں سلطان مراد خان نے اسے پھر تعمیر کیا۔

(تاریخ القویم جلد ۳ ص ۳۰۱)

Marfat.com

سلطان مراد خان عثمانی کی تعمیر

بدھ کے دن ۱۹ رشعبان المعظم ۱۰۳۹ھ کو ایسی موسلادھار بارش شروع ہوئی جس نے حرم محترم کعبہ شریف اور شہر میں تباہی مچادی۔ کعبہ شریف کی بعض دیواریں زمین بوس ہو جانے کی وجہ سے سلطان موصوف کے لئے بیت اللہ کی تعمیر ناگزیر ہوگئی تھی۔ سلطان موصوف کا زمانہ عصر حاضر کے مورخین کے قریب ہونے کے باعث اس کی بیش بہا تعمیری خدمات کو پوری شرح وبسط سے زینت قرطاس بنایا ہے۔ مورخین کا بیان ہے:

۱۹ رشعبان بروز بدھ دو بجے صبح (پاکستان کے معیاری وقت کے مطابق تقریباً ۸ بجے صبح) زبردست بارش کا غیر متناہی سلسلہ شروع ہوا۔ جو ظہر اور عصر کے درمیان اور بھی شدت اختیار کر گیا اور ساتھ ہی اولے بھی پڑنے لگے۔ طوفان باد و باراں اگلے روز جمعرات ۲۰ رشعبان کو بھی جاری رہا۔ بارش کی شدت کے باعث بدھ کی شام کو ہی تباہ کن سیلاب آ گیا تھا۔ جو اس قدر ہولناک تھا کہ ماضی میں ایسی مثال نہیں ملتی تھی۔

حرم شریف میں سمندر کا سماں تھا' باب کعبہ سے پانی اندر داخل ہو کر دیواروں کے نصف تک پہنچ چکا تھا۔ حرم میں پانی اس قدر بلند تھا کہ چھت میں آویزاں قندیلوں (تقریباً دس فٹ) تک پہنچ گیا تھا۔ سیلاب کا پانی لوگوں کے مکانات میں داخل ہو گیا اور بہت سی اشیاء اور سامان بہا کر مسفلہ کی جانب لے گیا۔ اس قیامت خیز بارش اور سیلاب میں ہزاروں قیمتی جانیں بھی تلف ہو گئیں۔ سیلاب رات بھر حرم میں ٹھاٹھیں مارتا رہا۔

Marfat.com

علامہ حسین عبداللہ بزتجہ انسانی جانوں کا نقصان ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں

مَاتَ خَلْقٌ كَثِيْرٌ ، مِنْ كَبِيْرٍ وَ صَغِيْرٍ وَ جَلِيْلٍ وَ حَقِيْرٍ

۲۰ رشعبان ۱۰۳۹ھ جمعرات کی شام کعبہ شریف کی شامی دیوار یعنی حطیم کی طرف والی دیوار اور مشرقی اور مغربی دیوار کا بعض حصہ بھی منہدم ہو گیا۔ اور اندر والی سیڑھی بھی گر گئی۔ یہ دلسوز و جاں گداز حادثہ عصر کے بعد رونما ہوا۔ جس کے سبب لوگوں کے دل پریشان ہو گئے۔

علامہ احمد بن علان کا کہنا ہے کہ اولوں کا پانی سخت نمکین اور کڑوا تھا۔

جمعرات کی صبح کو مسعود بن ادریس بن حسن امیر مکہ حرم شریف میں آیا اور باب ابراہیم کے تختے کھول دینے کا حکم دیا' تاکہ پانی مسفلہ کی جانب تیزی سے نکل جائے۔ اسی شام غروب آفتاب کے قریب کعبہ شریف کی دیواروں کے گرنے کا اندوہناک سانحہ پیش آیا اور یہ روح فرسا خبر امیر کو پہنچی تو وہ گھبرایا ہوا حرم کی طرف چل دیا۔ اس کے ساتھ بہت سے اشراف اور سردار بھی تھے۔ جن میں شیخ محمد ابن ابی القاسم الشیبی اور دیگر علماء کرام اور صلحاء عظام تھے۔ امیر نے شمع روشن کرنے کا حکم دیا اور کہا کہ کعبہ شریف کے اندر سے قنادیل اور قیمتی سامان نکال لیا جائے تاکہ ضائع ہونے سے بچ جائے۔ شیخ نے خدام کعبہ میں سے ایک ایسا آدمی اس کام کے لئے مقرر کیا جو سخت بیمار ہونے کی وجہ سے حرکت بھی نہیں کر سکتا تھا' (غرض یہ تھی کہ وہ اس خدمت کی انجام دہی کے باعث شفایاب ہو جائے)۔ پھر اس کے ساتھ خدام کی جماعت کعبہ شریف میں تیر کر داخل ہوئی۔ وہ لوگ سونے کی بیس قندیلیں اور ایک ایسی قندیل جو جواہرات سے مرصع تھی' علاوہ ازیں خزانہ اور میزاب وغیرہ بھی نکال لائے' اور شیخ جمال الدین محمد بن القاسم الشیبی کے گھر (صفا کے قریب) محفوظ کر دیا۔ ان سب چیزوں کو ایک کمرہ میں بند کر کے سربمہر کر دیا' جس پر امیر مکہ اور نائب حرم کی مہر بھی ثبت تھی' اور چوکیدار بٹھا دیا۔ یہ تمام کام اسی دن مغرب سے پہلے پہلے مکمل کر لیا اور لوگ مطمئن ہو کر گھروں کو چلے گئے۔

Marfat.com

جمعہ کے دن ۲۱رشعبان ۱۰۳۹ھ کو جب سیلاب ختم ہوا تو حرم شریف کی صفائی کرنے کا اعلان عام کیا گیا۔ چنانچہ امیر مکہ بمعہ سادات و اشراف کے آیا اور بہت سے دوسرے لوگ بھی ہر جانب سے آ گئے۔ جب مطاف صاف کر دیا گیا تو علامہ فائز بن ظہیرہ القرشی المخزومی خطبہ کے لئے تشریف لائے۔ خطبہ کے بعد لوگوں کی معیت میں مطاف میں نماز جمعہ ادا کی۔ نماز سے فراغت کے بعد کعبہ شریف کی دیواروں کے گرے پڑے پتھروں کو اکٹھا کرنا شروع کیا۔ کچھ مصلی حنفی کی جانب اور کچھ باب السلام کی طرف منبر شریف کے قریب جمع کئے۔ اور چھوٹے چھوٹے پتھر مقام حنفی اور حاشیہ مطاف کے درمیان جمع کر دیے۔

اسی دن مصطفیٰ آغا رئیس المتعدین صاحب جدہ آیا تو اس سے تعمیر و مرمت کیلئے پانچ سو دینار طلب کئے گئے۔ یہ رقم مکہ مکرمہ ۲۴رشعبان سوموار کے دن پہنچی۔

ہفتہ کے دن ۲۹رشعبان امیر مکہ آیا اور علماء کرام کو جمع کیا۔

مصر سے محمد پاشا البانی کی طرف سے حسین آغا الشاوش بھی تشریف لائے۔

امیر مکہ نے حاضرین علماء کرام سے استفسار کیا کہ کیا پانی وغیرہ خشک ہونے سے پہلے تعمیر شروع کر دی جائے یا کچھ توقف کیا جائے؟ نیز تعمیر کے اخراجات قندیلوں کو فروخت کر کے پورے کئے جائیں یا کسی دوسرے مال سے؟

علماء کرام میں قاضی عبداللہ بن ابی بکر المسلمی الشیخ خالد المالکی اور قاضی احمد بن عیسیٰ وغیرہ جیسے اجلہ علماء تشریف رکھتے تھے۔ علماء کرام اس بات پر متفق تھے کہ کعبہ شریف کے مال ہی سے تعمیر کی جائے۔ البتہ اس صورت حال سے سلطان مراد خان کو آگاہ کر دینا چاہئے جو کہ سلطنت عظمیٰ کا والی ہے۔ علماء نے اپنے دستخطوں سے یہ فتویٰ جاری کیا۔

یہ دستاویز لے کر امیر مکہ ایک وفد کے ساتھ سلطان کی طرف روانہ ہو گیا۔ وفد احمد شاوش حسین آغا کی جماعت سے النوری علی یمنی وغیرہ پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ ۲۴رشعبان سوموار کو روانہ ہوئے۔ تاکہ وزیر مصر کو واقعات و حوادثات سے مطلع کیا

Marfat.com

جائے اور وہ سلطان مراد خان کی صورت حال سے آگاہ کر دے۔ اس عرصہ میں جدہ سے تختی کی ایک اور رقم پانچ سو دینار کی بھی پہنچ گئی۔ ۱۰ رمضان المبارک تک حرم محترم کو پوری طرح صاف کر دیا گیا۔

امیر مکہ مسعود نے آدمی بھیجے کہ جدہ سے لکڑی لا کر کعبہ شریف کے چاروں طرف پردہ بنا دیں۔ جس طرح سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے پردہ بنایا تھا۔ تاکہ تعمیر شروع ہونے تک کعبہ شریف کی ہیئت قائم رہے۔ یہ لکڑی رمضان شریف کے آخری دنوں میں پہنچ گئی اور اس سے پردہ بنانا شروع کر دیا گیا۔ یہ کام ۲۶ رمضان شریف، جمعرات کے دن شروع ہوا۔ علی بن شمس الدین کاریگر کھجور کے تنوں کی لکڑی لایا جنہیں چوڑائی میں نصف تنے کی جانب سے کاٹ دیا اور ایک دوسری لکڑی کے سروں کو ملا کر کھڑا کر کے کیل لگا دیئے گئے۔ اور مزید مضبوطی کی خاطر رسیوں سے اچھی طرح باندھ دیا گیا۔ یہ کام بروز اتوار ۳ شوال پایۂ تکمیل کو پہنچا۔
علامہ علی بن عبدالقادر طبری نے یہ نقشہ ان الفاظ میں پیش کیا

قالوا لنا البيت الشريف قد غدا في ثوبه الاخضر
ذا بر فقلت لهم لا تعجبوا فالله من حلي الجنان الخضر

جب کعبہ شریف کے حادثۂ عظیمہ کی خبر اطراف و اکناف میں پھیلی تو لوگ اس کثرت سے آنے شروع ہو گئے کہ موسم حج کا سا سماں بندھ گیا۔ جب والی مصر محمد پاشا نے یہ بھیڑ دیکھی تو کہنے لگا اگر قسطنطنیہ سے سلطانی قاصد کی آمد کا انتظار کیا جاتا رہا تو ہجوم میں اور بھی زیادہ اضافہ ہو جائے گا۔ رضوان آغا نے تجربہ کار معمار بھیج دیئے۔ ۱۰ رشوال کو قاصد نے مکہ معظمہ پہنچ کر اطلاع دی کہ آغا رضوان بیگ معمار متعین کر دیا گیا ہے۔ یہ لوگ ۱۶ رشوال کو مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور الجوخی کے مقام پر جو راہر کے شہداء کی سبیل ہے قیام کیا۔ ان کے ساتھ قاضی مدینہ سید محمد آفندی بھی تھے۔ پھر ان کے استقبال کے لئے سید عبدالکریم بن ادریس بن حسن شہر سے باہر گئے۔ پھر ۱۶ ربیع الثانی ۱۰۴۰ھ کو سید محمد آفندی قاضی مدینہ کو کعبہ شریف کی تعمیر کا نگران مقرر

Marfat.com

کر کے بھیجا گیا۔ جب کہ امیر مسعود علالت کے باعث صاحب فراش تھا۔ جو دو دن بعد ۱۸ ربیع الثانی کو دار فانی سے رحلت کر گیا۔ اس کی جگہ عبداللہ بن حسن بن ابی نمی کا تقرر ہوا۔

۲۱ ربیع الثانی ۱۰۴۰ھ کو اطلاع ملی کہ "غراب بن سویدان" (یہ جہاز کے کپتان کا نام ہے یا جہاز ہی کا نام) جدہ پہنچ گیا ہے۔ جس میں وافر مقدار میں تعمیری آلات اور سامان ہے۔ ۲۲ ربیع الثانی کو معماروں نے بیت اللہ شریف کے چاروں طرف ۶ ذراع (یعنی ۳ میٹر ۵ سینٹی میٹر) کا فاصلہ چھوڑ کر لکڑی کا ایک اور احاطہ قد آدم اونچا بنایا تاکہ کام کرنے میں لوگ مخل نہ ہوں۔ علاوہ ازیں کعبہ شریف کے چاروں طرف دیواروں کی بلندی تک گرہ بنا دی گئیں؛ جس کی ابتداء مغربی دروازہ سے کی گئی تھی۔

۳ جمادی الاوّل کام کا آغاز مطاف کے فرش جو سنگ مرمر کا بنا ہوا تھا اکھاڑنے سے کیا گیا۔ ۱۰ جمادی الاوّل کو چونا منگوا کر چاہ زمزم کے قریب رکھ دیا گیا۔ ۱۹ جمادی الاوّل جمعہ کے دن امیر مکہ عبداللہ بن حسن' علماء کرام' معززین شہر اور انجینئروں نے جائزہ لینے کے بعد کہا کہ باقیماندہ دیواریں بھی گرا دی جائیں یا موجودہ حالت ہی میں ان پر تعمیر کر دی جائے۔ چنانچہ مشرقی دیوار جس میں دروازہ ہے' مغربی اور درمیانی دیوار گرانے کا متفقہ فیصلہ ہو گیا۔

۲۵ جمادی الاوّل ہفتہ کے دن غلاف اتار کر مقام ابراہیم کے چبوترہ پر رکھ دیا گیا۔ اور کعبہ شریف کا دروازہ شیخ حرم سید محمد آفندی کے گھر رکھا گیا۔ یکم جمادی الثانی اتوار کے دن مغربی دیوار گرانے کا کام شروع ہوا۔ سوموار کے دن یمانی دیوار بھی گرا دی گئی۔ حجر اسود کے سوا باقی تمام دیوار مکمل طور پر گرا دی گئی۔ اس طرح حجر اسود سے نیچے کا حصہ آج بھی سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا تعمیر کردہ موجود ہے۔

۲۶ جمادی الثانی ۱۰۴۰ھ کو چنائی شروع ہوئی۔ فرش کعبہ سے منڈیر تک

Marfat.com

کل ۲۵ ردے بنائے گئے۔ جن میں استعمال ہونے والے پتھروں کا حجم حسب ذیل تھا

پہلا ردہ ۶۰ سینٹی میٹر، دوسرا ۵۶ سینٹی میٹر، تیسرا ۵۰ سینٹی میٹر، چوتھا' پانچواں اور چھٹا ۴۵ سینٹی میٹر، ساتواں' آٹھواں اور نواں ۴۳ سینٹی میٹر، دسواں ۴۲ سینٹی میٹر، بارھواں' تیرھواں ۳۰ سینٹی میٹر' چودھواں' پندرھواں ۳۷ سینٹی میٹر' سولھواں' سترھواں ۳۶ سینٹی میٹر' اٹھارھواں' انیسواں اور بیسواں ۲۲ سینٹی میٹر، اکیسواں' بائیسواں' تیئیسواں اور چوبیسواں ۳۶ سینٹی میٹر اور پچیسواں ۳۳ سینٹی میٹر تھا۔

۲ ذی الحجہ ۱۰۴۰ھ تقریباً ساڑھے چھ ماہ کی شبانہ روز جدوجہد کے بعد کعبہ شریف کی تعمیر پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ (تاریخ الکعبہ عنوان تعمیر سلطان مراد خان' تاریخ القویم جلد ۳ عنوان تعمیر سلطان مراد خان)

علامہ طاہر کردیؒ لکھتے ہیں،

سلطان موصوف کی تعمیر کے لئے کعبہ شریف کی دیواروں کو بنیادوں تک نہیں گرایا گیا بلکہ کچھ اوپر ہی سے تعمیر شروع کر دی گئی۔ تاکہ بنیادوں میں کمی بیشی کا احتمال ہی نہ رہے۔ علاوہ ازیں یہ تعمیر حجاج بن یوسف کی تعمیر سے پوری طرح مطابقت رکھتی تھی۔ اس میں کمی یا زیادتی نہیں کی گئی۔

اس تعمیر میں جو پتھر استعمال ہوئے ہیں' جبل شبیکہ سے جسے جبل کعبہ بھی کہا جاتا ہے لائے گئے تھے۔ مورخ موصوف نے ۲۸ رجب ۱۳۷۷ھ بروز سوموار انہیں شمار کر کے حسب ذیل تعداد اور تفصیل بیان کی ہے۔

بڑے بڑے پتھر ۱۹ سینٹی میٹر لمبے' ۵۰ سینٹی میٹر چوڑے اور ۲۸ سینٹی میٹر موٹے ہیں' جب کہ چھوٹے پتھر ۵۰ سینٹی میٹر لمبے اور ۴۰ سینٹی میٹر چوڑے ہیں۔ سامنے دکھائی دینے والے پتھروں کی تعداد حسب ذیل ہے لیکن اندر چھپے ہوئے پتھروں کی تعداد معلوم کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہ تعداد بھی پشتہ کعبہ کو چھوڑ کر بیان کی

Marfat.com

گئی ہے۔

دروازہ والی مشرقی دیوار میں	۴۱۹	عدد
پشت والی مغربی دیوار میں	۴۳۹	//
رکن یمانی سے حجر اسود کے درمیان والی دیوار میں	۴۲۸	//
حطیم کی جانب والی دیوار میں	۳۱۸	//
میزان	۱۶۱۴	

(تاریخ القویم جلد ۳ ص ۲۳۵)

ooo

حجاج بن یوسف کی تعمیر کے ۹۶۶ سال بعد سلطان مراد خان نے سیلاب کی وجہ سے کعبہ شریف منہدم ہو جانے کے باعث تعمیر کیا۔

Marfat.com

کعبہ شریف کی پیمائش

پیمائش کا حساب ذراع سے بیان ہوا ہے جب کہ علامہ ازرقی کے فرمان کے مطابق ذراع انگشت کا ہوتا ہے جو تقریباً ۱۸/۱ انچ کا بنتا ہے۔

تعمیر ابراہیمی

بلندی	۹ ذراع	تقریباً	۱۳-۶" فٹ
طول	۳۲ //	//	۴۸-۰ //
عرض	۲۲ //	//	۳۳-۰ //

قریش کی تعمیر

بلندی	۱۸ ذراع	تقریباً	۲۷-۰" فٹ
طول	۲۶ //	//	۳۹-۶ //

ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی تعمیر

بلندی	۲۷ ذراع	تقریباً	۳۹-۶" فٹ
طول	۳۲ //	//	۴۸-۰ //

کعبہ شریف کی بیرونی پیمائش

بلندی	۲۷ ذراع	۳۹-۶" فٹ
سامنے والی دیوار حجر اسود سے رکن عراقی تک	۲۵ //	۳۷-۶ //
رکن عراقی سے رکن شامی یا غربی تک	۲۱ //	۳۱-۶ //
رکن شامی سے رکن یمانی تک پشت والی دیوار	۲۵ //	۳۷-۶ //
رکن یمانی سے حجر اسود تک	۲۰ //	۳۰-۰ //

Marfat.com

دیواروں کی چوڑائی ۲ ذراع تقریباً ۳ فٹ

گویا کہ مکسر پیائش ۲۱۸ مربع ذراع جو تقریباً ۹۲۷ مربع فٹ ہوتی ہے۔

کعبہ شریف کی اندرونی پیائش

دروازہ والی دیوار کی پہلی چھت تک بلندی	۱۸½ ذراع	۹" - ۲۷ فٹ
فرش کعبہ سے اوپر والی دوسری چھت تک بلندی . .	۲۰ ،،	۰ - ۳۰ ،،
سامنے والی دیوار حجر اسود سے رکن عراقی تک . .	۱۰ انگل - ۱۹ ،،	۵-۲۹ ،،
رکن عراقی سے رکن شامی تک۔	۱۸-۱۵ ،،	۱-۲۳ ،،
رکن شامی سے رکن یمانی تک	۶-۲۰ ،،	۳۰-۴½ ،،
رکن یمانی سے حجر اسود تک	۶-۱۶ ،،	۲۴-۴½ ،،

کعبہ شریف کے اندر پہلا ستون حجر اسود اور رکن یمانی والی دیوار سے	۱۲-۴ ،،	۹-۶ ،،
پہلے ستون سے دوسرے ستون کے درمیان فاصلہ	۱۲-۴ ،،	۹-۶ ،،
دوسرے اور تیسرے ستون کے درمیان فاصلہ ..	۱۲-۴ ،،	۹-۶ ،،
اور تیسرے ستون سے حطیم کی طرف والی دیوار کے درمیان فاصلہ......	۸-۲ ،،	۵-۶ ،،

پہلی چھت پر روشنی کرنے کے لئے دوسری چھت میں چار روشندان سنگ مرمر کے بنائے گئے۔ یہ روشندان چاروں کونوں کی جانب سے (یعنی حجر اسود، رکن یمانی، رکن شامی اور رکن عراقی) یہ پتھر سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے یمن کے شہر صنعاء سے منگوائے تھے۔ (اخبار مکہ ص ۲۰۲)

موجودہ چھت میں کوئی روشندان نہیں ہے صرف اوپر چڑھنے کے لئے ایک دروازہ ہے جسے بوقت ضرورت اندر سے کھولا جاتا ہے۔

عصر حاضر کے مورخ علام علامہ حسین عبداللہ فرماتے ہیں کہ علامہ ازرقی

Marfat.com

نے مکسر پیمائش جو ارقام فرمائی ہے وہ صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ ان کے نزدیک ازرقی کی بیان کردہ پیمائش کا مکسر ۱/۴ ۵۱۲ ذراع ہے۔ (تاریخ الکعبہ ص ۱۳۱)

علامہ تقی فاسی رحمۃ اللہ علیہ نے شفاء الغرام میں ابو عبداللہ محمد بن کرامہ کی کتاب "دلائل القبلہ" سے حسب ذیل پیمائش نقل فرمائی ہے۔

بلندی ۲۷ ذراع اور سامنے والی دیوار ۲۳ ذراع۔

اور یہ حجاج بن یوسف کی تعمیر کے مطابق ہے۔ جب کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی تعمیر کا طول ۳۰ ذراع سامنے والی اور پیچھے والی دیوار ۲۳ ذراع۔ رکن یمانی سے حجر اسود تک ۲۰ ذراع اور رکن شامی سے رکن عراقی تک ۲۱ ذراع ہے۔

علامہ حسین عبداللہ فرماتے ہیں ممکن ہے یہ فرق صرف گز کی وجہ سے ہو۔ کیونکہ علامہ ازرقی کی پیمائش شرعی گز یعنی ایک ہاتھ کے مطابق ہوئی ہو اور ابو عبداللہ نے لوہے کے گز سے پیمائش کی جو غالباً ۳۶ انچ کا ہوتا ہے۔

مشرقی دیوار اور اندر سے پہلی چھت	۱/۲ ۱۷ ذراع
رکن حجر اسود سے رکن عراقی تک	۱/۲ ۲۵ 〃
شامی دیوار اندر سے	۱۷ 〃
اور لمبائی میں	۱۴ 〃
مغربی دیوار اندر سے پہلی چھت تک	۱/۲ ۱۷ 〃
اور اس کی لمبائی	۳/۴ ۱۸ 〃
اور جنوب والی دیوار اندر سے پہلی چھت تک	۱۷ 〃
اور لمبائی	۱۴ 〃

لوہے کے گز سے پیمائش اس طرح ہے

بلندی	۱/۸ ۲۳ گز
مشرقی دیوار	۳/۴ ۲۱ 〃
شمالی دیوار	۱/۲ ۱۷ 〃
اور جنوبی دیوار	۱/۹ ۱۸ 〃

Marfat.com

علامہ حسین عبداللہ کا کہنا ہے شرعی گز جس کے مطابق علامہ ازرقی نے پیائش کی وہ تقریباً ۴۸ سینٹی میٹر کا ہوتا ہے اور جو گز علامہ فاسی نے پیائش میں استعمال کیا وہ ۲/۱ ۵۶ سینٹی میٹر کا ہے۔

اسی لئے علامہ ابراہیم رفعت پاشا مصری نے مراۃ الحرمین میں میٹر سے حسب ذیل پیائش بیان کی ہے

بلندی	۱۵ میٹر
شمالی دیوار	۹،۹۲ "
غربی دیوار	۱۲،۱۵ "
جنوبی دیوار	۱۰،۲۵ "
اور مشرقی دیوار	۱۱،۸۸ "

اس اعتبار سے علامہ ازرقی اور علامہ تقی فاسی کی بیان کردہ پیائش میں کوئی فرق نہیں کیونکہ جب مصری گز ۲/۱ ۵۶ سینٹی میٹر کا ہو تو ازرقی نے بلندی ۲/۱ ۱۸ ذراع بیان کی ہے جو ۲۶-۱۰ میٹر بنتی ہے جب کہ ابراہیم پاشا نے ۲۵-۱۰ میٹر بیان کی ہے۔

علامہ موصوف رقمطراز ہیں کہ جمعۃ المبارک ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ کو اللہ رب العزت نے مجھے بھی پیائش کا موقعہ مرحمت فرمایا۔ چنانچہ میں نے اندر اور باہر سے تمام پیائش کی ہے۔ شامی دیوار سے یمانی دیوار کے درمیان کا فاصلہ ۱۰،۱۵ میٹر اور مشرقی دیوار سے مغربی دیوار کے درمیان کا عرض ۸،۱۰ میٹر۔ یہ پیائش علامہ فاسی کی پیائش سے پوری طرح مطابقت رکھتی ہے۔ (تاریخ الکعبہ ص ۳۸،۱۳۲)

کعبہ شریف کے اندر تین ستون ہیں جن کے نیچے ساگوان کی کرسی بنی ہوئی ہے جس کی بلندی ۲/۱ ۱ ذراع تقریباً "۳-۲ فٹ اور عرض ایک ذراع آٹھ انگل ہے۔ اس پر زر دوزی کی گئی ہے پھر اس کے اوپر دیباج کا غلاف ہے۔ کرسی کے نیچے سرخ سنگ مرمر لگا ہوا ہے۔ ستونوں کے تیسرے حصہ تک سونے اور چاندی کی زرکاری کی ہوئی ہے اور باقی حصہ بھی منقش ہے۔ پہلا ستون باب کعبہ کے

Marfat.com

بالکل سامنے ہے۔ ستونوں کی موٹائی ۲½ ذراع ہے۔ اسی طرح ستونوں کے اوپر بھی کرسی سی ہوئی ہے جو سونے اور دیگر مختلف دھاتوں سے مرصع ہے۔ نیز اوپر کی کرسی میں ساگوان کی تین لکڑیاں ستونوں کو سہارا دینے کے لئے لگی ہوئی ہیں۔ جن کا ایک سرا دروازہ والی دیوار میں اور دوسرا پشت والی دیوار میں لگا ہوا ہے۔ ان پر بھی سونے کی نگارش کی ہوئی ہے۔ (اخبار مکہ ص ۲۰۵)

Marfat.com

تفصیلی پیمائش

کعبہ شریف کی قدیم الرتبت عمارت کا طول وعرض اور متعلقہ چیزوں کی پیمائش حسب ذیل ہے

نمبر شمار	مقامات	سینٹی میٹر	میٹر	انچ تقریباً	فٹ
۱	کعبہ شریف کی بلندی زمین سے کناروں تک	۰	۱۵	۲،۵۵	۴۹
۲	کعبہ شریف کا طول شرقی دیوار جس میں دروازہ ہے	۵۸	۱۱	۱۱،۹	۳۷
۳	کعبہ شریف کا طول مغربی دیوار سے	۹۳	۱۱	۱،۶۸	۳۹
۴	کعبہ شریف کی چوڑائی بجانب حطیم	۲۲	۱۱	۶،۳۶	۳۳
۵	کعبہ شریف کی چوڑائی حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان	۱۳	۱۰	۲،۸۱	۳۳
۶	زمین سے حجر اسود کی اونچائی	۵۰	۱	۱۱،۰۵	۴
۷	کعبہ شریف کی کرسی کی زمین سے اونچائی	۰	۲	۶،۷۴	۶
۸	کعبہ شریف کے دروازہ کی لمبائی	۰	۳	۶،۷۴	۶
۹	دروازہ کی چوڑائی ۱۱۸ انگل ۳ ذراع				
۱۰	حطیم کی دیوار میں شرقی راستہ	۶۵	۲	۸،۳۳	۸
۱۱	حطیم کی دیوار میں مغربی راستہ	۵۸	۲	۵،۵۷	۸
۱۲	میزاب رحمت سے حطیم کی دیوار کا درمیانی فاصلہ	۳۶	۸	۵،۱۳	۲۷
۱۳	کعبہ شریف کی شرقی دیوار سے مقام ابراہیم کا فاصلہ	۰	۱۱	۵	۳۶
۱۴	حطیم کی دیوار کے درمیان سے دائرۂ مطاف کے وسط تک	۰	۱۲	۴،۴۴	۳۹

Marfat.com

۱۵	کعبہ شریف کی مغربی دیوار سے مطاف کے دائرہ تک	۸۰	۱۵	۲٫۵۵	۳۹
۱۶	کعبہ شریف کے رکن یمانی کی طرف دیوار کے وسط سے دائرہ مطاف تک ①	۸۰	۱۵	۲٫۵۵	۴۹

عمدۃ المفسرین سید محمود الوسیؒ نے حسب ذیل تفصیلات نقل فرمائی ہیں

نمبر شمار	مقام	انگشت	ذراع
۱	کعبہ شریف کی بلندی	۰	۲۷
۲	حجر اسود کی بلندی	۷	۳
۳	کعبہ شریف کے دروازہ کی کرسی زمین سے	۳	۴
۴	کعبہ شریف کے دروازہ کی اونچائی	۱۰	۶
۵	〃 〃 〃 〃 〃 عرض	۰	۴
۶	حطیم کی دیوار میں مشرقی دروازہ	۱۸	۳
۷	میزاب کے نیچے سے حطیم کی دیوار تک۔ اس میں سے ۶ ذراع اور ایک بالشت کعبہ شریف کا حصہ ہے اور باقی سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی بکریوں کا باڑہ تھا	۸	۱۷
۸	حطیم کے دونوں دروازوں کے مابین فاصلہ	۰	۲۰
۹	حطیم کی دیوار کی چوڑائی	۰	۲
۱۰	حطیم کی دیوار کی بلندی	۰	۲
۱۱	پشت والی دیوار میں بند دروازہ رکن یمانی سے	۵	۴
۱۲	بند دروازہ کی لمبائی	۰	۵
۱۳	بند دروازہ کی چوڑائی ②	۱۲	۳

① تاریخ حرمین عربی ص ۱۰۵ ② روح المعانی پ ۱۷ ص ۱۳۲

Marfat.com

کوہ صفا سے حجر اسود تک ۲۶۴ ذراع اور ۱۸ انگشت اور جو دروازہ کوہ صفا کی جانب باہر نکلنے کے لئے ہے اس سے حجر اسود کے درمیان ۱۹۴ ذراع کا فاصلہ ہے۔ طواف کے سات چکروں کی مسافت ۸۳۶ ذراع اور بیس انگشت ہے۔ (اخبار مکہ ص ۳۴۹)

درج ذیل تفصیلات علامہ محمد طاہر کردی نے امام ازرقی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "خبار مکہ" سے نقل کی ہیں جس میں پیمائش ذراع سے کی گئی ہے۔ ذراع یعنی شرعی گز ایک ہاتھ کا ہوتا ہے جو تقریباً ۱۸ انچ کا بنتا ہے۔

پیمائش بناء ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام	ذراع	انچ	فٹ
کعبہ شریف کی بلندی	۹	۶	۱۳
مشرقی دیوار جس میں دروازہ ہے	۳۲	۰	۴۸
مغربی دیوار	۳۱	۶	۴۶
حطیم کی سمت والی دیوار	۲۲	۰	۳۳
رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان والی دیوار	۲۰	۰	۳۰

پیمائش قریش جو حضورؐ کی ولادت سے پانچ برس پہلے ہوئی	ذراع	انچ	فٹ
کعبہ شریف کی بلندی	۱۸	۰	۳۶
مشرقی دیوار جس میں دروازہ ہے	۲۶	۰	۳۹
مغربی دیوار	۲۶	۰	۳۹
حطیم کی سمت والی دیوار	۲۲	۰	۳۳
رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان والی دیوار	۲۰	۰	۳۳

پیمائش بناء سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ	ذراع	انچ	فٹ
کعبہ شریف کی بلندی	۲۷	۶	۴۰
مشرقی دیوار جس میں دروازہ ہے	۳۲	۰	۴۸

Marfat.com

مغربی دیوار	۳۱	۲	۴۶
حطیم کی سمت والی دیوار	۲۲	۰	۳۳
رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیاں والی دیوار	۲۰	۰	۳۰

پیمائش بناء حجاج بن یوسف الثقفی	ذراع	انچ	فٹ
کعبہ شریف کی بلندی	۲۷	۲	۴۰
مشرقی دیوار جس میں دروازہ ہے	۲۶	۰	۳۹
مغربی دیوار	۲۶	۰	۳۹
حطیم کی سمت والی دیوار	۲۲	۰	۳۳
رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیاں والی دیوار	۲۰	۰	۳۰

میٹر کے حساب سے پیمائش	سنٹی میٹر	میٹر
مطاف کی زمین سے دروازہ کی بلندی	۸۴	۱
کعبہ کے دروازہ کے تالہ کی لمبائی	۳۴	۰
کعبہ شریف کے دروازہ کے قریب واقع غار کی پیمائش مقام ابراہیم کی قدیم کھڑکی تک، جب کہ یہ غار ۱۳۷۷ھ میں بند کر دی گئی تھی	۸۶	۹
مذکورہ غار سے باب حطیم یعنی رکن عراقی تک	۲۰	۵
مذکورہ غار سے رکن حجر اسود تک	۸۰	۴
مذکورہ غار سے کعبہ شریف کی دہلیز تک	۸۰	۴
حجر اسود کے کونے میں ملتزم کی جانب پشتہ کعبہ کی لمبائی	۰	۱
مشرقی دیوار کی مطاف سے بلندی	۹۵	۱۴
مشرقی دیوار رکن حجر اسود سے رکن عراقی تک	۷۱	۱۱

Marfat.com

مغربی دیوار رکن یمانی سے رکن شامی تک	۹	۱۲
حطیم کی طرف رکن عراقی سے رکن شامی تک	۰	۱۰
رکن یمانی سے حجر اسود تک	۱۷	۱۰
رکن یمانی سے حجر اسود تک بمعہ پشتہ کعبہ	۳۵	۱۱
حجر اسود سے رکن عراقی یعنی مشرقی دیوار بمعہ پشتہ کعبہ	۸۰	۱۲
رکن عراقی سے رکن شامی تک بمعہ پشتہ کعبہ	۲۰	۱۱
رکن یمانی سے رکن شامی تک بمعہ پشتہ کعبہ	۳۰	۱۳
مشرقی دیوار حجر اسود سے رکن عراقی تک کعبہ شریف کے اندر سے	۷۹	۹
مغربی دیوار رکن یمانی سے رکن شامی تک 〃 〃 〃	۱۱	۱۰
رکن عراقی سے رکن شامی تک 〃 〃 〃	۹۸	۷
رکن یمانی سے حجر اسود تک 〃 〃 〃	۱۷	۸
حطیم کے وسط سے کعبہ شریف کی دیوار تک فاصلہ	۴۷	۸
حطیم کی دیوار کی بلندی	۱۲	۱
حطیم کی دیوار کی چوڑائی	۵۶	۱
طول سیڑھی جو کعبہ شریف کے اندر رکن عراقی میں ہے	۳۲	۲
عرض 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۵۱	۱
کعبہ شریف کی منڈیر کی بلندی	۸۴	۰
کعبہ شریف کی دیواروں کی چوڑائی	۹۳	۰
کعبہ شریف کے اندر والے فرش سے پہلے چھت تک فاصلہ	۵۰	۸
پہلے چھت اور دوسرے چھت کے درمیان فاصلہ	۲۷	۱
کعبہ شریف کے اندر کے پہلے ستون کی لمبائی جو حطیم کی جانب ہے۔ یہ تینوں ستون سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے تعمیر کئے تھے	۳	۷

Marfat.com

کعبہ شریف کے اندر درمیان والے ستون کی لمبائی	۰	۷
کعبہ شریف کے اندر تیسرے ستون کی لمبائی جو حجر اسود کی جانب کعبہ شریف کے دروازہ کے سامنے ہے	۱۲	۷
ان تینوں ستونوں کا قطر	۴۴	۰
فرش کعبہ سے ان تینوں ستونوں کے سرے تک کل بلندی	۲۰	۷
ستونوں کے اوپر جو تاج بنا ہوا ہے اس کی بلندی	۵۰	۰
ستونوں کے اوپر جو تاج بنا ہوا ہے اس کی چوڑائی	۵۵	۰
ستونوں کے اوپر بنے ہوئے تاج کے نچلے حصہ کی چوڑائی	۳۰	۰
میزاب رحمت کی لمبائی	۵۳	۲
میزاب رحمت کی چوڑائی	۲۶	۰
میزاب رحمت کی اونچائی	۲۳	۰
میزاب رحمت کا جو حصہ دیوار میں گڑا ہوا ہے	۵۸	۰
حدود مطاف قدیم جو بیضوی شکل میں تھا	**سینٹی میٹر**	**میٹر**
کعبہ شریف کی مشرقی دیوار سے مقام ابراہیم کی طرف مطاف قدیم کی آخری حد تک	۵۰	۱۱
کعبہ شریف کی مغربی دیوار سے سوق صغیر کی طرف مطاف قدیم کی آخری حد تک	۶۵	۱۲
رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان والی دیوار سے مطاف قدیم کی آخری حد تک	۳۰	۱۵
حطیم کی دیوار کے درمیان سے مطاف قدیم کی آخری حد تک	۰	۱۴
حدود مطاف جدید جو گول دائرہ کی شکل میں ہے	**سینٹی میٹر**	**میٹر**
کعبہ شریف کی مشرقی دیوار سے مقام ابراہیم کی طرف مطاف جدید کی آخری حد تک	۸۰	۲۶

Marfat.com

کعبہ شریف کی مغربی دیوار سے سوق صغیر کی طرف مطاف جدید کی آخری حد تک	۴۰	۲۷
رکن یمانی اور حجر اسود والی دیوار سے مطاف جدید کی آخری حد تک	۷۰	۲۲
حطیم کی دیوار کے وسط سے مطاف جدید کی آخری حد تک	۲۵	۱۲
کعبہ شریف کے دروازہ کے باہر والا غار جسے ۲ر شعبان ۱۳۷۷ھ میں ختم کر دیا گیا اس کا طول	۲	۲
کعبہ شریف کے دروازہ کے باہر والا غار جسے ۲ر شعبان ۱۳۷۷ھ میں ختم کر دیا گیا اس کی گہرائی	۱۰	۱
فرش مطاف سے حجر اسود کی بلندی	۵۰	۱
ملتزم کی چوڑائی	۰	۲
فرش مطاف سے کعبہ شریف کے دروازہ کی بلندی	۹۲	۱
کعبہ شریف کے دروازہ کے نیچے نصب شدہ پتھر جس سے غسل کعبہ کا پانی نکالنے کے لئے سوراخ ہے اس پتھر کی لمبائی	۹۰	۱
اس سوراخ کے دائرہ کا قطر	۳	۰
حطیم کے مشرقی دروازہ (گزرگاہ) کا عرض	۱۳	۲
〃 مغربی 〃 〃 〃	۷۰	۲
کعبہ شریف کے چاروں طرف نزدیک سے ایک چکر کی مسافت	۰	۶۸
حطیم کی دیوار کی کل لمبائی	۵۷	۳۱
حطیم کی دیوار کی چوڑائی	۵۲	۱
حطیم کی دیوار کی بلندی	۳۳	۱
حطیم کی مشرقی گزرگاہ	۶۵	۲

Marfat.com

حطیم کی مغربی گزرگاہ	۶۵	۲
کعبہ شریف کی دیوار کے وسط سے حطیم کی دیوار کا فاصلہ	۵۵	۸
باب بنی شیبہ کا عرض (جسے غالباً ۱۳۹۱ھ میں ختم کیا گیا)	۹۰	۴
باب بنی شیبہ کی دیوار کا عرض	۹۰	۰
دیوار سمیت دروازہ کی کل لمبائی	۷۰	۲
حطیم کی دیوار سے منبر شریف کی پشت تک فاصلہ (پہلے منبر مطاف میں تھا مگر ۱۳۸۲ھ کے آخر میں مطاف کی توسیع کے باعث منبر شریف مطاف سے باہر نصب کر دیا گیا۔ مگر ۱۳۹۸ھ کے آخر میں وہاں سے بھی توسیع مطاف کے باعث اٹھالیا گیا)۔	۹۰	۳۰

بعض مقامات کا ایک دوسرے کے مابین فاصلہ	میٹر
صفا سے مروہ تک کا فاصلہ تقریباً	۳۰۵
باب بنی شیبہ سے جنت المعلا کے دروازہ تک کا فاصلہ تقریباً	۱۰۳۲
جمرہ عقبی اور جمرہ وسطی کے درمیان فاصلہ تقریباً	۱۱۶
جمرہ وسطی سے جمرہ اولی کے درمیان فاصلہ تقریباً	۱۵۶
جمرہ وسطی سے وادی محسر کے آخر تک فاصلہ تقریباً (مزدلفہ میں)	۵۳۲۸
وادی محسر کے آخر سے مازمین کی ابتدا تک فاصلہ	۳۸۱۲
مازمین سے عرفات کی جانب حدود حرم کے نشانات تک کا فاصلہ	۴۳۷۲
حرم شریف کے نشانات سے حدود عرفات کے نشانات تک فاصلہ	۱۵۵۳
عرفات کے نشانات سے جبل رحمت کا فاصلہ[1]	۱۵۵۳

[1] تاریخ القویم جلد ۳ ص ۱۰۱ تا ۱۰۶

Marfat.com

کعبہ شریف کی اِصلاح و مرمت

قارئین پڑھ چکے ہیں کہ کعبہ شریف کی صرف گیارہ مرتبہ تعمیر کرنے کی ضرورت پیش آئی ہے۔ البتہ عہد اسلام میں بعض دفعہ چھت یا دیواروں کو مرمت کرنے کی نوبت بھی آئی' جس کی تفصیل اس طرح ہے۔

۸۱۴ھ میں چھت کمزور ہو گئی تھی' میزاب کے قریب اور چھت میں نصب شدہ روشن دانوں کے آس پاس سے پانی ٹپکتا۔ پرنالہ سے دیواروں میں پانی چلا جاتا تھا' جس سے شدید نقصان ہو رہا تھا۔ اسے گچ کے ذریعہ مرمت کیا گیا۔ روشندانوں کی بوسیدہ لکڑیاں تبدیل کر دی گئیں۔ البتہ رکن یمانی کے قریب والا روشندان نیا لگایا۔ اس کے ساتھ ہی چھت پر لگی ہوئی لکڑی کی کھونٹیوں کو تبدیل کیا گیا جن سے غلاف کعبہ باندھا جاتا تھا۔

۸۳۸ھ میں امیر سودون المحمدی نے چھت کی تجدید کرائی۔ اور اس کے چاروں طرف چونے کی تہہ لگا دی گئی۔ ۸۴۳ھ میں ملک اشرف برسبائی کے حکم سے بھی امیر موصوف نے جہاں سے چھت ٹپکتی تھی وہاں چونے اور گچ کا پلستر کرایا اور چھت کے سنگ مرمر کی مرمت بھی کرائی۔ علاوہ ازیں چھت کے چاروں روشندان نکال کر کعبہ شریف کے اندر رکھ دیئے۔

۸۴۸ھ میں کعبہ شریف کی غربی دیوار میں کچھ نقص پیدا ہو گیا تھا۔ جسے پلستر کر کے درست کیا گیا۔ ۹ محرم کو میزاب کے نیچے سے دو پتھر گر گئے تھے۔ جن کی تراش خراش کے بعد دوبارہ نصب کر دیئے گئے۔ اسی طرح ۸۸۳ھ میں بھی دیواروں اور ستونوں کی کچھ مرمت کی گئی تھی۔

۹۳۱ھ میں والی مصر ابراہیم پاشا کے حکم پر امیر جدہ اور مکہ معظمہ کے مشائخ

Marfat.com

کی نگرانی میں چھت کی ٹوٹی ہوئی لکڑیوں کو لوہے کی پتریاں چڑھائی گئی۔ دوران کی دیمک خوردہ جگہوں میں سیمنٹ بھر دیا۔ مگر یہ طریقہ دیرپا ثابت نہ ہوا۔ اور ۹۵۹ھ میں دوبارہ مرمت کی ضرورت پیش آئی۔ تو سلطان سلیمان خان نے مرمت کا حکم دیا۔ بعض علماء کرام کا نظریہ تھا کہ جب تک کعبہ شریف کی کوئی چیز گر نہ جائے یا مرمت کی شدید ضرورت پیش نہ آئے تو اس کی تعظیم کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کی مرمت یا ردوبدل نہ کیا جائے۔ لیکن جب چھت کا صحیح طور پر جائزہ لیا گیا تو کئی لکڑیاں ٹوٹی ہوئی نکلیں۔ چنانچہ ان کی جگہ نئی اور مضبوط لکڑیاں ڈال دی گئیں۔ چھت اور اوپر کی تہہ کو بالکل پہلے کی طرح تیار کر دیا گیا۔

۱۰۲۰ھ میں بھی دیواروں میں کچھ خلل آ گیا تھا جسے دور کرنے کے لئے سلطان احمد خاں نے کعبہ شریف کے چاروں طرف ایک طوق بنوا دیا۔ تاکہ دیواریں اپنی جگہ بندھی رہیں اور نقصان کا اندیشہ نہ رہے۔

۱۰۳۵ھ میں امیر مکہ کے مطالبہ پر خلیفہ کی طرف سے رضوان بک معمار کعبہ شریف کی مرمت کے لئے آیا' چنانچہ ماہ محرم میں کام شروع ہوا اور چھت پر سنگ مرمر کا نیا فرش لگایا۔

۱۰۷۳ھ میں چھت کی ایک لکڑی ٹوٹ جانے کے باعث مرمت کی ضرورت پیش آئی' چنانچہ سلیمان بک گورنر جدہ کی نگرانی میں کام شروع کیا گیا۔ حفاظت اور کام میں آسانی کے لئے چاروں طرف لکڑی کے تختوں کا چھت تک اونچا پردہ بنا دیا۔ جس کے باعث کام کرنے والے لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ پھر ٹوٹی ہوئی اور بوسیدہ لکڑیوں کی جگہ نئی لکڑیاں ڈال دی گئیں۔

۱۰۹۹ھ میں چھت پر لگی ہوئی کھونٹیاں جن سے غلاف کعبہ باندھا جاتا ہے۔ وہ بوسیدہ ہو جانے کے باعث تجدید کی خواستگار تھیں۔ چنانچہ محمد بک معمار نے جدہ سے لکڑی کے بڑے بڑے تختے منگوا کر ایک فریم بنایا اور اسے چھت پر منڈیر کے ساتھ نصب کر دیا۔

Marfat.com

محرم الحرام ۱۱۰۶ھ میں بھی ایک لکڑی جو بوسیدہ ہو گئی تھی اسے بدل دیا گیا۔

۱۳ محرم ۱۱۰۹ھ میں چھت کی ٹوٹی ہوئی لکڑیاں تبدیل کی گئیں۔ اندر والی سیڑھی بھی نئی بنائی گئی۔ جس کے سات زینے سنگ مرمر کے اور باقی ساگوان کی لکڑی کے بنائے گئے۔ یہ کام ربیع الاوّل میں مکمل ہوا۔ کام بحسن وخوبی تکمیل کو پہنچ جانے پر گورنر جدہ نے چالیس بکریاں ذبح کر کے فقراء میں تقسیم کیں اور کچھ نقدی بھی صدقہ میں دی۔

۱۲۹۵ھ میں کعبہ شریف کی چھت پر سنگ مرمر کا نیا فرش لگایا گیا۔ اسی طرح ۱۲۹۷ھ میں بعض لکڑیاں تبدیل کی گئیں اور فرش کی تجدید بھی ہوئی۔ پھر ۱۳۱۷ھ میں چھت کے سنگ مرمر میں کئی جگہ دراڑیں پڑ گئی تھیں۔ جن کے باعث چھت ٹپکنے لگی اور اندر کافی مقدار میں پانی جمع ہو گیا تھا۔ چنانچہ اندر سے صفائی کی گئی اور چھت پر چونا' سیمنٹ اور انڈوں کی سفیدی سے ایک مرکب تیار کر کے دراڑوں کو بھر دیا گیا۔ (تاریخ الکعبہ عنوان کعبہ شریف کی اصلاح ومرمت)

Marfat.com

سلطان مراد خان کی تعمیر کے وقت کعبہ شریف کے چاروں طرف
بنائے گئے پردہ کا منظر

Marfat.com

عہد سعود میں تعمیر جدید

اوائل محرم ۱۳۷۷ھ شاہ سعود بن عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن الفیصل آل سعود نے کعبہ شریف کی چھتیں تبدیل کرنے کا حکم دیا۔ کیونکہ طویل مدت گزر جانے کی وجہ سے لکڑی کو گھن لگ گیا اور وہ کمزور ہوگئی۔ شاہی فرمان کے مطابق علماء انجینئروں اور کاریگروں پر مشتمل ایک تعمیراتی کمیٹی بنائی گئی جس کے ارکان حسب ذیل تھے۔

الشیخ عبدالملک بن ابراہیم رئیس ہیئات الامر بالمعروف ونہی عن المنکر' الشیخ عبداللہ جابر' السید علوی ابن عباس المالکی مدرس حرم شریف' الشیخ محمد بن علی الحرکان' الشیخ محمد بن عوض بن لادن الحضرمی کنٹریکٹر تعمیرات' الشیخ محمد صالح القزاز' معلم الشیخ حسین عجاج' طارق الشواف اور طہ القرملی' کمیٹی کا انچارج شیخ محمد بن عوض بن لادن کو بنایا گیا۔

اواخر محرم میں کمیٹی اس پروگرام پر متفق ہوگئی۔

اوپر والی چھت کے ساتھ اندر والی چھت بھی تبدیل کی جائے' کیونکہ اس کی لکڑی بھی کرم خوردہ ہے۔ دیواروں کی حسب ضرورت ترمیم واصلاح کی جائے۔ کعبہ شریف کے اندر دیواروں کا سنگ مرمر تبدیل کیا جائے۔ ان امور کی انجام دہی کے لئے کسب حلال سے مال خرچ کیا جائے۔

۱۷ محرم ۱۳۷۷ھ ہفتہ کو صبح کو کمیٹی کے ارکان نے کعبہ شریف میں داخل ہو کر کام کا جائزہ لیا اور پروگرام کو آخری اور قطعی شکل دی۔ جب تمام انتظامات مکمل ہو گئے تو سب سے پہلے کعبہ شریف کے چاروں طرف لکڑی کا پردہ اسی طرح بنایا جس طرح سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بنایا تھا۔ چنانچہ ۲۱ جمادی الثانی

Marfat.com

۱۳۷۷ھ کو نمازِ عشاء کے ایک گھنٹہ بعد یہ کام شروع ہوا' جو مسلسل دن رات جاری رہا اور سوموار کے دن ۲۳ر جمادی الثانی کو مکمل ہوا۔ جب پردہ مکمل ہو گیا تو کعبہ شریف فرشِ مطاف سے منڈیر تک لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ بلکہ پردہ کعبہ شریف کی منڈی سے بھی ڈیڑھ میٹر اونچا تھا۔ البتہ حجر اسود اور رکن یمانی استلام کی غرض سے کھلا چھوڑ دیا گیا تھا۔

پردہ حطیم کی جگہ کو بھی گھیرے ہوئے تھا۔ مطاف میں واقع منبر شریف سے یک لکڑی کا پل حطیم تک بنایا گیا۔ جس کی چوڑائی ۲ میٹر اور بلندی تقریباً ۴ میٹر تھی۔ یہ پل اس لئے بنایا گیا تھا تاکہ تعمیر کا سامان اور کام کرنے والے "دی چھت تک پہنچ سکیں۔ طواف کرنے اور نماز پڑھنے والوں کو بھی دقت نہ ہو۔ پل کے دروازہ پر یک خاص جماعت پہرہ پر تعینات تھی تاکہ کام کرنے میں دوسرے لوگ مخل نہ ہوں' اور نہ ہی مخصوص آدمیوں کے علاوہ پل پر کوئی دوسرا آدمی چڑھے۔ طواف کرنے والے لکڑیوں کے استادہ پردہ کے باہر طواف کرتے اور جب منبر کے قریب پہنچتے تو مذکورہ پل کے نیچے سے گزرتے تھے۔

سنت کے روز الشیخ محمد بن عوض بن لادن کنٹریکٹر' الشیخ محمد صالح' الشیخ عبداللہ بن سعید' الشیخ عبدالقادر نائب الحرم اور محمد طاہر کردی کعبہ شریف میں بڑے ادب و احترام سے داخل ہوئے' پہلے دو رکعت نفل ادا کیے' اور غور و خوض سے ندر کے کام کا جائزہ لیا۔

لیکن کام رجب تک مؤخر کرنے کا فیصلہ ہوا' کیونکہ ابتداء سال میں موسم شدید گرم ہوتا ہے جب کہ رجب میں گرمی کی شدت میں کمی ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں اس عرصہ میں تعمیراتی سامان لکڑی' چونا' آلات تعمیر اور دوسری اشیاء بھی بآسانی جمع ہو سکتی تھیں۔

چنانچہ ۱۸ر رجب المرجب ۱۳۷۷ھ مطابق ۷ر فروری ۱۹۵۸ء جمعہ کے دن چاشت کے وقت ولی عہد امیر فیصل شہید بن عبدالعزیز نور اللہ مرقدہ

Marfat.com

جلالۃ الملک شاہ سعود بن عبدالعزیز کے نمائندہ کی حیثیت سے حرم شریف میں تشریف لائے۔ کیونکہ شاہ سعود مرض کی شدت کے باعث تشریف لانے سے قاصر تھے۔ امیر موصوف کے ساتھ وزراء' امراء اور علماء وغیرہ بھی تھے' نماز جمعہ سے دو گھنٹے قبل کعبہ شریف کی چھت پر چڑھ کر ایک مرتبہ پھر کام کا جائزہ لیا۔

ولی عہد امیر فیصل مرحوم ومغفور نے اللہ کا نام لے کر ہتھوڑے سے کعبہ شریف کی چھت اکھاڑنے کی ابتداء کی' پھر دوسرے حضرات بھی اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور تکبیر وتہلیل کہتے ہوئے اس مقدس کام میں مصروف ہو گئے۔

چھت کے فرش کا سنگ مرمر اکھاڑنے کے بعد امیر موصوف اور دیگر رہنما نیچے اتر آئے اور دوسرے حضرات بقیہ پتھر' چونا اور دیگر چیزوں کو اکھاڑنے لگے۔ جب جمعہ کا وقت ہو گیا تو کام بند کر کے نماز جمعہ ادا کی گئی اور عصر تک آرام کیا۔ پھر پورے زور وشور سے کام شروع کر دیا گیا جو مغرب تک جاری رہا۔

رات کو کام جاری رکھنے کے لئے روشنی کی ضرورت تھی' چنانچہ کعبہ شریف کی چھت پر اور اندر بجلی کے قمقمے لگائے گئے تاکہ کام کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔ اور یہ پہلا موقع تھا کہ کعبہ شریف کے اندر یا اس کے اوپر بجلی کے بلب روشن کئے گئے۔ اور اس واقعہ کے بعد یہ ضرورت پیش نہیں آئی۔ کیونکہ عام حالات میں کعبہ شریف رات کو کھلنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ اور جن مواقع میں دن کو کھولا جاتا ہے تو دروازہ سے سورج کی روشنی اس ضرورت کو پورا کر دیتی ہے۔

یہ کام حمد باری تعالیٰ اور نعرہ ہائے تکبیر کی گونج میں ۱۹ رجب ہفتہ کی رات تک جاری رہا' یہاں تک کہ تمام چھت کا سامان اکھاڑ دیا گیا۔ پتھر' چونا اور لکڑی وغیرہ سب کچھ حطیم میں ڈالی جاتی رہی۔ جو کہ پردہ کے اندر تھا۔ لوگوں نے بے حد خوشی اور دل لگی سے یہ خدمت انجام دی اسی وجہ سے اس قدر جلد کام مکمل ہو گیا۔

Marfat.com

ہفتہ کی صبح کو جب صفائی مکمل ہو گئی تو انجینئروں نے عمارتی آلات سے دیواروں کا جائزہ لیا' بالخصوص میزاب کعبہ والا حصہ قدرے جھکا ہوا تھا۔

اتوار کی صبح چھت بنانے کا کام شروع ہوا جو شام تک جاری رہا۔ چھت میں موٹے اور مضبوط شہتیر استعمال کئے گئے جو شرقاً غرباً دیواروں پر چڑھائے گئے تھے اور دو شہتیر ان کے نیچے ایک مشرقی دیوار اور دوسرا مغربی کے ساتھ ڈالا گیا۔ چھت پر ۲۱ شہتیر ڈالے گئے اور دو ان کے نیچے۔ مجموعی تعداد ۲۳ تھی۔ اکثر شہتیر ۱۰ میٹر اور ۳۰ سینٹی میٹر لمبے تھے جب کہ بعض ۱۰ میٹر اور ۱۰ سینٹی میٹر تھے۔ ان سب کے نیچے دو محرابیں بنائی گئیں جو چھت کا بوجھ اٹھانے کے لئے تھیں۔ ایک محراب نچلی چھت کے لئے اور دوسرے اوپر والی چھت کے لئے' ان کا طول ۱۱ میٹر اور ۲۰ سینٹی میٹر تھا۔ یہ شمالی اور جنوبی دیواروں سے ملحق تھیں۔

سوموار کی رات ۲۱ رجب چھت پر تختیاں ڈالنے کا کام شروع ہوا جو تقریباً ساری رات جاری رہا۔ پھر صبح کے وقت چھت کے اوپر منڈیر بنائی جانے لگی' جو چھت کے فرش سے ۸۰ سینٹی میٹر اونچی تھی۔ ' سے سیمنٹ' بجری اور چونے کی آمیزش سے بے حد مضبوط بنایا گیا۔ یہ کام اگلی رات کو مکمل ہوا۔

۲۲ رجب منگل کی صبح اندر والی چھت کا کام شروع کیا گیا اور اوپر والی چھت کا فرش بنانے کا کام منگل' بدھ اور جمعرات تک ملتوی رکھا گیا تاکہ پہلا کام مضبوط ہو جائے۔

اوپر والی چھت میں نہایت مضبوط سرخ اینٹوں سے حاشیہ بنایا گیا۔ یہ اینٹیں مدینہ منورہ سے منگائی گئی تھیں جو مکینیکل طریقہ اور جدید آلات سے پکائی گئی تھیں۔ ان کا طول وعرض حسب ذیل تھا

طول	۲۳ سینٹی میٹر
عرض	۱۱ سینٹی میٹر
حجم	۷ سینٹی میٹر

Marfat.com

۲۲؍ رجب منگل کے دن غلاف کعبہ کی رسیاں باندھنے کے لئے کعبہ شریف کی منڈیر میں لوہے کی ۸ کھونٹیاں نصب کی گئیں؛ جن کی لمبائی ۱۰ سینٹی میٹر تھی۔ جب کہ اس سے پہلے کھونٹیاں لکڑی کی بنی ہوئی تھیں۔

۲۵؍ رجب جمعہ کے دن چھت پر نصب شدہ تختیوں پر وارنش میں ایک ایسا مصالحہ ملا کر لگایا گیا جس سے لکڑی کو مٹی اور کیڑے سے نقصان کا احتمال نہ رہا۔ اس پر پلاسٹک کا سبز غالیچہ (المشمع) بچھا دیا گیا۔ پھر اس کے اوپر سفید چپس کا نہایت مضبوط فرش بنایا گیا' اسے اور زیادہ محکم کرنے کے لئے مذکورہ بالا قسم کی پختہ اینٹوں کا فرش چپس کے اوپر بنا دیا گیا۔

۲۶؍ رجب ہفتہ کے دن ان پر سیمنٹ اور چونے کی آمیزش سے پلستر کیا گیا اور ۲۷؍ رجب اتوار کے دن پلستر پر انتہائی نفیس سفید سنگ مرمر کا فرش بنایا گیا۔ یہ پتھر تھوڑی سی تعداد میں نئے تھے جب کہ زیادہ تر پرانے پتھر ہی صفائی اور اصلاح کے بعد تبرکاً لگا دیئے گئے تھے۔ ان کا طول ۶۶ سینٹی میٹر اور عرض ۵۶ سینٹی میٹر تھا۔ ان میں بعض ۷۱ سینٹی میٹر لمبے اور ۶۰ سینٹی میٹر چوڑے بھی تھے۔ چھت پر لگائی جانے والی سلوں کی مجموعی تعداد ۲۸۲ تھی جن میں سے ۲۲۴ چھت پر اور ۵۸ سلیں منڈیر کے اندر لگی تھیں۔

۲۸؍ رجب سوموار کے دن جدید برقی آلات اور مشینری کے ذریعہ دیواروں پر پتھروں کے درمیان خالی جگہوں میں (رصاص) سیسہ پگھلا کر ڈالا گیا' تاکہ خوب مضبوط ہو جائیں اور ہلنے نہ پائیں۔ یہ کام ۲۹؍ رجب منگل کے دن مکمل ہوا۔ یکم شعبان بروز بدھ فرش کے حاشیہ میں لگی ہوئی اینٹوں پر منڈیر کے متصل سنگ مرمر کی سلیں لگائی گئیں۔ تاکہ فرش کا حسن و جمال اور خوبصورتی ہر سمت سے یکساں رہے۔ چنانچہ ۵۶ سینٹی میٹر لمبی اور ۶۰ سینٹی میٹر چوڑی' جن میں سے بعض کا طول ۷۰ سینٹی میٹر بھی تھا' ۵۸ سلیں لگائی گئیں۔

Marfat.com

اسی اثنا میں کعبہ شریف کے اندر رکن عراقی میں چھت پر چڑھنے والے دروازہ کی اصلاح بھی کی گئی۔ اس میں وہی پرانی لکڑی استعمال کی گئی جو صحیح سالم تھی۔ یہ دروازہ رکن عراقی میں مشرقی دیوار سے ایک میٹر اور شامی میزاب والی دیوار سے ۲۰ سینٹی میٹر کے فاصلہ پر ہے۔ دروازے کا ڈھکنا لکڑی کے موٹے تختوں سے بنا کر اوپر تانبے کی چادر چڑھا دی گئی تھی۔ اس ڈھکنے کا طول ۱۸۵ سینٹی میٹر یعنی تقریباً ۶ فٹ اور عرض ۱۱۰ سینٹی میٹر یعنی ۳ فٹ ساڑھے ۷ انچ ہے۔ جب کہ اس کے نیچے بنی ہوئی سیڑھی کا منہ ۱۲۷ سینٹی میٹر یعنی ۴ فٹ ۲ انچ لمبا اور ۱۰۴ سینٹی میٹر یعنی ۳ فٹ ۵ انچ چوڑا ہے۔ ڈھکنا بڑا ہونے کی وجہ سے بارش کے پانی کا ایک قطرہ بھی اندر نہیں جا سکتا۔ اس طرح اوپر والی چھت کی سات مضبوط و مستحکم تہیں بنائی گئیں پہلے شہتیر' ان پر تختیاں' پلاسٹک کا غالیچہ' چپس' اینٹوں کا فرش' کنکریٹ کا پلستر اور سنگ مرمر کا فرش۔

اندر والی چھت کی تجدید

۲۳ رجب ۱۳۷۷ھ منگل کے روز ماہرین تعمیرات نے کعبہ شریف کے اندر داخل ہو کر چھت کا جائزہ لیا۔ اندر والا سرخ ریشمی غلاف' قندیلیں اور دیگر قیمتی تحائف جو کعبہ شریف میں آویزاں تھے اتار لئے گئے۔ یہ قندیلیں روشنی کے لئے نہیں بلکہ قدیم زمانہ کے بیش بہا قیمتی تحفے کعبہ شریف میں محفوظ تھے ان میں چھوٹی بڑی ۸۰ قندیلیں تھیں۔ یہ تمام اشیاء لکڑی کے دو بڑے صندوقوں میں بند کر کے ایک مکان میں محفوظ کر دی گئی تھیں۔ صندوق ۱۵۰ سینٹی میٹر یعنی ۴ فٹ ۱۱ انچ لمبے اور ۸۰ سینٹی میٹر یعنی ۲ فٹ ساڑھے ۷ انچ چوڑے اور ۸۰ سینٹی میٹر اونچے تھے۔

اگر چہ چھت کی لکڑی بوسیدہ اور کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے تجدید کی محتاج تھی' لیکن اس کے نیچے والے شہتیر مضبوط اور صحیح حالت میں تھے' البتہ درمیان والا قدرے کمزور تھا۔ یہ شہتیر ۱۰ میٹر اور بعض ۱۵ میٹر لمبے ان کا قطر ۳۰ سینٹی میٹر یعنی ۱

فٹ ۴ انچ تھا۔ یہ شرقاً غرباً دیواروں پر چڑھے ہوئے تھے۔

چھت پر تمام نئی لکڑیاں ڈال کر ان پر موٹی اور مضبوط تختیاں بچھا دی گئیں۔ لیکن ان تختیوں پر مٹی یا سنگ مرمر وغیرہ کچھ بھی نہیں تھا' کیونکہ یہ چھت اندر ہونے کی وجہ سے بارش اور دھوپ وغیرہ سے محفوظ تھی۔ یہ کام ۲۵ رجب جمعہ کی رات کو مکمل ہوا۔ اس چھت میں مشرقی اور جنوبی سمت دو چھوٹے چھوٹے دروازے بھی ہیں' جن میں لگی ہوئی سیڑھی کے ذریعہ چھت پر چڑھا جاتا ہے۔

یہ دوہری چھت قدیم زمانہ کے دستور کی پیروی میں بنائی گئی ہے۔ ورنہ اس پر نہ تو کوئی سامان رکھا جاتا ہے اور نہ ہی کسی دوسرے مقصد کے استعمال کے لئے ہوتی ہے۔ صدر اسلام میں بھی یہ چھت موجود تھی۔ جو غالباً دیواروں کی بلندی زیادہ ہونے کی وجہ سے بنائی گئی تھی۔

چھت کی تجدید و مرمت کے ساتھ ساتھ دیواروں کو باہر سے ٹیپ بھی کر دیا گیا' اگرچہ دیواریں بے حد پائیدار اور مضبوط تھیں' مگر درزوں میں لگا ہوا مصالحہ کمزور ہو چکا تھا۔ اس کام کے لئے ۲۹ افراد پر مشتمل ایک ٹیم بنائی گئی' جنہوں نے روغن کبجد روئی اور چونے کی آمیزش سے ایک مرکب تیار کر کے انگلیوں سے پتھروں کی درزوں میں بھرا۔ اور پھر اس کے اوپر سیمنٹ اور چونے وغیرہ کا مرکب تیار کر کے لگا دیا۔ اس کام کی تکمیل اتوار کے دن ۵ شعبان ۱۳۷۷ھ کو ہوئی۔

چھت اور باہر کے کام سے فارغ ہو کر دیواروں کی اندر سے اصلاح اور مرمت کا کام شروع ہوا۔ ۳ شعبان ۱۳۷۷ھ نماز جمعہ کے بعد چاروں اطراف سے قدیم پلستر اتارنا شروع کیا گیا جو دیواروں کے ساتھ ۳ میٹر اور ۵۰ سینٹی میٹر بلندی تک لگا ہوا تھا۔ تاکہ اس کی صفائی اور اصلاح بھی ہو جائے۔ اندر والی سیڑھی جس کے ذریعہ پہلے چھت پر چڑھا جاتا ہے' اس کی اصلاح و مرمت اور کعبہ شریف کی دہلیز بھی مرمت کرنے کا پروگرام طے ہوا۔

Marfat.com

دیواروں کا کام کرنے کے لئے ایک لکڑی کی گھوڑی (سیڑھی) بنائی گئی جو پہلے چھت کے برابر اونچی تھی۔ سنگ مرمر اکھاڑنے کے بعد دیواروں کو کھرچ کر چونا اور دوسرا مصالحہ وغیرہ اتارا گیا۔ چاروں طرف سے پہلی چھت تک دیواروں کو صاف کر دیا گیا۔ بعد ازاں قدیم سنگ مرمر برقی اور مشینی آلات کے ذریعہ پہلی جگہوں پر نصب کر دیا۔ صرف ایک بڑا پتھر نیا لگایا گیا' جس پر مرمت کی تاریخ کندہ تھی۔

اس کام کے دوران انتہائی قابل رشک بات یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا' تکبیر و تہلیل اور تسبیحات ورد زبان بنی رہیں' دنیاوی کلام سے مکمل پرہیز کیا گیا' البتہ کام سے متعلق کسی وقت کوئی ضروری بات کر لی جاتی تھی۔ علماء کرام' امراء' رؤساء بنفس نفیس چونا' پتھر اور پانی وغیرہ اپنے سروں پر اٹھا کر خوشی خوشی معماروں کو دیتے رہے۔ ہفتہ کے دن گیارہ شعبان ۱۳۷۷ھ کو یہ تمام کام پایۂ تکمیل تک پہنچا۔ فللّٰہ الحمد

جب کام مکمل ہو گیا تو اسی روز مغرب سے نصف گھنٹہ پہلے شاہ سعود' ریاض سے تشریف لائے اور کعبہ شریف میں داخل ہو کر اس سنگ مرمر کو نصب کیا' جس پر ان کا نام اور اصلاح و مرمت کی تاریخ لکھی ہوئی تھی۔

۱۲ شعبان اتوار کی رات کو مغرب کی نماز کے بعد لکڑی کے اس پردہ کو اکھاڑنا شروع کیا گیا جو کام کرنے کے لئے کعبہ شریف کے چاروں طرف قائم کیا گیا تھا۔ جب یہ پردہ ہٹا دیا گیا تو بغیر غلاف کے کعبہ شریف کا لوگوں نے دیدار کیا اور پھر نماز ظہر سے دو گھنٹے پہلے اس پر غلاف چڑھا دیا گیا۔ اسی طرح منگل کے دن ۱۴ شعبان کو اندر کا غلاف لٹکایا گیا۔ اور اس میں پیوندکاری بھی کی گئی۔

جمعہ کی رات ۱۷ شعبان ۱۳۷۷ھ کعبہ شریف کے دروازہ کی دہلیز اور کواڑ کے پیچھے دیوار کی اصلاح و مرمت کا کام کیا گیا۔ دونوں کو اتار کر دیوار کو مرمت کیا گیا۔ اوپر والی دہلیز کو تبدیل کر کے نئی لکڑی کی دہلیز لگائی گئی۔ اس دہلیز کے اوپر

Marfat.com

والی لکڑی پر باہر کی جانب سونے کی ایک پلیٹ چڑھی ہوئی تھی جس پر چند اشعار لکھے ہوئے تھے۔ اسے اتار کر صاف کیا اور کیمرہ سے اس کا فوٹو لے کر دوبارہ اسی جگہ نصب کر دی گئی۔

اتوار کے دن ۱۹ رشعبان ۱۳۷۷ھ دروازہ کے نیچے والی دہلیز کو درست کیا گیا اور اس پر سنگ مرمر کا فرش بنا دیا گیا۔ اس فرش میں نصف دائرہ کی شکل میں ایک لوہے کی پٹی لگا دی گئی تا کہ دروازہ کھولنے اور بند کرنے میں سہولت ہو۔

اندر والی سیڑھی جس کا نچلا حصہ ساڑھے ۳ میٹر سنگ مرمر کا اور بقیہ اوپر کا حصہ موٹی مضبوط لکڑی کا ہے۔ نچلے حصہ میں جہاں ضرورت تھی چونا اور سیمنٹ لگا دیا گیا۔ اور اسی طرح لکڑی کے حصہ کی جہاں اصلاح درکار تھی کر دی گئی۔ مگر اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا۔

تجدید جدید

شاہ فہد کے دور میں ایک مرتبہ پھر بیت اللہ شریف کی چھت اور اندرونی دیواروں کی تجدید کی گئی ہے۔

حرم محترم کی تعمیرات کے نگران نوجوان انجینئروں کو تجسس ہوا کہ بیت اللہ شریف کی دونوں چھتیں اور ستون جو لکڑی کے بنے ہوئے صدیاں گزر جانے کے باوجود ابھی تک کیسے قائم ہیں انہوں نے خدشہ ظاہر کیا کہ کہیں لکڑی کو دیمک نہ لگ گئی ہو خدانخواستہ لکڑی کرم خوردہ ہو کر کہیں چھت منہدم نہ ہو جائے۔ چنانچہ ایک تحقیقاتی کمیٹی بنائی گئی جس میں ایک پاکستانی انجینئر بھی شامل تھے۔ کمیٹی نے برمے کے ذریعہ ستونوں کی لکڑی کو چیک کیا جو بے حد مضبوط ثابت ہوئی۔ اسی طرح چھت کی لکڑیاں بھی محکم اور صحیح حالت میں پائی گئیں۔ لیکن نوجوان انجینئر چھتوں کی تبدیلی پر مصر تھے۔ جبکہ پاکستانی انجینئر کا نظریہ تھا کہ جن کاریگروں نے یہ خدمت پہلے انجام دی تھی وہ متقی اور پرہیزگار تھے اس لئے ان کے کام میں بھی برکات پائی جاتی ہیں لہٰذا

Marfat.com

تبدیل نہ کیا جائے۔ لیکن فیصلہ کثرت رائے پر تبدیلی ہی کا ہوا۔

چنانچہ ساگوان کی لکڑی بمبئی انڈیا سے خریدنے کا فیصلہ ہوا' جو دنیا میں مضبوط ترین لکڑی ہے۔ بنابریں لکڑی خرید کر کٹوائی گئی اور ایک سال تک وہاں ہی چھوڑ دی گئی۔ جب وہ طبعی طور پر خشک ہو گئی تو حسب ضرورت چیرا کر مکہ مکرمہ میں لائی گئی۔

۱۰ محرم ۱۴۱۷ھ کو بیت اللہ شریف کی اندرونی دیوار نکالنے کا کام شروع ہوا۔ بیت اللہ کے اندر اور باہر دو دیواریں متصل بنی ہوئی ہیں۔ جو عانب موسمی اثرات سے بچاؤ کے لیے بنائی گئی تھیں۔ باہر والی دیوار بڑے پتھروں کی ہے' جبکہ اندرونی دیوار چھوٹے چھوٹے پتھروں کی مٹی چونے سے بنائی گئی تھی۔ جس کی چوڑائی ۹۰ سینٹی میٹر ہے۔ مذکورہ پتھر نکال کر آب زمزم سے دھویا گیا اور جو کمی تھی وہ جبل نور سے پتھر لا کر پوری کی گئی۔ کیونکہ جبل کعبہ پر اس قدر زیادہ آبادی ہو گئی ہے کہ وہاں سے پتھر حاصل کرنا ممکن نہیں رہا۔

ستونوں کو دیمک سے محفوظ رکھنے کی خاطر مطاف کی سطح تک کنکریٹ بھر کر نصب کئے گئے ہیں' بیت اللہ کے اندر واقع آہنی سیڑھی کی جگہ انتہائی شفاف شیشے کی سیڑھی لگائی گئی ہے۔ جو چھت میں واقع روشندان کھلنے سے روشنی کا عکس لے کر بیت اللہ شریف کو روشن کر دیتی ہے۔

بیت اللہ کے اندر دیواروں پر اندر والے غلاف کے برابر تک سنگ مرمر لگایا گیا ہے۔ بیت اللہ کی دہلیز کے نیچے والے سوراخ پر پیتل کی خوشنما جالی لگا کر بند کر دیا گیا ہے' لوگ نادانی کے باعث اس میں انگلیاں ڈالتے اور عرضیاں لکھ کر ڈالتے تھے۔

شاذروان کے قدیم پتھر تبدیل کر کے سفید سنگ مرمر کے ایک جیسے پتھر لگا دیئے گئے ہیں۔ غلاف کعبہ باندھنے کے لئے شاذروان میں واقع کنڈے جن میں یکسانیت نہیں پائی جاتی تھی' تبدیل کر کے ایک جیسے مضبوط اور خوبصورت پیتل کے

Marfat.com

کنڈے لگا دیئے گئے۔
حطیم کی دیوار پر لگے ہوئے منقش پتھروں کو تبدیل کر کے سفید سنگ مرمر کے سادہ پتھر لگائے گئے۔
بیت اللہ کے دروازہ کے اوپر اور اس کے بالمقابل بند دروازہ کے اوپر تین تین سوراخ دیوار میں کیے گئے ہیں تاکہ ہوا کراس کرتی رہے اور بیت اللہ کے اندر حبس نہ ہونے پائے۔
بیت اللہ کے اس کام میں جو چیزیں ناقابل استعمال تھیں ان کی حرمت اور تقدس کے پیش نظر مولانا عبدالمنان نے امام مالکؒ کا قول پیش فرمایا کہ بیت اللہ کی اشیاء مثل قرآن مجید کے متبرک و مقدس ہیں' لہٰذا انہیں ادب و احترام کے ساتھ سمندر کی نذر کر دینا چاہئے۔ بنا بریں ان چیزوں کو جہاز کے ذریعہ جدہ سے ستر کلومیٹر دور سمندر میں ڈال دیا گیا۔ یہ کام یکم رجب ۱۴۱۷ھ کو پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

زینۂ کعبہ

کعبہ شریف کے اندر چھت پر چڑھنے کے لئے رکن عراقی میں زینہ لگا ہوا ہے' جس کا دروازہ ۲/۱ ۳ ذراع اونچا اور ۲/۱ ۱ ذراع چوڑا ہے۔ دروازہ ساگوان کی لکڑی کا ہے۔ زینہ کا عرض ایک ذراع ۴ انگل ہے۔ دروازہ پر ۲۳۷ھ میں خلیفہ المتوکل علی اللہ نے چاندی سے نقش و نگار کرایا تھا۔ چھت میں دروازہ کا طول ۲/۱ ۲ ذراع اور عرض ۲ ذراع ہے۔ (اخبار کعبہ ص ۲۰۶)
۸۱۴ھ میں اس کی مرمت کا کام ہوا' پھر ۱۱۰۹ھ میں نیا زینہ بنایا گیا' جس کے پہلے سات زینے سنگ مرمر کے اور باقی ساگوان کے تھے۔ (تاریخ الکعبہ ص ۲۲۰)
علامہ طاہر کردیؒ لکھتے ہیں جب قریش نے بیت اللہ شریف تعمیر کیا تو اس کا دروازہ زمین سے تقریباً دو میٹر بلند رکھا۔ جس کی دو وجہیں تھیں
① بیت اللہ نشیب میں واقع ہونے کے باعث سیلاب کا پانی اندر داخل ہو جاتا

Marfat.com

تھا اس لئے دروازہ اونچا کر دیا گیا تا کہ سیلاب سے محفوظ رہے۔

② قریش کی مرضی کے بغیر کوئی آدمی بیت اللہ میں داخل نہیں ہوسکتا تھا اس لئے دروازہ اونچا کر دیا تا کہ ان کی اجازت کے بعد کوئی شخص اندر نہ جاسکے۔

پھر دروازہ تک پہنچنے کے لئے زینے کی ضرورت محسوس ہوئی اگر چہ یہ تو معلوم نہ ہو سکا کہ مذکورہ زینہ کب اور کس نے بنایا البتہ علامہ ارزقی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی نے اپنے زمانہ کے زینہ کی پیمائش اس طرح بیان کی ہے

① اونچائی ۸ ذراع (تقریباً ۴ میٹر) عرض ۲ ¹ ۳ ذراع (تقریباً پونے دو میٹر) اور تیرہ درجے یعنی زینے ہیں جبکہ سیڑھی ساج کی لکڑی کی بنی ہوئی تھی۔

② ۸۱۲ھ میں ملک المؤید جرکسی نے حرم محترم کے لئے ایک عالیشان منبر اور سیڑھی بھیجی تھی۔

③ ۱۰۹۷ھ میں شیخ الحرم احمد پاشا والی جدہ نے سیڑھی کی مرمت کرائی اور اطراف میں لکڑی کا پردہ سا بنا دیا۔

④ ۱۱۱۶ھ حسین حیدراں نے ہندوستان سے لکڑی کی سیڑھی کعبہ شریف کے لئے بھیجی۔ لیکن والی جدہ سلیمان پاشا نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ جو ۱۱۲۷ھ تک جدہ ہی میں رکھی رہی۔ پھر محمد پاشا المعمار والی جدہ نے اسے خرید کر ۱۹ جمادی الثانی ۱۱۲۷ھ کو مکہ مکرمہ روانہ کر دی۔ چنانچہ احمد پاشا والی سیڑھی کی جگہ نئی سیڑھی استعمال ہونے لگی۔ لیکن ۱۸ جمادی الثانی یعنی صرف دو یوم بعد شریف مکہ نے حکومت ترکیہ کے حکم سے اس سیڑھی کا استعمال ممنوع قرار دے کر احمد پاشا والی سیڑھی استعمال کرنے کا فرمان جاری کیا اور محمد پاشا والی نئی سیڑھی شیخ عبدالقادر الشیبی کے گھر محفوظ کر دی گئی اور اس کی تزیین وآرائش بھی کی گئی۔

⑤ ۱۲۴۰ ہجری میں نواب محمد منور خاں والی مدراس ہند نے گیارہ زینوں والی ساگوان کی سیڑھی بھیجی جو ۱۳۹۷ھ تک حرم محترم میں رونق افروز رہی۔ اس

Marfat.com

کا طول زمین سے پانچ میٹر اور عرض بھی دو میٹر تھا۔ اس پر بھیجنے والے کا نام اور تاریخ درج تھی' بارہا اس کی مرمت کی جاتی رہی۔

⑥ علامہ اغازی نے ''اخبار الصناديد'' سے نقل کیا ہے' ۱۳۰۰ھ میں نواب کلب علی خان والی رامپور ہند نے لکڑی کی سیڑھی بھیجی جس کے چودہ زینے تھے' لیکن حکومت ترکیہ کی اجازت ملنے تک استعمال نہیں کی گئی۔ اس پر چاندی کی میناکاری کی گئی تھی' جو اس وقت ہندوستانی روپیہ کی قیمت کے مطابق ۸۵۳۶۴ روپیہ کی تھی۔ اسے صرف عورتوں کے بیت اللہ میں داخل ہونے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ ۱۳۶۵ھ تک یہ سیڑھی استعمال کی جاتی رہی' پھر آل شیبہ کے تصرف میں دے دی گئی' جنہوں نے چاندی اور لکڑی سے فائدہ حاصل کیا اور اب ختم ہو چکی ہے۔

⑦ سعودی حکومت کے فرمان روا سعود بن عبدالعزیز نے قاہرہ' مصر سے ایک عالی شان نادرہ روزگار سیڑھی بنوائی' جو بروز بدھ ۱۵رذی الحجہ ۱۳۷۶ھ کو مکہ مکرمہ پہنچی۔ اس کے بارہ زینے تھے' سونے اور چاندی کے نقش و نگار سے مرصع تھی۔ علامہ کردی کے الفاظ میں اس..

وهو بديع الصنع ، جميل المنظر ، يعد تحفة نادرة ، و آية من آيات الرسم والزخرفة (التاريخ القويم ج ٥ ص ٣٤، ٣٥)

شعبان ۱۳۷۷ھ میں سعودی حکومت نے اس کی اصلاح اور مرمت کرائی' اس کا نچلا حصہ ۳ میٹر ۵۰ سینٹی میٹر سنگ مرمر کا ہے اور بقیہ لکڑی کا۔

(تاریخ القویم جلد ۳ ص ۸۶)

۲۵ رشعبان ہفتہ کے دن ان تینوں ستونوں کی اصلاح اور صفائی کی گئی' جو سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بنوائے تھے۔ تیرہ سو سال گزر جانے کے باوجود ستون ابھی تک مضبوط اور محفوظ ہیں۔ جہاں کہیں نرمی تھی اسے روغن زیتون میں ایک مصالحہ بنا کر پر کر دیا گیا۔ اس کے بعد ان پر لکڑی کے رنگ کے مطابق رنگ کر

Marfat.com

دیا گیا۔ ستونوں کی مضبوطی کی غرض سے نیچے حصہ میں تھوڑے فاصلہ پر چاندی کے تین بند لگا دیئے گئے۔ جن کا عرض تقریباً ۷ ء ۸ سینٹی میٹر ہے۔

۲۶/شعبان اتوار کے دن اندر کے فرش کو اکھاڑے بغیر نیا سنگ مرمر کا فرش بنا دیا' جسے سریش کے ذریعہ چپکایا گیا۔ جب کہ پہلے بھی سنگ مرمر کا فرش بنا ہو تھا۔ قدیم فرش نہ اکھاڑنے کی وجہ یہ تھی کہ اس میں بعض پتھر بیش بہا قیمتی اور نادر الوجود تھے۔ اس ترکیب سے ان کی معقول حفاظت بھی ہو گئی۔

اس کام میں اہالیان مکہ' مصر اور بعض دوسرے ممالک کے کاریگروں اور مزدوروں نے کام کیا۔ کام کرنے والوں کی اکثریت محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے بلا معاوضہ کام کرتی رہی' اور بعض غریب مزدور اجرت پر بھی کام کرتے رہے۔ مگر ہر آدمی نے پورے خلوص اور دیانتداری سے باوضو کام کیا۔ (تاریخ القویم جلد ۳ص ۶۸' ۹۳)

Marfat.com

باب دوم

مُلحقّاتِ کعبہ

Marfat.com

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ

- باب کعبہ
- غلاف کعبہ
- حجر اسود
- مقام ابراہیم

Marfat.com

بابِ کعبہ

کعبہ شریف کا دروازہ بھی امتیازی شان کا حامل ہے' جس کی زیبائش و آرائش کی ہر دور میں مقدور بھر کوشش کی جاتی رہی۔ سیدنا آدم علیہ السلام کی تعمیر کے ضمن میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ جو خیمہ آپ کے لئے آسمان سے اتارا گیا تھا اس کے دو دروازہ تھے۔ ایک مشرق میں اور دوسرا مغرب کی طرف۔ جب سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے کعبہ تعمیر فرمایا تو آپ نے زمین کے برابر مشرق کی طرف دروازہ رکھا لیکن اس میں نہ تو چوکھٹ تھی اور نہ ہی کواڑ۔ تاریخی روایات اس معاملہ میں بہت مختلف پائی جاتی ہیں۔ بعض روایات کے مطابق سب سے پہلے انوش بن شیث بن آدم علیہ السلام نے دروازہ بنایا' اور ایک روایت میں ہے کہ جرہم نے بیت اللہ شریف تعمیر کرتے وقت دروازہ کے طور پر دو بازو بنائے تھے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سلاطین یمن میں سے تبع ثالث نے جو بعثت نبوی ﷺ سے بہت زمانہ پہلے گزرا ہے' کعبہ شریف کا دروازہ بنایا اور اس پر غلاف بھی چڑھایا۔ علامہ ازرقی' ابن ہشام اور علامہ ابن خلدون نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ علامہ ابن ہشام لکھتے ہیں کہ شاہ تبع نے دروازہ بنایا اور تالے چابی کا بھی انتظام کیا۔ (اخبار مکہ ص ۱۷۴)

قریش کی تعمیر تک یعنی تقریباً سات سو سال شاہ تبع کا بنایا ہوا دروازہ جو صرف ایک کواڑ کا تھا قائم رہا' پھر جب قریش نے تعمیر کی تو انہوں نے دروازہ کے دو کواڑ بنا دیئے (ایک روایت کے مطابق دو کواڑ کا دروازہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بنوایا تھا) اور اس کی لمبائی زمین سے گیارہ ذراع تقریباً ۱۶ فٹ ۶ انچ تھی۔ جب کہ زمین سے چار ذراع تقریباً ۶ فٹ اونچا تھا۔ پھر جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے تعمیر کی تو دروازہ زمین کے برابر کر دیا۔ مگر اس کی لمبائی اتنی ہی رکھی۔ یعنی ۱۶ فٹ ۶ انچ

Marfat.com

فٹ۔ لیکن جب حجاج بن یوسف نے اسے تبدیل کیا تو اس کی بلندی پھر ۶ ذراع اور ایک بالشت کر دی۔ یعنی تقریباً ۱۰ انچ ۹ فٹ۔

۱۹۴ھ میں خلیفہ امین محمد بن ہارون الرشید نے اپنے عامل سالم بن جراح کی طرف ۱۸ ہزار دینار بھیجے کہ ان سے کعبہ شریف کے دروازہ کے نقش و نگار میں اضافہ کر دیا جائے۔ چنانچہ سونے کے قدیم منقش پتروں کو اتار کر ان میں ۱۸ ہزار دینار کا اضافہ کیا۔ جس سے دروازہ میں مزید دو بڑے دلکش حلقے بنائے اور نقش و نگار میں بہت زیادہ اضافہ کیا۔ یہ اضافہ بغیر کسی تغیر و تبدل کے ۲۱۸ھ تک قائم رہا۔

۲۱۹ھ میں وزیر جمال الدین احمد بن علی بن ابی المنصور المعروف جواد نے کعبہ شریف کے لئے دروازہ بھیجا' جس پر چاندی سے نقش و نگار کر کے زر دوزی بھی کر دی گئی۔ بعد ازاں ملک المظفر صاحب یمن نے چاندی کا منقش دروازہ ارسال کیا' جس کا وزن ۳۰ سیر تھا۔ ۱۳ ذی القعدہ ۷۳۳ھ کو اسے اتار کر ملک ناصر محمد بن قلادون کا دروازہ نصب کر دیا گیا۔ جس پر پینتیس ہزار تین سو درہم چاندی سے نقش و نگار کیا گیا تھا۔ دروازہ کے نیچے ملک ناصر کا نام بھی لکھا ہوا تھا۔ ۸۱۶ھ میں اس کی چاندی تبدیل کی گئی جس میں مزید ۱۹۲ درہم کا اضافہ کر کے نقش و نگار کیا گیا اور اس پر سونے کا پانی بھی چڑھایا گیا' اور اس میں ملک موید کا نام بھی لکھ دیا گیا۔

بعد میں اس کے پترے اکھاڑے جاتے رہے جس کی وجہ سے ۹۶۱ھ میں سلطان سلیمان خان نے احمد چلپی ناظر الحرم کو اس کی تجدید کا حکم دیا۔ اس نے باقی ماندہ پترے اتار کر چاندی کا اضافہ کر کے دوبارہ نصب کر دیا' لیکن تحصیل المرام میں ہے کہ ملک محمد بن قلادون کا دروازہ ۹۵۳ھ میں سلطان سلیمان خان کے حکم سے اکھاڑ دیا گیا تھا۔ واللہ اعلم

۱۰۴۵ھ میں سلطان احمد خان کے حکم سے امیر رضوان بک نے سادہ لکڑی کا دروازہ لگایا جس پر صرف سفید سوتی پردہ پڑا ہوا تھا۔ لیکن چند یوم بعد امیر رضوان کے پاس شیخ حرم گورنر مکہ اور کعبہ کا کلید بردار جمع ہوئے' اور باہمی مشورہ کے بعد

Marfat.com

پہلے دروازہ کی چاندی سے جس کا وزن ستر سیر تھا نئے دروازہ پر نقش و نگار کر دیا۔ اور سلطان مراد خان بن سلطان احمد خان کا نام بھی لکھ دیا گیا۔

۱۱۱۹ھ میں سلطان احمد خان کے حکم سے اس کی اصلاح اور مرمت کی گئی اور وہ دروازہ ۱۳۸۴ھ تک موجود رہا۔ (تاریخ الکعبہ عنوان باب کعبہ)

علامہ ابراہیم رفعت پاشا نے باب کعبہ کی تجدید و مرمت کی تفصیلات حسب ذیل بیان کی ہیں:

۵۵۰ھ میں جواد وزیر صاحب موصل نے دروازہ بھیجا' جسے ۵۵۱ھ میں نصب کیا گیا۔ وہ دروازہ سونے سے مرصع اور اس پر خلیفہ المقتفی عباسی کا نام کندہ تھا۔ پھر ۶۵۹ھ میں جب ملک مظفر صاحب یمن حج کو گیا تو اس کی نگارش میں تیس سیر چاندی کا اضافہ کیا۔ بعد میں ملک ناصر محمد بن قلاوون نے ملک مظفر کا دروازہ اتار کر اپنا دروازہ نصب کرایا۔ جس پر ۳۵۳۰۰ درہم چاندی کے نقش و نگار کئے گئے تھے۔ ۷۶۱ھ میں ملک ناصر حسن نے ساگوان کا دروازہ لگایا۔ ۷۷۶ھ میں تیس ہزار درہم چاندی سے اس پر نقش و نگار کرایا گیا۔ ۸۱۶ھ میں ملک موید نے دو ہزار درہم سونے سے زرنگاری کرائی' اور ۸۱۷ھ میں زین الدین عثمانی نے بھی باب کعبہ اور میزاب رحمت پر سونا چڑھایا تھا۔ ۹۶۱ھ میں سلطان سلیمان خان نے اسے چاندی سے مرصع کرایا۔ ۹۶۴ھ میں پہلا لکڑی کا دروازہ نصب کیا گیا' جس میں سیاہ آبنوس کی تختیاں جو چاندی سے مرصع تھیں لگائی گئیں۔ مزید برآں ۱۲۷۰ اشرفیاں سونا بھی چڑھایا' ۱۰۴۵ھ میں سلطان مراد خان نے اس کی جگہ نیا دروازہ نصب کیا' جس پر ۸۳ سیر چاندی کا کام کیا گیا تھا۔ پھر اس پر ایک ہزار دینار سونے کا پانی بھی چڑھایا گیا۔ (مرآۃ الحرمین جلد اص ۲۷۶'۲۷۷)

۱۳۷۰ھ میں ملک عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن الفیصل آل سعود نے سونے اور چاندی سے مزین نیا دروازہ نصب کرایا جو ۱۳۶۳ھ میں مکہ معظمہ میں تیار کیا گیا تھا۔ بعد ازاں ۱۳۹۹ھ میں شاہ فہد بن عبدالعزیز نے نیا دروازہ نصب کرایا۔

Marfat.com

باب کعبہ پر کندہ عبارات

الله جل جلالہٗ　　　بسم الله الرحمٰن الرحیم　　　الله جل جلالہٗ

پہلی سطر　جعل الکعبة البیت الحرام قیاما للناس و امنا

دوسری سطر　رب ادخلنی مدخل صدق و اخرجنی مخرج صدق و
اجعلنی من لدنک سلطانًا نصیرًا ○

تیسری سطر　کتب ربکم علی نفسه الرحمة　وقال ربکم ادعونی استجب لکم

۴۔ دو دائروں میں کلمہ شریف　(لا اله الا الله)　(محمد رسول الله)

پانچویں سطر　قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسکم لا تقنطوا من رحمة الله
انّ الله یغفر الذنوب جمیعا

۶۔ دو دائرے پہلے دائرہ میں بسم الله الرحمٰن الرحیم　الحمدلله رب العالمین
جب کہ دائرہ کے درمیان گولائی میں　وغافرِ الذّنب لکھا ہوا ہے۔
دوسرے دائرہ میں الرحمٰن الرحیم　مالک یوم الدین ایاک نعبد و ایاک نستعین
اهدنا الصراط المستقیم　صراط الذین انعمت علیهم ' غیر المغضوب علیهم
تک جب کہ اس کے درمیان میں و قابل التوب لکھا ہے۔

ساتویں سطر　صنع باب السنق فی عهد خادم الحرمین الشریفین الملك
عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل سعود بمكة المكرمة ۱۳۶۳ھ

آٹھویں سطر　صنع هذا الباب فی عهد خادم الحرمین الشریفین
الملك خالد بن عبدالعزیز بن السعود هجرية ۱۳۹۹ھ

نویں سطر　تشرف بافتتاحه بعونه تعالیٰ　الملك خالد بن عبدالعزیز
۲۲ ذی القعدة ۱۳۹۹ھ　صنعه احمد ابراهیم بمكة المكرمة
صممه منیر مری الجندی　و اصح الخط عبدالرحیم امین

Marfat.com

باب کعبہ کھلنے کا روح پرور منظر

قدیم زمانہ میں کعبہ شریف کا دروازہ مختلف اوقات میں کھولا جاتا تھا اور ہر خاص و عام کو اندر داخل ہونے کی سعادت حاصل کرنے کا موقع مل جاتا تھا۔

امام ابن سعد لکھتے ہیں قریش دوشنبہ (سوموار) اور پنجشنبہ (جمعرات) کو باب کعبہ کھولتے تھے۔ دروازہ پر دربان بیٹھتا اور دروازہ کے سامنے سیڑھی لگی ہوتی تھی جب کسی نے اندر جانا ہوتا تو وہ جوتیاں اتار کر سیڑھی پر چڑھ کر کرسی تک پہنچتا' اگر دربان کی مرضی ہوتی تو اسے اندر جانے کی اجازت دے دیتا ورنہ دھکا دے کر نیچے گرا دیتا' جس سے کئی آدمی زخمی بھی ہو جاتے تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد ا ص ۲۲۸)

علامہ ابن بطوطہ نے ۲۵ ۷ھ اپنے سفرنامہ میں دروازہ کھلنے کا ایمان افروز منظر اس طرح بیان کیا ہے۔

باب کریم ہر نماز جمعہ کے بعد اور ۱۲ ربیع الاوّل کو کھولا جاتا ہے۔ چار پہیوں والی لکڑی کی کرسی جو منبر کے مشابہ ہوتی ہے دروازہ کے ساتھ لگائی جاتی ہے' باب کعبہ کا پردہ جسے برقعہ یا ستارہ کعبہ کہا جاتا ہے' خدام اسے اوپر اٹھاتے ہیں اور خاندان بنو شیبہ کا معمر ترین آدمی چابی لئے آتا ہے اور تالا کھول کر اندر داخل ہونے کے بعد دروازہ بند کر لیتا ہے۔ خدام پردہ چھوڑ دیتے ہیں' وہ دو نفل پڑھنے تک اندر رہتا ہے' پھر اسی طرح اس خاندان کے دوسرے آدمی بھی اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیتے ہیں۔ اس کے فارغ ہو جانے کے بعد ہر آدمی اندر جا سکتا ہے۔ وہاں موجود لوگ دروازہ کھلنے کے انتظار میں نظریں نیچی کئے عاجزی اور انکساری سے کھڑے بارگاہ خداوند قدوس میں دست بدعا رہتے ہیں' جب دروازہ کھل جاتا ہے تو پھر پروانہ وار اندر داخل ہونے کی تگ و دو کرتے ہیں۔ (سفرنامہ ابن بطوطہ ص ۱۹۵)

Marfat.com

مولانا عبدالسلام ندوی نے ۱۳۴۲ھ میں دروازہ کھلنے کے حسب ذیل اوقات بیان کئے تھے

۱۰ محرم مردوں کے لئے اور ۱۱ محرم عورتوں کے لئے۔ ۱۲ ربیع الاول صبح مردوں کے لئے اور دوسرے جمعہ کو عورتوں کے لئے۔ رجب کے تیسرے جمعہ کو صبح مردوں کے لئے اور شام عورتوں کے لئے۔ اسی طرح رمضان کا پہلا جمعہ مردوں کے لئے اور دوسرا جمعہ عورتوں کے لئے اور سترہ رمضان اور جمعۃ الوداع کو سلطان کی دعا کے لئے۔ ۱۵ ذیقعدہ مردوں کے لئے اور اس کے بعد عورتوں کے لئے۔ ۲۰ ذیقعدہ کو غسل کعبہ کے لئے اور ۲۸ ذیقعدہ کو احرام کعبہ کے لئے۔ ۲۰ ذی الحجہ کو غسل کعبہ کے لئے۔ علاوہ ازیں حج کے ایام میں کئی مرتبہ کھولا جاتا ہے۔ (تاریخ حرمین ندوی ص ۹۷'۹۸)

لیکن حجاج کی کثرت کے باعث اب یہ معمول نہیں رہا۔ البتہ ۱۷ ذی الحجہ کو غسل کعبہ کے لئے دروازہ کھولا جاتا ہے۔ چونکہ اس موقع پر سربراہ مملکت بھی تشریف لاتے ہیں اس لئے حفاظتی انتظامات بہت سخت ہوتے ہیں۔ مخصوص لوگوں کے سوا کوئی دوسرا آدمی اندر داخل نہیں ہوسکتا۔

مُلتَزَم

باب کعبہ اور حجر اسود کے درمیان چھ فٹ کا حصہ جسے مُلتَزَم کہا جاتا ہے یعنی چمٹنے کی جگہ۔

علامہ یاقوت حموی لکھتے ہیں

سمی بذالک لا لتزامه بالدعاء والتعوذ

''دعا اور تعوذ کے التزام ہی کی وجہ سے یہ نام رکھا گیا ہے''۔

(معجم البلدان جلد ۹ ص ۱۳۶)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس مقام پر کھڑے ہوکر اپنا سینہ اور رخسار دیوار سے چمٹائے' دونوں بازو اور ہاتھ دیوار پر پھیلا دیئے اور کہنے لگے میں نے اسی

Marfat.com

طرح اپنے آقا اور مولا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو کرتے دیکھا تھا۔

(ابوداؤد ص ۱۸۹، ابن ماجہ ص ۲۱۲)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ السلام سے سنا ہے کہ اس جگہ جو دعا کی جائے وہ قبول ہو جاتی ہے' چنانچہ انہوں نے تجربہ کیا تو صحیح ثابت ہوا۔ (جامع اللطیف ص ۲۹)

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام نے بھی طواف سے فارغ ہو کر اس جگہ دعا مانگی تھی۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ آب زمزم پینے کے بعد ملتزم پر آئے' تکبیر و تہلیل اور حمد باری تعالیٰ کرتے اور درود شریف پڑھتے ہوئے ملتزم سے چمٹ جائے۔ اپنے رخسار کعبہ شریف کی دیوار سے لگائے۔ غلاف پکڑ کر ہاتھ پھیلا کر اس غفور الرحیم سے دعا مانگے۔ حضور اقدس ﷺ اور صحابہ کرام کا یہی طریقہ تھا۔ دُعا کی قبولیت کے مخصوص مقامات میں ملتزم بھی ہے۔ زائرین کے تجربات اس کے شاہد ہیں۔ (فتاویٰ قاضی خان جلد ا ص ۱۳۱)

☆ رد المختار میں امام سروجی کا قول اس طرح بیان ہوا ہے کہ طواف کے سات چکر پورے کر لینے کے بعد پہلے ملتزم پر آئے پھر طواف کے نفل ادا کرے' بعد ازاں آب زمزم پیئے اور پھر حجر اسود پر آ کر اس کا استلام سعی کے لئے کرے اور یہ طریقہ زیادہ آسان اور افضل بھی ہے۔ (رد المختار جلد ۲ ص ۱۸۳)

لیکن یہ خیال رہے کہ اگر رش کی وجہ سے ملتزم تک جانا یا وہاں کھڑا ہونا دشوار ہو تو اس کے برابر میں دور کھڑے ہو کر دُعا کر لیں' کیونکہ یہ کوئی فرض یا واجب چیز نہیں ہے جب کہ رش کی حالت میں وہاں کھڑا ہونا اپنے لئے اور دوسروں کے لئے بھی سخت اذیت کا موجب ہوتا ہے' خصوصاً عورتوں کو ایسی حالت میں اس سے اجتناب فرض ہوگا۔

Marfat.com

حضرت مجاہد بیان کرتے ہیں کہ امیر معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جس آدمی نے ملتزم کے پاس گناہوں کی مغفرت کے لئے دعا کی تو اللہ تعالیٰ اسے گناہوں سے اس طرح پاک کر دیتا ہے جس طرح وہ پیدائش والے دن گناہوں سے پاک تھا۔ (تاریخ، مقویم جلد ۳ ص ۳۱۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ رب العزت کی قسم ہے کہ میں نے جب بھی ملتزم کے پاس دعا کی وہ ضرور قبول ہوئی۔ (الکفایہ مع فتح القدیر جلد ۲ ص ۴۰۰)

Marfat.com

غلافِ کعبہ

کعبہ شریف پر غلاف چڑھانے کی غرض بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح کسی انسان کو کوئی قیمتی اور نفیس چیز مل جائے تو وہ اسے سات پردوں میں چھپا کر رکھتا ہے اور اسے ہوا تک نہیں لگنے دیتا' یہی وجہ ہے کہ تبرکات اور خوشنما چیزوں کو گرد و غبار سے محفوظ رکھنے کے لئے صندوق اور مختلف قسم کے غلاف بنائے جاتے ہیں۔ بیت اللہ شریف جو بے حد واجب التعظیم عبادت گاہ اور نادر الوجود متبرک چیز ہے۔ اسے خارجی اثرات' ہوا' مٹی' پانی اور دھوپ وغیرہ سے محفوظ رکھنے اور ظاہری زیب و زینت کی غرض سے غلاف پہنایا جاتا ہے۔

مورخین مختلف الاراء ہیں کہ سب سے پہلے غلاف چڑھانے کی سعادت کسے نصیب ہوئی' اکثر روایات میں تین نام سرفہرست آتے ہیں۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام' عدنان اور شاہ تبع اسعد الحمیری' علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں

ابن جریج سے روایت ہے کہ سب سے پہلے شاہ تبع حمیری نے غلاف چڑھایا تھا' جب کہ زبیر بن بکار سے روایت ہے کہ عدنان پہلا آدمی ہے جس نے غلاف چڑھانے کی طرح ڈالی تھی۔ لیکن بعض علماء کا خیال ہے کہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے پہلے غلاف چڑھایا تھا۔ ان روایات میں اس طرح تطبیق دی جاتی ہے کہ اگر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے کہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے غلاف چڑھایا تھا تو ممکن ہے بعد میں یہ طریقہ متروک ہو گیا ہو' پھر عدنان نے اس طریقہ کو جاری کر دیا' بعد میں صدیوں یہ عمل بند رہا۔ بالآخر شاہ تبع نے اسے پھر جاری کر دیا (اور اب تک جاری ہے)۔ (فتح الباری جلد ۳ ص ۳۶۰)

Marfat.com

شاہ تبع نے غلاف کس وجہ سے چڑھایا؟

۲۔ امام ازرقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں' ایک مرتبہ شاہ تبع نے یمن میں خواب دیکھا کہ وہ کعبہ شریف پر غلاف چڑھا رہا ہے۔ چنانچہ اس نے ایک غلاف تیار کرایا اور کعبہ پر چڑھانے کے لئے مکہ معظمہ روانہ ہو گیا۔ جب وہ مکہ شریف پہنچا تو وہاں کے لوگوں نے نہ تو اس کا استقبال کیا اور نہ ہی خوش آمدید کہا۔

وہ دل میں کہنے لگا کہ ان کا یہ غرور کعبہ شریف کی وجہ سے ہے' کیوں نہ کعبہ کو مسمار کر کے ان کے غرور کو خاک میں ملا دیا جائے' لیکن اتفاق ہے وہ اس قدر سخت بیمار ہوا کہ معالجین علاج سے عاجز آ گئے۔ بالآخر کسی پیر جہاندیدہ یا ایک اہل کتاب عالم نے اسے کہا کہ اس بیماری کا اصل سبب تیرا وہ ناپاک ارادہ ہے۔ لہٰذا تو اس سے توبہ کرتا کہ تیری جان بچے۔ بادشاہ کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس نے صدق دل سے توبہ کی تو رب کعبہ نے شفا عنایت فرما دی۔ اس کے بعد اس نے غلاف چڑھایا۔

امام ازرقی اس سلسلہ کی ایک اور روایت اس طرح بیان کرتے ہیں زمانہ جاہلیت میں جب شاہ تبع مکہ مکرمہ آیا (جس کی تفصیل جلد اوّل ص ۱۷۵ میں قارئین پڑھ چکے ہیں) تو وہاں چھ دن قیام کیا اور بڑی فیاضی سے اہل مکہ کی دعوت کرتا رہا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ کعبہ شریف پر غلاف چڑھا رہا ہے۔ چنانچہ اس نے خواب کے مطابق اصف (موٹا کپڑا) کا غلاف چڑھایا۔ اس نے دوبارہ خواب دیکھا کہ اس سے عمدہ قسم کا غلاف چڑھا رہا ہے۔ چنانچہ اس نے معافیر کا غلاف چڑھایا۔ تیسری مرتبہ اسے خواب میں کہا گیا کہ اس سے بھی قیمتی اور اچھا غلاف چڑھاؤ' اس پر الملاء اور الوصائل (یمن کا دھاری دار کپڑا) کا غلاف چڑھایا۔ (اخبار مکہ ص ۱۷۳)

اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا' اسعد حمیری یعنی شاہ تبع کو برا نہ کہو' اسی نے سب سے پہلے کعبہ شریف پر غلاف چڑھایا تھا۔ (اخبار مکہ ص ۱۷۳' معجم البلدان جلد ۷ ص ۱۵۹)

امام سہیلی کے بیان کے مطابق شاہ تبع ظہور اسلام سے سات سو سال پہلے

Marfat.com

مکہ معظمہ میں آیا تھا۔ (روض الانف جلد ۱ ص ۲۷)

زمانہ جاہلیت میں کعبہ شریف پر جہاں مختلف اقسام کے غلاف چڑھائے جاتے تھے وہاں بعض اوقات کئی دوسری چیزیں بھی بطور غلاف کے لٹکا دی جاتی تھیں۔ امام ازرقی لکھتے ہیں کعبہ شریف کو مختلف قسم کے کپڑوں کا لباس پہنانے کے علاوہ قربانی کے جانوروں پر ڈالے جانے والے کمبل' چادریں' یعنی کپڑے کی جھالریں اور ریشمی و اونی چادریں بھی ہدیہ بھیجی جاتی تھیں' جنہیں کعبہ شریف پر لٹکا دیا جاتا تھا۔ جو بچ جاتیں انہیں کعبہ شریف کے خزانہ میں جمع کر دیا جاتا۔ جب غلاف کعبہ پرانا ہو جاتا یا کہیں سے پھٹ جاتا تو اس جگہ پیوند لگا دیتے۔ مگر پھٹی پرانی چیزوں کو کعبہ شریف سے جدا نہیں کرتے تھے۔ قریش مکہ سبز اور زرد خز (ایک قیمتی ریشمی کپڑا) شقاق (باریک قسم کا کپڑا) اور نماط (ایک قسم کا اونی کپڑا جو ہودج پر ڈالا جاتا تھا) یمن کی دھاری دار چادر جنہیں جرات کہتے تھے۔ نمارق العراقیہ (جو کمبل کی قسم کا کپڑا تھا) اور چمڑے کا غلاف بھی چڑھایا کرتے تھے۔ یہ سب کپڑے موٹے اور مضبوط ہوتے تھے۔ (اخبار مکہ ص ۲۴۷' ۱۷۵)

مقریزی نے لکھا ہے کہ ابتدائی زمانہ میں چمڑے اور ٹاٹ کے غلاف بھی چڑھائے گئے ہیں' اس زمانہ کے لوگ چمڑے اور ٹاٹ کا لباس بھی پہنتے تھے۔

۳۔ اسی طرح قربانی کے جانوروں کی جھولیں بطور نذرانہ کعبہ شریف کے ساتھ لٹکائی جاتی تھیں' جیسا کہ عمرو بن الحکم سلمی کی والدہ نے ایک مرتبہ کعبہ شریف کے قریب اونٹ کی قربانی دینے کی نذر مانی۔ چنانچہ اونٹ کو بھیڑ اور اونٹ کے بالوں سے تیار شدہ دو چادریں ڈال کر سجایا اور کعبہ شریف کے قریب لے جا کر ذبح کیا۔ پھر دونوں چادریں کعبہ شریف پر لٹکا دیں۔ یہ واقعہ نبی ﷺ کی ہجرت سے کچھ عرصہ پہلے کا ہے' عمرو بن الحکم کا کہنا ہے کہ میں نے کعبہ شریف پر مختلف قسم کے کپڑے' چمڑے کے ٹکڑے اور اونی لباس دیکھا ہے۔ (اخبار مکہ ص ۱۷۳)

۴۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے' زمانہ جاہلیت میں خالد بن

Marfat.com

جعفر بن کلاب نے دیباج کا غلاف چڑھایا تھا۔

۵۔ نُتیلہ بنت حبان والدۂ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب نے بھی ایک مرتبہ دیباج کا غلاف چڑھایا تھا۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بچپن میں کہیں گم ہو گئے تھے' حس پران کی والدہ نے نذر مانی کہ اگر بچہ زندہ و سلامت مل گیا تو میں کعبہ شریف پر دیباج کا غلاف چڑھاؤں گی' چنانچہ بچہ مل جانے پر انہوں نے اپنی نذر پوری کی۔

غلاف چڑھانے کا طریقہ قریش کے زمانہ تک اسی طرح جاری رہا۔ جو ریشم' چمڑا اور عراقی نمارق وغیرہ متفرق پردوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ پہلا غلاف اتارے بغیر یا غلاف ڈال دیا جاتا تھا۔

قصی بن کلاب نے اپنے عہد حکومت میں غلاف کے اخراجات مختلف قبائل پر تقسیم کر دیئے تھے جو نہایت قیمتی کپڑوں مثل دیباج اور مخمل وغیرہ کے غلاف تیار کرتے اور اس کے اندر' باہر عمدہ قسم کی خوشبوئیں لگاتے تھے۔ یہ سلسلہ ابو ربیعہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کے دور تک قائم رہا۔ پھر جب ابو ربیعہ کی تجارت کو فروغ حاصل ہوا' اور وہ امیر کبیر بن گیا' تو ایک سال غلاف کے تمام اخراجات خود ادا کرتا' اور ایک سال قریش کے تمام قبائل مل کر بنواتے تھے۔ اس نیک کام میں قریش کے ساتھ برابری اور وسعت کے ساتھ پیش آنے کی وجہ سے قریش نے ابو ربیعہ کو عدل اور اس کی اولاد کو بنو عدل کا خطاب دیا' ابو ربیعہ نے یہ طرز عمل حین حیات جاری رکھا۔ (اخبار مکہ ص ۱۷۵ تا ۱۷۷' الروض الانف جلد ۱ ص ۲۷)

امام ازرقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سال میں دو مرتبہ غلاف چڑھانے کی طرح ڈالی تھی۔ امام فاکہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سفید دیباج کا غلاف سب سے پہلے مامون الرشید نے چڑھایا تھا۔ (تاریخ الکعبہ ص ۲۳۷ تا ۲۳۹)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ دیباج کا غلاف کعبہ شریف پر سب سے پہلے کس نے چڑھایا؟ اس میں چھ اقوال پائے جاتے ہیں

Marfat.com

① خالد بن جعفر بن کلاب

② نتیلہ بنت حبان جو سیدنا عباس کی والدہ تھیں

③ سیدنا معاویہ

④ یزید بن معاویہ

⑤ سیدنا ابن زبیر

⑥ اور حجاج بن یوسف

ان اقوال میں اس طرح تطبیق دی جا سکتی ہے کہ خالد اور نتیلہ نے تو صرف غلاف کا کچھ حصہ دیباج کا ڈالا تھا۔ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ممکن ہے کہ خلافت کے آخری ایام میں دیباج کا غلاف چڑھایا ہو' اور وہی یزید کی طرف منسوب ہو گیا ہو۔ اور سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کعبہ شریف کی تعمیر نو کے بعد دیباج کا غلاف چڑھایا تھا۔ اس اعتبار سے وہ سب سے پہلے دیباج کا غلاف چڑھانے والے قرار پائے۔ لیکن ان کے غلاف کو دوام نصیب نہ ہوا' اور عبدالملک بن مروان کے حکم سے حجاج نے دیباج کا غلاف چڑھایا اور اسے دوام نصیب ہوا' تو اس اعتبار سے وہ پہلے شخص قرار پائے جنہوں نے دیباج کا غلاف چڑھایا۔ (فتح الباری جلد ۳ عنوان کسوۃ الکعبہ)

ظہور اسلام کے بعد غلاف

اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلے حضور انور ﷺ نے فتح مکہ کے دن یمن کا بنا ہوا سیاہ رنگ کا غلاف کعبہ شریف پر چڑھایا۔

- امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قباطی کا غلاف چڑھایا (جو ایک باریک قسم کا سفید مصری کپڑا تھا)
- امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مصر کے ایک قصبہ قبطیہ والوں کو غلاف تیار کرنے کا حکم دیا' انہوں نے قباطی کپڑے کا غلاف تیار کیا جسے خلیفۃ المسلمین نے کعبہ شریف پر چڑھایا اور پرانا غلاف اتار کر حجاج میں

Marfat.com

تقسیم کر دیا۔ آپ ہر سال نیا غلاف چڑھاتے تھے۔

(۹) امیر المومنین سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ بھی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طرح مصر سے قباطی غلاف تیار کراتے اور پہلے غلاف پر ہی نیا غلاف چڑھا دیتے تھے۔ اسلام کی تاریخ میں آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے پہلے غلاف پر دوسرا چڑھایا' ایک مرتبہ آپ نے یمن کے عامل یعلی بن منبہ کے ذریعہ غلاف تیار کرایا تھا۔

امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہر سال نیا غلاف چڑھاتے اور پرانا غلاف حجاج میں تقسیم کر دیتے تھے۔ کچھ عرصہ تک یہ طریقہ رائج رہا' لیکن ایک مرتبہ عثمان بن شیبہ نے کسی ناپاک عورت کے بدن پر غلاف کعبہ کی قمیص دیکھ کر اس خیال سے غلاف کی تقسیم بند کر دی کہ ہر کس و ناکس کو دینے سے اس کی بے حرمتی ہوتی ہے لہٰذا اسے دفن کر دیا جائے۔

جب ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ جب غلاف کعبہ شریف سے جدا ہو گیا تو اب اسے ہر آدمی چھو سکتا ہے۔ دفن کرنے کی بجائے اسے فروخت کر کے اس رقم کو غریب حجاج اور مسافروں میں تقسیم کر دینا زیادہ بہتر ہے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان بھی یہی تھا۔ چنانچہ عثمان بن شیبہ نے دفن کرنا ترک کر دیا اور پرانا غلاف فروخت کر کے اس کی قیمت غربا میں تقسیم کرنے لگے۔ قدیم زمانہ میں پرانے غلاف اتارے نہیں جاتے تھے انہیں پر نیا غلاف ڈال دیا جاتا تھا۔ مگر عثمان بن شیبہ نے سب سے پہلے یہ طریقہ رائج کیا کہ پرانا غلاف اتار کر فروخت کر دیا جائے اور صرف دو غلاف رہنے دیئے جائیں' مگر بعد میں یہ طریقہ بھی چھوڑ دیا گیا کبھی کبھار پرانے غلاف اتار دیئے جاتے اور کبھی ان پر غلاف ڈال دیا جاتا۔ تاہم ۲۰۰ھ سے ۲۴۲ھ تک صرف بیالیس برس میں کعبہ شریف پر موجود غلافوں کی تعداد ایک سو ستر ہو گئی تھی۔ ممکن ہے یہ تعداد ان غلافوں کی ہو جو صحیح حالت میں موجود ہوں اور جو زیادہ بوسیدہ

Marfat.com

ہو کر پھٹ چکے ہیں ان کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔ (اخبار مکہ ص ۱۸۱ تا ۱۸۳)

⑩ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہر سال قربانی کے جانوروں پر عمدہ اونی کپڑے ڈال کر انہیں ذبح کرتے' اور وہ کپڑے کعبہ شریف پر لٹکا دیتے تھے۔

خلافت بنی امیہ میں غلاف کعبہ

یہ خاندان ۴۱ھ سے ۱۳۲ھ تک ۹۱ سال برسر اقتدار رہا' ان کا دارالحکومت دمشق تھا اور ان کے کل ۱۴ خلفاء ہوئے ہیں۔

① بنو امیہ کے پہلے خلیفہ امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابتداء میں کسی سال قباطی اور مصری سن کے کپڑے کا غلاف بھیجا' بعد میں بردیمانی کا ارسال کرتے رہے' وہ سال میں دو مرتبہ غلاف چڑھاتے تھے۔ ایک مرتبہ دس محرم الحرام کو دیباج کا اور دوسری مرتبہ ۲۹ رمضان المبارک کو عید کی آرائش کے لئے قباطی کا غلاف ڈالتے تھے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کعبہ شریف کے لئے نفیس و لطیف خوشبو' دھونی' عمدہ اور قیمتی عطریات کا کوٹہ مقرر کر رکھا تھا' جن سے کعبہ شریف کو حج کے ایام میں اور ماہ رجب میں ہر نماز کے بعد معطر کیا جاتا تھا۔ (اخبار مکہ ص ۱۷۶)

ایک مرتبہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیبا اور یمن کی دھاری دار چادروں کا غلاف شیبہ بن عثمان کلید بردار کعبہ کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ پرانا غلاف اتار کر کعبہ شریف کی دیواروں کو معطر کیا جائے' اور پھر نیا غلاف چڑھا دیا جائے۔ چنانچہ شیبہ بن عثمان نے پرانے غلاف اتار کر حجاج میں تقسیم کر دیئے' اور کعبہ شریف کو خوشبو اور عطر لگا کر نیا غلاف چڑھایا۔ (اخبار مکہ ص ۱۸۰)

علامہ طاہر کردی نے کتاب الکحل والحج کے حوالہ سے لکھا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ۸ ذی الحجہ کو سرخ دیباج کا غلاف چڑھاتے تھے' مگر آزار اس وجہ سے نہ ڈالتے کہ لوگوں کے چھونے سے پھٹ جائے گا۔ جب حجاج چلے جاتے تو دس محرم کو آزار پہناتے اور پھر

Marfat.com

۲۷ رمضان شریف کو قباطی کا بنا ہوا غلاف چڑھاتے تھے۔ (تاریخ القویم جلد ۳ ص ۱۹۲)

امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مصر میں غلاف بنانے کی طرح ڈالی جسے بعد کے خلفاء نے بھی قائم رکھا۔

⑫ یزید بن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیباج خسروانی کا غلاف چڑھایا اور کعبہ شریف کی خدمت کے لئے غلام بھی مقرر کئے۔

⑬ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جب کعبہ شریف کی تعمیر نو سے فارغ ہوئے تو اندر اور باہر مشک اور عنبر کا پلستر کرایا اور پھر ۲۷ رجب کو دیباج کا غلاف چڑھایا۔ (اخبار مکہ ص ۱۷۶)

⑭ حجاج بن یوسف ثقفی نے دیباج خسروانی کا غلاف چڑھایا۔

⑮ عبدالملک بن مروان جس کا عہد خلافت ۶۲ھ سے ۸۶ھ تک تھا ہر سال نیا غلاف چڑھاتا رہا۔ خلفاء بنوامیہ سال میں دو مرتبہ غلاف چڑھاتے تھے (محرم کی دسویں اور رمضان المبارک کے آخری ایام میں)۔

⑯ ہشام بن عبدالملک نے دیباج کا غلاف چڑھایا۔

خلفاء بنوعباس کے عہد میں غلاف کعبہ

۱۳۲ھ سے ۶۵۶ھ تک تقریباً پانچ سو سال خلفاء بنوعباس نے حجاز پر حکومت کی۔ ان کا دارالخلافہ بغداد تھا۔ وہ ہر سال غلاف بھیجتے رہے۔ البتہ ان کے زوال اور کمزوری کے زمانہ میں بعض اوقات سلاطین مصر کی طرف سے اور کبھی کبھار یمن سے غلاف آتا رہا۔ عباسی سلطنت کے ابتداء میں سال کے دوران کئی کئی مرتبہ نیا غلاف چڑھایا جاتا جب کہ پرانا غلاف اتارنے میں باقاعدگی نہیں تھی۔

۱۶۰ھ میں خلیفہ مہدی عباسی جب حج بیت اللہ کے لئے گیا تو اسے کلید بردار کعبہ نے اطلاع دی کہ کعبہ شریف پر غلافوں کی اتنی تہیں چڑھ گئی ہیں کہ ان کے بوجھ سے دیواریں گر جانے کا اندیشہ ہے جس پر خلیفہ نے پرانے سب غلاف

Marfat.com

اتارنے کا حکم دیا۔ جب تمام غلاف اتار دیئے گئے تو دیواروں پر مشک عنبر اور گلاب کا لیپ کرایا اور خوشبو سے خوب معطر کر کے صرف تین غلاف ایک مصری کپڑے کا' دوسرا حریر کا اور تیسرا دیباج کا چڑھا دیئے۔ (اخبار مکہ ص ۱۸۲)

امام فاکہی کہتے ہیں میں نے خلیفہ مہدی کے غلاف کا ایک ٹکڑا دیکھا جس پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی

امر به عبدالله المهدی محمد امیر المومنین اصلحه الله محمد بن سلیمان ان یصنع من طراز تیوس کسوة الکعبه علی ید الخطاب بن مسلمه عامله سنه تسع و خمسین و مائة

''خدا کے بندے امیر المومنین مہدی محمد اللہ اس کی اصلاح فرمائے' نے ۱۵۹ھ میں محمد بن سلیمان کو حکم دیا کہ خطاب بن مسلمہ عامل کے ذریعہ تیونس شہر سے غلاف تیار کرائے''۔

امام فاکہی کا کہنا ہے کہ میں نے خلیفہ مہدی کے زمانہ کا ایک اور بھی غلاف کا ٹکڑا دیکھا جس پر یہ عبارت لکھی تھی:

بسم الله بر کته من الله ، بعبدالله المهدی محمد امیر المومنین اطال الله بقاه ، مما امر به اسماعیل بن ابراهیم ان یصنع من طراز تیس علی ید الحکم بن عبیده سنه اثنین و ستین و مائة.

''امیر المومنین مہدی محمد پر اللہ کی برکت نازل ہو' اور خدا اس کی عمر دراز کرے۔ اس کے زمانہ میں اسماعیل بن ابراہیم نے ۱۶۲ھ میں حکم بن عبیدہ کو حکم دیا کہ تیونس کا بنا ہوا غلاف کعبہ شریف پر ڈالا جائے''۔ (تاریخ الکعبہ ص ۲۳۵)

امام فاکہی لکھتے ہیں کہ میں نے خلیفہ ہارون الرشید کے غلاف کا ٹکڑا دیکھا' جس پر لکھا ہوا تھا:

بسم اللہ' بندۂ خدا امیر المومنین خلیفہ ہارون الرشید کو اللہ تعالیٰ برکت دے اور اس کی عزت کو دوبالا کرے' اس نے ۱۹۰ھ میں فضل بن ربیع کو تونہ کے

Marfat.com

کپڑے کا (قباطی کا) غلاف تیار کرانے کا حکم دیا تھا"۔ (تاریخ الکعبہ ص ۲۳۵)

(تونہ سے مراد تیونس ہی ہے)۔

علامہ طاہر کردی کتاب الحمل والحج کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ۱۹۷ھ میں فضل بن سہل ذی ریاستین اور طاہر بن حسین نے بھی غلاف چڑھایا تھا۔ (تاریخ القویم جلد ۳ ص ۹۴)

خلیفہ ماموں الرشید جس کی خلافت کا زمانہ ۱۸۸ھ سے ۲۰۸ھ تک تھا۔ خلیفہ موصوف سال میں تین مرتبہ ۸رذی الحجہ کو سرخ اطلس کا' یکم رجب کو قباطی کا اور ۲۹ر رمضان المبارک کو سفید اطلس کا غلاف چڑھاتا تھا۔ جب خلیفہ کو آگاہ کیا گیا کہ سال میں تین مرتبہ غلاف تبدیل کرنے کے باوجود غلاف پھٹ جاتا ہے تو موصوف نے سرخ اطلس کی ایک قمیص اور ایک نئی آزار کا اضافہ کر دیا۔

امام فاکہی لکھتے ہیں کہ میں نے کعبہ شریف کے قباطی غلاف کا ایک ٹکڑا دیکھا جس پر باریک سیاہ خط میں لکھا تھا

مما امر به امير المومنين المامون سنه ست و مائتين

"امیر المومنین نے ۲۰۶ھ میں اس کی تیاری کا حکم دیا"۔ (اعلام الاعلام ص ۶۸)

فاطمی خلفاء مثلاً خلیفہ حاکم المہدی' خلیفہ حمید و المستنصر' خلیفہ العسیمی اور خلیفہ ابو النصر وغیرہ فاطمی خلفاء عموماً سفید غلاف چڑھاتے رہے۔ خلیفہ ابو النصر نے ۳۶۶ھ میں ہند کا بنا ہوا سفید غلاف چڑھایا تھا' اور اسی سال یعنی ۳۶۶ھ میں سلطان سبکتگین نے زرد دیباج کا غلاف چڑھایا۔ بعد میں ناصر عباسی نے سبز دیباج کا اور ۶۴۳ ہجری میں سیاہ رنگ کا سوتی غلاف چڑھایا گیا۔ جس کے بعد اب تک کالے رنگ کا غلاف ہی چڑھایا جا رہا ہے۔ (تاریخ الکعبہ ص ۲۳۶،۲۳۷)

علامہ طاہر کردی نے کتاب الحمل والحج کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ۲۰۰ھ میں ابی السرایا الاصغر بن الاصغر نے حسین بن حسن الافطس الطالبی کے ذریعہ غلاف کے دو باریک کپڑے سرخ اور سفید بھیجے تھے جن پر اس کا نام بھی لکھا ہوا تھا۔

(تاریخ تقویم جلد ۳ ص ۱۹۵)

Marfat.com

خلیفہ جعفر متوکل علی اللہ جس کا زمانہ خلافت ۲۳۲ھ سے ۲۴۲ھ تک تھا۔ اس کے دور میں یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ یکم رجب کو سرخ اطلس کی ازار چڑھائی جاتی تھی' لیکن جب خلیفہ کو معلوم ہوا کہ حجاج کے چھونے سے وہ خراب ہو جاتی ہے تو اس نے مزید دو ازار کا اضافہ کر دیا' اس طرح تین مرتبہ ازار تبدیل ہونے لگی' علاوہ ازیں قباطی کی قمیص پر سرخ اطلس کا حاشیہ لگا کر اسے فرش تک لمبا کر دیا۔ ۲۴۰ھ تک ہر دو ماہ بعد نئی ازار چڑھائی جاتی رہی' لیکن خدام حرم نے دیکھا کہ قمیص زیادہ لمبی ہونے کی وجہ سے دوسری آزار کی چنداں ضرورت نہیں تو انہوں نے دوسری ازار کو کعبہ شریف کے صندوق میں محفوظ کر دیا' اور خلیفہ کو اطلاع کر دی کہ دوسری آزار کی ضرورت نہیں رہی' بلکہ حاشیہ والی قمیص کے ساتھ ایک ہی ازار کافی ہے' چنانچہ اس کے بعد ہر تین ماہ بعد نیا غلاف چڑھایا جانے لگا۔ (اخبار مکہ ص ۱۷۸)

۳۸۱ھ میں ابی الحسن جعفر نے سفید غلاف چڑھایا' ۳۸۴ھ میں یحییٰ بن یمان تیونس سے رو غلاف لایا۔ ۳۹۷ھ میں حاکم بامر اللہ نے سفید قباطی کا غلاف چڑھایا۔ ۴۲۳ھ میں الظاہر لاعزاز دین اللہ نے غلاف چڑھایا۔ ۴۳۷ھ سے ۴۴۳ھ تک ناصری خسرو غلاف بھیجتا رہا۔ ۴۶۶ھ میں ابی نصر الاستر اباری نے اور ۴۵۵ھ میں الصلیحی صاحب یمن نے غلاف بھیجا۔

۵۳۲ھ میں سلاطین کے باہم اختلاف کی وجہ سے غلاف کسی جگہ سے بھی نہ آیا۔ اس لئے ایک فارسی تاجر ابوالقاسم راشت نے غلاف تیار کرایا جس پر ۱۸۰۰۰ دینار مصری خرچ ہوئے۔

اس کے بعد احمد ناصر الدین اللہ عباسی نے جس کا عہد حکومت ۵۷۵ھ تا ۵۹۲ھ تھا آخری ایام میں سیاہ دیباج کا غلاف چڑھایا۔ جب کہ اس سے پہلے خلیفہ مامون الرشید کے زمانہ ۲۰۶ھ سے سفید دیباج کا غلاف چڑھایا جا رہا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ موصوف کے ابتدائی عہد حکومت میں سبز غلاف چڑھایا جاتا تھا پھر بعد میں سیاہ غلاف چڑھانا شروع کر دیا۔

Marfat.com

۶۳۳ھ میں تند و تیز طوفان باد و باراں میں غلاف پھٹ گیا' اس لئے منصور بن ربیعہ البغدادی شیخ حرم نے کالے رنگ کا سوتی غلاف چڑھایا۔

۶۶۱ھ میں سلطان الظاہر عبرس البند قداری نے غلاف بھیجا' خلفائے بنو عباس کے بعد سلاطین مصر کا یہ سب سے پہلا غلاف تھا اور کعبہ شریف کو غسل اپنے ہاتھ سے دیا' اور باب کعبہ کے لئے چابی بھی بنوائی۔

۷۵۰ھ میں ملک الناصر محمد بن قلاوون نے مصر کے نواح میں ایک گاؤں خرید کر کعبہ' حجرہ شریف اور منبر شریف کے غلاف کے لئے وقف کر دیا۔ گاؤں کی قیمت بیت المال سے ادا کی گئی۔ اس آمدن سے کعبہ شریف کا غلاف ہر سال' حجرہ شریف اور منبر شریف کا مؤلف تاریخ الکعبہ نے مذکورہ گاؤں وقف کرنے کا سن ۷۶۰ھ تحریر کیا ہے۔ نیز لکھا ہے کہ مراۃ الحرمین کے مؤلف کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک اسماعیل بن ملک ناصر محمد بن قلاوون مذکور نے تین گاؤں بسوس' سندبیس اور ابی الغیظ خرید کر وقف کئے تھے' جب کہ سالانہ آمدنی ۸۹۰۰۰ درہم تھی۔

(تاریخ الکعبہ ص ۲۳۷)

خلفائے بنو عباس کے زمانہ عروج تک غلاف تیار کرنے کی خدمت انہی کے سپرد تھی' لیکن جب گردش ایام سے ان کی حکومت میں ضعف آ گیا اور ہر سال غلاف تیار کرنے کے اخراجات مہیا نہ کر سکے تو پھر کبھی سلاطین یمن اور کبھی سلاطین مصر کی طرف سے غلاف آنے لگا۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ خدمت مستقل طور پر مصری سلاطین ہی کے سپرد ہو گئی۔ چونکہ سیاہ کپڑا خلفائے بنو عباس کا پسندیدہ تھا اس لئے وہ کعبہ شریف کا غلاف بھی سیاہ حریر کا چڑھاتے' اور مصر کا شہر تنیس جو قیمتی کپڑا بننے میں خاص شہرت رکھتا تھا وہاں غلاف تیار کراتے تھے۔

۷۲۸ھ میں ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ ملک ناصر کا بھیجا ہوا غلاف دس ذی الحج کو مکہ مکرمہ پہنچا' جسے شیبیوں نے کعبہ شریف کی چھت پر رکھ دیا۔ یہ غلاف سیاہ رنگ کا تھا' جس کے اندر کا حصہ کتان کا بنا ہوا تھا۔ اس پر چاروں

Marfat.com

طرف پٹی میں سفید الفاظ میں "جعل اللّٰہ الکعبۃ البیت الحرام قیاماً" اور دیگر قرآنی آیات لکھی ہوئی تھیں۔ (تاریخ القویم جلد ۴ ص ۲۰۰)

۸۰۰ھ میں فرج بن برقوق نے غلاف چڑھایا جس میں سونے سے مرصع زرد حریر سے کڑھائی کی گئی تھی' جس سے غلاف کی زیبائش و آرائش میں بے پناہ اضافہ ہو گیا' جب کہ سفید الفاظ میں "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" لکھا ہو تھا۔ (تاریخ القویم جلد ۴ ص ۲۰۰)۔

بعد ازاں سیاہ حریر کا برقعہ کعبہ جس کا حاشیہ سونے کی آمیزش والی چاندی سے انتہائی خوبصورت بنوایا۔ ۸۱۴ھ میں برقعہ کعبہ نیلے کمخواب کا بنایا گیا جس پر "واللّٰہ العالم ما کان و ما یکون" لکھا ہوا تھا۔

۸۱۹ھ سے ۸۲۴ھ تک سفید حریر کا غلاف چڑھایا جاتا رہا' جب کہ ۹۲۵ھ میں پھر سیاہ حریر کا غلاف چڑھایا گیا۔

۸۲۶ھ ملک اشرف برسبائی نے کعبہ شریف کے اندر کا سرخ غلاف تیار کیا۔ ۸۲۸ھ میں شاہ رخ مرزا مصر سے اندر کا غلاف لایا' جسے عید الاضحیٰ کے دن لٹکایا گیا۔ ۸۵۶ھ میں ملک ظاہر جقمق نے کعبہ شریف کے اندر ملک اشرف برسبائی اور ملک جقمق کے غلاف اتار کر اپنا غلاف لٹکایا۔ ۸۶۵ھ میں ملک ناصر ابا سعید خوش قدم والی مصر نے کعبہ شریف پر نیا غلاف چڑھایا جس کی مشرقی اور شمالی جانب سفید دیباج اور باقی غلاف سیاہ قصب کا تھا۔ ۸۷۸ھ میں مصر سے ''حسن الطویل'' کا غلاف حجاج لے کر آئے تھے۔ ۹۲۲ھ میں سلطان قانصوہ الغوری نے طواشی مرجان کے ہاتھ غلاف بھیجا تھا۔ (تاریخ القویم جلد ۴ ص ۲۰۱، ۲۰۲)

Marfat.com

خلافت ترکیہ عثمانیہ میں غلافِ کعبہ

جب مصر سلطنت عثمانیہ کے زیرِ نگیں ہو گیا تو کعبہ شریف کا اندرونی غلاف استنبول سے اور باہر کا غلاف مصر سے ہر سال آنے لگا جو سیاہ حریر کا آٹھ پردوں پر مشتمل تھا جن میں ہر جگہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" بُنا ہوا تھا۔

سلطان صالح محمد بن قلاوون کے وقف کردہ مذکورہ گاؤں کی آمدنی جب غلاف کعبہ کے لئے ناکافی ہو گئی تو سلطان سلیمان خاں (جن کا عہد حکومت ۹۲۶ھ تا ۹۷۴ھ تھا) نے حسب ذیل سات گاؤں مزید خرید کر آمدنی میں اور بھی اضافہ کر دیا۔

① سلکتہ ② سرو بجنجۃ ③ قریش الحجر ④ مسایل و کوم رحان ⑤ بجام ⑥ مینہ النصاری ⑦ بطالیہ۔

ان گاؤں کی آمدن کا تخمینہ اس طرح ہے

موضع سلکتہ	۳۰۴۹۶ درھم
سرو بجنجۃ	۷۱۸۷۰ 〃
قریش الحجر	۵۱۳۰۴ 〃
مسایل و کوم رحان	۳۷۸٤۰ 〃
بجام	۱٤۹۳٤ 〃
مینہ النصاری	٦۰۸۵۸ 〃
بطالیہ	۱۰٤۸٤ 〃
میزان	۲۷۷۷۳٦ 〃

یہ رقم تخمیناً ۸۷۰۹۸ روپے بنتی ہے۔

مذکورہ وقف نامہ کی تکمیل صفر ۹۴۷ھ میں ہوئی جس کی تجدید بارہویں صدی ہجری میں محمد علی پاشا خدیو مصر نے باضابطہ وقف نامہ لکھ کر کرائی۔ اتنی کثیر

Marfat.com

آمدن کے باوجود مصارف عموماً زیادہ ہوتے جو شاہی خزانہ سے پورے کیے جاتے تھے۔ (تاریخ الکعبہ ص ۲۴۷، ۲۵۰)

۸۱۰ھ تا ۸۱۴ھ میں غلاف کی صرف شرقی سمت میں سفید حریر سے پٹیوں کو منقش کیا جاتا رہا اور ۸۱۵ھ سے ۸۱۸ھ تک مذکورہ جانب پٹیوں کے علاوہ غلاف کا پورا حصہ سیاہ ہوتا تھا۔ ۸۱۹ھ میں پھر اس حصہ کی پٹیاں سفید حریر سے منقش کی گئیں۔ بعدازاں ۸۲۴ھ تک اسی طرز کا غلاف چڑھایا جانے لگا۔ لیکن ۸۲۵ھ میں پٹیوں کا رنگ سفید کر دیا گیا۔

غلاف کی پٹیوں پر مندرجہ ذیل آیات کڑھائی کی ہوئی تھیں

مشرقی جانب:

﴿ إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ○ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ○ وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ○ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴾ [سورہ آل عمران، آیت ۹۶، ۹۷]

مغربی جانب

﴿ وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ ○ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ○ ﴾

[سورہ بقرہ، آیت ۱۲۷، ۱۲۸]

شمالی جانب

﴿ جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ ○ ذَٰلِكَ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ○ ﴾ [سورہ المائدہ، آیت ۹۷]

Marfat.com

جنوبی جانب' حاکم مصر کے نام کے علاوہ یہ عبارت لکھی ہوئی تھی

و امره بعمل هذه الكسوة و هذا الطراز المذكور في نحو الربع

الاعلى من البيت (تاریخ الکعبہ ص ۲٤)

۸۳۸ھ میں شیراز کے سلطان شاہ رخ مرزا کا غلاف چڑھایا گیا۔ ۸۶۵ھ میں ملک الناصر ابو سعید خوش قدم والی مصر نے غلاف بھیجا جس کی مشرقی اور جنوبی جانب سفید تھی جب کہ پٹیاں سیاہ تھیں۔ اور مشرقی جانب کی بعض پٹیاں سنہری تھیں۔ ۹۲۲ھ میں سلطان قانصوہ الغوری نے غلاف بھیجا تھا۔ (تاریخ التقویم جلد ۳ ص ۲۰۲)

بعد ازیں ۹۲۳ھ سے حجاز مقدس میں سلاطین عثمانیہ کا سنہری دور شروع ہوا تو قدیم دستور کے مطابق مصر ہی سے غلاف جانے لگا۔ چنانچہ کعبہ شریف کے باہر اور اندر کا غلاف باقاعدگی سے ۱۱۱۸ھ تک مصر ہی سے جاتا رہا۔ بعد میں استنبول سے صرف کعبہ شریف کے اندر کا غلاف آنے لگا اور باہر کا غلاف مصر سے بھیجا جاتا تھا اور یہ سلسلہ ۱۲۲۱ھ تک جاری رہا۔ اس اثنا میں مصر نے غلاف بھیجنا بند کر دیا' جس کی وجہ سے امام سعود الکبیر بن عبدالعزیز آل سعود نے سرخ ریشم کا غلاف چڑھایا۔ پھر جب دولت عثمانیہ حجاز سے ختم ہو گئی تو مصر نے سابقہ روایات کے مطابق باہر کا غلاف پھر سے بھیجنا شروع کر دیا۔ (تاریخ التقویم جلد ۳ ص ۲۰۲)

غلاف کعبہ بننے کا کارخانہ مصر کے محلہ خرنفش میں واقع تھا۔ مؤلف تاریخ عارف کعبہ لکھتے ہیں' ہمارے دور ۱۳۶۳ھ میں یہ کارخانہ اسی محلہ میں موجود ہے جس کے نگران عبداللہ فائق بک ہیں۔

۱۳۳۴ھ تک یہ دستور تھا کہ غلاف کی پٹی پر سلطنت عثمانیہ کے بادشاہ کا نام لکھا جاتا تھا' لیکن ۱۳۳۳ھ میں اس کے ساتھ یہ عبارت بھی لکھ دی گئی

' والامر بها السلطان الکامل حسین "

سلطان محمد رشاد خاں ترکی عثمانی کے نام کے ساتھ سلطان حسین کامل سلطان مصر کے نام کے اضافہ وال لکڑا غالب پاشا اور امیر مکہ حسین بن علی نے تبدیل

Marfat.com

کر دیا اور اس غلاف کو ۱۳۴۱ھ تک مدینہ منورہ میں محفوظ رکھ دیا گیا۔

۱۳۳۴ھ موافق ۱۹۱۴ء کو امیر مکہ شریف حسین بن علی نے حکومت ترکیہ عثمانیہ سے بغاوت کر کے حجاز مقدس پر اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ ادھر ۱۳۴۰ھ تک غلاف مصر سے مسلسل آتا رہا۔

۱۳۴۱ھ میں حسب دستور جب مصر سے غلاف کعبہ' محمل' گندم اور ایک طبی وفد جدہ پہنچا تو شریف حسین بن علی نے اطباء کے وفد کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی' جس سے وفد اور شریف حسین کے مابین ایسا اختلاف رونما ہوا جس کی وجہ سے غلاف کعبہ دیگر جملہ اشیاء کے ساتھ واپس مصر چلا گیا۔ یہ واقع ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ کے آخری ایام میں پیش آیا۔

چنانچہ شریف حسین بن علی نے امیر مدینہ کو حکم دیا کہ حکومت ترکیہ والا غلاف بندرگاہ رابغ کے راستے فی الفور جدہ پہنچاؤ' تاکہ بروقت کعبہ شریف پر غلاف چڑھایا جا سکے۔ اس طرح شریف موصوف حسب دستور ۱۰ ذی الحجہ کعبہ شریف پر غلاف چڑھانے میں کامیاب ہو گئے۔

۱۳۴۲ھ میں شریف حسین بن علی نے عراق میں بنا ہوا ''القیلان'' موتی زین کا غلاف احتیاطاً منگوالیا کہ مصر سے غلاف نہ آنے کی صورت میں اسے کعبہ شریف پر چڑھا دیا جائے گا۔ لیکن مصر نے وقت پر غلاف حجاز مقدس بھیج دیا جسے کعبہ کی زینت بنا دیا گیا' اور عراق کے بنے ہوئے غلاف کو محفوظ رکھ دیا۔

شاہان آل سعود کے غلاف

۱۳۴۳ھ میں جلالۃ الملک عبدالعزیز بن عبدالرحمن آل سعود کو مکہ مکرمہ پر اقتدار حاصل ہو گیا' لیکن اس سال مصر کی طرف سے غلاف نہ آیا تو ملک موصوف نے عراق کا بنا ہوا القیلان کا مذکورہ بالا غلاف کعبہ شریف پر چڑھا دیا۔

۴؍ جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ مطابق ۲۰؍ دسمبر ۱۹۲۵ء کو حجاز مقدس سے

Marfat.com

شریف حسین بن علی کے بیٹے علی کا اقتدار بھی ختم ہو گیا جس کے باعث ملک عبدالعزیز بن عبدالرحمن الفیصل آل سعود حجاز مقدس کے حکمران بن گئے تو مصر سے سابقہ دستور کے مطابق غلاف کعبہ محمل اور دیگر متعلقہ جملہ چیزیں معہ وفد اور حجاج کے مکہ شریف آنا شروع ہو گئیں۔ اور مصر غلاف کعبہ شریف پر چڑھایا گیا۔ لیکن ۹ ذی الحجہ کی رات کو منیٰ اور عرفات کے درمیان محمل کے محافظ سپاہیوں اور حجاز مقدس کے باشندوں کے درمیاں خون ریز تصادم ہو گیا جس میں مشین گن اور بندوقوں کا آزادانہ استعمال ہوا۔ لیکن ملک عبدالعزیز آل سعود نے کمال دانشمندی، وسیع النظری اور بے مثال مہمان نوازی کے جذبے کے ساتھ مصری سپاہیوں سے درگزر کی اور ان کے اس جرم کو معاف کر دیا۔ بظاہر یہ معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

۱۳۴۵ھ میں غلاف کعبہ محمل اور حرمین شریفین کے لئے جو امداد صدیوں سے آرہی تھی حکومت مصر نے عین وقت پر بند کر دی اور اس کا علم سعودی حکومت کو ذی الحجہ کی ابتداء میں ہوا۔ جب کہ دس ذی الحجہ کو نیا غلاف کعبہ شریف پر چڑھانا تھا۔ لیکن وقت کی تنگی کے باوجود ملک عبدالعزیز بن سعود نے غلاف بنوانے کا کام فی الفور شروع کرا دیا۔ وزیر مالیات شیخ عبداللہ سلیمان الحمدان کی سربراہی میں یہ کام شروع ہوا۔ کالے اون کا غلاف بنوایا گیا جس پر نفیس اور عمدہ پٹیاں چاندی اور سونے کی تاروں سے بنی ہوئی آیات قرآنیہ سے مرصع تھیں اور ستارہ کعبہ بھی بنوایا گیا۔ یہ تمام کام اس برق رفتاری سے ہوا کہ صرف چند دنوں میں یہ عظیم الشان کام مکمل کر کے ۱۰ ذی الحجہ کو غلاف کعبہ شریف پر چڑھا دیا گیا۔ (تاریخ القویم جلد ۳ ص ۲۰۷)

مکہ مکرمہ میں غلاف کی تیاری

جلالۃ الملک عبدالعزیز بن عبدالرحمن الفیصل آل سعود نے اس سال یہ فیصلہ کر لیا کہ آئندہ غلاف کعبہ، ستارہ کعبہ، حزام کعبہ وغیرہ غلاف کے جملہ متعلقات سعودی حکومت کی اپنی نگرانی میں مکہ مکرمہ ہی میں تیار کئے جائیں گے۔ تا کہ مصر یا کسی بھی

Marfat.com

دوسری حکومت کے سامنے سرنگوں نہ ہونا پڑے۔

چنانچہ محرم الحرام ۱۳۴۶ھ کو وزیر مالیات شیخ عبداللہ سلیمان الحمدان کی نگرانی میں محلہ جیاد میں غلاف کی تیاری کے لئے محل کی تعمیر شروع کر دی جس کا رقبہ ۱۵۰۰ میٹر مربع تھا۔ کاریگروں نے اس قدر جاں فشانی اور محنت سے کام کیا کہ چھ ماہ کے قلیل عرصہ میں بے حد مضبوط اور خوبصورت محل تیار ہو گیا' مکہ مکرمہ کی پوری تاریخ قبل از اسلام اور بعد از اسلام میں یہ پہلا محل تھا جو خالص غلاف کعبہ کی تیاری کے لئے مکہ شریف میں بنایا گیا تھا۔

محل تیار ہو جانے کے بعد ملک عبدالعزیز آل سعود نے غلاف' حزام اور ستارہ کعبہ کے متعلقہ اوزار اور بُننے کا سامان اور کاریگر ہندوستان سے منگوانے کا فیصلہ کیا اور یہ کام ہندوستان کے ایک نامور عالم مولانا محمد اسماعیل غزنوی کے سپرد کیا' جو ہندوستان سے چالیس کاریگر اور ان کے خاندان کے بیس افراد' ۱۲ کپڑا بننے کی مشینیں اور اوزار' ریشم اور دیگر ضروریات کی چیزیں لے کر ابتداء رجب ۱۳۴۶ھ میں مکہ شریف پہنچ گئے۔ جنہوں نے غلاف کعبہ اور ستارہ کعبہ' حزام وغیرہ بالکل مصری غلاف کے مطابق بے حد مضبوط اور خوبصورت اواخر ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ میں تیار کر دیا۔ سیاہ ریشم کے اس غلاف پر "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" جس کے نیچے "یا اللہ" اور اس کے دائیں اور بائیں "جل جلالہٗ" کاڑھا ہوا تھا۔

اور غلاف کی پٹیوں پر حسب ذیل آیات سنہری اور روپہلی تاروں سے کڑھی ہوئی تھیں۔ اس غلاف کی پٹیاں مصری غلاف کی طرح ایک میٹر چوڑی تھیں۔ جن میں حضرۃ محمد ادیب آفندی خطاط نے کتابت کی تھی۔ مشرقی دیوار یعنی دروازہ کی سمت یہ آیات تھیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا
تا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ

جنوبی سمت حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان حسب ذیل آیات تھیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ

Marfat.com

حَنِيفًا ۚ وَاللّٰهُ شَهِيدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ

مغربی دیوار یعنی رکن یمانی اور حطیم کے درمیان یہ آیت تھی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ ۚ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ

جب کہ حطیم کی طرف یہ عبارت لکھی ہوئی تھی

هذا الكسوة صنعت في مكة المباركة المعظمة بامر خادم الحرمين الشريفين جلالة الملك الامام عبدالعزيز بن عبدالرحمٰن الفيصل آل سعود ملك المملكة العربية السعودية ، ايده الله تعالى بنصره ، سنه ١٣٤٦ هجريه على صاحبها افضل التحية والتسليم . (تاريخ الكعبه ص ٢٦٢ تا ٢٦٨)

جناب شبیر صاحب مؤلف "تاریخ غلاف کعبہ" کے قلم سے سعودی حکومت کے غلاف کی ابتداء کی روئداد ملاحظہ ہو

"سلطان عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن الفیصل آل سعود کو ۱۳۴۶ھ میں یہ خیال ہوا کہ غلاف کعبہ حجاز ہی میں تیار ہونا چاہئے تاکہ مصر وغیرہ کسی دوسرے ملک کی حاجت نہ رہے' انہوں نے اپنے اس پروگرام سے انڈین سکریٹری مولوی سید اسماعیل صاحب غزنوی کو آگاہ کیا' انہوں نے حاجی کریم بخش بناری جو ان دنوں حج کے لئے گئے ہوئے تھے انہیں یہ پروگرام بتایا' دونوں نے مل کر مکہ معظمہ میں غلاف کا ایک ٹکڑا تیار کر کے سلطان کی خدمت میں پیش کیا جسے سلطان نے پسند فرمایا اور سکریٹری صاحب ممدوح کو حکم دیا کہ وہ ہندوستان جا کر کاریگر' ریشم' مقیش اور اوزار بھجوائیں تاکہ خصوصاً غلاف کعبہ اور حسب ضرورت دوسری قسم کے کپڑے بھی حجاز میں تیار ہوا کریں۔

چنانچہ وہ اوائل ۱۳۴۶ھ میں ہندوستان آئے' ریشم کے لئے کشمیر کا دورہ کیا مگر وہاں کا ریشم پسند نہ آیا' بالآخر بمبئی سے ریشم کا انتظام کیا اور بنارس سے کپڑا

Marfat.com

بننے والے کاریگر فراہم کر کے انہیں مکہ معظمہ روانہ کر دیا۔ یہ لوگ حاجی حافظ رحمت اللہ کے خاندان کے افراد تھے' جو محلہ ہنومان پھاٹک کے قریب بنارس میں رہتے تھے ان میں چیدہ چیدہ کاریگروں کے نام صبغۃ اللہ' صفی اللہ اور مسیح اللہ وغیرہ تھا۔ کل ساٹھ مرد' بیس عورتیں اور ۹ بچے روانہ کیے گئے۔ عورتیں ریشم کھولنے کے لئے گئیں' مردوں کا مشاہرہ چالیس روپے سے سو روپے تک اور عورتوں کو بیس سے تیس روپے تک خوراک کے علاوہ قرار پایا۔ انہیں دو ماہ کی تنخواہیں پیشگی دی گئیں اور سفر کے تمام تر اخراجات سلطان سعود کے ذمہ تھے ان لوگوں سے تین سال کا اقرار نامہ لکھایا گیا' ان میں سے بعض مع اہل و عیال اور بعض تنہا گئے۔

یہ لوگ انیس ہزار روپیہ کا ریشم اور سترہ سو روپیہ کا لکڑی کا سامان اور وزار وغیرہ خرید کر ساتھ لے گئے۔ چونکہ حزام اور برقع کعبہ کا زریں کام مکہ مکرمہ میں ہونا دشوار تھا اس لئے ان حصوں کا ٹھیکہ حافظ حاجی بشیر الدین ساکن محلہ مسجد فتح پوری دہلی کو تخمیناً چھ ہزار روپے میں دے دیا۔

اس موقعہ پر ایک لطیفہ ذکر کرنا غالباً بے محل نہ ہوگا۔ یہ کاریگر جب مکہ معظمہ روانہ ہوئے تو اس وقت بجنور کے اخبار مدینہ کو کہیں سے یہ اطلاع ملی کہ سلطان ابن سعود غلاف کعبہ تیار کرنے کے لئے ہندوستان سے کاریگر طلب کرنے والے ہیں' اس پر مذکورہ اخبار جو ریمارکس شائع کئے ان کا خلاصہ یہ تھا

> ''ہم اس بات کو ہرگز گوارا نہیں کر سکتے کہ ہمارے بھائیوں کو اس حیلے سے مکہ معظمہ میں طلب کر کے وہابی بنایا جائے' ہم کسی کو جانے کا ہرگز مشورہ نہ دیں گے''۔

ایڈیٹر صاحب خدا جانے کس عالم میں رہتے ہیں' انہیں یہ تو گوارا ہے کہ اس کے بچے عیسائیوں کے مشن اسکولوں میں اسلامی نظریات کے خلاف تعلیم حاصل کریں' برطانیہ جا کر انواع و اقسام کی مکروہات میں مبتلا ہوں' حتیٰ کہ حلال و حرام کی بھی پروانہ رہے۔ مگر یہ گوارا نہیں کہ ان کے بھائی مکہ معظمہ کی سکونت کا شرف حاصل کریں

Marfat.com

نجدیوں کے خیالات سے متاثر ہوں جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے ہم مسلک یعنی حنبلی ہیں۔ (تاریخ غلاف کعبہ چودھویں فصل)

۱۹۶۳ء میں یہ سعادت پاکستان کے حصہ میں بھی آئی تھی' مگر جن افراد کے سپرد یہ خدمت ہوئی وہ اس کی عظمت کا تحفظ نہ کر سکے' غلاف بنانے کے جملہ انتظامات مولانا مودودی کی جماعت کے ذمہ تھے' جب غلاف بحسن وخوبی تیار ہو گیا تو نمائش کی غرض سے اسے کراچی سے پشاور تک بذریعہ ریل گاڑی لے جانے کا پروگرام طے ہوا۔ گاڑی ہر بڑے چھوٹے اسٹیشن پر ٹھہرتی اور زیارت کرنے والوں کا ہجوم غلاف پر ٹوٹ پڑتا۔ عقیدت مند جماعت کے نشہ میں مخمور شریعت کی حدود کو پھاند کر کوئی اس کے طواف میں مشغول ہیں' کوئی گاڑی کے ڈبہ کو چوم رہا ہے' کہیں اس پر چڑھاوے چڑھ رہے ہیں' حاجت روائی اور مشکل کشائی کی غرض سے عرضیاں ڈالی جا رہی ہیں اور حد یہ کہ عورتیں اپنی عفت وعصمت کو بالائے طاق رکھ کر ان غیر اسلامی اور غیر مہذب حرکات کو بجا لانے کے لئے مردوں سے دست وگریباں ہیں' غرضیکہ سوگ بنارس اور ہردوار کی پوجا پاٹ کا شرمناک منظر پیش کر رہے تھے۔

اندرون ملک علماء حق نے اس پر سخت غم وغصہ کا اظہار اور ان حرکات کے خلاف شدید احتجاج کیا اور اُدھر سعودی حکومت بھی جماعت اسلامی اور عوام کی ان بیجان سوز حرکات سے سخت برہم ہوئی۔ جس کے باعث اس غلاف کو کعبہ شریف پر چڑھانا گوارہ ہی نہ کیا۔ اس طرح ہمیشہ کے لئے پاکستان اس سعادت سے محروم ہو گیا۔

Marfat.com

غلافِ کعبہ کے اجزاء

خلافتِ عثمانیہ کے دور سے غلاف چار بڑے اجزاء میں مشتمل چلا آ رہا ہے

① اصل غلاف

② حزام یعنی پٹی

③ رنوکات یعنی دائرے

④ برقع یا ستارۂ باب کعبہ یعنی دروازۂ کعبہ کا پردہ

غلاف ۶۲ ٹکڑے جوڑ کر بنایا جاتا ہے جن میں سے ہر ایک ٹکڑا ۲۶۱ ذراع (یعنی ۳۹ فٹ یا ۱۱ میٹر ۸۹ سینٹی میٹر) لمبا اور ۹۰ سینٹی میٹر (یعنی ۳۵ انچ) چوڑا ہوتا تھا۔ کپڑے کی مجموعی پیمائش ۱۶۱۲ ذراع یعنی ۲۴۱۸ فٹ تھی۔ کپڑے کے عرض میں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ دو سطروں میں انتہائی خوشخط اوپر سے نیچے تک مسلسل کڑھائی کیا گیا تھا۔ اس طرح ۱۸ انچ چوڑے اور ۳۵ انچ لمبے ٹکڑے میں پورا کلمہ شریف آ جاتا تھا۔ اور ۳۵ انچ طول اور عرض کے ٹکڑے میں دو مرتبہ کلمہ شریف بنا ہوا تھا۔ کلمہ شریف کے حروف "الف" یا "لام الف" کی لمبائی تقریباً ۱۰۱۱ انچ اور حروف کی جسامت یا موٹائی ایک تہائی انچ تھی۔ ہر کلمہ کے اوپر جل جلالہ ایک طرف سیدھا اور دوسری طرف معکوس اس عمدگی سے لکھا گیا تھا کہ بظاہر حرف جَلَالُہٗ دکھائی دیتا تھا مگر "جیم" کا سر اور "ل" کو دو مرتبہ پڑھنے سے جل جلالہ صاف نظر آتا تھا۔ کلمہ کے اوپر ایک مثلث میں لفظ "اللہ" جو کلمہ کا جزو تھا بنا ہوا تھا اور نیچے کی طرف دوسرے مثلث میں "یا اللہ" لکھا تھا۔ (مراۃ الحرمین جلد اص ۲۹۲)

گو یہ تفصیلات ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۸ء میں موجود غلاف کی بیان کی گئی ہیں، لیکن اسی نوعیت کے غلاف خلافت عثمانیہ کے زمانہ میں چڑھائے جاتے تھے۔

Marfat.com

البتہ لکھائی کا انداز تبدیل ہوتا رہا ہے۔

حزام یعنی پٹی

تقریباً تیس فٹ چوڑی زریں کام سے مرصع ایک پٹی کعبہ شریف کے گرداگرد غلاف میں لگی ہوئی ہے۔ سنہری اور روپہلی لکھائی سے مزین اس پٹی کے موجد سلطان سلیمان خان بن سلیمان خان عثمانی ہیں' جنہوں ۹۲۳ھ میں غلاف کے ساتھ ہوئی تھی' جب کہ اس سے پہلے صرف زرد ریشم کی پٹی لگائی جاتی تھی۔ (تاریخ الکعبہ ص ۲۵۹،۲۵۸)

پٹی لگانے کا مقصد بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ غلاف کے دو ٹکڑوں کا جہاں جوڑ ملتا تھا اسے چھپانے کی غرض سے پٹی لگادی جاتی تھی' حزام یعنی پٹی کے آٹھ ٹکڑے تھے جو ہر دیوار پر دو دو ہوتے تھے۔ اس کا استر سرخ اطلس کا اور اوپر کی جانب سیاہ ریشمی مخمل کا کپڑا' جس پر طغرائی شکل میں سنہری تاروں سے بہت خوشخط آیات قرآنیہ کڑھی ہوئی تھیں۔ حزام کی ان آٹھ پٹیوں پر تقریباً سوا پینتیس سیر سونا خرچ ہوتا تھا۔

حزام پر خطاطی مصر کے شہرۂ آفاق خوشنویس ''عبدالملک بک زہدی'' نے اسماعیل پاشا خدیو کے زمانہ میں کی تھی۔ جو سلطان محمد رشاد الخامس عثمانی کے عہد میں ہوا ہے۔ (تاریخ الکعبہ ص ۲۶۰)

علامہ طاہر کردی اپنے دور سے نصف صدی قبل اور اپنے دور کی لکھائی کی تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں۔

نصف صدی قبل کی لکھائی

دروازہ والی مشرقی دیوار پر حسب ذیل آیات لکھی ہوئی تھیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ○ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ○ (البقرہ آیت ۱۲۵)

Marfat.com

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ○ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ
اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا
اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَیْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ
الرَّحِیْمُ ○ [البقرہ آیت ۱۲۷، ۱۲۸]

حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان والی دیوار پر یہ آیات لکھی تھیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَ
مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ○ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا
وَّ هُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ○ فِیْهِ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ○ بِسْمِ اللّٰهِ
الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ
شَیْئًا وَّ طَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْقَآئِمِیْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ○ وَ اَذِّنْ فِی
النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ
عَمِیْقٍ ○ [سورہ الحج آیت ۲۶]

مغربی دیوار پر کندہ آیات

لِّیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَ یَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْۤ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ
مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ ○ فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِیْرَ ○ ثُمَّ لْیَقْضُوْا
تَفَثَهُمْ وَلْیُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ ○ [سورہ الحج آیت ۲۷]

میزاب والی دیوار پر حسب ذیل عبارت لکھی ہوئی تھی

فی ایام دولة مولانا السلطان الاعظم ملك الملوك العرب و العجم
السلطان محمد خان الخامس ابن السلطان عبدالمجید خان ابن
السلطان محمود خان الغازی ابن السلطان عبدالحمید خان بن
السلطان احمد خان بن السلطان محمد خان ابن السلطان ابراهیم
خان بن السلطان مراد خان بن السلطان عثمان خان خلد الله ملكة
۱۳۸۷ھ مطابق ۱۹۶۷ء میں حسب ذیل آیات لکھی ہوئی تھیں۔

Marfat.com

دروازہ والی مشرقی دیوار پر

وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ○ وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ ○ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ○

اس کے نیچے غلاف کے وسط میں ایک سطر میں یہ عبارت لکھی تھی

تم صنع هذه الكسوة بالجمهورية العربية المتحدة في عهد الرئيس جمال عبدالناصر و اهديت الى الكعبة المشرفة في عهد خادم الحرمين الشريفين سعود بن عبدالعزيز آل سعود ملك المملكة العربية السعودية سنة ١٣٧٧ھ

حجرِ اسود اور رکن یمانی کے درمیان یہ آیات لکھی تھیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ قُلْ صَدَقَ اللَّهُ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ سے وَاللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ تک۔

مغربی حصہ پر

بسم الله الرحمن الرحيم ○ وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ سے ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ تک۔

حطیم والی دیوار پر مذکورہ آیت کا اگلا حصہ لکھا تھا

وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ○ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ○ الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ فَمَن فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ○ يا حنان يا منان يا ديان يا سبحان بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ○ وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ○

Marfat.com

جب تک غلاف کعبہ مصر سے آتا رہا یہ مقدس ہدیہ بھیجنے والے بادشاہ کا نام باب کعبہ کے پردہ پر لکھا جاتا تھا لیکن جب ۱۳۴۷ھ سے غلاف مکہ معظمہ میں تیار کیا جانے لگا تو رئیس مملکت السعودیہ کا نام غلاف پر لکھنا شروع کر دیا گیا۔ (تاریخ التقویم جلد ۳ ص ۳۱۹ تا ۳۲۱)

مؤرخ جلیل حسین عبداللہ مرحوم نے ''تحصیل امرام'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ دروازہ والی سمت میں بِسْمِ اللّٰهِ کے بعد اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ سے غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ تک بعد ازیں صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ۔

رکن حجر اسود اور رکن یمانی کے مابین بِسْمِ اللّٰهِ شریف کے بعد جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ سے بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ تک بعد صدق اللہ العظیم۔

مغربی دیوار پر بسم اللہ کے بعد وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ سے التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ تک صدق اللہ العظیم۔

حطیم والی دیوار پر بسم اللہ شریف کے بعد مما امر بعمل هذا الكسوة الشريفة العبد الفقير السلطان فلان۔ (تاریخ اسلام ص ۲۵۸)

مؤلف مرآۃ الحرمین اپنے دور کے غلاف کی پٹیوں کا طول اور ان میں زردوزی کا وزن حسب ذیل بیان کرتے ہیں۔

غلاف کعبہ میں مختلف سمتوں میں آٹھ پٹیاں لگی ہوئی ہیں

پہلی پٹی کا طول		۱۲ ۷/۸	ذراع	وزن	۱۰۳۰ ۷/۱۲	مثقال
دوسری	// //	۱۱ ۷/۸	//	//	۹۳۷ ۱/۴	//
تیسری	// //	۱۲ ۷/۸	//	//	۱۰۳۹	//
چوتھی	// //	۱۱ ۷/۸	//	//	۹۸۳ ۱/۴	//
پانچویں	// //	۱۰ ۷/۸	//	//	۹۰۱ ۱/۴	//
چھٹی	// //	۹ ۷/۸	//	//	۸۶۴ ۱/۴	//
ساتویں	// //	۱۰ ۷/۸	//	//	۸۶۷ ۱/۴	//
آٹھویں	// //	۹ ۷/۸	//	//	۸۸۴ ۱/۴	//

کل وزن ۷۵۱۳ ۱/۴ مثقال جو کہ تقریباً ۹۷۸ تولے بنتے ہیں۔ (مرآۃ الحرمین جلد ۱ ص ۲۹۳)

Marfat.com

مختلف ادوار میں غلاف چڑھانے کی تاریخ

کعبہ شریف پر غلاف چڑھانے کا دستور مختلف تاریخوں اور ایام میں چلا آرہا ہے جس کا اجمالی خاکہ حسب ذیل ہے

ادوار	ایام
ملوک تبع حمیری اور اس کے بعد	پہلا غلاف بالکل بوسیدہ ہو جانے پر نیا غلاف ڈالا جاتا تھا۔
ابتداء اسلام اور قبل اسلام قریش کے زمانہ میں	۱۰ر محرم ۸ر ذی الحجہ کو غلاف اور ۱۰ر محرم کو ازار چڑھائے جاتے تھے۔
حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے زمانہ میں	۱۰ر ذی الحجہ
سیدنا امیر معاویہؓ کی خلافت میں	① ۱۰ر محرم اور ② رمضان کے آخری ایام میں
خلیفہ مامون الرشید کے زمانہ میں	① یکم رجب ② ۲۷ر رمضان اور ③ ۸ر ذی الحجہ
چھٹی صدی ہجری کے بعد سے ۱۳۸۷ھ تک	۸ر ذی الحجہ کی صبح کو۔

(تاریخ القویم ج ۳ ص ۲۰۸)

۱۳۸۷ھ سے ۱۳۰۱ھ تک بھی ۸ر ذی الحجہ کو غلاف چڑھایا جاتا رہا لیکن شاہ فہد کے برسر اقتدار آنے کے بعد ۱۳۰۲ھ اور ۱۳۰۳ھ میں یکم ذی الحجہ کو غلاف چڑھایا گیا۔

Marfat.com

غلاف میں تحریر کردہ امرآء وسلاطین کے اسماء

قدیم زمانہ میں غلاف کعبہ میں نہ تو نقش و نگار ہوتا تھا اور نہ ہی آیات وغیرہ لکھی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ دوسری صدی ہجری کے آخر میں غلاف کی صناعت میں نفاست اور غلاف بنانے والے بادشاہ یا امیر کا نام اور پھر آیات قرآنیہ لکھنے کا سلسلہ شروع ہو گیا' چنانچہ سب سے پہلے جو عبارت غلاف پر لکھی گئی وہ حسب ذیل ہے۔

امام فاکہیؒ کہتے ہیں میں نے غربی رکن کی جانب غلاف پر یہ عبارت لکھی دیکھی

مِمّا أمر به السري بن الحكم و عبدالعزيز بن الوزير الجروي بامر الفضل بن سهل ذى الرآستين و طاهر بن الحسين ، سنة سبع و تسعين و مائة (١٩٧هـ) اى من الهجرة

امام فاکہیؒ نے غلاف کعبہ کے ایک ٹکڑے پر یہ عبارت بھی دیکھی

مِمّا امر به امير المومنين المامون سنة ست و مائتين (٢٠٦هـ)

امام فاکہیؒ کہتے ہیں میں نے خلیفہ مہدی عباسی کے غلافوں میں سے ایک غلاف پر یہ عبارت بھی لکھی دیکھی

بسم الله بركة من الله المهدى محمد امير المومنين اطال ابقاءه مما امر به اسماعيل بن ابراهيم ان يصنع من طراز تيس على يدالحكم بن عبيد النبي و ستين و مائة (١٦٢هـ)

ایک غلاف پر یہ عبارت تحریر تھی

و مما امر به عبدالله المهدى محمد امير المومنين اصلحه الله محمد بن سليمان ان يصنع من طراز تيس كسوة الكعبة ، على يد الخطاب بن سلمة عامله، سنة تسع و خمسين و مائة (١٥٩هـ)

Marfat.com

خلیفہ ہارون الرشید کے قباطی مصری غلاف پر یہ عبارت تحریر تھی

بسم اللہ برکۃ من اللہ لخلیفۃ الرشید عبداللہ ھارون امیر المؤمنین اکرمہ اللہ ممّا امر بہ الفضل بن الربیع ان یعمل من طراز تونۃ سنۃ تسعین و مائۃ (۱۹۰ھ)

ابوسرایا نے کوفہ سے دو غلاف زرد اور سفید ریشم کے بھیجے تھے جن پر یہ عبارت لکھی تھی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم و صلی اللہ علی سیدنا محمّد و علی اھل بیتہ الطیبین الاخیار ، امر ابو السرایا الاصغر بن الاصغر داعیۃ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم بعمل ھذہ الکسوۃ لبیت اللہ الحرام

یہ غلاف یکم محرم ۲۰۰ ہجری کو کعبہ شریف پر چڑھائے گئے تھے۔

بعد ازاں ۵۷۸ھ میں ابن جبیر نے غلاف پر قرآن آیات کا ذکر بھی کیا ہے۔

سبز غلاف پر سرخ رنگ میں قرآنی آیات اور خلیفہ کا نام لکھا ہوا تھا۔ مشرقی جانب بسم اللہ الرحمن الرحیم اور ان اول بیت جلی حروف میں اور باقی تینوں اطراف میں خلیفہ کا نام اور اس کے حق میں دعائیہ جملے لکھے تھے۔

۸۲۵ھ میں غلاف پر یہ عبارات لکھی ہوئی تھیں۔

مشرقی جانب کی پٹی پر

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ تا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِينَ

مغربی جانب

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ تا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ

جنوبی سمت

جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِلنَّاسِ تا وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

اور شمالی جانب مصر کے بادشاہ کا نام لکھا ہوا تھا۔

Marfat.com

تحصیل المرام میں ہے کہ سیاہ ریشمی غلاف پر سفید سوتی دھاگہ سے قرآنی
یات کڑھی تھیں' جب کہ رکن غربی اور رکن شامی کے درمیان یہ عبارت لکھی تھی

مما امر بعمل هذه الكسوة الشريفة العبد الفقير السلطان فان

سعود کے دور میں تقریباً سات سال تک سیاہ حریر کا غلاف بغیر قرآنی آیات اور
یفہ کے نام کے چڑھایا جاتا رہا۔ جب کہ ۱۳۳۳ھ میں قرآنی آیات کے علاوہ
رقی جانب محمد رشاد الخامس عثمانی کا نام لکھا ہوا تھا۔

سلطان عبدالعزیز بن عبدالرحمن الفیصل کے زمانہ میں مصر سے غلاف نہ آیا
سلطان مذکور نے غلاف بنوانے کا حکم دیا۔ اس پر قرآنی آیات کے علاوہ حطیم والی
ست میں یہ عبارت لکھی گئی تھی

هذه الكسوة صنعت في مكة المباركة المعظمة بامر خادم الحرمين الشريفين جلالة الملك الامام عبدالعزيز بن عبدالرحمن الفيصل آل سعود ملك المملكة العربية السعودية ايده الله تعالى بنصره سنة الف و ثلاث مائة و ست و اربعين هجرية على صاحبها افضل التحية واتم التسليم.

۱۳۸ھ میں مصر اور سعودی حکومت کے مابین جب ایک معاہدہ ہو گیا تو پھر غلاف پر
عبارت لکھی گئی۔

امر بصنع هذه الكسوة الشريفة لكعبة بيت الله الحرام ، صاحب الجلالة ملك مصر فاروق الاوّل ، و اهديت لها في عهد حضرة صاحب الجلالة عبدالعزيز آل سعود ملك المملكة العربية السعودية سنة الف و ثلاثمائة و خمس و خمسين هجرية

(تاریخ القویم جلد ۳ ص ۲۲۲ تا ۲۲۳)

اس کے بعد دروازہ والی سمت پر سعودی حکمران کا نام لکھا جانے لگا۔

Marfat.com

احرامِ کعبہ

کعبہ معظمہ پر ایام حج میں ایک سفید کپڑا لٹکایا جاتا ہے جسے لوگ احرام کعبہ کہتے ہیں۔ احرام کیا چیز ہے؟ اسے اس نام سے کیوں یاد کیا جاتا ہے؟ اور کب معرضِ وجود میں آیا؟

عوام الناس کا خیال ہے کہ جس طرح مناسک حج میں حاجی کے لئے احرام ضروری ہے اسی طرح کعبہ شریف کو بھی احرام باندھا جاتا ہے۔ حالاں کہ یہ خیال قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے در حقیقت ایام حج میں حجاج کثرت سے غلاف کعبہ کو چھوتے اور مس کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ پھٹ جاتا ہے۔ لہٰذا حفاظت کی غرض سے اسے قد آدم اوپر اٹھا دیا جاتا ہے تا کہ لوگوں کے ہاتھ نہ پہنچ سکیں۔ ابتداء میں جب غلاف اٹھانے کی وجہ سے کعبہ شریف ننگا نظر آیا تو ایک کپڑا بطور غلاف لٹکا دیا جاتا تھا۔ لیکن بعد میں یہ ایک مستقل دستور ہی بن گیا اور لوگوں نے اس کپڑے کا نام احرام مشہور کر دیا۔

علامہ ابن جبیر اندلسی جب ۵۷۸ھ کو زیارت حرمین شریفین سے باریاب ہوئے تو وہ لکھتے ہیں

۲۷/ذی قعدہ کو غلاف کعبہ چاروں اطراف سے قد آدم اونچا کر دیا جاتا ہے تا کہ لوگوں کے چھونے سے پھٹنے نہ پائے اور اسے احرام سے تعبیر کرتے ہیں۔ "احرمت الکعبۃ" یہ طریقہ مستقل طور پر جاری ہے۔ حجاج کے چلے جانے کے بعد غلاف کھول دیا جاتا ہے۔

بعینہٖ یہی بیان ابن بطوطہ کا ہے جب کہ وہ ۷۲۸ھ میں حج بیت الحرام کو گیا تھا۔

علامہ محمد طاہر کردی ہجیہ لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں یہ طریقہ ہے کہ ہر سال سات ذی الحجہ کو غلاف قد آدم بلند کر دیا جاتا ہے اور اس کے نیچے سفید کپڑا

Marfat.com

لٹکایا جاتا ہے' اگر چہ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ احرام کا طریقہ کب اور کیوں رائج ہوا۔ خیال ہے کہ یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ یا مامون الرشید کے زمانہ میں یہ شروع ہوا ہے۔ جیسا کہ امام ازرقی کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔

''کعبہ مشرفہ پر سال میں دو مرتبہ غلاف ڈالا جاتا ہے۔ ۸رذی الحجہ کو دیباج کا اور ۱۰رمحرم کو قباطی کا۔ لوگوں کے مس کرنے اور پھاڑنے کے پیش نظر دیباج کا غلاف اونچا رکھا جاتا تھا' اسی لئے حجاج کے مکہ مشرفہ سے چلے جانے کے بعد دس محرم کو قباطی کا غلاف بطور ازار لٹکا دیا جاتا تھا۔

مامون الرشید کو جب خلافت ملی تو اسے بتایا گیا کہ عید الفطر کے آنے سے پہلے ہی ازار کعبہ (یعنی دیبج کا غلاف) لوگوں کے چھونے سے پھٹ جاتا ہے' چنانچہ خلیفہ موصوف نے ۲۰۶ھ میں ایک اور سفید دیباج کا ازار ڈالنے کا فرمان جاری کیا' جس کے بعد سال میں تین غلاف چڑھائے جانے لگے' سرخ دیباج کا غلاف ۱۰رمحرم کو قباطی کا یکم رجب کو اور سفید دیباج کا غلاف جسے مامون الرشید نے جاری کیا تھا' ۲۷ررمضان المبارک کو۔

بعد ازاں خلیفہ کو پھر آگاہ کیا گیا کہ جو غلاف ۲۷ررمضان شریف کو چڑھایا جاتا ہے وہ ایام حج سے پہلے ہی پھٹ جاتا ہے' اس لئے موصوف نے حکم دیا کہ ۷ یا ۸ ذی الحجہ کو ایک اور سفید دیباج کا ازار ڈال دیا جائے تاکہ غلاف پھٹنے سے کعبہ معظمہ ننگا نہ ہو' اور دس محرم کو سرخ دیباج کا غلاف حسب دستور چڑھایا جائے۔

علامہ کردی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں' مذکورہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ غلاف کعبہ کو چھونے اور پھٹنے سے محفوظ رکھنے کی غرض سے خلیفہ مامون الرشید نے جس سفید ازار کے لٹکانے کی طرح ڈالی تھی' وہ آج تک جاری ہے۔ البتہ مختلف ادوار میں اس کے چڑھانے کی تاریخ متفرق رہی ہے' مثلاً ۲۷رذی القعدہ' ۷ یا ۸ ذی الحجہ' لیکن رنگ ہمیشہ سفید ہی رہا' اسی سفید ازار کا نام احرام کعبہ مشہور ہو گیا۔ (تاریخ القویم جلد ۴ ص ۲۵۹)

۱۳۰۱ھ تک مذکورہ سفید ازار ۷رذی الحجہ ہی کو لٹکانے کا معمول چلا آ رہا تھا۔

Marfat.com

لیکن ۱۴۰۲ھ میں شاہ فہد بن عبدالعزیز آل سعود کے فرماں روا بننے کے بعد یکم ذی الحجہ کو احرام لٹکائی گئی اور اسی دن غسل کعبہ بھی دیا گیا۔ ازار حجاج کے بکثرت چھونے اور کھینچا تانی سے بہت جلد پھٹ جاتی ہے۔ ۱۳۹۹ھ میں راقم الحروف نے ۱۰ ذی الحجہ کو نصف ازار پھٹی ہوئی دیکھی لیکن ۱۱ ذی الحجہ کو بالکل غائب تھی۔ یہی حال ۱۴۰۲ھ میں دیکھا گیا۔

Marfat.com

مصر سے مکہ تک غلاف کعبہ کی منازل

جس زمانہ میں غلاف کعبہ مصر کی حکومت بھیجتی تھی' غلاف کی تیاری کے علاوہ باربرداری پر بھی کثیر خرچ کرتی تھی۔ اُن کا دستور تھا کہ غلاف کو بے حد احترام اور ادب کے ساتھ صندوقوں اور تھیلوں میں بھر کر چند ذمہ دار اور با اثر افراد کے حوالے کر دیا جاتا جو اونٹوں پر لاد کر قافلہ کی صورت میں مکہ مکرمہ پہنچتے تھے۔

قاہرہ سے غلاف عموماً ۲۷/شوال کو خشکی کے راستے روانہ ہوتا تھا' جو مکہ معظمہ میں ۳۷/دن کی صبر آزما مسافت طے کر کے پہنچتا تھا۔ ۳۱ راتیں قافلہ چلنے میں اور ۷ دن مختلف منزلوں پر قیام میں صرف ہوتے تھے۔ قاہرہ سے مکہ شریف تک قدیم زمانہ میں ۳۱ منزلیں تھیں اور تقریباً چالیس سال تک حسب ذیل خشکی اور بحری رستہ سے غلاف آتا رہا۔ قاہرہ سے سویز تک ریل کے ذریعہ اور سویز سے جدہ تک بحری جہاز میں اور جدہ سے خشکی کے راستے مکہ شریف تک پہنچتا تھا۔ اس طرح سارے راستے میں کل ۱۲/منزلیں تھیں۔

غلاف کعبہ کے اخراجات

۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۰۹ء میں غلاف کعبہ کے مصارف کا تخمینہ ۲۵۵۰ گنی سالانہ تھا۔ جس کی تفصیلات اس طرح ہیں

چاندی کے تسمیں اور سنہرے تسمیں کی قیمت

۱۳۹۳۵ مثقال اور ۳۸۰۵ مثقال سفید چاندی	۵۱۵ گنی
زرکشی کا کام کرنے والوں کی اجرت جن کی تعداد ۷۴ نفر تھی	۱۳۶۴ "
حریر کی قیمت اور بننے کی اجرت' بننے والوں کی تعداد ۷۰/افراد تھی	۱۱۱۱ "
کام کرنے والے آلات کی قیمت مثلاً چھینٹ وغیرہ	۲۰۰ "

Marfat.com

شب مہرجان کے مصارف جس میں معمولاً سالانہ جلسہ ہوتا تھا	۱۵۰ گنی
غلاف کی تیاری کے آخر میں کام کرنے والوں پر صرف کیا جاتا تھا	۱۹۰ ،،
ملازمین کی تنخواہیں اور دفتر غلاف کے متعلقین کے وظائف	۸۵۰ ،،
میزان	۳۵۵۰ ،،

یہ رقم تقریباً ۲۳۷۰۰ روپے بنتی ہے۔

سلطنت مصر کے مختلف سالوں کے موازنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۸۰ء سے ۱۹۲۳ء تک صرف غلاف کی تیاری و بار برداری وغیرہ پر کم سے کم چار ہزار گنی اور زیادہ سے زیادہ دس ہزار گنی سالانہ خرچ ہوتے یعنی پچاس ساٹھ ہزار سے ڈیڑھ لاکھ روپے تک خرچ ہوتے رہے۔ ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۹۲ء کے تفصیلی اخراجات غلاف تحریر کئے جاتے ہیں۔ ان سے معلوم ہو جائے گا کہ کس مد میں کتنا خرچ ہوتا تھا۔ مصری گنی کی قیمت کم وبیش چودہ روپے کلدار ہوتی ہے جب کہ ایک ہزار ملیم کی ایک گنی ہوتی ہے۔

تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں

نمبر شمار	مدارات	گنی	ملیم
۱	ریشم	۱۱۲۲	
۲	سنہری تخیش (تار) ۱۶۰۰۰ مثقال	۱۸۹۲	۷۵۰
۳	روپہلی تخیش (تار) ۶۵۰۰ مثقال	،،	،،
۴	اخراجات زر دوری	۱۳۱۰	
۵	ریشم کی بنوائی	۵۱	۹۰
۶	ریشم کی رنگوائی	۱۳۷	۱۰۰
۷	سوتی دھاگہ کی بنوائی	۳۳	۸۵۰
۸	سبز و سرخ اطلس	۱۱	۳۳۰
۹	دھاگہ بنوائی	۳	۲۰۰

Marfat.com

۱۰	قطن مفتول، ورستی بوس قدیم وجدید	۲۴	۸۵۰
۱۱	ورستی بوس قدیم وجدید	۳۰	۵۷۰
۱۲	اجرت تکویف	–	۵۸۰
۱۳	ریشمی تکیل کی بنوائی	۴	۵۷۰
۱۴	قیمت ریشم رنگین	۶	۷۲۰
۱۵	سوت کے کام کی اُجرت	۱	۸۳۰
۱۶	سوتی دھاگے اور ریشم کی رنگوائی	۲	۳۳۰
۱۷	کرایہ مسی برائے عرق گلاب	۱	۷۲۰
۱۸	جھالر کی تیاری	۲	۵۵۰
۱۹	رسیاں	–	۷۳۰
۲۰	ٹاٹ کے تھیلے (غلاف کا کپڑا رکھنے کے لئے)	۱	۳۶۰
۲۱	سفید خاصہ (غلاف کے استر کے لئے)	۱۷	۸۸۰
۲۲	مختلف قسم کی چاندی	۱۱	۹۳۰
۲۳	ازار فقہ	۲۰	۷۳۰
۲۴	ماء ورد	۱	۲۶۰
۲۵	غلاف کعبہ کی سلائی	۷	۱۰۰
۲۶	ریل پر غلاف کعبہ لادنے کی اجرت حمالان	۲	۸۰
۲۷	متفرق اخراجات متعلق غلاف	۸	۲۲۰
۲۸	پانی	۶	۲۸۰
۲۹	حریر کی تیاری کی اجرت	۴	۲۸۰
۳۰	غلاف بننے والوں کی اجرت	۲۱۸	۸۰۰
۳۱	تنخواہ رئیس النوال (محاسب)	۳۰	
۳۲	غلاف کے لپیٹنے اور تہہ کرنے کی اجرت	۷	۵۵۰

Marfat.com

۳۳	غلاف کی درستی وصفائی	۵	۵۹۰
۳۴	کارخانہ تیاری غلاف کے متفرق اخراجات بروز جلوس	۳	۵۵۰
۳۵	مستری کا بھتہ	۱	۲۵۰
۳۶	بھتہ محاسب		۲۵۰
۳۷	الاؤنس خدمت گاراں برور جلوس	۳	۳۲۰
۳۸	الاؤنس کاریگراں بروز جلوس	۳۱	۳۸۰
۳۹	الاؤنس برور جلوس دیگر مستحقین	۱۵	۴۳۰
۴۰	الاؤنس رئیس کبیر (بڑا مستری) کو جلوس کے دن	۲	۹۳۰
۴۱	الاؤنس محاسب جلوس کے دن	۴	۵۸۰
۴۲	″ مہالی ″ ″	۱	۹۰۰
۴۳	″ قرآن پڑھنے ″ ″	۱	۳۵۰
۴۴	″ خزانچی ″ ″	۳	
۴۵	الاؤنس محافظ غلاف مقام ابراہیم جلوس کے دن	۱	۵۰۰
۴۶	″ نقیب علم بردار فرقہ سعدیہ ″ ″		۳۵۰
۴۷	″ حزام کے حمال ″ ″		۳۰۰
۴۸	″ شیخ حزامین ″ ″		۵۰۰
۴۹	″ حمال برقع (کعبہ) ″ ″		۳۰۰
۵۰	″ مشعلچیوں ″ ″		۹۵۰
۵۱	″ ررووزوں ″ ″		۸۰۰
۵۲	″ فراشوں ″ ″		۲۰۰
۵۳	″ غلاف کعبہ اٹھانے والوں ″ ″		۹۰۰
۵۴	″ دربان ″ ″		۱۰۰
۵۵	″ حمالی غلاف مقام ابراہیم ″ ″		۲۰۰

Marfat.com

۵۶	,, نقیب رفاعیہ ,, ,,		۲۵۰
۵۷	,, خیمے نصب کرنے والوں کو ,, ,,		۳۰
۵۸	,, کاتب انتظام ,, ,,		۴۵۰
۵۹	,, فراش مصلحہ ,, ,,		۱۵۰
۶۰	,, نجار ,, ,,		۴۵۰
۶۱	یوم جلوس کسوت مسجد حسین کی صفائی وغیرہ		۹۰
۶۲	یوم جلوس مسجد حسین میں		۵۵۰
۶۳	بروز جلوس غلاف کی سلائی و زردوزی		۳۵۰
۶۴	تحمیش (سنہری روپہلی تاریں گرم کرنے کیلئے کوئلے)		۱۵۰
۶۵	یوم جلوس پولیس کے سپاہیوں کے لئے بھتہ		۸۰۰
۶۶	زردوزوں کو جو تحمیش گرم کرتے ہیں	۴	
۶۷	بیت اللہ کے ممبر کے غلاف کی تیاری	۵۵	
۶۸	جلوس کی رات کے اخراجات	۸۰	
۶۹	متفرق	۱۲۸	۵۵۰
۷۰	مصارف تیاری مصطبہ (اسٹیج)	۲۰	

میزان کل ۳۶۰۰ گنی ۸۱۰ ملیم

تقریباً باسٹھ ہزار چار سو روپیہ کلدار

---

۳۰ ذیقعدہ ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۲ اکتوبر ۱۹۷۹ء کی شائع شدہ خبر کے مطابق شاہ خالد بن عبدالعزیز آل سعود نے جو غلاف کعبہ شریف کی نذر کیا اس پر حسب ذیل لاگت آئی ہے۔

غلاف پر مجموعی اخراجات ۲۰ لاکھ سعودی ریال کا تخمینہ ہے (تقریباً دو کروڑ چالیس لاکھ روپیہ) گیارہ ماہ کی مدت میں غلاف تیار ہوا' جس میں ۸۰ کلو

Marfat.com

گرام ریشم ۳۰۰ کلو گرام سونا اور چاندی اور استر کے علاوہ ۶۵۸ میٹر کپڑا استعمال ہوا۔ یہ غلاف ۱۴ میٹر لمبے ۴۷ ٹکڑوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ غلاف پر ۱۲ ٹکڑوں کی پٹی لگائی گئی ہے جس پر سونے اور چاندی کی تاروں سے قرآن مجید کی آیات مرصع کی گئی ہیں جب کہ دروازہ کا پردہ (برقع کعبہ) ۳ میٹر چوڑا اور ۷½ میٹر لمبا ہے۔ اسے مکمل طور پر سونے اور چاندی کی کامدانی (وہ ریشمی کپڑا جس پر کام کیا گیا ہے) سے تیار کیا گیا ہے۔ اس میں ۱۲۰ کلو گرام سونا اور چاندی استعمال ہوا۔ یہ پردہ بیت اللہ کے نئے طلائی دروازے پر لگایا جائے گا۔ اس سے قبل ۱۲۶۳ھ میں دروازہ نصب کیا گیا تھا۔ نئے دروازہ پر ۱۸۰ کلو گرام سونا استعمال کیا گیا ہے۔

(روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی ۲۳ اکتوبر ۱۹۷۹ء، یکم ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ)

اندر کا سرخ غلاف

Marfat.com

کعبہ شریف کا اندرونی غلاف

قارئین پڑھ چکے ہیں کہ کعبہ شریف کا بیرونی غلاف سال میں ایک مرتبہ دو اور تین مرتبہ بھی تبدیل ہوتا رہا ہے۔ کیونکہ مختلف عوارض مثلاً بارش' غبار' ہوا اور سخت دھوپ کی وجہ سے غلاف جلد کمزور ہو جاتا ہے اس لئے اسے بار بار تبدیل کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ لیکن اس کے برعکس اندر کا غلاف ہر قسم کے حوادثات سے محفوظ ہونے کی وجہ سے نیا ڈالنے کی ضرورت پیش ہی نہیں آتی۔ اس بنا پر اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں صرف چند مرتبہ اندر کا غلاف تبدیل کیا گیا ہے۔ البتہ سلاطین عثمانی ہر سال بیرونی اور اندرونی غلاف چڑھاتے رہے ہیں۔

اندر کا غلاف سب سے پہلے کس نے چڑھایا؟ اس کی صحیح تاریخ معلوم نہیں ہو سکی۔ البتہ امام تقی فاسی کے بیان کے مطابق سب سے پہلے ملک مظفر صاحب یمن نے ۶۵۹ھ میں کعبہ کے اندر غلاف لٹکایا۔ پھر ۷۶۱ھ میں ملک ناصر حسن بن محمد بن قلاوون نے سرخ ریشم کا غلاف بھیجا۔ ۸۲۶ھ میں ملک اشرف برسبائی سلطان مصر نے بھی سرخ غلاف بھیجا اور پرانا اتار دیا گیا۔ ۸۴۸ھ میں شاہ رخ سلطان عجم نے غلاف بھیجا۔ پھر ۸۵۶ھ میں ملک ظاہر جقمق اور ۸۸۳ھ میں سلطان قایتبائی نے غلاف لٹکایا۔ ۱۱۱۸ھ میں سلطان احمد خان بن سلطان محمد رابع نے اندرونی غلاف استنبول میں تیار کرنے کا حکم دیا۔ ۱۲۷۷ھ میں سلطان عبدالعزیز خان بن سلطان محمود ثانی نے نیا غلاف بھیجا جو ۱۳۶۳ھ تک موجود تھا۔ بعد میں ملک عبدالعزیز بن عبدالعزیز بن عبدالرحمن آل سعود نے نیا غلاف لٹکایا۔ اندر والا غلاف اکثر سرخ رنگ کا ہی چڑھایا جاتا رہا۔ اس وقت بھی سرخ رنگ کا غلاف موجود ہے (جو غالباً ملک عبدالعزیز کا ہی ہے)۔

Marfat.com

اندر کے غلاف کا سرخ رنگ غالباً اس وجہ سے اختیار کیا گیا کہ کعبہ شریف میں نہ تو کوئی روشندان ہے نہ کھڑکی اور نہ ہی اندر کوئی فانوس یا بجلی کا قمقمہ جلتا ہے سوا اس کے کہ جب دروازہ کھلتا ہے تو تھوڑی سی روشنی ہو جاتی ہے تو ایسے میں سرخ رنگ بآسانی نظر آ جاتا ہے۔ (تاریخ التقویم جلد ۳ ص ۲۱۶ تا ۲۸۲)

اندر والے غلاف پر لکھائی کا انداز باہر والے غلاف سے بالکل مختلف ہے جس کی تفصیل اس طرح ہے:

سب سے اوپر خوشنما بیضوی دائروں میں ''یامنان'' اور چھوٹے چھوٹے دائروں میں ''یا سلطان'' اور ''یا سبحان'' کڑھا ہوا ہے۔ پھر بیضوی دائروں میں ''یا حنان'' لکھا ہوا ہے۔ بعد ازاں تقریباً گز بھر عرض میں لہریئے کی شکل میں آیت

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

مسلسل تین مرتبہ لکھی ہوئی ہے۔ اس کے بعد جلی حروف میں مسلسل تین مرتبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کڑھا ہوا ہے اور آخر میں سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم تین جگہ کڑھا ہوا ہے۔

Marfat.com

ستارۂ کعبہ

کعبہ شریف کے دروازہ پر بے حد خوبصورت' دیدہ زیب و دلفریب ایک پردہ ڈالا جاتا ہے' جسے ستارۂ کعبہ' باب کعبہ' برقع کعبہ یا پردۂ باب کعبہ کہا جاتا ہے۔ جس پر سونے اور چاندی کی تاروں سے انتہائی نفاست کے ساتھ قرآنی آیات بنی ہوئی ہیں۔ علامہ طاہر کردی اس کی تاریخ ایجاد اور تعریف اس طرح بیان کرتے ہیں

''ہمیں اس بات کا پوری طرح علم تو نہ ہو سکا کہ باب کعبہ کا پردہ سب سے پہلے کب اور کس نے چڑھایا اور یہ بھی وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی ابتدا جواہرات سے مرصع شمسیات (چھتریوں) سے ہوئی جو مختلف اوقات میں سلاطین و امراء تحفے کے طور پر بھیجتے رہے یا مستقل طور پر اسے بنایا گیا' جب کہ قدیم زمانہ میں دروازہ کی جگہ خالی چھوڑ کر غلاف چڑھایا جاتا تھا۔ البتہ اس بات کے تاریخی شواہد موجود ہیں کہ نویں صدی ہجری کی ابتدا میں برقع کعبہ موجود تھا۔ چنانچہ کتاب "الحمل والحج" کے مؤلف نے ''صبح الاعشی جلد ۴ ص ۲۸۱، ۲۸۳'' سے نقل کیا ہے کہ ملک ناصر برقوق نے سیاہ دیباج کا غلاف کعبہ شریف پر چڑھایا' جس پر قرآنی آیات اور نقش و نگار سفید کیا گیا تھا۔ اسی نسبت سے باب کعبہ کا برقع بھی سیاہ بنوایا' جس پر قرآنی آیات سفید دھاگہ سے کڑھی ہوئی تھیں۔ یہی انداز فرج بن برقوق کے ابتدائی زمانہ میں بھی تھا' جب کہ ملک فرج کا سن وصال ۸۰۱ ہجری ہے۔ (تاریخ القویم جلد ۴ ص ۲۲۵)

علامہ محمد لبیب ستارۂ کعبہ کے حصوں اور ان پر زرنگاری کی تفصیلات اس

طرح بیان کرتے ہیں۔ پردہ پانچ حصوں پر مشتمل ہے جس کے نام یہ ہیں

① العتبہ اوپر والا حصہ جس کی لمبائی ۱۲ ۳/۴ ذراع، تخمیناً ۱۲۰۴ ۱/۳ مثقال

② الطراز نچلا حصہ جس کی لمبائی ۱۱ ۳/۴ ذراع، تخمیناً ۱۰۵۷ ۱/۳ مثقال

③ عائم الکبیر کھلنے والا حصہ جس کی لمبائی ۱۱ ۳/۴ ذراع، تخمیناً ۱۳۵۵ ۳/۴ مثقال

④ القائم الصغیر نچلے حصے سے ملا ہوا جس کی لمبائی ۹ ذراع، تخمیناً ۹۰۱ مثقال

⑤ وصلۃ القائمیں دونوں حصوں کو ملانے والا۔ (مرآۃ الحرمین جلد ۱ ص ۲۹۲) ۳۳ مثقال

میزان ۳۸۲۰ ۱/۳ مثقال

برقعہ کے حاشیہ میں بارہ چھوٹے گول دائرے ہیں جن میں "اللّٰہ ربی" لکھا ہوا ہے۔ جب کہ حاشیہ میں بیضوی دائروں میں الحمد شریف تھوڑے فاصلہ پر لکھی گئی ہے جو دوسری جانب اوپر جا کر ختم ہوتی ہے۔ حاشیہ کی پیشانی پر پہلے دائرہ میں "اللّٰہ ربی" پھر آیت "قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ" اس کے بعد چھوٹے دائرہ میں "اللّٰہ حسبی" بعد میں "فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا" اور پھر چھوٹے دائرہ میں "اللّٰہ ربی" برقع کے متن میں بارہ بڑے بیضوی دائرے، دو بڑے گول دائرے، چار مثلث نما دائرے اور کچھ پٹیاں ہیں جن میں حسب ذیل آیات کڑھی ہوئی ہیں

① پہلی سطر میں دو مستطیل دائروں میں "قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا"۔

② اس کے بعد ایک طویل دائرہ ہے جو ستارۂ کعبہ کے عرض میں واقع ہے۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ○

③ پھر چار کیلے مثلث نما دائروں میں وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○

④ اس کے بعد چار مستطیل دائروں میں آیت الکرسی لکھی ہوئی ہے۔

⑤ مذکورہ آیت الکرسی کے درمیان ایک دائرہ میں یہ آیت لکھی ہوئی ہے

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ○

⑥ دو بڑے گول دائروں میں بسم اللہ سمیت دو دفعہ قل شریف لکھی ہوئی ہے۔

⑦ مذکورہ دونوں دائروں کے درمیان وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ . تا . اِلَّا خَسَارًا ○ لکھی ہوئی ہے۔

⑧ پھر ایک مستطیل دائرہ میں بسم اللہ سمیت سورۃ فیل لکھی ہوئی ہے۔

⑨ اس کے بعد پردہ کے دائیں اور بائیں دو دائروں میں دو سطروں میں لکھا ہوا ہے۔

لا اله الا الله الملك الحق المبين محمد رسول الله صادق الوعد الامين

⑩ دو قوس نما دائروں میں بسم اللہ سمیت قل شریف لکھی ہوئی ہے۔ صدق اللہ العظیم در آخر میں دو چھوٹے دائروں میں پردہ بنانے کی تاریخ اور "صنع بمكة المكرمة" لکھا ہوا ہے۔ (تاریخ الکعبہ ص ۲۶۹، ۲۷۰)

دار الکسوۃ کے نگران حضرات

جب سے مکہ مکرمہ میں غلاف کعبہ بننے کا کارخانہ قائم ہوا' تو اس میں حسب ذیل حضرات بحیثیت نگران کے یہ مقدس خدمت انجام دیتے رہے۔

الاول الشیخ عبدالرحمٰن مظہر ۱۳۴۷ھ میں الحاج محمد خان مقرر ہوئے۔ ۱۳۵۲ھ میں شیخ احمد سالم الجوہری موصوف ۱۳۵۴ھ تک اس خدمت پر مامور تھے۔ (تاریخ الکعبہ ص ۲۶۹ تا ۲۷۱)

ستارۂ کعبہ پر اس کے علاوہ بھی عبارات لکھی جاتی رہی ہیں جن میں خلیفہ کا نام بھی ہوتا تھا۔

Marfat.com

محمل

محمل کے لغوی معنی بوجھ اٹھانے والی چیز کے ہیں' اور اس سے مراد وہ ہودج ہے جو عورتوں کی باپردہ سواری کے لئے اونٹ پر رکھا جاتا تھا۔ لیکن کچھ عرصہ تک محمل کو غلاف کعبہ کا ایک لازمی جزو تصور کر لیا گیا تھا۔ محمل کیا تھا اور اس کی ابتدا کیسے ہوئی؟ اس کی مکمل تفصیل تاریخ غلاف کعبہ میں قلمبند کی گئی ہے جو کئی صفحات پر مشتمل ہے۔ اسی طرح رحلۃ الحجازیہ میں بھی اس پر بہت کچھ لکھا گیا ہے' مگر ہم نے اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے صرف اس کا تعارف کرانا ہے۔ کیونکہ اس کی حیثیت اسلامی افکار سے مطابقت نہیں رکھتی۔ ابتدا خواہ کیسے ہوئی ہو مگر عروج اسلامی اصولوں کے صریح خلاف اور بہت سی بدعات پر منتج ہوا۔

محمد لبیب بتونی لکھتے ہیں بعض مورخین کا خیال ہے "محمل" اس ہودج کا نام ہے جس پر ملک الصالح نجم الدین کی ملکہ فاطمہ شجرۃ الدر سوار ہو کر ۶۴۵ھ میں حج بیت اللہ کو گئی تھیں' لیکن بعد میں وہ اونٹ اور مذکورہ ہودج پوری شان و شوکت کے ساتھ حرمین شریفین جاتا رہا۔ حالانکہ اس میں کوئی آدمی سوار نہیں ہوتا تھا کیونکہ بادشاہوں کی نشست گاہ پر کوئی دوسرا آدمی احتراماً نہیں بیٹھتا تھا۔

لیکن بعض مورخین اس خیال سے اتفاق نہیں کرتے' ان کے نزدیک محمل کا رواج انتہائی قدیم بلکہ اسلام سے بھی پہلے موجود تھا۔ اس کی تحقیق میں محمل اس اونٹ کو کہا جاتا ہے جس پر کعبہ شریف کے لئے ہدیے اور تحفے لاد کر بھیجا جاتا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے بیت اللہ شریف کے لئے تحفے محمل پر لاد کر مکہ بھیجا تھا۔ اسی طرح تاریخ میں محمل عراقی' محمل یمنی' محمل ابن الرشید' محمل ابن سعود' اور محمل بن دینار وغیرہ کا ذکر موجود ہے۔ یہ تمام حرمین شریفین کے لئے تحفے لانے والے اونٹ

Marfat.com

ی تھے' چنانچہ نعوم بک سقیر تاریخ سوڈان میں لکھتے ہیں

"حکومت الفور ہر سال بہت سے صدقات اور خیرات محمل کے ذریعہ حرمین شریفین بھیجتی ہے"۔

اس تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ محمل شجرۃ الدر حقیقت میں تحائف سے لدا ہوا مزین ہودج والا اونٹ تھا جو ملکہ موصوف کی سواری کے ساتھ حرمین شریفین گیا تھا۔ بعد میں تحائف بھی بھیجنے کے لئے ہر سال اس کی زیبائش و آرائش میں اضافہ ہوتا گیا' جس کے سبب محمل کی پوشش اور دیگر ہدایا کا وزن اس قدر زیادہ ہو گیا کہ انہیں متعدد صندوقوں میں بند کر کے کئی اونٹوں پر لاد کر روانہ کیا جاتا تھا۔ محمل کے غلاف اور متعلقہ چیزوں کا وزن ۱۴ قنطار تھا (جبکہ قنطار ساٹھ سیر کا ہوتا ہے)۔ علاوہ ازیں اس کے ساتھ جانے والے امراء' رؤساء اور دوسرے لوگوں کی تعداد میں بھی بے پناہ اضافہ ہو گیا جو رفتہ رفتہ جلوس کی شکل اختیار کر گیا تھا' جس پر سالانہ اخراجات ۵۰۰۰۰ جنیہ یعنی تقریباً سات لاکھ روپیہ تھے۔ (رحلۃ الحجازیہ جلد ا ص ۱۳۰ تا ۱۳۳)

اور تاریخ غلاف کعبہ کے مؤلف نے ہر ایک مد کی تفصیل علیحدہ علیحدہ بیان کر کے چھ لاکھ روپیہ سالانہ کا خرچ تحریر کیا ہے۔ (تاریخ غلاف کعبہ فصل نمبر ۹)

محمل کے ساتھ سفر کرنے کو لوگ بہت بڑی سعادت سمجھتے تھے' چند سالوں کی تعداد قارئین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے

۱۹۰۳ء میں شرکاء کی تعداد ۲۸ تھی' ۱۹۰۴ء میں ۶۹۶، ۱۹۰۵ء میں ۱۶۰۵، ۱۹۰۶ء میں ۸۳۷، ۱۹۰۷ء میں ۱۵۴۸، اور ۱۹۰۸ء میں ۱۸۲۹ ہو گئی تھی۔

(مرآۃ الحرمین جلد ۲ ص ۲۶۰)

مؤلف غلاف کعبہ کی تصریحات کے مطابق اس کے ساتھ بہت سی غیر شرعی چیزیں بھی شامل ہو گئی تھیں جن میں خصوصیت کے ساتھ اس پر نذر و نیاز چڑھانا' عرضیاں ڈالنا' اس سے مرادیں مانگنا اور بینڈ باجے قابل ذکر ہیں۔ اور بالآخر ۱۳۴۴ھ میں حسب دستور جب محمل باجے گاجوں کے ساتھ حرم میں داخل ہوا اور عرفات جاتے وقت کسی

Marfat.com

پرجوش نجدی نے اسے کھیل تماشہ تصور کر کے اونٹ کے پاؤں پر گولی مار کر زخمی کر دیا تو اس کا جواب مصری فوج نے مشین گن سے دیا اور پچاس نجدی مارے گئے۔ اس کے باوجود سلطان ابن سعود کے غیر معمولی تحمل اور مہماں نوازی نے اس فساد کو بڑھنے نہ دیا۔ یہ سب سے آخری محمل تھا۔ سلطان ابن سعود نے مصری حکومت کو کہا کہ آئندہ محمل کے ساتھ باجا نہ آئے۔ مگر مصری حکومت نے یہ شرط قبول کرنے کی بجائے اچانک کیم ذی الحجہ ۱۳۴۵ھ کو غلاف کعبہ اور محمل نہ بھیجنے کا اعلان کر دیا۔ (تاریخ غلاف کعبہ فصل ۹)

اس طرح لاکھوں روپے کا قومی سرمایہ برباد ہونے سے محفوظ ہو گیا' اور

ایک غیر ضروری اور غیر اسلامی رسم کا خاتمہ بھی ہو گیا۔

۱۲۷۶ھ میں علامہ طاہر کردی نے حجر اسود پر کاغذ رکھ کر حجر اسود کے مذکورہ آٹھ ٹکڑوں کا خاکہ تیار کیا تھا۔

Marfat.com

حجر اسود

حجر اسود بیضوی شکل کا ایک پتھر ہے' جس کے سیاہ رنگ کو ہلکی سی سرخی نکھارتی ہے۔ ایک بالشت طول اور تقریباً ۲/۳ بالشت عرض کی جسامت پر محیط ہے۔ بیت اللہ شریف کے جنوب مشرقی کونے میں صحن مسجد سے چار فٹ کی بلندی پر جلوہ نما' اپنی ضیا پاشیوں سے چار دانگ عالم کو مستنیر کر رہا ہے۔ اس کے اندر ایسی زبردست مقناطیسی کشش ہے کہ ہر ملک و قوم اور رنگ و نسل کے لوگ کھچے چلے آ رہے ہیں۔ یہ پرشکوہ پتھر جنت کے یاقوتوں میں سے ایک ہے' جسے سیدنا آدم علیہ السلام اپنے ساتھ جنت سے لائے تھے اور تعمیر بیت اللہ کے وقت ایک گوشہ میں نصب فرمایا تھا۔ طوفان نوح میں آدم علیہ السلام کا تعمیر کردہ بیت اللہ آسمانوں پر اٹھائے جاتے وقت اس متبرک پتھر کو شکم جبل ابی قبیس میں امانت رکھ دیا گیا' پھر تعمیر ابراہیمی کے وقت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کی خدمت عالیہ میں پیش کر دیا تھا' اس طرح اسے پھر اسی جگہ کی زینت بنا دیا گیا جہاں پہلے رونق افروز تھا۔ (قرطبی جلد ۲ ص ۱۲۲)

امام ازرقی عکرمہ بن خالد المخزومی سے روایت کرتے ہیں کہ جب سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے دور میں کعبہ شریف جل گیا تو میں نے حجر اسود دیکھا جو تقریباً ایک ذراع کے برابر تھا' اور اس کا رنگ سفید تھا۔ (اخبار مکہ ص ۱۵۱)

اسی طرح محمد بن نافع بیان کرتے ہیں کہ ۳۱۷ھ میں جب قرامطہ نے حجر اسود اکھاڑا تو میں نے دیکھا کہ اس کا طول ایک ذراع (۵۴ سینٹی میٹر اور حجم ۱۵ سینٹی میٹر) تھا اور اس کا جو حصہ دیوار کے اندر تھا اس کا رنگ سفید تھا۔

(تاریخ القویم جلد ۳ ص ۲۹۴)

Marfat.com

منقبت وفضائل

اس کے فضائل اور اوصاف میں حضور نبی کریم ﷺ کے بہت سے ارشادات حدیث اور تاریخ کی کتابوں کی زینت بنے ہوئے ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا

نَزَلَ الْحَجَرُ الْاَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّةِ وَهُوَ اَشَدُّ بَيَاضًا مِّنَ اللَّبَنِ فَسَوَّدَتْهُ خَطَايَا بَنِي آدَمَ

''جب جنت سے حجر اسود دنیا میں آیا تو وہ دودھ سے بھی زیادہ سفید تھا' لیکن لوگوں کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا''۔

(ترمذی شریف جلد ا ص ۱۰۷، نسائی جلد ۲ ص ۲۹)

شفیع المذنبین رحمت للعالمین ﷺ فرماتے ہیں

''حجر اسود اور مقام ابراہیم (علیہ السلام) جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں (یہ دونوں بے حد منور تھے) لیکن اللہ رب العزت نے ان کی نورانیت کو چھپا دیا' اگر ان کی روشنی کو مٹایا نہ جاتا تو یہ مشرق سے مغرب تک ہر ایک چیز کو روشن اور منور کر دیتے''۔

(ترمذی شریف جلد ا ص ۱۰۷، سنن کبریٰ جلد ۵ ص ۷۵)

امام ازرقی رحمۃ اللہ علیہ ابی عوں کی روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب کعبہ شریف جل گیا اور حجر اسود بھی ٹوٹ گیا تو میں نے اسے اندر سے دیکھا کہ چاندی کی مانند سفید تھا۔ (اخبار مکہ ص ۱۵۱)

وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ جس وقت حجر اسود جنت سے اتارا گیا تو وہ ستاروں کی طرح چمکتا تھا' کیونکہ وہ جنت کا سفید یاقوت تھا۔ (اخبار مکہ ص ۱۰)

امام ابن ظہیرہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں متعدد روایات بیان کی ہیں۔ مثلاً

Marfat.com

ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ برف سے زیادہ سفید تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ موتیوں کی طرح سفید تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ یاقوت کی طرح سفید ہے۔ ایک روایت میں چاندی کی طرح سفید بیان کیا گیا ہے۔ (جامع اللطیف ص ۲۳)

حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا

''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حجر اسود لائیں گے تو وہ جبل ابی قبیس سے بھی بڑا ہوگا' اسے زبان اور دو ہونٹ عطا کئے جائیں گے' اور وہ ان لوگوں کے حق میں سفارش کرے گا جنہوں نے خلوص نیت سے اس کے بوسے لئے تھے''۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۵ ص ۳۰' معارف السنن جلد ۶ ص ۶۵۸)

آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ

''حجر اسود جنت کے سفید یاقوتوں میں سے ایک یاقوت ہے' اس کی نورانیت کو مشرکین کے گناہوں نے سیاہی میں تبدیل کر دیا' قیامت کے دن جب اسے میدان حشر میں لایا جائے گا' تو وہ کوہ احد کی مانند بڑا ہوگا' دنیا میں جس نے اسے ہاتھ لگایا یا بوسہ دیا' اس کے حق میں شہادت دے گا''۔

(جامع صغیر جلد ۱ ص ۱۵۰)

ایک حدیث میں آپ ﷺ کا فرمان اس طرح منقول ہے

''رکن یمانی اور حجر اسود محشر کے دن اس حال میں لائے جائیں گے کہ ان دونوں کو آنکھیں' زبان اور ہونٹ عنایت کئے جائیں گے' اور یہ ان لوگوں کے حق میں وفا کی گواہی دیں گے' جنہوں نے ان کو بوسہ دیا تھا۔ یعنی گواہی دیں گے کہ ان بوسہ دینے والوں نے اقرار پورا کر دیا''۔

(مصنف عبدالرزاق جلد ۵ ص ۳۱' مجمع الفوائد جلد ۱ ص ۱۹۴)

ایک روایت میں یہ فرمان بیان ہوا ہے

''حجر اسود جنت کے پتھروں میں سے ایک پتھر ہے جو بے حد سفید تھا' اگر اسے مشرکین کے نجس ہاتھ نہ لگتے تو جو بیمار آدمی' خواہ بیماری کیسی خطرناک

Marfat.com

ہی کیوں نہ ہو' اسے چھوتا تو وہ شفایاب ہو جاتا''۔

(السنن کبریٰ جلد ۵ ص ۷۵' جمع الفوائد جلد ۱ ص ۱۹۳' مرقاۃ جلد ۵ ص ۳۱۹)

حبیب کبریا ﷺ نے ارشاد فرمایا

''حجر اسود جنت کے پتھروں میں سے ایک پتھر ہے' اگر کافروں اور فاجروں کے چھونے سے گناہوں کی نحوست اس کے ساتھ وابستہ نہ ہو جاتی تو اندھا' کوڑھی یا کسی بھی مرض کا مریض اسے چھونے سے صحت وتندرستی کی دولت سے مالا مال ہو جاتا' اور اس وقت جنت کی چیزوں میں سے اس کے سوا اور کوئی چیز دنیا میں باقی نہیں ہے''۔

(مصنف عبد الرزاق جلد ۵ ص ۳۸' جامع صغیر جلد ۱ ص ۱۳۲)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے

''اگر حجر اسود کو مشرکین کے نجس اور گنہگار ہاتھ مس نہ کرتے تو اسے چھونے اور بوسہ دینے والا ہر مرض سے شفایاب ہو جاتا' اسے اللہ کریم نے پہلی نورانی صورت سے تبدیل کر کے سیاہ رنگ کر دیا ہے تاکہ جہنمی لوگ اس کی زینت کو نہ دیکھ سکیں۔ جب سیدنا آدم علیہ السلام کا آسمان سے نزول ہوا تو اللہ رب العزت نے جنت کے یاقوتوں میں سے یہ ایک یاقوت بھی ان کے ساتھ نازل فرمایا جسے کعبہ شریف میں زینت بخشی گئی' اور ملائکہ کی ایک جماعت نے بڑے اعزاز واحترام سے اسے اس جگہ نصب فرمایا تھا اور جنات سے محفوظ رکھنے کی غرض سے اس کی حفاظت بھی کرتے رہے۔

اس وقت تک زمین انسانی آبادی سے خالی اور انسانوں کے گناہوں سے پاک تھی۔ لیکن جنات اس قابل نہیں تھے کہ اس کے دیدار سے مشرف ہوں' کیونکہ یہ تو جنت کی نادر الوجود چیز تھی' اور جنت کی کسی چیز کا دیدار جنت میں داخلہ کا باعث بن سکتا تھا''۔ (جمع الفوائد جلد ص ۱۹۴)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضور اقدس ﷺ کا ارشاد بیان کرتے ہیں

Marfat.com

''حجر اسود زمین پر اللہ کریم کا ہاتھ ہے' جس سے اللہ پاک اپنے بندوں سے معافحہ کرتے ہیں' جس طرح ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی سے معافحہ کرتا ہے۔ دنیا میں جس نے خلوص نیت سے اس کا استلام کیا تو قیامت کے دن یہ اس کے حق میں گواہی دے گا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے' حجر اسود کے قریب مسلمان اللہ کریم سے جو کچھ بھی مانگے گا وہ حل کر رہے گا''۔

(مصنف عبدالرزاق جلد۵ ص۳۹، اخبار مکہ ص ۲۲۸'۲۳۰)

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہے

''حجر اسود زمین میں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے جس مسلمان کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کا شرف نصیب نہیں ہوا' لیکن اس نے حجر اسود کا بوسہ لے لیا تو اب اس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کا اعزاز حاصل کر لیا''۔

(جامع صغیر جلد ا ص ۱۵۰، معارف السنن جلد ۶ ص ۳۳۵، اخبار مکہ ص ۲۲۹)

سیدنا ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

''جس شخص نے حجر اسود کا استلام کرتے ہوئے اسے چھویا گویا کہ اس نے اللہ رب العزت کے دست قدرت کو چھونے کی سعادت حاصل کر لی''۔(نسائی جلد ا ص ۲۸)

عبداللہ بن عبید بن عمیر سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ

''حجر اسود اور رکن یمانی کو چھونے سے گناہ جھڑ جاتے ہیں''۔

(جامع اللطیف ص ۲۵)

امام ابن ظہیرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

''جنت کے اس انتہائی منور اور چمکدار پتھر کو ''حجر اسود'' (کالا پتھر) کہنے کی کیا وجہ ہے؟ آیا اس کا یہ نام ابتداء سے چلا آ رہا ہے یا اس کا رنگ تغیر ہونے کے بعد اس نام سے مشہور ہوا۔ امام موصوف نے اپنے جد امجد سے

Marfat.com

یہی سوال کیا تھا تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ میں نے کسی کتاب میں یہ بات تو نہیں پڑھی لیکن غالب خیال یہ ہے کہ اس کا رنگ جب سفیدی سے سیاہی میں تبدیل ہو گیا تو پھر اسے حجر اسود کہا جانے لگا"۔ (جامع اللطیف ص ۲۵)

علاوہ ازیں حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں سیدنا ابراہیم سیدنا اسماعیل علیہ السلام اور اس کے بعد کچھ زمانہ تک اسے صرف "حجر" ہی کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ البتہ حدیث شریف میں قریش اور نبی کریم ﷺ کی زبان سے حجر اسود کے الفاظ ملتے ہیں۔

بایں ہمہ اس کا رنگ بتدریج تبدیل ہوا ہے' یک لخت سیاہ نہیں ہو گیا' یہی وجہ ہے کہ قرون اولیٰ کے کئی لوگوں نے اس میں سفیدی دیکھی ہے' چنانچہ امام ابن ظہیرہ' قاضی عز الدین بن جماعۃ کا قول بیان کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ۷۰۸ھ کو میں نے حج کیا تو حجر اسود میں سفید نقطہ دیکھا تھا جو بعد میں ختم ہو گیا۔ (جامع اللطیف ص ۲۳)

اسی طرح علامہ ابن خلیل نے اپنی تصنیف "منسک الکبیر" میں لکھا ہے کہ میں نے حجر اسود میں تین سفید نشانات دیکھے تھے' ان میں سے بڑا نشان باب کعبہ کی جانب تِل کے دانے جتنا تھا۔ دوسرا اس سے چھوٹا اور تیسرا باجرہ کے دانے کے برابر تھا۔ (جامع اللطیف ص ۲۳)

امام ابن ظہیرہ رحمہ اللہ ان روایات کے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ بڑی عبرت ناک بات ہے کہ اگر گناہ کے اثر سے پتھر کالا ہو جاتا ہے تو یقیناً گناہ انسان کے دل کو بھی کالا کر دیتے ہیں۔ اس لئے گناہ سے اجتناب انتہائی ضروری ہے۔ ورنہ آئینہ کی طرح شفاف دل بھی گناہ کی آلودگی سے حجر اسود کی طرح سیاہ ہو جائے گا۔ (جامع اللطیف ص ۲۳)

اسی طرح ابی عون نے تعمیر ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے وقت حجر اسود کو دیکھا جو اندر سے چاندی کی طرح سفید تھا' علامہ محمد بن علان الصدیقی کا بیان ہے کہ ۱۰۴۰ھ میں جب سلطان مراد خان نے کعبہ شریف تعمیر کرایا تو مجھے حجر اسود دیکھنے کی سعادت بھی میسر ہوئی' جس کا طول ایک ذراع کے قریب تھا اور اس کے سامنے والے

Marfat.com

سرے کے علاوہ سارا سفید تھا۔ (تاریخ الکعبہ ص ۱۱۱، تاریخ القویم جلد ۳ ص ۳۰۰)

علامہ طاہر کردی لکھتے ہیں ۱۳۷۶ھ میں جب کہ میں تاریخ القویم لکھ رہا ہوں' اس وقت بھی حجر اسود کا جو حصہ دیوار کے اندر ہے اس کے سفید ہونے میں شک نہیں' جب کہ اس کا جو حصہ سامنے نظر آ رہا ہے وہ کالا ہو چکا ہے اس میں سفیدی کا نام ونشان تک باقی نہیں رہا۔ (تاریخ القویم جلد ۳ ص ۳۰۰)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حجر اسود پر تشریف لائے تو اپنے مبارک ہونٹوں سے اس کا طویل بوسہ لیا اور زار و قطار رو رہے تھے' جب فارغ ہو کر دیکھا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بھی گریہ کناں پایا' تو آپ اس طرح گویا ہوئے'

''عمر یہی جگہ ہے جہاں آنسوؤں کی ندیاں بہائی جاتی ہیں''۔ (ابن ماجہ ص ۲۱۱)

ایک مرتبہ سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ حجر اسود کے پاس تشریف لائے اور اسے بوسہ دیا۔ پھر فرمانے لگے' تو ایک پتھر ہے نہ تو کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی نقصان' اگر میں نے اپنے محبوب' محبوب خدا ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو میں بھی تجھے نہ چومتا۔ (بخاری شریف جلد ۱ ص ۲۱۷)

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حجر اسود کو ہاتھ لگا کر استلام کیا اور پھر ہاتھ کو بوسہ دیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ جس وقت سے میں نے نبی کریم ﷺ کو اس طرح کرتے دیکھا ہے میں ہمیشہ سے اس پر عمل کر رہا ہوں۔ (بخاری شریف جلد ۱ ص ۲۱۹، مسلم شریف جلد ۱ ص ۴۱۲)

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ طواف کرتے ہوئے جب حجر اسود پر پہنچے تو اسے بوسہ دیا اور فرمایا کہ میں جانتا ہوں تو ایک پتھر ہے نہ تو نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی نقصان دے سکتا ہے' اگر میں نے اپنے آقا اور مولا' مولائے کل ختم رسل ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو میں کبھی بھی بوسہ نہ دیتا۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جو قریب ہی کھڑے تھے' ضبط سخن نہ کر سکے' اور

Marfat.com

فرمانے لگے کہ نفع اور نقصان دونوں چیزیں اس میں موجود ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا یہ کیونکر ہوسکتا ہے؟ تو امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ روز ازل میں جب اللہ کریم نے اپنے بندوں سے اپنے رب العالمین ہونے کا اقرار لیا تو اس اقرار کو کتاب میں درج کر کے اس پتھر (حجر اسود) میں محفوظ کر دیا تھا۔

چنانچہ قیامت کے دن یہ پتھر گواہی دے گا کہ فلاں شخص نے اقرار پورا کیا یعنی مومن ہو گیا اور فلاں نے انکار کیا اور کافر ہو گیا۔ (کنز العمال جلد ۵ ص ۱۷۷، البدایہ جلد ۵ ص ۱۵۳، فتاوی قاضی خان جلد ۱ ص ۱۳۹)

گویا کہ اس کی تعظیم و تکریم کرنے والوں کو خداوند قدوس کے حکم سے نفع پہنچتا ہے اور اس کی بے حرمتی اور تذلیل کرنے والوں کو نقصان۔

(اشعۃ اللمعات جلد ۲ ص ۳۳۷)

مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ ارقام فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات بالاعلان اور علی رؤس الاشہاد اس لئے فرمائی تا کہ کوئی نا تربیت یافتہ یا مسلمان حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے اکابر مسلمین کا حجر اسود کو چومتا دیکھ کر یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ اس پتھر میں کوئی خدائی کرشمہ اور خدائی صفات 'بناؤ اور بگاڑ کی کوئی طاقت' ہے جس کے سبب سے اسے چوما جا رہا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے ایک اصولی اور بنیادی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ کسی چیز کی جو تعظیم و تکریم اس نظریہ سے کی جائے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے تو وہ تعظیم برحق ہے لیکن اگر کسی مخلوق کو نافع اور ضار اور بناؤ بگاڑ کا مختار یقین کر کے اس کی تعظیم کی جائے تو وہ شرک کا ایک شعبہ ہے اور اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ (معارف الحدیث جلد ۴ ص ۲۵۲)

مولانا موصوف دوسرے مقام پر لکھتے ہیں حجر اسود دیکھنے میں تو پتھر کا ایک ٹکڑا ہے لیکن اس میں ایسی روحانیت ہے جس سے وہ ہر اس شخص کو پہچانتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نسبت سے ادب اور محبت کے ساتھ بلا واسطہ یا بالواسطہ اسے چومتا ہے

Marfat.com

(یعنی اپنے ہونٹوں' ہاتھ یالاٹھی سے اسے چھو کر ہاتھ یالاٹھی کو چوم لیتا ہے) وہ اس کا استلام کرتا ہے۔

قیامت کے دن اللہ پاک اسے دیکھنے اور بولنے والی ہستی بنا کر کھڑا کرے گا' اور وہ ان بندوں کے حق میں شہادت دے گا جو اللہ کے حکم کے مطابق عاشقانہ اور نیازمندانہ شان کے ساتھ اس کا استلام کرتے تھے۔ (معارف الحدیث جلد ۴ ص ۲۵۱)

علامہ یاقوت حموی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حجر اسود انسان کے سر کے برابر موٹا ہے۔ (معجم البلدان جلد ۷ ص ۲۵۶)

حجر اسود سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے کہاں سے حاصل کیا تھا؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب پورے وثوق اور یقین سے نہیں دیا جا سکتا' کیونکہ اس سلسلہ میں متعدد روایات پائی جاتی ہیں۔

ابن حاتم نے سدی سے روایت کی ہے' جب آدم علیہ السلام جنت سے اتارے گئے تو وہ حجر اسود اپنے ساتھ لائے تھے۔ ان کے وصال کے بعد ہند میں محفوظ رہا۔ یہ سفید چمکدار یاقوت تھا۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے کعبۃ اللہ کی تعمیر فرمائی تو جبرئیل علیہ السلام اسے ہند سے لائے اور آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ پھر لوگوں کے خطاکار ہاتھوں نے اسے سیاہ کر دیا۔ (فتح الباری جلد ۶ ص ۳۱۴)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مقام ابراہیم اور حجر اسود سیدنا آدم علیہ السلام کے ساتھ آسمان سے رات کے وقت اتارے گئے۔ صبح کے وقت جب آپ نے ان دونوں کو دیکھا تو پہچان لیا' ان سے لپٹ گئے اور پیار کرنے لگے۔ (اخبار مکہ ص ۳۲۹)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت اس طرح بھی ہے کہ جب سیدنا آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکہ معظمہ پہنچے تو وہاں ان کے لئے حجر اسود جنت سے اتارا گیا جو بے حد چمکدار اور سفید تھا' حضرت آدم علیہ السلام نے فرط محبت سے اسے چوما اور محفوظ کر لیا۔ (اخبار مکہ ص ۳۲۹)

Marfat.com

حضرت مجاہد کا قول ہے کہ حجر اسود فنا نہیں ہوگا' کیونکہ یہ جنت کا پتھر ہے اور جنت کی چیزوں کے لئے فنا نہیں ہے۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۵ ص ۳۸)

علامہ طاہر کردی امام ازرقی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں' طوفان نوح کے وقت اللہ تعالیٰ نے حجر اسود کو جبل ابی قبیس میں محفوظ کر کے پہاڑ کو حکم دیا کہ جب تو ابراہیم خلیل اللہ کو بیت اللہ تعمیر کرتے ہوئے پائے تو یہ امانت ان کے سپرد کر دینا۔ چنانچہ جب سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کعبہ شریف تعمیر کر رہے تھے اور دیواریں حجر اسود کی جگہ تک بلند ہوگئیں تو آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو فرمایا کوئی پتھر تلاش کر کے لاؤ جسے یہاں نصب کیا جائے تاکہ طواف شروع کرنے کی علامت بن جائے۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام تلاش کرنے چلے گئے' لیکن واپس آ کر دیکھا کہ وہاں بے حد عمدہ پتھر نصب ہو چکا ہے۔ والد گرامی سے پوچھا کہ یہ پتھر کہاں سے آ گیا؟ انہوں نے فرمایا یہ جبرئیل علیہ السلام لائے ہیں۔ جس وقت جبرئیل نے اسے نصب کیا تو زبردست سفیدی کے باعث جگمگا رہا تھا' اس کی روشنی سے شرق و غرب اور یمن منور ہو گئے' اس کی روشنی حدود حرم تک پھیلی ہوئی تھی۔ (تاریخ القویم جلد ۳ ص ۲۹۳)

مصنف عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ یہ پتھر جبل ابی قبیس میں محفوظ تھا اس پہاڑ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آواز دی کہ آپ کی امانت میرے پاس محفوظ ہے آپ وصول فرما لیجئے۔ چنانچہ آپ نے پہاڑ کھود کر حجر اسود نکالا اور کعبہ کی زینت بنا دیا۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۵ ص ۹۶)

ابی جہم سے روایت ہے کہ جب سیدنا اسماعیل علیہ السلام پتھر تلاش کرنے قریبی نالہ کی طرف گئے تو اس اثنا میں جبرئیل علیہ السلام آسمان سے حجر اسود لے کر حضرت خلیل علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ طوفان نوح میں جب ہر چیز غرقاب ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے اس مقدس پتھر کو آسمان پر اٹھا لیا تھا۔

چنانچہ جب اسماعیل علیہ السلام واپس آئے تو اس جگہ ایک نفیس اور مسور پتھر نصب دیکھ کر دریافت کیا کہ یہ کہاں سے آ گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا یہ

Marfat.com

جبرئیل علیہ السلام لائے ہیں۔ (فتح الباری جلد ۶ ص ۳۰۳)

علامہ طاہر کردی لکھتے ہیں' حجر اسود کی عظمت وجلالت میں یہ ایک دقیق نکتہ ہے کہ ہم اسی جگہ بوسہ دیتے ہیں' جہاں امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ نے اپنے مبارک ہونٹوں سے بوسے دیئے تھے' اور جہاں انبیائے کرام علیہم السلام کے مبارک مس کرتے رہے ہیں' اسی طرح ہمارے ہاتھ بھی اسی جگہ لگتے ہیں جہاں انبیاء کے مقدس ہاتھ لگتے تھے۔ لہٰذا اے مسلمان' جب تو اس نقطہ کو سمجھ جائے تو پھر حجر اسود کا بوسہ دینے اور ہاتھ سے مس کرنے میں غفلت نہ کرنا۔

(تاریخ القویم جلد ۳ ص ۲۹۹)

امام ابن ظہیرہ فرماتے ہیں' اس عظیم المرتبت پتھر کا یہ حیرت انگیز وصف ہے کہ نہ تو پانی میں ڈوبتا ہے اور نہ ہی آگ میں گرم ہوتا ہے۔ (جامع اللطیف ص ۲۵)

یہ مقدس پتھر کئی مرتبہ حوادثات کا شکار ہوا اور اسے اکھاڑ کر چرا لیا گیا' مثلاً جرہم' ایاد' عمالقہ' خزاعہ اور آخر میں قرامطہ نے چرایا تھا۔ (جامع اللطیف ص ۳۵)

قرب قیامت میں حجر اسود اٹھا لیا جائے گا

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔

''حجر اسود کا کثرت سے استلام کرو' ایک وقت آئے گا کہ تم اسے اپنی جگہ موجود نہ پا کر افسوس کرو گے' رات کے وقت لوگ طواف کے دوران اس کا استلام کرتے رہیں گے مگر صبح کے وقت اسے غائب پائیں گے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنت کی کسی چیز کو بھی دنیا میں نہیں چھوڑنا' قیامت سے پہلے اسے دوبارہ اٹھا کر جنت میں پہنچا دیں گے''۔ (اخبار مکہ ص ۴۴۴)

یوسف بن ماہک سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے حجر اسود کو ''عید'' قرار دیا ہے۔ جس طرح بنی اسرائیل کے لئے مائدہ عید کا موجب بنا تھا۔

Marfat.com

جب تک تم بھلائی پر رہو گے یہ مقدس پتھر تمہارے درمیان موجود رہے گا' لیکن جس طرح جبرئیل امین نے اسے اس مقام پر نصب کیا تھا' وہی اسے اٹھا کر جنت میں لے جائیں گے۔ (اخبار مکہ ص ۳۴۳)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت سے پہلے (یعنی قیامت کے قریب) لوگوں کے سینوں سے قرآن مجید اور کعبہ شریف سے حجر اسود آسمانوں پر اٹھا لیا جائے گا۔ (اخبار مکہ ص ۳۴۳)

Marfat.com

حجر اسود اور حوادثات

جنت کا یہ انمول موتی' عالی مرتبت' مقدس و متبرک یاقوت گردش ایام کی ستم رانیوں سے محفوظ نہ رہ سکا' متعدد بار اسے فساق و فجار ظالموں کے ہاتھوں تختۂ مشق بننا پڑا' بار ہا حوادثات کا شکار ہوا' اور اس کے نازنین بدن پر کتنی ہی مرتبہ زخم آئے۔

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں' بنو مضر سے بنو خزاعہ کو کعبۃ اللہ کی ولایت کیسے حاصل ہوئی؟ جب حرم بنو نزار پر تنگ ہو گیا تو انہوں نے بغاوت شروع کر دی' تو انہیں بنو مضر نے مکہ سے نکال دیا۔ انہوں نے رات کے اندھیرے میں حجر اسود کو اکھاڑ کے ساتھ لے جانے کی ناکام جسارت کی' چنانچہ انہوں نے اسے اکھاڑ کر اور ایک اونٹ پر لاد کر چلنے لگے' مگر کرشمہ خداوندی سے وہ اونٹ نڈھال ہو کر گر گیا' اور حجر اسود زمین پر آ پڑا۔ اس اونٹ کو چھوڑ کر دوسرے اونٹ پر لادا مگر وہ بھی اس کے بارگراں کو برداشت نہ کر سکا' اور گر گیا۔ پھر تیسرے اونٹ پر لادا گیا' مگر جب وہ بھی گر گیا تو حجر اسود کو زمین میں دفن کر کے چلے گئے۔

یہ منظر بنو خزاعہ کی ایک عورت دیکھ رہی تھی' صبح کے وقت جب لوگوں نے حجر اسود کو غائب پایا تو سخت تشویش ہوئی کہ یہ دُرِّ مکنون ہم سے چھن گیا' لیکن جب اس عورت نے اپنی قوم کو امر واقعہ بتایا اور اس کی نشاندہی کر دی تو انہوں نے اسے نکال کر پھر اس کی جگہ نصب کر دیا' پھر اس کے بعد بنو مضر کی حکومت مکہ پر مستحکم ہو گئی۔ (روض الانف جلد ۱ ص ۸۴)

دور جاہلیت میں قریش کی تعمیر کعبہ سے قبل ایک عورت کعبہ شریف کی خوشبودار دھونی دے رہی تھی جس سے ایک شرارہ کعبہ شریف کے غلاف پر پڑا اور آگ بھڑک اٹھی' جس نے کعبہ شریف کو شدید نقصان پہنچایا' اور حجر اسود بھی اس المیہ میں جھلس گیا۔

Marfat.com

۶۳ھ میں سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب یزیدی فوجوں نے کعبہ شریف پر سنگ باری کی اور اسی اثناء میں کعبہ شریف حوتاک آگ کی لپیٹ میں آ گیا (اس کی تفصیل تعمیر ابن زبیر رضی اللہ عنہ میں ملاحظہ فرمایئے) اس حادثہ عظیمہ میں حجر اسود کو بھی شدید صدمہ پہنچا۔ یہ ٹوٹ کر تین ٹکڑوں میں بٹ گیا' جسے شعبہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے چاندی کے تیں انچ موٹے خول میں مضبوطی کے ساتھ محفوظ کر دیا۔

۱۸۹ھ کو خلیفہ ہارون الرشید جب عمرہ کی ادائیگی کے لئے آیا تو اس نے دیکھا کہ مذکورہ چاندی ڈھیلی پڑ گئی ہے' خلیفہ نے حجر اسود کے ٹکڑوں کو مربوط اور محفوظ کرنے کی غرض سے ابن الطحان مولی المشمعل سے الماس کے ذریعہ اس میں سوراخ کرائے اور ان میں چاندی بھر دی' وہ چاندی آج بھی موجود ہے (علامہ ازرقی کے زمانہ میں)۔ (اخبار مکہ ۲۳۶)

۳۱۷ھ میں جب مکہ مکرمہ قرامطہ کے دست تصرف میں آیا تو ابو طاہر سلیمان بن الحسن نے جو قرامطہ کا سردار تھا' حرم محترم میں خون کی ہولی کھیلی۔ ۸ ذی الحجہ ۳۱۷ھ کو اس قدر قتل عام کیا کہ حجاج کی لاشوں سے چاہ زمزم بھر گیا۔ شہر اور مضافات کے تیس ہزار بے قصور افراد کو موت کی نیند سلا دیا جن میں ستر ہ سو حاجی اور سات سو طواف کرنے والے بھی شہید ہو گئے۔ اس نے یہ سارا کھیل میزاب رحمت یعنی کعبہ شریف کا پرنالہ جو سونے کا تھا' اکھاڑنے' مقام ابراہیم اور حجر اسود چوری کرنے کی نامشکور جسارت کے لئے کھیلا تھا۔

دو آدمی اس مذموم حرکت کے لئے کعبہ شریف پر چڑھے مگر آن واحد میں سر کے بل زمین پر گر کر واصل جہنم ہو گئے۔ مقام ابراہیم تو اس کے دست تصرف سے مامون رہا' کیونکہ خدام حرم نے اسے پہاڑ کی گھاٹی میں کہیں چھپا دیا تھا۔ مگر ۱۴ ذی الحجہ ۳۱۷ھ بروز اتوار عصر کے وقت جعفر بن علاج نے ابو طاہر کے حکم سے حجر اسود کو کدال سے اکھاڑ لیا۔ اس پر کئی ضربیں لگائیں' جس سے کچھ ریزے ٹوٹ گئے اور

Marfat.com

اپنے ساتھ بحرین لے گئے۔ اور اس کی جگہ خالی رہ گئی۔ طواف کرنے والے بس اس جگہ ہاتھ رکھ کر ہاتھ ہی کو بوسہ دے لیا کرتے تھے تقریباً بائیس سال کا طویل زمانہ گزر جانے کے بعد بحرین کے شہر "ہجر" سے بروز بدھ ۱۰ ذی الحجہ ۳۳۹ھ کو یہ مبارک پتھر واپس ہوا۔ واپسی بھی معجزہ نما تھی۔ قرامطیوں سے بار بار واپسی کا مطالبہ جب زور پکڑ گیا تو انہوں نے یہ عذر لنگ پیش کیا کہ وہ پتھر تو دوسرے پتھروں میں مل جل گیا ہے ان میں سے اسے الگ کرنا ہمارے بس کا روگ نہیں۔ اگر تمہارے پاس اس کی کوئی علامت ہے تو اسے تلاش کر لو۔ چنانچہ علماء کرام سے استفسار کیا گیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ ان سب پتھروں کو آگ میں ڈالا جائے جو پتھر آگ میں پگھل یا پھٹ جائیں وہ حجر اسود نہیں لیکن حجر اسود کو آگ متاثر نہیں کر سکتی' کیونکہ یہ جنت کا پتھر ہے۔ اس طرح اس مقدس پتھر کی برتری اور مقبولیت کا لوہا منوا کر اسے واپس لوٹایا گیا' اور پھر سے کعبہ شریف کی زینت بنا دیا گیا۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ خادم ابو طاہر چیچک کے عارضہ میں مبتلا ہوا۔ اس کا جسم پھٹ گیا اور نہایت ذلت کے ساتھ مرا۔ اس واقعہ کے بعد اس کی حفاظت کے لئے تین ہزار سینتیس درہم چاندی کا ایک وزنی طوق بنا کر اس کے اندر نصب کر دیا گیا جو آج تک موجود ہے (یعنی علامہ قطب الدین کے زمانہ تک)۔ (اعلام الاعلام ص ۱۶۵ مرقاۃ ج ۵ ص ۳۲۰)

علامہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابو طاہر کرامتی بدبخت کو ابرہہ کی طرح بیت اللہ کی بجائے اپنے شہر ہجر میں حج کا اجتماع کرانے کا جنون دماغ میں پیدا ہوا' اس نے اس غرض سے ایک عالیشان محل بنوایا جس کا نام "دار الہجرۃ" رکھا۔ چنانچہ ۳۱۷ھ میں حج کے ایام میں ایک لشکر جرار لے کر مکہ مکرمہ پر حملہ آور ہوا' طواف کرنے والوں' نماز پڑھنے والوں اور احرام کی حالت میں حاجیوں پر دست ستم دراز کیا۔ حد یہ کہ حرم محترم کے اندر بھی بے دریغ قتل کیا۔ شہر کے علاوہ گرد و نواح

Marfat.com

میں قتل عام کا بازار گرم کیا' تیس ہزار بے گناہ انسانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کئے' اس قدر روح فرسا واقع کبھی رونما نہیں ہوا تھا' وہ ظالم کہتے تھے کہ تم مسلمان کہتے ہو "مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا" بتاؤ اب امن کہاں گیا۔

ایک آدمی میزاب کعبہ اکھاڑنے کے مذموم ارادہ سے کعبہ شریف کی چھت پر چڑھا۔ جسے جبل ابی قبیس سے کسی نے تیر کا نشانہ بنایا اور وہ آناً فاناً مردار ہو کر نیچے گر پڑا۔ پھر دوسرے آدمی کو حکم دیا کہ تم میزاب اتار لاؤ۔ وہ بدبخت جب چھت پر چڑھا تو سر کے بل گر کر جہنم رسید ہو گیا۔ لوٹ کھسوٹ کا یہ عالم تھا کہ صرف ایک آدمی قاضی یحییٰ بن عبدالرحمان بن ہارون القرشی جو بمعہ اہل و عیال وادی رہجان میں روپوش ہو گئے تھے ان کے گھر کا تمام اثاثہ جس کی مالیت ایک لاکھ دینار تھی لوٹ لیا گیا۔

لوگ اس سال فریضہ حج کی ادائیگی سے بھی محروم رہے اور حج اس فتنہ کبریٰ کی نذر ہو گیا۔ (اعلام الاعلام ص ۱۶۳ ۱۶۴)

علامہ ابن خلدون رقم طراز ہیں' ابو طاہر نے کعبۃ اللہ کا دروازہ اکھاڑ پھینکا غلاف کعبہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے فوجیوں میں بانٹ دیا۔ حجر اسود کو اکھاڑ کے ساتھ لے گیا' اہل مکہ کے گھر بار اور مال و متاع لوٹ لیا۔ اس نے روانگی کے وقت یہ اعلان کیا آئندہ سے حج اس کے ہاں ہوا کرے گا۔

خلافت مستقلی کے امراء نے بے حد کوشش کی کہ کسی طرح حجر اسود واپس آ جائے' انہوں نے پچاس ہزار دینار سرخ کی پیش کش بھی کی' مگر قرامطی ٹس سے مس نہ ہوئے۔ وہ اس خیال فاسد پر قائم تھا کہ یہ ناپاک جسارت اپنے امام عبید اللہ المہدی والی افریقہ کی خوشنودی کے لئے کر رہا ہے۔

لیکن جب منصور اسماعیل نے قیروان سے حجر اسود کی واپسی کا مطالبہ شدت سے کیا اور امام عبید اللہ المہدی نے بھی ابو طاہر کو سختی سے ڈانٹا کہ اگر حجر اسود واپس نہ کرو گے تو پھر جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ' اس لئے مجبوراً ۳۳۹ھ میں واپس کرنا پڑا۔

Marfat.com

جب کہ اس سے قبل خلافت مستکفی کی جانب سے پچاس ہزار دینار کے عوض بھی واپسی کا مطالبہ مسترد کر دیا گیا تھا۔ (ابن خلدون جلد ۵ ص ۱۹۶)

خلیفہ عبیداللہ المہدی کا خط جو ابوطاہر قرامطی کو لکھا گیا تھا۔ اس کا متن حسب ذیل ہے:

''تیرا خط دیکھ کر مجھے سخت تعجب ہوا کہ تو نے ایسی ناشائستہ حرکات کا ارتکاب کیوں کیا؟ اور تجھے ایسے افعال شنیعہ کی جرأت کیسے ہوئی۔ تو نے تو اس مقدس گھر کی عزت و توقیر کو تاخت و تاراج کر دیا۔ جہاں زمانہ جاہلیت میں بھی خونریزی اور اہل مکہ کی اہانت ممنوع اور حرام سمجھی جاتی تھی۔ تو نے کتنی بڑی زیادتی کی کہ حجر اسود جو یمین اللہ فی الارض زمین میں اللہ کا دایاں ہاتھ ہے جس سے اللہ کے بندے مصافحہ کرتے ہیں اسے اکھاڑ لایا۔ اس فعل شنیع اور قبیح حرکت پر تیرا دل خوش تھا کہ میں تیرا شکر ادا کروں، تیرے اس فعل شنیع پر خدا کی لعنت ہو اور پھر لعنت ہو اور سلام ہو اس انسان پر جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ ہوں''۔ (ابن خلدون جلد ص ۳۰۲، اعلام الاعلام ص ۹۵)

علامہ تقی الدین فاسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حجر اسود کی واپسی چار دن کم بائیس سال بعد ۱۰ ذی الحجہ ۳۳۹ھ کو ہوئی۔

سنبر بن حسن قرامطی حجر اسود لایا اور اپنے ہاتھوں اسے نصب کیا اس پر پہلے سے کچھ چاندی موجود تھی مگر اس نے چونا لگا کر اسے مضبوط کر دیا۔

حافظ نجم الدین بن فہد القرشی فرماتے ہیں: قرامطی مکہ مکرمہ میں گیارہ دن رہے، اور مکہ معظمہ سے ''ہجر'' تک حجر اسود کو لے جانے میں چالیس اونٹ راستہ میں ہلاک ہوئے۔ (تاریخ الکعبہ ص ۱۵۴)

امام علی بن سلطان القاری نے اس سلسلہ میں ہلاک ہونے والے اونٹوں کی تعداد ایک سو بیان کی ہے، جب کہ ہجر سے مکہ شریف تک واپسی میں صرف ایک ہی اونٹ پر آسانی سے لے آئے تھے۔ (مرقاۃ جلد ۵ ص ۳۲۰)

Marfat.com

اس واقعہ کے چند ماہ بعد کعبہ شریف کے خدام آل شیبی نے حجر اسود کو صحیح طرح مضبوط کرنے کی غرض سے اکھاڑا' وہ چاہتے تھے کہ جس طرح سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اسے چاندی میں مڑھا تھا اسی طرح چاندی کا خول بنا کر نہایت مضبوطی کے ساتھ اسے نصب کیا جائے' تاکہ آئندہ کے لئے اس کی حفاظت بھی رہے۔ چنانچہ انہوں نے ۳۰۹۷ درہم چاندی تقریباً گیارہ سیر چار چھٹانک اور ۵ ماشے کا طوق بنا کر نصب کر دیا۔

امام تقی فاسی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ یہ چاندی بھی ۵۸۵ھ میں داؤد بن عیسیٰ بن فلیتہ الحسنی امیر مکہ نے اپنی معزولی سے پہلے اتار لی تھی' جس کی بنا پر موجودہ چاندی ۳۳۹ھ میں آل شیبہ کی لگائی ہوئی نہیں ہے۔

۳۶۳ھ میں ایک دن دوپہر کے وقت جب کہ گرمی شباب پر تھی اور طواف کرنے والے اکا دکا ہی تھے' ایک آدمی نقاب پوش وارد ہوا' اس کے ہاتھ میں پھاوڑا تھا' تیزی کے ساتھ حجر اسود کی طرف بڑھا' کسی کو کیا معلوم کہ اس کی نیت کیا ہے' آتے ہی پوری قوت کے ساتھ حجر اسود پر کدال ماری' ابھی دوسری ضرب لگانے نہیں پایا تھا کہ ایک یمنی نوجوان نے جو طواف کر رہا تھا جرأت کر کے تلوار کا ایک ایسا وار کیا کہ اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

حرم شریف کے کونے کونے سے لوگ فوراً جمع ہو گئے۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ رومی باشندہ تھا' جسے بڑی تعداد میں مال دیا گیا کہ حجر اسود کو نکال کر لے آؤ۔ لیکن اللہ رب العزت نے اس کے شر سے حجر اسود کو محفوظ فرما لیا۔ لوگوں نے گھسیٹ کر اسے حرم شریف سے باہر نکالا اور بہت سی لکڑیاں جمع کر کے جلا دیا۔ (تاریخ الکعبہ ص ۵۶)

امام فاسی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں' ۴۱۳ھ میں ایک آدمی نے کدال سے تین ضربیں حجر اسود پر لگائیں جس سے ناخن کے برابر چند ٹکڑے جدا ہو گئے' اور حجر اسود میں شگاف بھی پڑ گیا۔ دو دن یہ مبارک پتھر اسی حال میں رہا اور پھر بنی شیبہ نے

اکٹھے ہو کر مشورہ کیا کہ اس کی مرمت کس چیز کے ذریعہ کی جائے' طے یہ پایا کہ لاکھ میں کستوری ملا کر ان ٹکڑوں کو جوڑ دیا جائے۔

امام ابن اثیر نے یہ واقعہ ۴۱۳ھ کے حوادثات میں بیان کیا ہے' ان کا کہنا ہے کہ جمعہ کے دن سرخ رنگ' لمبے قد' لمبے بالوں والا ایک موٹا تازہ شخص حرم میں داخل ہوا' جس کے ایک ہاتھ میں کدال اور دوسرے میں تلوار تھی' معلوم یہ ہوتا تھا کہ حجر اسود کا استلام کرنے کا ارادہ رکھتا ہے' اس نے آتے ہی تین بار کدال سے وار کیا' جس سے حجر اسود کے تین ٹکڑے ناخن کے برابر ٹوٹ گئے۔ اور کہنے لگا حجر اسود تو کب تک لوگوں کا معبود بنا رہے گا' آج میں تجھے اور کعبہ کو مسمار کر کے جاؤں گا۔ اس کی پشت پناہی کے لئے دس گھڑ سوار حرم کے دروازہ پر کھڑے تھے۔ حاضرین اس کی بیہودگی سے خوفزدہ ہو گئے' لیکن اہل مکہ سے ایک آدمی نے اسے دبوچ لیا اور تلوار سے پے در پے وار کر کے اسے قتل کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے معاونین پر بھی لوگوں نے بلہ بول دیا اور سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس ظالم کے وجود کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسے اور اس کے ساتھیوں کو آگ میں جلا دیا۔

اسی طرح ۹۱۹ھ میں ایک عجمی نے حجر اسود پر کدال سے حملہ کیا' جب کہ اس وقت مکہ معظمہ میں ناصر جاوش امیر تھے۔ علامہ سنجاری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ اوائل ربیع الاول ۱۰۹۷ھ میں شیخ الحرم نے حجر اسود کا ایک نیا مضبوط طوق بنا کر اس کے اوپر لگایا جو ۱۳۵۱ھ تک قائم رہا۔ اس سال محرم کے اواخر میں افغانستان کا ایک فارسی باشندہ آیا اور ایک ٹکڑا حجر اسود کا توڑ لیا اور ستارہ کعبہ کا کچھ حصہ چرا لیا' اور کعبہ شریف کی سیڑھی جو چاہ زمزم اور باب شیبہ کے مابین رکھی ہوئی تھی اس سے چاندی کا کچھ حصہ اتارا۔ لیکن بعد میں گرفتار کر کے اسے بھی کیفر کردار تک پہنچا دیا گیا۔

۲۸ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ کو ملک عبدالعزیز بن عبدالرحمن الفیصل آل سعود طائف سے ریاض جاتے ہوئے مکہ مکرمہ میں آیا۔ اس کے ساتھ رئیس القضاۃ الشیخ

Marfat.com

عبد اللہ بن حسن اور شیخ عبداللہ الشیبی اور دیگر معززین اور امراء و کبراء بھی تھے اور پولیس کپتان محمد مہدی بیک بھی آموجود ہوئے۔ چنانچہ ایک کیمیاوی مرکب میں کستوری اور عنبر ملا کر مذکورہ افغانی کے توڑے ہوئے ٹکڑوں کو شاہ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اس کی جگہ نصب کیا اور پھر کاریگروں سے انہیں اچھی طرح مضبوط کر دیا۔ (تاریخ الکعبہ ۱۵۴ تا ۱۵۸)

علامہ طاہر کردی رحمہ لکھتے ہیں: مختلف اوقات میں حجر اسود پر جو حوادثات آتے رہے ور ٹوٹ کر کچھ ٹکڑے جدا ہوتے رہے انہیں دوبارہ مصالحہ وغیرہ لگا دیا جاتا تھا۔ چنانچہ ۱۳۳۹ھ میں چھوٹے بڑے پندرہ ٹکڑے سامنے نظر آتے تھے لیکن ربیع الاول ۱۳۷۶ھ میں آٹھ ٹکڑے شمار کئے ہیں جن کی تصویر پیش خدمت ہے۔ (تاریخ القویم جلد ۳ ص ۳۲۱)

راقم الحروف کو بھی شوال ۱۳۹۳ھ مطابق نومبر ۱۹۷۳ء کو یہ ٹکڑے دیکھنے اور شمار کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس وقت ان کی تعداد سات تھی ہو سکتا ہے کہ ایک ٹکڑا پوشیدہ ہو جو نظر نہ آ سکا۔

علامہ کردی رحمہ نے حجر اسود کو چاندی کے طوق میں محفوظ و ملفوف کرنے کی تفصیلات اس طرح بیان کی ہیں

۶۴ھ میں سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے چاندی کا طوق پہلی مرتبہ چڑھایا۔ ۱۸۹ھ میں خلیفہ ہارون الرشید نے حجر اسود کے نیچے اور اوپر والے پتھر میں الماس کے ذریعہ سوراخ کر کے چاندی کا طوق مضبوطی سے چڑھایا۔ ۳۱۷ھ میں جب قرامطہ اسے اکھاڑ کر لے گئے تھے اور پھر ۳۳۹ھ میں واپس دیا گیا تو اسے عارضی طور پر چونا وغیرہ سے لگایا گیا تھا مگر ۳۴۰ھ میں آل شیبہ نے ۳۰۹۷ درہم وزنی چاندی کا طوق بنا کر اسے مضبوطی سے نصب کیا۔ ۱۰۷۷ھ میں شیخ الحرم احمد پاشا نے نیا طوق چڑھایا۔ ۱۲۶۸ھ میں سلطان عبدالحمید خان نے سونے کا طوق چڑھایا'

Marfat.com

جس پر آیت الکری لکھی ہوئی تھی۔ ۱۲۸۱ھ میں سلطان عبدالعزیز خان نے سونے کا طوقت اتار کر چاندی کا طوق چڑھایا۔ ۱۳۳۱ھ میں سلطان محمد رشاد خان نے چاندی کا نیا طوق چڑھایا جو ۱۳۷۵ھ تک قائم رہا۔ آخر میں شاہ سعود بن عبد العزیز آل سعود نے نیا طوق چڑھایا جو آج تک موجود ہے۔ (تاریخ التویم جلد ۳ ص ۳۲۸)

—— ooo ——

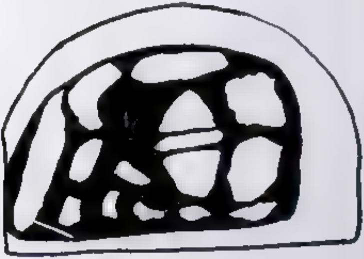

س خاکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳۳۱ھ میں حجر اسود کے ٹکڑوں کی تعداد پندرہ تھی

رکن یمانی

بیت اللہ شریف کے چار کونے چار ارکان کہلاتے ہیں اور ہر ایک الگ الگ نام سے موسوم ہے۔ مشرقی کونہ حجر اسود کے نام سے موسوم ہے' شمال مشرقی کونہ رکن عراقی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے' شمال مغربی کونہ رکن شامی یا غربی کہلاتا ہے' اور جنوب مغربی کونے کو رکن یمانی کہتے ہیں۔

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ اس کی وجہ تسمیہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جس معمار نے یہ گوشہ تعمیر و مرمت کیا تھا اس کا نام ابی بن سالم تھا اور وہ یمن کا باشندہ تھا' اس لئے اسی کے نام سے رکن یمانی مشہور ہو گیا۔ (روض الانف جلد ا ص ۱۲۹)

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے جب بیت اللہ شریف تعمیر فرمایا تھا تو یہ چار ارکان پر مشتمل تھا' اور آپ طواف کے دوران ان سب کا استلام کرتے تھے لیکن قریش کی تعمیر کے وقت خرچ کی کمی کے باعث بیت اللہ شریف کا کچھ حصہ چھوڑ دیا گیا۔ گویا کہ رکن عراقی اور شامی قواعد ابراہیم کے مطابق نہ رہے' اور اس حصہ میں نصف دائرہ کی صورت میں نشاندہی کے لئے دیوار بنا دی گئی' جسے حطیم کہا جاتا ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام کبھی ترک نہیں کیا' لیکن رکن شامی اور عراقی چونکہ قواعد ابراہیمی کے مطابق نہیں ہیں اس لئے آپ نے ان کا استلام نہیں کیا۔

(بخاری شریف جلد ا ص ۵۰۲ مسلم شریف جلد ا ص ۴۱۲)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ہم نے حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام سردی یا سختی میں کبھی بھی ترک نہیں کیا' جب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا استلام کرتے دیکھا ہے' ہم بھی اس کے کاربند ہو گئے ہیں۔

(بخاری شریف جلد ا ص ۵۰۲ مسلم شریف جلد ا ص ۴۱۲)

Marfat.com

امام المحدثین امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں رکن حجر اسود دو فضیلتوں کا حامل ہے اس لئے اس کا استلام بوسہ دے کر یا ہاتھ سے چھو کر کیا جاتا ہے۔ ایک فضیلت اس میں تو یہ ہے کہ قواعد ابراہیمی کے مطابق ہے اور دوسری فضیلت یہ ہے کہ اس میں حجر اسود پایا جاتا ہے۔ اس کے برعکس رکن یمانی میں صرف ایک فضیلت پائی جاتی ہے کہ وہ قواعد ابراہیمی پر قائم ہے لہٰذا اس کا استلام صرف ہاتھ لگا کر کیا جائے بوسہ نہ دیا جائے۔ اور دوسرے دونوں رکن قواعد ابراہیمی کے مطابق نہیں ہیں اس لئے ان کا استلام نہ کیا جائے۔ (مسلم شریف جلد ا ص ۴۱۲، مرقاۃ جلد ا ص ۳۱۵)

سیدنا ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رکن یمانی پر ۷۰ فرشتے مقرر ہیں جو شخص وہاں یہ دعا پڑھتے ہوئے گزرے

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

تو فرشتے آمین کہتے ہیں۔ (ابن ماجہ ص ۲۱۲، مشکوٰۃ شریف ص ۲۲۸)

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ ایک روایت نقل فرماتے ہیں۔ ابتدائے آفرینش سے اللہ کریم نے رکن یمانی پر ایک فرشتہ مقرر فرما رکھا ہے طواف کرنے والا جب وہاں سے مذکورہ دعا پڑھتے ہوئے گزرتا ہے تو وہ فرشتہ اس کی دعا پر آمین کہتا ہے۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۲۲۷، تبیین الحقائق جلد ۲ ص ۱۸)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام کرنے سے اللہ کریم گناہوں کو مٹا دیتا ہے"۔

حضرت عطاء سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ آپ بڑی کثرت سے رکن یمانی کا استلام کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں جب بھی اس کے پاس پہنچا تو جبرئیل کو موجود پایا جو استلام کرنے والے کے لئے دعائے مغفرت کر رہے ہیں۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ رکن یمانی اور حجر اسود جنت کے دو دروازے ہیں۔ (جامع اللطیف ص ۲۷)

Marfat.com

میزابِ رحمت

قارئین پڑھ چکے ہیں کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ شریف کی نہ تو چھت بنائی تھی اور نہ ہی پرنالہ۔ اسی طرح قصی بن کلاب تک چھت اور پرنالہ کے متعلق کوئی صحیح روایت نہیں ملتی۔ البتہ قریش نے چھت بناتے وقت پرنالہ بھی بنایا' جس کا پانی حطیم میں گرتا تھا۔ اس کے بعد متعدد بار اسے تبدیل کیا گیا جس کی تفصیلات حسب ذیل ہیں

ابتداء میں پرنالہ لکڑی یا پتھر کا ہوتا تھا' پھر ولید بن عبدالملک نے لکڑی پر سونا چڑھایا' امیر مکہ مرشد نے جو میزاب کعبہ شریف کی نذر کیا تھا' وہ تقریباً ۶ فٹ یعنی ایک میٹر ۸۳ سینٹی میٹر لمبا' ۱۵ سینٹی میٹر چوڑا اور اتنا ہی اونچا تھا۔ ولید بن عبدالملک نے اپنے عہد خلافت میں میزاب کے باہر اور اندر سونا چڑھایا۔ ۵۳۹ھ میں ابوالقاسم ابراہیم المعروف رامشت بن الحسین الفارسی کی جانب سے اس کے خادم مشقال نامی نے نیا میزاب نصب کیا۔ ۵۴۱ھ میں یا اس کے کچھ عرصہ بعد رامشت کا میزاب تبدیل کر کے خلیفہ المقتفی باللہ کا میزاب لگایا گیا۔ اسی طرح الناصر العباسی نے ایک لکڑی کا میزاب تیار کرایا' جس کے اندر پانی کی گزرگاہ پر قلعی اور باہر کے حصے پر چاندی چڑھی ہوئی تھی اور اس پر خلیفہ کا نام بھی لکھا ہوا تھا۔ ۷۸۱ھ میں امیر سودون پاشا نے میزاب کی مرمت کرائی' پھر اسے ۹۵۹ھ میں تبدیل کر کے سلطان سلیمان نے چاندی سے مرصع ایک نیا میزاب بنوایا' جس پر سونے کا پانی چڑھا ہوا تھا' اور پرانا میزاب روم کے خزانہ میں بھیج دیا گیا۔ سلطان کا یہ طرزِ عمل بنو شیبہ کو ناگوار گزرا اور انہوں نے اس پر اعتراض کیا۔ سلطان نے ان کی دلداری کی خاطر جدہ کی بندرگاہ سے اس کے عوض انہیں چاندی دینے کا فرمان جاری کیا۔ چنانچہ نائب جدہ اور قاضی مکہ نے پرنالہ کے وزن کے مطابق ۲۸۰۰ درہم چاندی بنو شیبہ کو دی۔ ۱۰۲۰ھ میں سلطان احمد خان نے حسن آغا المعمار کے ہاتھ چاندی کا ایک عالیشان میزاب بھیجا۔ سلطان احمد خان نے بیت اللہ شریف کی چھت اور میزاب رحمت کی

Marfat.com

تجدید کا فرمان ۱۰۹۱ء میں جاری فرمایا۔ لیکن تحصیل المرام کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تاریخ نقل کرنے میں خطا واقع ہوئی ہے بلکہ اصل عبارت ۱۰۲۱ھ ہونی چاہیے۔

بہر حال اس کے بعد سلطان عبدالمجید خان بن سلطان محمود خان نے قسطنطنیہ میں سونے کا میزاب بنوایا اور ۱۲۷۶ھ میں رضا پاشا کے ہاتھ بھیج کر کعبہ شریف کی زینت بنایا۔ اس زمانہ میں مکہ شریف کا امیر شریف عبداللہ بن محمد بن عون تھا۔ پہلا میزاب اتار کر نئے میزاب کو زینت بخشی گئی جس پر تخمینا ۵۰ رطل سونا صرف ہوا تھا جو آج تک جلوہ نما اور رونق فروز ہے۔ (دائرۃ المعارف جلد ۸ ص ۱۴۴، تاریخ مکہ ص ۱۸۱ تا ۱۸۳)

علامہ طاہر کردی نے میزاب رحمت کی پیمائش حسب ذیل بیان کی ہے طول ۲۵۸ سینٹی میٹر عرض اندر سے ۲۶ سینٹی میٹر اور اونچائی ۵۸ سینٹی میٹر ہے۔ کعبہ شریف کی دیوار میں میزاب کے اوپر ایک بڑا اور نیا پتھر نصب ہے جس کا طول ا میٹر ۲۰ سینٹی میٹر اور عرض نصف میٹر ہے۔ میزاب کا اگلا حصہ زبان کی مانند ہے جو نیچے لٹکا ہوا اور متحرک بھی ہے۔ سے "لسان" اور "برقع" بھی کہتے ہیں۔ اس حصہ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور اس کے نیچے یا اللہ لکھا ہوا ہے۔ میزاب پر دائیں جانب یہ عبارت لکھی ہوئی ہے

جدد هذا الميراب المنير لوجه الله الكريم الخبير ، سلطان البرين والبحرين المفتخر بخدمة الحرمين الشريفين ، السلطان الغازی عبدالمجيد خان بن السلطان الغازی

دیگر جانب یہ عبارت ہے:

محمود خان بن السلطان عبدالحميد خان ، بعد ما وهى الميراب الذی جدده جده السلطان الاعلى احمد خان عليه الرحمة المنان . سنة ۱۰۲۱ھ اللهم رب هذا.

میزاب کے نچلے حصہ میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے

البيت الحرام ، ايد ببقاء دولته الاسلام ، ما طاف ببيتك الانام ، و احفظه من جميع الالام بجاه نبينا "محمد" عليه الصلوة والسلام

Marfat.com

وهذا التجديد سنه ثلاث و سبعين و مائتين والف هجره۔"

علامہ طاہر کردی دامت برکاتہم نے یہ عبارت ۱۹ رجب ۱۳۷۷ھ کو اس دوران نقل کی ہے جب کہ سعودی حکومت نے بیت اللہ کی چھت تبدیل کی تھی۔

علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ میزاب کی اصلاح کی ضرورت تو پیش نہیں آتی' البتہ اس کے کناروں پر چاندی کی کیلیں لگی ہوئی ہیں' تاکہ کبوتر میزاب پر نہ بیٹھیں۔ جب وہ پرانی اور کمزور ہو جاتی ہیں تو انہیں تبدیل کیا جاتا ہے۔ اسی طرح میزاب کے اندر جو لکڑی لگی ہوئی ہے اس کے بوسیدہ ہو جانے پر اسے بھی تبدیل کیا جاتا ہے' لیکن میزاب اس قدر مضبوط اور عمدہ بنا ہوا ہے کہ اس کی اصلاح کی ضرورت ہی نہیں۔ چنانچہ سعودی حکومت نے میزاب کی کیلوں اور لکڑی کی تجدید کا کام ۹ شعبان ۱۳۷۷ھ کو کرایا تھا۔ (تاریخ القویم جلد ۳ ص ۸۵،۸۳)

سلطان عبدالمجید خان نے ۱۰۲۱ھ میں جو میزاب نصب کیا تھا وہ آج ۱۴۰۴ھ تک بفضلہ تعالیٰ موجود ہے گویا کہ تقریباً چار سو سال سے وہ اپنی نرالی شان دکھا رہا ہے۔

حطیم کے قدیم فرش کی تصویر

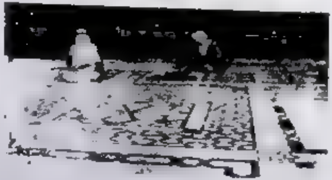

Marfat.com

حطیم

کعبہ شریف کی شمالی جانب ایک قوس نما دیوار بنی ہوئی ہے اس احاطہ کو حطیم، حجر اسماعیل اور حظیرۂ اسماعیل کہا جاتا ہے۔ قاموس میں حطیم کے معنی حجر کعبہ در جدار کعبہ بیان کیا گیا ہے اور معجم البلدان میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے الحطیم الجدار یعنی کعبہ کی دیوار۔

علامہ یاقوت الحموی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ابو منصور الازہری کا کہنا ہے کہ حجر مکہ جسے حطیم کہا جاتا ہے یہ میزاب کعبہ سے ملی ہوئی جگہ ہے۔ (تاریخ الکعبہ ص ۱۶)

امام ازرقیؒ لکھتے ہیں سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کے وقت اس مقام پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی رہائش اور ان کی بکریوں کے لئے مکان پیلو کی لکڑی اور کھجور کی شاخوں سے بنایا تھا جس کے دو دروازے تھے۔ (اخبار مکہ ص ۳۱)

امام ازرقی رحمۃ اللہ علیہ اور امام فاکہی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ کو حطیم والی جگہ بٹھایا اور جھونپڑی بنا لینے کا کہہ کر واپس تشریف لے گئے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ زمزم کے قریب ایک درخت کے سائے تلے بٹھایا تھا۔

اگرچہ یہ روایات متضاد معلوم ہوتی ہیں مگر نہ تو مذکورہ مقامات پر کوئی خاص فاصلہ ہے اور نہ ہی مقصود مفہوم میں کوئی زیادہ فرق ہے۔ آپ نے خود جھونپڑی بنائی یا بنا لینے کا مشورہ دیا، ہجرت کے وقت بنائی یا تعمیر کعبہ کے موقع پر بنائی، یقیناً اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے بنائی تھی۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے، یہ بات یقینی ہے کہ جھونپڑی حطیم والی جگہ تھی، یہی سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی رہائش گاہ تھی، یہی عبادت گاہ اور اسی میں ان کی بکریاں بھی ہوتی تھیں۔

Marfat.com

محبوبہ حبیب خدا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس ﷺ سے استفسار کیا' اس دیوار کی حقیقت کیا ہے؟ کیا یہ بیت اللہ میں شامل ہے تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ بیت اللہ میں سے ہے۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے عرض کیا تو پھر اسے بیت اللہ میں داخل کیوں نہیں کیا گیا؟

عائشہ رضی اللہ عنہا! تیری قوم نے جب بیت اللہ کی تعمیر کا منصوبہ بنایا تو انہوں نے حلال طیب مال خرچ کرنے کی پابندی لگائی تھی۔ اس طرح جو فنڈ جمع ہوا وہ پوری عمارت کے لیے ناکافی تھا' جس کے پیش نظر انہوں نے شمالی جانب سے کچھ چھوڑ کر تعمیر مکمل کر لی۔

عائشہ رضی اللہ عنہا! اگر تیری قوم کا زمانہ جاہلیت قریب نہ ہوتا اور مجھے ان کے انکار اور باہمی تصادم کا خدشہ نہ ہوتا تو میں حطیم کے حصہ کو بیت اللہ میں ضرور شامل کر کے ابراہیمی بنیادوں کے مطابق تعمیر کرتا' اور اس کے مشرق اور مغرب میں دروازے بناتا۔ (بخاری شریف جلد ۱ ص ۲۱۵، مسلم شریف جلد ۱ ص ۴۳۱)

حبیبہ حبیب خدا عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ بارگاہ نبوی ﷺ میں عرض کی' میرا جی چاہتا ہے کہ بیت اللہ شریف میں داخل ہو کر نماز پڑھوں تو حبیب کردگار مدنی تاجدار ﷺ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر حطیم میں لے گئے' اور فرمایا یہاں نماز پڑھو۔ اور جب بھی تیرا دل حب شریف میں نماز پڑھنے کا متمنی ہو تو حطیم میں داخل ہو کر نماز پڑھ لیا کرو' کیونکہ یہ بھی کعبہ شریف ہی کا حصہ ہے۔ لیکن تیری قوم نے حرج ختم ہو جانے کے باعث اسے کعبہ شریف سے نکال دیا تھا۔

(ترمذی شریف جلد ۱ ص ۲۲۰، نسائی شریف جلد ۲ ص ۲۷)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ میں کعبہ شریف میں داخل ہونا چاہتی ہوں' تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب بھی تیرا اس کعبہ شریف میں داخل ہونے کا ہو تو حطیم میں داخل ہو جایا کرو' کیونکہ یہ بیت اللہ شریف ہی کا حصہ ہے۔ (نسائی شریف جلد ۲ ص ۲۷)

Marfat.com

امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول الثقلین ﷺ نے حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا

"حطیم کے دروازہ پر ایک فرشتہ یہ اعلان کر رہا ہے کہ جو آدمی حطیم میں دو رکعت نفل پڑھے اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں' اس طرح حطیم کے دوسرے دروازہ پر بھی ایک فرشتہ اعلان کر رہا ہے' جو متقی آدمی امت محمدیہ ﷺ سے حطیم میں نفل پڑھ کر نکلے گا تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے"۔

امیر المومنین سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ میزاب رحمت کے نیچے کھڑے ہو کر حاضرین سے فرمانے لگے تم مجھ سے پوچھو کہ کہاں کھڑے ہو؟ چنانچہ حاضرین نے جب یہ سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں جنت کے دروازہ پر کھڑا ہوں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ میزاب رحمت کے نیچے جو دعا مانگی جائے گی وہ ضرور قبول ہو کر رہے گی۔ (جامع اللطیف ص ۸۹)

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے حطیم میں کھڑے ہو کر فرمایا کہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ سے مکہ معظمہ میں شدید گرمی کی شکایت کرنے لگے۔ تو اللہ پاک نے وحی بھیجی کہ میں آپ کے لئے جنت کے دروازے حطیم میں کھول دوں گا' جن سے قیامت تک روح پرور ہوا کے جھونکے آتے رہیں گے۔ (اخبار مکہ ص ۲۳۰)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا' اخیار کے مصلی پر نماز پڑھو اور ابرار کا پانی پیو ان سے پوچھا گیا کہ مصلی اخیار کونسی جگہ ہے تو فرمایا میزاب کعبہ کے نیچے ہے اور شراب ابرار آب زمزم ہے۔ (جامع اللطیف ص ۸۸)

Marfat.com

حطیم کی پیمائش

حطیم کی لمبائی کے متعلق امام مسلم نے تین مختلف روایات بیان فرمائی ہیں پانچ ذراع، چھ ذراع اور سات ذراع کے قریب۔ (مسلم شریف جلد ۱ ص ۴۳۰) جب کہ ذراع ۱۸ انچ یا ۴۶ سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ ان روایات کو صحیح قرار دیتے ہیں اور فرق ذراع میں بیان فرماتے ہیں۔

امام ازرقی رحمۃ اللہ علیہ نے حسب ذیل پیمائش بیان فرمائی ہے۔

میزاب کعبہ کے نیچے سے حطیم کی دیوار تک ۱۷ ذراع ۸ انگل (۲۶ فٹ ۲/۱ انچ یا ۷ میٹر ۹۳ سینٹی میٹر)۔

رکن عراقی سے رکن شامی تک	۲۰ ذراع (۳۰ فٹ یا ۹ میٹر ۱۵ سینٹی میٹر)
عرض	۲۲ ذراع (۳۳ فٹ یا ۱۰ میٹر ۱۲ سینٹی میٹر)
حطیم کی دیوار کی اندر سے بلندی	۱ ذراع ۱۴ انگل (۳ فٹ یا ۹۲ سینٹی میٹر)
باب کعبہ کی سمت میں حطیم کے دروازہ کی بلندی	۱ ذراع ۲۰ انگل (۲ فٹ یا ۱۰ انچ یا ۸۷ سینٹی میٹر)
غربی دروازہ کی بلندی	۱ ذراع ۲۰ انگل
دیوار کی چوڑائی	۳ ذراع (۱/۲-۴ فٹ یا ۱ میٹر ۳۷ سینٹی میٹر)

(اخبار مکہ ص ۳۲۶)

علامہ حسین عبد اللہ نے حسب ذیل پیمائش بیان کی ہے انہوں نے ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ کو مغرب اور عشاء کے درمیان کی تھی۔

چوڑائی ۹ ذراع ۱/۲ فٹ یا ۳ میٹر ... سینٹی میٹر

موصوف لکھتے ہیں ابتداء میں اس کی چوڑائی ۶ ذراع یعنی ۹ فٹ تھی۔ مگر

Marfat.com

امام ابن تیمیہ کے زمانہ میں جب اس کی تعمیر نو ہوئی تو اسے ۹ ذراع کر دیا گیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ۱۲۶۰ھ میں سلطان عبدالحمید عثمانی نے یہ اضافہ کرایا ہو۔ کیونکہ اگر امام موصوف کے زمانہ میں اضافہ ہوتا تو وہ اس کا ذکر ضرور کرتے۔ وہ علم حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ (تاریخ الکعبہ ص ۱۶)

علامہ ابراہیم رفعت پاشا نے مراۃ الحرمین میں میٹر سے حطیم کی پیمائش حسب ذیل ارقام فرمائی ہے۔

حطیم کی دیوار اندر سے ۱۲۳ سینٹی میٹر بلند ہے۔ اوپر کی سطح ۱۵۲ سینٹی میٹر چوڑی اور نیچے سے ۱۴۴ سینٹی میٹر ہے۔ مشرقی دروازہ شاذروان کے پتھر کو چھوڑ کر ۲،۳۰ میٹر چوڑا' مغربی دروازہ ۲،۳۳۰ میٹر ہے۔ اور دونوں کے درمیان ۸ میٹر فاصلہ ہے۔ حطیم کی دیوار کے باہر ۱۲ میٹر مطاف کی چوڑائی ہے۔ میزاب رحمت سے نیچے حطیم کی دیوار تک ۸،۴۴ میٹر کا فاصلہ ہے۔ (مراۃ الحرمین جلد ا ص ۲۶۲)

شاہ خالد کے حکم سے ۱۳۹۶ھ میں جب حطیم کے فرش اور دیوار کی تجدید ہوئی تو دیوار پر ۶۶ سنگ مرمر کی سلیں لگائی گئیں جن میں سے ۲۲ بڑی اور ۴۴ چھوٹی ہیں۔ ہر بڑی سل کے اندر اور باہر کی طرف ایک ایک چھوٹی سل نصب کی گئی ہے۔

Marfat.com

حطیم کی تعمیر

حطیم کا فرش نہایت سادہ ریت اور کنکریوں سے بنا ہوا تھا' جسے بعد میں صحرائی پتھروں سے بنایا گیا۔ تاریخ میں یہ تصریح تو نہیں ملتی کہ پتھروں کا فرش سب سے پہلے کس نے بنایا تھا' البتہ سنگ مرمر کا فرش ۱۴۰ھ میں خلیفہ ابوجعفر المنصور نے بنایا۔ بعد ازاں جن لوگوں نے اس کار خیر میں حصہ لیا اس کی تفصیل حسب ذیل ہے

عدد	اسماء	سن ہجری	
۱	خلیفہ ابوجعفر المنصور	۱۴۰ھ	سب سے پہلے انہوں نے سنگ مرمر کا فرش بنوایا۔
۲	خلیفہ المہدی العباسی	۱۶۱ھ	خلیفہ مہدی کا بنایا ہوا فرش ۸۰ برس تک قائم رہا۔
۳	خلیفہ المتوکل علی اللہ العباسی	۲۴۱ھ	خلیفہ مہدی کا بنایا ہوا فرش اکھیڑ کر نہایت عمدہ اور خوبصورت سنگ مرمری کا فرش بنوایا۔
۴	خلیفہ المعتضد باللہ العباسی	۲۸۳ھ	انہوں نے پورے حطیم کو سنگ مرمر سے مزین کیا۔
۵	وزیر جمال الدین الجواد	۵۵۰ھ	انہوں نے دو مرتبہ حطیم کی تعمیر و مرمت کرائی۔
۶	خلیفہ الناصر العباسی	۵۷۶ھ	فرش کی تجدید کرائی۔
۷	خلیفہ المستنصر العباسی	۶۲۹ھ	کعبہ شریف کی اصلاح کے ساتھ حطیم کی مرمت بھی کرائی۔
۸	ملک مظفر صاحب یمن	۶۵۵ھ	ملک موصوف نے اس سال حج کیا اور باب کعبہ تالا کعبہ اور حطیم کی تجدید و اصلاح کرائی۔

Marfat.com

۹	ملک الناصر ابن قلاوون	۷۲۰ھ	
۱۰	ملک اشرف علی بن شعبان	۷۸۱ھ	
۱۱	ملک الظاہر برقوق	۸۰۱ھ	ملک موصوف کے حکم سے اس سال امیر ایبق نے حطیم کا سنگ مرمر تبدیل کیا۔
۱۲	القائد علاؤ الدین	۸۲۲ھ	اس نے سنگ مرمر کو مضبوط بنوایا۔
۱۳	امیر زین الدین	۸۲۶ھ	فرش اور دیوار کی اصلاح کرائی۔
۱۴	سودون المحمدی	۸۳۸ھ	
۱۵	سلطان جقمق	۸۴۳ھ	
۱۶	امیر تمر	۸۴۸ھ	تمام فرش اکھاڑ کر دوبارہ وہی پتھر نصب کر دیئے۔
۱۷	سلطان قایتبائی	۸۸۱ھ	حطیم کے اندر اور باہر کے تمام پتھر تبدیل کئے۔
۱۸	سلطان قانصوہ الغوری	۹۱۶ھ	انہوں نے نہایت مضبوط اور خوبصورت تعمیر کی اور حطیم کی دیوار پر تعمیر کرنے والوں کے نام کندہ کرائے۔
۱۹	سلطان سلیمان خان	۹۴۰ھ	
۲۰	سلطان مراد خان رابع	۱۰۴۰ھ	
۲۱	سلطان محمد خان رابع	۱۰۷۳ھ	
۲۲	سلطان عبدالمجید خان	۱۲۶۰ھ	
۲۳	سلطان عبدالعزیز آل سعود	۱۲۸۳ھ	
۲۴	شریف حسین بن علی	۱۳۳۱ھ	اس نے دیوار کی بنیادیں اور فرش مضبوطی سے بنوایا۔ (تاریخ التقویم جلد ۳ ص ۱۱۹)
۲۵	شاہ خالد بن سعود	۱۳۹۲ھ	فرش اور دیوار پر نیا سنگ مرمر لگایا۔

Marfat.com

خلافت عثمانیہ میں حطیم کے وسط میں ایک حسین وجمیل قبہ "بیت المقدس" کے نام سے بنایا گیا تھا جو اس بات کی علامت تھی کہ بیت المقدس اس سمت واقع ہے اور یہ بات یقیناً صحیح بھی ہے، کیونکہ نبی ﷺ تحویل قبلہ سے پہلے حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان کھڑے ہو کر اور کعبہ شریف درمیان میں رکھ کر بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ (تاریخ القویم جلد ۳ ص ۱۲۶)

الحجر الاخضر یعنی سبز پتھر

حطیم کے اندر سبز پتھر جو قدیم زمانہ سے چلا آ رہا تھا، ۱۳۹۶ھ میں شاہ خالد کے دور میں فرش کی تجدید کے وقت ہٹا دیا گیا۔ اس پتھر کے متعلق علامہ طاہر کردیؒ کی رشحات قلم ملاحظہ ہوں۔

حطیم میں دو سبز پتھر نصب ہیں جو ایک ہی رنگ اور وضع قطع کے ہیں۔ دونوں محرابی شکل کے ہیں۔ ایک میزاب کعبہ کے نیچے اور دوسرا اس کے مشرق میں تقریباً دو میٹر کے فاصلہ پر ہے۔ میزاب کے نیچے والا پتھر مستطیل اور دوسرا مربع شکل ہے۔ ان میں عجیب المنظر نقطے ہیں، رنگ سبز سیاہی مائل ہے، ایک کا قطر ۲۴ سینٹی میٹر اور دوسرا ۴۵ سینٹی میٹر ہے۔ ایک ہزار سال سے لوگ ان پر نماز پڑھ رہے ہیں۔

عام خیال تو یہ ہے کہ میزاب کے نیچے والا پتھر سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی قبر کی نشاندہی کرتا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اسی نوعیت کے دو پتھر ہیں جن میں کوئی تخصیص نہیں، بلکہ حقیقت تو یہ ہے ۲۴۱ھ میں عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس بن محمد ہاشمی نے حکم دیا کہ ایک عمدہ قسم کا پتھر میرے لئے بنایا جائے جس پر میں نماز پڑھا کروں، چنانچہ حسب حکم عباس بن محمد ہاشمی کے غلام احمد بن طریف نے مصر سے دو سبز عمدہ پتھروں کا ہدیہ ارسال کیا۔

جو پتھر بیضوی تھا اسے حطیم کی دیوار پر درمیان میں نصب کر دیا اور دوسرا پتھر میزاب رحمت کے نیچے لگا یا گیا۔ پھر ۲۸۳ھ میں دیوار میں نصب بیضوی پتھر اکھاڑ

Marfat.com

کر میزاب کے نیچے والے سبز پتھر کے ساتھ نصب کر دیا گیا۔ جیسا کہ علامہ ازرقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے۔

یہ دونوں پتھر بے حد قیمتی اور نفیس ہیں' یہ نادر الوجود تحفہ حطیم جیسی مقدس و معزز جگہ کے لئے بھیجا گیا۔ پھر حطیم میں بھی اس کی تنصیب کے لئے جس جگہ کا انتخاب کیا گیا وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔

آج ۱۳۷۶ھ تک اسے ۱۱۳۵ برس گزر چکے ہیں' مگر یہ نادرۂ روزگار پتھر صحیح حالت میں موجود ہے۔ صدیوں سے لوگ اس پر نماز پڑھ رہے ہیں' مگر نہ تو یہ تلف ہوا' نہ خراب ہوا اور نہ ہی اس میں شکست و ریخت ہوئی ہے۔ (تاریخ القویم جلد ۳ ص ۱۲۱، ۱۲۲)

۱۳۹۳ھ کے اوائل میں راقم آثم بھی اس مرقع حسن و تجمل اور خیر و برکت پتھر کی زیارت سے شرف بار ہوا ہے۔ لیکن اُس وقت اس کی سطح ہموار نہیں تھی بعد میں غالباً ۱۳۹۶ھ میں مسلمانان عالم اس کے دیدار سے محروم ہو گئے ہیں۔ کیونکہ شاہ خالد کے حکم سے جب حطیم کا نیا فرش بنایا گیا تو پہلے تمام پتھر ختم کر دیے گئے۔

کعبہ شریف کے اندر کا فرش

کعبہ شریف کے اندر کی سطح حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حجاج بن یوسف تک زمین کے برابر تھی۔ مگر حجاج نے جب کعبہ شریف تعمیر کیا تو تعمیر سے بچے ہوئے پتھر اندر بھر کر فرش کو دروازہ کی دہلیز کے برابر تقریباً چھ فٹ اونچا کر دیا۔

(تاریخ حرمین عباس کرارہ ص ۱۰۳)

امام ازرقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کعبہ شرف کے اندر سنگ مرمر کا فرش سب سے پہلے خلیفہ ولید بن عبدالملک نے بنوایا اور دیواروں کے اندر بھی سنگ مرمر لگانے کا حکم دیا تھا۔ یہ سنگ مرمر شام سے درآمد کیا گیا تھا جس میں سفید' سرخ اور سبز رنگ کے پتھر تھے۔ امام موصوف کا کہنا ہے کہ کعبہ شریف کے اندر جتنا کام سنگ مرمر کا کیا گیا' وہ سارا ہی ولید بن عبدالملک نے کرایا تھا اور کچھ تختیاں بھی ہیں جن پر سونے

Marfat.com

اور چاندی کی ملمع کاری کی گئی ہے۔ یہ دو پشتوں کی صورت میں ہیں۔ نچلے پشتہ میں ۳۸ سلیں ہیں جن کا طول دو ذراع اور آٹھ انگل تقریباً ۶ راںچ ۳ فٹ۔ ۱ میٹر ۷ سینٹی میٹران میں سے ۲۱ سفید ہیں' اور رکن یمانی اور رکن شامی کے درمیان والی دیوار میں ۷ سلیں اور رکن یمانی سے حجر اسود تک ۶ ہیں۔ اور ان میں سے ۳ سلیں ملتزم میں نصب ہیں' اور ۱۹ سلیں سبز سنگ مرمر کی لگی ہیں۔ رکن یمانی اور رکن شامی کے درمیان ۴ اور رکن یمانی سے حجر اسود تک بھی ۴ اور دروازہ والی دیوار میں ۵ ہیں جن میں سے دو ملتزم کی جگہ ہیں' اور حطیم کی طرف والی دیوار میں ۳ نصب ہیں۔

اور بالائی حصہ میں ۴۲ سلیں لگی ہیں' جن میں سے ہر ایک چار ذراع اور چار انگل لمبی یعنی ۶½ فٹ یا ۱ میٹر ۹۲ سینٹی میٹر ہیں۔ ان میں سے ۳۰ سفید ہیں۔ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان پانچ نصب ہیں اور ایک ملتزم میں ہے۔ اور دروازہ والی دیوار میں پانچ ہیں' اور حطیم والی دیوار میں ۹ سلیں نصب ہیں' اور سرخ سنگ مرمر کی کل نو سلیں ہیں۔ تین رکن یمانی اور رکن شامی کے درمیان۔ دو رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان ۲ دروازہ والی دیوار میں دو ہی حطیم والی دیوار میں ہیں۔

اور سبز رنگ کی چھ سلیں ہیں' دو رکن یمانی سے رکن شامی کے مابین' دو رکن یمانی سے حجر اسود کے مابین اور دو حطیم کی جانب والی دیوار میں ہیں۔

اور چاروں گوشوں میں سونے اور چاندی سے مرصع چھ تختیاں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا طول چار ذراع اور چار انگل ۶ فٹ ۳ راںچ یا ۱ میٹر ۹۲ سینٹی میٹر ہے اور ان کا عرض ایک ذراع اور چار انگل تقریباً ۲۱ راںچ یا ۵۴ سینٹی میٹر ہے۔ ایک تختی عراقی رکن کے اندر ایک شامی رکن کے اندر حطیم کی سمت میں ہے' اور دو تختیاں اسی رکن غربی میں رکن یمانی کی سمت لگی ہیں' اور ایک تختی رکن یمانی میں مشرق کی جانب نصب ہے۔ ایک ملتزم کی جگہ ہے اور ایک دروازہ کے دائیں جانب ہے۔ ان تختیوں پر ۱۶ ار منقش کیل سات سات انگل لمبے لگے ہیں۔ ملتزم کی تختی میں تین اور باقی ماندہ میں ایک ایک اور دو دو دوسری تختیوں پر لگے ہیں۔ (اخبار مکہ ص ۲۰۶ تا ۲۰۸)

Marfat.com

علامہ ازرقی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے فرش کا ذکر اس طرح کرتے ہیں کہ کعبہ شریف کے اندر سفید' سرخ اور سبز سنگ مرمر کا فرش بنا ہوا ہے جس میں کل ۳۶ سلیں لگی ہوئی ہیں۔ ہر ایک پتھر ایک ذراع اور چار انگل' تقریباً ۲۱/ انچ مربع شکل کا ہے۔ ان میں سے چار سبز پتھر ستونوں کے اور دیوار کعبہ کے مابین ہیں۔ باب کعبہ اور ستون کے درمیان سولہ پتھر ہیں جن میں سے سات سرخ اور چھ سفید ہیں۔ ان کی لمبائی سات ذراع اور پندرہ انگل ہے۔ یعنی ۱۱/ فٹ ۵/ انچ یا ۳ میٹر ۴۸ سینٹی میٹر۔ اسی طرح سیڑھی والی دیوار اور سبز سنگ مرمر کے درمیان تین بڑے پتھر ہیں جن میں سے دو سفید اور ایک سرخ ہے۔ جب کہ ان کا طول ساڑھے چار ذراع یعنی ۶ فٹ ۹ انچ ہے ۲ میٹر ۶ سینٹی میٹر اور سولہ پتھر جن میں سے آٹھ سفید اور آٹھ سرخ ہیں۔ ان کا طول سات ذراع اور نو انگل ہے۔ تقریباً ۱۱ فٹ اور ۱ انچ ۳، میٹر ۳۸ سینٹی میٹر اور مصلی نبوی ﷺ جہاں آپ نے نماز ادا فرمائی تھی تین سفید سنگ مرمر کے پتھر لگے ہیں جو رکن یمانی کی سمت میں ہیں اور باب کعبہ کے اندر ایک سرخ اور ایک سبز پتھر لگا ہے۔

یہ فرش ۲۴۰ھ کے آخر تک موجود تھا' پھر جب محمد المنتصر باللہ نے مکہ اور حجاز مقدس کی عنان حکمرانی اپنے ہاتھ میں لی تو اسے گورنر مکہ نے خط لکھا کہ کعبہ شریف کے اندر والا فرش بے حد خستہ حالت میں ہے' پتھر ٹوٹ کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بن گئے ہیں' اسی طرح دیواروں کے اندر جو سنگ مرمر لگا ہوا تھا وہ بھی گر رہا ہے۔ علماء صلحا اور معززین شہر سے اس سلسلہ میں مشورہ طلب کیا' تو سب اس بات پر متفق تھے کہ غلاف کعبہ کے بوجھ کی وجہ سے یہ نقصان ہوا ہے اور مزید دیواروں کے نقصان کا خطرہ بھی موجود ہے۔ اگر تمام غلاف اتار دیئے جائیں یا کچھ اتارے جائیں تب بھی اصلاح ممکن ہو سکتی ہے۔

چنانچہ محمد المنتصر باللہ نے امیر المومنین جعفر المتوکل علی اللہ کو ان حالات سے آگاہ کیا جس کے بعد دونوں کے مابین خط و کتابت ہوئی۔ علاوہ ازیں شاہی فرمان سے زاویوں میں لگے ہوئے چاندی کے بند سونے کے بنا دیئے گئے۔ البتہ ولید بن

Marfat.com

عبدالملک نے جو سونے کے حلقے لگائے تھے انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا اور دیواروں کے سنگ مرمر کو تبدیل کر دیا۔ یہ کام شعبان ۲۴۲ھ میں مکمل ہوا۔ (اخبار مکہ ص۲۰۹ تا ۲۱۵)

۵۵۰ھ میں وزیر موصل جمال الدین اصبہانی المعروف الجواد نے نیا فرش بنانے کا حکم دیا۔ پھر ۶۸۰ھ میں ملک مظفر صاحب یمن نے بھی اس کی تجدید کرائی اور بادشاہ کا نام غربی دیوار کے ایک پتھر پر کندہ کیا گیا۔

علامہ ابن فہد کا بیان ہے ۸۲۶ھ میں ملک اشرف برسبائی نے مقبل القدیدی امیر مکہ کو کعبہ شریف کے فرش کی تجدید کا حکم دیا۔ چنانچہ امیر موصوف نے اندر کا فرش اور دیواروں سے سنگ مرمر اکھاڑ دیا ان میں سے جو پتھر صحیح حالت میں تھے انہیں دوبارہ استعمال میں لایا گیا اور ٹوٹے ہوئے پتھروں کی جگہ نیا سنگ مرمر لگایا گیا' اور اندر والے ستونوں کی مرمت بھی کرائی' بے حد عمدگی اور زیبائش سے یہ کام انجام دیا۔ سلطان اشرف برسبائی کا نام چاندی کے ایک طشت پر کندہ کرایا اور سونے سے نقش و نگار کرایا' اور کعبہ شریف کے اندر آویزاں کیا۔ (اعلام الاعلام ص۲۰۷)

۸۴۳ھ میں ملک ظاہر جقمق کے فرمان سے امیر سودون نے کعبہ شریف کے اندر دروازہ والی دیوار کے سنگ مرمر کی اصلاح و مرمت کرائی۔ (اعلام الاعلام ص۲۱۶)

رجب ۸۸۳ھ میں ملک اشرف ابو النصر قایتبائی نے اس کی تجدید کا حکم دیا۔ پھر ۱۲۹۹ھ میں سلطان عبدالحمید خان الثانی عثمانی نے فرش کعبہ کی تجدید کرائی' مگر اس کی تفصیلات نہ مل سکیں۔ (تاریخ الکعبہ ص۲۰۶، ۲۰۷)

۱۳۷۷ھ میں سعودی حکومت نے جب کعبہ شریف کی چھت تبدیل کرائی تو بروز اتوار ۲۶ شعبان اندر کا قدیم فرش اکھاڑے بغیر نیا فرش بنوا دیا چونکہ پرانے فرش میں نادر الوجود بیش بہا قیمتی سنگ مرمر لگا ہوا تھا جو مضبوط اور خوبصورت ہونے کے علاوہ صحیح حالت میں بھی تھا۔ غالباً فرش کعبہ کی سطح بلند کرنا مقصود تھا' جس کی وجہ سے پہلا فرش مضبوط و محکم ہونے کے باوجود نیا فرش بنایا گیا' جس کے باعث پانچ سینٹی میٹر فرش اونچا ہو گیا۔ (تاریخ القویم، حصہ ۳ ص۸۸)

Marfat.com

کعبہ کے قیمتی تحفے

مختلف ادوار میں سلاطین و امراء جو بیش بہا قیمتی تحفے کعبہ مشرفہ کی نذر کرتے رہے' ان کی تفصیلات سے مورخین نے اپنی کتابوں کو مزین کیا۔ علامہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ علامہ مسعودی کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں' سب سے پہلے کعبہ شریف کی نذر کیا جانے والا تحفہ ساسان بن بابک کا تھا جو جرہم کی ولایت سے بھی پہلے چڑھایا گیا تھا۔ وہ قیمتی تحفہ سونے کے دو ہرن' جواہرات' تلواریں اور بہت سے سونے اور چاندی پر مشتمل تھا۔

پھر کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی نے سونے اور چاندی کی تلواریں کعبہ شریف میں لٹکائیں۔ (اعلام الاعلام ص ۶۱)

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مقدس عہد میں جب کسریٰ تاخت و تاراج ہوا تو آپ نے شاہی خزانہ سے سونے کے دو ہلال کعبہ شریف کی نذر کئے۔ جنہیں کعبہ شریف میں آویزاں کیا گیا۔ سفاح نے سبز چوڑی تلواریں کعبہ شریف کے لئے نذرانہ بھیجیں' جو کعبہ شریف کے اندر لٹکائی گئیں۔ عبدالملک بن مروان نے جواہرات سے مرصع دو چھتریاں اور دو بلور کے پیالے بھیجے جنہیں کعبہ شریف میں معلق کیا گیا' اور کعبہ شریف کے درمیان والے ستون کو نیچے سے لے کر اوپر تک سونا چڑھایا' اور اس پر نقش و نگار بھی کرایا۔ پھر ولید بن عبدالملک نے اپنے دور خلافت میں دو پیالے نذر کئے' بعد میں ولید بن یزید نے زرنغی تخت اور دو چاند ارسال کئے۔ ان پر یہ عبارت درج تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ امیر عبداللہ الخلیفۃ الولید بن یزید امیر المومنین فی سنۃ احدی و مایۃ ۱۰۱ھ

Marfat.com

اور ابو العباس نے ایک سبز رنگ کا بڑا پیالہ کعبہ شریف کے لئے ہدیہ بھیجا۔
ہارون الرشید نے ۱۸۶ھ میں دو یاقوت ارسال کئے۔ جنھیں سونے کی زنجیروں سے حج کے موسم میں کعبہ شریف کے سامنے لٹکایا جاتا تھا۔ اسی طرح جعفر المتوکل علی اللہ نے سونے کی ایک چھتری جواہرات جڑی' موتیوں کی بھیجی۔ جو ہر موسم میں سونے کی زنجیروں سے کعبہ شریف کے سامنے لٹکائی جاتی تھی۔ عراق سے ایک سپہ سالار یہ چھتری لاتا اور کعبہ شریف کے دربانوں کے حوالہ کر دیتا۔ دربان ۶ ذی الحجہ کو اسے باب کعبہ کے سامنے لٹکاتے اور ۸ ذی الحجہ کو اتار لیتے۔ اس کا کپڑا سرخ دیباج کا تھا اور اس کی شکل مربع تھی۔ ۱۴۴ بالشت اس کی پیمائش تھی جس کی تفصیل اس طرح ہے۔

رمضان المبارک ۳۶۲ھ میں المعز الدین اللہ جب اپنے مصر کے قصر شاہی میں پہنچا' اور دربار منعقد کیا اور لوگوں سے ہدیے قبول کرنے بیٹھا تو اس نے ایک انتہائی بیش قیمت چھتری لگائی جسے بعد میں کعبہ مشرفہ کی نذر کر دیا۔ وہ چھتری بارہ بالشت لمبی اور بارہ بالشت چوڑی تھی۔ اس کا کپڑا سرخ دیباج کا تھا' اور اس کے چاروں طرف سونے کے بارہ چاند بنے ہوئے تھے۔ ہر چاند میں ایک سونے کا ترنج (لیمو) تھا۔ جس کے اندر بڑے بڑے موتی جڑے ہوئے تھے۔ ہر ایک موتی کبوتر کے انڈے کے برابر ہوتا تھا۔ ان موتیوں میں سرخ' زرد اور نیلے یاقوت بھرے تھے۔ اور چاروں طرف سبز زمرد سے آیات حج نقش کی گئی تھیں۔ اس تحریر کے بیچ میں ایک اس قدر بڑا موتی تھا جس کے مانند آج تک دیکھنے میں نہیں آیا۔ پوری چھتری میں پیسا ہوا مشک بھرا تھا اور یہ چھتری محل کے اندر اور باہر دونوں جگہ سے دکھائی دیتی تھی۔

تبت کے بادشاہوں میں سے ایک بت پرست بادشاہ جب حلقہ بگوش اسلام ہوا تو اس نے ایک بت جو انسانی شکل کا تھا کعبہ شریف کی نذر کر دیا' اس کے سر پر سونے کا تاج تھا جو جواہرات' سرخ اور سبز یاقوت اور زبرجد وغیرہ سے مرصع

Marfat.com

تھا۔ بت ایک چاندی کے چوکور تخت پر نصب تھا' جس پر دیباج کی چادر بچھی تھی اور چادر کے چاروں طرف سونے اور چاندی کے بٹن بند لگے ہوئے تھے۔

بادشاہ مذکور نے یہ تمام چیزیں امیر المومنین عبداللہ المامون کی خدمت میں بھیجیں۔ امیر المومنین نے یہ تحفہ حسن بن سہل کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ اسے کعبہ شریف میں پہنچا دیا جائے۔ حسن بن سہل بلخ کے ایک آدمی نصیر بن ابراہیم کی معیت میں ۲۰۱ھ میں مکہ مکرمہ پہنچا۔ جب حجاج منیٰ سے واپس لوٹے تو نصیر بن ابراہیم نے یہ تخت صفا اور مروہ کے درمیان عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے رحبہ میں نصب کر دیا۔ تین دن تک لوگ اس کی شوکت کا نظارہ کرتے رہے' اس کے ساتھ ایک سونے کی تختی بھی تھی جس پر یہ عبارت کندہ تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'

ھذا سریر فلان بن فلان ملك التبت اسلم و بعث ھذا السریر الی الکعبۃ فاحمدوا اللہ الذی ھداہ للاسلام .

تین دن کے بعد کعبہ شریف کے مجاوروں کے حوالہ کر دیا اور انہوں نے اسے دار شیبہ بن عثمان میں کعبہ شریف کے خزانہ میں جمع کر دیا۔

پھر ۲۰۲ھ میں حمدون بن علی بن عیسی المخزومی مکہ مکرمہ کا حکمران ہوا تو اس نے اپنے دشمن کے مقابلہ کی غرض سے بت اور تخت بیچ دیا اور کچھ رقم کے دراہم و دنانیر بنائے۔ لیکن تاج اور تختی ازرقی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ تک کعبہ شریف کے خزانہ میں موجود تھے۔ (اخبار مکہ ص ۱۵۵ تا ۱۵۸)

امام فاسی رحمۃ اللہ علیہ نے امام فاکہی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے' ۲۱۹ھ میں المعتصم العباسی نے سونے کا ایک تالہ کعبہ شریف کی نذر کیا جو ایک ہزار دینار سے تیار کیا گیا تھا۔

۲۵۹ھ میں سونے کا ایک ذی شان ہار جو زمرد' الماس اور سبز یاقوت سے مزین تھا کعبہ کے لئے تحفہ آیا۔ اس کا وزن ۲۴ مثقال تھا۔ اسے امیر المومنین المعتمد

Marfat.com

علی اللہ کے حکم سے سونے کے زنجیر سے دیگر معلقات کے ساتھ کعبہ شریف میں لٹکا دیا گیا۔

اسی طرح چاندی کا ایک بہت بڑا مکتوب جس میں جعفر بن المعتمد اور ابی احمد الموفق کا بیعت نامہ تحریر تھا کعبہ شریف میں لٹکایا گیا۔

۳۵۹ھ میں المطیع العباسی نے چاندی کی قندیلیں ہدیہ بھیجیں جن کا وزن چھ سو مثقال تھا اور ایک روایت کے مطابق یہ قندیلیں عمان کے بادشاہ نے بھیجی تھیں۔ ۴۲۰ھ کے بعد کچھ محاریب نذر کی گئیں' پھر ۶۳۲ھ میں ملک منصور عمر بن علی بن رسول صاحب یمن نے سونے اور چاندی کی قندیلیں بھیجیں اور ملک الظاہر بیبرس صاحب مصر نے تالے اور چابیاں ارسال کیں۔

۷۱۸ھ میں وزیر علی شاہ نے جو سلطان ابی سعید بن خدابندہ ملک تتر کا وزیر تھا' سونے کے دو حلقے ارسال کئے وہ حلقے جواہرات اور لعل بدخشاں سے مزین تھے۔ ہر حلقہ ایک ہزار مثقال وزنی تھا اور ہر حلقہ میں چھ چھ نادر الوجود موتی لگے ہوئے تھے۔ یہ حلقے تھوڑا ہی عرصہ کعبہ شریف کی زینت بنے' جب رمیثہ بن ابی نمی مکہ کا حکمران ہوا تو اس نے انہیں اپنے قبضہ میں لے لیا۔

۷۷۰ھ میں سلطان شیخ اویس صاحب بغداد نے چار بہت بڑی بڑی قندیلیں نذرانہ بھیجیں جن میں سے دو سونے کی اور دو چاندی کی تھیں' یہ بھی کچھ عرصہ تک معلق رہیں' پھر امیر مکہ عجلان بن رمیثہ نے ان پر قبضہ کرلیا۔

امام فاسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ۱۹۹ھ میں الحسین بن الحسن الافطس نے کعبہ مشرفہ کا تمام خزانہ اپنے قبضہ میں کر لیا' اور کعبہ شریف کے غلاف سمیت تمام اشیاء اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیں۔ اسی طرح ۲۵۱ھ میں اسماعیل بن یوسف بن ابراہیم الحسنی نے کعبہ شریف کا سونا' چاندی' عطریات اور غلاف وغیرہ سب کچھ ضبط کر لیا تھا۔ اور ابن فہد نے ۵۸۶ھ کے حوادثات میں ذکر کیا ہے کہ امیر مکہ داؤد بن عیسیٰ بن فلیتہ نے کعبہ شریف کا خزانہ اور حجر اسود کا حلقہ اپنے قبضہ میں لے لیا تھا۔

Marfat.com

امام قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اعلام الاعلام میں لکھا ہے کہ سلطان مراد خان نے ۹۸۴ھ میں تین سونے کی قندیلیں جواہرات سے مزین کعبہ شریف کے لئے ہدیہ بھیجیں ان میں سے دو کعبہ شریف کی چھت میں لٹکانے کے لئے اور ایک روضۂ رسول ﷺ کے لئے تھی۔ آل عثمان کے تحائف میں یہ سب سے پہلا سونے کا تحفہ تھا جسے کعبہ شریف میں آویزاں کیا گیا۔

الاتحاف کے مولف طبری نے بیان کیا ہے کہ ۱۰۹۴ھ میں ملکہ بندر آشی نے پانچ سونے کی قندیلیں کعبہ شریف میں لٹکانے کی غرض سے بھیجی تھیں۔ یہ واقعہ شریف سعید بن برکات کے زمانہ کا ہے۔

لیکن ان تحائف میں سے آج کچھ بھی باقی نہیں ہے' اگرچہ اس وقت بھی بہت سی قندیلیں کعبہ شریف کی چھت میں لگی ہیں مگر ان کی تفصیلات معلوم نہیں ہو سکیں۔ (تاریخ الکعبہ ص ۱۹۹ تا ۲۰۲)

Marfat.com

کعبہ شریف میں معلق قندیلوں کا عکس

Marfat.com

اَلْوَاحْ

مورخین کا بیان ہے کہ کعبہ شریف کے اندر دیواروں پر سنگ مرمر کی سات تختیاں آویزاں ہیں' جن پر کعبہ شریف کی خدمت کرنے والے بعض سلاطین کے اسماء گرامی کندہ ہیں۔ ان میں سے ایک ایک تختی مشرقی اور شمالی دیوار پر اور پانچ تختیاں مغربی دیوار پر آویزاں ہیں۔ جن کی تفصیل علامہ حسین عبداللہ نے اس طرح بیان کی ہے۔ موصوف جمعۃ المبارک ۲۳ ذی القعدہ ۱۳۵۲ھ کو ان کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے۔

① باب کعبہ میں داخل ہوتے وقت دائیں جانب مشرقی دیوار میں سنگ مرمر کی پہلی تختی پر یہ عبارت درج ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم. امر بتجديد ترخيم داخل البيت مولانا السلطان الملك الاشرف ابوالنصر قايتبائى خلد الله ملكه . يا رب العالمين (رجب ٨٨٤ هجرى)

② دوسری تختی جو شمالی دیوار میں زینہ کعبہ کے قریب آویزاں ہے' نثری الفاظ میں مندرجہ ذیل عبارت کندہ ہے:

قد بدا التعمير في بيت الله	قبلة الاسلام والبيت الحرام
أم سلطان الورى خان المصطفى	دام بالنصر العزيز المستدام
باشرت صدقا الى التعمير ذا	انما كان بالهام امر السلام
و ارتجت من فضله سبحانهٗ	ان يجاريها به يوم القيام
قال تاريخا له قاضي البلد	عمرة ام سلطان الانام

سلطان مصطفیٰ خان کی والدہ ماجدہ نے ۱۱۰۹ھ میں تعمیر کی خدمت انجام دی۔

Marfat.com

③ باب کعبہ سے داخل ہوتے ہی سامنے مغربی دیوار پر پہلی تختی پر یہ عبارت منقش ہے:

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

امر بعمارة البيت المعظم الامام الاعظم ابو جعفر المستنصر باللّٰه امير المومنين بلغة اللّٰه اقصٰى آماله . و تقبل منه صالح اعماله . في شهود سنة تسع و عشرين و ست مائة و صلى اللّٰه على سيدنا محمد و آله وسلم.

ابوجعفر المنصور نے ۶۲۹ ہجری میں تعمیر ومرمت کا حکم دیا۔

④ چوتھی تختی بھی غربی دیوار میں تختی نمبر ۳ کے قریب آویزاں ہے۔ یہ تختی یوسف بن عمر بن علی بن رسول کی یادگار ہے جس پر ۶۸۰ھ مرقوم ہے۔ وہ یمن کا بادشاہ تھا۔

⑤ چوتھی تختی کے ساتھ ہی غربی دیوار میں یہ بھی جلوہ نما ہے جو سلطان مراد خان کی تعمیری خدمات کی یاد تازہ کرتی ہے۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

ربّنا تقبل منا انك انت السميع العليم امر بتجديد هذا البيت المعظم الفقير الى اللّٰه سبحانهٗ و تعالٰى. خادم الحرمين والمحترمين. و سائق الحجاج بين البرين والبحرين. السلطان ابن السلطان مراد خان بن السلطان محمد خان خلد اللّٰه تعالى ملكه و ايد سلطنته ۱۰۴۰ هجرة النبوية افضل التحية

⑥ چھٹی تختی بھی مغربی دیوار میں پانچویں کے متصل جلوہ گر ہے یہ تختی سلطان سلطان بن سلطان محمد خان کی یادگار ہے۔ اس پر یہ عبارت تحریر ہے

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

ربّنا تقبل منا . امر بتجديد سقف البيت الشريف و جميع

Marfat.com

داخل الحرم و خارجه . مولانا السلطان بن السلطان محمد خان سن سبعين و الف ۱۰۷۰ھ.

⑥ یہ بھی غربی دیوار میں جلوہ افروز ہے یہ تختی سلطان اشرف ابوالنصر برسبائی کی خدمت کی عکاسی کرتی ہے جو انہوں نے ۸۲۶ھ کو تحریر کی تھی۔

(تاریخ الکعبہ ص ۱۳۹ تا ۱۴۱، دائرۃ المعارف جلد ۸ ص ۱۴۵)

باب کعبہ سے اندر بائیں جانب ایک لکڑی کی میز رکھی ہوئی ہے جس پر حریر کا پردہ پڑا ہے اس کے اوپر سبز اطلس کی ایک تھیلی میں کعبہ شریف کی کنجیاں رکھی ہوئی ہیں۔ (تاریخ حرمین ندوی ص ۹۷)

Marfat.com

خزانہ کعبہ

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے جب کعبہ شریف کی تعمیر فرمائی تو اس کے اندر ایک کنواں تقریباً ساڑھے تین ہاتھ گہرا بنایا۔ تاکہ کعبہ شریف پر چڑھائی جانے والی نذر و نیاز اس میں جمع کی جائیں۔ قدیم زمانہ میں اس کنوئیں کو "الجُبّ" اور "الغَبغَب" کہا جاتا تھا۔ اور جو خزانہ اس میں جمع ہوتا اسے "الأبرَق" کہتے تھے۔ خزانہ کئی بار چوری بھی ہوا۔ ایک مرتبہ کعبہ شریف کا چوکیدار اسے چرا رہا تھا کہ کنوئیں ہی کے ایک پتھر نے اسے قید کر دیا۔ صبح جب لوگوں کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے پتھر ہٹا کر اسے نکالا۔ اس واقعہ کے بعد اس کنوئیں کا نام "الأخسَف" (دھنسانے والا) بھی مشہور ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ اس خزانہ پر ایک ثعبان (بہت بڑا سانپ) نے ڈیرہ جما لیا جو عہد خزاعہ، عہد جرہم اور کچھ عرصہ قریش کے دور تک تقریباً ۵۰۰ سال اس پر قابض رہا۔ بالآخر قریش نے مقام ابراہیم کے پاس جمع ہو کر بارگاہ خداوندی میں الحاح و زاری سے دعا کی کہ اس آفت سے ہمیں نجات عنایت فرما۔ حضور نبی کریم ﷺ بھی اس دعا میں شریک تھے۔ (تاریخ القویم جلد ۳ ص ۱۰۰)

چنانچہ ایک دن یہ اژدھا حسب عادت کعبہ شریف کی دیوار پر ہوا خوری کے لئے بیٹھا تھا کہ ایک بہت بڑا پرندہ آیا اور اسے اچک کر لے گیا۔ اس طرح اس آفت سے لوگوں کی گلوخلاصی ہوئی۔ (اخبار مکہ ص ۷۰)

زمانہ قدیم میں اہل فارس بھی حج بیت اللہ کو آیا کرتے تھے اور تقرب الٰہی حاصل کرنے کی غرض سے بیت اللہ پر نذر و نیاز بھی چڑھاتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبدالمطلب کو چاہ زمزم صاف کرتے وقت جو سونے کے دو ہرن دستیاب ہوئے تھے وہ اہل فارس ہی نے نذرانہ چڑھائے تھے۔

Marfat.com

سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے بعد بیت اللہ شریف کی تولیت پر جرہم مامور ہوئے' لیکن جرہم کی عیاشیوں اور بے احتیاطیوں کی پاداش میں خزانہ نے مکہ کی سلطنت سے انہیں بے دخل کر کے خود اس پر قابض ہو گئے۔ جرہم بھاگتے وقت کعبہ کا خزانہ چاہ زمزم میں پھینک گئے' تاکہ کسی دوسرے کے کام بھی نہ آ سکے۔ عبدالمطلب کو جو خزانہ ملا تھا اس میں سونے کے دو ہرن بہت سی قلعی تلواریں اور زرہیں تھیں۔ قلعی تلواریں بادیہ عرب میں مَرْجُ الْقَلْعَة کے مقام پر بنائی جاتی تھیں جو عرب میں بہت مشہور تھیں۔ شمشیر قلعی اسی مقام سے منسوب ہیں' عبدالمطلب نے تلواروں سے کعبہ شریف کا دروازہ بنوایا' اور ہرنوں کا سونا پتروں کی شکل میں تبدیل کر کے دروازہ پر چڑھا دیا اور سونے ہی کا تالہ اور چابی بھی بنوائی۔ کعبہ شریف پر سب بہا قیمتی تحفہ سب سے پہلے یہی سونا چڑھایا گیا۔

(مقدمہ ابن خلدون ص ۳۸۰، طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۱۳۲، سیرت ابن ہشام ص ۷۳)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ شریف کا خزانہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے خیال کا اظہار تو فرمایا تھا مگر ایسا کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی اسے ہاتھ تک نہیں لگایا' ان کے بعد سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے خرچ کرنے کا ارادہ تو کیا تھا لیکن جب ان سے کہا گیا کہ آپ کے دونوں ساتھیوں نے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) ایسا نہیں کیا' تو آپ نے بھی اس ارادہ کو ترک کر دیا۔ (بخاری شریف جلد ۱ ص ۲۱)

امام ازرقی رحمۃ اللہ علیہ محمد بن یحییٰ سے روایت کرتے ہیں کہ ۱۸۱ھ تک یہ مال صحیح حالت میں موجود تھا' مگر اس کے بعد خدا جانے اس کا کیا ہوا۔ (اخبار مکہ ص ۱۷۲)

امام ازرقی رحمۃ اللہ علیہ ہی نے ایک اور روایت اس طرح نقل کی ہے

سیدنا علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ شریف فتح کیا تو اس کنوئیں میں ستر ہزار (۷۰۰۰۰) اوقیہ سونا جس کی مالیت ایک لاکھ دینار تھی موجود پایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اس

Marfat.com

خزانہ سے اگر سامان جنگ خرید لیا جائے تو کیا ہی اچھا ہو۔ مگر آپ ﷺ نے اس مشورہ کو قبول نہیں فرمایا۔ پھر آپ ﷺ کے بعد صدیق رضی اللہ عنہ نے خزانہ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا' حتیٰ کہ ۱۹۹ھ تک برابر محفوظ رہا۔ بالآخر حسین بن الحسن العلوی کا جب مکہ مکرمہ پر تسلط ہوا تو اس نے سارے خزانہ پر قبضہ کر لیا' اور کہنے لگا کہ یہ مال کعبہ میں رکھنے سے کیا فائدہ ہم اس کے حقدار ہیں۔ ہم لڑائی کے مصارف میں اسے خرچ کریں گے۔ لہٰذا اس نے تمام خزانہ خرچ کر دیا۔ پھر اس وقت سے اب تک کعبہ شریف مالی ذخیرہ سے خالی ہے۔ (اخبار مکہ ص ۱۷۲، مقدمہ ابن خلدون ص ۳۸۲)

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی تعمیر تک اس کنوئیں کا ذکر تو ملتا ہے' مگر بعد کی تاریخ اس کے بیان سے خاموش ہے۔ غالباً ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس میں پتھر بھر کر بند کر دیا تھا' بعد ازاں حجاج بن یوسف نے کعبہ مشرفہ کی تعمیر کے وقت تعمیر سے بچے ہوئے پتھر کعبہ شریف کے اندر دہلیز کے برابر تک بھر کر فرش بنا دیا۔ اس طرح وہ کنواں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا' اور خزانہ کعبہ شیبہ بن عثمان بن طلحہ کے گھر میں رکھا جانے لگا۔ کعبہ شریف کے اندر کا فرش سنگ مرمر سے سب سے پہلے ولید بن عبدالملک نے بنوایا تھا۔ (تاریخ حرمین عباس کرارہ ص ۱۰۲)

علامہ ازرقی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ کعبہ شریف کے کنجی برداروں میں سے ایک آدمی جب قریب المرگ ہوا تو کئی دن تک اس پر جان کنی کی حالت طاری رہی' وہ موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھا کہ ایک دن اس کے باپ نے دریافت کیا کہ بیٹا تیرے ذمہ اس "الابرق" یعنی مال کعبہ میں سے کوئی چیز تو نہیں ہے؟ وہ کہنے لگا جی ہاں' چار سو دینار میرے ذمہ ہیں۔ اس کے باپ نے چند آدمیوں کے سامنے وعدہ کیا کہ یا اللہ میں چار سو دینار ادا کروں گا' تو میرے بیٹے پر رحم فرما۔ چنانچہ اس کے فوراً بعد اس کی روح پرواز کر گئی۔ (اخبار مکہ ص ۱۷۴)

Marfat.com

معالیق کعبہ

کعبہ شریف کے اندر آویزاں بیش بہا قیمتی اشیا جو مختلف اوقات میں دنیا کے بادشاہوں اور امراء نے کعبہ شریف کی نذر کی تھیں' ان کی تفصیل اس طرح ہے

① دنبہ کے سینگ، سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کے فدیہ میں جنت کے جس دنبہ کو ذبح کیا تھا اس کے سینگ کعبہ شریف میں لٹکا دیئے گئے تھے۔ وہ سینگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس دور تک محفوظ تھے۔ فتح مکہ کے بعد آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں نے وہ سینگ کعبہ شریف میں دیکھے تھے مگر تمہیں کہنا بھول گیا کہ ان پر کپڑا ڈال دو۔

بعد ازاں سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب کعبہ شریف جل گیا تو اس روح فرسا حادثہ میں وہ سینگ بھی جل گئے تھے۔

② نبوت کے ساتویں سال جب کہ شہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش مکہ نے شعب بن ہاشم میں محصور کر دیا تو اس دوران قریش نے بنی ہاشم اور بنی مطلب سے قطع تعلقات پر مبنی ایک عہد نامہ لکھا جس پر تمام قریش کے سردار متفق تھے' پھر اسے کعبہ شریف میں لٹکا دیا گیا۔

③ امام ازرقی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب کسریٰ فتح کیا تو شاہی خزانہ سے سونے کے دو چاند کعبہ شریف کے لئے ہدیہ بھیجے جنہیں کعبہ شریف میں لٹکایا گیا۔

④ السفاح نے صحیفہ الخضر بھیجا جسے کعبہ شریف میں لٹکایا گیا۔

⑤ خلیفہ مامون الرشید نے ایک بیش بہا قیمتی یاقوت کعبہ شریف کے لئے بھیجا جسے حج کے دنوں میں سونے کی زنجیروں سے کعبہ شریف کے سامنے لٹکایا

Marfat.com

جاتا تھا۔

(۶) ۲۵۹ھ میں سندھ کے ایک بادشاہ نے جب اسلام قبول کیا تو زمرد اور یاقوت وغیرہ جواہرات سے مرصع سونے کا ایک طوق کعبہ شریف کے لئے تحفہ بھیجا جو خلیفہ المستمد کے حکم سے بیت اللہ شریف کے اندر لٹکا دیا گیا۔

(۷) چاندی کی ایک تختی جس میں جعفر امیر المومنین المستمد علی اللہ اور ابی احمد موفق باللہ کی بیعت کا اقرار نامہ تھا۔ جس کا وزن ۳۶۰ درہم تھا۔ اس کے باہر چاندی کی تین زنجیریں اور چاندی کے تین پن لگے ہوئے تھے۔ ۲۶۰ھ میں الفضل بن عباس حج کے دنوں میں یہ تحفہ لے کر مکہ مکرمہ پہنچا' جسے کعبہ کے دوسرے قیمتی تحائف کے ساتھ لٹکا دیا گیا۔

(۸) خلیفہ عبدالملک بن مروان نے دو عدد شمسیہ (جواہرات سے مرصع چھتریاں) اور دو بلوری پیالے ارسال کئے۔

(۹) خلیفہ ولید بن یزید نے تخت زنجی اور دو ہلال کعبہ شریف کی نذر کئے۔

(۱۰) ۲۰۱ھ میں تبت کے ایک بادشاہ نے سونے کا بت جو انسانی شکل کا تھا بمعہ تخت کے کعبہ شریف کے لئے بھیجا۔

(۱۱) ۱۸۶ھ میں خلیفہ ہارون الرشید کے دونوں بیٹوں کی بیعت اور عہد و پیماں کی دستاویز دو قیمتی تھیلوں میں ملفوف کعبہ شریف میں لٹکائی گئی۔

(۱۲) خلیفہ جعفر المتوکل علی اللہ نے جواہرات' یاقوت اور زبرجد سے مرصع انتہائی قیمتی چھتری بیت اللہ شریف کے لئے بھیجی جو حج کے ایام میں سونے کی زنجیروں سے کعبہ شریف کے سامنے لٹکائی جاتی تھی۔

(۱۳) ۳۵۹ھ میں مطیع عباسی نے کعبہ شریف کے لئے چاندی کی قندیلیں بھیجیں' جن میں سے ہر ایک کا وزن ۶۰۰ مثقال تھا۔

(۱۴) ۳۶۲ھ میں خلیفہ المعز الدین اللہ نے ایک نادرۂ روزگار چھتری کعبہ شریف کی نذر کی' جو بیش بہا قیمتی جواہرات سے مرصع تھی' جس پر ایک ہزار ایک سو

Marfat.com

پچیس تولے سونے کے علاوہ بیس ہزار درہم خرچ ہو گئے تھے۔

⑮ خلیفہ منصور صاحب یمن نے ۳۶۲ھ میں سونے اور چاندی کی قندیلیں بھیجیں۔

⑯ ۴۲۰ھ میں شاہ عمان نے کعبہ شریف کے لئے قندیلیں اور سونے کی محرابیں بھیجیں۔ ہر ایک محراب ۱۶ ار سیر وزنی تھی۔

⑰ ۵۳۲ھ میں شاہ رامشت فارسی نے سونے کی چار قندیلیں بھیجیں جن میں سے ہر ایک کا وزن ۱۰ ار طل یعنی پانچ سیر تھا۔ جو ۱۸ ار ہزار دینار کی تھیں۔

⑱ ۶۳۲ھ میں ملک منصور عمر بن علی بن رسول شاہ یمن نے سونے اور چاندی کی قندیلیں ہدیہ بھیجیں۔

⑲ ۷۱۸ھ میں سلطان ابی سعید بن خدابندہ شاہ تتر کے وزیر علی شاہ نے جواہرات سے مرصع دو سونے کے حلقے کعبہ شریف کے لئے ہدیہ بھیجے' جن کا وزن ایک ایک ہزار مثقال یعنی پانچ' پانچ سو تولہ تھا۔ ہر ایک حلقہ میں چھ انتہائی نادرہ اور فاخرہ جواہرات اور چھ بے مثال بلخش لگے ہوئے تھے۔ یہ دونوں حلقے باب کعبہ پر آویزاں کر دیے گئے' مگر تھوڑے ہی عرصہ بعد رمیثہ بن ابی نمی امیر مکہ نے انہیں اپنی جنگی ضروریات میں خرچ کر دیا۔ بلخش کے متعلق علامہ طاہر کردی مدظلہ لکھتے ہیں یہ قیمت میں یاقوت کی مانند ہوتا ہے' مگر قدر و منزلت میں اس سے کم ہے۔ اس کے تین رنگ ہوتے ہیں' سرخ کو معترب' سبز کو زبرجدی اور زرد کو ورسی کہتے ہیں' جبکہ سرخ رنگ زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ لیکن فریدۃ العجائب میں لکھا ہے' یہ یاقوت ہی کی طرح سخت اور شفاف پتھر ہے۔ فوائد اور احوال کے اعتبار سے بھی یاقوت ہی کی مانند ہے۔

⑳ ۷۶۰ھ میں شاہ بغداد شیخ اویس نے دو سونے اور دو چاندی کی قندیلیں بھیجیں' جو کعبہ شریف میں کچھ عرصہ تک لٹکائی گئیں بعد میں عجلان بن رمیثہ امیر مکہ نے انہیں خرچ کر دیا۔

Marfat.com

(۳۱) ۹۸۴ھ میں سلطان سلیمان القانونی نے جواہرات سے مرصع سونے کے دو فانوس بھیجے جنہیں کعبہ شریف میں لٹکا دیا گیا۔

علامہ طاہر کردی رحمہ فرماتے ہیں' مذکورہ تاریخ محمد لبیب البتونی نے تحریر کی ہے' لیکن یہ صحیح نہیں ہے' کیونکہ سلطان سلیمان قانونی کا ۹۷۳ھ میں وصال ہو گیا تھا' اور ظاہر ہے کہ یہ تحفہ وصال سے پہلے ہی بھیجا تھا۔

(۳۲) ۹۸۴ھ میں سلطان مراد خان نے جواہرات سے مرصع سونے کی تین قندیلیں ہدیہ بھیجیں جن میں سے دو کعبہ شریف میں اور ایک حجرۃ النبویہ ﷺ میں آویزاں کر دی گئی۔ سلطان موصوف خلافت عثمانیہ کے پہلے حکمران تھے' جنہوں نے حرمین شریفین کے لئے سونے کی قندیلوں کا تحفہ بھیجا تھا۔

(۳۳) ۱۰۹۴ھ میں ملکہ بندر آشی نے سونے کی پانچ قندیلیں کعبہ شریف میں لٹکانے کے لئے بھیجیں' ان دنوں شریف سعید بن برکات امیر مکہ تھا۔

کعبہ شریف کی نذر کئے جانے والے مذکورہ بالا انتہائی قیمتی سامان میں "قَمِیۃ" کا ذکر بھی کئی مرتبہ آیا ہے۔

علامہ طاہر کردی دامت برکاتہم اس لفظ کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں

۱۔ ایسا کپڑا جو کسی مکان کی چاروں دیواروں پر لٹکایا جائے۔

۲۔ وہ معروف چھتری جو بارش اور دھوپ سے بچاؤ کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔

۳۔ کعبہ شریف کا غلاف یا باب کعبہ کا پردہ۔

مذکورہ واقعات میں جس لفظ کا استعمال ہوا ہے اس کے لئے ان توجیہات میں سے ہر ایک توجیہ ہو سکتی ہے۔ (تاریخ القویم جلد ۴ ص ۱۳۳ تا ۱۳۷)

اس وقت کعبہ شریف میں صرف چند چیزوں کے سوا باقی تمام اشیاء مفقود ہیں' کچھ نوادرات کا ذخیرہ باب عمرہ کے قریب تہہ خانہ میں بھی ہے۔

Marfat.com

خدامِ کعبہ

حطیم اور مطاف میں صفائی کرنے والے خدام کو "اغوات" کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ "آغا" کی جمع ہے۔ اس سلسلہ کے بانی اور مؤسس امیر المومنین سیدنا معاویہ ہیں جنہوں نے شام سے غلاف کعبہ کے ساتھ خدام کعبہ بھی بھیجے اور یہ طریقہ بعد کے خلفاء میں بھی رائج رہا۔ اگرچہ اس وقت غلام اس خدمت پر مامور کئے جاتے تھے مگر موجودہ دور میں خدام آزاد افراد ہوتے ہیں۔ جنہیں اپنے والدین اور خویش و اقارب کعبہ شریف کی خدمت کے لئے وقف کر دیتے ہیں۔ انہی میں سے ایک رئیس ہوتا ہے ان کا مخصوص بیت المال قائم ہے یہی ایک دوسرے کے وارث بھی ہوتے ہیں۔

مطاف اور حطیم کی صفائی کے علاوہ مطاف اور باب کعبہ پر قندیلیں روشن کرنے کی خدمت بھی ان کے سپرد تھی لیکن جب سے بجلی استعمال ہونے لگی یہ صرف مطاف اور حطیم کی صفائی کا کام کرتے ہیں۔ ان کے مختلف عہدے اور درجات بھی ہیں جب کوئی آغا اس سلسلہ میں داخل ہوتا ہے تو اسے "نفرا" کہتے ہیں اور پھر وہ خدمت کرتے کرتے "شیخ المفتاح" کے عہدہ تک ترقی کر جاتا ہے۔ اس عہدہ دار کے پاس اس مکان کی چابی ہوتی ہے۔ جہاں مطاف کی قندیلیں اور صفائی کا دوسرا سامان رکھا جاتا ہے۔ بعد ازاں اسے زاروزی کے عہدہ پر ترقی دی جاتی ہے ان کی خدمت کے اعتبار سے حسب ذیل عہدے ہوتے ہیں۔

البطالین خبزی نقیب اور شیخ الاغوات۔

ترقی کا دارومدار خدمت پر ہوتا ہے جتنا زیادہ عرصہ خدمت کی ہوگی اتنی ہی زیادہ ترقی ملے گی۔

البطالین: مطاف حطیم اور مطاف کے گردونواح میں صفائی کرنا۔

خبزی: بیت المال کے انچارج ہوتے ہیں پھر خبزی سے نقیب اور اس کے بعد شیخ المفتاح یا شیخ الاغوات کا عہدہ ملتا ہے۔ (تاریخ الکعبہ ص ۳۲۶)

Marfat.com

علامہ طاہر کردی دامت برکاتہم نے اس امر کی بے حد طویل بحث و تمحیص اور تحقیق کی ہے لیکن ہم اسے اختصار کے ساتھ ہدیۂ قارئین کرتے ہیں۔

موصوف نے امام ازرقی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ کعبہ شریف کی خدمت کے لئے زمانہ جاہلیت میں بھی خدام مقرر کئے جاتے تھے' وہ بھی غلام نہیں بلکہ آزاد ہوتے تھے' اور اسلام میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔

البتہ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ حرم شریف کی خدمت کے لئے طواشی (ہجڑے) کب اور کس نے مقرر کئے۔ اگرچہ ابراہیم رفعت پاشا نے ''مراۃ الحرمین'' میں لکھا ہے کہ ابوجعفر المنصور المتوفی ۱۵۸ھ نے سب سے پہلے طواشی مقرر کئے' لیکن تاریخ میں اس کا ثبوت نہیں ملتا۔

یہ امر یقینی ہے کہ طواشی مسجد نبوی میں پہلے مقرر کئے گئے اور بعد میں حرمین شریفین میں تعینات ہوئے۔ جب کہ مسجد نبوی شریف میں سلطان نور الدین شہید نے ۵۵۷ھ میں تحفہ کے طور پر طواشی بھیجے۔ علاوہ ازیں ابن جبیر اندلسی ۵۷۹ھ میں مکہ شریف گیا اور وہاں آٹھ ماہ قیام کیا۔ موصوف نے کعبہ شریف' حرم محترم اور مکہ شہر کی ہر ایک چیز کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ لیکن طواشی کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح ابن بطوطہ ۷۲۵ھ میں حج بیت الحرام کے لئے گیا تو اس نے اپنے سفرنامہ میں مسجد نبوی شریف کے اغوات یعنی طواشی کا ذکر تو کیا ہے مگر مسجد حرام میں طواشی کا تذکرہ نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں اس خدمت پر ہجڑے مقرر کرنے کا دستور نہیں تھا۔

۱۳۸۵ھ میں اغوات کی تعداد ۴۳ تھی' یہ شریف اور معزز خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں' ان کا لباس مخصوص ہوتا ہے' سر پر سفید پٹکا اور سفید ہی لمبا کرتا' مطاف کی صفائی کا کام دن رات ان ہی کے سپرد ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں خطبہ کے وقت خطیب صاحب کی خدمت بھی کرتے ہیں اور خطبہ کے دوران چھتری سے ان پر سایہ کرتے ہیں' انہیں کسی وجہ سے بھی اس خدمت سے الگ نہیں کیا جاتا' گویا کہ ان کی ساری زندگی اس خدمت کے لئے وقف ہوتی ہے۔ (تاریخ التقویم جلد ۳ عنوان اغوات مسجد الحرام)

Marfat.com

الشاذروان یعنی پشتۂ کعبہ

شاذرواں اس پشتہ کا نام ہے جو کعبہ شریف کی دیواروں کے نیچے تین سمت مشرق' جنوب اور مغرب میں بنا ہوا ہے۔ اس کے بنانے کی غرض و غایت میں دو اقوال بیان کئے گئے ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ قریش نے تعمیر کے وقت ابراہیم علیہ السلام کی دیواروں کی چوڑائی بھی کم کر دی تھی' اس لئے بعد میں اس بقیہ حصہ میں بڑے بڑے پتھروں سے پشتہ بنا دیا گیا' تاکہ طواف کرنے والے ان بنیادوں کے باہر طواف کریں۔ (تاریخ الکعبہ ص ۱۵۴) یہی قول امام تقی الدین فاسی نے عقد الثمین جلد ا ص ۵۴ میں بیان کیا ہے۔

دوسرا قول جو العبونی نے رحلۃ الحجازیہ میں بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ شاذروان اس بند کو کہا جاتا ہے جو نہر کے دونوں کناروں پر بنایا جاتا ہے' اور قدیم مصری عمارتوں میں اس لفظ کا اطلاق ان فواروں کے محیط پر ہوتا تھا' جو بڑے بڑے صحنوں میں بنائے جاتے تھے۔ یہ سب سے پہلے عبداللہ بن زبیر یا حجاج بن یوسف نے سیلاب سے کعبہ شریف کی حفاظت کی غرض سے بنوایا تھا۔ (رحلۃ الحجازیہ جلد ا ص ۱۰۵)

اس پشتہ کی بلندی بعض جگہ ۱۶/۱ انگل تقریباً ایک فٹ یعنی ۳۵ سینٹی میٹر اور چوڑائی ایک ذراع تقریباً ۱۸/۱ انچ یا ۴۵ سینٹی میٹر اور بعض جگہ بلندی ڈیڑھ بالشت یعنی ۱/۲ ۱۳/۱ انچ یا ۳۴ سینٹی میٹر ہے۔

شاذروان میں کل ۶۸ پتھر لگے ہیں' رکن عراقی سے رکن یمانی کے درمیان ۲۵ پتھر ہیں' ان میں سے ایک پتھر ۹/۱ انچ ۷ فٹ یعنی ۲ میٹر ۵ سینٹی میٹر لمبا ہے۔ جو بند دروازہ کی دہلیز کی جگہ نصب ہے' اس لمبے پتھر اور رکن یمانی کے درمیان تقریباً ۲ فٹ کا فاصلہ ہے۔ رکن یمانی کی جگہ گول پتھر نصب ہے۔ رکن یمانی اور حجر اسود کے

Marfat.com

درمیان ۱۹ پتھر لگے ہیں۔ حجر اسود اور باب کعبہ کے درمیان ملتزم کے مقام پر پشتہ نہیں ہے' یہ جگہ خالی ہے۔ اس طرح اس جگہ سے رکن عراقی کے درمیان ۲۳ پتھر ہیں۔ رکن عراقی اور رکن شامی کے درمیان حطیم کے اندر پشتہ نہیں ہے۔ البتہ اس طرف ۴ ۲ انچ اونچی منڈیری بنی ہوئی ہے' اس میں جو پتھر استعمال ہوئے ہیں وہ حجر الصوان ہیں جو کعبہ شریف کی عمارت میں استعمال ہوئے ہیں' یہ پشتہ بعض فقہا کے نزدیک حطیم کی طرح کعبہ شریف کا حصہ ہے لہٰذا طواف کرتے وقت اس کے باہر طواف کیا جائے۔ (اخبار مکہ ص ۲۱۸)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے تہذیب الاسماء واللغات میں لکھا ہے کہ شاذروان ایک نفیس پشتہ بنا ہوا ہے جو کعبہ شریف کی دیوار کی ابتداء میں ہے' اس کی بلندی بعض جگہ سے دو بالشت تقریباً ۱۸ انچ اور بعض جگہ ڈیڑھ بالشت تقریباً ۲ ۱۳/۱ انچ ہے۔

امام تقی الدین فاسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ شاذروان کی ابتداء کب ہوئی ہے' اور نہ ہی یہ ایک دفعہ بنایا گیا ہے' بلکہ متعدد بار اس کے بنانے کا اتفاق ہوا ہے۔ مثلاً ۵۴۲ھ میں اس کی تعمیر کی گئی مگر یہ معلوم نہیں کہ کس نے کی ہے اور ابن خلیل نے اپنی کتاب مناسک حج میں لکھا ہے کہ ۶۳۶ھ میں یہ پشتہ بنایا گیا تھا' اسی طرح ۶۶۰ھ یا ۶۷۰ھ میں بھی اسے تعمیر کیا گیا۔

ابن فہد قرشی نے ۸۳۸ھ کے حوادثات میں ذکر کیا ہے کہ اس سال سودون المحمدی نے شاذروان کی تجدید کرائی۔ اس نے مصر سے سانجھ ذراع لمبا سنگ مرمر منگوا کر اس سے شاذروان کی تعمیر کرائی اور پھر ۸۴۶ھ میں بعض پتھر اکھاڑ کر ان کی جگہ نئے نصب کیے۔ جب کہ ابراہیم رفعت پاشا نے مراۃ الحرمین میں اس کی پیمائش اس طرح بیان کی ہے۔

شمالی جانب میں اس کی بلندی ۵۰ سینٹی میٹر اور چوڑائی ۳۹ سینٹی میٹر ہے۔ مغربی جانب بلندی ۲۷ سینٹی میٹر اور عرض ۸۰ سینٹی میٹر ہے۔ جنوبی سمت میں بلندی ۴۳ سینٹی میٹر اور عرض ۸۷ سینٹی میٹر ہے۔ جب کہ مشرقی دیوار کی طرف بلندی ۲۲

Marfat.com

سینٹی میٹر اور عرض ۶۶ سینٹی میٹر ہے۔

۱۰۴۰ھ میں سلطان مراد خان نے بھی کعبہ شریف کی تعمیر کے وقت اس کی تجدید کرائی تھی۔

سنجاری نے لکھا ہے کہ ۱۰۹۸ھ میں احمد پاشا نے شاذروان کی اصلاح کرائی اور سنگ سماق سے اسے تعمیر کیا اور پہلے سنگ مرمر کو دفن کرنے کا حکم دیا۔

(تاریخ الکعبہ عنوان شاذروان کعبہ)

امام ازرقی نے شاذروان کے پتھروں کی تعداد ۶۸ بیان کی ہے' جب کہ علامہ طاہر کردیؒ نے ۱۳۷۶ھ میں ۶۳ لکھے ہیں۔ لیکن راقم آثم نے ذی قعدہ ۱۳۹۸ھ میں ان کی تعداد ۵۳ شمار کی ہے۔ دروازہ والی دیوار میں ۱۰ عدد' مغربی دیوار میں ۲۳ عدد اور جنوبی سمت ۲۰ پتھر لگے ہوئے ہیں' جن میں سے جنوبی دیوار میں تین اور اسی طرح مشرقی دیوار میں بھی چھ پتھر نئے ہیں۔

ابراہیم رفعت پاشا نے شاذروان میں لگے ہوئے پیتل کے کنڈے جن سے غلاف کعبہ باندھا جاتا ہے' ان کی تعداد ۴۸ بیان کی ہے' جب کہ راقم الحروف نے ۱۳۹۸ھ میں ۴۲ کنڈے دیکھے ہیں۔ مشرقی دیوار میں ۹' مغربی میں ۱۲' حطیم کے اندر ۱۰' اور جنوبی سمیت میں ۱۱ عدد تھے۔ ان میں سے مشرقی دیوار میں ۲' مغربی میں ۲' جنوبی میں ۳۔ اور حطیم میں ۹ کنڈے نئے لگائے گئے ہیں۔

نادرۂ روزگار پتھر

یہ پتھر بے حد قیمتی' نادر الوجود اور انتہائی عظیم المرتب تحفہ ہیں۔ یہ آٹھ مستطیل پتھر حجم اور طول وعرض میں تقریباً برابر ہیں۔ ان میں سے بڑا پتھر ۳۳ سینٹی میٹر لمبا اور ۲۱ سینٹی میٹر چوڑا ہے۔ یہ تمام مربع شکل میں نصب ہیں جن کا طول وعرض ۲۷ سینٹی میٹر ہے۔ ان کے زرد رنگ کو سرخی نے اور بھی جاذب نظر بنا دیا ہے۔

ان کے نیچے ایک نیل گوں پتھر ۶۹ سینٹی میٹر لمبا اور ۳۲ سینٹی میٹر چوڑا

Marfat.com

نصب ہے جس پر مذکورہ آٹھ پتھر شاذروان میں نصب کرنے کی تاریخ ۶۳۱ھ کندہ ہے اس طرح ان پر ۷۳۶ سال گزر چکے ہیں۔ (تاریخ القویم جلد ۳ ص ۱۶۷)

لیکن اس وقت ۷۵۱ سال بیت چکے ہیں' علامہ طاہر کردی فرماتے ہیں اس قدر نفیس اور قیمتی پتھر ہم نے کہیں بھی نہیں دیکھے۔

راقم الحروف نے ۱۴۰۳ھ حج کے موقع پر دیکھا کہ شاذروان کے تقریباً تمام پتھر شکستہ حالت میں ہیں' وہ سب تجدید کے خواستگار ہیں۔ اگرچہ انتظامیہ مرمت تو کرتی رہتی ہے مگر بہتر یہ ہوگا کہ تمام پتھر نئے لگائے جائیں' اسی طرح کعبہ شریف کے پتھر بھی جہاں تک لوگوں کے ہاتھ پہنچتے ہیں گھسے ہوئے ہیں۔ بعض پتھر ایک سے ایک انچ تک گھس گئے ہیں۔

پشتہ کعبہ میں لگے ہوئے آٹھ بے انتہائی قیمتی پتھر

Marfat.com

کلید برداری

حضور نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے دن حرم شریف میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے درمیان رونق افروز تھے۔ آپ ﷺ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ عثمان بن طلحہ سے کہو کہ کعبہ شریف کی چابی لے کر آئے' جب سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اسے پیغام نبوی پہنچایا تو اس نے اثبات میں جواب دیا' لیکن چابی اس کی والدہ سلافہ بنت سعد کے پاس تھی۔ اس نے دینے سے انکار کر دیا۔ عثمان نے والدہ سے کہا کہ اگر آج چابی نبی علیہ السلام کے سپرد نہ کی گئی تو یقیناً مجھے قتل کر دیا جائے گا۔ یہ سن کر والدہ نے اسے چابی دے دی' تو وہ لے کر نبی رحمت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا' اور آپ دروازہ کھول کر اندر تشریف لے گئے۔ اسامہ بن زید' بلال بن رباح اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ ﷺ نے اندر نماز پڑھی۔ جب باہر تشریف لائے تو چابی آپ کے ہاتھ میں تھی۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ جس طرح ہمارا قبیلہ سقایہ کی خدمت انجام دے رہا ہے' اسی طرح حجابہ کی خدمت بھی انہیں عنایت کر دی جائے' لیکن نبی کریم ﷺ نے ان کی بات تسلیم نہ فرمائی' اور چابی پھر عثمان کو عنایت فرما دی اور فرمایا' اے عثمان کی اولاد' اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے یہ امانت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قبول کرو۔ اب سوا ظالم کے یہ امانت تم سے کوئی نہیں چھینے گا۔ (اخبار مکہ ص ۱۸۲)

ایک روایت میں ہے کہ ہجرت سے پہلے ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے کعبہ شریف میں داخل ہونے کے لئے عثمان سے چابی مانگی' مگر اس نے نہ صرف انکار کیا بلکہ بڑی سختی دکھائی تھی' نبی کریم ﷺ نے بڑی متانت سے فرمایا عثمان! ایک دن یہ چابی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جسے چاہوں گا عنایت کروں گا۔

Marfat.com

عثمان کہنے لگا' اگر ایسا ہوا تو پھر قریش ہلاک اور ذلیل و خوار ہو جائیں گے۔
حضور اقدس ﷺ نے فرمایا نہیں! بلکہ وہ اس دن آباد اور عزت والے ہو جائیں گے۔

چنانچہ فتح مکہ کے دن آپ ﷺ نے چابی عثمان کے سپرد کرتے ہوئے زمانہ جاہلیت کی بات یاد دلائی' تو عثمان نے کہا' بیشک آپ کا ارشاد پورا ہو گیا۔ (معارف القرآن جلد ۲ ص ۴۴۵، اخبار مکہ ص ۱۸۶)

علامہ ابن کثیرؒ نے ایک اور روایت نقل کی ہے' جب نبی کریم ﷺ نے کعبہ کے کنجی بردار عثمان کو فتح مکہ کے دن بلایا اور چابی طلب فرمائی' جب وہ دینے لگے تو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ چابی مجھے دے دیں۔ تاکہ میرا خاندان جو زمزم پلانے کی خدمت انجام دے رہا ہے' کلید برداری کی خدمت بھی انجام دے۔ یہ سن کر عثمان نے ہاتھ روک لیا۔ حضور اقدس ﷺ نے دوبارہ طلب فرمائی' تو پھر وہی واقعہ ہوا۔ جب سہ بار طلب فرمائی تو عثمان نے یہ کہتے ہوئے آپ کے حوالے کر دی "اللہ کی امانت آپ کے سپرد کر دی"۔

چنانچہ آپ دروازہ کھول کر اندر تشریف لے گئے' بتوں اور تصویروں کو توڑ کر باہر پھینک دیا۔ آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بت کے ہاتھ میں تیر دیکھ کر فرمایا' خدا مشرکین کو غارت کرے۔ بھلا خلیل اللہ علیہ السلام کو تیروں سے کیا تعلق ہے؟

حضور ﷺ نے کعبہ شریف کے دروازہ پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت بیان فرمائی اور ایک طویل خطبہ دیا۔ آپ نے فرمایا جاہلیت کے تمام جھگڑے خواہ مالی ہوں یا جانی میں نے پاؤں تلے کچل دیئے ہیں۔ البتہ کعبہ شریف کی چوکیداری اور حاجیوں کو پانی پلانے کا منصب حسب سابق قائم رہے گا۔ اس موقع پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی چابی کا مطالبہ کیا۔ مگر آپ نے انکار کر دیا۔ اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا﴾

"اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کے حوالہ کر دو"۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ۱ پ ۵ آیت ۵۸)

Marfat.com

علامہ حسین عبداللہ لکھتے ہیں' کعبہ شریف کی سدانت یعنی کلید برداری کا منصب سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے بعد اس کے بڑے لڑکے ثابت کو ملا ان سے جرہم کو اور پھر خزاعہ اس خدمت پر قابض ہو گئے' صدیوں بعد یہ منصب قصی بن کلاب بن مرہ کو ملا۔ پھر جب اس نے مکہ مکرمہ کی سلطنت کے عہدے اپنے بیٹوں میں تقسیم کیے۔ تو یہ خدمت عبدالدار کے حصے میں آئی۔ پھر اس کا بیٹا عثمان اس منصب پر تعینات ہوا۔ بعد میں عبدالعزیٰ بن عثمان بن عبدالدار۔ اس کے بعد ابو طلحہ عبداللہ بن عبدالعزیٰ بن عثمان بن عبدالدار' اور اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹے عثمان کو یہ منصب ملا۔

چنانچہ فتح مکہ کے دن شنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ امانت انہی کو عنایت فرما دی۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے تو یہ خدمت اپنے چچیرے بھائی شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ کے حوالہ کر دی۔ پھر شیبہ کے بعد اس کی اولاد اور اس کے چچا زاد بھائی وہب بن عثمان بھی اس خدمت پر مامور رہے۔ حتی کہ عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ اور مسافع بن طلحہ بن ابی طلحہ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ واپس آ گئے۔ اور وہ بھی اپنے چچیرے بھائیوں کے ساتھ شریک ہو گئے۔ چنانچہ اب تک یہ منصب انہی کی اولاد میں چلا آ رہا ہے۔ (تاریخ کعبہ عنوان سدانۃ الکعبہ)

ایک زمانہ کے بعد یہ خدمت عبداللہ بن شیبہ الاعجم کے سپرد ہوئی۔ ۱۰۸۰ھ میں عبدالواحد بن محمد جمال الدین بن القاسم بن ابوالسعود اس خدمت پر فائز ہوئے۔ ۱۲۱۰ھ عبدالقادر الشیبی موصوف کی کوئی نرینہ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے یہ خدمت دوبارہ محمد بن زین العابدین کے سپرد کر دی گئی۔ ان کا وصال ۱۲۵۳ھ میں ہوا۔ ان کے بڑے بیٹے الشیخ عبدالقادر بن محمد کو اس خدمت پر ۱۲۵۳ھ میں تعینات کر دیا گیا۔ سات سال تک یہ خدمت سرانجام دینے کے بعد ۱۲۶۰ھ واصل باللہ ہو گئے تو ان کے بھائی سیمان کو ۱۲۶۱ھ میں اس خدمت پر مامور کیا گیا۔ ان کے انتقال پر ۱۲۶۲ھ ان کے بھائی جعفر کو ان کے بعد انہی کے بھائی الشیخ احمد کو تعینات کیا گیا۔ ۱۲۷۳ھ کو ان کے انتقال پر ان کے بھائی عبداللہ فائز ہوئے' جن کا انتقال ۱۲۹۶ھ کو ہوا۔

Marfat.com

ان کے بعد الشیخ عمر بن جعفر ۱۳۰۴ھ تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ ان کے انتقال پر الشیخ عبدالرحمٰن بن عبداللہ ۱۳۱۱ھ تک اس خدمت پر فائز رہے۔ بعد ازیں ان سے چابی واپس لے کر الشیخ عبدالرحمن کے سپرد کر دی گئی۔ پھر الشیخ محمد صالح بن احمد بن محمد الشیبی کے سپرد ہوئی۔ ان کی معزولی کے بعد الشیخ عبدالرحمن الشیبی ۲۴ سال تک اس خدمت پر متمکن رہے۔ ۱۳۳۵ھ میں ان کے وصال پر الشیخ عبدالقادر بن علی بن محمد الشیبی مقرر ہوئے' ان کا وصال ۱۳۵۱ھ میں ہوا۔

بعد میں انہی لوگوں کی نسل میں سے ان کے پوتوں اور ان کی اولاد کے سپرد یہ خدمت ہوتی چلی گئی' چنانچہ الشیخ محمد بن محمد صالح بن احمد بن محمد بن زین العابدین جن کی ولادت ۱۲۹۳ھ میں ہوئی تھی۔ گیارہ رمضان المبارک ۱۳۵۱ھ کو اس خدمت پر فائز ہوئے۔ ۱۳۸۲ھ میں موصوف کے انتقال پر الشیخ امین بن عبداللہ الشیبی کے سپرد یہ خدمت کی گئی۔ (تاریخ القویم جلد ۵ ص ۶۳ تا ۶۷)

غسل کعبہ

حضور نبی کریم ﷺ نے جب مکہ معظمہ فتح کر لیا تو بیت اللہ شریف کے اندر اور باہر جس قدر بت تھے سب کو توڑنے کا حکم دیا' جب بت توڑ کر باہر پھینک دیئے گئے تو آپ ﷺ نے بیت اللہ شریف کو اندر سے دھونے کا ارشاد فرمایا' اس طرح بعد میں بھی بیت اللہ شریف کو غسل دینے کا طریقہ رائج ہو گیا۔

علامہ حسین عبداللہ لکھتے ہیں' سال میں دو مرتبہ غسل کعبہ دیا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ ذیقعدہ کے آخر یا ذی الحجہ کی ابتداء میں اور دوسری مرتبہ ۱۲ ربیع الاول کو جس دن غسل دینا ہوتا ہے۔ کعبہ شریف کے کلید برداروں کا رئیس اپنے اقرباء کے ساتھ سورج طلوع ہونے کے تھوڑی سی دیر بعد حطیم میں جا کر نفل ادا کرتا ہے اور پھر آل شیبہ کا آدمی کعبہ شریف کا دروازہ کھولتا ہے۔ عرق گلاب' مختلف اقسام کے عطر عود اور انتہائی قیمتی مرکب خوشبوئیں لائی جاتی ہیں۔ ایک کپڑا جسے شال کشمیری

ہیں' کعبہ شریف کے اندر لٹکانے کے لئے لایا جاتا ہے' اس مقدس تقریب میں سربراہ مملکت' وزراء' سفراء' امراء' علماء' اتقیاء اور بہت سے ملکی اور غیر ملکی مخصوص مہمان بھی شرکت کرتے ہیں۔

آب زمزم میں عرق گلاب ملا کر فرش اور دیواروں کا نچلا حصہ دھونے کے بعد جہاں تک ہاتھ پہنچتا ہے' دیواروں پر عرق گلاب لگا کر عطر گلاب لگایا جاتا ہے' اسی طرح دوسری خوشبوئیں بھی لگائی جاتی ہیں' اور پھر اسفنج سے فرش خشک کرنے کے بعد انتہائی عمدہ اور نفیس انگیٹھیوں میں عنبر' عود اور ند وغیرہ سلگا کر ہر طرف دھونی دی جاتی ہے۔ (تاریخ مکہ ص ۳۲۸)

گذشتہ کئی سالوں سے سات ذی الحجہ کو غسل دیا جاتا تھا۔ اس مبارک تقریب میں سعودی حکومت کی مقتدر شخصیات کے علاوہ مسلم ممالک کے سفراء' وزراء اور دیگر معززین بھی شامل ہوتے ہیں۔ لیکن شاہ فہد بن عبدالعزیز آل سعود کے برسر اقتدار آنے کے بعد ۱۴۰۳ھ اور ۱۴۰۴ھ میں یکم ذی الحجہ کو کعبہ شریف کو غسل دیا گیا' ممکن ہے شاہ موصوف کی ہدایات کے مطابق ایسا کیا گیا ہو' ہو سکتا ہے کہ اس کے علاوہ بھی کسی تاریخ کو غسل دینے کا طریقہ رائج ہو۔

Marfat.com

بیت اللہ پر عطر فشانی

قدیم زمانہ سے عرب لوگ خوشبو بہت زیادہ پسند کرتے ہیں' یہی وجہ ہے کہ خوشبو حضور نبی کریم ﷺ کو بہت محبوب و مرغوب تھی۔ مختلف اقسام کے عمدہ اور نفیس و لطیف عطریات کے علاوہ عود' صندل اور لوبان وغیرہ کی دھونی دینے کا بھی عام رواج تھا۔ جس طرح وہ اپنے اجتماعات' جمعہ' عید اور دیگر تقریبات میں خوشبو کے استعمال سے مسرور اور لطف اندوز ہوتے تھے۔ اسی طرح کعبہ مشرفہ زادہ اللہ تعظیماً و تشریفاً کو بھی خوشبو سے معطر کرتے تھے۔ اس میں اس قدر مبالغہ کیا جاتا کہ کعبہ معظمہ کے اندر' باہر' چھت پر' حتیٰ کہ رونے کے سینگ جو کعبہ شریف میں آویزاں تھے انہیں بھی عطر لگاتے اور دھونی بھی دیتے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ دور دراز سے عطریات اور بخور کے تحفے کعبہ مکرمہ کے لئے بھیجتے تھے۔ اگرچہ دھونی دینے سے کئی مرتبہ کعبہ شریف کو ناقابل تلافی نقصان بھی پہنچا۔ مگر وہ لوگ غایت عقیدت و محبت کے باعث ایسا کرنے پر مجبور اور بے بس تھے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے' کعبہ شریف کو خوشبو لگایا کرو' کیونکہ یہ اس کی نظافت و پاکیزگی کا موجب ہے۔ (اخبار مکہ ص ۱۷۹)

ام المومنین فرماتی ہیں' کعبہ مشرفہ کے لئے سونا اور چاندی ہدیہ دینے کی نسبت اسے خوشبو لگانا مجھے زیادہ محبوب و مرغوب ہے۔ (اخبار مکہ ص ۷۸)

امام ازرقی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن جریج سے روایت کرتے ہیں' اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلے امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کعبہ شریف کو خوشبو لگائی اور بخور کی دھونی دی' اور بیت المال سے مسجد حرام کی قندیلوں کے لئے تیل دینے کا حکم دیا۔ (اخبار مکہ ص ۱۷۷)

امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام سے شیبہ بن عثمان کی خدمت میں

Marfat.com

کعبہ شریف کے لئے دو غلاف دیباج اور قباطی کے بھیجے اور ساتھ ہی یہ لکھا کہ پہلے غلاف اتار کر نئے غلاف چڑھائیں اور کعبہ شریف کو خوشبو بھی لگائیں' چنانچہ شیبہ نے حسب ہدایت پہلے غلاف اتار کر کعبہ شریف کے چاروں طرف ہر جگہ بہت زیادہ خوشبو لگائی اور نئے غلاف چڑھائے۔ (اخبار مکہ ص ۱۸۰)

ابن ابی نجیح کی روایت میں ہے' سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بھیجا ہوا دیباج کا غلاف دس محرم کو چڑھایا گیا اور قباطی کا رمضان کے آخری ایام میں عید الفطر کے لئے کعبہ کے زیب تن کیا گیا۔

علاوہ ازیں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حج کے ایام میں اور ماہ رجب میں بڑی مقدار میں عطریات خوشبو اور بخور بھیجتے' اور انہیں لگانے کے لئے غلام بھی مقرر کرتے جو خلیفہ موصوف کے فرمان کے مطابق ہر نماز کے وقت کعبہ شریف کو معطر کرتے۔ چنانچہ آپ کے بعد دوسرے خلفاء نے بھی اس طریقہ کو جاری رکھا۔ (اخبار مکہ ص ۱۷۶)

امام ازرقی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں' سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جب بیت اللہ شریف کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو اسے اندر باہر نیچے اور اوپر ہر طرف خوشبو سے معطر کر دیا۔ (اخبار مکہ ص ۱۳۵)

جاہلیت اور اسلام کی ابتداء زمانہ تک کعبہ شریف کی دیواروں کے باہر خوشبو لگائی جاتی تھی۔ مگر سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے کعبہ شریف کے اندر بھی خوشبو استعمال کی۔ (ایضاً ص ۱۷۶)

ہشام بن عروہ سے روایت ہے' عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ آدھ سیر بخور کی دھونی بیت اللہ شریف کو دیتے تھے جب کہ ہر جمعہ کو ایک سیر بخور سلگاتے تھے۔

امام ازرقی رحمۃ اللہ علیہ اپنے جد امجد سے روایت کرتے ہیں' ۱۶۰ھ میں جب خلیفہ مہدی عباسی فریضہ حج ادا کرنے آیا تو لوگوں نے اس کی توجہ کعبہ شریف پر کثیر تعداد اور وزنی غلافوں کی طرف مبذول کرائی' اور اسے بتایا گیا کہ دیواریں اس قدر وزن کی متحمل نہیں ہیں' اس بات کا خدشہ ہے کہ کہیں گر نہ جائیں۔

Marfat.com

چنانچہ خلیفہ موصوف نے تمام غلاف اتار دینے کا حکم دیا' جب غلاف اتار دیئے گئے تو بیش بہا قیمتی خوشبو مثلاً غالیہ (جو عنبر' کستوری اور کافور کی مرکب ہوتی ہے) کستوری اور عنبر وغیرہ سے بیت اللہ شریف کو اندر' باہر' نیچے اور اوپر پلستر کرایا۔ (اخبار مکہ ص ۱۸۲)

عبداللہ بن مروان بھی اپنے عہد میں کعبہ شریف کے لئے خوشبوئیں اور بخور ہر سال بھیجتا رہا۔ (اخبار مکہ ص ۱۷۷)

علامہ طاہر کردی امام سنجاری کے حوالہ سے لکھتے ہیں' ۸۸۳ھ میں سلطان قائتبائی نے کعبہ شریف کو غسل دینے اور خوشبو لگانے کا حکم دیا' چنانچہ حسب الحکم محمد بن برکات شریف مکہ اور امام برہان الدین بن ظہیرہ قاضی مکہ نے غلاف کعبہ اتروا کر اندر اور باہر سے غسل دیا' اور پھر عطر گلاب اور کستوری لگا کر اسے معطر کر دیا۔ (تاریخ القویم جلد ۳ ص ۱۹)

علامہ حسین عبداللہ بنجہ لکھتے ہیں' کعبہ شریف کے لئے خوشبو اور بخور کے تحفے تمام سلاطین و امراء باقاعدگی سے بھیجتے رہے' خلافت ترکیہ میں قسطنطنیہ سے ہر سال حرمین شریفین کے لئے مختلف اقسام کی خوشبو آتی رہی۔ یہ سلسلہ حسین بن علی شریف مکہ تک جاری رہا۔ پھر جب حرمین شریفین پر آل سعود کی حکومت قائم ہوئی تو انہوں نے سدانہ کے رئیس کو وزارت مالیات سے غسل کعبہ اور عطریات کے لئے باقاعدہ فنڈ مہیا کرنے کا انتظام کیا' جو ۱۳۶۴ھ تک جاری رہا۔ (تاریخ الکعبہ ص ۳۲۶)

علامہ طاہر کردی بنجہ فرماتے ہیں' ہم نے سدانہ کعبہ کے رئیس سے علامہ حسین عبداللہ کے قول کی تصدیق چاہی' تو انہوں نے بتایا یہ درست ہے کہ سعودی حکومت عطریات اور بخور کے لئے ہمیں دو ہزار ریال سالانہ دیتی ہے جس سے ہم کعبہ شریف کے چاروں طرف دیواروں کو بیش بہا قیمتی خوشبو اور عطریات لگاتے ہیں' اور اس اثناء میں بخور انگیٹھی میں ڈال کر کعبہ شریف کے درمیان ایک مقام پر رکھ دیتے ہیں۔ (تاریخ الکعبہ جلد ۳ ص ۲۹۱)

مؤرخ موصوف کا یہ ارشاد ۱۳۸۵ھ کا ہے' لیکن بحمہ تعالیٰ اب ۱۴۰۳ھ میں یہ سلسلہ اور بھی ترقی پذیر ہے۔

Marfat.com

دُعا کی قبولیت کے مقامات

علماء نے لکھا ہے کہ پندرہ مقامات ایسے ہیں جہاں دُعا قبول ہوتی ہے (۱) کعبہ شریف کے اندر (۲) ملتزم (۳) موقف عرفات (۴) موقف مزدلفہ (۵) حجر اسود کے پاس (۶) طواف کرتے وقت (۷) سعی کے دوران (۸) صفا (۹) مروہ (۱۰) زمزم کے پاس (۱۱) مقام ابراہیم کے پیچھے (۱۲) میزاب یعنی کعبہ شریف کے پرنالے کے نیچے اور (۱۳، ۱۴، ۱۵) تینوں جمرات کے پاس۔

بیت اللہ کے اندر عصر کے وقت دونوں ستونوں کے آگے دُعا قبول ہوتی ہے' ملتزم پر آدھی رات کے وقت' موقف عرفات میں غروب آفتاب کے وقت' موقف مزدلفہ میں طلوع آفتاب کے وقت' طواف میں ہر وقت' سعی میں اور صفا' مروہ پر عصر کے وقت' زمزم کے پاس آفتاب ڈوبنے کے وقت' مقام ابراہیم کے پاس اور میزاب کے نیچے سحری کے وقت' اور جمرات کے پاس طلوع آفتاب کے وقت دُعا قبول ہوتی ہے۔ (غایۃ الاوطار جلد ۱ ص ۵۷۳)

مصلیٰ جبرئیل

باب کعبہ اور رکن عراقی کے درمیان ایک گڑھا تھا جسے ''معجن'' یا مصلیٰ جبرئیل کہا جاتا تھا۔ جو اس وقت موجود نہیں ہے۔ علامہ حسین عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے متعلق مختلف روایات نقل کرنے کے بعد حسب ذیل تجزیہ کیا ہے۔

علامہ ازرقی رحمۃ اللہ علیہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی سند سے لکھتے ہیں' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل نے باب کعبہ کے پاس دو مرتبہ میری امامت کرائی۔

ابن سائب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے' نبی علیہ السلام نے فتح مکہ کے دن کعبہ شریف کے سامنے جو سفید جگہ پائی جاتی ہے' وہاں نماز پڑھی تھی۔

علامہ ازرقی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے مجھے وہ

Marfat.com

جگہ بتائی جہاں نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔ اور وہ جگہ شاذروان کے ساتویں یا نویں پتھر کے پاس ہے۔

امام موصوف فرماتے ہیں کہ ابن جریج نے بھی ہمیں بتایا تھا کہ حضور انور ﷺ نے اس جگہ نماز پڑھی تھی اور اسی جگہ مقام ابراہیم بھی تھا لیکن سیل ام نہشل کے بعد امیر المومنین سیدنا عمر فاروق نے اسے موجودہ جگہ نصب کیا۔

امام تقی الدین فاسی نے بھی شیخ الاسلام عز الدین بن عبد السلام اور شیخ احمد بن موسیٰ بن العجیل شیخ یمن کا قول نقل کیا ہے کہ مصلی جبرئیل کی جگہ یہی سنگ مرمر سے بنا ہوا گڑھا ہے۔

نیز امام تقی الدین فاسی نے سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ ان کے زمانہ میں مقام ابراہیم مذکورہ گڑھے کے کنارے کعبہ شریف کے متصل تھا اس روایت سے ظاہر ہے کہ نبی علیہ السلام نے کعبہ شریف سے نکل کر مقام ابراہیم کے پاس اسی گڑھے میں نماز پڑھی تھی۔

امام فاسی کہتے ہیں ۸۰۱ھ میں اس کے فرش کی تجدید کی گئی تھی' جو ان کے زمانہ تک موجود تھا' امام موصوف نے اس کا طول وعرض حسب ذیل تحریر کیا ہے۔

شمالاً جنوباً طول ۳ ذراع (۱ میٹر ۸۳ سینٹی میٹر) عرض شرقاً غرباً سوا دو ذراع (ایک میٹر ۳ سینٹی میٹر) اور گہرائی نصف ذراع (۲۳ سینٹی میٹر) تھی۔

علامہ حسین عبداللہ آخر میں اپنا موقف اس طرح پیش کرتے ہیں۔ میں نے مناسک حج' فقہ' لغت اور تاریخ کی بہت سی کتابیں چھان ماری ہیں' مگر نتیجہ یہی نکلا ہے کہ مصلی جبرئیل' مصلی نبوی ﷺ اور مقام ابراہیم کی جگہ وہی گڑھا تھا۔ اور جب نماز کی فرضیت کا حکم نازل ہوا تو اسی جگہ جبرئیل علیہ السلام نے حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی تھی۔ (تاریخ کعبہ ص ۱۷۷ تا ۱۸۰)

قارئین نے مشاہیر علماء کرام کی تحقیقات تو ملاحظہ فرمائی ہیں تقریباً سب حضرات نے اس معجن کی حقیقت اور اصلیت کو واضح کرنے کی بھرپور کوشش فرمائی ہے

Marfat.com

مگر وہ کسی حتمی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے۔

اب قارئین کی خدمت میں علامہ کردی دامت برکاتہم کی تحقیق پیش کی جاتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں' اس گڑھے کے متعلق کئی اقوال پائے جاتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ اس جگہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کعبہ شریف کی تعمیر کے وقت گارا بناتے تھے جس کی وجہ سے گڑھا بن گیا اور اسی نسبت سے اسے ''معجن'' کہا گیا۔

لیکن یہ قول دو وجہ سے ناقابل تسلیم ہے

① سیدنا ابراہیم اور سیدنا اسماعیل علیہما السلام نے گارا یا چونا وغیرہ کے بغیر ہی کعبہ شریف تعمیر کیا تھا۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' قسم بخدا! انہوں نے کعبہ شریف مٹی گارے کے بغیر ہی تعمیر کیا۔ ان کے ساتھ نہ تو کوئی کام میں شریک تھا اور نہ ہی مال کی فراوانی تھی کہ اس کی چھت بناتے۔ بلکہ اللہ کے گھر کی ایک علامت قائم کر کے اس کا طواف کیا۔

② اگر اس قول کو صحیح تسلیم کر لیا جائے' تو پھر سیدنا اسماعیل علیہ السلام کعبہ شریف کے چاروں طرف گڑھے کھود کر گارا بناتے تاکہ اٹھانے اور پہنچانے میں آسانی ہوتی' یہ ممکن نہیں کہ اتنے سے گڑھے کی مٹی پوری عمارت کے لئے کافی ہوتی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کعبہ شریف کو غسل دینے کا پانی اس میں جمع ہوتا تھا اور یہ احتمال ابن جبیر نے اپنے سفرنامہ میں ذکر کیا ہے' مگر انہوں نے اس کا کوئی ٹھوس ثبوت پیش نہیں کیا۔ اگرچہ انہوں نے بعض لوگوں سے اس کی حقیقت معلوم کرنا چاہی' لیکن کوئی آدمی بھی ان کی رہنمائی نہ کر سکا۔ صرف غسل کعبہ کا پانی اس میں بھرا ہوا دیکھ کر انہوں نے یہ گمان کر لیا۔ اگر گڑھا کعبہ شریف کے دروازہ کے متصل ہوتا تب تو ان کا یہ گمان صحیح سمجھا جاتا' لیکن وہ دروازہ سے تقریباً سات میٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔

مذکورہ روایات میں آپ ﷺ کا کعبہ شریف کے سامنے نماز پڑھنے کا جو ذکر ہے وہ بلاشبہ اسی گڑھے کی جگہ کے متعلق ہے۔ کیونکہ اس جگہ مقام ابراہیم تھا' اور

Marfat.com

اسی مقام پر آپ نے جبرئیل علیہ السلام کی معیت میں پانچ نمازیں پڑھیں۔ گویا کہ یہی مصلی جبرئیل' مصلی نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور مقام ابراہیم کی جگہ تھی۔

اگر کوئی آدمی اعتراض کرے کہ اس گڑھے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس وجہ سے نماز پڑھی اور وہاں مقام ابراہیم کو کیوں نصب کیا گیا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کعبہ شریف کی ہر سمت نماز ادا فرمائی' تاکہ مسلمانوں کے لئے آپ کا عمل حجت بن جائے' اور اس جگہ مقام ابراہیم کا نصب کرنا عقلاً ونقلاً معیوب نہیں بلکہ مستحسن معلوم ہوتا ہے' اگر اسے باب کعبہ کے پاس یا ملتزم کے قریب رکھا جاتا تو زائرین کے لئے شدت تکلیف کا باعث ہوتا۔ لہٰذا کعبہ شریف کے سامنے ہی اسے نصب کرنا زیادہ موزوں تھا۔

معجن کا بند کرنا

حج کے ایام میں حجاج کی کثرت کے باعث کئی آدمی اس میں گر جاتے تھے' جس کے باعث یہ گڑھا زائرین کے لئے تکلیف دہ ثابت ہونے لگا۔ چنانچہ سعودی حکومت نے اسے بند کرنے کا فیصلہ کیا۔ ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۸ء میں جب کعبہ شریف کی جہت تبدیل کی گئی تو اس موقع پر اسے بھی بھر دیا گیا۔

ایک قول یہ بھی ہے۔ مقام ابراہیم ابتداء میں اس جگہ یعنی گڑھے کے کنارے نصب تھا' لیکن سیلاب ام نہشل کے بعد امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے موجودہ جگہ نصب کر دیا۔ یہ روایت بلاشبہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسی گڑھے والی جگہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت کرائی تھی۔ اور اکثر علماء نے اس قول کو اختیار کیا ہے جن میں امام ازرقی بھی شامل ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جبرئیل امین نے باب کعبہ کے قریب دو مرتبہ مجھے نماز پڑھائی۔

Marfat.com

یہ روایت اس بات کی تائید کرتی ہے کہ مقام ابراہیم مذکورہ گڑھے کی طرف تھا۔ اس وجہ سے وہاں جبرئیل علیہ السلام نے نماز پڑھائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی جگہ نبی علیہ السلام کے نماز پڑھنے کی اور مقام ابراہیم کی بھی تھی۔ لیکن سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بعد میں مقام ابراہیم کو دوسری جگہ نصب کر دیا۔

اس گڑھے کا تذکرہ نہ تو عہد ابراہیمی میں پایا جاتا ہے اور نہ ہی اس کے بعد زمانہ جاہلیت میں۔ اور حقیقت میں یہاں گڑھا وغیرہ کچھ بھی نہیں تھا۔ ابتداء اسلام میں محض مٹی کا کچا فرش تھا اور اس جگہ علامت کے طور پر سفید ریت ڈالی گئی تھی۔ بعد ازاں جب مطاف میں پتھروں اور سنگ مرمر کا فرش بنایا گیا تو اس جگہ تیس سینٹی میٹر گہرا گڑھا نما حوض بھی بنا دیا گیا۔

علاوہ ازیں قدیم زمانہ میں مقام ابراہیم کا اس گڑھے والی جگہ اور کعبہ شریف کے اندر ہونے کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ جب اسلام کا آفتاب طلوع ہوا اور نماز فرض ہوئی تو اسی مقام پر جبرئیل علیہ السلام نے نماز میں نبی علیہ السلام کی امامت کرائی۔

مسند امام احمد میں ہے' نبی علیہ السلام کعبہ شریف میں داخل ہوئے لیکن اندر نماز نہیں پڑھی' پھر جب باہر تشریف لائے تو باب کعبہ کے قریب نماز ادا فرمائی۔

اسی طرح قاضی عزالدین بن جماعۃ نے اسامہ بن زید سے روایت نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کعبہ شریف میں داخل ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندر جا کر بیٹھ گئے اور اللہ رب العزت کی حمد وثنا اور تکبیر وتہلیل کے بعد باہر تشریف لے آئے اور نماز نہیں پڑھی۔

پھر دوسرے دن بھی مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت اللہ شریف میں داخل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے گئے تو پہلے کھڑے ہو کر دُعا کی' بعد میں دو رکعت نماز پڑھی' فارغ ہو کر جب باہر تشریف لائے تو کعبہ شریف کے سامنے دو رکعت ادا کیں۔ اور پلٹ کر فرمایا یہ قبلہ ہے۔ دوسری مرتبہ کعبہ شریف میں داخل ہونے کا واقعہ فتح مکہ کے دن کا ہے۔

Marfat.com

اسی طرح امام بخاری اور امام مسلم نے بھی اسامہ بن زید سے روایت کی ہے۔
جب رسول اللہ ﷺ بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے تو اس کے چاروں گوشوں میں دُعا کی، لیکن نماز نہیں پڑھی۔ پھر جب باہر تشریف لائے تو کعبہ کے سامنے دو رکعت ادا کیں اور فرمایا کہ یہ قبلہ ہے۔
بالآخر بروز جمعرات ۲ر رمضان المبارک ۱۳۷۷ھ مطابق ۲۰ر فروری ۱۹۵۸ء کو پرانا مستعمل چونا جو کعبہ شریف کی چھت گرانے سے حاصل ہوا تھا اس میں ڈال کر بھر دیا گیا۔ پھر اس پر آب زمزم میں دھلی ہوئی ریت کی تہہ لگائی گئی۔ بعد میں اس پر چونا ملی ہوئی مٹی کا گارا لگا کر سفید سنگ مرمر کا فرش لگا دیا گیا۔ اور سیاہ سنگ مرمر کا حاشیہ بھی لگایا گیا' تا کہ گڑھے کا امتیازی نشان قائم رہے۔
یہ کام جمعرات کو چاشت کے وقت شروع ہوا اور ظہر سے پہلے مکمل ہو گیا۔

معجن کی پیمائش

یہ مستطیل شکل کا حوض نما گڑھا تھا' جس کا طول ۲ میٹر' عرض ۱ میٹر ۱۰ سینٹی میٹر اور گہرائی ۲۸ سینٹی میٹر تھی۔ حجر اسود سے اس کا اگلا کونہ ۲۰ میٹر اور ۸۰ سینٹی میٹر تھا۔ جب کہ رکن عراقی سے ۵ میٹر اور ۹۰ سینٹی میٹر کا فاصلہ تھا۔ اور مقام ابراہیم کی پہلی کھڑکی سے اس کا اگلا حصہ ۱۰ میٹر دور تھا اس میں چار آدمی سہولت سے نماز پڑھ سکتے تھے۔ اس کے قریب شاذروان میں ایک پتھر پر درج ذیل عبارت کندہ ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم امر بعمارۃ المطاف الشریف ، سیدنا و مولانا الامام الاعظم ، المعرض للطاعۃ علی سائر الامم ، ابوجعفر المنصور المستنصر باللہ امیر المومنین ، بلغہ اللہ امالہ و ربی بالصالحات اعمالہ ، و ذلک فی شہود سنۃ احدی و ثلاثین و ست مائۃ ، و صلی اللہ علی سیدنا محمد

س پتھر کا طول ۷۰ سینٹی میٹر اور عرض ۳۳ سینٹی میٹر ہے۔ یہ پتھر اب بھی

Marfat.com

موجود ہے۔ (تاریخ القویم جلد سوم ص ۱۲۱ تا ۱۷۲)

امام ابن ظہیرہ نے حضور نبی کریم ﷺ کے نماز پڑھنے کے چند مقامات اور بھی بیان کئے ہیں۔

مقام ابراہیم کے قریب' حجر اسود کے قریب' رکن شامی اور رکن عراقی کے قریب۔ (جامع اللطیف ص ۸۷)

کثیر بن کثیر سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ باب بنی سہم کے پاس نماز پڑھ رہے تھے اور لوگ سامنے سے گزر رہے تھے' جب کہ آپ کے آگے سترہ بھی نہیں تھا۔ (ابو داؤد شریف باب صلوۃ فی الکعبہ)

کعبہ شریف میں مصلّٰی نبوی ﷺ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن نبی کریم ﷺ اونٹنی پر سوار حرم شریف میں تشریف لائے۔ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے۔ آپ نے عثمان بن طلحہ کو بلایا اور چابی طلب فرمائی۔ عثمان اپنی والدہ کے پاس گیا اور حضور ﷺ کا پیغام پہنچایا۔ مگر وہ چابی دینے پر رضامند نہ ہوئی۔ عثمان نے کہا اگر چابی ان کے حوالے نہ کی گئی تو پھر میری زندگی کی امید نہ رکھنا' اس پر والدہ نے چابی دے دی۔

عثمان چابی لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے در کعبہ کھولا اور اسامہ بن زید' بلال اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم کی معیت میں کعبہ شریف کے اندر داخل ہوئے۔ کچھ دیر کے لئے دروازہ بند کر دیا گیا۔ جب دوبارہ دروازہ کھولا گیا تو میں لوگوں کی بھیڑ کو چیرتا ہوا کعبہ شریف کے اندر داخل ہو گیا۔

بلال رضی اللہ عنہ دروازہ کے قریب کھڑے تھے' میں نے ان سے دریافت کیا کہ نبی ﷺ نے کس جگہ نماز ادا فرمائی ہے' تو انہوں نے بتایا کہ پہلے دو شامی ستونوں کے درمیان' اُس وقت کعبہ شریف کے اندر چھ ستون تھے۔

Marfat.com

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں یہ پوچھنا بھول گیا کہ نبی علیہ السلام نے کتنی رکعات پڑھی تھیں۔

(بخاری شریف جلد ا باب اغلاق البیت ص ۲۱۷، ابوداؤد شریف باب دخول کعبہ)

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ کعبہ شریف میں داخل ہوئے اور سامنے والی دیوار سے تقریباً تین ذراع کے فاصلہ پر نماز پڑھی' اس جگہ کے متعلق حضرت بلال نے بتایا تھا کہ نبی علیہ السلام نے نماز پڑھی تھی۔ (بخاری شریف جلد باب الصلوۃ فی الکعبہ ص ۲۱۷)

[illegible] ت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے اس موقع پر دو رکعات پڑھی تھیں۔ (ابوداؤد باب دخول الکعبہ)

شیبہ بن جبیر سے روایت ہے کہ امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جب اپنے عہد خلافت میں حج بیت اللہ کو گئے تو انہوں نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ نبی علیہ السلام نے کعبہ شریف کے اندر کس جگہ نماز پڑھی تھی' تو انہوں نے بتایا کہ پہلے دو ستونوں کے درمیان اور سامنے والی دیوار سے دو یا تین ذراع کے فاصلہ پر' چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس جگہ نماز ادا کی۔ (اخبار مکہ ص ۱۸۹)

حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا دامت برکاتہم فرماتے ہیں' اگر کعبہ شریف میں داخل ہونا نصیب ہو تو پوری طرح خشوع' خضوع اور تعظیم و تکریم کو ملحوظ رکھا جائے۔ شرم سے سر جھکا ہوا ہو' تکریم وانابت نہ ہو' غایت ادب کے باعث کعبہ شریف کی چھت کی طرف بھی نہ دیکھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلّٰی پر نماز پڑھنے کا ارادہ کرے۔ جب نماز پڑھ لے تو اپنے رخسار کعبہ شریف کی دیوار پر رکھ کر اللہ پاک کی حمد وثنا بیان کرے' اور توبہ و استغفار کرے۔ پھر چاروں کونوں میں حمد وثنا' تسبیح تہلیل تکبیر اور استغفار کا ورد کرے۔ اور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے لئے درود شریف پڑھے' خوب گریہ وزاری سے دعا کرے' لیکن کسی بدعت کا ارتکاب ہرگز نہ کرے اور نہ ہی کعبہ شریف کی کسی چیز کو خراب کرے۔ (بذل المجہود جلد ۳ ص ۲۰۰)

Marfat.com

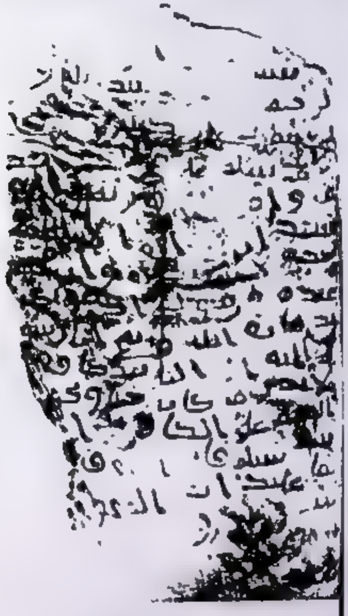

[illegible]

Marfat.com

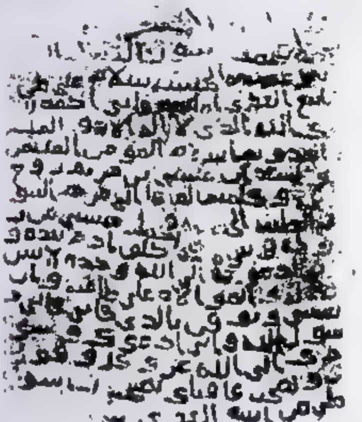

صورة خطية (بالفوتوغراف) من اصل كتابه (ص) الى النجاشي اكتشف حديثا وقد بحث حوله البروفسور الهندي في المجموعة تفصيلها (مكتبه مروش من تبريز) بامر العلامة الواعظ الجرندابي نزيل تبريز

Marfat.com

باب سوم

تاریخ مسجد الحرام

تعمیر حرم

Marfat.com

- مسجد الحرام کی تعمیر و توسیع
- حرم شریف کے دروازے
- مطاف کا فرش

Marfat.com

مسجد الحرام

یا

حرم شریف

مسجد الحرام دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک بیت اللہ شریف جو سیاہ غلاف اوڑھے دُلہن کی طرح رونق افروز ہے۔ اس کے چاروں طرف طویل و عریض پر شکوہ صحن' عدیم النظیر اور بلند و بالا عمارت' مسجد الحرام یا حرم شریف کہلاتی ہے۔ جس کا ذکر اللہ جل جلالہٗ نے قرآن مجید میں اس طرح کیا ہے۔

﴿ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ ﴾ (بنی اسرائیل رکوع ۱)

''پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات' مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی جسے ہماری برکت نے گھیر رکھا ہے''۔

امام ابن ظہیرہ فرماتے ہیں' قرآن مجید میں مسجد الحرام کا لفظ چار مختلف مقامات کے لئے استعمال ہوا ہے۔

① صرف کعبہ کے لئے

﴿ فَوَلِّ وَجْھَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾ [سیقول رکوع ۱ آیت ۱۴۴]

''اپنا چہرہ (نماز میں) کعبہ شریف کی طرف پھیر لیں''۔

② کعبہ شریف کے چاروں طرف کی عمارت جو نماز کے لئے مخصوص ہے۔

﴿ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی ﴾ [بنی اسرائیل رکوع ۱]

Marfat.com

''پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی''۔

بخاری شریف میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو جب معراج کے لئے لے جایا گیا تو آپ ﷺ اس وقت حطیم میں تھے۔ (بخاری شریف جلد ۱ ص ۵۴۸)

③ مکہ مکرمہ کی پوری بستی کو بھی مسجد حرام کہا گیا ہے

﴿ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ ﴾ [فتح رکوع ۴ آیت ۲۷]

''آپ مکہ مکرمہ میں ضرور داخل ہوں گے''۔

④ شہر مکہ کے باہر تمام حدود حرم کو بھی مسجد الحرام کہا گیا ہے

﴿ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾ (التوبہ ۲۲ آیت ۱۸)

''مگر جن لوگوں نے مشرکین سے مسجد حرام کے پاس عہد کیا''۔

اس آیت میں صلح حدیبیہ کا ذکر ہے اور مقام حدیبیہ کو مسجد الحرام میں شمار کیا گیا ہے گویا کہ حدود حرم کو مسجد حرام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (جامع اللطیف ص ۱۱۰، ۱۱۱)

حرم کی توسیع

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے جب بیت اللہ شریف تعمیر فرمایا تو اس وقت وہاں کی آبادی قبیلہ بنو جرہم کے چند افراد پر مشتمل تھی۔ مگر دعائے ابراہیمی کی تاثیر اور بیت اللہ شریف کی مقناطیسی کشش سے لوگ پروانہ وار ہر سمت اور ہر جہت سے آنے شروع ہو گئے۔ پہلے پہل بیت اللہ شریف کے اردگرد نہ تو کوئی چار دیواری تھی اور نہ ہی مکانات بلکہ اس کی تمام اطراف کھلی پڑی تھیں۔ جو لوگ وہاں آباد ہوئے وہ کعبہ شریف کی تعظیم و تکریم اور ادب و احترام کی وجہ سے وہاں مکان نہیں بناتے تھے۔ بلکہ پہاڑوں کے دامن اور نالوں کے کنارے جھونپڑیوں اور خیموں میں رہتے تھے۔ وہ لوگ بیت اللہ شریف کے جلال، عظمت اور ہیبت سے خائف تھے۔ اس کے قریب

Marfat.com

رہائش رکھنے میں ہلاکت کا خطرہ محسوس کرتے تھے۔ دن ہی دن میں اس کی زیارت کرتے اور رات حدود حرم سے باہر جا کر بسر کرتے۔ یہی طریقہ جرہم اور عمالقہ کے زمانہ میں بھی رہا۔

پھر جب قصی بن کلاب کو مکہ معظمہ کی حکومت ملی تو اس نے شہری آبادی پر بھرپور توجہ دی۔ لیکن بیت اللہ شریف کے رعب اور جلال سے مرعوب تھے۔ وہ مکان بنانے پر آمادہ ہی نہیں ہوتے تھے' حالانکہ قصی کا خیال تھا کہ بیت اللہ شریف کے چاروں طرف مکانات بن جانے سے یہ محفوظ ہو جائے گا' جب اس نے دیکھا کہ قریش اس کام پر آمادہ نہیں ہوتے تو اس نے خود ہی مکان بنانے میں پہل کی۔ تاکہ دیکھا دیکھی دوسرے لوگ بھی تعمیر شروع کر دیں۔

قصی نے دارالندوہ کی بنیاد رکھی جس کی تفصیلات جلد اول میں گزر چکی ہیں۔ دارالندوہ حطیم کے سامنے اسی مقام پر واقع تھا جہاں عرصہ تک مصلی حنفی مرجع خلائق بنا رہا۔

قصی کی یہ سکیم نتیجہ خیز ثابت ہوئی اور مکانات تعمیر ہونا شروع ہو گئے۔ اس نے چاروں اطراف قریش میں تقسیم کر دیں اور حکم دیا کہ مکانات کے دروازے کعبہ شریف کی طرف رکھے جائیں اور ہر دو مکانوں کے بعد راستہ چھوڑ دیا جائے تاکہ کعبہ شریف تک آنے والوں کو سہولت ہو۔ اس طرح کعبہ شریف اور مکانات کا درمیانی فاصلہ صحن یا مطاف اور مکانات بشکل چاردیواری کے بن گئے۔

بایں ہمہ حضور نبی کریم ﷺ کے مبارک عہد تک بلکہ خلافت راشدہ کے کچھ عرصہ بعد تک بھی بیت اللہ کے احترام کی پیش نظر دو منزلہ عمارت بنانے کی کوئی بھی جرأت نہ کر سکا۔ جب اسلام کا آفتاب عالمتاب نے اپنی ضوفشانی سے چار دانگ عالم کو منور کیا تو اطراف و اکناف عالم سے لوگ آ کر مکہ مکرمہ میں آباد ہونے لگے۔ امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جب سریر آرائے خلافت ہوئے تو فتوحات کی کثرت سے زائرین کا بے پناہ ہجوم ہو گیا' اور حرم شریف تنگی داماں کی

Marfat.com

شکایت کرنے لگا۔

چنانچہ ۱۷ھ مطابق ۶۳۸ء میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پہلی بار حرم شریف کی توسیع کا ایک جامع منصوبہ بنایا۔ قریش کے ملحقہ مکانات زر کثیر کے عوض خریدے اور انہیں منہدم کر کے حرم شریف کو کشادہ کیا۔ بعض آدمی اپنے مکانات فروخت کرنے پر جب رضامند نہ ہوئے تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے انہیں فرمایا آپ حضرات نے فناء کعبہ میں مکانات بنائے ہیں جب کہ فناء کعبہ تو کسی کی ملکیت نہیں ہو سکتی۔ اس کے باوجود میں قیمتاً مکان خرید رہا ہوں۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے ان کی قیمت کعبہ شریف میں رکھ دی اور مکانات گرانے شروع کر دیئے۔ بعد میں لوگ بھی قیمت لینے پر رضامند ہو گئے۔ چنانچہ رقم ان کے حوالے کر کے مکانات گرا کر تمام جگہ حرم شریف میں شامل کر دی۔ اور اس کے چاروں طرف دیوار بنا دی۔ رات کے وقت اس دیوار پر چراغ رکھ کر حرم میں روشنی کی جاتی تھی۔

مکانات کے درمیان راستوں کے مطابق دیوار میں بھی راستے بنا دیئے۔ حرم محترم کی توسیع کا سہرا امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے سر ہے ان کا یہ کارنامہ خلیفہ ثالث سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کے لئے مشعل راہ بن گیا۔ جب خلعت خلافت ان کے زیب تن کی گئی تو مسلمانوں کی بہتات اور کثرت کے باعث حرم شریف کی توسیع ناگزیر تھی۔ خلیفہ ثالث نے اس مسئلہ میں صحابہ سے مشورہ کیا۔

چنانچہ ۲۶ھ مطابق ۶۴۶ء میں اس فقید المثال خدمت کو سرانجام دیا۔ قرب وجوار کے بہت سے مکانات خرید کر حرم شریف کو خوب کشادہ کیا' اور اس کے چاروں طرف برآمدے تعمیر کئے' آپ ہی نے سب سے پہلے برآمدے بنوائے۔

(روح المعانی جلد ۹ ص ۱۳۱، اعلام الاعلام ص ۷۴ تا ۷۹)

علامہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ حافظ نجم عمر بن فہد سے نقل فرماتے ہیں' ۲۶ھ میں خلیفۃ المسلمین سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ جب مدینہ منورہ سے عمرہ کے لئے مکہ مشرفہ تشریف لائے تو حرم کے قرب وجوار کے مکانات خرید کر اسے کشادہ کیا۔ اس

Marfat.com

کام سے فارغ ہونے کے بعد اہل مکہ نے آپ کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ "شعیبیہ" بندرگاہ جو زمانہ جاہلیت سے چلی آ رہی ہے اور مکہ معظمہ سے بہت دور ہے لہٰذا آپ جدہ کے ساحل پر بندرگاہ بنا دیں۔ آپ نے جدہ جا کر جگہ کا معائنہ کیا اور بندرگاہ بنانے کا حکم صادر فرمایا۔

خلیفۃ المسلمین نے سمندر میں غسل کیا اور ارشاد فرمایا کہ یہ مبارک پانی ہے۔ حاضرین کو بھی غسل کرنے کے لئے کہا۔ اس طرح شعیبیہ کی بجائے جدہ بندرگاہ قائم ہوئی جو آج بین الاقوامی بندرگاہ کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔

۶۵ھ مطابق ۶۸۴ء میں سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ایک بہت بڑی حویلی دس ہزار دینار میں خرید کر حرم شریف میں شامل کر دی' جس سے حرم کی وسعت میں بہت اضافہ ہوا۔ آپ نے حرم محترم کے برآمدے بھی بنوائے۔ اگرچہ یہ تفصیل معلوم نہ ہو سکی کہ برآمدے چاروں طرف تعمیر کرائے یا بعض سمتیں کھلی رہیں۔

خلیفہ عبدالملک بن مروان نے بھی حرم شریف کی صرف تعمیر میں حصہ لیا۔ موصوف نے برآمدوں کی دیواریں بلند کر کے ساگوان کی نہایت عمدہ چھت بنوائی اور تمام ستونوں کی نچلی کرسی پر پچاس پچاس مثقال سونا چڑھایا (پچاس مثقال کا وزن تقریباً ۱۱۲ تولے کے برابر ہوتا ہے)۔

۹۱ھ مطابق ۷۰۹ء میں خلیفہ ولید بن عبدالملک نے نئے ڈیزائن اور عالیشان طرز سے برآمدے بنوائے' جنہیں دیدہ زیب زردوزی اور بے مثال نقش و نگار سے مزین کرایا۔ تمام ستون سنگ مرمر کے بنوائے اور چھت منقش ساگوان کی تہ دار بنوائی۔ علاوہ ازیں ۳۶ ہزار دینار (۹۳۲۵۰ تولے) باب کعبہ' میزاب کعبہ اور کعبہ شریف کے اندرونی چاروں کونوں میں لگانے کے لئے بھیجے۔ (اعلام الاعلام ص ۸۴-۷۹) جن کی تفصیل باب کعبہ کی زردوزی کے عنوان میں گزر چکی ہے۔

Marfat.com

خلیفہ ابو جعفرؒ کی توسیع

۱۳۸ھ مطابق ۷۳۵ء میں خلیفہ ابو جعفر المنصورؒ نے حرم شریف کی توسیع کا فرمان جاری کیا۔ ان دنوں مکہ مکرمہ میں زیاد بن عبید اللہ الحارثی گورنر تھا' اس نے شمال کی جانب سے مکانات خرید کر منہدم کئے اور وہ جگہ مسجد میں شامل کر دی' اور شیبہ بن عثمان کی حویلی کا اکثر حصہ بھی ملا لیا۔ یہ توسیع دار الندوہ سے باب بنی سہم تک ہوئی۔ لیکن جنوبی سمت میں توسیع ممکن نہیں تھی۔ کیونکہ اس طرف بارانی نالہ (وادی ابراہیم) بہتا تھا۔ جس میں دیواروں کی بنادیں بنانا ممکن نہیں تھا۔ دیواریں اکثر سیلاب کی نذر ہو جاتی تھیں۔

خلیفہ موصوف نے حرم محترم کے چاروں طرف محراب دار ڈاٹوں پر برآمدے تعمیر کرائے۔ مسجد میںؓ بے مثال نقش و نگار زیبائش و آرائش اور زرنگاری کرائی' اور پتھر بھی منقش بنائے گئے۔ دو تین سال تک تعمیر جاری رہی' اور یہ خدمت گورنر مکہ ہی نے انجام دی' جب تعمیر پایۂ تکمیل تک پہنچ گئی تو منار کی جانب باب بنی جمح پر یہ عبارت بطور یادگار لکھوائی

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم

مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَرْسَلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ

امر عبدالله امير المومنين اكرمه الله تعالى بتوسعة المسجد الحرام و عمارته والزيادة فيه نظرا منه للمسلمين و اهتماما بامورهم. والذى زاد فيه الضعف مما كان عليه قبل و فرغ منه و رفعت الايدى عنه فى ذى الحجة سنة ١٤٠ھ و ذالك بتيسير!

Marfat.com

اللہ تعالٰی علی امیر المومنین و حسن رعایتہ و کفایتہ و اکرمہ
لہ باعظم کرامتہ واعظم اللہ اجر امیر المومنین فیما نوی من
توسعۃ المسجد الحرام ، و احسن ثوابہ و جمع لہ بین خیری
الدنیا والاخرۃ و اعز نصرہ و ایدہ۔

تعمیر مکمل ہو جانے کے بعد خلیفہ حج ادا کرنے آیا' تو اس نے قریش پر بے انداز خزانہ نثار کیا۔ ہر ایک آدمی کو ایک ایک ہزار دینار دیئے۔ اسی طرح موصوف نے مدینہ منورہ میں لوگوں کو صدقات و خیرات سے نوازا۔ (اعلام الاعلام ص ۸۹، ۹۰)

خلیفہ مہدی عباسی کی توسیع

خلیفہ مہدی عباسی کریم الطبع' خوبصورت' شکیل و جمیل وجیہ' شجاعت و مردانگی میں مشہور اور علماء کرام کی خدمت کا جذبہ صادق رکھنے والا تھا۔ موصوف تخت خلافت پر متمکن ہونے کے بعد ۱۶۰ھ میں زیارت حرمین شریفین کو گیا۔ تو حرم شریف کی توسیع کی غرض سے قاضی مکہ محمد الاوقص بن محمد بن عبدالرحمٰن المخزومی کو بالائی سمت کے تمام مکانات خریدنے کا حکم دیا۔ قاضی صاحب موصوف نے مسعیٰ اور حرم کے درمیان واقع تمام مکان پچیس دینار فی مربع گز (جب کہ شرعی گز ایک فٹ چھ انچ کا ہوتا ہے) اور وادی کے اندر والے مکان پندرہ دینار فی مربع گز کے حساب سے خریدے۔ اور جو لوگ غریب تھے' انہیں دوسری جگہ تعمیر شدہ مکان معاوضہ میں دیئے۔ ان مکانات میں "دارازرق" جس کے صرف ایک کونے کی قیمت ۱۸۰۰۰ دینار اور خیرہ بنت سباع الخزاعیہ کی حویلی جو ۴۸۰۰۰ دینار میں خریدی گئی' شامل تھی۔ علاوہ ازیں دار آل جبیر بن مطعم اور دار شیبہ بن عثمان بھی خرید کر یہ تمام جگہ حرم شریف میں داخل کر دی۔ حرم اور مسعیٰ کے درمیان ایک سرائے بنوائی جس کا نام "دار القواریر" رکھا۔ بعد میں جعفر برمکی نے سرائے کی جگہ مکان بنا لیا تھا۔ لیکن اس کے بعد حماد بربری نے اسے دوبارہ بے حد خوبصورت بنوا دیا۔ اس کے اندر شیشہ

Marfat.com

سے مینا کاری کرائی اور باہر سنگ مرمر لگایا۔

یہ توسیع تمام تر حرم شریف کے صرف بالائی حصہ میں تھی۔ اسی طرح زیریں حصہ میں باب بنی سہم (جسے باب العمرہ کہتے ہیں) سے باب الخیاطین (جس کا نام اب باب ابراہیم ہے) تک توسیع کرائی۔ اور شمال میں اس وقت موجود قدیم تعمیر کی انتہا تک توسیع کرائی اور جنوب میں قبہ شراب جسے قبہ عباس بھی کہا جاتا تھا' تک توسیع کی (قبہ عباس صفا کی جانب زمزم کی ایک سبیل تھی)۔

اس طرح کعبہ شریف کی یمانی دیوار سے صفا کی جانب والی دیوار تک ۲/۱ ۴۹ ذراع یعنی ۷۴ فٹ ۳ انچ کا فاصلہ ہو گیا۔ مذکورہ دیوار کے پیچھے نالہ (وادی ابراہیم) واقع تھا۔ یہ سارا کام خلیفہ موصوف نے ۱۶۰ھ ہی میں کرایا۔

خلیفہ کے فرمان سے مصر' شام اور ایران سے سنگ مرمر کے ستون سمندر کے راستے جدہ کے قریب قدیم بندرگاہ "شعیبہ" پہنچائے گئے۔ جہاں سے بیل گاڑیوں کے ذریعہ مکہ مکرمہ پہنچائے گئے۔ بنیادیں جمع + کی صورت میں بہت گہری بنائی گئیں۔ علامہ قطب الدین ہتیمہ فرماتے ہیں کہ بنیادیں اس قدر مضبوط تھیں کہ ۱۶۰ھ سے ۹۳۰ھ تک بالکل صحیح سلامت موجود تھیں۔ ۹۳۰ھ کے تباہ کن سیلاب میں بنیادیں ننگی ہو گئی تھیں جنہیں بہت سے لوگوں نے دیکھا۔

۱۶۴ھ میں خلیفہ موصوف جب دوبارہ حج کو آیا تو اس نے دیکھا کہ کعبہ معظمہ حرم شریف کے درمیان نہیں ہے۔ کیونکہ ۱۶۰ھ میں جو توسیع کی گئی تھی وہ بالائی' زیریں اور شمال کی جانب زیادہ اور جنوب کی طرف وادی کے بہاؤ اور مکانات کی وجہ سے تھوڑی ہوئی تھی۔ حجاج حرم شریف سے نکل کر وادی عبور کرتے اور پھر ایک تنگ گلی سے گزر کر صفا پر چڑھتے تھے۔ جب کہ مسعی والی جگہ حرم شریف میں داخل تھی۔ اس وقت نالہ میلین اخضرین کے درمیان تھا۔ اس کا پانی حرم کے کچھ حصہ سے گزرتا تھا اور سیلاب کا پانی حرم شریف سے گزر کر حرم کی دیوار کے ساتھ ساتھ مسفلہ کی طرف نکل جاتا تھا۔

Marfat.com

خلیفہ نے حرم شریف کے چاروں اضلاع کو دیکھا جو ایک جیسے نہیں تھے۔ اگر جنوب کی طرف توسیع کر دی جائے تو کعبہ شریف وسط میں ہو سکتا تھا۔ لیکن انجینئر اس بات پر متفق نہ تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ وادی کے اس پار والے مکانات گرا کر ان کی جگہ نالہ بنایا جائے اور نالے والی پہلی جگہ حرم میں داخل کر دی جائے۔ اور سیلاب کا پانی بدستور حرم کے اندر ہی سے گزرتا ہے۔ کیونکہ نالہ کی گہرائی زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کی بنیادیں مضبوط نہیں بن سکتی تھیں اور ان کے بہہ جانے کا خطرہ ہمیشہ لاحق رہتا۔

خلیفہ کو یہ بھی بتایا گیا کہ اگرچہ اس منصوبہ پر لاگت بہت زیادہ آئے گی اور بہت سے مکان بھی منہدم کرنے پڑیں گے لیکن کام مضبوط اور خوبصورت ہوگا۔ موصوف جو عزم راسخ کا مالک اور راہ خدا میں دریا دلی سے خرچ کرنے والا تھا۔ کہنے لگا کہ حرم کی خاطر مجھے سارا شاہی خزانہ بھی خرچ کرنا پڑے تو بھی دریغ نہیں کروں گا۔ لہٰذا اس کجی کو جس طرح بھی ممکن ہو دور کیا جائے گا۔

ان کی عالی حوصلگی اور خلوص نیت دیکھ کر انجینئر اپنے پیش کردہ پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تیار ہو گئے۔ چنانچہ رسی سے پیمائش کر کے نشانات لگائے۔ بعد ازاں خلیفہ نے جبل ابی قبیس پر چڑھ کر دیکھا تو اسے تسلی ہو گئی کہ اب حرم کی عمارت مربع شکل بن جائے گی۔ اور کعبہ شریف بھی وسط میں ہو جائے گا۔ اس سکیم کی زد میں آنے والے مکانات اور نالہ کی تبدیلی کا جائزہ لیا گیا جس سے خلیفہ پوری طرح متفق تھا اور اخراجات کا انتظام کرنے کے لئے عراق لوٹ گیا۔ (اعلام الاعلام ص ۹۹ تا ۱۰۲)

مہدی عباسی کی توسیع ثانی

رئیس المورخین علامہ قطب الدین حنفی لکھتے ہیں ۱۶۷ھ میں خلیفہ مہدی عباسی نے حرم شریف کی دوسری مرتبہ جب توسیع کا کام شروع کیا تو قرب و جوار میں بہت سے مکانات خرید کر منہدم کرائے۔ محمد بن عباد کی حویلی کا اکثر حصہ منہدم کر کے اس جگہ وادی اور مسعی بنا دی۔ اسی طرح صفا اور وادی کے درمیان جتنے مکان

Marfat.com

تھے سب منہدم کرا دیے۔ توسیع باب بنی سہم سے شروع کرائی' کیونکہ یہ سمت اونچی تھی۔ اور اختتام اس کے بالمقابل مسفلہ کی طرف باب الحزورہ پر کیا۔ سیلاب کے وقت جب پانی زیادہ ہوتا تو نالہ سے تجاوز کر کے اسی دروازہ سے گزرتا' اور اگر زیادہ شدت ہوتی تو باب ابراہیم سے بھی نکلتا تھا۔ جب کہ عام حالت میں سیلاب کا پانی حرم کی جنوبی دیوار تک بھی نہیں پہنچتا تھا۔ وہ دیوار رکن یمانی سے ۴۹½ ذراع یعنی ۷۴ فٹ ۳/۱ انچ دور تھی۔ لیکن ۱۶۷ھ میں نئی توسیع میں اسے ۹۰ ذراع یعنی ۱۳۵ فٹ دور کر دیا گیا۔ رکن یمانی کی طرف سے دار اُمّ ہانی بھی حرم میں شامل کر لیا گیا۔ اسی نسبت سے جو دروازہ اس جگہ بنایا گیا اس کا نام "باب اُمّ ہانی" رکھا گیا۔ ستون سنگ مرمر کے اور چھت ساگوان کی منقش بے حد دیدہ زیب اور دلکش بنوائی۔ تمام کام بہت خوبصورت اور مضبوط کیا گیا' لیکن ہنوز کا کام جاری تھا کہ ۱۶۹ھ کو فرشتہ پروانۂ اجل لے کر آ گیا اور خلیفہ راہی دار بقا ہو گیا۔

خلیفہ موصوف کے سانحۂ ارتحال کے بعد اس کا فرزند ارجمند ابی محمد موسیٰ الہادی مسند خلافت پر رونق افروز ہوا۔ اس نے باپ کا جاری کردہ کام مکمل کرایا' اور باب ام ہانی کی جانب بعض ستون بھی بنوائے۔ اور تمام ستونوں پر پلستر کرایا۔ علاوہ ازیں کوئی قابل ذکر کام نہیں کرایا۔ اس کا دور حکمرانی صرف ایک سال کے قریب تھا اور عالم شباب ہی میں ۱۷۰ھ میں داعی اجل کو لبیک کہہ گیا۔ (اعلام الاعلام ص ۱۰۹)

۲۷۱ھ میں ابو جعفر احمد بن المتوکل علی اللہ بن الرشید عباسی کے دور میں باب ابراہیم کی جانب سے حرم کی دیوار کمزور ہو گئی' اور اتفاق سے اسی طرف زبیدہ بنت ابی جعفر المنصور کا محل حرم شریف کی چھت پر گر گیا۔ جس سے چھت کی لکڑیاں اور دو ستون گر گئے۔ جس کے نیچے دب کر دس معززین شہر بھی ہلاک ہو گئے۔

اس زمانہ میں مکہ مکرمہ کا گورنر ہارون بن محمد بن اسحاق اور قاضی یوسف بن یعقوب تھا۔ جب اس جانکاہ حادثہ کی اطلاع خلیفہ کو پہنچی تو اس نے گورنر مکہ کی طرف زر کثیر بھیجی اور حکم دیا کہ حرم کی تعمیر و مرمت بہت جلد کر دی جائے۔ چنانچہ گورنر مذکور

Marfat.com

نے شاہی فرمان کے مطابق حرم شریف کے اس حصہ میں ایک پردہ بنا لیا تاکہ کام کرنے والے لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہو کر تسلی سے کام کرسکیں۔ مسمار شدہ دو ستون نئے بنائے اور ساگوان کی بے حد عمدہ منقش اور مزین چھت بنوائی۔ یہ کام ۲۷۲ھ میں بحسن وخوبی پایۂ تکمیل کو پہنچا اور اس مرمت شدہ جدید دیوار میں دو پتھروں پر یہ عبارت کندہ کرائی۔

(۱)

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

امر ابو احمد الموفق باللّٰہ الناصر لدین اللّٰہ ولی عهد المسلمین اطال اللّٰہ بقائہ بعمارۃ المسجد الحرام رجاء ثواب اللّٰہ تعالیٰ والزُّلفیٰ الیہ و تم ذالک علی ید عاملہ علی مکۃ و مخالیفھا هارون بن محمد بن اسحاق بن موسیٰ فی سنۃ ۲۷۲ھ .

(۲)

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

امر الناصر لدین اللّٰہ ولی عهد المسلمین ابو احمد الموفق باللّٰہ اخو امیر المومنین اطال اللّٰہ بقاء ھما القاضی یوسف ابن یعقوب بعمارۃ المسجد الحرام لما فی ذالک من رجاء ثواب اللّٰہ تعالیٰ اجزل اللّٰہ ثوابہ و اجرہ وتم ذالک علی ید محمد بن العلاء بن عبدالجبار فی سنتہ ۲۷۲ھ .

علامہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

''ہمارے زمانہ ۹۸۵ھ میں یہ دونوں پتھر موجود نہیں' ممکن ہے گردش ایام نے انہیں محو کر دیا ہو''۔ (اعلام الاعلام ص ۱۳۷)

بعد ازاں خلیفہ ابوالعباس احمد المستعضد کے دور میں دارالندوہ کی سمت اضافہ ہوا' یہ بڑی وسیع اور عریض عمارت تھی جسے ظہور اسلام کے بعد بھی مرکزی حیثیت حاصل رہی۔ مختلف ممالک سے آنے والے خلفاء اور روسا اسی میں قیام کرتے تھے۔ اس کا ایک دروازہ حرم شریف کی طرف بھی تھا۔ جس سے معزز مہمان حرم شریف میں نماز

Marfat.com

پڑھتے اور طواف کرنے جاتے تھے۔

جبل قعیقعان اور اس کے قرب و جوار کے دوسرے پہاڑوں پر جب بارش ہوتی تو سیلاب کا پانی دارالندوہ میں داخل ہو جاتا' اور اس کے دروازہ سے حرم میں بھی پہنچ جاتا۔ پانی کا ریلا دارالندوہ اور حرم شریف میں کوڑا کرکٹ پھینک جاتا۔ جو حرم کے لئے نقصان کا موجب بنتا' اور صفائی و تطہیر ناگزیر ہو جاتی۔

چنانچہ قاضی مکہ قاضی محمد عبداللہ المقدسی اور امیر مکہ حج بن حاج مولی المعتمد نے عبیداللہ بن سلیمان بن وہب وزیر مملکت کو متعدد خطوط لکھ کر حالات سے مطلع کیا اور حرم شریف کی اصلاح و مرمت کے لئے مندرجہ ذیل تجاویز پیش کیں

① دارالندوہ کو منہدم کر کے مسجد بنا دی جائے یا اسے حرم شریف میں شامل کر دیا جائے۔ تاکہ لوگ یہاں نماز پڑھیں' اس طرح اس کا تقدس' عزت و تکریم اور عظمت بحال رہے گی اور سیلاب کے نقصانات سے حرم بھی محفوظ رہے گا۔

② مسجد حرام کی چھت کمزور ہو چکی ہے اور بارش پڑنے سے ٹپکتی رہتی ہے۔ اس کی تجدید بھی ضروری ہے۔

③ پھر وادی (نالہ) مٹی سے بھر گئی ہے' جس کے باعث سیلاب کا پانی حرم شریف میں داخل ہو جاتا ہے لہٰذا وادی کو گہرا کیا جائے' تاکہ حرم شریف میں پانی داخل نہ ہو۔

④ کعبہ مشرفہ کے سامنے والی دیوار اندر سے پراگندہ ہو گئی ہے' اندر کا فرش شکستہ حالت میں ہے۔

⑤ باب کعبہ کے دونوں بازو بھی زر پوشی کے محتاج ہیں' کیونکہ ۲۵۱ھ میں علوئین کے فتنہ کا قلع قمع کرنے کے لئے عامل مکہ نے دروازہ سے سونا اتار کر دینار بنوائے اور علویوں کی جنگ میں اپنی حکومت کا تعاون کیا اور باب کعبہ کے بازو دیباج کے کپڑے سے ڈھانک دیئے۔

⑥ حطیم کا فرش بھی ٹوٹ گیا ہے جس کی تجدید ضروری ہے۔

Marfat.com

⑥ مطاف کا فرش کعبہ شریف کے چاروں طرف مکمل نہیں ہے' اس کی تکمیل ناگزیر ہے۔

معترزین کا ایک وفد دیوان خلافت جدہ بھی گیا' اور مذکورہ حالات و واقعات سے انہیں آگاہ کیا۔

ان مکاتیب کے جواب میں خلیفہ معتضد باللہ نے اپنے قابل اعتماد وزیر عبداللہ بن سلیمان بن وہب جو نیک طینت اور راسخ العقیدہ آدمی تھا کو حکم دیا کہ کعبہ شریف کی ترمیم و اصلاح' حطیم اور مطاف کا فرش بنائے۔ مسجد حرام کی مرمت اور دارالندوہ کو منہدم کر کے مسجد میں تبدیل کرنے' نالہ گہرا کرنے اور دیگر امور ضروریہ کی تعمیر و مرمت کے لئے بہت زیادہ خزانہ لے جانے کا حکم دیا۔

قاضی بغداد یوسف بن یعقوب کو کہا گیا کہ معتمد آدمی کو یہ خزانہ لے جانے پر مامور کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے ۲۸۱ھ میں ایام حج میں اپنے بیٹے ابوبکر عبداللہ بن یوسف اور چند دوسرے معتمدین جن میں ابوالہیاج' عمیرہ بن حیان قابل ذکر ہیں' ان کو نقد مال دے کر روانہ کیا۔ انہوں نے حسب الحکم باب کعبہ کو خالص سونے سے مزین کیا' اور حج کے بعد ابوبکر عبداللہ بن یوسف ابوالہیاج وغیرہ کو وہاں چھوڑ کر بغداد لوٹ آیا' تاکہ اشیاء ضروریہ کی ترسیل جاری رکھی جا سکے۔

ابوالہیاج نے سب سے پہلے وادی مکہ یعنی نالے اور حرم شریف کے باہر زمین کی کھدائی شروع کرائی۔ زمین اتنی گہری کھودی گئی کہ حرم محترم کی ۱۲ سیڑھیاں جو مسلسل مٹی میں دب چکی تھیں' ظاہر ہو گئیں۔ حالاں کہ صرف پانچ سیڑھیاں باہر رہ گئی تھیں۔ وہ مٹی شہر سے باہر پھنکوا دی گئی۔ پھر دارالندوہ سے کوڑا کرکٹ صاف کر کے اسے منہدم کر دیا۔ وہاں بہت گہری بنیادیں کھود کر مسجد بنوائی اور حرم کے دو دروازے بھی اس میں داخل کر دیئے جو اس طرف کھلتے تھے۔ اس دیوار میں حرم کی جانب ۶ بڑے دروازے بنائے گئے جن میں سے ہر ایک دروازہ ۵ ذراع یعنی ۷ فٹ ۶/ انچ چوڑا' اور زمین سے دروازہ کی بلندی تک ۱۱ ذراع یعنی ۱۶ فٹ ۹/ انچ

Marfat.com

اونچا تھا۔ ان بڑے دروازوں کے درمیان ۶ دروازے چھوٹے بھی تھے جن کی زمین سے بلندی ۸ ذراع یعنی بارہ فٹ اور چوڑائی ۲½ ذراع یعنی ۳ فٹ ۹ انچ تھی۔ علاوہ ازیں نئے اضافہ میں دو دو محرابوں پر مشتمل دو دروازے بھی بنائے جو باہر کی طرف کھلتے تھے۔ اور اس کے غربی جانب بھی ایک محراب دار دروازہ بنایا۔ مسجد کے چاروں طرف برآمدہ بنایا۔ جس کی چھت ستونوں پر قائم تھی' جو ساگوان کی بنی ہوئی تھی اور ایک بلند و بالا مینار بھی بنوایا۔

کام تین ماہ تک مسلسل جاری رہا اور ۲۸۴ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ یہ عالی شان عمارت مدت دراز تک اسی حالت میں قائم رہی۔ بعد ازاں ۳۰۰ھ میں قاضی مکہ محمد بن موسیٰ نے اس کی تجدید کرائی' اور اسے پہلے سے بھی زیادہ مضبوط اور خوبصورت بنوایا۔ برآمدوں کی ہیئت تبدیل کر کے اس انداز سے بنوائے کہ ان میں بیٹھنے والے نمازی' معتکف اور دوسرے لوگ کعبہ شریف کا دیدار کر سکیں۔ ستون منقش پتھروں کے اور چھت ساگوان کی منقش بنوائی۔ اس میں انتہائی دلکش گل کاری کرائی اور اس کے کنگرے بھی تبدیل کرائے۔

سیاہ پتھروں کے بنے ہوئے مذکورہ ستون ۱۰۳۰ھ تک باقی رہے' جن کی تجدید سلطان مراد خان نے سنگ مرمر سے کرائی تھی۔ (اعلام الاعلام ص ۱۳۱ تا ۲۸۰)

المقتدر کی توسیع

ابوالفضل جعفر المقتدر باللہ بن المعتضد باللہ نے بھی حرم محترم کی توسیع میں حصہ لیا تھا۔ مغربی جانب میں باب الخیاطین اور باب بنی جمح کے باہر ملکہ زبیدہ زوجہ خلیفہ ہارون الرشید نے ۲۰۸ھ میں دو محل بنوائے تھے۔ ان محلات اور مذکورہ دروازوں کے درمیان ایک میدان تھا' جسے خلیفہ موصوف نے حرم میں داخل کر کے مذکورہ دونوں دروازوں کی جگہ ایک ہی بڑا دروازہ بنوایا جس کا نام "باب ابراہیم" رکھا۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس دروازہ کی نسبت سیدنا ابراہیم خلیل

Marfat.com

اللہ علیہ السلام کی طرف نہیں بلکہ اس مقام پر ابراہیم نامی ایک درزی عرصہ تک کام کرتا رہا' جس کے نام سے وہ دروازہ منسوب ہوا' (حرم کی موجودہ انتظامیہ نے ابراہیم علیہ السلام کے نام کی تختی لگا دی ہے)۔

ملکہ زبیدہ کے محلات بعد کے دور میں مسمار کر کے دو رباطیں بنا دی گئیں۔ شامی جانب والے محل کی جگہ "رباط الخوزی" اور یمانی محل کی جگہ "رباط رامشت" تعمیر ہوئی۔

خلیفہ موصوف کی توسیع کے بعد حرم شریف کے طول میں ۵۷ ذراع یعنی ۸۱/۲ فٹ ۹ انچ اور عرض میں ۵۲ ذراع یعنی ۹۸ فٹ کا اضافہ ہوا۔ نیز اس اضافہ کی مشرقی اور شمالی جانب ستونوں کی دو دو صفیں تعمیر کرائیں۔ البتہ مغربی جانب ستون نہیں تھے۔ ستون منقش پتھر کے بنا کر ان پر چھت ڈالی گئی۔ علاوہ ازیں یمانی چھت کے نیچے پانی کی سبیل بنوائی۔ علامہ تقی فاسی بخشہ نے اس اضافہ میں مینار کا ذکر بھی کیا ہے۔ مگر علامہ قطب الدین فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ اس حصہ میں مینار کب اور کس نے بنوایا اور پھر کب منہدم ہوا۔ کیونکہ ہمارے دور میں وہاں مینار تو نہیں ہے البتہ سبیل ۹۸۳ھ تک موجود تھی۔ (اعلام الاعلام ص ۱۶۰)

حرم میں آتشزدگی

۲۸ رشوال ۸۰۲ھ ہفتہ کی شب حرم محترم میں آگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ یہ اندوہ ناک واقعہ اس طرح پیش آیا کہ باب الحزورہ کے متصل رباط رامشت جسے شیخ ابوالقاسم ابراہیم بن الحسین الفارسی نے ۵۲۹ھ میں غرباء کے لئے بنوایا تھا۔ اس کے ایک کمرہ میں ساکنین چراغ جلتا چھوڑ کر باہر گئے تو بعد میں چوہے کی شرارت سے آگ لگ گئی۔ جب آگ شدت اختیار کر گئی تو ایک کھڑکی سے حرم کی چھت نے بھی آگ پکڑ لی اور دیکھتے ہی دیکھتے خطرناک صورت اختیار کر گئی۔ جو مغرب سے بڑھتے بڑھتے شمالی جانب پہنچ گئی۔ لوگ وسائل کی کمی کے باعث آگ پر قابو پانے

Marfat.com

سے قاصر تھے (کیونکہ اس زمانہ میں فائر بریگیڈ کا انتظام تو تھا ہی نہیں) لیکن غیبی طور پر ایک ایسا عجیب انتظام ہوا جس سے فلک بوس شعلے بالکل ماند پڑ گئے۔ ہوا یوں کہ اسی سال جمادی الاوّل میں سیلاب میں باب العجلہ کی طرف سے دو ستون بہہ گئے جن کی وجہ سے چھت کا کچھ حصہ زمیں بوس ہو گیا۔ چنانچہ جب آگ وہاں پہنچی تو نہ بڑھ سکی اور اس طرح باقی ماندہ حرم جلنے سے بچ گیا۔

اس روح فرسا حادثہ میں حرم شریف کی تین سمتیں نذر آتش ہو گئیں اور ۳۰ ستون جل کر خاکستر ہو گئے۔ اس قدر سنگین حادثہ اس سے پہلے کبھی پیش نہیں آیا تھا۔ اب سیلاب کی تباہ کاری اور آتشزدگی کے واقعات کی وجہ سے حرم پاک کی تجدید انتہائی ضروری تھی۔

چنانچہ ۸۰۳ھ میں ملک الناصر فرج بن برقوق کی طرف سے بیسق الظاہری مصری حجاج کے امیر کی حیثیت سے مکہ مکرمہ آئے جنہوں نے حج سے فراغت کے بعد حرم کی صفائی کرا کے غربی اور جنوبی سمت کے ستونوں کی بنیادیں خلیفہ مہدی عباسی کی بنیادوں تک کھدوائیں جو کہ جمع کی صورت "+" میں تھیں۔ انہیں مضبوط کرنے کے لئے پہلے شطرنج کے خانوں کی مانند تہہ بنوائی اور پھر اس کے اوپر سطح زمین تک انہیں زاویہ قائمہ کی شکل میں بنوایا۔

بنیادیں بھرنے کے بعد جبل کعبہ سے پتھر لا کر ۱۲ انچ موٹائی میں نصف دائرہ کی شکل میں تراشا گیا، اس طرح دو پتھر مل کر پورا دائرہ بن جاتا۔ پھر قدیم بنیادوں سے نئی بنیادیں اس طرح اٹھائیں کہ دو پتھروں کے درمیان سریا رکھ کر پگھلا ہوا سکہ ڈال کر زمین کی سطح تک بھر دیں، پھر سنگ مرمر کی کرسی بنا کر پتھری کے ستون چھت تک بنائے گئے، ان کے اوپر ایک ایک لکڑی اس طرح نصب کی گئی جن کا ایک سرا دوسرے سرے تک ملا ہوا تھا، اس طرح مغربی جانب کی تعمیر مکمل ہوئی۔

شمالی جانب باب العجلہ تک کا جو حصہ باقی رہ گیا تھا اس میں سفید سنگ مرمر کے ستون بنوا کر لوہے کی چادریں اوپر چڑھا دیں، جس سے وہ تراشیدہ پتھروں

Marfat.com

کے ستونوں سے بھی زیادہ مضبوط ہو گئے۔ چونکہ سنگ مرمر زیادہ مقدار میں دستیاب نہ ہو سکا تھا' اس لئے مجبوراً کچھ حصہ میں پتھر کے ستون بنوا دیئے۔ چنانچہ شمال' جنوب اور مشرق کے تینوں برآمدوں میں اسی نوعیت کے ستون تھے۔ صرف مغربی برآمدہ تراشیدہ پتھروں کا بنایا گیا تھا۔

اواخر شعبان ۸۰۴ھ میں ستونوں کا کام بحسن و خوبی پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ صرف چھت ڈالنا باقی تھی' لیکن چھت کا کام اس لئے مؤخر کیا کہ مکہ معظمہ میں دوم اور چیل کی لکڑی کے سوا کوئی عمدہ لکڑی دستیاب نہیں تھی۔ پھر چیل وغیرہ پائیدار بھی نہیں ہوتی' جب کہ صنوبر' ساگوان یا سرو کی لکڑی درکار تھی۔ حالاں کہ ساگوان ہندوستان اور صنوبر و سرو روم کے سوا کہیں نہیں ملتا تھا۔ بنا بریں امیر بیسق کام بند کر کے ۸۰۵ھ کے اوائل میں لکڑی کا معقول انتظام کرنے کی خاطر مصر چلا گیا۔ پھر ۸۰۷ھ میں واپس آ کر چھت کا کام شروع کرا دیا۔ ساگوان تو دستیاب نہ ہو سکا لہٰذا صنوبر کی لکڑی بلاد روم سے منگوا کر اسے رنگا رنگ نقش و نگار سے مزین کرایا' اور طائف سے عرعر (چیل) کی لکڑی کافی مقدار میں منگوا کر بقیہ ضرورت کو پورا کیا۔

جب لکڑی کا خاطر خواہ انتظام ہو گیا تو مغربی جانب کی پوری چھت عرعر کی اور ساتھ ہی شامی سمت سے باب العجلہ تک چھت مکمل کرنے کا پروگرام طے ہوا۔ تراشیدہ پتھروں کے ستونوں ہی پر چھت مکمل کی گئی۔ مشرقی' یمانی اور شامی چھت میں قندیلیں لٹکانے کے لئے تانبے اور لوہے کی زنجیریں لٹکائی گئیں۔ البتہ مغربی جانب جو آگ سے جل گئی تھیں اس میں زنجیریں نہیں تھیں' جو حلقے صحن کی جانب بنائے گئے ان میں تیس تیس زنجیریں آویزاں تھیں۔ بہر حال تینوں جانب کے علاوہ حسب ضرورت چھت کی اصلاح اور تعمیر کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا' جس پر بہت بڑی رقم خرچ ہوئی۔ (اعلام الاعلام ص ۱۹۳ تا ۱۹۶)

Marfat.com

سلطان سلیم خان کی تعمیر

حرم محترم کی لکڑی سے بنی ہوئی چھت پر جب عرصہ دراز گزر گیا' تو لکڑی کرم خوردہ اور کمزور ہو جانے کی وجہ سے چھت کی حالت نہ گفتہ بہ ہو گئی۔ بعض لکڑیاں باہر نکل آئیں اور دیواریں جھک گئیں۔ مشرقی برآمدہ کے تیں بالے اپنی جگہ چھوڑ کر ڈیڑھ ڈیڑھ فٹ باہر نکل آئے' اور برآمدہ صحن حرم کی طرف بہت زیادہ جھک گیا' اور چھت سانپوں اور پرندوں کا مسکن بن گیا۔ اگرچہ وقتی طور پر کمزور بالے نکال کرنئے اور لمبے ڈال دیئے جاتے اور چھت کو سہارا دینے کے لئے نیچے لکڑیاں لگا دی جاتی تھیں' مگر اس کے باوجود حرم کی حالت دن بدن دگرگوں ہی ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ ۹۷۹ھ میں جب برآمدہ کی حالت بہت خطرناک ہو گئی تو حرم کے منتظمین نے سلطان سلیم خان عثمان کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ سلطان موصوف نے حسین الحسینی کے زیر نگرانی حرم کی ساری چھت نئی تہہ دار اور پختہ بنانے کا حکم دیا تا کہ لکڑی بوسیدہ اور کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے بار بار چھت تبدیل کرنے سے نجات مل جائے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ حرم کی چھت پختہ بنانے کا فرمان صادر ہوا' (پھر آج تک پختہ ہی بنائی جا رہی ہے)۔

۱۵ ربیع الاول ۹۸۰ھ کو باب السلام سے چھت گرانے کا کام شروع ہوا' کدال سے پھاڑ (کنکرے) توڑ کر چھت کی لکڑیاں اور مٹی صحن میں ڈالی جانے لگی' اور ساتھ ہی جانوروں کے ذریعہ جبل الحلق کے قریب ملبہ ڈالنے کا انتظام کر دیا گیا۔ پھر ستون اکھاڑ کر ان کی بنیادیں کھودی گئیں جو شطرنج کے چوکھوں کی مانند لمبے ستونوں کی طرح بنی ہوئی تھیں۔

کام کا افتتاح ایک عظیم الشان تقریب میں ہوا' جس میں مشائخ' علماء'

Marfat.com

قضاۃ' صلحاء' غرباء فقراء' رؤساء اور دیگر معززین شہر شریک تھے۔ صمیم قلب سے تلاوت قرآن مجید کے بعد بہت سی گائے اور بھیڑ بکریاں ذبح کر کے فقراء اور خدام حرم میں تقسیم کی گئیں۔

جمادی الاوّل ۹۸۰ھ کو بنیادوں کا کام شروع ہوا' اس سے پہلے حرم کے ستون ایک ہی قطار میں بنے ہوئے تھے جو گنبد بنانے کے لئے مفید تھے۔ کیونکہ گنبد چار ستونوں پر قائم ہوتا ہے' چنانچہ طے پایا کہ سنگ مرمر کے قدیم ستونوں کے بیچوں بیچ زرد پتھر کے نئے ستون بنائے جائیں۔ اس مقصد کے لئے جدہ کی جانب واقع بیر شمیسی کے قریب ایک پہاڑ سے پتھر لائے گئے۔ اسی نسبت سے انہیں حجر شمیسی کہا جاتا ہے۔ پتھر کی مضبوطی اور خوب صورتی کے باعث ستون بھی بے حد خوبصورت اور دیدہ زیب بنے۔ سنگ مرمر کے تین اور زرد پتھر کے ایک ستون پر طاقے قائم کر کے گنبد بنا دیئے گئے۔ زرد پتھر کے ستونوں نے سفید سنگ مرمر کے ستونوں کے حسن و زیبائش کو چار چاند لگا دیئے' جو بے حد دلکش منظر پیش کرنے لگے۔ ستونوں کی قطاروں میں ایک یکسانیت رکھی گئی جس سے یوں محسوس ہوتا تھا گویا کہ کعبہ شریف کے سامنے ستونوں کی صفیں باادب دست بستہ کھڑی ہیں۔ اور جس سمت سے بھی دیکھا جائے' ایک ہی ستون معلوم ہوتا تھا' (آج بھی اس حقیقت کا نظارہ کیا جا سکتا ہے)۔ تعمیر کا یہ ذی شان کام ابھی تک صرف مشرق اور شمال میں ہی ہوا تھا کہ رمضان المبارک ۹۸۲ھ کو سلطان سعادت نشان ملک سلیم خان کے انتقال پر ملال کی خبر آ پہنچی۔ (اعلام الاعلام ص ۳۹۰ تا ۳۹۷)

سلطان موصوف کے فرزند ارجمند سلطان مراد خان تیس سال کی عمر میں رمضان ۹۸۲ھ میں تخت نشین ہوئے تو انہوں نے والد گرامی قدر کے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا عزم صمیم کر لیا۔ چنانچہ موصوف نے مغربی اور جنوبی حصہ کی تعمیر حسن اہتمام سے مکمل کرائی۔ اس طرف کے دروازے' کھڑکیاں' سیڑھیاں اور دیگر تمام کام مضبوطی اور خوبصورتی کے ساتھ پورا کرایا۔ قبوں کے اوپر لگے ہوئے چاند تبدیل کرائے۔ مصر میں پیتل کے چاند بنوا کر ان پر سونے کا پانی چڑھا کر قبوں پر نصب

Marfat.com

کرایا۔ جس سے حرم کی زینت میں بے پناہ اضافہ ہوا۔

اس طرح ۹۸۳ھ کو تعمیر مکمل ہوئی جب کہ ۹۸۰ھ میں ابتداء ہوئی تھی۔

علاوہ ازیں حرم کے باہر بہنے والے دونوں برساتی نالے مٹی' ریت اور پتھروں سے اٹے پڑے تھے' جس میں دروازہ سے باہر کی بارہ سیڑھیاں دب چکی تھیں' اور صرف تین نظر آتی تھیں۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ وادی ابراہیم ہر دس سال بعد اپنی مٹی شہر سے باہر نشیبی علاقہ میں بہہ کر لے جاتی تھی' لیکن تقریباً تیس سال سے ایسا اتفاق نہ ہونے کی وجہ سے نالہ مٹی سے بھر گیا تھا' جس کی وجہ سے سیلاب کا پانی حرم میں داخل ہو کر نقصان کا باعث بنتا تھا۔ چنانچہ ۱۴ر جمادی الاوّل ۹۸۳ھ کو زبردست سیلاب آیا جو حرم کے اندر داخل ہو کر کعبہ شریف کے دروازہ کے نصف تک بلند ہو گیا تھا۔ سیلاب کی شدت کے باعث سات وقت کی نماز باجماعت حرم شریف میں ادا نہ ہو سکی۔ سیلاب کے ختم ہونے پر حرم کی صفائی کرائی گئی' اور نالہ کی اصلاح اور گہرائی کے طے شدہ پروگرام کے مطابق اتنی کھدائی کرائی گئی کہ مزید دس سیڑھیاں ظاہر ہو گئیں۔ اسی طرح شمال کی جانب بہنے والے نالے کو بھی خوب گہرا کیا گیا۔ سلطان موصوف نے ہر دو تین سال بعد نالہ صاف اور گہرا کرنے کا حکم بھی دیا۔ حرم شریف کی تعمیر' تجدید اور نالہ کی کھدائی وغیرہ پر لکڑی کی قیمت کے علاوہ ایک لاکھ دس ہزار دینار صرف ہوئے۔ (اعلام الاعلام ص ۳۱۲)

وادیٔ ابراہیم

یہ نالہ حرم شریف کے جنوب میں گزرتا تھا' اس میں طغیانی کے باعث متعدد بار کعبہ مشرفہ اور حرم محترم کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ اگرچہ مختلف اوقات میں اسے کھود کر گہرا کیا جاتا رہا تاکہ سیلاب کا اندیشہ نہ رہے' مگر اس کے باوجود مٹی وغیرہ بھر جانے سے لوگ سیلاب کی آفت سے دوچار ہوتے رہتے' جس کی تفصیلات جلد اوّل میں گزر چکی ہیں۔

Marfat.com

بالآخر ۱۳۷۵ھ میں سعودی حکومت نے ایک جامع منصوبہ کے تحت اس نالہ کو زیر زمین تعمیر کیا' جو دارارقم کے قریب سے شروع ہو کر مسعیٰ اور حرم سے گزرتا ہوا باب ملک عبدالعزیز کے سامنے سے مسفلہ کی طرف چلا جاتا ہے۔ اس کی چوڑائی بعض جگہ ۴ سے ۶ میٹر تک ہے اور تقریباً ۲ کلو میٹر لمبا ہے۔ دوسرا نالہ باب اسلام کے قریب حرب کے نیچے سے گزرتا ہوا باب ملک عبدالعزیز کے باہر بڑے نالہ میں آ ملتا ہے۔ (تاریخ حرمین عباسی کرارہ ص ۱۵۶)

سعودی حکومت کی توسیع

خلیفہ المقتدر کی توسیع کے ۱۰۷۰ سال گزر جانے کے بعد سلطان عبدالعزیز آل سعود نے حرم شریف کی توسیع کا فرمان جاری کیا۔ کیونکہ قدیم زمانہ میں سفری سہولتوں کے فقدان کی وجہ سے حجاج کی تعداد بھی زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ لیکن جیسے جیسے سفری سہولتوں میں اضافہ ہوتا گیا' سبک رفتار گاڑیوں اور طیاروں نے سفر میں حیرت انگیز تبدیلی کر دی تو حجاج اور زائرین کی بہتات اور کثرت بھی ضروری تھی۔ ہزاروں کی بجائے لاکھوں حجاج کا اجتماع ہونے لگا۔ اس لئے حرم شریف کی توسیع ناگزیر تھی۔ چنانچہ ۱۳۷۰ھ میں جب سعودی حکومت مسجد نبوی شریف کی توسیع سے فارغ ہوگئی تو ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹۳۸ء میں حرم شریف کی توسیع کا ایک جامع منصوبہ تیار کر کے یہ خدمت انجام دینا شروع کر دی۔

۶ صفر ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹۳۸ء کو تقسیم کار کے لئے تین کمیٹیاں بنا دی گئیں۔ بعد ازاں تمام انتظامات مکمل ہو جانے پر ۴ ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ کو جیاد اور مسعیٰ میں واقع مکانات اور دکانوں کو منہدم کرنے کا کام شروع ہوا۔ عمارات کے گرانے اور ملبہ اٹھانے کا کام بڑی سرعت سے کیا گیا۔ پھر بنیادیں کھودنا شروع کیں' پہلے مشرقی اور جنوبی سمت کی بیرونی بنیادیں کھودی گئیں جو کہ محلہ جیاد' مسعیٰ اور صفا سے غربی جانب ہے۔

Marfat.com

جمعرات کے دن ۲۳ شعبان ۱۳۷۵ھ کو نئی تعمیر کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے ایک ایمان افروز اور باوقار تقریب منعقد ہوئی جس میں جلالۃ الملک المعظم سلطان عبدالعزیز آل سعود اور ملک کے وزراء، علماء، معززین کے علاوہ اسلامی ممالک کے نمائندے بھی شریک تھے۔ سنگ بنیاد رکھنے کے بعد سیمنٹ اور بجری سے بنیادیں بھری گئیں۔ یہ کام پوری جاں فشانی اور سرعت سے جاری رہا۔ یہاں تک کہ ذیقعدہ ختم ہونے سے پہلے اس حصہ کی تمام بنیادیں مکمل ہو گئیں۔

اس طرح عرصہ دراز کے بعد حجاج کرام نے پورے اطمینان اور سکون کے ساتھ سعی ادا کی۔ کیونکہ گذشتہ کئی سالوں سے وہاں بازار بن گیا تھا' لوگوں کی آمد و رفت کے علاوہ جانوروں اور گاڑیوں کی بھی بھیڑ رہتی تھی۔ اس سمت میں ۱۳۷۶ھ میں بنیادوں کا کام مکمل ہو گیا۔ پھر ۱۳۷۷ھ کے اوائل میں دوسری اطراف میں مکانات اور دکانیں گرانے کا کام شروع کیا گیا۔ مجموعی طور پر تعمیر و توسیع کا کام تین مرحلوں میں ہوا' پہلے برساتی نالہ حرم سے جنوبی سمت میں زیر زمین تعمیر کیا گیا پھر مسعی کی دو منزلہ عمارت تعمیر ہوئی' اور بعد ازاں پرشکوہ دو منزلہ برآمدے بنائے گئے۔ جن میں سے پہلا برآمدہ ½۱۰ میٹر اور دوسرا ۱۰ میٹر اونچا ہے۔ حرم شریف کی توسیع اور کعبہ شریف کی مرمت وغیرہ کی تکمیل ۱۳۸۵ھ میں ہوئی۔ اس طرح دس سال مسلسل کام جاری رہا۔ اس نئی سعودی توسیع میں بیک وقت تین لاکھ لوگ نماز ادا کر سکتے ہیں' جب کہ قدیم تعمیر اور صحن حرم اس کے علاوہ ہے۔ (اخبار مکہ جلد ۲، تعلیقات ص ۳۳۰ تا ۳۳۷)

شیخ عباس کرارہ کے تاثرات

حرم شریف کی دو منزلہ عالیشان عمارت جو سعودی حکومت کی تعمیر کا عدیم النظیر شاہکار ہے۔ سعودی تعمیر و توسیع جو دو منزلہ عالیشان عمارت پر مشتمل ہے' کی تمام دیواریں سنگ مرمر سے بنائی گئی ہیں۔ حکومت کو اس بات پر بجا طور پر فخر ہے کہ حرم کی تعمیر میں کام آنے والا سنگ مرمر اور دیگر اقسام کا پتھر تمام تر ملکی ہے۔ قدیم تعمیر کی

Marfat.com

طرح دوسرے ممالک سے درآمد نہیں کیا گیا۔ اکثر سنگ مرمر اور دوسرے پتھر مکہ معظمہ کے قرب و جوار میں بعض پہاڑوں سے نکال کر مخصوص اوزاروں اور مشینوں سے خوبصورت شکل میں بنائے گئے۔ ان پر عجیب و غریب اور دلربا' عربی طرز کے نقش و نگار بھی کیے گئے ہیں۔ پتھر کاٹنے' صاف کرنے اور خاص طرز سے بنانے کے لئے جدہ میں ایک مستقل کارخانہ قائم کیا گیا جہاں سے تیار شدہ پتھر گاڑیوں کے ذریعہ مکہ مکرمہ لائے جاتے تھے۔

حرم شریف کی سابقہ عمارت کو اسی حال میں قائم رکھا گیا۔ جو اب آثار قدیمہ میں شمار ہوتا ہے۔ لیکن نئی اور پرانی عمارت کو تمام اطراف سے اس خوبصورتی سے ملا دیا گیا ہے کہ کسی قسم کا کوئی نقص یا کمی محسوس نہیں ہوتی۔

نئی سعودی توسیع کے بعد حرم شریف کی پیمائش ۱۹۰۰۰۰ مربع میٹر ہو گئی ہے۔ جبکہ قدیم عمارت ۲۹۱۲۷ مربع میٹر تھی۔ اس پر مجموعی اخراجات ۸۰۰ ملین ریال آئے ہیں جو تمام تر سعودی حکومت نے برداشت کئے ہیں۔ کسی دوسری اسلامی حکومت کو اس میں شریک نہیں کیا۔ (تاریخ حرمین عربی ص ۱۵۴)

خادم الحرمین شاہ فہد کی توسیع

حجاج کرام اور زائرین کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہو جانے کی وجہ سے حرم محترم تنگیٔ داماں کا بزبانِ حال شکوہ کناں تھا' چنانچہ خادم الحرمین شریفین شاہ فہد نے عظیم الشان توسیع کا منصوبہ بنایا' جس کی مختصر سی تفصیل حسب ذیل ہے۔

مسجد الحرام کے جنوب مغربی جانب باب الملک عبدالعزیز اور باب العمرہ کے سامنے سابقہ سوق الصغیر کی جانب توسیع کے لئے ۲ ربیع صفر المظفر ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۳ ستمبر ۱۹۸۸ء بروز سہ شنبہ کو سنگ بنیاد رکھا۔ جدید توسیع حسب سابق زمینی منزل یعنی تہہ خانہ' پہلی منزل اور دوسری منزل اور چھت پر مشتمل ہے' مسجد الحرام کی چاروں منزلوں کا مکمل رقبہ ۷۶۰۰۰ مربع میٹر ہے' یہاں تقریباً ۱۵۲۰۰۰ لوگ بیک وقت نماز

Marfat.com

ادا کر سکتے ہیں۔ صحن کا رقبہ تقریباً ۸۵۸۰۰ مربع میٹر ہے' یہاں تقریباً ۱۹۰۰۰۰ لوگ بیک وقت عبادت کر سکتے ہیں۔ اس طرح مسجد الحرام کا کل رقبہ جدید توسیع کے بعد ۳۵۶۰۰۰ مربع میٹر ہو گیا ہے۔ جس میں تقریباً ۷۷۳۰۰۰ لوگ عام دنوں میں اور دس لاکھ سے زائد لوگ حج عمرہ اور رمضان المبارک میں بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔

مسجد الحرام کے بیرونی مرمریں فرش کا مجموعی رقبہ ۷۵۰۰۰ مربع میٹر ہے۔

اس کے علاوہ صفا مروہ سے قریب دائیں جانب ۲۶۰۰۰ مربع میٹر صحن بنایا گیا جس میں ۶۵۰۰۰ نمازیوں کے لئے گنجائش پائی جاتی ہے۔

مسجد حرام کی چھت بھی نمازیوں کے لئے فراہم کر دی گئی' جہاں ۹۰۰۰۰ نمازیوں کی گنجائش ہے۔ چھت تک جانے کے لئے ہر عمارت میں متعدد سیڑھیاں ہیں۔ اس کے علاوہ پورے حرم کے باہر ہر جانب سات خودکار برقی سیڑھیاں (ایکسیلیٹر) بھی تعمیر کر دی گئیں۔ جن کے ذریعہ بیک وقت ۱۵۰۰۰ آدمی پہلی منزل اور چھت پر جا سکتے ہیں' بعد میں مزید چار الیکٹرانک سیڑھیاں بھی بنا دی گئیں۔

جدید توسیع میں قائم بڑا دروازہ ''باب الملک فہد'' پر دو بلند و بالا مینار تعمیر کئے گئے ہیں جن کی بلندی ۸۹ میٹر ہے۔ سابقہ سات میناروں کے ساتھ بہت زیادہ مماثلت پائی جاتی ہے' ان کے اوپر دو سونے کے ملمع کئے ہوئے چاند نصب ہیں۔ جن کا وزن تین ٹن اور بلندی چھ میٹر ہے۔

نئی توسیع میں ۴۹۲ ستون قائم ہیں۔ گول ستونوں کا قطر ۷۱ سینٹی میٹر اور مربع شکل والے ستونوں کا ہر ضلع ۷۱ سینٹی میٹر ہے۔ ستونوں کی بلندی زمینی منزل میں ۴٫۲۱۵ میٹر اور پہلی منزل میں ۵٫۰۳ میٹر ہے۔

جدید تعمیر میں ۱۰۰۰۰ مکعب میٹر کنکریٹ ۸۵۰۰ ٹن سریا استعمال ہوا ہے۔

دیواریں ۳۵۰۰۰ مکعب میٹر مصنوعی پتھر سے تیار کی گئی ہیں۔

(تاریخ مکہ' محمد حسین ہیکل ص ۳۶۷)

برقی نظام کے کنٹرول کے لئے احتیاطی پاور اسٹیشن تعمیر کئے گئے' ان میں

Marfat.com

سے ہر ایک کی طاقت ایک میگا واٹ ہے۔ باب فہد کے سامنے بیرونی حصہ میں زیر زمین مردانہ اور زنانہ طہارت خانے اور وضو خانے کثیر تعداد میں بنائے گئے ہیں۔ ۶۹۰ طہارت خانے دو منزلہ ان کے قریب ہی ۶۲۹ وضو کی جگہیں بھی ہیں' جن کے لئے برقی سیڑھیاں لگی ہوئی ہیں۔ علاوہ ازیں صفا مروہ کے باہر بھی زیر زمین ۱۴۴۰ طہارت خانے اور ۱۰۵۶ وضو کی جگہیں بنائی گئی ہیں۔

سعودی دور حکومت میں توسیع و تجدید ایک نظر میں

بیان	توسیع سے پہلے	کی گئی توسیع	توسیع کے بعد مجموعی حالت
مسجد حرام کا کل رقبہ	۱۹۳۰۰۰M۲ ایک لاکھ ترانوے ہزار مربع میٹر	۱۶۳۰۰۰M۲ ایک لاکھ تریسٹھ ہزار مربع میٹر	۳۵۶۰۰۰M۲ تین لاکھ چھپن ہزار مربع میٹر
نمازیوں کی تعداد	۴۱۰۰۰۰	۷۷۳۰۰۰	۱۰۰۰۰۰۰
مینار	۷	۲	۹ مینار ۸۸ میٹر بلند
مرکزی دروازے	۳	۱	۴ مرکزی دروازے
عام دروازے	۲۷	۱۸	۴۵
تہہ خانے کے دروازے	۴	۲	۶
الیکٹرانک سیڑھیاں	۷	۴	۱۱
مسجد حرام کے دروازے	۲۷	۱۴	۴۱
حمام وضو خانے	پانچ ہزار (۵۰۰۰)	چار ہزار (۴۰۰۰)	نو ہزار (۹۰۰۰) ❶

(روزنامہ اسلام مورخہ ۹ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ، ۳۰ اپریل ۲۰۰۳ء)

Marfat.com

حرم کی اصلاحات اور مرمت

امام تقی الدین فاسی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ خلیفہ محمد المہدی عباسی کی تعمیر حرم پر ۶۵۰ سال کا طویل زمانہ گزر گیا۔ مگر اس فقید المثال عمارت میں کسی قسم کا تغیر یا کوئی خرابی رونما نہ ہوئی۔ بعد ازاں ۸۱۵ھ میں مدرسہ البنجالیہ کے بالمقابل یمانی برآمدوں کی پہلی صف میں ایک ستون کی دو ڈاٹیں خراب ہو گئیں جنہیں مرمت کرایا گیا۔ اور چھت بھی متعدد جگہ سے مرمت طلب تھی۔ اسے بھی ٹھیک کیا گیا یہ کام قاضی جمال الدین محمد بن عبداللہ بن ظہیرہ مخزومی متولی کعبہ نے کرایا تھا۔ بعد ازاں ۸۲۵ ہجری میں سلطان اشرف برسبائی نے جو مصر کے سلاطین جراکسہ کا آٹھواں حکمران تھا۔ امیر مقبل القدیدی کو مکہ مکرمہ بھیجا کہ حرم شریف کی اصلاح و مرمت کی خدمت انجام دے۔ موصوف نے باب الجنائز جسے باب النبی ﷺ بھی کہتے تھے کی تعمیر و مرمت کرائی اور ایک پتھر پر حسب ذیل عبارت کندہ کرائی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انما یعمر مساجد اللّٰه من امن باللّٰه والیوم الآخر و اقام الصلاۃ و آت الزکاۃ امر بتجدید الباب الشریف للنبیؐ صلی اللّٰه علیه وسلّم سیدنا مولانا المقام الشریف السلطان الملک الاشرف ابو النصر برسبائی خادم الحرم الشریف و امیر المؤمنین اللھم اعز نصرہ علی ید الفقیر الی اللّٰه تعالٰی الوزیر المقفر مقبل القدیدی المکی الاشرفی بتاریخ ذی القعدہ الحرام احد شھور سنۃ ۸۲۰ ولا یزال ھذا الحال علی ذلک البناء الی العصر الحاضر ولم یجدہ فی عمارۃ السلطان سلیم بن سلیمان

Marfat.com

امیر موصوف نے باب عباس' باب علی' باب عجلہ' باب زیادہ' باب قطبی اور صفا کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کی تجدید بھی کرائی اور بقیہ دروازوں کی اصلاح کرائی۔

باب العجلہ کی جانب بعض حلقوں کی اصلاح و مرمت کرائی' اور چھت کی بھی مناسب اصلاح کرائی۔ یہ تمام کام انجینئر معظم جمال الدین یوسف کے ہاتھوں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

شعبان ۸۳۰ھ میں سعد الدین ابراہیم بن یوسف الصبیلی نے شمالی جانب میں ۸ حلقے جو صحن کی طرف تھے' باب العمرہ کی جانب ۹ ستون' باب بنی شیبہ کی طرف دو ستون تعمیر کرائے۔ اور باب الزیادہ' باب العجلہ' باب الندوہ' باب ابراہیم' باب الرحمۃ' باب اجیاد اور باب الصفاء وغیرہ کے باہر سیلاب سے بچاؤ کی خاطر سیڑھیاں بنوائیں۔

۸۴۳ھ میں امیر سودون المحمدی کو قاہرہ سے تعمیراتی سامان دے کر بھیجا گیا' جس میں برآمدوں کے لئے پچاس اونٹ سفید چپس' دس قنطار لوہا کیل وغیرہ بنوانے کے لئے اور چالیس قطعہ لکڑی برآمدوں کی مضبوطی کے لئے تھی۔ اور علامہ قطب الدین نے ۸۴۳ھ کے واقعات میں بیان کیا ہے کہ ملک الظاہر جقمق جو ملوک جراکسہ کا دسواں بادشاہ تھا' نے امیر سودون المحمدی کو حرم شریف اور کعبہ شریف کی اصلاح و مرمت کا حکم دیا۔ چنانچہ امیر موصوف نے مینارہ باب السلام کے پتھروں کی اصلاح اور سفیدی کرائی۔ باب العمرہ کے مینار کی صلاح' باب الحزورہ کے مینار کی سفیدی' باب علی کے مینار کے نچلے حصہ میں مرمت اور انہیں اطراف میں حرم شریف کے چھت کی اصلاح کا کام کرایا۔ علاوہ ازیں برآمدہ کے ستونوں کے درمیان لگی ہوئی شہتیریوں کی تبدیلی اور اصلاح کرائی مقام ابراہیم حنبلی حنفیہ' قبہ باب ابراہیم اور مسعی میں واقع دو میلوں کی سفیدی کرائی۔

بروز اتوار ۱۶ شوال ۸۴۶ھ میں امیر قیم نے مسجد حرام کے مغربی برآمدوں

Marfat.com

کی بعض چھتیں اتار کر نئی بنوائیں۔ بعد ازاں ۸۴۸ھ میں مغربی حصہ کی تمام چھتیں اور باب الصفاء کی جانب کی چھت بھی تبدیل کرائی۔ اور بروز ہفتہ ۱۵ ربیع الاوّل ۸۴۸ھ کو حطیم کا فرش تبدیل کرنا شروع کیا' اور یہ کام ۱۰ جمادی الاوّل جمعرات کے دن مکمل ہوا۔

۸۵۲ھ ۱۰ رجب اور شعبان میں خواجہ بیرم ناظر الحرم نے حرم شریف کی مشرقی دیوار کا کچھ حصہ جو رباط الاشرف سے ملا ہوا تھا' تعمیر کرایا۔ شامی جانب کے برآمدوں کی سات ڈاٹیں نئی بنوائیں اور چھت کی بعض کرم خوردہ لکڑیاں بھی تبدیل کرائیں۔

۸۵۳ھ میں امیر بردبک ناظر الحرم نے حرم شریف کی بعض چھتیں تعمیر کرائیں۔ ۸۸۱ھ میں حطیم کے اندر اور باہر کا سنگ مرمر تبدیل کرایا گیا۔ شوال ۸۸۵ھ میں حرم شریف کی چھت کی مختلف جگہوں سے سات لکڑیاں تبدیل کی گئیں اور ان کے اوپر چونے سے بنا ہوا مصالحہ لگا دیا گیا۔

ذی الحجہ ۹۱۵ھ باب الدریبہ کی جانب سے اصلاح و مرمت کا کام کرایا گیا۔

اسی طرح محرم ۹۱۶ھ میں باب الدریبہ کی طرف سے حرم کی چھت بھی درست کرائی گئی۔

۹۱۷ھ میں ملک قانصوہ الغوری نے امیر خیر بک المعمار کو حرم شریف کی تعمیر و مرمت کے لئے بھیجا۔ جس نے باب ابراہیم پر ایک بہت بڑی ڈاٹ بنا کر اس پر ایک عالیشان محل بنایا' اور باب ابراہیم کے اندر بھی غرباء' وغیرہ کے لئے جگہ بنائی۔

۱۱۱۲ھ میں ابراہیم بک نے حرم شریف کے اندر اور باہر جہاں جہاں تعمیر و مرمت کی ضرورت تھی کام کرایا۔ باب العمرۃ' باب الحزورہ اور باب السلام کے مینار اندر اور باہر سے مرمت کرائے۔ باب السلام پر لگی ہوئی لکڑیاں تبدیل کرائیں۔

۱۱۳۴ھ میں محمد آفندی المعمار نے باب السلام کی جانب سے بعض فرش تبدیل کرایا۔

امام طبری کی کتاب اتحاف میں ہے کہ ۱۰ ربیع الاوّل ۱۱۴۰ھ میں حرم شریف کے برآمدوں کا فرش پہلی مرتبہ مضبوط اور تراشیدہ پتھروں سے بنوایا گیا' جب

Marfat.com

کہ اس سے پہلے فرش میں چونے کے لگے ہوئے تھے اور محمد آفندی المعمار کا بنایا ہوا فرش ۱۳۵۴ھ تک موجود تھا' لیکن تحصیل المرام کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۸۲ھ کے بعد پتھر کا فرش بنایا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

موصوف نے یہ تمام کام سلطان عبدالحمید خان اول بن سلطان احمد خان ثالث عثمانی کے حکم سے کرایا تھا۔

۱۲۵۷ھ باب البغلہ اور باب الصفاء کے درمیان دو ستون کمزور ہو گئے تھے جنہیں سلطان عبدالحمید خان کے حکم سے ربیع الاول ۱۲۵۷ھ میں مذکورہ ستونوں کی ڈاٹیں اور قبے گرا کر ان کی اصلاح کی گئی اور پھر اس جگہ انہیں نصب کر کے ڈاٹ اور قبہ بنا دیا گیا۔ علاوہ ازیں حرم شریف میں سفیدی بھی کرائی گئی۔ ۱۲۶۳ھ میں فرش میں لگے ہوئے چوکوں کی اصلاح کرائی گئی۔ بعض ستون' مقامات اربعہ اور منبر پر نقش و نگار کرایا گیا اور حرم شریف کی سفیدی کرائی اور ۱۲۶۶ھ میں باب السلام کے اندر سنگ مرمر کا فرش بنایا گیا۔ اور یہ تمام کام سلطان عبدالمجید خان عثمانی کے عہد میں ہوا۔

۱۲۷۹ھ میں سلطان عبدالعزیز خان نے حرم شریف کی مرمت اور اصلاح کا حکم دیا۔ کیونکہ ۸؍ جمادی الاول ۱۲۷۸ھ کو نماز صبح سے قبل سیلاب کا پانی حرم شریف میں داخل ہو گیا تھا' جس کی بلندی باب کعبہ کے تالے تک تھی۔ سیلاب کی وجہ سے اس دن پانچ اوقات کی نماز حرم شریف میں ادا نہ ہو سکی۔ برآمدوں کا فرش' مطاف کا حاشیہ اور گزرگاہیں بہت خراب ہو گئی تھیں۔ چنانچہ عبداللہ بن محمد بن عون امیر مکہ اور شیخ الحرم احمد عزت پاشا نے ۲۸؍ جمادی الثانی ۱۲۷۹ھ کو برآمدوں کے فرش سے قدیم چونے کے نکالنے کا کام شروع کرایا۔ اس طرح مطاف کا حاشیہ اور گزرگاہوں کی تجدید اور مرمت شروع کرائی۔ یہ تمام کام اسی سال ذی الحجہ میں مکمل کرایا گیا۔ (تاریخ عمارۃ المسجد الحرام ۲۶۵ تا ۲۷۴)

Marfat.com

سلطان عبدالحمید عثمانی کی مرمت اور اصلاح

۱۳۱۴ھ میں سلطان موصوف نے حرم شریف کی مرمت اور اصلاح کا حکم دیا کیونکہ ۱۲۷۹ھ سے ۱۳۱۴ھ تک مسلسل ۳۵ سال کسی نے بھی حرم شریف کی مرمت وغیرہ نہیں کرائی۔ جس کی وجہ سے دیواروں کے علاوہ نقش و نگار اور رنگ و روغن کے حالات خستہ ہو چکے تھے۔ اور مکڑی نے جابجا جالے بنا لیے تھے۔ چنانچہ سلطان کے فرمان کے مطابق احمد راتب پاشا ناظر الحرم نے کام شروع کرایا۔ سب سے پہلے لکڑی کی پچاس مضبوط گھوڑیاں بنوا کر قبوں کی صفائی شروع کی۔ جن پر گرد و غبار کے علاوہ پرندوں کی بیٹیں اور مکڑی کے جالے کثرت سے لگے ہوئے تھے۔ اسی طرح ستون اور چھت بھی صاف کرائی۔ سنگ مرمر کے ستون صاف کرانے پر بہت زیادہ محنت کی گئی۔ ایک ایک ستون پر ہفتہ ہفتہ اور دو دو ہفتے صرف ہو جاتے لیکن صفائی کے بعد شیشہ کی طرح چمکتے تھے۔ جہاں کہیں مرمت کی ضرورت تھی مضبوطی کے ساتھ مرمت کرائی۔ مطاف کے حاشیے مقام ابراہیم، چاہ زمزم، حرم شریف کے دروازے اور مقامات اربعہ وغیرہ سب کی اصلاح اور مرمت کرائی۔ جس سے حرم پاک ایسا خوبصورت ہو گیا گویا کہ اسے از سر نو تعمیر کیا گیا ہے۔ کام مکمل ہو جانے پر باب النبی ﷺ پر سنہری حروف میں سلطان عبدالحمید خان کا نام اور تاریخ ۱۳۱۴ھ کندہ کرائی گئی۔

۲۳ ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ کو زبردست سیلاب آیا۔ جس سے حرم شریف سمندر کا منظر پیش کر رہا تھا۔ جب پانی ختم ہوا تو شریف حسین ابن علی امیر مکہ دیگر معززین شہر کے ساتھ حرم شریف میں داخل ہوئے اور صفائی کا کام شروع کرایا۔ تقریباً پندرہ دن کی مسلسل جدوجہد کے بعد صفائی مکمل ہوئی۔ چونکہ سیلاب سے بیس ستون اور فرش خراب ہو گیا تھا لہٰذا اسے مرمت کیا گیا۔ پھر ۱۳۱۴ھ کی ابتداء میں سلطان محمد رشاد

Marfat.com

خان نے غالب پاشا ناظر الحرم کو حرم شریف کی مرمت کا حکم دیا۔ لیکن یہ زمانہ عالمی جنگ کے عروج کا تھا۔ جس میں سلطنت عثمانیہ بھی شامل تھی۔ جنگ کی وجہ سے کاریگروں کا ملنا اور تعمیر کا سامان حاصل کرنا سخت دشوار تھا۔

تاہم یکم صفر کو اس کام پر ترکی معمار لگائے گئے۔ جنہوں نے بعض ستون بھی تبدیل کئے۔ تعمیراتی سامان کی کمی کے باعث ستونوں کو نکالنے اور چھت کو سہارا دینے میں کافی مشکلات کا سامنا ہوا۔ بنا بریں نئے ستون 'سریا' سیمنٹ' پسی ہوئی اینٹیں اور بالوں کے مرکب سے بنائے گئے۔ جن پر چپس بھی لگائی گئی تھی۔ اگرچہ ان کی رنگت دوسرے ستونوں سے مختلف رہی لیکن مضبوطی اور پائیداری میں دوسروں سے کچھ کم نہ تھے۔ اسی طرح بعض دروازے' مینار اور چھت بھی مرمت کی گئی۔ یہ کام یکم صفر سے ۸/ شعبان ۱۳۳۴ھ تک جاری رہا۔ اور اس پر تقریباً پانچ سو گنی عثمانی خرچ ہوئے۔ (تاریخ عمارت مسجد الحرام)

آل سعود کی تعمیر و اصلاح

امام عبدالعزیز بن عبدالرحمن فیصل آل سعود نے جب ملک حجاز کا اقتدار سنبھالا تو انہوں نے ۱۳۴۴ھ میں محمد سعید ابوالخیر مدیر اوقاف کو مسجد حرام کی تعمیر اور اصلاح کا حکم دیا۔ انہوں نے حرم کی دیواروں اور فرش پر جہاں کچھ نقص تھا اسے دور کر دیا۔ مرمت طلب جگہوں کی مرمت کرائی۔ ستونوں کی اصلاح اور رنگ و روغن کر دیا۔ مطاف میں جانے کے لئے راستے' مطاف کا حاشیہ اور دروازے بھی مرمت کرائے۔ مقام ابراہیم کے قبہ پر سبز رنگ کر دیا' مطاف کے گرد واقع پیتل کے برقی کھمبوں کی اصلاح کرائی۔

۱۳۴۶ھ کے اوائل میں ملک عبدالعزیز آل سعود نے مسجد حرام کے اندرونی اور بیرونی حصہ کی مرمت کی خدمت پر شیخ عبداللہ دہلوی کو مامور فرمایا۔ موصوف اس سے قبل نہر زبیدہ کا کام بڑی عمدگی کے ساتھ انجام دے چکے تھے۔ جس کے باعث

Marfat.com

حسن کارکردگی میں خاصی شہرت حاصل کر رکھی تھی اور حرم شریف کی تعمیر کے مقدس کام کو
بحسن وخوبی سرانجام دینے کی پوری صلاحیت اور اہلیت بھی رکھتے تھے۔ انہوں نے سہر
زبیدہ پر کام کرنے والے بعض کاریگروں کا بھی تعاون حاصل کیا۔ اور مرمت واصلاح
کا سامان اور مواد مہیا کر کے جمادی الاول ۱۳۴۶ھ میں کام کا آغاز کر دیا۔
حرم شریف کے چاروں طرف برآمدوں کی مرمت واصلاح کے بعد درماندہ'
باب ابراہیم' صحن کے راستے' ائمہ اربعہ کے چبوترے اور مطاف کے کناروں در
دروازوں کے پتھروں کی مرمت کرائی۔ گنبدوں کو اندر اور باہر سے صاف کرایا۔
دروازوں کی بوسیدہ لکڑی تبدیل کرائی۔
پھر مسجد حرام کی دیواروں اور ستونوں کو روغن سے مزین کیا' البتہ اس بات
کا خاص اہتمام کیا گیا کہ جس رنگ کے پتھر تھے' اسی کے مطابق انہیں روغن کرایا۔
سیاہ' زرد' نارنگی' سرخ' عنابی اور خاکستری رنگوں سے انہیں سجایا۔ سنگ مرمر کے
ستونوں کو گرد وغبار سے صاف کر کے جب روغن و پالش کی گئی تو دودھ کی طرح سفید
چمکنے لگے۔ کیونکہ تقریباً بتیس سال قبل سلطان عبدالحمید خان نے ۱۳۱۴ھ میں رنگ و
روغن کرایا تھا۔
قبۂ زمزم کی چھت مرمت کرائی' اس پر سفید سنگ مرمر لگایا اور دوسرے
مقامات کی طرح اس پر بھی سبز رنگ کرایا۔ مطاف کے گرد واقع بجلی کے پیتل کے
کھمبے سبز رنگ سے سجائے' اور ان کی چوٹی پر سنہری روغن کرایا۔
صحن حرم کی کنکریاں گرد وغبار سے صاف کر کے دوبارہ بچھائی گئیں در
شاذروان یعنی پشتۂ کعبہ کے پتھروں کو اچھی طرح مضبوط کرایا۔ حتی کہ حرم شریف کی
کوئی چیز بھی ایسی نہیں تھی جس کی اصلاح' تجدید' صفائی اور رنگ وروغن کر کے اس
میں اس طرح چمک دمک پیدا کر دی گویا ابھی تعمیر کی گئی ہے۔
یہ عمل مسلسل ایک سال یعنی ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ تک جاری رہا اور کس پر د

Marfat.com

ہزار جنیہ خرچ آئے' جو تمام تر امام عبدالعزیز بن عبدالرحمن الفیصل آل سعود نے اپنی جیب خاص سے ادا کئے۔

۱۹ رمضان المبارک کو ایک مرتبہ پھر مطاف کے گرداگرد پتھروں سے بنے ہوئے فرش کی اصلاح اور مرمت سے حرم شریف کے کام کا آغاز ہوا۔ ۲۳ شوال ۱۳۵۴ھ قبوں کی صفائی اور حرم شریف کے دروازوں کی اصلاح وغیرہ شروع کی گئی۔

اس سے قبل ۱۳۴۵ھ کو بیرون الملک سے آمدہ حجاج کی تعداد تین لاکھ چالیس ہزار کے قریب پہنچ گئی جس کی وجہ سے حرم شریف میں ظہر اور عصر کی نماز دھوپ میں ادا کرنا مشکل ہو گیا۔ حکومت نے حجاج کرام کی اس تکلیف کو شدت کے ساتھ محسوس کیا اور فوری طور پر چھتری نما شامیانوں جن کے نیچے قناتیں بھی تھیں کا انتظام کر دیا گیا' تاکہ حجاج گرمی اور دھوپ سے محفوظ ہو کر دل جمعی سے عبادت کر سکیں۔ مذکورہ سال اسی طرح گزارا گیا' لیکن ۱۳۴۶ھ میں ملک عبدالعزیز السعود نے وزیر مالیات شیخ عبداللہ السلیمان الحمدان کو حکم دیا کہ مذکورہ طرز کے شامیانے عمدہ اور مضبوط نصب کئے جائیں کیونکہ سال گزشتہ میں تند و تیز ہوا سے کئی مرتبہ اکھڑ گئے تھے۔

چنانچہ وزیر موصوف نے موٹی اور مضبوط لکڑی کے ستونوں پر نئے انداز میں خیمے نصب کرائے' جو پہلے شامیانوں کی نسبت ہر لحاظ سے زیادہ مفید اور مضبوط تھے۔ حجاج کے چلے جانے کے بعد انہیں اٹھا لیا گیا' تاکہ آئندہ سال کام میں آ سکیں۔ ان شامیانوں کے سایہ میں دس ہزار سے زائد حجاج نے نمازیں ادا کیں۔

(تاریخ عمارۃ المسجد الحرام ص ۲۸۲ تا ۲۹۰)

حرم کی مرمت اور اصلاحات کا اجمالی خاکہ

حرم شریف کی جزوی مرمت اور مختلف اوقات میں اصلاح وغیرہ کی جو خدمت انجام دی گئی ہے اس کا اجمالی خاکہ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

خلیفہ مہدی عباسی کی تعمیر کے ۶۵۰ سال بعد مرمت کی ضرورت پیش آئی تھی۔

۸۱۵ ھ	قاضی جمال الدین محمد بن عبداللہ بن ظہیرہ مخزومی
۸۲۵ 〃	سلطان اشرف برسبائی
۸۳۰ 〃	سعد الدین ابراہیم بن یوسف الصبلی
۸۴۳ 〃	امیر سوودون المحمدی نے بحکم ملک الظاہر جقمق
۸۴۶ 〃	امیر کم
۸۴۸ 〃	〃
۸۵۲ 〃	خواجہ بیرم ناظر الحرم
۸۵۳ 〃	امیر بردبک ناظر الحرم
۸۸۱ 〃	〃
۸۸۵ 〃	امیر سنقر جمالی
۹۱۵ 〃	خواجہ محمد عبداللہ الروی
۹۱۷ 〃	ملک قانصوہ الغوری
۱۱۱۲ 〃	ابراہیم بک
۱۱۳۳ 〃	محمد آفندی
۱۱۴۰ 〃	〃
۱۲۵۷ 〃	سلطان عبدالحمید خان اوّل
۱۲۶۴ 〃	سلطان عبدالمجید خان
۱۲۶۶ 〃	〃 〃 〃
۱۲۷۹ 〃	سلطان عبدالعزیز خان
۱۳۱۴ 〃	سلطان عبدالحمید عثمانی
۱۳۳۳ 〃	سلطان محمد رشاد خان
۱۳۴۴ 〃	امام عبدالعزیز آل سعود
۱۳۴۶ 〃	〃 〃 〃

Marfat.com

حرم کی توسیعات کا اجمالی خاکہ

حرم شریف یا مسجد حرام جس کی تعمیر اور توسیع کی تفصیلات قارئین پڑھ چکے ہیں اس کا اجمالی خاکہ ملاحظہ ہو

۱۷ھ مطابق ۶۳۸ء امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ
۲۶ھ 〃 ۶۴۶ء امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ
۶۵ھ 〃 ۶۸۴ء سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے سات لاکھ دینار کے
〃 عوض مکانات خرید کر توسیع کی۔
۹۱ھ 〃 ۷۰۹ء خلیفہ ولید بن عبدالملک بن مروان
۱۲۰ھ 〃 ۷۷۶ء اور ۱۶۴ھ مطابق ۷۸۰ء خلیفہ مہدی عباسی
۱۸۱ھ 〃 ۷۹۲ء میں خلیفہ مہدی نے دار شیبہ بن عثمان کو حرم شریف میں داخل کیا۔
۲۷۱ھ 〃 ۸۸۴ء المعتمد باللہ عباسی
۲۸۴ھ 〃 ۸۹۷ء المعتضد باللہ عباسی
۳۰۶ھ 〃 ۹۱۸ء المقتدر باللہ عباسی
۸۰۴ھ مشرقی جانب جل گئی تھی جسے ۸۰۷ھ میں ملک فرج بن برقوق نے تعمیر کرایا۔
۸۲۵ھ سلطان قایتبائی
۸۸۰ھ 〃 ۱۴۷۷ء میں دولت عثمانیہ ترکیہ کی خدمت کا دور شروع ہو
۹۷۲ھ 〃 ۱۵۶۴ء سلطان سلیمان خان
۹۸۰ھ 〃 ۱۵۷۲ء سلطان سلیم خان ثانی

Marfat.com

٩٨٤ھ مطابق ١٥٧٦ء سلطان مراد خان ابن سلیم خان

١٢٧٩ھ سلطان عبدالعزیز عثمانی۔ (دائرۃ المعارف جلد ٩ ص ٣٠٢)

١٣٥٥ھ ، ١٩٣٦ء سلطان عبدالعزیز بن آل سعود

١٣٧٥ھ ، ١٩٥٥ء شاہ سعود اور شاہ فیصل

مسجد حرام کی پیمائش

حرم شریف کا طول و عرض امام ازرقی کے زمانہ ٢٢٣ھ میں حسب ذیل

باب بنی جمح سے باب بنی ہاشم جو مسعیٰ میں سبز میل کے قریب تھا	٤٠٤	ذراع
باب ابراہیم اور انداوہ سے باب صفا تک	٣٠٤	"
مسعیٰ والے مینارے سے باب بنی شیبہ کبیر کے مینار تک	٨٧٠	
باب الاجیاد کے مینار سے باب بنی سہم کے مینار تک۔ (اخبار مکہ ص ٣١٩)	٢٧٨	"
مشرقی جانب مسعیٰ والی دیوار کی مندی	١٨	
جنوبی سمت والی دیوار جو وادی ابراہیم کی طرف تھی	٢٢	"
مغربی دیوار جو باب بنی جمح کی طرف تھی	٢٢ ١/٢	"
شمالی دیوار جو دار الندوہ کی طرف تھی	٩ ١/٢	"
شیخ عباس کرار نے مندرجہ ذیل پیمائش تحریر کی ہے۔ شرقاً غرباً طول	سینٹی میٹر - میٹر	
حرم شریف کی مشرقی دیوار سے مشرقی برآمدے کے ستون تک	٥٠ - ٧٠	
مشرقی برآمدہ سے باب بنی شیبہ تک	٣٠ - ٢٣	
باب بنی شیبہ سے صحن میں مقام مالکی تک	٨٠ - ٣٨	
جنوبی سمت سے مغربی کنارے تک	٣٥ ٥٣	

مغربی برآمدہ سے سامنے والی دیوار تک	۱۴ - ۹
شرقاً غرباً کل طول	۱۹۶ - ۲۴
دار الندوہ سے باب الدریبہ تک	۰۵ - ۱۵
شمال میں مقام حنفی تک	۲۸ - ۶۵
شمالاً جنوباً صحن	۴۷ - ۳۵
مقام حنبلی سے جنوب تک	۳۱ - ۴۰
جنوبی سمت سے باب جیاد صغیر تک	۲۰ - ۵
شمالاً جنوباً طول	۱۴۲ - ۷۰
صحن کا طول شرقاً غرباً	۱۶۴ - ۶۵
صحن کا عرض شمالاً جنوباً (تاریخ حرمین م ص ۴۴)	۷۰ - ۵۰

سعودی حکومت نے حرم شریف کی تعمیر و توسیع کی جو خدمت انجام دی ہے وہ انتہائی قابل قدر اور فقید المثال ہے۔ اس توسیع کے بعد حرم کی پیمائش حسب ذیل ہے

دور الارض	۳۶۰۰۰ میٹر
مسعیٰ	۸۰۰۰ "
قدیم حرم	۱۰۰۰۰ "
مطاف اور صحن	۱۷۰۰۰ "
	۷۱۰۰۰ "

Marfat.com

مسجد الحرام کے دروازے

مسجد حرام جو ایک وسیع و عریض صحن اور بلند و بالا پرشکوہ عمارت پر مشتمل ہے' جس کی تفصیلات گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہیں۔ ابتداء میں قصی بن کلاب نے کعبہ معظمہ کے اردگرد کچھ فاصلہ پر مکانات بنوائے اور ہر دو مکانوں کے بعد راستہ رکھا تاکہ آنے جانے میں سہولت رہے۔ یہی کیفیت حضور اقدس ﷺ کے مقدس عہد میں بھی تھی۔ پھر جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حرم کی تجدید و توسیع کرائی اور چاروں طرف دیوار بنوائی تو اس دیوار میں بھی راستوں کے برابر میں راستے رکھے۔ پھر سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ نے جب اپنے عہد خلافت میں حرم شریف کی توسیع کر کے برآمدے بنوائے۔ تو برآمدوں میں سابقہ روایت کو قائم رکھتے ہوئے جا بجا دروازے رکھے۔ لیکن وہ دروازے بھی صرف گذرگاہ کی شکل میں تھے۔ (چوکھٹ اور کواڑ نہیں تھے) حتیٰ کہ خلیفہ ابو جعفر نے جب توسیع و تعمیر کی خدمت انجام دی تو متعدد دروازے بنائے اور انہیں مختلف ناموں سے موسوم بھی کیا۔ حضور اقدس ﷺ کے عہد مبارک میں نہ تو کوئی باقاعدہ دروازہ تھا نہ ہی کسی خاص نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ بعد کی توسیع و تعمیرات میں جس جس معززین کے مکانات حرم شریف میں داخل کیے گئے' ان اطراف میں انہی کے نام کی نسبت سے دروازوں کے نام بھی رکھ دیے گئے۔

مثلاً جہاں شیبہ بن عثمان کا مکان تھا وہاں جو دروازہ بنایا گیا اس کا نام باب بنی شیبہ رکھا' چونکہ اسی راستہ سے حضور انور ﷺ اپنے گھر تشریف لے جاتے تھے' اس لیے وہ دروازہ باب النبی ﷺ اور باب اسلام کے نام سے بھی شہرت پذیر ہوا۔ اسی طرح دار العجلۃ کی جگہ باب العجلہ اور دار العباس کی جگہ باب العباس بنائے گئے۔

عمدۃ المورخین علامہ ازرقی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ ابو جعفر کی توسیع میں دروازوں کی

Marfat.com

تعداد اور نام اس طرح بیان فرماتے ہیں

۱۔ **باب بنی جمع**: اس میں تین دروازے تھے اور اس کے نیچے سیلاب کا پانی بہتا تھا۔

۲۔ **باب بنی سَہم**: اس میں ایک ہی دروازہ تھا۔

۳،۴۔ **دار العجلہ**: اس میں دو دروازے تھے جن کا ایک ایک طاق تھا۔

۵۔ **باب الندوہ** ، ۶۔ **دار المُجَیر** بن ابی اہاب میں ایک دروازہ تھا اور

۷۔ **دار عمرو** بن العاص میں بھی ایک دروازہ تھا۔ یہ دروازے ابی جعفر المنصور نے بنوائے تھے۔ (اخبار مکہ ص ۳۱۵)

خلیفہ مہدی عباسی کی پہلی توسیع میں پانچ دروازے بنائے گئے۔

(۱) باب دار ابی شیبہ بن عثمان یہ بہت بڑا دروازہ تھا۔ خلفاء اسی سے حرم شریف میں داخل ہوتے تھے اس کو باب بنی عبد شمس بھی کہا جاتا تھا اور اب باب بنی شیبہ الکبیر مشہور ہے۔ اس میں تین دروازے تھے اور دو ستون۔ اس کی دہلیز کے نیچے ایک بڑا پتھر تھا۔ جس کے متعلق یہ بات مشہور تھی کہ یہ ایک بت تھا جس کی زمانہ جاہلیت میں پوجا کی جاتی تھی۔ مگر یہ بات بالکل بے بنیاد ہے۔ (۳) باب دار القواریر بھی ایک دروازہ پر مشتمل تھا۔ (۴) باب النبی ﷺ یہ عطاروں کی گلی کی طرف واقع تھا اور اسی راستہ سے امام الانبیاء ﷺ سیدہ خدیجہ الکبریٰ ؓ کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے اور (۵) باب العباس بن عبدالمطلب یہ تین دروازوں پر مشتمل تھا۔ مروہ کی سمت والے سبز میل کے قریب واقع تھا۔

۱۶۴ھ میں جب خلیفہ مہدی عباسی نے جنوبی سمت میں توسیع کی تو چند مزید دروازے بھی بن گئے جن کے نام یہ ہیں۔ باب بنی ہاشم، باب البقالین اور باب الاجیاد۔ (اخبار مکہ ص ۳۱۷، ۳۱۸)

علامہ ازرقی رحمۃ اللہ علیہ نے تیسری صدی ہجری کے ابتداء میں دروازوں کی تفصیلات اس طرح بیان کی تھیں۔

مسجد حرام میں ۲۳ دروازے ہیں جن کے اندر ۴۳ در ہیں۔

Marfat.com

مشرقی جانب مسعیٰ کی طرف ۵ دروازے ہیں جن میں ۱۱ در ہیں۔

ا۔ باب بنی شیبہ

یہ بہت بڑا دروازہ ہے۔ اسے باب بنی عبدالشمس بن عبد مناف بھی کہا جاتا ہے۔ اس دروازہ کی شہرت زمانہ جاہلیت اور اسلام میں قائم رہی۔ اس میں دو ستون اور تین دروازے تھے۔ اس کی لمبائی ۱۰ ذراع (تقریبا ۱۵ فٹ یا ۴ میٹر ۵۷ سینٹی میٹر) تھی پیشانی پر رنگ برنگ گل کاری کی گئی تھی۔ دروازہ کے اوپر منقش سا گوان کا عظیم الشان روشن دان بنا ہوا تھا۔ جس پر سنہری مینا کاری کی گئی تھی۔ اس کا طول ۲۷ ذراع ۴۰ ۵۰ فٹ اور عرض ۲½ ۳ ذراع (تقریبا ۳، ۱۰ انچ ۵ فٹ یا ۱ میٹر ۹۰ سینٹی میٹر) اور زمین سے اس کی بلندی ۱۷ ذراع (۲۵ فٹ ۶ انچ، ۷ میٹر ۷۷ سینٹی میٹر) دروازہ کے دونوں طرف دیوار پر سرخ اور سفید سنگ مرمر لگا ہوا تھا۔ دہلیز کے اندر چادر بنے تھے جن سے اتر کر حرم میں داخل ہوتے تھے۔

۲۔ باب القواریر

یہ دروازہ دارالقواریر کے صحن کی طرف کھلتا تھا۔ اس میں ایک ہی در تھا۔ اس کا طول ۱۰ ذراع (۱۵ فٹ یا ۴ میٹر ۵۷ سینٹی میٹر) اور عرض ۷ ذراع (۱۰½ فٹ یا ۳ میٹر ۰ سینٹی میٹر) تھا۔

۳۔ باب النبی ﷺ

اس طرف سے حضور نبی کریم ﷺ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے گھر آتے جاتے تھے جو عطاروں کی گلی سے گزرتا تھا۔ مسعیٰ کی طرف سے اس کی صرف ۵ سیڑھیاں تھیں اس میں ایک ہی در تھا۔ طول ۱۰ ذراع (تقریبا ۱۵ فٹ یا ۴ میٹر ۵۷ سینٹی میٹر) اور عرض ۷ ذراع (۱۰½ فٹ یا ۳ میٹر ۱۰ سینٹی میٹر) تھا۔ (امام ابن ظہیرہ نے اس کا نام باب الجنائز لکھا ہے)۔

۴۔ باب العباس

یہ دروازہ سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف واقع تھا۔ اس

Marfat.com

میں دوستون اور تین در تھے۔ ہر ایک در ۱۳ ذراع (۹ فٹ ۶ انچ یا ۵ میٹر ۹۴ سینٹی میٹر) بلند تھا۔ سامنے اور اندر سے منقش اور مینا کاری سے مزین تھا۔ دروازہ کے اوپر منقش ساگون کا روشن دان تھا جس پر سنہری کام کیا ہوا تھا۔ اس کا طول ۲۶ ذراع (تقریباً ۳۹ فٹ یا ۱۱ میٹر ۸۹ سینٹی میٹر) اور عرض ۳ ۱/۲ ذراع (۳ انچ ۵ فٹ یا ۱ میٹر ۹۰ سینٹی میٹر تھا) روشندان کے اوپر والے کنارہ سے دروازہ کی دہلیز تک ۲۳ ذراع (۹ انچ ۳۴ فٹ یا ۱۰ میٹر ۵۹ سینٹی میٹر) فاصلہ تھا۔ دروازہ کے دونوں طرف دیوار پر سفید سرخ اور سبز سنگ مرمر لگا ہوا تھا۔ جس پر آب زر سے نقش و نگار کیا گیا تھا۔ دروازہ کے باہر سات زینے تھے۔

۵۔ باب بنی ہاشم

یہ وادی کی جانب واقع تھا۔ اس کا عرض ۲۱ ذراع (۹ انچ ۳۱ فٹ یا ۹ میٹر ۶۸ سینٹی میٹر) تھا۔ اس میں دوستون اور تین دروازے بنے ہوئے تھے۔ اندر اور باہر سے منقش تھا۔ سفید، سبز اور سرخ سنگ مرمر سے مینا کاری کی گئی تھی۔ دروازہ کے اوپر ۲۴ ذراع (۳۶ فٹ یا ۱۰ میٹر ۹۷ سینٹی میٹر) لمبا روشندان تھا۔ جس کا عرض ۳ ذراع (۴ ۱/۲ فٹ یا ۱ میٹر ۳۷ سینٹی میٹر) تھا، وادی کی جانب سات زینے تھے۔ ابن ظہیرہ نے اس کا نام باب علی لکھا ہے اور یمانی جانب سات دروازے تھے۔

۶۔ باب بنی عائذ

اس میں دوستون اور تین در تھے جن کی بلندی ۱۳ ۱/۲ ذراع (۲ انچ ۲۰ فٹ یا ۹ میٹر ۱۵ سینٹی میٹر) اور چوڑائی ۱۴ ذراع اور ۱۸ انگل (تقریباً ۲۲ فٹ یا ۶ میٹر ۷۰ سینٹی میٹر) تھی۔ دروازہ کے باہر نالہ میں ۱۲ زینے بنے ہوئے تھے۔

۷۔ باب بنی سفیان بن عبدالاسد

دو در پر مشتمل ۱۳ ذراع (۶ انچ ۲۰ فٹ یا ۶ میٹر ۱۵ سینٹی میٹر) اونچے اور ۴ ۱/۲ ذراع (۹ انچ ۱ فٹ یا ۱ میٹر) چوڑا تھا۔ وادی میں دروازہ کے ۱۲ زینے بنے ہوئے تھے۔

Marfat.com

۸۔ باب الصفا

اس میں چار ستون اور پانچ دروازے تھے۔ لمبائی ۱۳½ ذراع (۲۰ فٹ ۳/۱ انچ یا ۶ میٹر ۱۵ سینٹی میٹر) تھی۔ البتہ درمیانی دروازہ ۱۳ ذراع (۲۱ فٹ یا ۶ میٹر ۴۰ سینٹی میٹر) اونچا اور ۳۶ ذراع (۴۴ فٹ یا ۱۳ میٹر ۴۰ سینٹی میٹر) چوڑا تھا۔ سامنے اور اندر سے منقش تھا۔ اور اس کے ملحقہ ستونوں کا نصف حصہ گل کاری سے مزین اور سنہری حروف میں یادگار عبارتیں لکھی ہوئی تھیں۔ سفید، سرخ اور سبز سنگ مرمر سے اس کی تزئین کی گئی اور سنہرے بیل بوٹے بنے ہوئے تھے۔ اس کے باہر ۱۲ سیڑھیاں تھیں۔

۹، ۱۰۔ باب بنی مخزوم:

اس میں دو در تھے جس کا طول ۱۳½ ذراع اور عرض ۱۵ ذراع تھا، اس کے باہر بھی ۱۲ زینے تھے۔ یہاں ایک اور دروازہ باب بنی مخزوم کے نام سے مشہور تھا۔

۱۱۔ باب بنی تیم:

یہ بھی دو دروازوں پر مشتمل تھا۔ بلندی ۱۳½ ذراع (۲۰ فٹ ۳/۱ انچ یا ۶ میٹر ۸۰ سینٹی میٹر) اور عرض ۱۵ ذراع تھا (۲۲ فٹ ۹/۱ انچ یا ۶ میٹر ۸۶ سینٹی میٹر) اور عرض ۱۵ ذراع (۲۲ فٹ ۹/۱ انچ یا ۶ میٹر ۸۶ سینٹی میٹر) تھا۔ اس کے باہر ۲ زینے تھے۔ یہ دروازہ عبداللہ بن جدعان اور عبداللہ بن معمر بن عثمان التیمی کے مکانات کی طرف واقع تھا اور وہ دونوں مکان خلیفہ مہدی عباسی نے حرم شریف میں شامل کر دیئے تھے۔

۱۲۔ باب اُمّ ہانی

یہ دروازہ بنی شمس اور بنی مخزوم کے مکانات کی سمت تھا۔ اس میں دو ستون و تین در تھے۔ بلندی ۱۳ ذراع اور ۱۲ انگل (۲۰ فٹ ۳/۱ انچ یا ۶ میٹر ۷۸ سینٹی میٹر) چوڑائی ۱۴ ذراع اور ۱۲ انگل (۲۱ فٹ ۱۲ انچ یا ۶ میٹر ۴۸ سینٹی میٹر) تھی۔

Marfat.com

باب بنی جمح کی طرف ۲ دروازے ہیں۔

۱۳۔ باب الاجیاد:

اسے باب بنی حکیم بن حزام اور باب بنی زبیر بن العوام بھی کہا جاتا تھا۔ اس میں ایک ستون اور دو طاق تھے۔ اس کی بلندی ۱۳ ذراع (۲۰ فٹ ۳ انچ یا ۶ میٹر ۱۷ سینٹی میٹر) اور چوڑائی ۱۵ ذراع (۲۲ فٹ یا ۶ میٹر ۸۶ سینٹی میٹر) تھی۔ دروازہ کے باہر آٹھ سیڑھیاں تھیں۔

۱۴۔ باب بنی جمح:

اس میں دو دروازے تھے جن کی بلندی ۱۰ ذراع (۱۵ فٹ یا ۴ میٹر ۵۷ سینٹی میٹر) چوڑائی ۱۵ ذراع (۹ انچ ۲۲ فٹ یا ۶ میٹر ۹۴ سینٹی میٹر) تھی۔ دروازہ کے باہر سات زینے تھے۔ اس کی آرائش وتزئین خلیفہ ابوجعفر نے کرائی تھی۔

۱۵۔ باب الخیاطین:

یہ بھی دو دروازوں پر مشتمل تھا' بلندی ۱۳ ذراع (۲۰ فٹ ۳ انچ یا ۲ میٹر ۷ سینٹی میٹر) اور چوڑائی ۲۱ ذراع (۳۱ فٹ ۹ انچ یا ۹ میٹر ۱۸ سینٹی میٹر) تھی' دروازہ کے باہر سات زینے تھے۔ امام ابن ظہیرہ نے اس کا نام باب ابراہیم بیان کیا ہے۔

۱۶، ۱۷۔ باب ابی البختری بن ہاشم:

یہ دروازہ ابی البختری بن ہاشم الاسدی کے مکان کی طرف تھا' جسے بعد میں دار زبیدہ میں داخل کر لیا گیا تھا۔ یہ دار زبیدہ اور مسجد کے درمیان ایک گلی کی طرف کھلتا تھا۔ اس میں ایک ہی در تھا' جو ۱۰ ذراع (۱۵ فٹ یا ۴ میٹر ۵۷ سینٹی میٹر) بلند اور ۵ ذراع (۷ فٹ ۱۲ انچ یا ۲ میٹر ۲۷ سینٹی میٹر) چوڑا تھا۔

ایک اور دروازہ بھی اس گلی میں کھلتا تھا' جو ۱۰ ذراع (۱۵ فٹ) بلند' ۴ ذراع اور ۱۲ انگل (۹ فٹ ۱۰ انچ یا ۲ میٹر ۱۷ سینٹی میٹر) چوڑا تھا۔

Marfat.com

۱۸۔ باب بنی سہم

یہ شمالی سمت میں واقع تھا' اس کا ایک ہی در تھا جو ۱۰ ذراع (۱۵ فٹ) بلند اور ۷ ذراع چوڑا تھا' اس کے باہر ۱۰ زینے تھے۔ بعد میں اس دروازہ کا نام باب العمرہ مشہور ہو گیا۔ امام ابن ظہیرہ نے بھی یہ تصریح کی ہے۔

۱۹۔ باب عمرو بن عاص

یہ بنی سہم کے مینارہ کے قریب تھا۔ ۱۰ ذراع بلند (۱۵ فٹ) اور ۳ ذراع چوڑا تھا۔ اس کے باہر ۷ زینے تھے۔

۲۰۔ باب العجلہ

یہ دار العجلہ کی جگہ واقع تھا' اور اس کے قریب ہی ایک دروازہ بھی تھا جو اس وقت بند کر دیا گیا ہے۔

۲۱۔ باب قعیقعان

اسے باب حجیر بن ابی اہاب بھی کہا جاتا تھا۔ اس کا طول ۱۰ ذراع اور عرض ۹ ذراع اور ۶ انگل تھا۔ اس کے باہر کھلا میدان تھا اور اندر اترنے کے لئے ۹ سیڑھیاں تھیں۔ بعض مورخین نے ۸ سیڑھیاں بھی ذکر کی ہیں۔

۲۲۔ باب الندوہ

یہ دار الندوہ کی جانب تھا۔

۲۳۔ باب شیبہ بن عثمان

اس میں ایک ہی در تھا جس کی بلندی ۹ ذراع اور عرض ۵ ذراع تھا۔ اس کے اندر ۸ زینے اترنے کے لئے تھے۔ (اخبار مکہ ص ۳۲۳ تا ۳۲۹)

سلطان سلیم خان اور سلطان مراد خان کی تعمیر و توسیع کے بعد دروازوں کی تعداد ۱۹ ہو گئی تھی جس کی تفصیلات حسب ذیل ہیں

۱۔ باب السلام

باب السلام یا باب بنی شیبہ یہ دار شیبہ بن عثمان کی طرف واقع تھا' جسے

Marfat.com

دار العلوم بھی کہتے تھے۔ حرم شریف کی توسیع کے باعث یہ دروازہ صحن حرم میں آ گیا۔ (شفاء الغرام ص ۷۷)

امام تقی فاسی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ وہی دروازہ ہے جس کی طرف سے امام الانبیاء حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم حرم شریف میں تشریف لائے اور باب بنی مخزوم سے صفا کی طرف تشریف لے گئے۔ (رواہ بیہقی)

اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس دور میں اس جگہ دروازہ نہیں تھا' لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم میں آمد و رفت اسی راستہ سے ہوتی تھی۔ ۱۶۳ھ میں خلیفہ مہدی عباسی نے حرم کی دوسری توسیع کے وقت اسے بنوایا اور اس پر ایک بلند و بالا عالی شان مینار بھی تعمیر کرایا۔ (شفاء الغرام ص ۷۷)

مؤرخ جلیل امام قطب الدین رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں سلطان سلیم خان اور سلطان مراد خان کی تعمیر جدید میں مذکورہ دروازہ کے بالمقابل ایک انتہائی عالی شان اور دیدہ زیب دروازہ اسی نام سے بنایا گیا جو تین دروازوں پر مشتمل چھ کواڑ والا تھا۔ اسے اس قدر پختہ اور مضبوط بنایا گیا کہ صدیاں گزر جانے کے باوجود مرمت کی ضرورت پیش نہ آئی۔ اس کے درمیانی در میں ایک چھوٹا سا دروازہ بھی تھا' جو رات کے وقت کھلا رہتا تھا۔ (اعلام الاعلام ص ۴۲۳)

علامہ طاہر کردی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں نبی علیہ السلام کی حرم میں اس طرف سے آمد و رفت کی وجہ سے اس دروازہ کو باب السلام کہا جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہی حرم اور مطاف کی حد تھی۔ حرم اور مطاف کی باقی توسیع کے بعد خلفاء حسب ضرورت کراتے رہے جس کی وجہ سے یہ دروازہ صحن میں آ گیا' لیکن شاہ سعود نے مطاف میں کشادگی اور آسانی کے پیش نظر ۱۱ رجب ۱۳۸۷ھ میں اسے ہٹا دیا اور اس کی نشاندہی کی خاطر فرش میں کالے سنگ مرمر کی ایک پٹی بنوا دی۔ (تاریخ القویم جلد ۴ ص ۵۸)

(۱۴۰۰ھ میں مطاف کی توسیع کے وقت مذکورہ پٹی بھی ختم کر دی گئی)۔

Marfat.com

۲۔ باب الجنائز

اسے باب النبی ﷺ اور باب الطاقان بھی کہا جاتا ہے۔ اکثر اسی دروازہ سے جنازے حرم شریف میں لے جا کر باب کعبہ کے سامنے نماز جنازہ پڑھی جاتی تھی۔ اس کے منہدم ہو جانے پر ۸۲۶ھ میں امیر مقبل القدیدی نے اس کی نئی تعمیر کرائی جو ۹۸۸ھ تک قائم رہی۔

علامہ قطب الدین بخشی لکھتے ہیں کہ ہمارے دور میں جنازے باب العباس سے داخل ہوتے اور باب السلام سے نکلتے ہیں۔

۳۔ باب العباس:

مسعیٰ کی طرف اس کے سامنے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا گھر تھا۔ اسی نسبت سے یہ نام رکھا گیا۔ ۸۲۶ھ میں امیر مقبل القدیدی نے اس کی تعمیر و مرمت کرائی۔ اس کے تین در تھے اور ہر ایک در میں دو کواڑ تھے۔

۴۔ باب علی

اسے باب بنی ہاشم اور باب البطحا بھی کہا جاتا تھا۔ حرم شریف کے بائیں حصہ میں واقع تھا۔ اس کے بالمقابل مغرب میں باب الحزورہ ہے۔ ۸۲۶ھ میں امیر مقبل القدیدی نے تعمیر کرایا' اس میں تین در تھے۔

۵۔ باب باذان:

اس کا دوسرا نام باب بنی عائذ بھی ہے۔ نہر زبیدہ میں اترنے کے لئے تین مقامات پر سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ جن میں سے ایک جگہ اس دروازہ کے قریب تھی اور اسی نسبت سے یہ نام بھی مشہور ہوا' کیونکہ باذان سیڑھی کے ذریعہ نہر میں اترنے کی جگہ کو کہا جاتا ہے۔

۶۔ باب العجلہ

قدیم زمانہ میں اس جانب ایک جگہ کا نام دار العجلہ تھا۔ اسی نسبت سے یہ نام رکھا گیا۔ اس کا ایک ہی در تھا۔ ۸۲۶ھ میں امیر مقبل القدیدی نے اس کی

Marfat.com

مرمت کرائی تھی۔ (اعلام الاعلام ص ۳۱۰، ۳۱۱)

۷۔ باب الصفا:

اس طرف قبیلہ بنی مخزوم آباد تھا جس کی وجہ سے فقہاء کرام نے اس کا نام بنی مخزوم بھی ذکر کیا ہے۔ یہ دروازہ بہت بڑا تھا اور اس کے پانچ در تھے۔

۸۔ باب اجیاد صغیر:

اسے باب الخلاقین بھی کہا جاتا تھا' اور امام ازرقی نے اس کا نام بھی باب بنی مخزوم لکھا ہے۔

۹۔ باب الرحمہ:

اس سمت میں الملک المجاہد صاحب یمن کا مدرسہ تھا جس کی نسبت سے اس کا نام باب المجاہدیہ بھی ذکر کیا گیا ہے۔

۱۰۔ باب مدرسہ شریف عجلان:

اس طرف مدرسہ شریف عجلان تھا اور اسے باب بنی تیم بھی کہا جاتا تھا۔

۱۱۔ باب امّ ہانی:

سیدہ امّ ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا کا مکان اس طرف تھا۔ اسے باب الملاعبۃ اور باب الفرج بھی کہا جاتا تھا۔ ان کے مکان کے قریب ہی زمانہ جاہلیت میں ایک کنواں بھی تھا۔ چنانچہ خلیفہ مہدی عباسی نے دوسری توسیع کے وقت یہ مکان اور کنواں حرم شریف میں شامل کر کے اس کے بدلے باب الحزورہ کے قریب حرم سے نکلتے ہی بائیں جانب کنواں بنوایا جس کے پانی سے لاوارث میت کو غسل دیا جاتا تھا۔

مکہ مکرمہ کے شرفاء' سادات اور معززین شہر آل حسن بن علی وغیرہ اسی دروازہ سے حرم شریف میں داخل ہوتے تھے۔ مغربی جانب تین دروازے تھے۔

(اعلام العلام ص ۱۰۷)

۱۲۔ باب الحزورہ:

جسے عوام باب العزورہ بھی کہتے ہیں' باب بنی حکیم بن حزام' باب بنی الزبیر

Marfat.com

بن العوام اور خطہ حزامیہ کے متصل ہونے کی وجہ سے باب الحزامیہ بھی کہا جاتا تھا۔

۱۳۔ باب الابراہیم:

ابراہیم نامی خیاط کی طرف منسوب یہ بہت بڑا دروازہ تھا۔ قدیم کتب میں اس کا نام باب الخیاطین بھی آیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ باب خیاطیں اور باب بنی جمح دونوں کی جگہ ایک ہی بڑا دروازہ بنا کر باب ابراہیم کے نام سے موسوم کیا گیا۔

۱۴۔ باب العمرہ:

اس کا پہلا نام باب بنی سہم تھا۔ لیکن جب تنعیم سے عمرہ کا احرام باندھ کر آنے والے زائرین عموماً اس دروازہ سے حرم میں داخل ہونے لگے تو یہ باب العمرہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ (اعلام الاعلام ص ۱۵۹)

علامہ ابن جبیر لکھتے ہیں۔

یہ دروازہ حرم شریف کی مغربی جانب واقع ہے۔ مدینہ منورہ۔ جدہ اور شام کی طرف راستہ یہیں سے نکلتا ہے۔ قریب ترین میقات تنعیم سے عمرہ کرنے والے اسی دروازہ سے نکلتے اور داخل ہوتے ہیں جس کے باعث یہ باب العمرہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ (سفرنامہ ابن جبیر ص ۱۱۰)

۱۵۔ باب السدہ

کسی زمانہ میں اسے بند کر دینے کی وجہ سے یہ نام مشہور ہوا۔ مگر دوبارہ کھول دینے کے بعد اسے باب عمرو بن العاص بھی کہا جاتا تھا۔

۱۶۔ باب الدریبہ:

باب السلام سے داخل ہوتے وقت دائیں جانب واقع ہے (آج کل یہ دروازہ دوسری منزل کی طرف جاتا ہے)۔

۱۷۔ باب السویقہ

دار اسدوہ کے اضافہ کے سامنے واقع ہے۔

۱۸۔ باب الزیادہ

باب السویقہ سے حرم میں داخل ہوتے وقت دائیں جانب واقع ہے۔

Marfat.com

۱۹۔ باب الباسطیہ

مدرسہ عبدالباسط کے متصل واقع تھا۔ اسے باب العجلہ بھی کہتے تھے۔

(اعلام الاعلام ص ۲۲۳، ۲۲۴)

علامہ شمس الدین ابی عبداللہ المقدسی المعروف بشاری نے انیسویں صدی کے آغاز میں دروازوں کے نام اور تعداد مندرجہ ذیل بیان کی ہے۔

حرم شریف کے ۱۹ دروازے ہیں۔

باب بنی شیبہ، باب النبی ﷺ، باب بنی ہاشم، باب زیاتین، باب البزازین، باب الدقاقین، باب بنی مخزوم، باب الصف، باب زقاق الشطوی، باب التمارین، باب دارالوزیر، باب جیاد، باب الحزورہ، باب ابراہیم، باب بنی سہم، باب بن حج، باب العجلہ، باب الندوہ اور باب المشاورۃ۔ (احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم ص ۷۳)

مؤرخ علامہ الشیخ رفعت پاشا رحمۃ اللہ علیہ نے حسب ذیل دروازے ذکر کیے ہیں چھوٹے بڑے دروازوں کی کل تعداد ۲۵ بیان کی ہے۔ مشرق اور مغرب میں ۵، شمال میں ۸۔ اور جنوب میں ۷۔ ان میں سے چھ چھوٹے ہیں جو کھڑکی کا حکم رکھتے ہیں اور ۱۹ بڑے ہیں۔

مشرق میں باب السلام، باب النبیؐ، باب عباس اور باب علی یا باب بنی ہاشم۔ مغرب میں باب عمرہ، باب ابراہیم اور باب الوداع۔ شمال میں باب دریبہ، باب زیادت، باب القطبی، باب الباسطیہ اور باب العتیق۔ اور جنوب میں باب ام ہانی، باب بنی تیم، باب الرحمۃ، باب اجیاد صغیر، باب البغلہ اور باب بذان، باب ماذنہ، باب السلام، باب ماذنہ باب علی، باب ماذنہ باب الوداع، باب ماذنہ باب عمرہ اور باب ماذنہ باب الحریدیت۔ (مراۃ الحرمین جلد ا ص ۲۲۸)

مذکورہ بالا تفصیلات قدیم تعمیرات اور بالخصوص سلطان مراد خان کی تعمیر تک بیان ہوئی ہیں۔ اس کے بعد جب خاندان سعود کا آفتاب حجاز کے افق پر چمکا تو انہوں نے حرم شریف کی عجوبہ روزگار عمارت بنائی جس کے باعث دروازوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوگیا۔ جن کی ابتدائی تفصیل اس طرح ہے۔

Marfat.com

قدیم ہیئت پر باقی دروازے

صفا کی جانب	۳ عدد
مروہ کی جانب	۳ //
باب عمرہ کی جانب	۲ //
باب السلام کی جانب	۱ //
	۹ عدد

جدید تعمیر میں کل تعداد

منطقہ جیاد کی طرف	۵ عدد
باب ملک عبدالعزیز کی طرف	۳ //
باب ملک اور باب عمرہ کے درمیان	۹ //
باب عمرہ کے اندر	۳ //
باب عمرہ اور باب السلام کے درمیان	۹ //
باب السلام کبیر کے اندر	۳ //
باب السلام صغیر کی طرف	۱ //
مسعیٰ میں وادی ابراہیم کی طرف	۱۰ //
مسعیٰ میں باب السلام کی طرف	۴ //
کل تعداد	۵۰ عدد

بعض دروازے مندرجہ ذیل ناموں سے بھی موسوم تھے

شرقی جانب باب قائت بائی۔ شمالی جانب باب الزمامیہ، باب العجلی، باب المحکمہ اور باب السلیمانیہ۔ مغربی جانب باب الوداع اور باب داؤدیہ۔ جنوب میں باب النساء، باب الحکیمیہ اور باب المحدیہ۔ باب بنی شیبہ، باب ابراہیم، باب عمرہ، باب دارالندوہ، باب الحزورہ اور باب النبی ﷺ قدیم ہیئت پر قائم ہیں۔ جب کہ دیگر ابواب فن تعمیر کی منہ بولتی تصویر ہیں۔ (تاریخ حرمین عربی ص ۱۸۷، تاریخ حرمین محمدی ص ۷۶)

محمد بن عوض بن لادن کنٹریکٹر حرم شریف کی مطبوعہ تفصیلات ۱۳۹۸ھ کے مطابق اس وقت چھوٹے بڑے ۶۲ دروازے ہیں۔

راقم آثم نے حسب ذیل دروازے اور کھڑکیاں ۳۱ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو شمار کیے تھے۔

باب ملک عبدالعزیز، باب الاجیاد، باب بلال، باب الحنین، باب اسماعیل، باب الصفا، باب ارقم کے اوپر دوسری منزل میں دو دروازے جو محلہ جیاد کی سمت پل کی طرف کھلتے تھے پل ختم ہو جانے کی وجہ سے آج کل بند پڑے ہیں۔

صفا سے مروہ تک باہر کی جانب، باب الصفا، باب ارقم، باب بنی ہاشم یا باب علی، باب عباس، باب النبیؐ، باب السلام، باب بنی شیبہ، باب الحجون، باب المدعٰی، باب المعلاۃ اور باب المروہ۔

مروہ کے اندر کی جانب باب المروہ کے بالمقابل باب القریش، باب المقدس، باب ذی طویٰ، باب عمر بن عبدالعزیز، باب سلطان مراد۔

محلہ شامیہ کی سمت باب الدریبہ، باب الحدیبیہ، باب القرارہ، باب الفتح، باب عمر الفاروق، باب الندوہ، باب الشامیہ، باب القدس، اور باب عمرہ۔

باب عمرہ سے باب ملک عبدالعزیز تک: باب المدینہ، باب ابوبکر الصدیق، باب الکبرٰی، باب ام ہانی، باب ابراہیم اور باب الوداع۔

علاوہ ازیں کچھ دروازے تہہ خانہ میں اور کچھ دوسری منزل میں واقع ہیں؛ جن کی تعداد اور نام معلوم نہیں ہو سکے۔

کھڑکیوں کی تفصیل اس طرح ہے:

صفا اور مروہ کے درمیان ۱۲ دروازے اور ۵۳ کھڑکیاں۔ ہر دروازہ کے اوپر تین مستطیل روشندان بنے ہوئے ہیں۔ اسی سمت کی دوسری منزل میں ۶۵ محراب نما کھڑکیاں ہیں۔ ان کے اوپر بھی تین تین مستطیل روشندان ہیں۔ روشندان کے اوپر گول دائرہ میں ایک جگہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور دوسری جگہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا ہے۔ صفا کی جانب ایک جگہ کھڑکی کے بغیر بھی محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے۔ اس طرح ۳۸

Marfat.com

مرتبہ کلمہ شریف لکھا ہوا ہے۔ یونہی ہر ایک دروازہ کے اوپر بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھی ہوئی ہے۔ ہر کھڑکی کے اندر ایک ایک ایئر کنڈیشن لگا ہوا ہے' کھڑکیوں میں ڈیڑھ انچ موٹی چینل کی گرل لگی ہوئی ہے۔ صفا سے مروہ تک یعنی مسعیٰ کے اندر کی طرف ۷ گزرگاہیں ۵ دروازے اور ۱۸ کھڑکیاں ہیں۔

صفا اور مروہ سے دوسری منزل کو جانے کے لئے ۲۵ سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ دوسری منزل میں پہنچ کر مسعیٰ تک جانے کے لئے مزید ۸ سیڑھیاں چڑھنی پڑتی ہیں۔ مروہ کے اوپر مستطیل گیلری سی ہوئی ہے' جس کے دائیں بائیں ایک ایک کمرہ بنا ہوا ہے' اور پشت کی جانب بازار کے برابر میں دو بڑے دروازے ہیں' اور درمیان میں پل بنا ہوا ہے۔ مروہ کی چھت میں ۲۲ خوشنما روشن دان بنے ہوئے ہیں' جن میں انتہائی دلفریب رنگا رنگ چھوٹے چھوٹے شیشے لگے ہیں۔ جن پر اَللّٰہُ اَکْبَرُ لکھا ہے۔ اندر کی جانب سیڑھیوں تک (یعنی مروہ سے باب دریبہ تک) ۲۷ محراب نما کھڑکیاں' ان کے بعد ۴ کھڑکیاں پھر گزرگاہ۔ اس کے بعد پھر ۴ کھڑکیاں اور ان کے بعد گزرگاہ اور پھر صفا تک ۲۴ کھڑکیاں ہیں۔ اس طرح کل ۵۹ کھڑکیاں اور ۳ گزرگاہیں ہیں۔ جب کہ صرف ۲۶ کھڑکیوں پر روشن دان بنے ہوئے ہیں۔

صفا پر واقع گنبد میں ۳۴ مستطیل روشندان ہیں' جن پر مختلف اقسام کے چھوٹے چھوٹے شیشوں سے انتہائی دلکش مینا کاری کی گئی ہے۔ ان پر بھی اللہ اکبر لکھا ہوا ہے۔ صفا کی دوسری منزل سے باہر جانے کے لئے تین بڑے دروازے بنے ہوئے ہیں۔ لیکن باہر سڑک کی توسیع کے باعث پل گرا دیا گیا تھا اور دروازے بھی بند تھے۔ مگر حج کے بعد پل تعمیر ہو جانے پر دروازے کھول دیے گئے تھے۔

۱۹۷۹ء میں حرم شریف پر جو حملہ ہوا تھا اس کے بعد کئی چیزوں میں تبدیلی واقع ہو گئی۔ اسی سلسلہ میں حرم شریف کے بعض دروازے عارضی اور بعض مستقل طور پر بند کر دیے گئے ہیں۔ اُس دلدوز واقع میں باب الفتح' باب العمرہ اور باب مراد وغیرہ کے کواڑ ۱۴۰۳ھ تک موجود نہیں ہیں' جو مرمت کرنے کے بعد کھول دیے گئے تھے۔

Marfat.com

حرم کے دربان

حرم محترم کی حفاظت' صفائی اور جانوروں وغیرہ سے محفوظ رکھنے کی غرض سے دروازوں پر دربان مقرر کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی' تو اس ذی وقار خدمت پر عالم اور متقی حضرات کو مامور کیا گیا۔ لیکن ان کے حفظ مراتب اور ادب و احترام میں کمزوری کے باعث عام لوگوں کو تعینات کیا جانے لگا۔ جیسا کہ مورخ شہیر الشیخ عبداللہ الغازی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۳۶۵ھ اپنی کتاب "افادۃ الانام بذکر اخبار بلد اللہ الحرام" میں لکھتے ہیں کہ ۸۳۰ھ میں حج کے موقع پر فقہاء اور قضات کی جگہ فقرا اور مساکین لوگوں کو بطور ملازم مقرر کیا گیا۔ جو شب و روز حرم ہی میں رہتے تھے۔ اور وہ دربان حرم شریف کی صفائی اور نگہداشت کی خدمت بھی انجام دیتے تھے۔ اور انہیں دس اشرفیاں ماہوار دی جاتی تھیں۔

ایام حج کے علاوہ صرف چار دروازے ہر وقت کھلے رہتے تھے۔ باب اسلام' باب العمرہ' باب ابراہیم اور باب الصفا۔

۱۳۹۷ھ میں تیس دربان متعین تھے' جن کا تعلق عام لوگوں سے تھا۔ جن میں زیادہ تعداد اہل یمن کی تھی۔ (تاریخ قویم جلد ۵ ص ۱۸۸،۱۸۹)

بعد میں ہر ایک دروازہ پر ایک سے زائد دربان مقرر کئے گئے' جن میں برقعہ پوش عورتیں بھی اس خدمت پر مامور ہیں۔ حرم محترم اور زائرین کی حفاظت کی غرض سے سامان کی چیکنگ بھی دربان کرتے ہیں۔

Marfat.com

مطاف کا فرش

اسلام کی ابتداء تک مطاف کا فرش سادہ اور کچا تھا' لیکن جب سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کعبہ شریف تعمیر کیا تو تعمیر سے بچے ہوئے پتھروں کا مطاف میں فرش بنا دیا۔ جس کی چوڑائی ۱۰ ذراع یعنی ۱۵ فٹ ۴ میٹر ۵۷ سینٹی میٹر تھی۔ اور وہ فرش امام فاکہی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ تک قائم رہا۔ حج کے ایام میں اس پر ریت ڈال کر پانی کا چھڑکاؤ کر دیا جاتا تھا' جس سے طواف کرنے والوں کو چلنے میں آسانی ہوتی تھی۔ ریت کا ذخیرہ باب بنی سہم کے قریب ہر وقت موجود رہتا۔ وقت ضرورت مطاف میں ڈال دی جاتی' دن میں کئی مرتبہ پانی کا چھڑکاؤ ہوتا۔ گرمیوں میں نوعمر لڑکے زمزم کے مشکیزے کندھوں سے لٹکائے طواف کرنے والوں کو پانی پلاتے تھے۔ (اخبار ام القریٰ ص ۵)

امام فاسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ۶۳۱ھ میں المستنصر باللہ نے فرش تبدیل کرایا اور اس کا نام باب کعبہ کے قریب شاذروان کے ایک پتھر پر کندہ کیا گیا۔ ۷۶۶ھ میں ملک اشرف شعبان شاہ مصر نے نیا فرش بنایا۔ بعد میں ملک منصور لاجین المنصوری نے اس کی تجدید کرائی۔ اور موصوف کا نام رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان ایک پتھر پر لکھ دیا گیا۔

امام موصوف نے مطاف کی مختلف جہات سے جو پیمائش کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ پچیس سے ۳۰ گز تک چوڑا تھا۔ (شفاء الغرام ص ۹۸)

علامہ حموی نے ۶۲۶ھ میں لکھا تھا کہ مطاف کے فرش پر ریت ڈالی جاتی ہے' اور باقی صحن حرم میں کنکریاں پڑی ہوئی ہیں۔ (معجم البلدان جلد ۷ ص ۲۵۷)

علامہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے حسب ذیل پیمائش بیان کی ہے۔

حطیم کی دیوار سے مصلیٰ حنفی تک ۲۲ ذراع یعنی ۳۳ فٹ یا ۱۰ میٹر ۶ سینٹی

Marfat.com

میٹر۔ اور مستجارہ سے دوسری جانب تک ۳۰ ذراع ۴۵ فٹ یا ۱۳ میٹر ۱۷ سینٹی میٹر۔ رکن یمانی سے مطاف کے کنارہ تک ۲۸ ذراع یعنی ۴۲ فٹ یا ۱۲ میٹر ۸۰ سینٹی میٹر اور مطاف کا دائرہ صحن سے ۳ ذراع یعنی ۴ فٹ ۶ انچ یا ایک میٹر ۳۷ میٹر اونچا ہے۔

مطاف میں ۳۳ ستون تھے جن میں سے ۳۱ پیتل کے اور دو سفید سنگ مرمر کے تھے' ہر ستون کے نیچے پتھر کی چوکور کرسی بنی ہوئی تھی۔ اور ہر دو ستونوں کے درمیان کمان کی مانند ایک لکڑی قلعی سے مرصع لگائی گئی تھی۔ جس کے ساتھ قندیلیں لٹکائی جاتی تھیں۔ ستونوں کے باہر مطاف کا حاشیہ بنا ہوا تھا۔ جس میں باقی صحن حرم کی طرح کنکریاں بچھی ہوئی تھیں' اس کے بعد وزیر سنان پاشا نے پورے حرم میں پتھر کا فرش بنوا دیا۔ (اعلام الاعلام ص ۳۳۰)

علامہ ابن جبیر اندلسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں' مطاف کا فرش پتھر کی بڑی بڑی چٹانوں کا ہے۔ جن میں سیاہ' سفید اور بھورے رنگ کے پتھر لگے ہیں اور اس کی چوڑائی ۹ قدم ہے۔ اس کے باہر حرم شریف کے سارے صحن میں سفید ریت بچھی ہوئی ہے۔ عورتیں اسی ریت پر طواف کرتی ہیں۔ (سفرنامہ ابن جبیر ص ۷۱)

علامہ محمد لبیب البتونی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں' مطاف بیضوی شکل کا ہے' کعبہ شریف سے جنوبی اور مغربی سمت میں ۱۹ میٹر چوڑا اور مشرقی اور شمالی سمت میں ۱۲ میٹر ہے۔ جب کہ شمالاً جنوباً مطاف کا قطر ۵۱ میٹر اور شرقاً غرباً ۳۱ میٹر ہے۔ اس طرح کعبہ شریف کا ایک شوط (طواف کا ایک چکر) ایک سو میٹر کا ہے اور سات شوط سات سو میٹر کا سفر بن جاتا ہے۔ (رحلۃ الحجاز ص ۱۴۲)

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حرم شریف میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کنکریاں بچھانے کی ابتداء کی تھی۔ امام فاکہی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے دور میں چار سو دینار کی سالانہ کنکریاں ڈالی جاتی تھیں۔ البتہ ۲۵۱ھ سے ۲۵۶ھ تک یہ سلسلہ موقوف رہا۔ پھر ۲۶۲ھ میں تمام کنکریاں سیلاب کی نذر ہو گئیں۔ بعد ازاں

Marfat.com

بے قاعدگی سے ڈالی جاتی رہیں۔ یہاں تک کہ ۱۳۹۸ھ میں مطاف کی توسیع کے باعث پورے صحن حرم میں سنگ مرمر کا فرش بنا دیا گیا اور کنکریاں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دی گئیں۔

۱۳۶۷ھ میں علامہ طاہر کردی نے قدیم مطاف کی حدود اس طرح بیان فرمائی ہیں

باب کعبہ والی دیوار سے مطاف کے آخر تک یعنی مقام ابراہیم تک سینٹی میٹر۵۰ - ۱۱ میٹر

مغربی دیوار سے مطاف کے کنارے تک ״ ۶۵ - ۱۲״

جنوبی دیوار سے مطاف کے کنارے تک سینٹی میٹر۲۰ - ۱۵ میٹر

حطیم کی دیوار کے وسط سے مطاف کے آخر تک ״ ۰۰ - ۱۳״

نئے مطاف کی حدود حسب ذیل ہیں۔

کعبہ شریف کی مشرقی دیوار سے مطاف جدید کے آخر تک سینٹی میٹر۸۰ - ۲۶ میٹر

مغربی دیوار سے مطاف جدید کے آخر تک ״ ۳۰ - ۲۷״

جنوبی دیوار سے مطاف جدید کے آخر تک ״ ۷۰ - ۲۶״

حطیم کی دیوار● کے وسط سے مطاف جدید کے آخر تک ״ ۶۵ - ۱۲״

۱۳۸۳ھ میں جب مطاف کشادہ کیا گیا تو اس کے اندر صفوں کی مانند سیاہ سنگ مرمر کی ۸ لائنیں بنا دی گئیں جو نبی ﷺ کے دور میں مطاف کی حدود سے باہر ہیں۔ بعض لوگوں کا یہ خیال بھی ہے کہ مختلف اوقات میں مطاف کی توسیع کی یہ علامت ہیں۔

روزنامہ جنگ راولپنڈی مورخہ ۷ اپریل ۱۹۷۸ء کی ایک خبر کے مطابق سعودی حکومت نے مطاف کو مزید وسیع کرنے کے لئے ایک جامع منصوبہ تیار کیا ہے

● تاریخ القویم جلد۳ ص ۱۰۵

Marfat.com

جو ایک پاکستانی انجینئرنگ مشاورتی کمپنی کا تیار کردہ ہے۔ اس توسیع کے بعد ۲۸ ہزار افراد بیک وقت طواف کر سکیں گے جب کہ موجودہ مطاف میں چار ہزار افراد کی گنجائش ہے۔

چنانچہ اس منصوبہ کے تحت ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۸ء میں پورے صحن حرم کو مطاف میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ چاہ زمزم کا راستہ برآمدوں کے قریب بنایا گیا ہے۔ مؤذن کا چبوترہ پہلی جگہ کے متصل برآمدہ میں منتقل کر دیا گیا' منبر اٹھایا گیا' بجلی کے کھمبے ختم کر دیئے گئے اور سارا صحن ہموار کر کے ہر طرف سنگ مرمر کا فرش بنا دیا گیا۔ فرش میں یہ جدت بھی کی گئی ہے کہ چھوٹی چھوٹی سلوں کی بجائے پورا مصلّیٰ سنگ مرمر کا بنا کر ہر سمت سے کعبہ کی جانب صحیح رخ میں نصب کیا گیا ہے۔ تاکہ نماز میں صفیں بھی سیدھی رہیں۔ اس طرح صحن میں نہ تو کوئی کچی جگہ باقی رہ گئی اور نہ ہی کنکریاں' اب پورا صحن سنگ مرمر سے مزین مطاف کا کام دے رہا ہے۔

۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۹ء میں شاہ خالد بن شاہ عبدالعزیز نے مطاف کی جو توسیع کرائی اس کی تفصیل اس طرح ہے۔ ۱۲/ ذیقعدہ ۱۴۰۲ھ مطابق ۳۱/ اگست ۱۹۸۲ء کو صحن یا مطاف کی کیفیت یہ تھی۔ عثمانی تعمیر کے اندر اندر پورے صحن میں گول دائرہ کی شکل میں سیاہ سنگ مرمر سے صفیں بنی ہوئی ہیں' صفوں کی چوڑائی تقریباً ۴ فٹ ہے۔ جب کہ تمام مصلے ایک ایک پتھر کے بنے ہوئے ہیں۔ جن کی چوڑائی مختلف ہے۔ ایک' ڈیڑھ اور دو فٹ تک چوڑے ہیں۔

چونکہ صحن حرم بالکل گول نہیں ہے اور نہ ہی کعبہ شریف سے عثمانی تعمیر کا فاصلہ ہر سمت سے یکساں ہے' اس لئے کعبہ شریف کے چاروں ارکان اور جہات اربع سے صفوں کی تعداد بھی مختلف ہے۔

رکن حجر اسود سے	۶۰	صفیں
رکن یمانی سے	۵۲	〃
رکن عراقی سے	۳۸	〃

Marfat.com

رکن غربی سے	۵۱	"
دروازہ والی دیوار سے	۶۷	"
حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان سے	۳۸	"
رکن یمانی اور رکن غربی کے درمیان سے	۵۳	"
حطیم کی جانب سے	۳۰	"

اس طرح اب تمام صحن حرم مطاف میں تبدیل ہو چکا ہے۔

Marfat.com

باب چهارم

ملحقاتِ حَرم

Marfat.com

فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ

- مقام ابراہیم
- آبِ زمزم
- منبر مبارک

Marfat.com

ان اول بيت وضع للناس للذي ببكة مباركا وهدى للعالمين
فيه آيات بينات مقام ابراهيم
ومن دخله كان آمنا ولله على الناس حج البيت
من استطاع اليه سبيلا ومن كفر فان الله غني عن العالمين
كتبه ورسمه محمد طاهر الكردي الخطاط

مقام ابراہیم کے اندر کا نقشہ

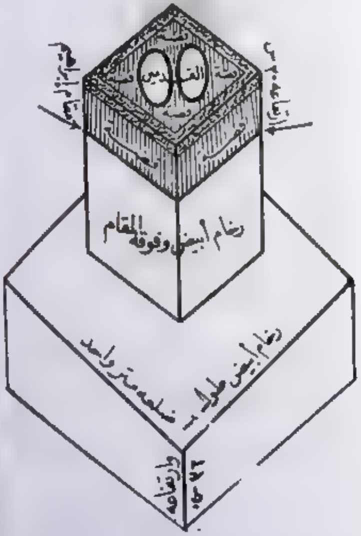

Marfat.com

مقام ابراہیم

اللہ رب العزت نے مقام ابراہیم علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید میں بڑے اہتمام سے کیا ہے۔ یہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا ایک زندۂ جاوید معجزہ ہے جس کے ساتھ حسین وجمیل اسلامی اور تاریخی یادیں وابستہ ہیں۔ تاریخ اسلام کا یہ مہتاب اپنی نرالی شان کے ساتھ کعبہ شریف کے دروازہ کے سامنے گیارہ میٹر کے فاصلہ پر جلوہ نما اور مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔

سرورِ کائنات فخر موجودات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حجر اسود اور مقامِ ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی روشنی کو بند کر دیا ہے۔ ورنہ یہ مشرق سے مغرب تک ہر ایک چیز کو منور کر دیتے۔ (ترمذی شریف جلد اص ۱۰۷)

جنت کا یہ یاقوت ایک تابناک تاریخ کا حامل ہے۔ اس کی عظمتوں رفعتوں اور شرف ومجد کے روح پرور تذکرہ سے تاریخ کے اوراق لبریز ہیں۔ اسلامی عظمتوں کے اس عظیم شاہکار کے تاریخی پس منظر کو محدثین عظام مفسرین اعلام اور امت کے مشاہیر مؤرخین نے نہایت تزک واحتشام اور بے حد اہتمام واحترام سے اپنے علمی شہ پاروں کی زینت بنایا ہے۔

اس عظیم المرتبت پتھر کی خصوصیات وکیفیات عالم انسانی کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتی ہیں۔

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جب کعبہ تعمیر فرما رہے تھے تو یہ پتھر حکم ربی سے خود بخود اوپر نیچے ہوتا اور آگے بڑھتا تھا۔ اس طرح یہ تعمیر میں ممد ومعاون ثابت ہوا۔ اس کی لطافت اور نظافت جس پر دنیا جہان کی لطافتیں نظافتیں قربان جائیں اور اس

کی اثر پذیری اور جاذبیت کا یہ عالم ہے کہ اپنے کثیف وثقیل بدن کے باوجود خلیل علیہ السلام کے نقش پا کو سینے سے سجا لیا۔ جو اس کا قیمتی سرمایہ حیات اور مایہ افتخار بن گیا۔ اس کی تقدیس ایسی رفعتوں کو سمیٹے ہوئے ہے کہ جس کے سامنے ہمالیہ سرنگوں کوہ قاف پابوس اور جبل ابی قبیس کی بلند و بالا حسامت بھی شرمندہ ہے۔

مقام ابراہیمؑ کی حقیقت

مقام ابراہیم کی حقیقت کیا ہے؟ محدثین مفسرین اور مورخین کے اقوال کا خلاصہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

① یہی وہ پتھر ہے جس پر ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر کعبہ شریف تعمیر فرمایا تھا۔

② یہ وہ پتھر ہے جس پر ابراہیم علیہ السلام نے پاؤں رکھا اور آپ کا سر مبارک بہو نے دھویا۔

③ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جب اپنی زوجہ محترمہ ہاجرہ اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی ملاقات کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لاتے تو سواری سے اترتے چڑھتے وقت اسی پتھر پر پاؤں رکھتے تھے۔

④ یہ پتھر حجر اسود کی طرح جنت سے آدم علیہ السلام کے ساتھ اتارا گیا تھا۔

⑤ مقام ابراہیم وسیع تر معنوں میں پورے حرم شریف پر اطلاق کرتا ہے۔

پہلا قول

سیدنا ابراہیم اور سیدنا اسماعیل علیہما السلام مل کر کعبہ شریف کی تعمیر فرما رہے تھے جب دیواریں قدرے بلند ہو گئیں اور پتھر لگانے میں دشواری ہونے لگی تو خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے فرزند دلبند سے فرمایا کوئی پتھر تلاش کر لاؤ جس پر کھڑے ہو کر سہولت سے دیواریں بنائی جا سکیں۔ چنانچہ ذبیح اللہ علیہ السلام یہ پتھر لائے اور خلیل اللہ علیہ السلام نے اسے پاؤں تلے رکھ کر حسب منشاء دیواریں بلند کر دیں۔

Marfat.com

قدرت خداوندی کا کرشمہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ وہ سنگ خارا سخت جان ہونے کے باوجود ایسا گلبدن ہو گیا کہ آپ کے قدوم میمنت لزوم کے انمٹ نقش پا کو حرز جان بنالیا۔ جو آج بھی جلوہ گاہ خاص و عام بنا ہوا ہے۔ آپ کے پاؤں ٹخنوں تک پتھر میں گڑھ گئے تھے' جب آپ تعمیر سے فارغ ہوئے تو اس پتھر کو کعبہ شریف کے متصل باب کعبہ سے حجر اسود کی جانب رکھ دیا۔ حضرت ابن عباس' جابر رضی اللہ عنہ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہی قول مروی ہے۔ (بخاری شریف جلد ۱ ص ۴۷۶، تفسیر روح المعانی جلد ۱ ص ۳۷۹، تفسیر کبیر جلد ۱ ص ۴۷۳)

دوسرا قول:

جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے لخت جگر کی ملاقات کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے مگر وہ گھر پر موجود نہیں تھے' ان کی بیوی عمارہ نے آپ کی عزت و تکریم اور بے حد تعظیم کی اور اس وقت کے دستور کے مطابق التجا کی کہ چچا جان آپ براق سے اتر کر استراحت کریں' اور میں آپ کے گرد آلود سر کے بال دھونے کی سعادت حاصل کروں' لیکن آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے نیچے اترنے کی اجازت نہیں۔

چنانچہ نیک خصال بہو ایک پتھر لائی اور اسے آپ کے دائیں پاؤں کے نیچے رکھا۔ آپ نے پتھر پر پاؤں رکھ کر سر کو دائیں جانب جھکا دیا' اور بہو نے اسے دھویا۔ پھر پتھر بائیں پاؤں کے نیچے رکھ کر سر کی دوسری جانب بھی دھوئی۔ جہاں آپ نے پتھر پر پاؤں مبارک رکھے تھے وہاں ٹخنوں تک اس میں گڑھ گئے اور بہت گہرے نشانات مرتسم ہو گئے۔

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر تشریف لائے تو زوجہ مکرمہ نے سارے واقعات سے آپ کو مطلع کیا۔ اور یہ بات خصوصیت اور تعجب سے بتائی کہ جس پتھر پر انہوں نے پاؤں رکھے تھے' اس میں اب بھی گہرے نشانات موجود ہیں۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے اسے ایک معجزہ قرار دیا اور اس پتھر کو گھر میں عزت و تکریم سے محفوظ فرمالیا۔

Marfat.com

پھر جس وقت تعمیر بیت اللہ کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے اور دوران تعمیر پہاڑ بنانے کے لئے کوئی پتھر لانے کو کہا تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے وہی پتھر لاکر پیش کر دیا۔ (اعلام الاعلام ص ۳۶ ، روح المعانی جلد ۹ ص ۱۲۳ ، تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۱۵۶)

اس واقعہ کی پوری تفصیلات جلد اول عنوان ''عقد ثانی'' میں ملاحظہ ہوں۔

تیسرا قول:

سیدنا ابراہیم علیہ السلام جب اپنی بیوی اور بیٹے کی ملاقات کو تشریف لاتے تھے تو سواری سے اترتے اور چڑھتے وقت جس پتھر پر پاؤں رکھتے' اس میں نشانات پڑ گئے تھے۔ اسی پتھر کو بعد میں آپ نے تعمیر کے وقت استعمال فرمایا تھا۔

(غایۃ الاوطار جلد ۱ ص ۵۶۸ ، جواہر التفسیر جلد ۱ ص ۱۸۹)

چوتھا قول

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حجر اسود کی طرح یہ پتھر بھی آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت سے اتارا گیا تھا۔ (اخبار مکہ ص ۲۲۹)

پانچواں قول:

مجاہد اور نخعی وغیرہ کا قول ہے کہ ''مقام ابراہیم'' کسی مخصوص جگہ کا نام نہیں بلکہ پورے حرم شریف کو مقام ابراہیم کہا گیا ہے۔ اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ' مجاہد اور عطا سے بھی منقول ہے کہ اس سے مراد حج کے مقامات ہیں۔ یونہی شعبی اور ابی رباح سے روایت ہے کہ اس سے مراد عرفات' مزدلفہ اور تینوں جمرات ہیں۔ اور وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِیْمَ مُصَلًّى کا مصداق یہ ہے کہ جہاں جہاں سیدنا ابراہیم علیہ السلام دعا کے لئے کھڑے ہوئے ہیں تم بھی وہاں اللہ کریم سے گریہ زاری کر کے دعا مانگو۔

لیکن جمہور کے نزدیک پہلا قول ہی صحیح ہے اور احادیث بھی اس کی تائید و تصدیق کرتی ہیں۔ (روح المعانی جلد ۱ ص ۳۸۰)

چنانچہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ شریف کا طواف کیا اور مقام ابراہیم علیہ السلام کے پاس تشریف

Marfat.com

لائے تو امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کی' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہی ہمارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا مقام ہے۔ جس کے متعلق فرمان باری تعالیٰ ہے

﴿ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى ﴾

ارشاد ہوا' یہی وہ مبارک مقام ہے جسے نماز کی جگہ بنانے کا حکم ملا ہے۔ (ابن ماجہ ص ۲۱۳)

امام المحدثین امام بخاری نور اللہ مرقدہٗ اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں'
امیر المومنین سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین معاملات میں اللہ کریم نے میری رائے سے موافقت فرمائی ہے:

① مقام ابراہیم علیہ السلام کے متعلق میں نے بارگاہ رسالت میں گزارش کی کہ کیوں نہ ہم اسے نماز کی جگہ مقرر کر لیں' تو اللہ جل شانہ نے یہ فرمان ذی شان نازل فرمایا'

﴿ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى ﴾

② امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے پردہ کرنے کا مشورہ میں نے دربار مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کیا تو اللہ تعالیٰ نے پردہ کی آیات نازل فرما دیں۔

③ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا کہ حبیب خدا اشرف انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے رخ انور ازواج مطہرات سے پھیر لیا ہے تو میں نے امہات المومنین سے کہا کہ اگر تم اس خیال سے باز نہ آئیں تو خالق کائنات تم سے بھی اچھی بیویاں اپنے محبوب کو عطا فرما دے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ تحریم میں عَسٰى رَبُّهٗۤ کی آیت نازل فرمائی۔ (بخاری شریف جلد ۲ص ۶۲۴)

جب امام الانبیاء حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ مکرمہ میں ورود مسعود محمود ہوا تو آپ نے بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔ سات چکر پورے کر لینے کے بعد "مقام ابراہیم" کے پیچھے کھڑے ہو کر طواف کی دو رکعات ادا فرمائیں۔ (بخاری شریف جلد ۲ص ۶۴۴)

ابو نعیم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر مقام ابراہیم کے پاس لے گئے اور فرمایا' عمر رضی اللہ عنہ یہ

Marfat.com

مقام ابراہیم ہے۔ حضرت عمر ؓ نے عرض کیا ہم اسے نماز کی جگہ کیوں نہ مقرر کر لیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہمیں ابھی تک اس بات کا حکم نہیں دیا گیا' لیکن اسی دن سورج غروب ہونے سے پہلے ہی یہ آیت نازل ہو گئی۔ (روح المعانی جلد ا ص ۳۸۰)

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ جب طواف سے فارغ ہوئے تو مقام ابراہیم کے پاس کھڑے ہو کر اس آیت قرآنیہ کی تلاوت فرمائی ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِیْمَ مُصَلًّی﴾

پھر آپ اس طرح کھڑے ہوئے کہ مقام ابراہیم آپ کے اور کعبہ شریف کے درمیان تھا۔ آپ ﷺ نے طواف کے دو نفل ادا فرمائے' بعد ازاں حجر اسود کا استلام کیا۔ (مسلم شریف جلد ا ص ۳۹۵' نسائی شریف جلد ۲ ص ۳۶)

(ان دو رکعات میں آپ نے قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھی)۔

آپ کا یہ استلام سعی کے لئے تھا' جس طرح بیت اللہ کا طواف حجر اسود کے استلام سے شروع ہوتا ہے' اسی طرح سعی سے پہلے بھی حجر اسود کا استلام کرنا مسنون ہے۔ (فتاویٰ قاضی خان جلد ا ص ۱۳۹' معارف الحدیث جلد ۴ ص ۲۱۹)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' پتھر کی چٹان پر قدموں کے نشانات پڑ جانا اور چٹان کے اندر پاؤں کا ٹخنوں تک سما جانا اور پھر پتھر میں اتنا گہرا گڑھا بن جانا اور آثار انبیاء میں سے صرف اسی اثر کا اتنے زمانہ تک باقی رہنا اور کثرت اعداء (یہود و نصاریٰ وغیرہ) کے باوجود ہزاروں برس تک اس کا محفوظ رہنا' کعبہ شریف کا قبلہ ہونے کا ایک بین ثبوت ہے۔ (تفسیر مظہری جلد ۲ ص ۳۰۱)

حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کو جب بارگاہ خداوندی سے اعلان حج کا حکم ملا تو آپ نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر اعلان فرمایا۔ قدرت خداوندی سے وہ اس قدر بلند اور اونچا ہو گیا کہ دنیا کے پہاڑوں کی بلندی اس کے سامنے ہیچ ہو گئی۔ یہ جبل ابی قبیس سے بھی بلند ہو گیا۔ چنانچہ آپ کی آواز کو اللہ تعالیٰ

Marfat.com

نے اطراف واکناف عالم اورعرش سے فرش تک پہنچا دیا۔ (تفسیر کبیر جلد ۱ص ۴۷۳، روح المعانی جلد ۹ ص ۱۴۳)

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے تعمیر سے فارغ ہو کر اسے کعبہ شریف کے دروازہ کے متصل رکھ دیا' مگر بعد میں حضور نبی کریم ﷺ نے' یا سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے موجودہ جگہ پر نصب فرمایا' جہاں آج بھی جلوہ افروز ہے۔ علامہ ابن کثیر پہلے قول کو زیادہ صحیح قرار دیتے ہیں' اور مصنف عبدالرزاق کی ایک روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اور امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں یہ کعبہ شریف کے متصل تھا' مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اسے موجودہ جگہ نصب فرمایا۔

(ابن کثیر جلد ۱ص ۱۷۱، روح المعانی جلد ۱ص ۳۷۹)

علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ جس جگہ اب مقام ابراہیم علیہ السلام نصب ہے یہاں سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے تعمیر کعبہ کے وقت اپنے لئے جھونپڑی بنائی تھی' جب کام سے فارغ ہوتے تو یہ پتھر اپنی جھونپڑی میں رکھ لیتے تھے۔ لیکن آپ کے بعد اسے کعبہ شریف کے متصل نصب کر دیا۔

(روح المعانی جلد ۱ص ۳۷۹)

علامہ طاہر کردی امام ابن کثیر کے حوالہ سے لکھتے ہیں' ابن مردویہ سے روایت ہے کہ مقام ابراہیم کعبہ شریف کے اندر تھا' نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن اسے باہر نکال کر کعبہ شریف کے قریب نصب کر دیا۔

علامہ موصوف ان روایات میں اس طرح تطبیق دیتے ہیں' چونکہ یہ بے حد قیمتی جنت کا یاقوت تھا' اس لئے اس کی حفاظت بھی انتہائی ضروری تھی۔ بنا بریں سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اسے کعبہ شریف کے قریب نصب فرمادیا ہو۔ لیکن بعد کے زمانہ میں سیلاب وغیرہ کے خطرہ کے باعث اسے کعبہ شریف میں محفوظ کر دیا ہو۔ نبی کریم ﷺ

Marfat.com

نے فتح مکہ کے دن اسے پھر باہر نصب فرمایا۔ جسے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے موجودہ جگہ نصب فرمادیا۔ (تاریخ التقویم جلد ۳ ص ۴۲)

امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ۱۷ھ کو زبردست بارش ہوئی' جس سے تباہ کن سیلاب آ گیا' اور کعبہ شریف میں بھی پانی داخل ہوگیا۔ یہ سیلاب ''اُمِ نہشل'' کے نام سے مشہور تھا۔ کیونکہ اس سیلاب میں ام نہشل بنت عبیدہ بن سعید بن العاص ڈوب کر مرگئی تھی۔ سیلاب مقام ابراہیم علیہ السلام کو بھی بہا کر لے گیا' اور مکہ کے نشیبی علاقہ میں جا پھینکا۔

چنانچہ بڑی جدوجہد کے بعد اسے تلاش کیا گیا اور پھر کعبہ شریف کے متصل نصب کردیا' اور اس حادثہ کی اطلاع امیر المومنین کو بھی کردی گئی۔ انہیں اس واقعہ سے سخت صدمہ پہنچا۔ آپ رمضان شریف میں عمرہ کے لئے تشریف لائے۔ آپ نے لوگوں کو جمع کر کے اعلان فرمایا کہ اگر کسی کو مقام ابراہیم کی جگہ کا صحیح علم ہو تو آگاہ کرے۔ چنانچہ مطلب بن ابی وداعہ نے کہا امیر المومنین رضی اللہ عنہ مجھے اس کی صحیح جگہ کا علم ہے۔ اس بات کا مجھے پہلے ہی خدشہ تھا' جس کے پیش نظر میں نے ایک مضبوط رسی سے اس کی مختلف مقامات سے پیمائش کرلی تھی۔ میں نے حجر اسود سے مقام ابراہیم علیہ السلام کا فاصلہ' حطیم کے دروازہ سے اور چاہ زمزم سے اس کا فاصلہ ناپ لیا تھا اور وہ رسی میرے گھر میں محفوظ ہے۔

خلیفۃ المسلمین رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ میرے پاس تشریف رکھیں' اور آدمی بھیج کر رسی منگوالیں۔ جب وہ رسی آ گئی تو ہر سمت سے ناپا' تو یہی جگہ متعین ہوئی جہاں آج بھی مقام ابراہیم جلوہ فگن ہے۔ اس کے باوجود حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے بھی دریافت کیا' کیا یہی جگہ تھی؟ تو سب نے اس بات کی شہادت دی۔ تب مقام وہاں نصب فرمادیا۔

کہا جاتا ہے کہ ۲۰۲ھ میں بھی زبردست سیلاب آیا جس سے مقام ابراہیم

Marfat.com

ظاہر ہو گیا تھا اور لوگوں نے اس کا دیدار کیا۔

(مصنف عبدالرزاق جلد ۵ ص ۴۷، اخبار مکہ ص ۲۷۵، اعلام الاعلام ص ۷۶)

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جہاں مقام ابراہیم کو اپنے دست حق پرست سے نصب فرمایا تھا اسی جگہ آج بھی موجود ہے' اور ان شاء اللہ قیامت تک اسی جگہ رونق افروز رہے گا۔ ۱۳۷۷ھ میں سعودی حکومت نے طواف کرنے والوں کی تکلیف کے پیش نظر مطاف سے باہر منتقل کرنے کا ارادہ کیا تھا' کیونکہ حج کے دوران اس مقام پر طواف کرنے والوں کو سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے' لیکن علماء کرام نے حکومت کی اس تجویز کے خلاف بیانات دیئے جس کی وجہ سے حکومت نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

Marfat.com

توصیف قبہ و مقام

علامہ محمد طاہر الکردی مکی نے اپنی تالیف "خانہ کعبہ" میں اس عنوان کو پوری شرح و بسط سے ارقام فرمایا ہے' جس کی تفصیلات من و عن سپرد قلم کی جاتی ہیں۔

میں سوچا کرتا تھا کہ مقام ابراہیم جو لکڑی کے صندوق میں رکھا ہے جس پر حریر کا منقش پردہ پڑا ہے اور چاروں طرف لوہے کی سبز سلاخیں جلوہ نما ہیں' یہ کوئی اتنا بڑا پتھر ہوگا جسے چار پانچ آدمی بھی نہ اٹھا سکتے ہوں گے۔ اور میں یہ بھی خیال کرتا تھا کہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے مبارک قدم کے نشانات ایسے ہی ہوں گے جس طرح زمین پر نقش پڑ جاتا ہے۔ مگر شعبان ۱۳۶۷ھ کو جب اس کی زیارت سے مشرف ہوا تو معاملہ کچھ اور ہی نکلا' اس سے پیشتر کہ میں اپنے مشاہدات ہدیہ ناظرین کروں' بعض مورخین کے رشحات قلم زینت قرطاس کرتا ہوں۔

امام ازرقی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب اخبار مکہ ص ۲۷۸ میں رقمطراز ہیں کہ مقام ابراہیم علیہ السلام کی جسامت صرف ایک ہاتھ (یعنی ۱۸ انچ ۴۵ سینٹی میٹر) جو مربع شکل ہے۔ اس کے نیچے اوپر دو طوق ہیں۔ اور دونوں طوقوں کا درمیانی حصہ بقدر مقام کھلا ہوا ہے۔ سونے کا طوق خلیفہ متوکل علی اللہ نے چڑھایا تھا جس سے اس کا طول ۲۱ انگل (۴۰ سینٹی میٹر) ہو گیا' جب کہ اس سے پہلے ۱۴ انگل (۲۶ سینٹی میٹر) تھا۔ قدم مبارک اندر دھنسے ہوئے اور ترچھے ہیں۔ ان کی گہرائی سات انگل اور دونوں قدموں کے درمیان دو انگل کا فاصلہ ہے۔ بیچ کا حصہ لوگوں کے چھونے سے گھس گیا ہے۔ یہ مقدس پتھر ساگوان کی مربع شکل لکڑی پر رکھا ہوا ہے۔ اور اس کے اوپر ایک ساگوان ہی کا صندوق ہے جس کے نیچے دو زنجیریں لگی ہیں اور ان میں دو تالے ڈال دیے جاتے ہیں۔

Marfat.com

دنیا کا عظیم و جلیل سیاح ابن جبیر اندلسی ۵۷۸ھ میں جب زیارت حرمین شریفین سے شرف بار ہوا تو اس نے اپنے تاثرات اس طرح بیان کئے تھے۔

مقام کریم چاندی سے ڈھکا' قبہ کے اندر رونق افروز ہے۔ اس کی بلندی تین بالشت (یعنی ۲۷/ انچ یا ۶۸ سینٹی میٹر) وسعت دو بالشت (یعنی ۱۸/ انچ یا ۴۸ سینٹی میٹر ہے) اوپر کا حصہ نچلے حصہ سے زیادہ وسیع ہے۔ دونوں قدم اور انگلیوں کے نشانات بالکل واضح ہیں اس کے لئے لوہے کا ایک قبہ زمزم کے پاس رکھا رہتا ہے اور حج کے زمانہ میں جب لوگوں کی کثرت ہو جاتی ہے تو لکڑی کا قبہ اٹھا کر لوہے کا قبہ رکھ دیا جاتا ہے۔ لکڑی کا قبہ منقش ہے اور قد آدم بلند ہے جو ہر جانب سے چار چار بالشت چوڑا ہے۔ (سفرنامہ ابن جبیر ص ۷۲)

علامہ تقی فاسی رحمۃ اللہ علیہ شفاء الغرام میں قاضی عز الدین بن جماعہ سے روایت کرتے ہیں کہ ۷۵۳ھ میں مجھے مکہ معظمہ میں اقامت نصیب ہوئی تو میں نے مقام ابراہیم علیہ السلام کا زمین سے بلندی کا اندازہ لگایا جو ۱/۲ ۱ ذراع ہے۔ اوپر والا حصہ مربع ہے جو ۱/۳ ذراع ہے۔ اس کے گرد چاندی چڑھی ہوئی ہے۔

علامہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ اعلام الاعلام میں ۹۸۵ھ کی کیفیت اس طرح بیان کرتے ہیں' لکڑی کے ایک صندوق میں مقام ابراہیم رکھا ہوا ہے۔ اس صندوق پر ایک آہنی پنجرہ رکھا جاتا ہے' جو اسے چاروں طرف سے گھیر لیتا ہے۔ اور اس کے اوپر قبہ بنا ہوا ہے' اور قبہ کے شرقی جانب ایک آہنی دروازہ ہے' صندوق پر ایک کپڑا بھی پڑا رہتا ہے۔ کپڑے پر سونے اور چاندی کی زردوزی کی گئی ہے۔ یہ کپڑا بقچے کی مانند ہے جو ہر سال غلاف کعبہ کے ساتھ بنایا جاتا ہے۔

جب کوئی آدمی زیارت کے لئے اندر جاتا ہے تو کپڑا ایک طرف کر کے صندوق کھول دیا جاتا ہے' اور پاؤں مبارک کے نشانات میں زمزم کا پانی ڈال کر تبرک کے طور پر پیتا ہے۔ اس کے قریب ہی مصلی شافعی ہے۔ (اعلام الاعلام ص ۳۳۹)

یہ سلسلہ قدیم زمانہ سے چلا آ رہا تھا۔ چنانچہ خلیفہ مہدی عباسی ۱۶۰ھ میں

Marfat.com

جب حج بیت اللہ کو گیا تو ایک دن دوپہر کے وقت جب کہ خلیفہ تنہا تھا' تو عبیداللہ بن عثمان بن ابراہیم الحجبی آیا' اور اس نے خلیفہ کی توجہ ایک عجوبۂ روزگار چیز کی طرف مبذول کرائی' کہنے لگا میں ایک ایسا تحفہ لایا ہوں جو آپ سے پہلے کسی کو پیش نہیں کیا گیا۔ یہ کہتے ہوئے اس نے مقام ابراہیم کا پتھر خلیفہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

خلیفہ فرط محبت سے چونک اٹھا' اسے عقیدت سے چوما' اس پر ہاتھ پھیر کر تبرک حاصل کیا اور اس میں آب زمزم ڈال کر نوش کیا۔ پھر اپنے اہل خانہ کے پاس یہ پتھر بھیجا' انہوں نے بھی اس میں آب زمزم ڈال کر پیا اور برکت حاصل کی۔ ازاں بعد اسے واپس مقام ابراہیم کی جگہ لوٹا دیا۔ خلیفہ عبیداللہ بن عثمان کے اس فعل سے اس قدر مسرور ہوا کہ اسے بے شمار انعامات واکرامات سے نوازا۔ اور وادی نخلہ میں ایک قطعہ زمین مرحمت کیا جو بعد میں سات ہزار دینار میں فروخت ہوا۔ (اعلام الاعلام ص ۹۸)

علامہ قطب الدین رحمتہ اللہ علیہ دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ ہمارے دور میں بھی مقام ابراہیم میں یعنی سیدنا خلیل اللہ علیہ السلام کے پاؤں مبارک کے نشانات میں آب زمزم ڈال کر زائرین کو پلایا جاتا ہے۔ (اعلام الاعلام ص ۳۲۹)

چنانچہ ۱۶۱ھ میں خلیفہ مہدی عباسی نے سب سے پہلے مقام ابراہیم کے لئے سونے کا طوق بنوایا جسے ایک ہزار دینار (تقریباً ۲۹۱۶ تولہ) پگھلا کر بنایا گیا تھا' وہ طوق مقام ابراہیم کے نیچے اور اوپر چڑھایا گیا تھا۔ ۲۳۶ھ میں خلیفہ متوکل نے آٹھ ہزار مثقال سونا (تیس ہزار تولہ) اور ستر ہزار درہم چاندی (تقریباً ۲۶۳۹۶ تولہ) کا نیا طوق بنوا کر پہلے طوق کے اوپر چڑھا دیا۔

۲۵۱ھ میں جعفر بن فضل عامل مکہ اور محمد بن حاتم نے مذکورہ طوق اتار کر اس کے دینار بنوا لئے تھے۔ کیونکہ وہ اسماعیل بن یوسف علوی سے جنگ میں مصروف تھا۔ بعد ازاں ۲۵۶ھ میں علی بن حسین عامل مکہ نے خلیفہ مہدی عباسی والا طوق اتار کر اس میں کافی مقدار میں سونا اور چاندی ملا کر دو طوق بنوائے' جن میں سے ہر ایک کا وزن ۹۹۲ مثقال (تقریباً ۳۷۲ تولہ) تھا۔ طوق کی تبدیلی اور تجدید اس لئے کی گئی تھی کہ

Marfat.com

خدام کعبہ نے یہ خدشہ ظاہر کیا تھا کہ یہ مقدس پتھر کہیں ختم ہی نہ ہو جائے۔ اس لئے اس کے تحفظ کی خاطر خلیفہ المعتمد عباسی نے بشر خادم کو اس کام کی انجام دہی پر مامور کیا تھا۔ (مراۃ الحرمین جلد ا ص ۲۲۳،۲۲۲)

علامہ حسین عبداللہ امام تقی فاسی کی شفاء الغرام کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ خلیفہ ہارون الرشید نے ۱۷۹ میں مقام ابراہیم کے پتھر میں سوراخ کر کے چاندی پگھلا کر ڈلوائی تھی تا کہ پتھر اور اس پر چڑھا ہوا طوق مضبوط رہیں۔ (عمارۃ المسجد الحرام ص ۱۵۷)

شیخ حسین عبداللہ باسلامہ اپنی کتاب تاریخ مسجد حرام کے صفحہ ۱۵۱ پر لکھتے ہیں مقام ابراہیم پانی کے پتھروں کی طرح ایک نرم قسم کا پتھر ہے۔ اس میں سختی نہیں ہے' یہ پتھر مربع شکل کا ہے۔ طول' عرض اور بلندی میں پچاس سینٹی میٹر تقریباً ۲۰ / انچ ہے۔ اس کے بیچ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں قدموں کے نشان ہیں' جو بیضوی مستطیل صورت میں دھنسے ہوئے ہیں۔ چونکہ لوگوں نے انہیں کثرت سے چھوا اور زمزم کا پانی بھر کر پیا ہے' جس کی وجہ سے اب یہ گڑھے کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ میں نے ۱۳۳۲ھ میں شیخ محمد صالح شیبی کے ساتھ اس کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو منور کیا۔ اس وقت یہ مقدس پتھر چاندی کے فریم میں تھا۔ جس کا رنگ سیاہی سفیدی اور زردی کے بین بین تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں امام جوزی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں' سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے اثرات بہت بگڑے ہیں' جو اب تک موجود ہیں۔ اہل مکہ ان کے شناسا اور مداح ہیں۔ چنانچہ ابو طالب اپنے قصیدہ میں کہتے ہیں

موطئ ابراهيم في الصخر رطبة على قدميه حافياً غير ناعل

''پتھر میں ابراہیم علیہ السلام کے قدم کے نشان ہیں جب کہ آپ ننگے پاؤں بغیر جوتے کے تھے''۔

امام ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ آیت ﴿ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى ﴾ میں لوگوں کو صرف یہ حکم دیا

گیا ہے کہ وہ اس کے پاس نماز پڑھیں۔ اس کا چھونے کا حکم نہیں دیا گیا۔ جن حضرات نے اس مقدس پتھر پر قدموں کے نشانات دیکھے ہیں ان کا کہنا ہے کہ ایڑی اور انگلیوں کے نشانات چھونے کی وجہ سے مٹ گئے ہیں۔

اب علامہ محمد طاہر الکردی ہتھ کے چشم دید واقعات ملاحظہ ہوں۔ وہ فرماتے ہیں میں نے جب تاریخ خانہ کعبہ لکھنے کا عزم کیا تو دل میں تمنا تھی کہ مقام ابراہیم کو بچشم خود دیکھوں' چنانچہ اللہ کریم نے اس آرزو کو بار آور کیا۔ ولی عہد سے یہ درخواست کی جسے انہوں نے شرف قبولیت سے نوازا۔

بروز اتوار ۲۷ شعبان ۱۳۶۷ھ خادم کعبہ شیخ عبداللہ اپنے فرزند شیخ عبدالعزیز کے ساتھ کعبہ شریف کو غسل دینے کے لئے آئے۔ میں بھی ان کے ساتھ کعبہ شریف میں داخل ہوا۔ اور اسے عطر اور زمزم کے پانی سے دھویا۔ اس کام میں ہمارے ساتھ شیخ ہاشم' شیخ عمر اور شیخ صالح بھی شریک تھے۔ غسل کعبہ سے فراغت کے بعد میں مقام ابراہیم کے چبوترہ میں داخل ہوا تا کہ اچھی طرح اسے دیکھ سکوں۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک میں اس کے اندر رہا۔ میں نے مقام ابراہیم علیہ السلام کو ایک سفید سنگ مرمر کے پتھر پر رکھا ہوا پایا۔ جو اس کے طول و عرض کے برابر تھا۔ اس کی بلندی ۱۳ سینٹی میٹر تھی۔ چاندی کے ذریعہ اس پر مقام ابراہیم کو ثبت کیا گیا تھا۔ یہ پتھر ایک اور سفید سنگ مرمر کے پتھر میں نصب ہے جو ہر طرف سے ایک میٹر لمبا اور چوڑا ہے' اور زمین سے ۳۶ سینٹی میٹر بلند ہے۔ پھر اس پتھر کے چاروں طرف لکڑی کا صندوق ہے۔ جس کی بلندی قد آدم کے برابر ہے۔ اس میں صرف ایک چھوٹا سا دروازہ ہے جس سے مقام ابراہیم دکھائی دیتا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی روشندان وغیرہ نہیں ہے۔ اس کے اوپر ہر طرف چاندی چڑھی ہوئی ہے' اور اس کے مشرقی جانب یہ عبارت لکھی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ○

Marfat.com

فِيهِ ءَايَـٰتٌۢ بَيِّنَـٰتٌ مَّقَامُ إِبْرَٰهِيمَ ۖ وَمَن دَخَلَهُۥ كَانَ ءَامِنًا ۗ ○ وَلِلَّهِ عَلَى ٱلنَّاسِ حِجُّ ٱلْبَيْتِ مَنِ ٱسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ○

كتبهٔ الحافظ اسمٰعیل الزهدی ادوری جوجه كتبهٔ عام الف و مائتين و ثمان و عشرين (١٢٢٨ھ) .

صندوق کے باہر چاندی چڑھی ہوئی ہے جس پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے

صاحب خیرات و حسنات سلطان برو بحر فاتح حرمين غازی سلطان محمد خان ابن عبدالحمید خان دام ملکه ١٢٢٨ھ.

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ صندوق پر چاندی سلطان موصوف نے چڑھائی تھی۔ صندوق اندر سے بالکل معمولی سا ہے نہ تو نقش و نگار ہے اور نہ ہی کوئی عبارت لکھی ہے۔ یہ صندوق چاروں طرف سے زمین تک حریر کے غلاف سے ڈھکا ہوا ہے۔ جس پر قرآنی آیات لکھی ہیں۔ یہ آیات ١٣٣٨ھ میں لکھی گئیں اور مکہ معظمہ کے دارالکسوہ میں یہ غلاف بنایا گیا' جو ١٣٦٦ھ تک صحیح حالت میں موجود تھا۔ صندوق کے چاروں طرف لوہے کا جنگلا ہے جس پر سبز رنگ کیا گیا ہے۔

مقام ابراہیم علیہ السلام کا رنگ زردی اور سرخی کے درمیان ہے مگر سفید رنگ کے زیادہ قریب ہے۔ اور کمزور سے کمزور آدمی بھی اسے اٹھا سکتا ہے۔ اس وقت اس کی بلندی بیس سینٹی میٹر یعنی آٹھ انچ ہے اور باقی تین ضلعوں کا طول چھتیس سینٹی میٹر تقریباً ساڑھے ١٤ انچ اور چوتھے ضلع کا طول اڑتیس سینٹی میٹر ہے۔ اور کل بلندی ایک سو چھیالیس سینٹی میٹر یا ساڑھے ٦ انچ ٦ فٹ ہے۔ نیچے کا حصہ اوپر کے حصہ سے زیادہ وسیع ہے۔ اس کا پورا محیط ایک سو چھیالیس سینٹی میٹر ہے۔

نشانات کی گہرائی ایک قدم دس سینٹی میٹر یعنی چار انچ دوسرا نو سینٹی میٹر یا ساڑھے ٣ انچ ہے انگلیوں کے نشانات لوگوں کے چھونے اور امتداد زمانہ سے مٹ چکے ہیں' جنہیں ہم دیکھنے سے محروم رہے' البتہ ایڑیوں کے نشان بڑے غور سے دیکھنے سے معلوم ہوتے ہیں' دونوں قدموں کا طول ستائیس سینٹی میٹر تقریباً پونے گیارہ انچ

Marfat.com

اور عرض چودہ سینٹی میٹر یا ساڑھے پانچ انچ ہے۔ جب کہ دونوں قدموں کے درمیان صرف ایک سینٹی میٹر کا فاصلہ ہے۔ یہ فاصلہ بھی لوگوں کے چھونے کی وجہ سے بہت ماند پڑ گیا ہے۔ اسی طرح دونوں قدموں کا طول اور عرض لوگوں کے چھونے کی وجہ سے بڑھ گیا ہے۔ اگرچہ قدم شریف پر چار ہزار سال کا عرصہ گزر چکا ہے' مگر پھر بھی نشانات قدم باقی ہیں اور انشاء اللہ قیامت تک باقی رہیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ﴾

مقام کا پورا پتھر خالص چاندی میں مڑھا ہوا ہے' جس کی وجہ سے پتھر کی اصلیت صرف قدموں کے نشان اور ان کے اطراف سے ظاہر ہوتی ہے۔ دونوں قدموں کا باطنی حصہ برابر نہیں ہے۔ بلکہ دونوں کے اندر کچھ ابھار ہے۔ دونوں قدموں کے اردگرد چاندی کے اوپر خط ثلث میں نہایت واضح آیت الکرسی لکھی ہے۔ اور خط ثلث میں چاروں طرف یہ آیتیں بھی لکھی ہیں

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا وَّلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○

اس کے بعد یہ عبارت لکھی ہے

سطح قدم شریف کی تجدید صرف اللہ کی رضا مندی اور اس کے محبوب کی محبت کی خاطر بحکم مولانا سلطان مصطفیٰ خان بن سلطان محمد خان دام عزہ ونصرہ ۱۱۱۳ھ میں کی گئی۔

چاندی پر کچھ نقش و نگار بھی ہیں' البتہ قدموں کے نیچے چاندی پر کچھ بھی لکھا ہوا نہیں ہے اور نہ ہی نقاشی ہے۔ چونکہ پورا مقام چاندی سے مڑھا ہوا ہے اور بڑی مضبوطی کے ساتھ گڑھا ہوا ہے جسے ہلانا ممکن ہی نہیں۔ اس لئے ہم یہ معلوم نہیں کر سکے کہ کسی جگہ سے ٹوٹ پھوٹ یا جوڑ وغیرہ ہیں۔ (خانہ کعبہ عنوان توصیف مقام)

Marfat.com

اس مقدس پتھر پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں مبارک کے نشانات بڑے گہرے اور صاف تھے۔ بعض روایات کے مطابق آپ کے پاؤں کا ٹخنوں تک نشان تھا۔ زمانہ جاہلیت میں ابو طالب نے بھی اپنے قصیدہ میں ان کا ذکر کیا تھا

و موطی ابراهیم فی الصخر رطبة　　علی قدمیه حافیًا غیر ناعل

یعنی اس پتھر پر ابراہیم علیہ السلام کے دونوں پاؤں کے نشانات اب بھی تازہ بتازہ ہیں جن میں جوتی نہیں ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود ان مبارک پاؤں کی انگلیوں اور تلوے کے نشان کا دیدار کیا ہے۔ پھر لوگوں کے بکثرت چھونے سے وہ نشان ماند پڑ گئے۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کی جانب نماز پڑھنے کا حکم تو ہے مگر اسے تبرک کے طور پر چھونے اور ہاتھ لگانے کا حکم نہیں ہے۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ا ص ۱۷۱، کبیر جلد ۳ ص ۱۱)

قبہ کی اصلاح و مرمت

اگرچہ تاریخی روایات سے یہ تو ثابت نہیں ہو سکا کہ مقام ابراہیم علیہ السلام پر قبہ کب اور کس نے بنایا تھا۔ البتہ اس کی غرض و غایت اظہر من الشمس ہے۔ جب اسلام کا آفتاب عالمتاب چار دانگ عالم میں پوری تمازت سے چمکا اور مسلمان کثیر تعداد میں حرمین شریفین کی زیارت کو آنے لگے تو یہ مقدس پتھر کثرت سے چھونے کے باعث گھسنے لگا۔ جس کے پیش نظر اسے محفوظ کر دینا ضروری سمجھا گیا۔

ابتداء میں یہ پتھر کھلا رکھا رہتا تھا۔ جیسا کہ ۱۷ھ میں سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں اس کے سیلاب کی نذر ہو جانے کا واقعہ پیش آیا۔ اور اسی طرح علامہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ ۱۶۰ھ میں جب خلیفہ المہدی عباسی کے ورود مکہ معظمہ میں ہوا تو اس نے دارالندوہ میں اقامت اختیار کی۔ ایک دن دوپہر کے وقت جب

Marfat.com

کہ خلیفہ کے پاس اور کوئی آدمی نہیں تھا۔ عبیداللہ بن عثمان بن ابراہیم الحجبی نے اس مقدس پتھر میں آبِ زمزم ڈال کر خلیفہ کو پیش کیا۔ اس نے بڑی عزت و توقیر سے اس تبرک کو حاصل کیا اور پھر اپنے اہل و عیال کو بھی یہ تحفہ پیش کیا۔

علامہ قطب الدینؒ فرماتے ہیں' ہمارے زمانہ ۹۸۷ھ میں بھی زیارت کے وقت اس میں زمزم ڈال کر نوش کیا جاتا ہے۔ (اخبار مکہ ص ۲۷۸، اعلام الاعلام ص ۹۸، ۳۴۹)

البتہ ابن جبیر اندلسی نے ۵۷۸ھ میں لکھا ہے کہ زمزم کے قریب ایک آہنی قبہ رکھا ہوا ہے جو موسم حج میں مقام ابراہیم پر رکھا جاتا ہے۔ اور اس کا لکڑی کا قبہ اٹھا لیا جاتا ہے۔ کیونکہ لکڑی کا قبہ طول عرض میں آہنی قبہ سے بڑا ہے۔ (سفرنامہ ابن جبیر ص ۷۲)

اسی طرح الشیخ ابی عبداللہ یاقوت الحموی المتوفی ۶۲۶ھ لکھتے ہیں مقام ابراہیم پر قد آدم کے برابر لوہے کا خول ہوتا ہے' جس پر غلاف بھی چڑھا ہے۔ ایام حج میں مقام ابراہیم علیہ السلام کو کعبہ شریف کے اندر رکھ دیا جاتا ہے' تاکہ طواف میں سہولت رہے۔ جب ایام حج گزر جاتے ہیں تو واپس اپنی جگہ لوٹا دیا جاتا ہے اور اس پر لکڑی کا صندوق رکھ دیا جاتا ہے' جس میں دروازہ بھی ہے جو نماز کے اوقات میں کھولا جاتا ہے۔ (معجم البلدان جلد ۷ ص ۳۵۷)

امام ازرقی بیٹیہ نے لکھا ہے کہ ابتداء میں قلعی پگھلا کر مقام ابراہیم کو محفوظ کیا گیا تھا۔ پھر مہدی عباسی کے دور میں جب یہ پتھر ٹوٹنے لگا تو خلیفہ کو صورت حال سے مطلع کیا گیا۔ چنانچہ خلیفہ نے ایک ہزار دینار بھیجے تاکہ ان کا طوق بنا کر مقام ابراہیم کو محفوظ کر دیا جائے۔ پھر ۲۳۶ھ میں خلیفہ جعفر المتوکل علی اللہ نے اس کے اوپر ایک اور سونے کا طوق چڑھا دیا جو اس سے بھی زیادہ عمدہ اور مضبوط تھا۔ بعد ازاں ۲۴۱ھ میں خلیفہ محمد المستعصر باللہ نے اس کے اردگرد چاندی چڑھا دی۔ (اخبار مکہ ص ۲۷۸)

علامہ عباس کرارہ کا بیان ہے کہ ہم نے قبہ کے ایک ستون پر لکھا دیکھا کہ ۸۵۸ھ میں اس کی تجدید کی گئی ہے۔ جب کہ ابن مہدی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے

کہ ۷۲۸ھ میں عمر ابن ہلال نے آہنی جنگلہ بنوا کر اس پر رکھا۔ پھر ۹۰۰ھ میں قبہ اور اس کے چھت کی تجدید کی گئی۔ اس کے بعد ۹۱۵ھ میں محمد بن عبداللہ الرومی نے ملک اشرف قانصوہ الغوری کے حکم سے اس کی تعمیر کی۔ پھر سلطان سلیم خان نے اس کی تجدید کرائی۔ زاں بعد ۱۰۰۱ھ میں تجدید ہوئی۔ پھر ۱۰۳۹ھ میں سلطان مراد خان بن سلطان احمد خان کے حکم سے اس کے فرش کی تجدید ہوئی۔ ۱۰۷۲ھ میں آغا محمد کزلار السلطان محمد بن ابراہیم خان نے سونے اور دیگر قیمتی چیزوں سے اس کے قبہ پر نقش و نگار کیا۔ ۱۰۹۹ھ میں مقام ابراہیم علیہ السلام میں کچھ خلل آ گیا تھا' تو اس کی مرمت و تجدید کی خدمت محمد بیگ نے انجام دی۔

پھر ۱۱۱۲ھ میں ابراہیم بیگ نے اس کا فرش سنگ مرمر سے بنوایا۔ قبہ تبدیل کیا اور اس پر سونے سے نقش و نگار کرایا۔ اس مقدس پتھر کو چاندی سے خوب مضبوطی سے بندھوایا۔ اور سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے مبارک قدموں کی چاندی میں سونا ملا کر تجدید کی۔ ۱۱۳۰ھ میں محمد افندی المعمار نے مقام ابراہیم کا صندوق تبدیل کیا اور نئی لکڑی لگا کر سابقہ خول کو صاف کر کے لگا دیا۔ ۱۲۷۹ھ میں سلطان عبدالعزیز العثمانی نے قبہ کی بلندی میں ۲۷ راانچ کا اضافہ کیا۔ ہمیں معلوم نہیں کہ اس کے بعد بھی کسی نے کوئی تعمیر و ترمیم کی یا نہیں۔

امام ازرقی ہنجیہ کی تاریخ مکہ مطبوعہ مکہ مکرمہ ۱۳۵۷ھ کی جلد دوم مقام ابراہیم کے زیر عنوان حاشیہ میں لکھا ہے کہ ۱۲۲۵ھ میں جب سعود بن عبدالعزیز حج کرنے آیا تو قبہ کو کھولا گیا۔ پتھر اور قدم کے نشانات تازہ بتازہ تھے' جن کے دیدار سے لوگوں نے اپنی آنکھوں کو منور کیا۔ حاشیہ نگار کہتے ہیں کہ ہم نے بھی دیکھا' سفید پتھر مربع شکل کا ہے جس کا طول ۲۰ رانچ ہے۔ اس پر زردی مائل کوئی دھات پگھلا کر چڑھائی گئی ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ سونا تھا یا پیتل' یہ فریم مربع شکل کا تھا۔ اور یہ آیات لکھی تھیں

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا ○ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ شَاكِرًا
لِأَنْعُمِهِ ○ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ○ وَآتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا

Marfat.com

حَسَنَةً ۚ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ○ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ○

قدمین مبارکین پر غبار پڑی ہوئی تھی' جالی اور جس پتھر میں دونوں قدم ہیں کے درمیاں تقریباً چار انگل کا فاصلہ ہے۔

علامہ عباس کرارہ کہتے ہیں' ہمارے موجودہ زمانہ میں مقام ابراہیم علیہ السلام لکڑی کے صندوق میں رکھا ہے' جس پر ریشم کا غلاف چڑھا ہوا ہے اور غلاف پر قرآنی آیات لکھی ہیں۔ اس تابوت کے باہر پیتل کا جالی دار قبہ رکھا ہوا ہے جو چار ستونوں پر قائم ہے۔ مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ یہ مقصورہ جو موجودہ شکل میں ہے کس نے بنوایا تھا۔ آیا ۱۱۱۳ھ میں ابراہیم نے بنوایا تھا' سلطان عبدالعزیز عثمانی نے قبہ کی بلندی میں اضافہ کیا تو اس وقت یہ بنایا گیا۔ یا پھر اس کے بعد کسی وقت بنایا گیا۔ اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ سعود بن عبدالعزیز نے ۱۲۲۵ھ میں جب قبہ کھولا تھا تو تمام مقصورہ گرانے کا حکم نہیں دیا اور نہ ہی انہوں نے آہنی جالی کو توڑا۔ انہوں نے صرف قبہ کی چھت تبدیل کرائی اور پردہ ڈالنے کا طریقہ ختم کر دیا اور لکڑی کا صندوق بھی بنا دیا۔[1]

مورخ علام جناب عباس کرارہ دوسری جگہ لکھتے ہیں' خادم الحرمین شریفین شاہ فیصل مرحوم نے جب دیکھا کہ حج کے دنوں میں منبر مبارک اور مقام ابراہیم کی وجہ سے طواف کرنے والوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے تو موصوف نے ان دونوں کو مطاف سے باہر نصب کرنے کا پروگرام بنایا۔ منبر کے منتقل کرنے پر کسی نے کوئی اعتراض نہ کیا' مگر مقام ابراہیمؑ کی نقل مکانی کو کوئی بھی برداشت نہ کر سکا۔ جس کے باعث شاہ مرحوم نے مقام کے قبہ کی جسامت کم کر کے طواف میں سہولت پیدا کر دی۔ چنانچہ ۱۳۸۷ھ میں ایک عدیم النظیر پیتل کا جالی دار قبہ بنوا کر اس کے اندر اس مقدس پتھر کو نصب کر دیا۔ (تاریخ حرمین عباس کرارہ ص ۱۵۵)

---

[1] تاریخ حرمین عباس کرارہ عنوان وضع المقام فی المقصورہ' اسی طرح تاریخ القویم جلد ۳ ص ۲۰۶ میں بھی مرقوم ہے۔

Marfat.com

علامہ محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہٗ لکھتے ہیں مقام ابراہیم کے سائز کا ایک بے حد نفیس بلور کا خول چڑھا کر اس پر کرسٹل کا قبہ نما خول جس میں جالی اور شیشہ لگا ہوا ہے چڑھا دیا گیا۔ شیشہ اس قدر صاف شفاف ہے کہ قدم مبارک کے نشانات بالکل صاف دکھائی دیتے ہیں۔ کرسٹل کا یہ قبہ مغربی ممالک میں واقع "بلجیکا" سے بنوایا گیا۔ (معارف السنن جلد ۶ ص ۳۲۳)

اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی سے راقم الحروف نے بھی ذی قعدہ ۱۳۹۹ھ میں پورے غور کے ساتھ قدمین شریفین کا دیدار کیا۔ چاندی پر لکھی ہوئی عبارت نظر تو آتی ہے مگر پڑھنا مشکل ہے۔ معمولی سی غبار بھی دکھائی دیتی تھی۔ یکم محرم ۱۴۰۰ھ کے المناک سانحہ میں اس خول کا شیشہ بھی متاثر ہوا تھا۔ جس کی جگہ نیا شیشہ لگا دیا گیا۔

علامہ طاہر کردی جدید مقصورہ کی تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں' مکہ معظمہ سے ایک سو کلو میٹر پر واقعہ ایک پہاڑ سے کالا سنگ مرمر لایا گیا۔ جس کا طول ۱۶۰ سینٹی میٹر' عرض ۱۱۰ سینٹی میٹر اور بلندی ۷۵ سینٹی میٹر ہے۔ اس پر مقام ابراہیمؑ کو نصب کر کے اس پر چاندی کا طوق چڑھا دیا گیا۔ پھر بلور کا ایک حسین و جمیل خول چڑھا کر اس کے باہر پیتل کا جالی دار مقصورہ نصب کر دیا گیا۔ جس کا طول ایک میٹر ۶۰ سینٹی میٹر۔ عرض ایک میٹر ۱۰ سینٹی میٹر اور بلندی ۳ میٹر ہے۔ پہلے چبوترہ کی نسبت اس کا طول و عرض بہت تھوڑا ہے۔ (تاریخ القویم جلد ۳ ص ۶۰)

Marfat.com

آبِ زمزم

یہ ایک لطیف و شیریں، خوش ذائقہ، زود ہضم، بے حد برکت، فضیلت اور عظمت والا پانی ہے۔ جسے دنیا جہاں کے پانیوں پر برتری اور فوقیت حاصل ہے۔

وجہ تسمیہ

زم زم، زمازم لغت میں اس کے حسب ذیل معنے بیان ہوئے ہیں بہت زیادہ پانی، دور سے گنگناہٹ سنائی دینا، بکھری ہوئی چیز کو جمع کرنا، حفاظت کرنا اور زمزم و زمزام و زوازم اور زوزم میٹھے اور کھارے پانی کا امتزاج۔

(لسان العرب جلد ۱۲، ص ۲۷۵)

ابتداء میں جب اس مقدس پانی کا ظہور ہوا تو اس سے گنگناہٹ کی آواز آ رہی تھی اسی سبب سے اس کا نام زمزم ہوا ہے۔

امام نووی رقمطراز ہیں کہ پانی کی بے حد کثرت اور بہتات کے باعث اسے زمزم کہا جاتا ہے، کیونکہ زمزم، زمزوم اور زمازم اسی وقت کہا جاتا ہے جب پانی بہت زیادہ ہو۔ (مسلم شریف جلد ۱، ص ۳۰۰)

زمزم کے دیگر اسماء

جس طرح زمزم بہت سے فوائد اور فضائل کا حامل ہے۔ اسی طرح اس کے متعدد نام بھی منقول ہیں۔ عربی لغت کی شہرۂ آفاق کتاب ''لسان العرب'' میں اس کے درج ذیل اسماء بیان ہوئے ہیں:

زمزم، مكتُومة، مضنونة، شُباعة، سُقيا، الرواء، ركضة جبرئيل، هزمة جبرئيل، شفاء سقم، طعام طعم، حفيرة عبدالمطلب، زمزام اور زوازم (لسان العرب جلد ۱۲ ص ۲۶۶)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اس کا نام ''شباعة'' مشہور تھا۔ (اخبار مکہ ص ۲۹)

بعض روایات میں اس کے گیارہ نام بیان کئے گئے ہیں

مَكْتُومَةُ ، مَضْنُونَةُ ، شُبَاعَةُ ، سُقْيَا ، الرَّوَاء ، رَكْضَةُ جبرئيل ، هَزْمَةُ جبرئيل ، شِفَا سُقْمٍ ، طَعَامُ طُعْمٍ اور حفيرة عبدالمطلب

امام زبیدیؒ صاحب تاج العروس فرماتے ہیں حدیث اور لغت کی کتابوں سے میں نے زمزم کے نام جمع کئے تو ان کی تعداد ساٹھ تک پہنچ گئی۔

(تاج العروس جلد ۸ص ۳۲۸)

مؤرخ شہیر علامہ جمال الدین محمد جار اللہ بن ظہیرہ نے حسب ذیل اسماء ذکر فرمائے ہیں

زمزم ، هزمة جبرئيل ، سقياء الله اسماعيل ، بركة ، سيدة ، نافعة ، مضنونة عونة ، بشرى ، صافية ، برة ، عصمة ، سالمة ، ميمونة ، مباركة ، كافية ، عافية ، مغذية ، طاهرة ، حرمية ، مروية ، مؤنسة ، طعام طعم ، شفاء سقم ، شباعة العيال ، شراب الابرار ، قرية النمل ، هزمة اسماعيل ، حفيرة العباس (جامع اللطيف ص ۱۶۹)

آب زمزم وہی چشمۂ حیات ہے جس نے سیدہ ہاجرہ کے قلب مغموم ومحزون کو راحت ورافت کی نوید جانفزا سے نوازا بلکتے اور تڑپتے ہوئے ایک جاں بلب معصوم شیر خوار کو پیغام مسیحا سنایا۔ یہ روح الامین علیہ السلام کی بندہ نوازی کا کرشمہ ہے۔ جو ۲۰۰۰ قبل مسیح سے آج تک فرزندان توحید کو سیراب کر رہا ہے۔ اس بے مثال پانی نے اپنے مقناطیسی اثر سے قبیلہ بنو جرہم کو اپنا انیس وہم جلیس بنا کر ایک ویرانے کو اسلامی دنیا کا مرکز بنا دیا۔

اس اختصار کی تفصیل اس طرح ہے کہ جب سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام حکم رب جلیل سے اپنی عفت مآب زوجہ مکرمہ اور معصوم شیر خوار لخت جگر اسماعیل علیہ السلام تو

Marfat.com

عرب کے سنگلاخ ریگ زاروں میں یکا وتنہا' بے یار و مددگار چھوڑ کر چلے گئے تو ان غریب الوطن ماں بیٹے کا توشۂ حیات چند ہی دنوں میں جواب دے گیا۔ معصوم بچہ پیاس کی شدت سے بے بس ہو کر زمین پر ایڑیاں رگڑنے لگا۔ ماں کی مامتا جگر گوشہ کا تڑپنا' بلکنا کب دیکھ سکتی تھی۔ وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپتی ہوئی کبھی اس پہاڑ پر چڑھ جاتیں اور کبھی اس پہاڑ پر' کہ شاید کہیں سے بچے کی زندگی کی بقا کا کوئی ذریعہ ہاتھ لگ جائے۔ اور اس بجھتے ہوئے چراغ کو جلا میسر آ جائے۔

اسی اثنا میں جبرئیل امین تشریف لائے اور اپنے پاؤں کی ٹھوکر یا ہاتھ کے اشارہ یا پر مارنے سے ایک چشمۂ جاوداں جاری کر دیا۔

پانی دیکھا تو سیدہ ہاجرہ کی جان میں جان آ گئی۔ ان کا پژمردہ چہرہ گلاب کی طرح کھل گیا' غم اور اداسی خوشی میں تبدیل ہو گئی۔ خود بھی شکم سیر ہو کر پانی نوش جان فرمایا اور فرزند دلبند کو بھی پلایا جس کی زندگی کا ٹمٹماتا ہوا چراغ پھر سے جگمگا اٹھا۔ آپ نے اپنے برتن بھی بھر لئے اور پانی کی حفاظت کی غرض سے چاروں طرف مٹی کی باڑ بھی بنا دی۔

حضور نبی کریم رؤف و رحیم علیہ التحیۃ و التسلیم ارشاد فرماتے ہیں' اگر ہاجرہ اسے بند نہ کرتیں تو آج یہ کنوئیں کی بجائے دریا کی شکل میں ہوتا اور دنیا کو سیراب کرتا۔

اسی پانی ہی کی کشش سے قبیلہ جرہم وہاں آ کر آباد ہو گیا' اور تین سو اور بعض روایات کے مطابق پانچ سو سال تک وہاں حکمران رہا۔ بالآخر یہ قبیلہ اپنے فسق و فجور' ظلم وستم اور حدود خداوندی کو توڑنے کے باعث ذلت و خواری کے ساتھ مکہ شریف کی پاکیزہ سرزمین سے بے دخل ہوا۔ یہاں سے رخصت ہوتے وقت اس نے کعبہ شریف کا خزانہ غلاف کعبہ اور قیمتی تلواریں چاہ زمزم میں ڈال کر اسے مٹی سے بھر کر زمین کے برابر کر دیا۔ پھر پانچ سو برس کا طویل عرصہ اس حال میں گزر گیا۔ استداد زمانہ اور سیلاب کی تباہ کاریوں نے اس کا نام ونشان بھی مٹا دیا۔ لیکن جب اللہ

Marfat.com

تعالیٰ نے اس چشمۂ حیات سے مخلوق کو سیراب کرنا چاہا تو قریش کے نامور سردار اور سرور دو عالم ﷺ کے جد امجد کو خواب کے ذریعہ اسے کھودنے کا حکم دیا۔ عبدالمطلب کا کہنا تھا کہ ایک رات مجھے خواب میں کسی نے کہا کہ طیبہ کو کھودیں' میں نے پوچھا طیبہ کیا چیز ہے؟ مگر وہ شخص جواب دیئے بغیر چلا گیا۔ دوسری رات بھی خواب میں کوئی کہہ رہا ہے مضنونہ کھودیں۔ میں نے پوچھا مضنونہ کیا ہے؟ مگر وہ شخص پھر غائب ہو گیا۔ تیسرے روز بھی خواب میں مجھے کہنے والے نے کہا کہ زمزم کو کھود کر صاف کریں۔ میں نے پوچھا زمزم کیا ہے؟ تو اس نے بتایا یہ ایک چشمہ ہے جس کا پانی کبھی کم نہیں ہوگا۔ اور اس کے کھودنے میں تمہیں کوئی زیادہ مشقت بھی نہیں اٹھانی پڑے گی' اور نہ ہی شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ تمہارے باپ کی میراث ہے۔ اور تم یہ پانی حاجیوں کو پلاؤ گے۔ میں نے التجا کی کہ اس جگہ کی نشاندہی کر دیجئے' تو جواب ملا کہ جہاں چیونٹیوں کی بلیں کثرت سے ہیں وہ اس کی جگہ ہے' اور صبح جب تم وہاں جاؤ گے تو کوے کو چونچ سے زمین کریدتے ہوئے پاؤ گے۔

چنانچہ اگلے روز علی الصبح عبدالمطلب اپنے بڑے صاحب زادے حارث کو ساتھ لے کر ہاتھ میں کدال اور پھاوڑہ اٹھائے حرم شریف میں پہنچ گئے۔ بشارت خدائے ذوالجلال کے مطابق دیکھا کہ ایک کوا اساف اور نائلہ کے بتوں کے قریب زمین کرید رہا ہے' اور چیونٹیوں کی بلیں بھی وہاں موجود ہیں۔ فرمان باری تعالیٰ کی پیروی میں دونوں باپ بیٹا کنوئیں کی کھدائی میں مصروف ہو گئے۔

اگرچہ قریش ان کے مزاحم ہوئے کہ یہاں تو ہم اپنے بتوں کے نام قربانیاں کیا کرتے ہیں یہ ہماری مقدس جگہ ہے ہم اسے کھودنے کی ہرگز اجازت نہیں دیں گے' لیکن عبدالمطلب نے ان کی ایک نہ سنی اور اپنا مشن جاری رکھا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں گوہر مقصود پا لیا۔ اور پانی تک پہنچ گئے۔ انہیں جرہم کا وہ دفینہ بھی دستیاب ہوا جو انہوں نے مکہ مکرمہ کو خیرباد کہتے وقت چاہ زمزم میں دفن کیا تھا۔ یہ خزانہ سونے کے دو ہرن' بہت سی قلعی دار تلواریں اور قیمتی زرہوں پر مشتمل تھا۔

Marfat.com

جب قریش نے دیکھا کہ عبدالمطلب اپنے مقصد میں فائز المرام ہو گئے ہیں اور انہیں بیش بہا قیمتی خزانہ بھی مل گیا ہے۔ تو پھر انہوں سے مطالبہ کیا کہ یہ ہمارے باپ اسماعیل علیہ السلام کی میراث ہے۔ لہٰذا ہمیں بھی اس خزینہ میں حصہ دار بنایا جائے اور زمزم کی حفاظت اور تقسیم میں ہمیں شریک کیا جائے۔ مگر عبدالمطلب نے اس کے مطالبہ کو مسترد کر دیا اور خود ہی زمزم کی نگرانی کرتے رہے۔ جب یہ نزاع نازک صورت اختیار کر گیا تو سب نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ بنی سعد بن ہذیل کی کاہنہ جو ملک شام کی سرحد پر قیام پذیر ہے کو ثالث بنایا جائے اور اس کے فیصلے کو بلا چون و چرا تسلیم کیا جائے۔ چنانچہ حسب معاہدہ عبدالمطلب اور قریش کے ہر قبیلہ سے چیدہ چیدہ آدمی اس مہم پر روانہ ہو گئے۔ مگر راستہ طویل اور سنگلاخ تھا۔ پہاڑ اور غار بکثرت تھے۔ سو سخت کٹھن اور پرخطر تھا۔ جب یہ قافلہ ایک لق و دق جنگل میں پہنچا تو ان کا پانی ختم ہو گیا اور پیاس کے مارے سب کی جان نکلنے لگی، اور جن لوگوں کے پاس پانی تھا انہوں نے عبدالمطلب اور ان کے ساتھیوں کو دینے سے انکار کر دیا کہ مکہ مکرمہ میں آب زمزم کے تم مالک بنے بیٹھے ہو اور یہاں ہم سے پانی مانگتے ہو۔

سخت پریشانی اور بے بسی کے عالم میں آخر چلنے ہی کا پروگرام طے ہوا، قدرت خداوندی کا کرشمہ کہ جب عبدالمطلب نے اونٹنی پر سوار ہو کر اسے اٹھایا تو نیچے سے نہایت شیریں اور عمدہ پانی کا چشمہ ابل پڑا۔ خوشی کے مارے عبدالمطلب نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اب تو سب نے شکم سیر ہو کر پانی پیا اور اپنے برتن بھی بھر لئے۔ حتیٰ کہ جن لوگوں نے پانی دینے سے انکار کیا تھا انہوں نے بھی اپنے مشکیزے بھر لئے۔

یہ عجیب و غریب ماجرا دیکھ کر قریش انگشت بدنداں ہو کر کہنے لگے، عبدالمطلب بس اب ہمارے نزاع کا فیصلہ ہو گیا۔ قسم بخدا اب ہم تمہارے ساتھ زمزم کے متعلق مخاصمت نہیں کریں گے۔ جس خدا نے تمہیں اس ویران جنگل میں پانی کا چشمہ مرحمت فرمایا ہے یہ اس کی شان کریمی ہے کہ تمہیں آب زمزم کی دولت سے نوازا ہے۔ چنانچہ

کاہنہ کے پاس جانے کی بجائے وہیں سے واپس لوٹ آئے۔ یہ واقعہ حضور اقدس ﷺ کی ولادت باسعادت سے چالیس یا ستر برس پہلے پیش آیا تھا۔[1]

چاہ زمزم پر زمانہ جاہلیت میں دو بت اساف اور نائلہ رکھے ہوئے تھے۔ اساف مرد اور نائلہ عورت قبیلہ بنو جرہم سے تعلق رکھتے تھے اور یمن کے باشندے تھے۔ ان دونوں کی آپس میں محبت ہوگئی۔ جب یہ حج کرنے مکہ مکرمہ آئے تو لوگوں کی غفلت کے وقت حرم محترم میں بدفعلی کی۔ جس کی پاداش میں رب کعبہ نے انہیں انسانی شکل وصورت سے محروم کر کے پتھر بنا دیا۔ لوگ اس واقعہ سے بے حد متاثر ہوئے اور انہیں وہاں سے اٹھا کر قریب ہی چاہ زمزم کے مقام پر پھینک دیا۔ تاکہ لوگ دیکھ کر درس عبرت حاصل کریں اور گناہ کا انجام دیکھیں۔ ان کے مجسمے وہاں پڑے پڑے جب ایک زمانہ گزر گیا تو مشرکین نے انہیں بھی معبودوں کے زمرے میں شامل کر لیا اور ان کی عبادت کرنے لگے۔ ان کے نام کی نذریں مانی جانے لگیں' اور ان کا تقرب حاصل کرنے کے لئے ان کے پاس قربانی کے جانور ذبح ہونے لگے۔ اسی وجہ سے جب عبدالمطلب وہاں زمزم کا کنواں کھودنے لگے تو قریش ان کے آڑے آنے تھے۔ (زرقانی جلد ا ص ۶۵)

امام المورخین علامہ ازرقی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں اساف بن بغاء اور نائلہ بنت ذئب نے جب حرم شریف میں بدکاری جیسے قبیح فعل کا ارتکاب کیا' تو رب ذوالجلال نے انہیں پتھر بنا دیا۔ لوگوں نے اٹھا کر ایک کو صفا اور دوسرے کو مروہ پر پھینک دیا۔ رفتہ رفتہ ان کی عبادت شروع ہوگئی۔ بعد میں عمرو بن لحی نے لوگوں کو ان کی عبادت پر لگا دیا۔

جب قصی بن کلاب کا دور آیا تو اس نے اساف کا بت کعبہ شریف کے قریب اور نائلہ کا بت چاہ زمزم کی جگہ نصب کر دیا' چنانچہ مشرکین طواف کعبہ کی ابتداء

[1] زرقانی علی المواہب ج ا عنوان چاہ زمزم، سیرت ابن ہشام عنوان عبدالمطلب اور چاہ زمزم البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۴۵

اساف بت سے کرتے اور نائلہ کے بت پر آ کر ختم کرتے۔ اور ان دونوں کا استلام بھی کرتے تھے۔ پھر جب اللہ جل شانہ نے شاہ کونین رحمت دارین ﷺ کو مکہ معظمہ پر غلبہ نصیب فرمایا تو آپ نے ان دونوں بتوں کو نیست و نابود کر دیا۔ (اخبار مکہ ص ۷۵)

شرک کی نحوست سے مشرکین کا دماغ مفلوج ہو جاتا ہے' اور عقل سلیم ان کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے' دیکھ لیجئے جس بدکردار مرد اور عورت نے حرم محترم کی عزت و حرمت کو بالائے طاق رکھ کر انتہائی سنگین جرم کا ارتکاب کیا اور رب ذوالنتقم نے انہیں آناً فاناً عبرتناک سزا بھی دے دی۔ مگر مشرک قوم نے انہیں خدا اور حاجت روا بنا لیا۔ سچ ہے کہ ع

بے حیا باش و ہرچہ خواہی کن

فضائل و مناقب

زمزم کا پانی گوناگوں فضائل کا حامل اور بہت سی نادرۂ روزگار اوصاف سے متصف ہے۔ چونکہ اس کا اجرا' محل وقوع اور غرض و غایت نرالی اور جداگانہ ہے۔ اس لئے یہ دنیا جہاں کے پانیوں سے ممتاز' مبارک اور معظم ہے۔

علامہ طاہر کردی اس ضمن میں لکھتے ہیں

اولاً: اس چشمے کے جاری ہونے کا موجب سیدنا اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ بنیں۔

ثانیاً: اس کے اخراج اور اجرا کا ذریعہ سیدنا جبرئیل علیہ السلام بنے۔

ثالثاً: روئے زمین کے مقدس ترین مقام پر اس کا ظہور ہوا' یعنی کعبہ مشرفہ کے سامنے اور مسجد الحرام کے اندر۔

رابعاً: اس چشمہ کے تین سوت' تین ایسی معزز سمتوں سے جاری ہیں جو دوسری تمام جہات سے اشرف ہیں۔ رکن حجر الاسود' صفا اور مروہ۔

خامساً: یہ ایسا متبرک پانی ہے جسے انبیاء' اصفیاء' اتقیاء اور ابرار پیتے رہے۔

Marfat.com

سادسًا. اسی مقدس پانی سے جبرئیل امین علیہ السلام نے امام الانبیاء اشرف انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے قلب اطہر کو دھویا تھا۔

سابعًا. اس پانی کو یہ شرف حاصل ہے کہ سرور کونین رحمت دارین ﷺ نے اس کے ڈول میں کلی کر کے دوبارہ کنوئیں میں ڈال دیا۔ اس طرح اسے حضور ﷺ کے جوٹھا ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔

ثامنًا: دنیا میں یہی ایسا باعظمت پانی ہے جس کی شان میں صادق المصدوق کی زبان وحی ترجمان سے بار بار مبارک کلمات کا صدور ہوتا رہا۔

تاسعًا: اسی پانی کو مکہ مکرمہ سے حضور اقدس ﷺ نے مدینہ طیبہ میں طلب فرمایا۔ (تاریخ التقویم جلد ۳ ص ۷۰)

آثار و احادیث

① سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' جس آدمی نے کعبہ شریف کا طواف سات چکر لگا کر پورا کیا۔ پھر مقام ابراہیم کے پیچھے دو نفل پڑھے اور آب زمزم پیا تو اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ (اخرجہ واحدی فی تفسیرہ)

② نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا' آب زمزم ہر بیماری کے لئے شفا ہے۔ (اخرجہ الدیلمی)

③ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا' روئے زمین میں سب سے بہتر پانی' آب زمزم ہے۔

④ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زمزم سے مومن کا پیٹ بھر جائے گا اور منافق کا پیٹ نہیں بھرے گا' گویا کہ یہ ایمان اور نفاق کی علامت ہے۔

⑤ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا' زمزم جس مقصد کے لئے پیا جائے گا وہ مقصد ضرور پورا ہوگا۔ اگر شفا کی غرض سے پیا گیا تو اللہ تعالیٰ شفا عنایت فرمائیں گے اور اگر پیاس بجھانے کی نیت سے نوش کیا گیا تو پیاس جاتی رہے گی۔ کیونکہ یہ جبرئیل علیہ السلام کا چشمہ ہے اور اس سے اللہ پاک نے اسماعیل علیہ السلام

Marfat.com

کو پانی پلایا تھا۔

⑥ ایک مرتبہ حضور نبی کریم ﷺ چاہ زمزم پر تشریف فرما ہوئے۔ آپ ﷺ کے لئے ایک ڈول نکالا گیا۔ اس میں سے آپ ﷺ نے نوش فرمایا' پھر اس ڈول میں آپ نے کلی کی اور ڈول کو کنوئیں میں انڈیل دیا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے چہرہ مبارک دھویا اور کلی کی' کہا جاتا ہے کہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کے لئے ڈول نکالا تھا۔

⑦ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا' بخار جہنم کی گرمی میں سے ہے' لہٰذا اسے زمزم کے پانی سے ٹھنڈا کرو۔

⑧ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ پانچ چیزوں کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔ قرآن مجید' کعبہ شریف' والدین' عالم کا چہرہ اور زمزم۔ زمزم دیکھنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔

⑨ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بستیوں میں سے دو بستیاں بہت بہتر ہے۔ مکہ مکرمہ اور وہ بستی جس میں سیدنا آدم علیہ السلام کا نزول ہوا تھا۔ اور دو بستیاں بہت ہی بری ہیں' الاحقاف اور حضر موت' جسے برہوت بھی کہتے ہیں اور کنوؤں میں بہترین کنواں زمزم ہے اور بدترین کنواں برہوت ہے' جس میں کفار کی روحیں جمع ہوتی ہیں۔ (جامع اللطیف ص ۱۶۲)

⑩ ابن جریج سے مروی ہے دنیا میں بہترین پانی ''آب زمزم'' ہے۔ اور زمین میں بدترین پانی برہوت کنوئیں کا پانی ہے جو حضر موت کی گھاٹیوں میں واقع ہے۔

⑪ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صلوا فی مصلی الاخیار و اشربوا من شراب الابرار مصلی اخیار میں نماز پڑھو اور شراب ابرار پیو۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ مصلی الاخیار کیا ہے؟ تو فرمایا میزاب رحمت کے نیچے یعنی حطیم۔ اور پوچھا گیا کہ شراب ابرار سے کیا مراد ہے؟ تو ارشاد فرما

Marfat.com

آب زمزم۔

⑫ عبدالعزیز بن رواد کہتے ہیں کہ ایک نیک چرواہا تھا جب اسے بھوک تنگ کرتی تو وہ آب زمزم پیتا' تو اس میں دودھ کا سا ذائقہ' لذت' فرحت اور طاقت پاتا۔ اور جب نماز کے لئے وضو کی غرض سے آب زمزم لیتا تو اس میں پانی کی خاصیت پاتا۔ (تاریخ القویم جلد ۳ ص ۶۹)

⑬ شیخ الاسلام سراج الدین بلقینی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے۔ ماء زمزم کوثر کے پانی سے بھی افضل ہے' کیونکہ اس پانی سے حضور اقدس ﷺ کا سینہ مبارک دھویا گیا تھا اور یہ ممکن نہیں کہ آپ کے قلب اطہر کو افضل ترین پانی سے نہ دھویا گیا ہو۔

⑭ ایک روایت میں ہے کہ جس بندہ کے پیٹ میں زمزم گیا تو پھر زمزم کی وجہ سے وہ انسان جہنم میں نہیں جائے گا' کیونکہ آگ اور زمزم ایک جگہ اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ (جامع اللطیف ص ۱۶۷)

⑮ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ زمزم کے کنوئیں میں جو سوت حجر اسود کی طرف سے آ رہا ہے وہ جنت کا چشمہ ہے۔ (تاریخ القویم جلد ۳ ص ۸۷)

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جب اسلام قبول کرنے مکہ مکرمہ تشریف لائے' تو اپنے آنے کا واقعہ اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

مجھے جب سرکار دو عالم ﷺ کے اعلان نبوت کی خبر ملی تو میں مکہ مکرمہ آیا۔ اور آپ کے متعلق دریافت کیا۔ جس پر لوگوں نے مجھے پیٹنا شروع کر دیا اور میں بیہوش ہو کر گر گیا۔ جب ہوش آیا تو وہاں سے بھاگ کر غلاف کعبہ کے نیچے چھپ گیا۔ بعض دفعہ رات کے وقت میں نے حضور نبی کریم ﷺ کو طواف کرتے بھی دیکھا اور سلام پیش کیا۔ آپ ﷺ نے ایک بار دریافت فرمایا تم یہاں کب آئے؟ میں نے عرض کیا' مجھے یہاں آئے تیس دن گزر گئے ہیں۔ فرمایا تو کھانا کون دیتا رہا؟ میں نے عرض کیا آب زمزم کے سوا میری خوراک کچھ بھی نہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا' بیشک یہ مبارک ہے اور طعام وطعم ہے۔ (تاریخ القویم جلد ۳ ص ۸۷)

Marfat.com

حضرت رباح حضرت اسود سے روایت کرتے ہیں ان کا کہنا ہے ایک مرتبہ مکہ شریف میں تین دن مجھ پر ایسے گزرے کہ میرے پاس کھانے پینے کے لئے قطعاً کوئی چیز نہیں تھی۔ میں آب زمزم پی کر وقت گزارتا رہا۔ جس سے اپنے اندر دودھ کی سی طاقت محسوس کرتا تھا۔ (تاریخ القویم جلد ۳ ص ۵۷)

مفتی ابوبکر عمر المعروف الشنینی جو کہ یمن کے فضلاء اور علماء میں سے تھے فرماتے ہیں ایک آدمی کو استسقاء (پیٹ میں پانی بھرنا) کا عارضہ لاحق ہو گیا۔ مرض نے خوفناک صورت اختیار کر لی۔ ایک طبیب کے پاس گیا مگر اس نے مرض کی شدت کے باعث منہ پھیر لیا۔ اور کہنے لگا یہ آدمی تو تین دن بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ مریض نے جب یہ بات سنی تو زمین اس کے پاؤں کے نیچے سے نکل گئی' شکستہ دل ہو کر واپس لوٹ آیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں یہ خیال پیدا کیا کہ کیوں نہ آب زمزم پیا جائے' کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اس پانی میں شفا ہے۔ اسی قصد سے وہ یمن سے مکہ مکرمہ آ گیا' اور زمزم خوب شکم سیر ہو کر پیا۔ اسی وقت اس نے محسوس کیا کہ پیٹ میں کوئی چیز ٹوٹ رہی ہے۔ وہ فوراً حرم شریف سے باہر نکل کر رفع حاجت کو گیا تو اسہال آیا۔ پھر دوبارہ زمزم پیا اور اسی طرح اسہال ہوا۔ چند یوم مکہ مکرمہ میں مقیم رہا۔ جب اللہ پاک نے شفا کاملہ نصیب فرما دی تو واپس وطن لوٹ کر اس طبیب کے پاس حاضر ہوا۔ حکیم نے تعجب سے پوچھا کیا تو فلاں آدمی نہیں جسے فلاں مرض تھا۔ اس نے اقرار کیا۔ طبیب نے پوچھا تو نے کونسی دوا استعمال کی ہے۔ تو اس نے بتایا کہ آب زمزم کی برکت سے مجھے شفا نصیب ہوئی ہے۔

اسی طرح ایک اندھا آدمی آیا اور آب زمزم پی کر آنکھوں میں بھی ڈالا۔ اللہ پاک نے بینائی عنایت فرما دی۔

علامہ ذہبی نے طبقات میں ذکر فرمایا ہے۔ الشیخ خطیب بغدادی جب حج کرنے تشریف لے گئے' تو انہوں نے تین مرتبہ آب زمزم نوش فرمایا' اور اللہ تعالیٰ

Marfat.com

سے تین حاجات طلب کیں۔ یا اللہ میں تاریخ بغداد مکمل کر لوں۔ جامع منصور کی تدوین پوری ہو جائے اور میری قبر بشر حافی کی قبر کے پاس بنے۔ اللہ پاک نے زمزم کی برکت سے تینوں دعاؤں کو پورا فرما دیا۔

علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات میں لکھا ہے' علامہ محمد بن اسحاق بن خزیمہ سے دریافت کیا گیا۔ اس قدر علم آپ نے کہاں سے حاصل کیا؟ جواب میں فرمایا کہ حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ آب زمزم جس مقصد کے لئے پیا جائے وہ پورا ہو جاتا ہے۔ بنا بریں جب میں نے زمزم نوش کیا تو علم نافع کی دعا مانگی' جسے اللہ پاک نے پورا فرما دیا۔

شیخ الاسلام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ابھی علم حدیث کا طالب علم تھا' میں نے آب زمزم پیا اور دعا کی یا اللہ مجھے علامہ ذہبی کی طرح حافظ حدیث بنا دے' پھر میں نے بیس سال بعد حج کیا تو میں محسوس کر رہا تھا کہ اس مرتبہ اللہ رب العزت مزید ترقی مرحمت فرمائیں گے۔ چنانچہ میں نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی' یا اللہ اس سے بلند رتبہ عطا فرما۔ امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ضرور اس سے مالا مال فرمائیں گے۔ (جامع اللطیف ص ۱۶۵)

سیدی و مرشدی مولانا عبیداللہ انور قدس سرہ خلف الرشید قطب الزماں حضرت مولانا احمد علی لاہوری نور اللہ مرقدہ بیان کرتے تھے۔

دارالعلوم دیوبند کی تعلیم کے زمانہ میں مجھے چھپاکی کی مانند ایک مرض لاحق ہو گیا۔ دن کو آرام رہتا مگر ساری ساری رات کھجلاتے گزر جاتی۔ اطباء نے اس کا نام "بنات اللیل" قرار دیا۔ مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مشورہ کے مطابق چنبیلی کے تیل میں لیموں نچوڑ کر مالش کی گئی۔ دہلی' سہارنپور اور لاہور میں عرصہ تک علاج ہوتا رہا۔ مگر قطعاً افاقہ نہ ہوا۔ والد بزرگوار کا دستور تھا کہ دورۂ حدیث سے فارغ ہونے پر اپنے بیٹوں کو انعام کے طور پر حج کرایا کرتے تھے۔ چنانچہ میں بھی ان کی معیت میں ۱۹۳۶ء میں حج کے لئے گیا۔ رات کے وقت مکہ معظمہ پہنچ کر عمرہ ادا کیا' اور چاہ زمزم

Marfat.com

پر چلا گیا۔ اس زمانہ میں چاہ زمزم پر پانی نکالنے کے لئے چار چار کھڑیاں لگی ہوئی تھیں۔ مگر اس وقت صرف دو آدمی پانی نکالنے والے موجود تھے۔ جن میں سے ایک گونگا تھا۔ اُس نے دو تین ڈول مجھ پر ڈال دیئے اور میں فارغ ہو کر چادر سے بدن خشک کرنے لگا تو وہ چلا اٹھا اور اشارہ سے کہنے لگا خشک نہ کرو۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کی رحمت سے وہ مرض فی الفور ختم ہو گیا اور آب زمزم کی برکت سے آج (۱۹۸۰ء) تک نہ صرف وہ مرض دوبارہ نہیں ہوا بلکہ کوئی پھوڑا پھنسی بھی نہیں نکلا۔

آب زمزم پینے کے آداب

سنت تو یہ ہے کہ پانی بیٹھ کر پیا جائے مگر آب زمزم اور وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا سنت ہے۔ سیدنا علی المرتضیٰ ؓ سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور اقدس ﷺ زمزم کے کوئیں پر تشریف لائے۔ آپ کے سامنے آب زمزم کا ڈول پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے اس سے وضو فرمایا۔

حضرت طاؤس سے روایت ہے کہ اس موقع پر آب زمزم کا ڈول پیش کیا گیا۔ تو آپ ﷺ نے اس سے کچھ پانی پیا پھر اس میں کلی کی اور فرمایا اسے زمزم کے کوئیں میں ڈال دو۔

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا کہ حضرت نبی کریم ﷺ آب زمزم کھڑے ہو کر پی رہے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ ہم حضور اقدس ﷺ کے ساتھ چاہ زمزم پر آئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ پانی کا ڈول نکالو۔ میں نے کوئیں سے پانی نکال کر ڈول منڈیر پر رکھ دیا۔ حضور ﷺ نے ڈول اٹھایا اور بسم اللہ پڑھ کر منہ سے لگا کر خوب پانی پیا۔ پھر سر مبارک اٹھایا اور الحمد للہ کہا۔ پھر بسم اللہ پڑھ کر خوب سیر ہو کر پیا۔ دوبارہ سر اٹھا کر الحمد للہ پڑھا۔ تیسری مرتبہ بھی بسم اللہ پڑھ

Marfat.com

کر پینا شروع کیا اور اب دونوں مرتبہ سے زیادہ پیا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ ہمارے اور منافق کے درمیان یہی علامت ہے کہ اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔

(تاریخ القویم جلد ۳ عنوان کیفیت شرب النبی ﷺ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب وہ زمزم نوش فرماتے تو یہ دُعا پڑھتے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَّ رِزْقًا وَاسِعًا وَّ شِفَآءً مِّنْ كُلِّ دَآءٍ

علماء کرام کا فرمان ہے کہ اسی دُعا پر اکتفا نہ کرے بلکہ دُنیا اور آخرت کے امور میں سے جو چاہے دُعا کرے مگر گناہ کی دُعا نہ کرے۔

حضرت سوید بن سعید فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مبارک کو دیکھا کہ آپ زمزم پیا' پھر کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے کہنے لگے' اے اللہ! میں نے زمزم اس نیت سے پیا ہے کہ قیامت کے دن پیاس سے نجات مل جائے۔ حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق تو میرے اس مقصد کو پورا فرما دے۔ (الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۱۰)

زمانہ جاہلیت میں کعبہ شریف کے مناصب میں ''سقایہ'' حجاج کو پانی پلانے کی خدمت بھی ایک جلیل القدر عہدہ تھا۔ چنانچہ قصی بن کلاب نے کعبہ شریف کے قریب ایک حوض بنوایا اور اس میں حجاج کے لئے شربت کا انتظام کیا۔ اس کے علاوہ دودھ اور دیگر عمدہ قسم کے مشروبات سے بھی حجاج کی ضیافت کرتا۔ کیونکہ اس زمانہ میں چاہ زمزم بند تھا۔ قصی کے بعد ہاشم اور عبدالمطلب بھی حجاج کو پانی پلانے کی خدمت انجام دیتے رہے۔

لیکن جب عبدالمطلب نے چاہ زمزم کھود کر صاف کر دیا تو پھر زمزم پلانے کی خدمت انجام دینے لگے۔ بعد ازاں اس خدمت پر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ مامور ہوئے اور پھر آج تک ان کی اولاد اس خدمت کو انجام دے رہی ہے۔ (جامع لطیف ص ۲۷)

اگرچہ اس دور میں بجلی کی مشین کے ذریعہ پانی کا ذخیرہ کیا جاتا ہے اور پھر ٹونٹیوں کے ذریعہ پیا جاتا ہے' مگر یہ انتظام آل عباس کے سپرد ہے۔

Marfat.com

دوسرے شہر میں زمزم کا تحفہ لے جانا

آب زمزم کا دوسرے شہروں میں لے جانا اور دوسرے مسلمانوں کو تحفہ پیش کرنا۔ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ حضرت سہیل بن عمر رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ میں پیغام بھیجا کہ ہمارا خط اگر رات کو ملے تو صبح کا انتظار نہ کرنا اور اگر دن کو ملے تو رات ہونے سے پہلے ہمیں زمزم پہنچا دو۔ جب انہیں نامہ مبارک وصول ہوا تو بلا تاخیر ایک آدمی کو دو مشکیں بھر کر حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۵ ص ۱۱۹، اخبار مکہ ج ۲ ص ۵۱)

شرح مہذب میں اس روایت کے ساتھ یہ تصریح بھی ہے کہ یہ واقعہ فتح مکہ سے پہلے کا ہے۔ (شرح مہذب جلد ۷ ص ۲۵۵)

حضور نبی کریم ﷺ جب کسی کو کوئی تحفہ دینا چاہتے تو اسے زمزم پیش فرماتے۔ (تاریخ التقویم جلد ۳ ص ۹۵)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب حج کرنے جاتیں تو واپسی میں زمزم اپنے ساتھ مدینہ طیبہ لایا کرتیں اور فرمایا کرتی تھیں کہ نبی کریم ﷺ بھی واپسی پر زمزم اپنے ساتھ مدینہ طیبہ لایا کرتے تھے۔

(مستدرک حاکم جلد ۱ ص ۴۸۵، مجمع الفوائد جلد ۱ ص ۹۵)

حضرت کعب احبار جب حج کے لئے تشریف لائے تو آپ نے زمزم پیا اور کچھ پانی اپنے کپڑوں پر ڈالا۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے کپڑوں پر زمزم کا پانی کیوں ڈالا ہے؟ تو جواب میں فرمایا کیا تم اس پانی کو پہچانتے نہیں؟ اللہ کی کتاب

Marfat.com

میں اس کے یہ اوصاف مذکور ہیں

برّة ، شراب الابرار ، لا تنزف ، لا تذم ، رواء ، طعام طعم و شفاء سقم (مصنف عبدالرزاق جلد ۵ ص ۱۱۵)

امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جب چاہ زمزم پر تشریف لائے تو پانی کا ڈول نکال کر نوش فرمایا اور باقی ماندہ اپنے سر اور کپڑوں پر ڈال لیا۔ (اخبار مکہ ص ۱۸۹)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت کعب احبار حج سے واپس جاتے وقت زمزم کے ۱۲ مشکیزے اپنے ساتھ شام لے گئے تھے۔ (اخبار مکہ ص ۱۹۲)

Marfat.com

چاہِ زمزم

یہ مقدس کنواں جو اپنی نرالی شان اور عزت و تکریم میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ ابتداء میں تو صرف چند انچ گہرا تھا۔ لیکن بعد ازاں عمیق و عریض کنواں بن گیا۔ اس معمولی اور مختصر سے چشمہ نے کنوئیں کی شکل کب اور کیسے اختیار کی؟ یہ ایک اہم اور تاریخی معمہ ہے۔

جب یہ پانی ظاہر ہوا تو سیدہ ہاجرہ نے مٹی کی ایک مختصر سی باڑ اس کے چاروں طرف بنا دی' جس سے یہ ایک چشمہ بن گیا۔ پھر جرہم وہاں آ کر آباد ہوئے۔ آبادی بڑھنے کے ساتھ ساتھ پانی بھی ان کی ضروریات پوری کرتا رہا۔

علامہ ازرقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' جب جرہم نے حرم محترم کی عزت و حرمت کو تاخت و تاراج کیا اور خزانہ کعبہ چوری چھپے اور اعلانیہ کھانے لگے اور سنگین جرائم کے مرتکب ہوئے تو اللہ رب العزت نے آبِ زمزم کی نعمت ان سے چھین لی۔ چشمہ خشک ہو گیا' اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سیلابوں نے اس کے نشانات کو نیست و نابود کر دیا۔ جس کے باعث آبِ زمزم کا محل وقوع حتیٰ کہ وجود تک سے لوگ بے خبر ہو گئے۔ ادھر جرہم کی مسلسل ظلم و تعدی بڑھتی گئی۔ ان کے سردار عمرو بن حارث بن مضاض نے وعظ و نصیحت کے ذریعہ ان کی اصلاح کی انتھک کوشش کی مگر بے سود۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر خزاعہ کو مسلط کر دیا۔ خزاعہ نے سخت ذلیل و خوار اور رسوا کر کے انہیں مکہ مکرمہ سے بے دخل کر دیا۔

اس اثنا میں عمرو بن حارث نے قوم کی حالت بد سے بدتر ہوتی دیکھی تو کعبہ شریف کا قیمتی خزانہ سونے کے دو ہرن' بعض قیمتی تلواریں اور چند دوسری چیزیں راتوں رات زمزم کے چشمہ والی جگہ گہری کھود کر دفن کر کے مٹی ڈال کر جگہ برابر کر

Marfat.com

دی۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا اس کے نشانات معدوم ہوتے چلے گئے۔ پھر صدیوں بعد جب اللہ تعالیٰ نے آب زمزم کی لازوال نعمت سے لوگوں کو بہرہ یاب فرمانا چاہا تو عبدالمطلب کو منتخب کیا۔ اور خواب کے ذریعہ انہیں زمزم کھودنے کا حکم دیا۔ خواب کے نتیجے میں آپ نے اپنے بڑے لڑکے حارث کو ساتھ لے کر اس کی کھدائی شروع کی اور پانی آنے تک کھدائی جاری رکھی۔ یہاں تک کہ پانی کے ساتھ جرہم کا دفینہ بھی دستیاب ہو گیا۔ اس طرح چشمہ کنوئیں کی شکل اختیار کر گیا اور آج تک کنوئیں ہی کی صورت میں موجود ہے۔ (اخبار مکہ ص ۵۲، ۵۳۔ تاریخ القویم جلد ۵ ص ۵۶، ۵۷)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: زمزم کا کنواں کعبہ شریف سے ۳۸ ذراع یعنی تقریباً ۵۷ فٹ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ (مسلم شریف جلد ۱ ص ۴۰)

علامہ ازرقی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: میں نے چاہ زمزم کی پیائش کی۔ اس کی گہرائی ۶۰ ذراع یعنی ۹۰ فٹ تھی۔ ۲۲۳ھ اور ۲۲۴ھ میں پانی کی مقدار میں بہت زیادہ کمی ہو گئی تھی بلکہ ناپید ہو گیا تھا۔ ان دنوں مجھے کنوئیں میں اترنے کا موقع بھی مل گیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے تین بڑے غار نما سوت ہیں۔ ایک حجر اسود کی طرف سے جاری ہے۔ دوسرا جبل ابی قبیس یعنی صفا کی طرف سے آ رہا ہے اور تیسرا مروہ کی جانب سے میں نے ایک غار یعنی سوت میں نماز بھی پڑھی۔

کنوئیں میں اس کے اندر سے مٹی گرتی رہی جس کے باعث پانی رفتہ رفتہ خشک ہو گیا۔ پھر ۲۲۴ھ میں ۹ ذراع یعنی ساڑھے ۱۳ فٹ اسے اور گہرا کیا گیا۔ اس طرح اس کی کل گہرائی ۶۹ ذراع یعنی ۱۰۳½ فٹ ہو گئی۔ اس میں سطح زمین سے ۴۰ ذراع تک پختہ چنائی تھی اور اس کے نیچے پہاڑ کرید کر کھودا گیا جس کی گہرائی ۲۹ ذراع تھی۔ بعد ازیں ۲۲۵ھ میں اللہ تعالیٰ نے خوب بارشیں برسائیں اور سیلاب آئے جس سے آب زمزم میں فراوانی ہو گئی۔ کنوئیں کا منہ تین ذراع سے کچھ زائد چوڑا تھا۔

اسی طرح خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ میں بھی سالم بن الجراح نے اسے ایک ذراع یعنی ۱½ فٹ مزید گہرا کیا تھا اور خلیفہ مہدی عباسی کے عہد میں بھی کچھ

Marfat.com

کھودا گیا تھا۔ (اخبار مکہ ص ۳۰۰)

غایۃ الاوطار میں ہے کہ چاہ زمزم کی گہرائی ۶۹ ہاتھ یعنی ۱۰۳ فٹ ۶ انچ اور اس کا منہ ۴ ہاتھ یعنی ۶ فٹ چوڑا ہے۔ (غایۃ الاوطار جلد ۱ ص ۵۸۰)

علامہ رفعت پاشا مرآۃ الحرمین میں لکھتے ہیں' چاہ زمزم کعبہ شریف سے ۱۸ میٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس پر مربع شکل چبوترہ بنا ہوا ہے جو اندر سے ۵ میٹر اور ۲۵ سینٹی میٹر لمبا ہے' یہ چبوترہ دو منزلہ ہے۔ پہلی منزل میں کنوئیں کے نگران یعنی خدام رہتے ہیں اور دوسری منزل میں اغوات یعنی مخصوص قسم کے خدام جو ہجوے ہوتے ہیں' دوسری منزل پر جانے کے لئے لکڑی کی سیڑھی لگی ہوئی ہے' اور جو آدمی چاہتا ہے دوسری منزل پر پہنچنے کے لئے چڑھ جاتا ہے۔ (مرآۃ الحرمین)

علامہ تقی الدین فاسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں' میں نے چاہ زمزم کے منہ کی بلندی کی پیائش کی جو زمین سے اوپر تک پونے دو ذراع تھی' تقریباً دو فٹ ساڑھے ۷ انچ اور قطر ساڑھے ۴ ذراع' تقریباً ۶ فٹ ۹ انچ اور منہ کا کل محیط تقریباً پندرہ ذراع یعنی ۲۲ فٹ ۶ انچ تھا۔

علامہ ازرقی رحمہ اللہ اپنے عہد میں پانی پلانے کی کیفیت اس طرح بیان فرماتے ہیں. لکڑی کے تین پائے بنے ہوئے ہیں' جن پر بیٹھ کر پانی پیا جاتا تھا۔ زمزم کے کنوئیں پر سب سے پہلے سنگ مرمر کا فرش اور سنگ مرمر کی جالی ابوجعفر نے اپنے عہد خلافت میں لگائی تھی پھر مہدی عباس نے اس کی ترمیم و اصلاح کی۔ اس کے بعد عمر بن فرج الرخجی ۲۲۰ھ المعتصم باللہ کے دور میں اسے تبدیل کیا' اور صفا کی جانب سقایہ عباس بنایا۔ پھر زمزم کے قبہ کی چھت تبدیل کی۔ اندر سے زردوزی اور باہر سے نہایت عالی شان مینا کاری کرائی' دونوں جانب آہنی سلاخیں لگائیں جن سے قندیلیں لگائی جاتی تھیں۔ (اخبار مکہ ص ۳۰۰)

علامہ ازرقی رحمہ اللہ عطاء سے روایت نقل کرتے ہیں' زمزم کے دو حوض تھے۔ حجر اسود اور چاہ زمزم کے درمیان حوض پانی پینے کے لئے اور صفا کی جانب وضو کرنے کے

Marfat.com

لئے بنائے گئے تھے۔ ایک آدمی کنوئیں سے پانی نکالنے پر مامور تھا۔ (اخبار مکہ ص ۲۹۹)

علامہ ابن جبیر اندلسی رحمۃ اللہ علیہ اپنے عہد کا نقشہ اس طرح پیش کرتے ہیں' زمزم کا حوض جس کی دیوار ۳ فٹ موٹی' ۱۹ ار انگل اونچی اور ۱۸ ار انگل چوڑی ہے۔ صفا و مروہ کے درمیان قبہ عباس میں واقع ہے۔ جہاں پہلے حجاج کو پانی پلانے کا انتظام تھا۔ مگر اب دستہ دار گھڑوں میں زمزم بھر کر اس قبہ میں صبح رکھ دیا جاتا ہے' تاکہ ٹھنڈا رہے' اور رات کے وقت پلانے کے لئے باہر نکال لیا جاتا ہے۔ (ابن زبیر ص ۷۵)

علامہ تقی الدین فاسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں چاہ زمزم پر ایک مربع شکل عمارت بنی ہوئی ہے' دیواروں کے اندر نو حوض ہیں جو ہر وقت زمزم سے بھرے رہتے ہیں۔ لوگ ان میں سے وضو کرتے ہیں' اس عمارت میں کعبہ شریف کی طرف والی دیوار میں سوراخ دار کھڑکیاں بنی ہوئی ہیں۔ چھت پر موذنین کے لئے برآمدہ بنا ہوا ہے۔ لیکن اس کار خیر کے انجام دینے والے کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ البتہ ۸۲۲ھ میں یہ پوری عمارت اور حوض نئے بنائے گئے۔ چھت پر موذنوں کے لئے نیا اور عمدہ برآمدہ تعمیر کیا گیا جس کے تمام اخراجات الشیخ علی بن محمد بن عبدالکریم جیلانی نزیل مکہ مکرمہ نے اپنی جیب خاص سے ادا کیے۔ پہلا چبوترہ لکڑی کا بنا ہوا تھا جو بوسیدہ ہو گیا تھا۔ نئی تعمیر تراشیدہ منقش پتھروں سے کی گئی تھی۔ (اعلام الاعلام ص ۳۰۳)

۹۳۳ھ میں زمزم کے چبوترہ کو چاروں طرف سے سنہری نقش و نگار سے مزین کیا گیا اور ملک المظفر سلیمان کا نام کندہ کیا گیا۔

۹۴۸ھ میں امیر خشقلدی نے چبوترہ کی تجدید کی' فرش سنگ مرمر کا بنایا' اور اس کی دوسری منزل بھی بنائی۔ جس کا چھت منقش لکڑی سے بنایا۔

۱۰۲۰ھ میں ایک مجنون نے کنوئیں میں چھلانگ دی جسے نکالنے کے لئے جدہ سے غوطہ خور بلائے گئے۔ سخت جدوجہد کے بعد اس کی لاش نکالی گئی۔ چنانچہ ایسے واقعات کی روک تھام کے لئے سلطان احمد خان کے حکم سے ایک آہنی جنگلہ پانی کی سطح سے ایک میٹر اوپر لگایا گیا۔ تاکہ پانی تک کوئی چیز نہ پہنچ سکے۔

Marfat.com

چبوترہ کی شمالی دیوار پر دو حدیثیں اور سلطان عبدالحمید خان کا نام لکھا گیا

ماء زمزم شفاء من کل داءٍ ۔ آیۃ ما بیننا و بین المنافقین انہم

لا یتضلعون من زمزم السلطان عبدالحمید خان سنۃ ۱۲۰۱ھ

اور دروازہ پر یہ اشعار کندہ تھے

سرود لسلطان البسیطۃ والوری عبدالحمید البر بحر المکارم

و نصرلہ ایضًا و فتح و رفعۃ بتعمیر ھذا المآثر المتقادم

حفیرۃ ابراھیم یوم ابن ھاجر و رکضۃ جبریل علی عھد آدم

اور سامنے والی کھڑکی پر دو حدیثیں لکھی ہوئی تھیں

ماء زمزم لما شرب لہ. لا یجتمع ماء زمزم و نار جھنم فی جوف عبد.

السلطان عبدالحمید خان سنۃ ۱۲۰۱ھ

یہ عمارت اور تحریریں علامہ رفعت پاشا کے عہد تک موجود تھیں۔

(مرآۃ الحرمین جلد ۱ ص ۲۵۸)

علامہ طاہر کردیؒ تاریخ الغازی کے حوالہ سے لکھتے ہیں' رمضان المبارک ۱۰۲۸ھ میں چاہ زمزم کی شمالی اور غربی دیوار کے بہت سے پتھر گر گئے۔ جس کے باعث پانی کا ذائقہ بہت زیادہ تبدیل ہو گیا۔ سوموار کے دن ۱۳ شوال شیخ حرم آغا حسین الحسینی' مولانا السید الشریف ادریس بن الحسن' حکام شہر اور ماہرین فن تعمیر جمع ہوئے اور کنوئیں کی اصلاح اور مرمت کا پروگرام مرتب کر کے اسی دن کام شروع کر دیا۔ اور بروز بدھ ۱۶ شوال تک تمام کام مکمل ہو گیا۔ اسی طرح ذی الحجہ ۱۰۶۸ھ میں ایک مرتبہ پانی کی سخت کمی ہو گئی تھی۔ جب ڈول نکالا جاتا تو کیچڑ زیادہ اور پانی تھوڑا ہوتا تھا۔ کئی مرتبہ کنوئیں کی صفائی اور کھدائی کرائی گئی مگر پانی کی قلت دور نہ ہوئی۔ صبح سے ظہر تک اور مغرب سے عشاء تک کنواں بند کر دیا جاتا مگر اس کے باوجود پانی حسب ضرورت جمع نہیں ہوتا تھا۔ اس سے پہلے اتنی شدید کمی کبھی واقع نہیں ہوئی تھی۔ (تاریخ القویم جلد ۳ ص ۹۸)

Marfat.com

محمد لبیب البتونی لکھتے ہیں ۱۳۲۷ھ میں ایک ہندی نے چاہ زمزم میں چھلانگ لگا دی' جس کی نعش نکالنے کے لئے جدہ سے غوطہ خور بلائے گئے جنہوں نے بڑی مشکل سے اسے نکالا اور کنواں پاک کیا۔ علاوہ ازیں ہندی لوگ کفن کا کپڑا آب زمزم میں دھو کر ساتھ لے جاتے ہیں۔ (رحلۃ الحجاز یہ ص ۱۲۷)

علامہ طاہر کردی الشیخ حسین باسلامہ کی کتاب ''تاریخ عمارۃ المسجد الحرام'' سے نقل کرتے ہیں' ہمارے زمانہ میں چاہ زمزم کی صورت اس طرح ہے کہ کنوئیں کا منہ گول ہے اور اسے بند کرنے کے لئے سنگ مرمر کا ایک بڑا پتھر رکھا ہوا ہے۔ یہ طریق اس لئے اختیار کیا گیا کہ ۱۳۳۲ھ میں افغانستان کے ایک آدمی نے کنوئیں میں چھلانگ لگا دی تھی۔ اسے نکالنے کے بعد سعودی حکومت نے ایسے واقعات کا سد باب کرنے کی غرض سے کنوئیں پر ایک وزنی پتھر رکھ دیا۔ کنوئیں کا منہ زمین سے ۱۴۰ سینٹی میٹر اونچا ہے۔ قبہ کے اندر سنگ مرمر کا فرش بنا ہوا ہے۔ قبہ مربع شکل ہے' جس کا ہر ایک ضلع گیارہ ذراع (تقریباً ۱۶½ فٹ یا پانچ میٹر لمبا ہے) قبہ کی مشرقی دیوار میں دروازہ ہے' چھت کے اوپر نصف حصہ میں برآمدہ بنا ہوا ہے اور نصف خالی ہے۔ برآمدہ کی چھت موٹی اور مضبوط لکڑی سے بنی ہوئی ہے۔ یہ برآمدہ رئیس المؤذنین کے لئے مخصوص ہے' جس کی اذان کی آواز سن کر میناروں میں مقرر موذن اذان شروع کرتے ہیں۔ نیز رئیس المؤذنین نماز جمعہ اور عیدین میں تکبیر کے ذریعہ امام کی آواز مقتدیوں تک پہنچاتا ہے۔ اس وقت رئیس المؤذنین الشیخ عبدالعزیز بن علی رئیس ہیں۔

قبہ زمزم کے جنوب میں ایک کمرہ بنا ہوا ہے' جس میں اغوات (ہیجڑے جو مطاف کی صفائی پر مامور ہوتے ہیں) مطاف کی صفائی کا سامان رکھتے ہیں۔ مطاف میں حجر صفوان کا فرش بنا ہوا ہے۔ اس کمرہ میں مطاف میں رات کے وقت روشنی کرنے والی شمعیں بھی رکھی جاتی ہیں' مغرب سے نماز عشاء کے بعد تک اور صبح اجالا ہونے تک باب کعبہ کے سامنے شمعیں روشن کی جاتی ہیں۔ اسی کمرہ کے قریب چھت پر جانے کے لئے سیڑھی لگی ہوئی ہے۔

Marfat.com

جلالة الملك المملكة العربية السعودية الملك عبدالعزیز بن عبدالرحمن الفیصل آل سعود کے حکم سے زمزم کی دو سبیلیں بنائی گئیں۔ ایک قبہ زمزم کے دروازہ کی جنوبی سمت اور دوسری اغوات کے کمرہ کی جنوب جانب۔ ان ہر دو سبیلوں کی تعمیری خدمات الشیخ عبداللہ الدھلوی نے انجام دیں' انہیں بے حد خوبصورت اور دیدہ زیب سنگ مرمر سے تعمیر کیا۔ قبہ زمزم کے قریب حجرہ اغوات کے پاس والی سبیل ۱۳۴۵ھ میں اور قبہ زمزم کے قریب والی سبیل ۱۳۴۶ھ میں مکمل ہوئی۔ (تاریخ القویم جلد ۳ ص ۸۵)

چاہ زمزم پر قبہ بن جانے کے باوجود دروازہ اور تالا نہیں تھا۔ چنانچہ ۸۲۶ھ میں شیخ عبدالملک بن ابی بکر زمزمی نے خلیفہ وقت سے استدعا کی کہ نماز کے وقت بھی لوگ زمزم نکالنے اور پینے میں مشغول رہتے ہیں اور ان کے شور کے باعث امام صاحب کو دقت ہوتی ہے' لہٰذا دروازے اور تالے کا انتظام ہونا چاہئے۔ جس پر خلیفہ کے حکم سے دروازہ لگایا گیا اور تالے چابی کا انتظام بھی ہو گیا۔ (تاریخ القویم جلد ۳ ص ۸۶)

۱۳۸۳ھ میں مطاف کی توسیع کے باعث مذکورہ بالا عمارتیں مسمار کر دی گئیں اور زمزم کا کنواں زیر زمین بنا دیا گیا۔ جس کے شمالی جانب نیچے اترنے کا راستہ تھا۔ سطح زمین سے تین سیڑھیاں چڑھ کر پھر ۲۲ سیڑھیاں نیچے اترنا پڑتا تھا۔ سیڑھیوں اور کنوئیں کے درمیان کشادہ جگہ دو حصوں میں منقسم تھی۔ دائیں طرف مردوں کے لئے اور بائیں طرف عورتوں کے لئے مخصوص تھی۔ پانی پینے کے لئے دیوار کے ساتھ ایک بڑے پائپ میں ۱۹ ٹونٹیاں لگی ہوئی ہیں' جو تقریباً چار فٹ بلندی پر ہیں۔ ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ میں مردانہ حصہ کے بائیں جانب بہت سی اور ٹونٹیاں لگادی گئی تھیں۔

کنوئیں کا چھت مطاف کے اندر ہے' مردانہ اور زنانہ حصہ اور کنوئیں کے درمیان ایک بڑا آہنی دروازہ لگا ہوا ہے جو ایام حج میں بالکل بند رہتا ہے۔ کنوئیں میں بجلی کی دو موٹریں نصب ہیں جو باری باری چلائی جاتی ہیں۔ ایک آدمی ان کی نگرانی کے لئے ہر وقت موجود رہتا ہے۔ کنوئیں کا منہ ایک موٹے اور بڑے آہنی

Marfat.com

دروازہ سے بند ہے۔

حرم شریف کی سعودی تعمیر کے تہہ خانوں میں جو خلوات (کمرے) بنے ہوئے ہیں۔ ان میں بھی موٹر کے ذریعہ زمزم سپلائی کیا جاتا ہے۔ اتنی کثرت سے پانی نکلنے کے باوجود کمی کا وہم بھی نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ بعض دوسرے شہروں میں بھی کافی مقدار میں زمزم موٹروں کے ذریعہ بھیجا جاتا ہے۔

چونکہ حجاج کی تعداد ہر سال بڑھتی رہتی ہے اور حج کے ایام میں طواف کے دوران سخت تکلیف ہوتی ہے۔ خصوصاً طواف زیارت میں بھیڑ کے باعث کعبہ شریف سے بہت دور بلکہ چاہ زمزم سے بھی باہر دور تک طواف کیا جاتا ہے۔ اس لئے سعودی حکومت نے پورا صحن حرم مطاف بنا دینے کا عظیم منصوبہ بنایا۔ جس کے باعث ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۹ء میں چاہ زمزم پر پورا چھت ڈال دیا گیا اور زمزم پینے کا انتظام باب عمرہ کی طرف تہہ خانے میں کر دیا گیا۔ جہاں مرد اور عورتوں کے لئے تقریباً چھ سو ٹونٹیاں لگائی گئی ہیں۔ جس کے باعث نہ تو زمزم پینے میں تکلیف رہی اور نہ ہی طواف کرنے میں دقت۔

امام ازرقی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ قیامت کے قریب اللہ تعالیٰ تمام روئے زمین سے میٹھا پانی خشک کر دیں گے' مگر زمزم کا پانی اس وقت بھی باقی رہے گا۔ (اخبار مکہ عنوان آب زمزم)

آب زمزم پینے اور وضو کرنے کا جو انتظام شوال المکرم ۱۴۰۲ھ مطابق اگست ۱۹۸۲ء میں دیکھنے میں آیا ہے۔ اس قدر وسیع اور عمدہ انتظام اس سے قبل کسی بھی دور میں نہیں تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ قدیم زمانہ میں ڈول رسی سے خود پانی نکالنا پڑتا تھا۔ بعد میں حوض کے ذریعہ زمزم پینے اور وضو کرنے کا انتظام کیا گیا۔ پھر سعودی حکومت نے زیر زمین چاہ زمزم کے قریب مردوں اور عورتوں کے لئے علیحدہ علیحدہ ٹونٹیاں لگا دیں۔ لیکن موجودہ نظام بے حد قابل تعریف اور انتہائی عمدہ ہے۔ شوال ۱۴۰۲ھ سے ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ تک حسب ذیل جگہوں میں زیر زمین زمزم

Marfat.com

پینے اور وضو کرنے کا انتظام تھا۔

(۱) چاہ زمزم کے قریب (۲) باب السلام کے نیچے (۳) باب الحدیبیہ کے نیچے اور (۴) باب الشبیکہ کے نیچے یہ تمام تہہ خانہ میں انتظام تھا' جس کی تفصیل اس طرح ہے

چاہ زمزم کے قریب جہاں پہلے پانی پینے کے لئے ٹونیاں لگی ہوئی تھیں' اسے از سر نو تعمیر اور وسیع کر کے مردانہ حصہ میں آٹھ لائنوں میں ۲۲۰ ٹونیاں لگائی گئی ہیں۔ اس کے بائیں ہاتھ عورتوں کے لئے بھی اتنی ہی تعداد میں ٹونیاں لگی ہوئی ہیں۔ ۲۳ سیڑھیاں اتر کر نیچے جانا پڑتا ہے۔ یہ ٹونیاں بے حد خوبصورت' عمدہ اور بٹن والی ہیں جنہیں دبانے سے درمیانی مقدار میں پانی اوپر کی جانب نکلتا ہے۔ ساتھ ہی نہایت نفیس اور مضبوط بیسن بھی لگے ہوئے ہیں۔ یہ ٹونیاں تقریباً تین فٹ کی بلندی پر ہیں۔ یہاں ۱۵۲ نہایت خوب صورت گول لائٹیں لگی ہوئی ہیں' جن کی روشنی چھت کی جانب ہے' اور ۱۶ ستون بنے ہوئے ہیں' اس جگہ کو ٹھنڈا رکھنے کے لئے ایئر کنڈیشن بھی لگے ہوئے ہیں۔ یہاں پر فرش میں بہت بڑے بڑے کھردرے پتھر لگے ہوئے ہیں۔ موسم حج ۱۴۰۳ھ میں مذکورہ ٹونیوں میں پینے کے لئے ٹھنڈا پانی دستیاب تھا۔

باب السلام کے اندر تہہ خانہ میں مردانہ اور زنانہ زمزم پینے کا انتظام ہے۔ مردانہ حصہ میں ۸۴ ٹونیاں تقریباً ۳ فٹ کی بلندی پر لگی ہیں' یہ عام قسم کی ٹونیاں ہیں جن سے پانی بہت زیادہ آتا ہے۔ لوگ وضو کرتے' نہاتے اور کین وغیرہ بھی بھر لیتے ہیں۔

۳۔ اس سے قبل ۱۹۷۹ء سے باب العمرہ کے اندر تہہ خانہ میں زمزم پینے کا انتظام کیا گیا تھا جسے شوال ۱۴۰۲ھ مطابق اگست ۱۹۸۲ء میں ختم کر دیا گیا۔

اس کے متبادل باب الحدیبیہ کے اندر تہہ خانہ میں ذی القعدہ ۱۴۰۲ھ مطابق ستمبر ۱۹۸۲ء کے آخری عشرہ میں زمزم کا انتظام کر دیا گیا' جہاں متعدد سیڑھیاں اتر کر جانا ہوتا ہے۔ یہاں دو حصوں میں ۷۰ ٹونیاں تقریباً ۲ فٹ کی بلندی پر لگی ہوئی ہیں۔ اس حصہ میں چھت میں ۷۰ ٹیوب لائٹ اور ۱۰ پنکھے لگے ہیں' اور یہاں بھی ایئر کنڈیشن

Marfat.com

لگے ہیں لیکن ابھی چالو نہیں ہوئے یہاں سے ایک راستہ باہر بھی جاتا ہے۔

۳۔ اسی طرح باب شبیکہ اور باب عمرہ کے درمیان تہہ خانے میں دو ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ مطابق اکتوبر ۱۹۸۲ء کو وضو کے لئے زمزم کی نئی ٹونیاں لگائی گئی ہیں جو تقریباً ۳ فٹ بلندی پر ہیں۔ ان کی تعداد ۷۰ ہے اور اس حصہ میں ۲۶ ٹیوب لائٹ لگی ہوئی ہیں۔ یہاں بھی ایئر کنڈیشن لگائے گئے ہیں مگر فی الحال چالو نہیں ہوئے یہاں سے بھی ایک راستہ باہر جاتا ہے۔ اس راستہ میں ۲۷ سیڑھیاں ہیں جب کہ حرم کے اندر سے ۱۹ سیڑھیاں اتر کر جانا ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں ۱۹۷۹ء سے زائرین اور حجاج کی سہولت کی خاطر زمزم پینے کے لئے کولروں کا وسیع تر انتظام کیا گیا ہے۔ پلاسٹک کے کولر جن میں ۶۰ لیٹر پانی آتا ہے ہر وقت بھرے رہتے ہیں۔ ہارڈ بورڈ کی چوکیاں جو تین جانب سے بند اور ایک طرف سے کھلی ہوتی ہیں ان پر کولر رکھ کر کھلی جانب ایک سٹیل کی ٹرے رکھی رہتی ہے جس میں استعمال شدہ پانی گرتا ہے۔

تین جماعتیں اس کام پر متعین ہیں جو ہمہ وقت مصروف کار رہتی ہیں۔ جب کہ سہولت کی خاطر کام کو چار حصوں میں تقسیم کر لیا گیا ہے۔ باب ملک عبدالعزیز سے باب صفا تک باب صفا سے باب الفتح تک باب الفتح سے باب العمرہ تک اور باب العمرہ سے باب ملک عبدالعزیز تک اسی طرح مطاف کو بھی چار حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔

ایک جماعت ۲۰، ۲۰ لیٹر وزنی کین زمزم سے بھر کر لوہے کی ٹرالی میں لاتی اور کولر بھرتی جاتی ہے۔ دوسری جماعت اس سے بڑی ٹرالی میں برف لا کر ہر ایک کولر میں ڈالتی جاتی ہے۔ تیسری جماعت استعمال شدہ زائد پانی ایک ٹرالی میں ڈال کر لے جاتی ہے جسے مطاف کے کناروں پر واقع زیر زمین گٹر میں ڈال دیتی ہے ان ملازمین کی تعداد چار ہزار ہے جو تین شفٹوں میں دن رات مصروف رہتے ہیں اور اکثر ملازمین پاکستانی ہیں۔

Marfat.com

۱۴۰۳ھ کے موسم حج میں اس سے بھی زیادہ عمدہ انتظام کیا گیا تھا' حرمین شریفین کی صفائی اور پانی پلانے کا کام پاکستانی ملازمین کے سپرد تھا۔ جن کے سربراہ ریٹائرڈ کرنل غلام محمد (راولپنڈی) تھے۔ کرنل صاحب موصوف کے بیان کے مطابق دو ہزار پاکستانی ملازمین اس خدمت پر چار ماہ کے لئے مامور تھے' کولروں کی مجموعی تعداد پانچ ہزار تھی لیکن حج کے ایام میں جب رش بہت زیادہ ہو گیا تو کولروں کی جگہ جستی ٹینکیاں متعدد جگہوں پر رکھ دی گئیں۔ مثلاً باب الصفا' باب الہجرۃ' باب ابراہیم' باب الحدیبیۃ اور باب الدریبہ کے اندر' ہر ایک جگہ تقریباً بارہ بارہ ٹینکیاں تھیں۔ اسی طرح بالائی منزل پر بھی ٹینکیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اور صفا و مروہ کے درمیان جو دروازے بند کر دیئے گئے ہیں ان کے اندر بھی ٹینکیاں رکھی ہوئی تھیں۔ زمزم کو ٹھنڈا کرنے کے لئے جو برف استعمال کی جاتی ہے وہ بھی آب زمزم ہی سے بنائی جاتی ہے۔ جس کا کارخانہ منیٰ کے قریب واقع ہے۔ علاوہ ازیں ۱۴۰۳ھ میں پہلی مرتبہ مسجد نبوی شریف میں بھی زمزم پلانے کا انتظام کیا گیا ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مذکورہ کولروں کے نیچے اسٹیل کی ٹرے رکھی جاتی ہے' تاکہ استعمال شدہ پانی فرش پر نہ گرے' لیکن ۱۴۰۳ھ میں اس میں بھی تبدیلی کر دی گئی تھی' کیونکہ ٹرے رکھنے سے بعض لوگ وہاں وضو بھی کر لیتے تھے اور بوتلیں اور کین بھی بھر کر گھر لے جاتے تھے اس لئے ۱۴۰۳ھ میں ٹرے کی بجائے پلاسٹک کا ڈبہ سا بنا دیا گیا تھا' اسی پر کولر رکھا جاتا اور اسی میں پانی بھی جمع ہوتا تھا۔ اور گلاس بھرنے کے لئے صرف اتنی جگہ رکھی گئی جہاں صرف چار انچ کا گلاس رکھا جا سکے۔ علاوہ ازیں جو پانی فرش پر گرتا ہے اسے خشک کرنے کے لئے بجلی سے چلنے والی ایک مشین استعمال کی جاتی ہے جو منٹوں میں پانی خشک کر دیتی ہے۔

———o———

Marfat.com

کیمیائی تجزیہ

اس سائنسی اور تکنیکی دور میں آبِ زمزم کا کیمیائی تحلیل و تجزیہ کرنے پر اسے گوناگوں فوائد و خواص کا حامل اور حسبِ ذیل معدنی اجزا کا مرکب پایا گیا۔ سائنسی تجزیہ کی تفصیلات سید محبوب صاحب رضوی مدظلہٗ کے رشحاتِ قلم کے حوالے سے ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہیں:

① میگنیشیم سلفیٹ ② سوڈیم سلفیٹ

③ کیلیم کاربونیٹ ④ سوڈیم کلورائڈ

⑤ پوٹاشیم نائٹریٹ ⑥ ہائیڈروجن سلفائیڈ

ان اجزاء میں درج ذیل خواص پائے جاتے ہیں:

① میگنیشیم سلفیٹ:

اس کا استعمال اعضاء کی حرارت کو دور کرتا ہے۔ قے، متلی اور دوران سر کے لئے بے حد مفید ہے۔ دست آور ہوتا ہے اور استسقاء کے لئے بڑا نفع بخش ہے۔ جسم کے بلغمی مادے کو ختم کر کے مضر اجزا کی بیخ کنی کرتا ہے۔

② سوڈیم سلفیٹ:

یہ ایک قسم کا نمک ہے جو قبض کو رفع کرتا ہے۔ وجع المفاصل کے لئے بے حد مفید ہے۔ ذیابیطس، خونی پیچش، پتھری اور استسقاء کے مریضوں کے لئے بھی انتہائی مفید ہے۔

③ سوڈیم کلورائڈ:

انسانی خون کے لئے یہ نمک بہت اہمیت رکھتا ہے۔ تنفس کی صفائی اور جسمانی نظام کی برقراری کے لئے استعمال کرایا جاتا ہے۔ آنت اور پیٹ کے مسلسل درد اور ہیضے میں زوداثر سمجھا جاتا ہے۔ اور زہر کی متعدد اقسام کے لئے بہترین تریاق ہے۔ خصوصاً کوئلے کے دھوئیں کی زہریلی گیس (کاربن مانو آکسائڈ) کی سمیت اس کے استعمال سے فوراً دور ہو جاتی ہے۔ اور یہ نمک اعضا کی کمزوری کو بھی دور کرتا ہے۔

④ کیلیم کاربونیٹ:

خوراک کو ہضم کرنے، پتھری توڑنے اور وجع المفاصل کے لئے مفید ہے۔

Marfat.com

اعضاء کی حدت اور لو کا اثر زائل کرنے میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

⑤ پوٹاشیم نائٹریٹ:

تھکن اور لو کے اثر کو زائل کرتا ہے' پیشاب آور ہے' دمہ کے لئے بھی مفید ہے' پسینہ بکثرت لاتا ہے' زمزم کے پانی کو ٹھنڈا رکھنے میں پوٹاشیم نائٹریٹ کا بڑا حصہ ہے۔

⑥ ہائیڈروجن سلفائیڈ

تمام جلدی امراض خصوصاً خنازیر کے لئے نفع بخش سمجھا جاتا ہے۔ شدید زکام میں اس کے استعمال سے راحت محسوس ہوتی ہے۔ جراثیم کش ہے۔ اس لئے اس کے استعمال سے پیٹ کے جراثیم ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ قوت ہاضمہ' قوت حافظہ اور دیگر دماغی قوتوں کو تقویت پہنچاتا ہے۔ بھوک بڑھاتا اور بواسیر کے لئے بھی اکسیر ثابت ہوا ہے۔

ہائیڈروجن سلفائیڈ آب زمزم میں خاص طور سے موجود ہے۔ تازہ زمزم پینے سے اس کا اثر بہت زیادہ ہوتا ہے۔ غرض کہ آب زمزم نہ صرف ہر قسم کے جراثیم سے پاک ہے بلکہ بہت سے فوائد کے لحاظ سے منفرد اہمیت کا حامل ہے۔

(ہفت روزہ خدام الدین ۱۳ فروری ۱۹۷۰ء ص ۳)

سقایۂ العباس

قارئین پڑھ چکے ہیں کہ جس زمانہ میں چاہ زمزم بند تھا۔ حجاج کو پانی پلانے اور وضو کرنے کے لئے حرم شریف میں کئی حوض بنائے گئے۔ لیکن ان میں زیادہ مشہور سقایہ عباس ہے۔ کیونکہ یہ صدیوں قائم رہا اور حجاج اس سے فیض یاب ہوتے رہے۔ یہ حوض کعبہ شریف کے مشرق میں چاہ زمزم سے جنوب کی طرف حجر اسود سے ۸۰ ذراع یعنی ۳۶ میٹر ۱۰ سینٹی میٹر کے فاصلہ پر واقع تھا۔

اسی جگہ عبدالمطلب بن ہاشم نے حجاج کے لئے سبیل بنوائی تھی۔ ان کے وصال کے بعد ابوطالب اس خدمت پر مامور ہوئے' لیکن انہوں نے اپنے بھائی عباسؓ سے دس ہزار درہم ایک سال کے لئے قرض لئے۔ مگر سال پورا ہونے پر قرض ادا نہ کر سکے۔ چنانچہ انہیں مزید ایک سال کی مہلت اس شرط پر مل گئی کہ اگر آئندہ موسم

Marfat.com

حج کے موقع پر آپ رقم ادا نہ کر سکے تو پھر "سقایہ" کے منصب سے دست بردار ہو جائیں' لیکن دوسرا سال گزر جانے کے باوجود قرض ادا نہ کر سکے۔ جس کی وجہ سے وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ چنانچہ اس وقت سے اب تک حجاج کو پانی پلانے کی خدمت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد انجام دے رہی ہے۔

ابتداء میں یہ حوض حجر اسود اور چاہ زمزم کے درمیان حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی نشست گاہ کے قریب تھا۔ لیکن مطاف کی وسعت کے پیش نظر سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ۸۰ ذراع کے فاصلہ پر بنوایا۔ بعد میں محمد بن ہارون بن ابراہیم نے اس پر کمرہ بنا کر لکڑی کی چھت ڈال دی۔ اور نالیاں سنگ مرمر کی بنوائیں۔ یہ عمارت ۲۵۰ھ تک قائم رہی۔ پھر احمد بن محمد بن عیسیٰ نے اسے منہدم کر کے چار ستونوں پر منقش لکڑی کی چھت بنوائی جو چاروں طرف سے کھلی تھی۔ یہ تعمیر ۳۷۳ھ تک قائم رہی۔ جعفر بن علی بن سلیمان عباسی نے جب حج کیا تو اسے پتھروں اور چونے سے بے حد مضبوط اور مستحکم تعمیر کرایا۔ جو ۴۳۰ھ تک قائم رہا۔ اس کے بعد عمر بن حسن نے اسے منہدم کر کے مکان کی شکل میں ساری عمارت نئی تعمیر کرائی' اور شرقاً غرباً دو دروازے بھی رکھے۔ یہ عمارت ۵۲۰ھ تک رہی۔ بعد میں ابراہیم عباسی نے اس کی تجدید کرائی۔ بعد ازاں جواد الاصفہانی صاحب موصل نے اسے تعمیر کرایا اور اس پر قبہ بھی بنوایا جو ۶۰۷ھ میں گر جانے کے باعث صاحب موصل اور خلیفہ الناصر الدین اللہ عباسی کی والدہ نے اس کی تجدید کرائی۔ ۶۷۴ھ میں ملک مظفر اور ۷۲۰ھ میں احمد بن عمر مرجانی نے اس کی تجدید کرائی۔ ابن فہد کی روایت کے مطابق ۷۰۶ ہجری میں محمد بن قلاوون نے بھی اسے تعمیر کرایا تھا۔

۸۰۷ھ میں سلطان ظاہر برقوق نے اور ۸۷۳ھ میں قائتبائی نے تجدید کرائی اور ۸۹۴ھ میں دوبارہ تعمیر کرائی۔ ۱۱۲۶ھ میں وزیر حسن پاشا نے اسے مرمت کرایا۔

بالآخر ۱۲۵۹ ہجری میں سلطان عبدالحمید خان کے حکم سے حوض کے گنبد میں ایک عظیم الشان کتب خانہ (لائبریری) بنایا۔ جس میں ہر موضوع اور فن کی بے شمار کتابیں رکھیں جس سے ہر خاص و عام استفادہ کرتا رہا۔ (تاریخ القویم جلد ۳ عنوان سقایۃ العباس)

Marfat.com

منبر مبارک

حرم محترم میں حضور اقدس ﷺ اور خلفائے راشدین کے مبارک دور میں منبر نہیں تھا۔ خطیب حرم شریف میں زمین پر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے۔ کبھی کعبہ شریف کے سایہ میں اور کبھی حطیم کی جانب کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے تھے۔ پھر امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں منبر بنوا کر حرم شریف میں رکھا۔

علامہ ازرقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' حرم محترم میں منبر پر سب سے پہلے معاویہ بن ابی سفیان نے خطبہ دیا۔ وہ منبر چھوٹا سا تھا' اور اس کے تین زینے تھے۔ عرصہ دراز تک وہ حرم شریف کی زینت بنا رہا' گو اس کی مرمت تو کی جاتی رہی مگر اس میں کوئی تغیر تبدل نہ کیا گیا۔

حتیٰ کہ جب ۱۷۰ھ میں خلیفہ ہارون الرشید حج کرنے آیا تو اس نے ایک بیش بہا قیمتی اور نقش و نگار میں لاثانی منبر اپنے عامل موسیٰ بن عیسیٰ کے ہاتھ تحفہ بھیجا۔ یہ منبر نو سیڑھیوں کا تھا جو پہلے منبر سے بڑا اور اونچا تھا۔ اسے حرم شریف میں رونق بخشی گئی اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا پرانا منبر عرفات میں منتقل کر دیا گیا۔ پھر واثق عباسی نے اپنے عہد میں تین منبر تیار کرائے۔ ایک حرم محترم کے لئے' دوسرا منیٰ اور تیسرا عرفات کے لئے۔

المنتصر بن المتوکل العباسی جب اپنے والد بزرگوار کے عہد حکومت میں حج کرنے آیا تو اس کے لئے ایک عظیم الشان منبر تیار کیا گیا جس پر کھڑے ہو کر اس نے خطبہ دیا۔ المنتصر نے اس کو حرم میں رکھنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد بھی متعدد منبر بنائے جاتے رہے۔

Marfat.com

علامہ ابن جبیر اندلسیؒ فرماتے ہیں' میں نے مقام ابراہیم کے سامنے منبر رکھا ہوا دیکھا جس کے چار پہیے تھے۔ جمعہ کے دن اسے رکن عراقی اور حجر اسود کے درمیان والی دیوار کے ساتھ ملا کر رکھا جاتا۔ خطیب صاحب باب النبی ﷺ کی طرف سے تشریف لاتے اور خطبہ ارشاد فرماتے۔ اس منبر کے چار زینے تھے۔

مقتدی عباسی کے وزیر نے بھی ایک انتہائی قیمتی اور بے حد خوبصورت منبر بنوایا' جس پر ایک ہزار دینار خرچ ہوئے تھے۔ جب وہ منبر مکہ شریف پہنچا تو مصریوں کو یہ بات بے حد ناگوار گزری۔ انہوں نے خلیفہ مقتدی کی بجائے المستنصر عبیدی حاکم مصر کا خطبہ پڑھا اور اس نئے منبر کو آگ لگا کر جلا دیا۔ امیر مکہ محمد جعفر کبھی تو بنو عباس کا خطبہ پڑھتا اور کبھی ملوک مصر کا۔

۷۶۶ھ میں ملک اشرف شعبان والی مصر نے منبر بنوایا' جس پر ۳۱ سال تک خطبہ دیا گیا۔ پھر ۷۹۷ھ میں ملک ظاہر برقوق والی مصر نے نیا منبر تیار کرایا۔ جو عرصہ دراز تک باقی رہا اور متعدد بار اس کی اصلاح اور مرمت کی گئی۔

کتاب اتحاف الوریٰ میں شیخ نجم الدین قرشی نے لکھا ہے کہ ۷۹۷ھ میں ملک ظاہر نے جو منبر بھیجا تھا وہ شعبان بن حسین نے ۷۶۶ھ میں تیار کیا تھا۔ ملک ظاہر کا یہ منبر ۸؍ ذی الحجہ ۷۹۸ھ کو مکہ مکرمہ پہنچا۔ اسی طرح ۸۱۵ھ میں مصر کے شاہ شیخو نے بھی لکڑی کا منبر حرم شریف کی نذر کیا۔ جس پر یوم ترویہ کو پہلی بار خطبہ دیا گیا۔ بعد ازاں ۸۱۸ھ میں ۷؍ ذی الحجہ کو حاکم مصر حسن انقدہ کے نئے منبر پر خطبہ پڑھا گیا۔ پھر ۸۲۶ھ میں قاہرہ سے الملک الناصر خوشقدم کا منبر لایا گیا' جو لکڑی کا بنا ہوا تھا' اس پر ذی الحجہ کے دوسرے جمعہ کا خطبہ پڑھا گیا۔ ۸۷۷ھ میں الملک اشرف قائتبائی نے بھی لکڑی کا منبر بھیجا جس پر یکم ذی الحجہ کا خطبہ دیا گیا۔ ۸۷۹ھ میں ایک نیا منبر ۲۵؍ ذی قعدہ کو حرم شریف میں پہنچا۔ یہ بھی لکڑی کا تھا۔ اسے باب السلام کے سامنے رکھا گیا اور یکم ذی الحجہ کو اس پر خطبہ پڑھا گیا۔ لکڑی کے منبروں میں یہ سب سے آخری منبر تھا۔ یہ تمام منبر مرور زمانہ کے باعث ختم ہو گئے۔

Marfat.com

سلطان سلیمان خان کا منبر

سلطان سلیمان خان بن سلطان سلیم خان کے منبر کو جو شرف و مجد اور اعزاز بارگاہ ورد الحسن سے مرحمت ہوا۔ اس کے قبل کے تمام منبر اس سے محروم ہیں۔ سلطان موصوف نے ۹۶۶ھ میں جدت طرازی اور صناعی کا نادرۂ روزگار شاہکار سنگ مرمر کا عالی شان منبر تیار کرایا جو چمک دمک میں بے نظیر تھا۔ آج بھی بیت اللہ شریف کے سامنے مقام ابراہیم کے بالمقابل چاہ زمزم سے شمال مشرقی سمت جلوہ نما ہے۔ اس فقید المثال منبر کے تیرہ زینے ہیں۔ اس کے اوپر سنگ مرمر کے چار ستونوں پر چھتری نما لکڑی کا مستطیل قبہ بنا ہوا ہے۔ جس میں لگے ہوئے چاندی کے کیلوں پر سونے کا پانی چڑھا ہوا ہے۔ ۴۳۱ سال کی مدت مدید گزر جانے کے باوجود نہ تو اس کی زردوزی کی زینت میں فرق آیا اور نہ ہی اس کی چمک' خوبصورتی اور دل آویزی میں کمی واقع ہوئی۔ اس منبر میں حسن صنعت اور لطافت کا جو کرشمہ دیکھا گیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

صحن مسجد سے منبر کے چاند تک بلندی تقریباً ۳۰ فٹ یا ۹ میٹر ۱۵ سینٹی میٹر ہے۔ اختلاف موسم کے باوجود خطیب کے چہرہ پر دھوپ نہیں پڑتی۔ جو بنانے والے کے حسن ذوق اور مہارت فن کا نادر الوجود نمونہ ہے۔ گویا کہ اس نے جواہرات کو سلک مروارید میں پرو دیا ہے' اس مبارک منبر کی غربی جانب بیت اللہ شریف کی سمت یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:

الحمد لله رب العالمين قد بنى سليمان منبر البلد الأمين،

اور مشرقی جانب اس کے دروازہ پر لکھا ہوا ہے

إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَ إِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. صدق الله جل اسمه ٩٦٦ هجرى.

اس منبر پر سب سے پہلا خطبہ ابو حامد البخاری نے عید الفطر کا دیا تھا۔

Marfat.com

۱۰۲۰ھ کو سلطان احمد خان کا عطیہ ہلال اس منبر کے اوپر لگایا گیا۔ اور قبہ کی چھت پر اینٹوں کی جگہ تختیاں لگا کر ان پر چاندی کے پترے جڑھ دیئے گئے۔ بعد میں ان پر سونے کا پانی چڑھا دیا گیا۔

اس طرح حرم محترم میں سب سے پہلا منبر سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے رکھا' اور اب تک سب سے آخری سلطان سلیمان خان عثمانی کے منبر کو بقا نصب ہے۔ گویا کہ مسجد حرام میں یہ دُلہن کی طرح رونق افروز ہے اور صدیاں گزر جانے کے باوجود اس میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا۔ نہ یہ بوسیدہ ہوا اور نہ ہی خراب۔ رب کریم سلطان مرحوم پر اپنی کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ (اخبار مکہ ص ۳۳۳، دائرۃ المعارف جلد ۹ تاریخ حرمین عباس کرار ص ۳۴ تا ۳۵)

۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۸ء میں سعودی حکومت نے جب مطاف کی توسیع کا پروگرام بنایا تو وہ مبارک منبر بھی مطاف سے ہٹا کر حرم کے عجائب خانہ میں رکھ دیا گیا۔ اب لکڑی کے منبر پر باب کعبہ کے پاس خطبہ ہوتا ہے جسے بعد میں وہاں سے ہٹا لیا جاتا ہے۔

Marfat.com

حرم کے مینار

حرم شریف کے دلربا اور جاذب نظر مینار اپنے اندر طویل تاریخ سمیٹے ہوئے ہیں۔ جس طرح حرم شریف کی عمارت میں تبدیلی اور اضافہ ہوتا رہا اسی طرح میناروں کی تعداد میں بھی کمی بیشی ہوتی رہی' جنہیں مختلف ادوار میں مختلف لوگوں نے بنایا۔ چنانچہ مورخ جلیل علامہ ابوالولید ازرقی ہجمہ نے تیسری صدی ہجری میں چار مینار بیان کئے ہیں۔ اس زمانہ میں میناروں پر اذان ہوتی تھی۔ ان کے دروازے مسجد کی طرف تھے' جو اذان کے بعد بند کر دیے جاتے تھے' ایک مینار باب بنی سہم پر' دوسرا باب الحزورہ پر تھا۔ اس مینار پر موذن رمضان المبارک میں سحری کی اذان دیتا تھا' تیسرا دار ابن عبد اور دار السلیمانیین کی جانب سوق الیل کی طرف تھا۔ جو منارۃ المکین کے نام سے مشہور تھا' اور چوتھا مینار شمال مشرق میں واقع تھا۔ (اخبار مکہ ص ۳۲۲،۳۲۱)

مورخ شہیر علامہ فرید وجدی نے چھ مینار بیان کئے ہیں' جب کہ قطب الدین کی نے سات ذکر کئے ہیں۔

۱۔ مینار باب العمرہ:

اسے خلیفہ ابوجعفر المنصور عباسی نے ۱۳۰ھ میں بنوایا تھا' ۵۵۱ھ میں محمد الجواد بن علی ابی منصور اصفہانی نے تجدید کرائی۔

۲۔ مینار باب السلام:

یہ مینار پہلے پہل خلیفہ مہدی عباسی نے ۱۶۸ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ پھر ۸۱۰ھ میں گر جانے کے باعث خلیفہ الناصر فرج بن برقوق نے اس کی تعمیر جدید کرائی۔ اور علامہ قطب الدین کے دور تک صحیح حالت میں موجود تھا۔ رمضان المبارک میں سحری کی اذان اسی پر دی جاتی تھی۔

Marfat.com

۳۔ مینار باب علی:

یہ بھی خلیفہ مہدی عباسی کی یادگار ہے۔ سلطان مراد خان کے زمانہ میں اس میں خرابی آ جانے کے باعث اسے منہدم کر کے زرد پتھروں سے نہایت مضبوط بنایا گیا اور اس کی چھوٹی رومی طرز کی بنائی گئی۔

۴۔ مینار باب حزورہ

یہ بھی مہدی عباسی نے ۱۶۸ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ ۷۷۱ھ میں گر جانے کی وجہ سے دوبارہ ملک اشرف شعبان بن حسین صاحب موصل نے تعمیر شروع کرائی۔ اور ۷۷۲ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔ علامہ قطب الدین فرماتے ہیں ہمارے زمانہ تک صحیح سالم موجود ہے۔

۵۔ مینار باب الزیادۃ:

خلیفہ معتضد العباسی نے ۲۸۳ھ میں تعمیر کرایا تھا بعد میں منہدم ہو جانے کے باعث ملک اشرف برسبائی نے ۸۳۸ھ میں تعمیر کرایا۔

۶۔ مینار مدرسہ سلطان قائیتبائی:

یہ مینار سلطان قائیتبائی کے نام سے موسوم مسعیٰ کی جانب واقع تھا۔ سلطان موصوف نے ۸۸۰ھ میں اسے تعمیر کرایا جو فن تعمیر میں بے نظیر تھا۔ اسی طرز کا ایک مینار منیٰ میں مسجد خیف کا بھی بنوایا تھا۔

۷۔ مینار سلطان سلیمان خان:

یہ باب السلام اور باب الجنائز کے درمیان تھا جو سب سے زیادہ بلند تھا۔ اس کی چوٹی رومی طرز کی تھی۔ ۹۷۳ھ میں امیر قاسم امین نے اسے تعمیر کرایا تھا۔

(اعلام الاعلام ص ۲۲۵، ۳۳۲، دائرۃ المعارف جلد ۹ ص ۳۷۰)

مذکورہ سات مینار ۹۸۸ھ تک موجود تھے۔ ان کے علاوہ بھی مورخین نے نے چند مینار بیان کئے ہیں امام تقی فاسی نے ۸۳۲ھ میں باب ابراہیم پر علامہ ابن جبیر نے باب الصفا پر اور امام حاکمی نے صفا مروہ کے درمیان میل اخضر کے قریب بھی

Marfat.com

مینار کا ذکر کیا ہے۔ ان کے متعلق امام قطب الدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں' ہمارے زمانہ میں یہ مینار موجود نہیں ہیں' ہمیں یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ کب بنے اور کب منہدم ہوئے۔ (اعلام الاعلام ص ۴۲۷)

مذکورہ بالا تمام مینار قدیم عمارت میں واقع تھے۔ جب کہ سعودی حکومت نے چاروں طرف بہت زیادہ اضافہ کر کے تین منزلہ خوبصورت اور عالی شان عمارت بنادی ہے جس پر فن تعمیر کے نادرۂ روزگار شاہکار سات مینار ہیں' قدیم مینار سب مسمار کر دیئے گئے۔ جن کی تفصیل اس طرح ہے

باب ملک عبدالعزیز' باب العمرہ اور باب السلام پر دو' دو مینار اور ایک مینار کوہ صفا پر ہے۔

تعمیرات حرم کے کنٹرکٹر عوض بن محمد بن لادن لکھتے ہیں کہ ۱۳۷۵ھ میں شاہ فیصل مرحوم نے جب حرم شریف کی بے مثال توسیع و تعمیر کی خدمت جلیلہ انجام دی تو قدیم مینار بتدریج ختم کر دیئے اور نئی عمارت پر سات عالی شان مینار بنوائے۔ تین دروازوں پر واقع چھ مینار ۹۲ میٹر بلند ہیں' اور صفا والا مینار ۳۵ میٹر ہے۔ جب کہ سب کا عرض ۷ × ۷ میٹر ہے' ان سب کی چوٹی پر خالص سونے کے چاند لگے ہوئے ہیں۔

حرم شریف کے ستون

حرم شریف کی ساری عمارت خوشنما اور مضبوط ستونوں پر قائم ہے' جو سنگ مرمر حجر شمیسی اور کنکریٹ کے بنے ہوئے ہیں۔ ان کی تعداد مختلف ادوار میں کم و بیش ہوتی رہی۔ ہم ان کی تفصیلات تین ادوار کے مطابق قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ پہلا دور تیسری صدی ہجری تک ہے جس کی تفصیلات علامہ ازرقی رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۲۳ھ میں بیان کی ہیں۔ دوسرا دور ۹۸۸ھ تک ہے جسے علامہ قطب الدین نے قلم بند کیا ہے اور تیسرا دور ۱۳۹۸ھ تک ہے جو راقم آثم کا مشاہدہ ہے۔

<u>دور اوّل</u>' علامہ ازرقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حرم شریف میں ستونوں کی کل تعداد ۴۸۴ ہے

مشرقی جانب	۱۰۳
مغربی جانب	۱۰۵
شمالی جانب	۱۳۵
جنوبی جانب	۱۴۱
میزان	۴۸۴

اکثر ستونوں کی لمبائی ۱۰ ذراع (۱۵ فٹ یا ۴ میٹر ۵۷ سینٹی میٹر) اور ڈاٹ (محراب) کی گولائی ۳ ذراع (ساڑھے ۴ فٹ یا ۱ میٹر ۳۷ سینٹی میٹر) ہے۔ اگرچہ بعض ستونوں کی موٹائی اور لمبائی زیادہ بھی ہے۔ ہر دو ستونوں کے درمیان ۶ ذراع اور ۱۳ اُنگل (۹ فٹ ۱۰ انچ یا ۴ سینٹی میٹر) کا فاصلہ ہے۔ ان کے علاوہ مسعی کی جانب دروازہ میں ۶، روادی اور صفا کی جانب ۱۰ اور باب بنی جمح کی سمت ۴ ستون ہیں۔ کل میزان ۲۰ ہے۔

Marfat.com

۳۲۱ ستونوں کی چوکھٹ سونے کے نقش و نگار سے مزین تھی۔ جن میں سے دار الندوہ کے برآمدہ میں ۱۳۳، باب بنی جمح کے برآمدہ میں ۵۴ وادی کی جانب برآمدہ میں ۴۲ اور مسعی کی طرف ۹۲ تھے۔ تین ستونوں کی چوکھٹ سرخ پتھر کی تھی۔ سنگ مرمر کے ۱۶ ستونوں کی کرسی منقش پتھر کی اور ۳۴ ستون پتھر کے بنے ہوئے تھے۔ جب کہ باقی تمام سنگ مرمر کے تھے۔ دو ستون سرخ سنگ مرمر کے بھی تھے۔

(اخبار مکہ ص ۳۲۰)

دور ثانی: علامہ قطب الدین حنفی نے ۹۸۸ھ میں ستونوں کی تعداد اس طرح بیان فرمائی ہے۔

سنگ مرمر کے کل ستون	۳۱۱ عدد
حجر شمیسی (زرد پتھر)	۲۴۴ //
کل تعداد	۵۵۵ //

ان کی تفصیل اس طرح ہے

مشرقی حصہ میں سنگ مرمر کے ستون	۶۲ عدد
شمالی " " " "	۸۱ //
غربی " " " "	۶۴ //
جنوبی " " " "	۸۳ //
دار الندوہ کے اضافہ میں	۱۵ //
باب ابراہیم میں	۶ //
میزان	۳۱۱ //

حجر شمیسی زرد پتھر کے ستون

مشرقی جانب	۳۰ عدد
شمالی جانب	۴۳ //
غربی جانب	۳۶ //

Marfat.com

جنوبی جانب	۷۶//
دار الندوہ میں	۳۶//
باب ابراہیم میں	۱۸//
ارکان حرم میں	۳//
میزان (اعلام الاعلام ص ۴۲۱)	۴۴۴//

دور ثالث: ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ۔ اس وقت حرم محترم کی فقید المثال اور نادرۂ روزگار عمارت دو حصوں پر مشتمل ہے۔ صحن کی طرف اندر والی عمارت کی تعمیر کنندگان سلطان سلیم خان اور سلطان مراد خان بردا اللہ مضجعہما ہیں، جسے ہم قدیم عمارت کہتے ہیں۔ دوسرا حصہ ایک تہہ خانہ اور دو منزلہ جدید ونفیس عمارت پر مشتمل ہے۔ جسے شاہ سعود اور شاہ فیصل نور اللہ مرقدہما نے تعمیر کرایا تھا' یہ جدید عمارت کہلاتی ہے۔

قدیم عمارت جس کے ستونوں کی تفصیلات قدیم ادوار کی بیان ہو چکی ہیں' راقم الحروف نے انہیں ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ میں شمار کیا تو ان کی تعداد ۵۵۵ کی بجائے ۵۳۹ تھی۔ ممکن ہے سعودی تعمیر کے وقت بعض ستون گرا کر نئے بنا دیے گئے ہوں۔

کل تعداد	۵۳۹
سنگ مرمر کے ایک ہی پتھر کے بنے ہوئے ستون	۲۵۴
زرد پتھر کے بنے ہوئے ستون	۱۷۶
کنکریٹ کے بنے ہوئے ستون	۹۴
سیاہی مائل پتھروں کے ستون	۱۵
سرخ سنگ مرمر کے ستون	۲۰
کل میزان	۵۳۹

سنگ مرمر کے دو ستونوں کے سوا تمام ستون سفید ہیں' اور ایک ہی پتھر کے بنے ہوئے ہیں۔ ان کے اندر سوراخ کر کے لوہا رکھا گیا تھا' اور دو ستون سرخ سنگ مرمر کے بنے ہوئے ہیں۔ زرد پتھر کے ستونوں کے نیچے چار روپے سیاہی مائل پتھر کے ہیں' سنگ

Marfat.com

مرمر کے بعض ستون کمزور ہو گئے ہیں' جن کی حفاظت کے لئے ان پر آہنی بند چڑھائے گئے ہیں' اور بعض ستون کنکریٹ کے بنا دیئے گئے ہیں۔

جدید عمارت کی پہلی اور دوسری منزل میں ۹۸۳-۹۸۳ ستون ہیں۔ حکومت نے ان پر نمبر بھی لگا دیئے ہیں' جن کی ابتداء ملک عبدالعزیز کے قریب غربی سمت سے ہوئی ہے' یہ تمام ستون کنکریٹ کے ہیں۔ بعض گول اور بعض مربع شکل ہیں۔ مربع شکل ستونوں پر سیاہ سنگ مرمر لگا ہوا ہے۔ جن کی تعداد ۳۸۶ ہے اور گول ستون ۵۹۷ ہیں۔

حرم کے گنبد

علامہ قطب الدین حنفی نے قدیم تعمیر میں بنی ہوئی محرابوں اور ان پر تعمیر شدہ گنبدوں کی تعداد حسب ذیل ارقام فرمائی ہے۔

برآمدوں کی چھت پر نمایاں قبوں کی مجموعی تعداد	۱۵۲
حرم شریف کی شرقی سمت میں	۲۴
حرم شریف کی شمالی سمت میں	۳۶
منارہ حزورہ کے متصل	۱
میزان	۶۱

علامہ موصوف سے غربی اور جنوبی جوانب کی تعداد مذکور نہیں' ممکن ہے سہو طباعت سے رہ گئی ہو۔ لیکن شیخ عباس کرارہ نے اپنی کتاب تاریخ الحرمین میں لکھا ہے کہ ان دونوں جانب کے قبوں کو میں نے شمار کیا ہے۔ جن کی تعداد حسب ذیل ہے

حرم شریف کے جنوب میں	۳۶
حرم شریف کی غربی سمت	۲۴
باب ابراہیم والے حصہ میں	۱۵
دارالندوہ	۱۲
میزان	۹۱

Marfat.com

سابقہ تعداد	۶۱
مجموعی تعداد	۱۵۲

راقم الحروف نے اکتوبر ۱۹۷۸ء میں ان کی تعداد ۱۱۸ شمار کی ہے۔

حرم شریف کے برآمدوں میں بنائی گئی خوبصورت محرابوں کی مجموعی تعداد ۲۳۲ ہے جن کی تفصیل اس طرح ہے

شمالی جانب	۶۳
غربی جانب	۴۳
جنوبی جانب	۶۳
شرقی جانب	۳۹
دارالندوہ کی جانب	۲۳
	۲۳۲

پنکھے

نومبر ۱۹۷۸ء تک حرم شریف میں پنکھوں کی مجموعی تعداد ۲۸۷۰ تھی' لیکن اس کے بعد ۱۹۷۹ء میں حرم شریف میں جنگ کی وجہ سے تہہ خانہ بالکل بند کر دیا گیا ہے' جس میں ۷۹۰ پنکھے لگے ہوئے تھے۔

قدیم عثمانی تعمیر میں	۳۰۷ عدد
جدید سعودی تعمیر کی پہلی منزل میں	۶۰۲ //
جدید سعودی تعمیر کی دوسری منزل میں	۹۶۳ //
تہہ خانہ میں	۷۹۰ //
مسعیٰ میں	۲۰۸ //
	۲۸۷۰ //

قدیم تعمیر میں ہر ستون کے درمیان عرضاً تقریباً ۱۲ فٹ کی بلندی پر لکڑی لگی ہوئی ہے

Marfat.com

جس کے ساتھ پنکھے لگائے گئے ہیں' ستونوں کی پہلی صف کے طول میں بھی لکڑی لگی ہوئی ہے مگر اس کے ساتھ پنکھے وغیرہ نہیں ہیں۔ اس پر لوہے کی چادر چڑھی ہوئی ہے' اور اوپر چھوٹی چھوٹی کیلیں لگی ہیں تاکہ پرندے وغیرہ نہ بیٹھیں۔ جدید سعودی تعمیر میں پنکھے اور بلب چھت میں لگے ہوئے ہیں۔

حرم شریف کے ملازمین

علامہ فرید وجدی لکھتے ہیں' حرم شریف کے ملازمین کی تعداد سات سو ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

خطباء اور امام	۱۲۴
مدرس	۱۰۷
مؤذن	۴۵
چپڑاسی	۱۰
فراش	۱۴۰
روشنی کرنے والے	۸
جاروب کش	۴۰
دربان	۳۰
چاہ زمزم سے پانی نکالنے والے	۹۱
قنادیل حرم کو دھونے والے	۱۰۸

حرم شریف کی تمام ملازمتیں موروثی ہیں۔

(رحلۃ الحجازیہ ص ۱۰۱، دائرۃ المعارف جلد ۲ ص ۳۷۲)

Marfat.com

باب پنجم

متفرقات

Marfat.com

- مسعیٰ کی توسیع
- حرم مکہ
- مساجد مکہ میں جمعہ کا اجراء

Marfat.com

مسعیٰ کی تعمیر نو

اور

عباس کرارہ کے تاثرات

ایک دور میں سعی کی جگہ اور حرم شریف کے درمیاں بلند و بالا مکانات اور مسعیٰ کے دونوں جانب بازار بن گیا تھا۔ اور دُکانوں کے اوپر بھی کئی منزلہ مکان بنے ہوئے تھے۔ گویا کہ یہ عبادت گاہ ایک پر رونق بازار کی شکل اختیار کر چکی تھی۔ لوگوں کی بھیڑ کی وجہ سے سعی کرنے والوں کو سخت تکلیف اور دقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

ادھر مسجد حرام کی پر شکوہ عمارت عرصہ دراز سے تعمیر و مرمت کی خواستگار تھی۔ کسی بادشاہ یا امیر نے اس کی تجدید یا توسیع کے متعلق غور و فکر نہیں کیا۔ حالاں کہ حج کے علاوہ بھی جمعہ اور عید کے موقع پر لوگوں کو جگہ کی تنگی کے باعث سخت تکلیف ہوتی تھی۔ ایام حج میں دھوپ کی وجہ سے لوگ مجبوراً حرم کے متصل گلی کوچوں میں نماز پڑھتے تھے۔

چنانچہ سعودی حکومت نے ۱۳۷۵ھ میں حرم شریف او مسعیٰ کی توسیع کے ایک جامع منصوبہ پر غور و خوض کے لئے انجینئروں کی میٹنگ بلائی۔ جس میں مسعیٰ کے کام کو اس طرح انجام دینے کی سکیم طے پائی کہ وہ راستہ جو مسعیٰ سے گزر کر حرم کے سامنے سے گزرتا ہے اس جگہ کو نئی عمارت میں داخل کر کے صفا کے باہر راستہ بنا دیا جائے۔ چونکہ یہ راستہ سیلاب کی گزرگاہ تھی' جو حرم کے دروازہ سے حرم میں داخل ہوتا تھا۔ جس نے کئی مرتبہ ناقابل تلافی نقصان بھی پہنچایا۔ اس لئے سیلاب کا رُخ پھیرنے کے لئے توسیع کی حدود سے باہر متبادل گزرگاہ یا نالہ بنانے کی تجویز پاس ہو

Marfat.com

گی۔

یہ مجوزہ کام ۴ ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ کو ایک عظیم الشان تقریب میں اس توسیع کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اس موقع پر مختلف اسلامی ممالک کے مندوبین' مذہبی اور سیاسی رہنما' اعلیٰ سرکاری افسران بھی موجود تھے۔

مسعیٰ کی دو منزلہ عمارت مکمل ہو جانے کے بعد طول عرض اور جملہ کیفیت اس طرح ہے۔

صفا سے مروہ تک اندرونی حد ۵۰-۳۹۴ میٹر' عرض ۲۰ میٹر' پہلی منزل کی بلندی ۱۲ میٹر اور دوسری منزل ۹ میٹر ہے۔ مشرق کی جانب آٹھ دروازے ہیں جن کی کھڑکی نما گز رگاہیں جن میں پیتل کی موٹی گرل لگی ہوئی ہے' ان کی تعداد ۷۴ ہے۔ اسی طرح دوسری منزل میں بھی کھڑکیاں بنی ہوئی ہیں' صفا پر ایک خوشنما گنبد اور مینار بنایا گیا ہے' مینار کی بلندی ۹۲ میٹر اور عرض ۷ x ۸ میٹر ہے۔ (تاریخ حرمین کرام ص ۱۵۲)

عرفات

لفظ "عرفہ" معروف سے مشتق ہے۔ اس میدان کو عرفات کہنے کی جہت کی وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ میدان عرفات مکہ مکرمہ سے تقریباً ۱۹ کلو میٹر دور ہے۔

علامہ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں

① سیدنا آدم علیہ السلام اور اماں حوا آسمان سے اترنے کے عرصہ دراز بعد اسی میدان میں اکٹھے ہوئے اور باہم متعارف ہوئے۔

② سیدنا جبرئیل علیہ السلام نے سیدنا خلیل اللہ علیہ السلام کو اس میدان میں مناسک حج سے آگاہ کرنے کے بعد دریافت کیا کہ کیا آپ نے حج کے ارکان و احکام کو پہچان لیا؟ تو انہوں نے ارشاد فرمایا' ہاں! میں نے پہچان لیا ہے۔ (ابن شیبہ ج ۳ ص ۲۵۸)

③ یہ جگہ اس قدر معظم و محترم اور مشہور ہے کہ اس کی تعریف کئے بغیر ہی لوگ

اسے پہچان لیتے ہیں اس لئے اسے عرفات کہا جاتا ہے۔

④ اس میدان میں بندگانِ خدا عبادت اور دُعاؤں کے ذریعہ اپنے رب کی معرفت حاصل کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ مقصود دوسرے مقامات پر بھی حاصل ہو سکتا ہے لیکن یہ مقام ایک منفرد عظمت و جلالت کا حامل ہے۔ جس سے دیگر مقامات خالی ہیں لہٰذا اس معنی کے اعتبار سے عرفہ معروف سے مشتق ہوگا۔

⑤ بعض علماء کا کہنا ہے کہ ''عرف'' سے مشتق ہے۔ یعنی اس میدان میں خوش آیند و روح پرور بو پائی جاتی ہے بخلاف منیٰ کے۔ وہاں جانور وغیرہ ذبح کرنے کے باعث بو قدرے متعفن ہوتی ہے جب کہ عرفات اس چیز سے خالی ہے اس لئے اسے عرفہ یا عرفات کہا جاتا ہے۔

(اشعۃ اللمعات جلد ۲ ص ۳۳۸)

رئیس المفسرین علامہ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ محمد الوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفاسیر میں یہ روایت نقل کی ہے۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جب سیدنا جبرئیل علیہ السلام سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو مناسک حج ادا کراتے ہوئے عرفات میں پہنچے تو دریافت کیا "اَعَرَفْتَ" کیا آپ نے پہچان لیا؟ کیونکہ اس سے پہلے بھی آپ عرفات میں جا چکے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا "عَرَفْتُ" میں نے اس میدان کو پہچان لیا ہے اس وجہ سے ان کا نام عَرَفَه ہو گیا۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضرت عطاءؒ اور ابومجلزؒ کا بھی یہی قول ہے۔ علاوہ ازیں اس کا نام مشعر الحرام مشعر الاقصیٰ الال بروزن ہلال بھی ہے اور اس پہاڑی کو بھی عرفات کہتے ہیں جس کے درمیان جبل رحمت واقع ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۲۳۱، روح المعانی جلد ۲ ص ۸۸)

امام ضحاک اور سدی سے مروی ہے کہ یہاں سیدنا آدم اور سیدہ حوا اکٹھے ہوئے اور ایک دوسرے کا تعارف ہوا۔ اس سبب سے اس کا نام عرفہ مشہور ہوا۔ (روح المعانی جلد ۲ ص ۸۸)

Marfat.com

محدث کبیر مولانا منظور احمد نعمانی لکھتے ہیں' عرفات یہ لفظ جمع ہے اور اس کا واحد نہیں ہے۔

اس میدان میں انسان اپنے رب کی معرفت اور بذریعہ عبادت و ذکر اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتا ہے۔

نیز مشرق و مغرب (یعنی دنیا کے گوشے کونے) کے مسلمانوں کو آپس میں یہاں تعارف کا موقع ملتا ہے۔ اس لئے بھی اسے عرفات کہا جاتا ہے۔

(معارف القرآن جلد اص ۴۸۸)

مفسر امام فخر الدین رازیؒ ارقام فرماتے ہیں۔

عرفات معرفت سے مشتق ہے اور اس میں آٹھ قول ہیں

① سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدہ حوا کو اللہ رب العزت نے جنت سے نکال کر زمین پر اتارا تو سیدنا آدم علیہ السلام کو سراندیپ (لنکا) میں اور سیدہ حوا جدہ میں ٹھہریں۔ پھر جب اللہ پاک نے سیدنا آدم علیہ السلام کو حج کرنے کا حکم فرمایا تو وہاں سیدہ حو کو پایا اور ایک دوسرے کا تعارف ہوا۔ اس لئے اس دن سے اس کا نام عرفات رکھ دیا گیا۔

② سیدنا آدم علیہ السلام کو سیدنا جبرئیل امین نے حج کرنے کے طریقے سکھائے۔ جب عرفات میں قیام فرمایا تو جبرئیل علیہ السلام نے دریافت کیا "اَعَرَفْتَ" کیا آپ پہچان گئے ہیں؟ تو سیدنا آدم علیہ السلام نے فرمایا "نَعَم" اس وجہ سے اس کا نام عرفات ہوا۔

③ سیدنا علیؓ سیدنا ابن عباسؓ سیدنا عطاء اور سیدنا السدی کا قول ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام جب حج کے لئے عرفات پہنچے تو اس مقام کو پہچان لیا۔ کیونکہ قبل ازیں انہیں اس کے نشانات اور اوصاف بتا دیئے گئے تھے۔

④ جبرئیل امین علیہ السلام نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو مناسک حج سکھائے اور جب

Marfat.com

انہیں عرفات میں لائے تو دریافت کیا اَعَرَفْتَ کیف طوف و فی ای موضع تقف قال نعم

۵ جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنی عفت مآب رفیقہ حیات اور فرزند ارجمند کو مکہ معظمہ کے مقام پر چھوڑ کر شام واپس تشریف لے گئے اور کئی سال بعد جب دوبارہ بیوی اور بیٹے سے ملاقات ہوئی تو عرفہ کے دن میدان عرفات میں ہوئی تھی۔ اس سبب سے اسے عرفات کہا جاتا ہے۔

۶ اس نام کا باعث یہ بھی بیان کیا جاتا ہے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ترویہ کی شب (یعنی آٹھویں ذی الحجہ کی رات) کو خواب دیکھا۔ گویا کہ وہ اپنے فرزند دلبند کو ذبح کر رہے ہیں۔ صبح ہوئی تو آپ متفکر اور متردد تھے کہ خدا جانے یہ حکم اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے یا شیطانی وسوسہ ہے۔ پھر دوسری شب عرفہ کی رات کو خواب میں دیکھا کہ اپنے گوشہ جگر کو ذبح کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ تب صبح کے وقت آپ نے کہا عَرَفْتُ یَا رَبِّ اِنَّهٗ مِنْ عِنْدِكَ "اے میرے رب! میں نے پہچان لیا کہ یہ حکم واقعی تیری جانب سے ہے"۔ اسی وجہ سے اس جگہ کا نام عرفات ہوا۔

۷ حجاج کرام جب یہاں جمع ہوتے ہیں تو ایک دوسرے کا تعارف ہو جاتا ہے۔

۸ اس دن اللہ رب العزت اپنے بندوں کو مغفرت اور رحمت کے ساتھ پہچانتے ہیں۔

مفسر موصوف فرماتے ہیں: دوسرا قول یہ بھی ہے کہ عرفہ اعتراف سے مشتق ہے کہ جب حجاج عرفات میں قیام کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، جلالت، اس کی بے نیازی اور استغناء کا اعتراف کرتے ہیں اور اپنی ذات کے متعلق غربت، ذلت، مسکینی اور محتاجی کا اقرار کرتے ہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدہ حوا نے یہاں وقوف کیا تو یہ دعا پڑھی

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ

تو جواب میں اللہ کریم نے ارشاد فرمایا

Marfat.com

اَلْاٰنَ عَرَفْتُمَا اَنْفُسَکُمَا

"اب آپ دونوں نے اپنے نفس کو پہچان لیا ہے"۔

اور تیسرا قول یہ بھی ہے کہ عرفات عرف سے مشتق ہے اور اس کے معنے پاکیزہ خوشبو کے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان پاک ہے

وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ

"ان کے لئے اس کی خوشبو ہوگی"۔

مطلب یہ ہوا کہ حجاج نے جب اس مقدس مقام میں اپنے گناہوں سے صدق دل سے توبہ کرلی' تو اب وہ گناہوں کی نجاست سے پاک صاف ہو گئے اور اللہ کریم کے ہاں سے روح پرور پاکیزہ خوشبو پا رہے ہیں۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا خلوف فم الصائم عند اللہ اطیب من ریح المسک (تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۱۷۱)

علامہ ابراہیم رفعت پاشا لکھتے ہیں' جبل عرفات ایک بڑی کمان کی مانند ہے' جو ایک وسیع وادی کو گھیرے ہوئے ہے۔ جس کی مسافت دو میل ہے' اس میں ایک چھوٹی سی جبل رحمت کے نام سے مشہور ہے۔ جب کہ بلندی ۳۰ میٹر اور طول ۳۰۰ میٹر ہے۔ اس پر چڑھنے کے لئے غیر منظم بڑی بڑی ۹۱ سیڑھیاں ہیں۔

پہاڑی پر چڑھتے ہی ایک چبوترا بنا ہوا ہے جس کا طول ۱۵ میٹر اور عرض ۱۰ میٹر ہے اسے مسجد ابراہیم کہا جاتا ہے' اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس جگہ نبی ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔ اگرچہ یہ بات پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچتی۔ یہ چبوترا اور سیڑھیاں ۵۵۹ھ میں وزیر محمد بن علی بن المنصور المعروف الجواد نے بنائی تھی۔ اسی طرح جبل رحمت کے دامن میں مسجد نما چبوترا بنا ہوا ہے جو مسجد صخرات کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن وہاں بھی نبی کریم ﷺ کا نماز پڑھنا ثابت نہیں ہے۔

جبل رحمت کے اوپر ۴ میٹر بلند ایک برج بنا ہوا ہے۔ حجاج کی رہنمائی کے لئے عرفات کی رات اس پر شمع روشن کی جاتی تھی۔ (مراۃ الحرمین جلد ۱ ص ۴۳)

علامہ رشدی الصالح ملحس لکھتے ہیں' عرفات کی لمبائی اور چوڑائی تقریباً ۲+۲

Marfat.com

میل ہے۔ کسی زمانہ میں یہاں مکہ مکرمہ کا ایک قبیلہ آباد تھا' جو کھیتی باڑی اور باغبانی بھی کرتے تھے' مگر آج وہاں آبادی کا نام ونشان تک باقی نہیں ہے۔

عرفات کے متصل مغربی جانب وادیٔ عرنہ ہے جو دو نشانات کے درمیان واقع ہے۔ یعنی حدود حرم اور حدود عرفات کے نشانات کے درمیان والی جگہ کو وادیٔ عرنہ کہا جاتا ہے۔ (تعلیقات اخبار مکہ)

اگر حاجی اس جگہ حج کے دن ٹھہرے رہیں تو ان کا حج نہیں ہوگا' انہیں عرفات کی حدود کے اندر ٹھہرنا لازم ہے۔

۱۴۰۴ھ میں منیٰ' مزدلفہ اور عرفات کی چوڑائی اس طرح ہے

عرفات ۱۰،۸۹۲ ک م' مزدلفہ ۳،۷۰۰ ک م اور منیٰ ۳،۳۲۷۸ ک م۔

Marfat.com

منیٰ

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے پوچھا کہ منیٰ کا میدان بہت تنگ نظر آتا ہے لیکن ایام حج میں حجاج کے لئے کشادہ ہو جاتا ہے۔ تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ منیٰ اپنی اہل کے لئے اسی طرح کشادہ ہو جاتا ہے جس طرح ماں کا رحم بچے کے لئے۔ (مراۃ الحرمین جلد ۱ ص ۳۴۴)

-سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کا یہ نام اس وجہ سے مشہور ہو کہ جب سیدنا آدم علیہ السلام مناسک حج سے فارغ ہو کر حضرت جبرئیل امین علیہ السلام سے جدا ہونے لگے تو جبرئیل علیہ السلام نے دریافت کیا کہ آپ کی کوئی اور تمنا ہے؟ تو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا' اب صرف جنت کی تمنا ہے اور لفظ منیٰ تمنیٰ سے مشتق ہے۔ علاوہ ازیں یہ وجہ بھی بیان کی گئی ہے۔ منیٰ بمعنی یمنی الدماء یعنی ایسی جگہ جہاں قربانی کے جانوروں کا خون بہایا جاتا ہو۔ (اخبار مکہ منقول ما سمیت منیٰ)

علامہ رفعت پاشا نے ۱۳۱۸ھ میں میدان منیٰ کی چوڑائی ۶۳۸ میٹر بیان کی تھی۔ (مراۃ الحرمین جلد ۱ ص ۳۲۵)

لیکن اس وقت اس کا عرض ڈیوڑھا ہو گیا ہے۔ ۱۳۹۳ھ میں سعودی حکومت نے توسیع کا جو عظیم منصوبہ بنایا ہے جس کے باعث منیٰ میں جنوب کی جانب واقع جبل ثبیر کا بہت سا حصہ کاٹ کر کشادہ سڑکیں بنا دیں۔ علاوہ ازیں مسجد خیف کے قریب سے ایک سرنگ حرم شریف تک بنائی گئی ہے جو تمام تر ایئر کنڈیشن اور بجلی کی ٹیوبوں سے منور ہے۔ اس میں نہایت کشادہ پختہ سڑک بنی ہوئی ہے تاکہ پیدل چلنے والے حجاج کو آسانی ہو۔ مکہ مکرمہ سے منیٰ کا فاصلہ ۷ کلو میٹر ہے' جبکہ سرنگ کے راستہ سے ۵ کلو میٹر ہے۔

Marfat.com

مزدلفہ

مزدلفہ زُلف سے مشتق ہے جس کے معنی قریب اور نزدیک کے ہیں' چونکہ حجاج اس جگہ پہنچ کر منیٰ کے قریب ہو جاتے ہیں جو حج کے مقامات میں سے ہے نیز زُلف ہموار اور صاف زمین کو بھی کہتے ہیں' اور یہ میدان بہ نسبت منیٰ وغیرہ کے زیادہ ہموار ہے اس لئے اسے مزدلفہ کہتے ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدہ حوا کی اس جگہ ملاقات ہوئی اور ایک دوسرے کے یار و مددگار بن گئے تھے جب کہ تعارف اس سے پہلے میدان عرفات میں ہو چکا تھا۔ (اشعۃ اللمعات جلد ۲ ص ۳۲۳)

علاوہ ازیں ازلاف کے معنی اجتماع کے بھی ہیں' چونکہ حجاج اس جگہ نماز مغرب اور عشاء جمع کر کے پڑھتے ہیں اس لئے بھی اسے مزدلفہ کہتے ہیں۔ اس نام کا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس مقام پر وقوف کر کے لوگ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ اور یہ وجہ بھی ممکن ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدہ حوا ایک دوسرے کے قریب ہوئے تھے۔ (تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۱۷۳، تفسیر نسفی جلد ۱ ص ۱۰۲، تبیین الحقائق جلد ۲ ص ۲۹)

مکہ مکرمہ سے مزدلفہ ۱۲ کلومیٹر ہے۔

حدود حرم کے نشانات

Marfat.com

کعبہ شریف کے چاروں طرف صفیں

سفیان بن عیینہ سے روایت ہے کہ حرم شریف میں امام مقام ابراہیم کی جانب اونچی جگہ کھڑے ہوتے اور سامنے سترہ گاڑ لیتے۔ کیونکہ تراویح کی نماز میں بعض لوگ شامل نہیں ہوتے تھے اور طواف میں مشغول رہتے۔ کعبہ شریف کی دوسری سمتیں نمازیوں سے خالی رہتیں۔

لیکن عبدالملک بن مروان کے گورنر خالد بن عبداللہ نے رمضان شریف میں حکم دیا کہ امام صاحب مقام ابراہیم کے پیچھے کھڑے ہوں اور کعبہ شریف کے چاروں طرف صفیں بنائی جائیں۔ اور فرض نماز کی جماعت کے وقت طواف بند کرنے کا حکم بھی دیا۔ البتہ تراویح میں چار رکعتیں پڑھ لینے کے بعد طواف کرنے کا اختیار دیا گیا۔

جب کعبہ شریف کے چاروں طرف صفیں بنانے کا حکم صادر ہوا تو یہ سوال پیدا ہوا کہ جو لوگ کعبہ شریف کی دوسری اطراف میں بیٹھے ہوں گے تو انہیں طواف ختم ہونے اور جماعت شروع ہونے کی اطلاع کیسے ہوگی؟

چنانچہ یہ طے ہوا کہ جب لوگ چھٹے چکر میں حجر اسود کے پاس پہنچیں تو چند غلام بلند آواز سے الحمد للہ واللہ اکبر کہیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ طواف ختم ہونے والا ہے اور جب ساتواں چکر پورا ہو جائے تو ایک آدمی بلند آواز سے ''الصلوٰۃ رحمکم اللہ'' کہہ دے۔ اس کے بعد یہ طریقہ ہمیشہ کے لئے اختیار کر لیا گیا۔ (اخبار مکہ ص ۳۰۳)

Marfat.com

مسالک اربعہ کے مصلے

حرم محترم میں مطاف کے متصل چار چھوٹی چھوٹی عمارتیں تھیں جن میں مذاہب اربعہ کے پیروکار الگ الگ نمازیں پڑھایا کرتے تھے۔ جو مصلی حنفی' مصلی شافعی' مصلی مالکی اور مصلی حنبلی کے نام سے مشہور تھیں۔ مصلی حنفی بیت اللہ شریف کے رکن عراقی اور شامی کے محاذات میں دارالندوہ کی جگہ واقعہ تھا۔ مصلی شافعی مقام ابراہیم کے بالمقابل مطاف کے اندر۔ اس کے متصل ہی منبر شریف تھا۔ نماز جمعہ اسی مصلی پر ہوتی تھی۔ مصلی مالکی' مصلی حنفی کے دائیں جانب تھوڑے فاصلہ پر تھا' اور اس مصلی کے دائیں جانب مصلی حنبلی واقع تھا۔ زمانہ دراز تک چاروں مصلوں پر الگ الگ جماعتیں ہوتی رہیں' صبح کی نماز سب سے پہلے مصلی شافعی پر ہوتی اور سب سے آخر مصلی حنفی پر۔ لیکن باقی تمام نمازیں سب سے پہلے مصلی حنفی پر ہوتی تھیں' اور مغرب کی نماز صرف مصلی حنفی اور شافعی پر ہوتی۔

یہ کوشش جاری رہی کہ اسلام کے اس عظیم مرکز میں وحدت کو بحال کیا جائے۔ چنانچہ ۸۱۱ھ میں ملک ناصر فرج بن برقوق نے ۹۳۱ھ میں سلطان سلیمان خان کے حکم سے نائب جدہ نے اس بات کی کوشش کی۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔ بالآخر سعودی حکومت کی سعی مشکور کے نتیجہ میں صرف ایک ہی مصلی پر جماعت کا انتظام ہو گیا۔ (تاریخ حرمین ندوی ص ۸۵)

اگرچہ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ حرم شریف میں الگ الگ چار جماعتیں کیوں اور کب شروع ہوئیں۔ البتہ امام ابن ظہیرہ کی تصریح کے مطابق ۵۴۰ھ سے بھی پہلے یہ طریقہ رائج تھا۔ لیکن شاہ سعود کی مخلصانہ کوششوں کے نتیجہ میں مسالک اربعہ کے ائمہ اور عوام سب ایک مصلی اور ایک امام پر ۱۳۸۶ھ میں متفق ہو گئے۔ چنانچہ حکومت نے زمزم اور منبر کے درمیان مطاف سے باہر ایک چھوٹا سا برآمدہ نما مصلی

بنا دیا۔ جس کا طول ۶ میٹر ۵۰ سینٹی میٹر۔ عرض ۳ میٹر ۶۵ سینٹی میٹر اور بلندی ۳ میٹر ۱۰ سینٹی میٹر تھی۔ جو ۱۲ خوبصورت ستونوں پر قائم تھا۔ (تاریخ القویم جلد ۴ ص ۶۵)

چونکہ سعودی حکومت میں نظم و نسق انتہائی عمدہ اور امن و امان بے حد قابل تعریف ہے۔ اس لئے حنبلی مسلک کے ائمہ اور خطباء پر سب مسالک کا اعتماد ہے۔ بنا بریں ایک وقت میں ایک ہی امام جماعت کراتے ہیں۔ البتہ مختلف اوقات میں مصلی کی جگہ تبدیل ہوتی رہتی ہے۔

مذکورہ برآمدہ ۱۳۹۸ھ میں مطاف کی توسیع کے باعث ختم کر دیا گیا۔

ادارہ حرم

حرم شریف کے انتظام و انصرام اور نگہداشت کے متعلق علامہ حسین عبداللہ لکھتے ہیں کہ خلافت راشدہ سے خلافت عثمانیہ تک یہ دستور تھا کہ خلیفۂ وقت مکہ مکرمہ میں امیر یا والی مقرر کر دیتا۔ جو حرم شریف کی خدمت اور دیگر امور میں خلیفہ کے سامنے جوابدہ ہوتا تھا۔ پھر جب حرمین شریفین کی خدمت خلافت عثمانیہ کے سپرد ہوئی تو انہوں نے بھی اس قدیم دستور کو جاری رکھتے ہوئے مکہ معظمہ میں حاکم یا والی مقرر کئے اور انہیں "شیخ" کا خصوصی لقب دیا۔ نیز ان کا ایک نائب بھی مقرر کیا جو حرم کے خادموں پر کڑی نگرانی رکھتا تھا جب کہ خدام کی حسب ذیل اقسام تھیں ① مؤذنین ② چٹائیاں بچھانے والے ③ دروازوں پر نگرانی کرنے والے ④ روشنی کا انتظام کرنے والے ⑤ سعیدی (جو دا کرنے والے) وغیرہ وغیرہ ذالک۔

بعد ازاں جب محکمہ اوقاف قائم کیا گیا تو مسجد الحرام کا انتظام بھی اس کے ماتحت ہو گیا۔ اس کے سربراہ کو "مدیر الاوقاف" کا لقب دیا گیا جس کے ذمے حسب ذیل امور تھے۔

مسجد حرام کے لئے وقف اشیاء کو اکٹھا کرنا خصوصی صدقات و عطیات اور منذور وغیرہ جمع کرنا حرم کے ملازمین کی تنخواہیں مقرر کرنا باہر سے آنے والی

Marfat.com

سالانہ آمدنی کا خرچ کرتا۔

مدیر اوقاف کا مستقل دفتر تھا جس میں ملازمین کے نام اور سالانہ آمدنی و اخراجات کا اندراج ہوتا تھا' خلافت عثمانیہ میں ملازمین کی اقسام اس طرح تھیں ① ائمہ' خطباء' مؤذنین ② روشنی کا انتظام کرنے والے ③ جھاڑو دینے اور دریاں بچھانے والے ④ مرمت کا کام کرنے والے ⑤ دربان وغیرہ۔

علاوہ ازیں کعبہ شریف کے مجاور اور ان کے معاون وغیرہ بھی ہوتے تھے۔ جن کا رئیس بنی شیبہ بن عثمان الحجبی کے خاندان سے ہوتا تھا۔ کعبہ شریف کو خوشبو لگانے' بخور اور عود جلانے اور کعبہ شریف کو غسل دینے کے اخراجات بھی رئیس ہی کے ذمے ہوتے تھے۔ دائرۃ الاوقاف کا انتظام بحیثیت ادارہ شیخ الحرم کرتا جو مکہ مکرمہ کا حاکم بھی ہوتا تھا۔ اوقاف کا سربراہ جو آستانہ عالیہ یعنی قسطنطنیہ میں رہتا تھا' اعلیٰ حیثیت سے انتظام کرتا تھا۔

سلطان سلیمان خان اوّل کے زمانہ سے شریف حسین بن علی کے زمانہ شعبان ۱۳۳۴ھ تک بدستور اسی طرح کام چلتا رہا۔ حسین بن علی نے بھی اس نظام کو جاری رکھا اور مزید حرم کی خدمت اور نگہداشت کی خاطر پولیس کا محکمہ اور کچھ فوج بھی مقرر کر دی' جو جیب کتروں پر کڑی نظر رکھتی اور فساد کرنے والوں کو روکنے کے علاوہ حرم شریف میں حجاج کی گری پڑی اشیاء کو اٹھا کر اعلان وغیرہ کرنے کی خدمت پر مامور تھی۔

بعد ازاں جب امام عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل سعود کا دور حکومت آیا تو انہوں نے حرم شریف کے کاموں اور ملازمین کی نگہداشت کے لئے ایک مستقل محکمہ ''مجلس ادارۃ الحرم'' کے نام سے قائم کیا جس کے رئیس یا سربراہ کو نائب الحرم کہا جاتا ہے۔ اس ادارہ کا موجودہ صدر سید ہاشم بن سلیمان بن احمد ہے۔

سلطنت عثمانیہ میں مختلف اسلامی ممالک سے جو رقوم خدام حرم کے لیے بطور عطیات ملازمین کی تنخواہوں کے لئے آیا کرتی تھیں' وہ سعودی حکومت نے بند کر دی ہیں' اور جلالۃ

Marfat.com

الملک عبدالعزیز السعود المعظم نے اپنے شاہی خزانے سے ان اخراجات کو پورا کرنے کا حکم دیا اور ملازمین کی تنخواہوں میں بھی معقول اضافہ کر دیا۔
(تاریخ عمارۃ المسجد الحرام ص۳۰۴ تا ۳۰۶)

روشنی کا انتظام

مسجد الحرام میں نماز پڑھنے اور طواف کرنے والوں کے لئے روشنی کا انتظام سب سے پہلے عقبہ بن الازرق بن عمرو نے کیا تھا۔ ان کا گھر حرم شریف کے پاس تھا۔ اس زمانہ میں حرم شریف کے باہر چار دیواری نہیں تھی اور حدود حرم یا مطاف بھی زیادہ وسیع نہیں تھا۔ عقبہ بن ازرق اپنے گھر کی دیوار پر ایک بڑا شمع دان رکھ دیتے۔ جس سے پورے حرم میں روشنی ہو جاتی۔ یہ سلسلہ اسی طرح خلیفہ عبدالملک بن مروان کے دور تک جاری رہا۔ بعد میں خالد بن عبداللہ القسری نے حجر اسود کے سامنے زمزم کے قریب ایک اونچے ستون پر چراغ نصب کیا۔ جس کے بعد عقبہ بن ازرق کا چراغ بند کر دیا گیا۔ ان کے مکان کا نصف حصہ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اور بقیہ نصف خلیفہ مہدی کے زمانہ میں توسیع کے وقت حرم میں شامل کر لیا گیا۔ حرم شریف کے لئے چراغ اور تیل کا باقاعدہ انتظام امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔

صفا اور مروہ کے درمیان روشنی کا انتظام خالد بن عبداللہ نے خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے دور میں کیا تھا۔ ۲۱۶ھ میں محمد بن سلیمان نے مامون کے دور میں رکن عراقی کی جانب واقع ستون پر ایک اور چراغ کا انتظام بھی کر دیا۔ ۲۲۳ھ میں محمد بن داؤد گورنر مکہ نے رکن یمانی اور رکن شامی کے درمیان ایک ستون نصب کر کے اس پر چراغ جلانے کا انتظام کیا۔ ۲۳۲ھ میں واثق باللہ نے مطاف کے گرداگرد لکڑی کے دس ستون نصب کئے جن پر چراغ روشن کئے جاتے تھے۔ (اخبار مکہ ص ۲۰۱)
علامہ ابراہیم رفعت پاشا لکھتے ہیں' واثق باللہ نے لکڑی کے دس ستون

Marfat.com

روشنی کے لئے نصب کرائے تھے۔ جن کی تعداد بعد میں ۳۲ ہو گئی تھی۔ پھر لکڑی کی جگہ پتھر اور اینٹوں کے پختہ ستون بنائے گئے' جن میں سے ۱۸ ستون اینٹوں کے اور ۱۴ منقش پتھروں کے تھے۔ ان کے درمیان قندیلیں لگانے کے لئے قوس نما لکڑی لگائی گئی جس سے سات قندیلیں آویزاں کی جاتی تھیں۔ بعد ازاں دو ستون پیتل کے بنا دیئے گئے جن کی تعداد ۳۸ تھی۔ اور ان کے درمیان لکڑی کی جگہ لوہے کا راڈ لگا دیا گیا۔ (مرآۃ الحرمین جلد ا ص ۲۶۱)

امام ازرقی ؒ کے دور میں چھوٹی بڑی قندیلوں کی تعداد حسب ذیل تھی۔

کل تعداد ۴۵۵ تھی۔ جن میں سے ۸ قندیلیں چار بڑی اور چار چھوٹی صرف موسم حج اور رمضان شریف میں روشن کی جاتی تھیں۔ ان میں سے ایک قندیل باب دارالامارۃ پر نصب تھی جو سال بھر جلائی جاتی تھی' اور اس کی رشونی بہت زیادہ تھی۔ تمام قندیلیں قیمتی زنجیروں سے لٹکائی گئی تھیں۔ (اخبار مکہ ص ۳۳۲)

علامہ ابن جبیرؒ لکھتے ہیں کہ برآمدوں کے کنگروں پر دو، دو لکڑیاں کیلوں سے جڑی ہوئی اور ان میں آہنی ٹک لالٹینیں لگانے کے لئے لگے ہوئے تھے۔ (سفرنامہ ابن جبیر ص ۸۶)

۱۳۲۰ھ میں علامہ ابراہیم رفعت پاشا نے حرم شریف کی قندیلوں کی تعداد اس طرح بیان کی ہے:

مشرقی برآمدوں میں میں	۱۶۷ عدد
مغربی برآمدوں میں	۱۴۷ ″
شمالی برآمدوں میں	۳۳۰ ″
قبلہ سمت	۱۸۷ ″
مطاف میں	۲۵۷ ″
میزان	۱۰۸۸ ″

(مرآۃ الحرمین جلد ا)

Marfat.com

راقم آثم نے ۱۱ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو حرم شریف کی ٹیوبوں بلبوں اور قندیلوں کو شمار کیا جن کی تفصیلات حسب ذیل ہیں۔

مطاف کے کناروں پر کنکریٹ سے بنے ہوئے ۱۶ کھمبے نصب تھے۔ اس میں سے چودہ پر دو، دو قندیلیں تھیں جن کے درمیان ایک تیز روشنی والا بلب بھی نصب تھا۔ جب کہ چاہ زمزم کے دونوں طرف دو کھمبوں پر اسی طرح کے بلب تھے۔ قندیلوں کے اوپر دو جگہ اللہ جل جلالہ لکھا ہوا تھا۔ ان کھمبوں کے ساتھ لاؤڈ سپیکر کی انیس لمبی بوتلیں لگی ہوئی تھیں جن میں سے ۱۶ کا رخ صحن حرم کی طرف اور تین کا مطاف کی جانب تھا۔ نیز چاہ زمزم کی سیڑھیوں کے دونوں طرف دو کھمبے اور موذن کی جگہ کے قریب بھی دو کھمبے نئے لگے ہوئے تھے جن پر تیز روشنی والے بلب لگے تھے۔ علاوہ ازیں صحن حرم میں یعنی کنکریوں والی جگہ میں مذکورہ کھمبوں سے بھی زیادہ بلند ۲۸ کھمبے لگے ہوئے تھے۔ جن کے اوپر لوہے کی ایک چھتری سی بنی ہوئی تھی۔ اس کے نیچے چاروں طرف آٹھ آٹھ مرکری بلب لگے ہوئے تھے۔ چھتری کے کناروں پر خوبصورت کنگرے بنے ہوئے تھے۔ اور اس کے اوپر استادہ آہنی پلیٹ کے دونوں جانب ''اللہ'' لکھا ہوا تھا۔ پلیٹ کے کناروں پر چھوٹی چھوٹی تاریں لگی ہوئی تھیں تاکہ کبوتر وغیرہ نہ بیٹھیں۔ حطیم کی دیوار پر تین خوبصورت قندیلیں لگی ہوئی تھیں۔

اس طرح مطاف اور صحن حرم میں کل ۲۹۵ بلب اور قندیلیں لگی ہوئی تھیں۔

حرم شریف کی قدیم عمارت کے اندر ۱۹۳ مرکری بلب اور ۳ بلب عام قسم کے تھے ان کے علاوہ ۲۳۰ قندیلیں آویزاں تھیں۔ جن کے نیچے مصالے کا خول چڑھا ہوا تھا اور آدھ انچ موٹے دو پائپوں سے لٹکائی ہوئی تھیں۔ درمیان میں تقریباً ایک مربع فٹ کا خوبصورت پھول بنا ہوا تھا۔

سعودی تعمیر کے پہلے برآمدے میں ۶۳۰ مرکری بلب تھے جب کہ دوسری منزل میں ۹۰۰ مرکری بلب تھے۔ ان میں سے صفا پر واقع گنبد کے اندر ۱۶ بلب، صفا اور مروہ کے درمیان ۹۵ بلب اور مروہ پر ۷ بلب تھے۔ تہہ خانے میں ۲۲۲ مرکری

Marfat.com

بلب اور ۳۱۹۲ ٹیوبیں لگی ہوئی تھیں۔ ان کے علاوہ ہر ایک مینار پر ۴۸، ۴۸ عام قسم کے بلب لگے ہوئے تھے جن کی کل تعداد ۳۳۶ تھی۔

حرم شریف کی چھت پر لوہے کے ۵۴ کھمبے لگے ہوئے تھے۔ ہر ایک کھمبہ پر ۲،۲ تیز روشنی والے بلب لگے ہوئے تھے۔ اور ہر ایک جگہ تین تین کھمبے اکٹھے لگے ہوئے تھے' جن پر کل ۱۰۸ بلب مطاف میں روشنی کرنے کی غرض سے لگے ہوئے تھے۔

حرم شریف کے اندر لگے ہوئے بلبوں' ٹیوبوں اور قندیلوں کی کل تعداد ۵۷۰۴ تھی۔ ان کے علاوہ حرم شریف کے باہر بھی بہت بڑی تعداد میں بلب لگے ہوئے تھے جنہیں شمار نہیں کیا گیا۔ لیکن ۱۹۷۸ء میں پورے صحن حرم کو مطاف بنا دیا گیا ہے' اس لئے نہ تو وہاں کھمبے اور بلب باقی رہے اور نہ ہی کنگریاں۔ اب مطاف میں روشنی کرنے کے لئے چھت پر لگے ہوئے مذکورہ بالا بلب ہی جلائے جاتے ہیں' اس اعتبار سے ۲۹۲ بلب مذکورہ تعداد سے کم ہو گئے ہیں۔

قندیلوں اور ٹیوبوں کی مذکورہ تعداد اور نظام کے بعد ۱۹۷۹، ۸۰ء میں مزید تبدیلی رونما ہوئی ہے جس کی تفصیل اس طرح ہے

مطاف میں سے تمام کھمبے اور لائٹیں ختم کر دی ہیں جن کی تعداد ۲۹۲ تھی۔ اسی طرح حرم کی زیریں اور بالائی دونوں منزلوں میں ٹیوبوں اور بلبوں کی جگہ قندیلیں اور نئی طرز سے ٹیوبیں نصب کی گئی ہیں۔ جن سے روشنی کا انتظام بے حد حسین اور انتہائی عمدہ ہو گیا ہے۔ حرم شریف کی پوری تاریخ میں اس قدر حسین و جمیل روشنی کا انتظام کبھی بھی نہیں ہوا۔

۲۹ رشوال ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹ راگست ۱۹۸۲ء میں قندیلوں اور ٹیوبوں کی تفصیل یہ ہے۔

قدیم عثمانی تعمیر میں ۱۲۹ بلب اور ۴۷۰ چھوٹی قسم کی قندیلیں ہیں۔ قندیلوں میں نصف گلوب میں ۳ بلب اور اس کے نیچے بھی تین بلب لگے ہیں۔

Marfat.com

سعودی تعمیر کی زیریں منزل ۲۱۱ قندیلیں آویزاں ہیں' جن میں پندرہ بلب اس ترتیب سے لگے ہیں۔ ایک دائرہ کے نیچے چھ اور اس کے اوپر بھی چھ بلب ہیں جب کہ دائروں کے اندر تین بلب ہیں۔ بعض قندیلوں میں بیس' بیس بلب لگے ہوئے ہیں۔ صفا مروہ کے درمیان ۱۰۳ قندیلیں آویزاں ہیں جب کہ مسعی کے دونوں جانب دیوار کے ساتھ ساتھ ۱۲۲ تیز روشنی والی لائٹیں لگی ہوئی ہیں۔ جن کا رخ چھت کی جانب ہے۔ اس طرح قندیلوں کی مجموعی تعداد دس ہزار سے زائد ہے۔ صفا مروہ کے درمیان زیریں منزل کی طرح بالائی منزل پر بھی ۱۰۳ قندیلیں اور ۱۲۲ لائٹیں لگی ہوئی ہیں۔

علاوہ ازیں زمزم پینے کی تین جگہوں پر لائٹوں کی تعداد اس طرح ہے۔ چاہ زمزم کے قریب مردانہ حصہ میں انتہائی دیدہ زیب گول ۱۵۳ لائٹیں نصب ہیں' اور اتنی ہی تعداد اس کے متصل زنانہ حصہ میں بھی ہے۔ اس طرح اس جگہ ۲۰۶ لائٹیں ہیں۔ اور باب الحدیبیہ کے نیچے ۷۰ لائٹیں اور باب الشبیکہ کے نیچے ۶۶ لائٹیں ہیں۔ اس طرح حرم شریف میں لائٹوں کی مجموعی تعداد ۱۱۹۳۲ ہے اور میناروں کے ۳۳۶ بلب اور چھت پر نصب کھمبوں کی ۱۰۸ لائٹیں ملا کر ۱۲۳۸۶ تعداد ہو جاتی ہے۔

مؤذن کا چبوترہ

امام فاکہیؒ لکھتے ہیں حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے بنی مطلب کو سقایہ' بنی عبدالدار کو حجابہ اور ہمیں اذان کی خدمت پر مامور فرمایا تھا۔

جب آپ ﷺ جنگ حنین کو تشریف لے جانے لگے تو مجھے بلا کر پاس بٹھایا' میری پیشانی پر بوسہ دیا اور تین مرتبہ خیر و برکت کی دعا دی۔ پھر فرمایا جاؤ بیت اللہ شریف میں جا کر اذان دو۔ (ام القریٰ ص ۱۲)

ابتداء میں اذان کہنے کے لئے کوئی چبوترہ وغیرہ نہیں تھا' جب امام جعفہ

Marfat.com

کے دن خطبہ کے لئے تشریف لاتے تو مؤذن زمین پر کھڑے ہو کر اذان کہتا۔ گرمی' سردی اور دھوپ میں وہیں بیٹھتے' پھر خلیفہ ہارون الرشید کے دور میں عبداللہ بن محمد بن عمران طلحی گورنر مکہ نے مؤذن کے لئے سایہ دار جگہ بنائی۔ پھر ۲۶۰ھ میں جعفر المتوکل علی اللہ کے دور میں اس میں اضافہ اور تجدید کی گئی۔ وہ چبوترہ امام ازرقی کے دور تک قائم رہا۔ (اخبار مکہ ص ۳۳۲)

بعدازاں کئی دوسرے مقامات پر بھی انتظامات کئے جاتے رہے' مثلاً مقام ابراہیم کے چبوترہ پر' مصلی حنفی کے چبوترہ پر' اور زمزم کے چبوترہ پر زمانہ دراز تک اذان دی جاتی رہی۔ اسی طرح امام ازرقی کے دور میں چاروں میناروں پر اذان دی جاتی تھی۔

امام فاکہی کے زمانہ میں رئیس المؤذنین منارہ باب العمرہ سے اذان کی ابتداء کرتے اور پھر دوسرے میناروں سے بھی مؤذن اذان کی ایمان افروز صدا بلند کرتے' لیکن مورخ جلیل علامہ تقی فاسی ۸۳۲ھ کے زمانہ میں اذان کی ابتداء منارہ باب اسلام سے ہونے لگی۔ اور پھر علامہ قطب الدین ۹۸۸ھ کے دور میں چاہ زمزم کے اوپر قبہ سے اذان کی ابتداء ہوئی۔ اس چبوترہ کی سلطان مراد خان نے ۹۳۱ھ میں تجدید کرائی۔ اور اسے اینٹوں سے بنوایا۔ اور اس پر رومی طرز کا مینار بنوایا اور اس پر تین قندیلیں آویزاں کیں۔ (اعلام الاعلام ص ۳۲۵)

مولانا عبدالسلام ندوی لکھتے ہیں' جب قبہ زمزم پر اذان شروع ہوئی تو شیخ المؤذنین اذان کی ابتدا کرتا۔ پھر اس کی پیروی میں دوسرے میناروں پر مؤذن بھی اذان شروع کر دیتے' قبہ زمزم کی جنوبی دیوار میں بے حد عمدہ دھوپ گھڑی بنی ہوئی تھی۔ یہ گھڑی ایک مراکشی نے حرم شریف کے لئے بطور تحفہ بھیجی تھی۔ (تاریخ حرمین ندوی)

سعودی حکومت نے زمزم کے قریب ایک دو منزلہ عمارت مؤذنین کے لئے بنائی جو ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۸ء تک قائم تھی۔ لیکن بعد میں مطاف کی توسیع کے باعث اسے قریب ہی برآمدہ میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ جو پہلے چبوترہ سے کہیں

Marfat.com

زیادہ خوبصورت اور وسیع تر ہے۔ اس کے چاروں طرف بے حد خوبصورت اور دلکش شیشہ لگا ہوا ہے جس میں باہر سے کوئی چیز نظر نہیں آتی' جب کہ اندر سے بالکل صاف نظر آتا ہے۔ گویا کہ ایک چھوٹا سا نفیس ترین شیش محل بنا ہوا ہے۔ اس میں روشنی کے علاوہ ایئر کنڈیشن اور ٹیلیفون جیسی جدید ترین سہولتیں میسر ہیں۔ لاؤڈ سپیکر کا بہت اعلیٰ نظام اور مشرقی کے علاوہ ریڈیو اور ٹی وی کے نشریاتی آلات بھی نصب ہیں۔ چبوترہ کے پیچھے چاروں طرف خودکار ٹی وی کیمرے لگے ہوئے ہیں۔ ایام حج کے علاوہ امام صاحب ظہر اور عصر کی نماز اسی چبوترہ کے نیچے پڑھاتے ہیں۔

دھوپ گھڑی

قدیم زمانہ میں وقت معلوم کرنے کے لئے دھوپ گھڑی ہوتی تھی۔ جس پر سورج کے سایہ سے وقت کا اندازہ کیا جاتا تھا۔ چنانچہ حرم شریف کی تاریخ میں سب سے پہلے ۵۵۱ھ میں وزیر الجواد نے صحن حرم میں دھوپ گھڑی نصب کرائی جسے مزوِرہ اور میزان الشمس بھی کہا جاتا تھا۔ اور قاضی ابن ظہیرہ مخزومی نے دو گھڑیوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک صحن مسجد میں اور دوسری چاہ زمزم کے چبوترہ کے اوپر۔

مرآۃ الحرمین میں ہے کہ ۹ ذی الحجہ ۱۰۷۹ھ کو شیخ محمد بن سلیمان المغربی نے باب السلام کی جانب قد آدم کے برابر گھڑی بنوائی۔ ۱۳۰۱ھ میں عثمان نوری پاشا نے ان دھوپ گھڑیوں کو ختم کر کے دو مشینی گھڑیاں حرم شریف میں لگائیں۔ جن کا طول تقریباً دو میٹر تھا۔ یہ گھڑیاں حرم شریف کے متصل مینارہ باب علی کے قریب باب بازان پر لگی ہوئی تھیں۔ اگرچہ یہ گھڑیاں ۱۳۵۴ھ تک حرم شریف میں موجود تھیں' لیکن ان کی دیکھ بھال اور صفائی نہ ہونے اور عرصہ دراز گزر جانے کی وجہ سے بیکار ہو چکی تھیں۔

۱۳۵۲ھ میں جلالۃ الملک عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن الفیصل نے دیکھا کہ

Marfat.com

نماز کے اوقات معلوم کرنے میں لوگوں کو تکلیف اور پریشانی ہے تو انہوں نے ایک بہت بڑی گھڑی نصب کرنے کا حکم دیا۔ جس کا ٹائم اور آواز دور سے دیکھا اور سنا جا سکے۔ چنانچہ شیخ عبداللہ السلیمان الحمدان وزیر مالیات نے حرم شریف کے متصل دارالحکومت کی بلند عمارت کے اوپر ایک پندرہ میٹر بلند ستون بنا کر گھڑی نصب کرائی۔

اس عمارت اور حرم شریف میں پچیس میٹر کا فاصلہ تھا۔ گھڑی دو جانب سے دکھائی دیتی تھی۔ حرم شریف کے اندر اور محلہ جیاد کی طرف سے بھی ٹائم دیکھا جا سکتا تھا' اس کے گھنٹے کی آواز اس قدر بلند تھی کہ پورے حرم میں سنائی دیتی تھی' بلکہ مسعی اور حرم کے گرد واقع مدارس میں بھی اس کی آواز آتی تھی۔ حجاز کی سرزمین میں اتنی بڑی مملکت کی یہ پہلی گھڑی تھی۔ رات کے وقت بجلی کے ذریعہ اس کے ہندسے بھی نظر آتے تھے۔ (تاریخ عمارۃ المسجد الحرام ص ۱۹۸ تا ۲۰۱)

چونکہ قدیم زمانہ میں گھڑیوں کا رواج عام نہیں تھا اس لئے حرم شریف کے لئے خصوصی انتظام کرنا ضروری تھا۔ اس زمانہ میں تو ہر آدمی کے پاس گھڑی موجود ہے لیکن اس کے باوجود حرم شریف میں بعض بعض جگہ نہایت عمدہ قسم کی گھڑیاں لگی ہوئی ہیں۔ اور مؤذن کے چبوترہ میں بھی اذان کے لئے گھڑیاں لگے ہوتے ہیں۔

حرم مکہ

کعبہ شریف کی حدود دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں' جنہیں حرم مکہ یا حرم بیت اللہ کہا جاتا ہے۔ ان حدود میں داخل ہونے کے لئے احرام باندھنا ضروری ہے۔ علاوہ ازیں اس پورے علاقہ کی عزت و تکریم بھی لازمی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ وَّ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ [النمل رکوع ۷ آیت ۹۱]

مجھے یہی حکم ہے کہ اس شہر کے مالک کی بندگی کروں جس نے اسے حرمت

Marfat.com

دی اور ہر ایک چیز اسی کی ہے اور مجھے حکم ہے کہ فرماں برداروں میں رہوں"۔

﴿ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ ﴾

[پ ۲۰ رکوع ۹ آیت ۵۷]

"کیا ہم نے انہیں حرمت والے امن والے مکان میں جگہ نہیں دی' اس کی طرف ہر قسم کے پھل کھنچے چلے آتے ہیں"۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے زمین' آسمان' سورج اور چاند پیدا کئے اسی دن مکہ معظمہ کی سرزمین کو حرم قرار دیا تھا۔ ان دو پہاڑوں کے درمیان کا علاقہ نہ تو مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال ہوا اور نہ ہی میرے بعد کسی کے لئے یہ جگہ حلال قرار دی جائے گی۔ میرے لئے بھی صرف دن کے تھوڑے سے وقت کے لئے حلال ہوئی تھی۔

نہ اس کا گھاس کاٹا جائے' نہ شکار کیا جائے اور نہ ہی یہاں سے گری پڑی چیز اٹھائی جائے مگر اعلان کرنے کی غرض سے اٹھانا جائز ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی' اذخر ہمارے گھروں اور سناروں کے کام کی چیز ہے۔ اس کے کاٹنے کی اجازت عنایت فرمائیں۔ تو نبی ﷺ نے اسے مستثنیٰ قرار دے دیا۔ (بخاری شریف جلد اول باب لا یحل القتال فی المکۃ، مسلم شریف جلد اول ص ۴۳۸)

نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب تک میری امت حرم کی تعظیم و تکریم کرتی رہے گی وہ بھلائی سے مالا مال رہے گی۔ اور جب اس کی تعظیم چھوڑ دے گی تو پھر ہلاک ہو جائے گی۔ (ابن ماجہ ص ۲۲۵)

حرم کی عزت و تکریم کے پیش نظر اس کی حدود میں داخل ہونے کے لئے احرام باندھنا واجب ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بہت سے انبیاء علیہم السلام جب حج بیت اللہ کو تشریف لاتے تو حدود حرم میں داخل ہوتے ہی سواری سے اتر جاتے اور ننگے پاؤں چل کر کعبہ شریف تک جاتے تھے۔

حرم کی تعظیم ہی کی وجہ سے اس کی حدود میں شکار کرنا حرام ہے۔ اس حکم

Marfat.com

میں اہل حرم اور آفاقی' احرام والا اور بغیر احرام کے سب لوگ برابر ہیں۔ اسی طرح حدود حرم میں گھاس اور درخت کاٹنا بھی ممنوع ہے۔

حدود حرم میں غیر مسلم کا داخل ممنوع ہے۔ اس علاقہ میں صرف ایماندار لوگ ہی داخل ہو سکتے ہیں۔ جس طرح حرم شریف میں ایک نیکی کا اجر ایک لاکھ گنا ہوتا ہے۔ اسی طرح حدود حرم میں بھی نیک اعمال کا اجر بڑھ جاتا ہے۔ اس کے برعکس جس طرح مسجد حرام میں برائی کا گناہ بہت زیادہ ہوتا ہے' اسی طرح حدود حرم میں بھی اس میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ حرم شریف کے تقدس کی بنا پر اس کے ڈھیلوں اور پتھروں سے استنجا کرنا جائز نہیں۔

حدود حرم میں طاعون اور دجال داخل نہیں ہو سکتے اور اسی طرح مدینہ منورہ کا مقدس شہر بھی دجال سے محفوظ رہے گا۔ (جامع اللطیف ص ۱۰۶ تا ۱۰۹)

امام ازرقی اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا آدم علیہ السلام جب مکہ مکرمہ میں تشریف لائے تو انہیں شیطان کے حملہ کا خطرہ لاحق ہوا' جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو سرزمین مکہ کے چاروں طرف مقرر کر دیا تاکہ شیطان اس علاقہ میں داخل ہی نہ ہو سکے۔ چنانچہ جن جن مقامات پر فرشتوں نے پہرہ دیا تھا' وہ حرم کے نشانات قائم کر دیئے گئے۔ اس طرح ان حدود کے اندر کا تمام علاقہ حرم قرار دیا گیا۔ (اخبار مکہ ص ۳۵۷)

وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ جب آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اتارا تو وہ مغموم اور پریشان رہتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جنت سے ایک سرخ یاقوت کا خیمہ نازل فرمایا جسے کعبہ شریف والی جگہ نصب کر دیا گیا۔ اور حجر اسود ستاروں کی طرح چمک رہا تھا۔ جس کی روشنی حرم کے کناروں تک پہنچ رہی تھی۔ پھر جب آدم علیہ السلام مکہ تشریف لائے تو ان کی اور مذکورہ خیمہ کی جنات سے حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو مقرر کر دیا' جن جن مقامات پر ملائکہ نے کھڑے ہو کر پہرہ دیا تھا وہاں حرم کے نشانات قائم کر دیئے گئے۔ (اخبار مکہ ص ۳۵۸)

Marfat.com

ایک روایت میں ہے کہ جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جبرئیل علیہ السلام کی معیت میں مناسک حج ادا کیے تو اس وقت جبرئیل نے حدود حرم سے آپ کو آگاہ فرمایا۔ چنانچہ ان مقامات پر مٹی گارے سے پتھروں کے برج بنا دیئے۔ (اخبار مکہ ص ۳۵۸)

امام زہری عبیداللہ بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد حرم کی علامات کو قصی بن کلاب نے از سرِ نو تعمیر کیا۔ پھر اس کے بعد نبی علیہ السلام نے فتح مکہ کے دن ان کی تجدید کرائی۔

بعد ازاں سیدنا امیر المومنین خلیفہ ثانی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے قریش کے چار معززین مخرمہ بن نوفل' ابو ہود' سعید بن یربوع مخزومی' حویطب بن عبدالعزیٰ اور ازہر بن عبد عوف الزہری کو ان کی تجدید پر مامور فرمایا تھا۔

امیر المومنین خلیفہ ثالث سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں عبدالرحمن بن عوف کو امیر حج بنا کر بھیجا' اور انہیں انصاب حرم کی تجدید کا حکم بھی دیا۔ چنانچہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے قریش کے چند آدمی اس کام پر مامور فرمائے جن میں حویطب بن عبدالعزیٰ اور عبدالرحمن بن ازہر بھی شامل تھے۔ البتہ سعید بن یربوع کی بینائی خلافت فاروقی میں ختم ہو گئی تھی۔ اور مخرمہ بن نوفل بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں بینائی سے محروم ہو گئے تھے۔

اس طرح ہر سال انصاب حرم کی تجدید کی جاتی رہی۔ یہاں تک کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے عہد خلافت میں امیر مکہ کو ان کی تجدید و تعمیر کا حکم دیا تھا۔ یونہی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے بھی قریش' خزاعہ اور بنی بکر کے چند اشخاص کو اس خدمت پر مامور کیا تھا۔ (اخبار مکہ ص ۳۶۰)

Marfat.com

حدود حرم

کعبہ شریف اور حدود حرم کے درمیان حسب ذیل فاصلہ ہے

شارع مدینہ پر تنعیم کے مقام پر	۳ میل
شارع یمن پر	۷ ،،
شارع جدہ	۱۰ ،،
شارع طائف پر عرفات کے قریب	۱۱ ،،
شارع عراق پر	۷ ،،
جعرانہ (اخبار مکہ ص ۲۶۰)	۹ ،،

امام تقی فاسیؒ لکھتے ہیں کہ مکہ معظمہ سے جعرانہ کا فاصلہ ۱۸ میل ہے۔

انصاب حرم کی تجدید مختلف ادوار میں حسب ذیل حضرات کراتے رہے ہیں۔

۱۔ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام	
۲۔ قصی بن کلاب	
۳۔ قریش	ہجرت سے قبل
۴۔ رسول اللہ ﷺ	۸ھ
۵۔ سیدنا فاروق اعظمؓ	۱۷ھ
۶۔ سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ	۲۶ھ
۷۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ	
۸۔ عبدالملک بن مروان	
۹۔ المہدی عباسی	
۱۰۔ راضی باللہ	
۱۱۔ المقتدر باللہ	

Marfat.com

۱۲۔ المظفر صاحب اربل ۶۱۶ھ

۱۳۔ المظفر صاحب یمن ۶۸۳ھ

۱۴۔ سلطان احمد بن محمد ۱۰۲۳ھ

۱۵۔ شاہ سعود (تاریخ القویم جلد ۳ ص ۱۰۰) ۱۳۷۶ھ

امام تقی فاسی نے شفاء الغرام میں حرم کی حسب ذیل مسافت بیان کی تھی جسے علامہ کردی نے میٹر کے حساب سے بھی لکھ دیا ہے۔

حرم شریف کے باب بنی شیبہ سے بطن عرنہ کی طرف عرفات کے شروع میں قائم علامات کا فاصلہ ۳۷۲۱۰½ ذراع یعنی ۱۸۳۳۳ میٹر۔

باب بنی شیبہ سے شارع عراق پر واقع علامات کا فاصلہ ۲۷۲۵۲ ذراع یعنی ۵'۱۳۳۵۳ میٹر۔

تنعیم جو مدینہ شریف کے راستہ میں واقع ہے کا فاصلہ باب عمرہ سے ۱۲۴۲۰ ذراع یعنی ۶۱۲۸ میٹر۔

شارع یمن پر واقع حد حرم کا فاصلہ باب ابراہیم سے ¾۲۴۵۰۹ ذراع یعنی ۱۲۰۰۹٫۷۵ میٹر۔ (تاریخ القویم جلد ۲ ص ۱۰۲)

ڈاکٹر حمید اللہ نے حدود حرم کا مجموعی رقبہ ایک سو پچیس مربع میل بیان کیا ہے۔ (رسول اکرم کی سیاسی زندگی ص ۲۸)

حرم شریف کے کبوتر

اسلام کے ابتدائی زمانہ تک حرم صرف کعبہ شریف کی عمارت پر مشتمل تھا۔ اس کے علاوہ نہ کوئی برآمدہ تھا اور نہ ہی کوئی ایسی جگہ تھی جہاں پرندے بیٹھتے یا بسیرا کرتے۔ کعبہ شریف کا دروازہ بھی اکثر بند رہتا تھا۔ لیکن حرم شریف کے برآمدے اور چند دیگر چبوترے تعمیر ہو جانے کے بعد پرندوں نے بھی حرم میں آنا اور رہنا شروع کر دیا۔ بالخصوص خلافت ترکیہ عثمانیہ کے دور میں جب کبوتروں کو حرم کے اندر

Marfat.com

دانے ڈالے جانے لگے تو انہوں نے حرم کو اپنا مسکن بنا لیا۔ دن رات بلا خوف و خطر حرم میں پھرنے اور رہنے لگے۔ چونکہ حرم میں کسی چیز کو اذیت دینا جائز نہیں ہے' اس لئے کبوتر لوگوں سے بے خوف ہو کر نماز کے دوراں صفوں میں بھی پھرتے رہتے ہیں۔

علماء کرام کا ارشاد ہے کہ حرم شریف میں کبوتروں کی کثرت کے باوجود جب وہ ادھر اُدھر اُڑ کر جاتے ہیں تو کعبہ شریف کی تعظیم کے پیش نظر اس کے اوپر پرواز نہیں کرتے بلکہ دائیں یا بائیں سے گزر جاتے ہیں۔

امام فخر الدین رازیؒ اور امام ابن جوزیؒ لکھتے ہیں کہ پرندوں کے غول کے غول آتے ہیں' مگر وہ تعظیماً کعبہ شریف کے اوپر سے نہیں گزرتے' بلکہ اس کے قریب آ کر دائیں' بائیں سے گزر جاتے ہیں۔ (تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۸' زاد المسیر جلد ۱ ص ۴۲)

علامہ ابن جبیر اندلسیؒ اور علامہ ابن بطوطہؒ لکھتے ہیں' حرم شریف میں کبوتر اور دوسرے پرندے بکثرت ہیں' لیکن وہ نہ تو کعبہ شریف پر بیٹھتے ہیں اور نہ ہی اس کے اوپر اُڑتے ہیں۔ ان کے جھنڈ اُڑتے ہوئے آتے ہیں مگر کعبہ شریف کے قریب پہنچ کر مختلف سمتوں میں بٹ کر گزر جاتے ہیں' یہ بات مشہور ہے کہ اگر کوئی کبوتر یا پرندہ بیمار ہو جائے تو وہ شفا حاصل کرنے کی غرض سے کعبہ شریف پر بیٹھتا ہے۔ اگر اس کے مقدر میں شفا ہو تو وہ صحت یاب ہو جاتا ہے' ورنہ لقمہ اجل بن جاتا ہے۔ (سفرنامہ ابن جبیر ص ۸۳' سفرنامہ ابن بطوطہ ص ۱۹۶)

اس کے برعکس علامہ طاہر کردی لکھتے ہیں کہ یہ غلط ہے کہ کعبہ شریف پر کبوتر یا دوسرے پرندے نہیں بیٹھتے۔ موصوف نے نہ صرف اس پر طویل بحث کی ہے' بلکہ کعبہ شریف پر بیٹھے ہوئے کبوتروں کی تصویریں بھی پیش کی ہیں۔ انہوں نے اس خیال کی بھی سختی سے تردید کی ہے کہ اگر کوئی کبوتر کعبہ شریف پر بیٹھے تو وہ بیماری سے شفاء کا طلب گار ہوتا ہے۔

ہر ایک شخص کی اپنی تحقیق' تجربہ اور نظریہ ہوتا ہے۔ بہت ممکن ہے علامہ طاہر کردی کی تحقیق زیادہ صحیح ہو لیکن اس سلسلہ میں ان کی آزمودہ بعض چیزیں

Marfat.com

خلاف واقع بھی ہیں۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں

حرم میں جب لوگ دانے ڈالتے ہیں تو ہزاروں کی تعداد میں کبوتر اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ مگر ان میں گھریلو کبوتر ہرگز شامل نہیں ہوتے۔ سب کے سب حرم ہی کے ہوتے ہیں۔

ان کبوتروں کے سوا حرم میں کوئی دوسرا پرندہ نہیں آتا۔

ہوائی جہاز کعبہ شریف کی تعظیم کی وجہ سے مکہ مکرمہ کے اوپر پرواز نہیں کرتے۔

حالاں کہ یہ چیزیں انہوں نے خلاف واقع بیان فرمائی ہیں۔ راقم آثم نے ذی قعدہ ۱۳۹۸ھ میں متواتر کئی دن سفید رنگ کا ایک گھریلو کبوتر حرم شریف میں دوسرے کبوتروں کے ساتھ دانے کھاتا اور اڑتا دیکھا۔

کبوتروں کے علاوہ حرم شریف میں چڑیوں نے گھونسلے بھی بنائے ہوئے ہیں اور دانے بھی حرم کے کبوتروں کے ساتھ کھاتی ہیں۔ ان کے علاوہ شام ہوتے ہی کبوتر حرم شریف سے چلے جاتے ہیں اور بے شمار ابابیلیں آ جاتی ہیں۔

میں نے بار ہا بار فضا میں کعبہ شریف پر چیلیں اڑتی دیکھیں اور حرم شریف کے میناروں پر بیٹھی بھی دیکھیں۔

علامہ موصوف کے زمانہ میں ہوائی جہاز بہت تھوڑی تعداد میں تھے۔ اس لئے انہوں نے مکہ مکرمہ کی فضا میں اڑتا نہیں دیکھا جس کی وجہ سے وہ اس خوش فہمی کا شکار ہو گئے کہ کعبہ شریف کی تعظیم کی وجہ سے جہاز مکہ معظمہ پر پرواز نہیں کرتے۔ حالاں کہ اس زمانہ میں ہوائی جہاز اور ہیلی کاپٹر اکثر پرواز کرتے دیکھے جاتے ہیں۔ راقم آثم نے بھی بارہا دیکھا ہے۔

البتہ یہ حقیقت ہے کہ کعبہ شریف پر کبوتر شاذ و نادر ہی بیٹھتے ہیں۔ راقم الحروف کو دو مرتبہ اللہ رب العزت نے حرمین شریفین کی زیارت سے نوازا۔ ۱۳۹۳ھ اور ۱۳۹۸ھ میں پہلی مرتبہ تقریباً تین ماہ مکہ معظمہ میں قیام نصیب ہوا اور دوسری بار ایک ماہ میں اکثر اس جستجو میں رہا کہ کعبہ شریف پر کبوتر یا کوئی پرندہ بیٹھا

Marfat.com

ہوا دیکھ رہوں' مگر چار ماہ کے عرصہ میں صرف ایک مرتبہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ ۱۲/ ذیقعدہ ۱۳۹۸ھ نماز ظہر کے بعد ایک کبوتر چند منٹ کعبہ شریف پر بیٹھ اور اُڑ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد ایک اور کبوتر بھی چند منٹ بیٹھا ہوا دیکھا۔ اسی طرح سینکڑوں کی تعداد میں کبوتر اُڑتے ہوئے آئے اور کعبہ شریف کے قریب آ کر اِدھر اُدھر ہو کر گزر گئے۔ مگر کعبہ شریف کے اوپر پرواز نہیں کی' کبھی کبھی ایک دو کبوتر ان میں سے جدا ہو کر کعبہ شریف کے اوپر سے گزرتے دیکھے ہیں۔

بہر حال جہاں ہزاروں کی تعداد میں کبوتر رہتے ہوں وہاں مہینوں بعد ایک آدھ کبوتر کعبہ شریف پر بیٹھ جائے تب بھی علامہ کردی کے دعویٰ کی تصدیق نہیں ہو سکتی۔ میری ناقص رائے میں قدیم بزرگوں کا خیال صحیح معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ البتہ یہ خیال یقیناً غلط ہے کہ حرم کے کبوتر ان دو کبوتروں کی نسل میں سے ہیں جنہوں نے غار ثور کے منہ پر نبی ﷺ کے لئے مکڑی کے بنائے ہوئے جال پر انڈے دیئے تھے۔

صفا، مروہ

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ

صفا اور مروہ کعبہ شریف کے قریب دو پہاڑیاں ہیں جن پر سیدہ ہاجرہ علیہا السلام نے پانی کی تلاش میں انتہائی بے تابی کے عالم میں سات چکر لگائے تھے۔ اللہ کریم کو ان کی یہ ادا اس قدر پسند آئی کہ اسے حج اور عمرہ کا لازمی رکن قرار دے دیا۔ اگرچہ ابتداء میں یہ پہاڑیاں کافی بلند تھیں مگر حرم شریف کو سیلاب سے محفوظ رکھنے کے لئے جس قدر بلند کیا جاتا رہا' ان پہاڑیوں کی بلندی بتدریج کم ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ اس وقت معمولی سے ٹیلے کی شکل میں باقی رہ گئی ہیں۔

علامہ طاہر کردی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں' سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ شریف ایک بلند مقام پر تعمیر فرمایا تھا جس کے گرد و پیش کے راستے نشیب میں تھے۔ مگر چار ہزار سال کے طویل عرصہ میں سیلاب پہاڑوں سے مٹی اور پتھر بہا کر نشیبی جگہوں میں

Marfat.com

ڈالتے رہے۔ جس کے باعث کعبہ شریف نشیب میں اور نشیبی راستے اور سڑکیں بلندی میں تبدیل ہو گئے۔ تقریباً چار سو سال پہلے وادی ابراہیم (برساتی نالہ) حرم کے شمالی جانب باب الزیادہ اور جنوبی سمت باب اجیاد کی جانب سے مٹی بہا کر مسلسل کی جانب جمع کرتا رہا۔ جس کی وجہ سے حرم شریف کو آنے والے راستے بند ہو گئے۔ قدیم زمانہ میں پندرہ سیڑھیاں چڑھ کر باب ابراہیم تک پہنچتے تھے۔ مگر اب صرف تین سیڑھیاں باہر رہ گئی ہیں اور باقی سب مٹی میں دب چکی ہیں۔

اسی طرح صفا اور مروہ پر چڑھنے کے لئے خلیفہ ابی جعفر المنصور نے سیڑھیاں بنوائی تھیں اور علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق صفا کی بارہ اور مروہ کی پندرہ سیڑھیاں تھیں۔ لیکن ۱۳۸۵ھ میں جب حرم شریف کی توسیع کا کام شروع ہوا تو بہت سے پہاڑوں کو پیوند زمین کر کے وہ جگہ حرم کے صحن میں شامل کر لی گئی۔ یونہی صفا اور مروہ کی پہاڑیاں بہت ہی پست ہو گئیں اور مذکورہ تمام سیڑھیاں دب گئیں۔ (تاریخ تقویم جلد ۳ ص ۵۰)

شیخ الاسلام ابن حجر بحوالہ ایضاح النووی کے حاشیہ میں لکھتے ہیں' صفا پر چڑھنے کے لئے بارہ اور مروہ پر چڑھنے کے لئے پندرہ زینے ہیں' مسعیٰ (یعنی صفا مروہ کے درمیان کی جگہ) اتنی گہری ہے کہ اگر دو گھوڑے چلیں جن پر آدمی بھی کھڑا ہو تو حرم شریف سے آدمی کا صرف سر ہی نظر آ سکتا ہے۔ (بحوالہ تاریخ التقویم جلد ۳ ص ۴۹، ۵۰)

علامہ رفعت پاشا لکھتے ہیں' صفا کی پہاڑی ۶ میٹر لمبی ۳ میٹر چوڑی اور ۲ میٹر بلند ہے۔ اس پر چڑھنے کے لئے چار زینے ہیں' جب کہ آٹھ زینے دب گئے ہیں۔ (مراۃ الحرمین جلد ۱ ص ۳۲۰)

سعودی حکومت کی توسیع کے بعد راقم الحروف نے ذی الحج ۱۳۹۸ھ میں جو نقشہ دیکھا ہے وہ مذکورہ بیانات سے بہت مختلف ہے' اس وقت صفا کی جانب سے مسعیٰ یا حرم شریف میں داخل ہونے کے لئے ۳ زینے چڑھ کر دروازہ سے اندر ۸ زینے اتر کر مسعیٰ میں اور مزید ۳ زینے اتر کر صحن حرم میں داخل ہونا پڑتا ہے۔ صفا

Marfat.com

اور مروہ کی پہاڑیاں برائے نام باقی رہ گئی ہیں۔ لیکن ان پر چڑھنے کے لئے زینے نہیں ہیں صرف ڈھلوان سی بنا دی گئی ہے۔

علامہ ازرقی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ صفا اور مروہ کی سیڑھیاں سب سے پہلے عبدالصمد بن علی نے خلیفہ ابن ابی جعفر المنصور کے عہد میں بنائی تھیں۔

علامہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس وقت جس جگہ سعی کی جاتی ہے کیا یہ ساری جگہ وہی ہے جہاں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سعی کی جاتی تھی۔ یا اس کا کچھ حصہ تو وہی ہے اور کچھ اس کے علاوہ ہے۔ اس صورت میں حج اور عمرہ کے اس رکن کی ادائیگی میں خلل آئے گا یا نہیں؟

موصوف اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مسعی کی جگہ کافی کشادہ اور چوڑی تھی' بعد کے زمانہ میں اس چوڑائی میں بعض جگہ مکان بھی بنا لئے گئے' جنہیں خلیفہ مہدی عباسی نے منہدم کر کے حرم کو کشادہ کیا تھا۔ اس طرح مسعی کا کچھ حصہ حرم میں شامل ہو گیا مگر اسے پوری طرح تبدیل نہیں کیا۔ خلیفہ موصوف کی اس کارکردگی پر علماء کرام اور ائمہ مجتہدین نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ حالانکہ امام مالک امام ابو یوسف' امام محمد' امام شافعی' امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور دیگر ائمہ مجتہدین نے بھی اس جگہ سعی کرنا جائز اور صحیح قرار دیا۔ اور اس پر کسی نے اعتراض نہیں کیا۔

البتہ یہ بات الگ ہے کہ مسعی کو مسجد میں داخل کرنا جائز تھا یا نہیں؟ تو اس میں ائمہ مجتہدین کا یہی فرمان ہے کہ مسعی بمنزل راستہ کے ہے اور راستہ کو بوقت ضرورت مسجد میں شامل کر لینا جائز ہے بشرطیکہ گزرنے والوں کو تکلیف نہ ہو۔ (اعلام الاعلام ص ۱۰۳)

علامہ ابن جبیر اندلسی نے مسعی کا فاصلہ اس طرح بیان کیا تھا۔

مقام صفا سے میل اول تک ۹۳ قدم' جب کہ قدم تین بالشت کا ہو' اور وہاں سے دوسرے میل تک ۷۵ قدم' پھر دوسرے میل سے مروہ تک ۳۵۰ قدم اس طرح کل فاصلہ ۵۱۸ قدم ہے (یہ تقریباً ۱۱۰۵ فٹ بنتے ہیں)۔ (سفرنامہ ابن جبیر ص ۸۹)

Marfat.com

علامہ طاہر کردی نے صفا سے مروہ کا فاصلہ ۳۹۴ میٹر بیان کیا ہے۔ شیخ عباس کرارہ کے بیان کے مطابق صفا سے مروہ تک ۳۹۴ میٹر ۵۰ سینٹی میٹر فاصلہ ہے۔ عرض ۲۰ میٹر اور پہلی منزل کی بلندی ۱۲ میٹر جب کہ دوسری منزل ۹ میٹر بلند ہے۔ (تاریخ حرمین، عباس کرارہ، ص ۱۵۳)

مکہ مکرمہ کی متعدد مساجد میں جمعہ کا اجراء

اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مکہ مکرمہ میں نماز پنجگانہ باجماعت اور جمعہ کی ادائیگی ممکن نہیں تھی۔ اس لئے اکیس سال تک وہاں جمعہ جاری نہ ہو سکا۔ چنانچہ ۸ ہجری میں مکہ معظمہ فتح ہونے پر حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو امامت کے لئے مقرر فرمایا۔ جنہوں نے جمعہ بھی پڑھانا شروع کر دیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مکہ مکرمہ کی آبادی بھی بڑھتی گئی۔ لیکن اس کے باوجود سب لوگ مسجد حرام ہی میں جمعہ پڑھنے کے لئے جمع ہوتے تھے۔ معلاۃ، حجون، معابدہ، مسفلہ اور جرول جیسے دور دراز محلوں سے ہر موسم میں لوگ بڑی رغبت اور محبت سے حرم شریف میں جمعہ پڑھنے کے لئے آتے رہے۔

یہ سلسلہ ۸ ہجری سے ۱۳۷۵ھ تک جاری رہا۔ پھر جب شہر کی آبادی میلوں دور تک پھیل گئی اور لوگ ضروریات زندگی کے لئے مختلف محلوں میں آباد ہو گئے تو سہولت اور آسانی کے ساتھ حرم شریف میں جمعہ کے لئے آنا ممکن نہ رہا۔ آبادی کی وسعت کے ساتھ نئی مساجد کی تعمیر بھی ناگزیر تھی۔ چنانچہ ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹۵۵ء تک ۱۵۰ مساجد معرض وجود میں آ چکی تھیں۔ علاوہ ازیں حرم شریف کی توسیع و تعمیر کا ایک جامع منصوبہ بھی شروع کیا جا رہا تھا۔ ان حالات و ضروریات کے پیش نظر حکومت نے متعدد مساجد میں جمعہ پڑھنے کی باقاعدہ اجازت دے دی۔ اس اعلان عام کے بعد محکمہ اوقاف کی تفصیلات کے مطابق ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۹۶۴ء میں حسب ذیل مساجد میں جمعہ پڑھا جانے لگا۔ (۱) مسجد جن (۲) مسجد سلیمانیہ

Marfat.com

(۳) مسجد جمیزۃ (۳) محلہ معابدہ (۴) مسجد امیرہ (۵) محلہ جحون (۶) مسجد حمدان الفرج (۷) محلہ عتیبیہ اور (۸) مسجد ابن رشد الہمرانی۔

محلہ معابدہ میں (۱) مسجد الجمیزہ (۲) مسجد ابن رشد الهمرانی (۳) مسجد ملك عبدالعزيز نزد قصر العالى (۴) مسجد امير بندر (۵) مسجد جن محله سليمانيه (۶) مسجد اميريه ، محله حجون (۷) مسجد حمدان الفرح محله عتيبيه (۸) مسجد ملك عبدالعزيز ، محله الزاهير (۹) مسجد بئير الحمام محله شعب عامر (۱۰) مسجد حسن آل الشيخ (۱۱) مسجد الكويتي ، شارع المنصور (۱۲) مسجد حي التوفيق (۱۳) مسجد الطيشي (۱۴) مسجد الكعكي ، محله جرول اور (۱۵) مسجد رايه المعروف مسجد الجوديه (تاریخ القویم جلد ۳ ص ۲۲۹)

طہارت خانے اور وضو کے لئے انتظام

حرم شریف کے چاروں طرف طہارت اور وضو کے لئے وسیع پیمانہ پر بے حد عمدہ انتظام کیا گیا ہے۔ ۲۶ رشوال ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹ راگست ۱۹۸۲ء کو حسب ذیل طہارت خانے موجود تھے۔

① باب المدینہ کے سامنے ۲۰ بیت الخلاء ۵۱ وضو کے لئے ٹونٹیاں اور ۱۱ پنکھے لگے ہیں۔ ان طہارت خانوں کو باب الندوہ کی طرف سے بھی راستہ جاتا ہے۔

② باب الفتح جس کا قدیم نام باب السلام ہے اس کے سامنے ۲۶ بیت الخلاء اور ۳۹ وضو کے لئے ٹونٹیاں لگی ہیں۔ اسی دیوار کی دوسری جانب بھی ۵۵ ٹونٹیاں لگی ہیں اس طرح کل ۱۰۴ ٹونٹیاں ہیں۔ اس حصہ میں روشنی کے لئے ۵۴ ٹیوب اور ۳ بلب لگے ہیں جب کہ ۱۲ پنکھے بھی آویزاں ہیں۔ ان کے متصل مغرب کی جانب زنانہ بیت الخلاء بھی ہوئے ہیں۔

Marfat.com

③ باب ملک عبدالعزیز کے جنوب مغرب کی جانب بازار میں زیر زمیں ۲۶ سیڑھیاں اتر کر ۵۷ بیت الخلاء ۸۷ وضو کے لئے ٹونٹیاں ۳۰ پنکھے ۷۰ ٹیوب لائٹیں اور ۱۰ بلب لگے ہوئے ہیں۔

④ باب اشبیکہ کے سامنے سڑک کی دوسری جانب ۱۷ طہارت خانے اور ۴۷ ٹونٹیاں ۱۰ پنکھے اور ۹ ٹیوب لائٹیں لگی ہیں۔ ان کے اوپر دوسری منزل میں زنانہ طہارت خانے بھی اتنی ہی تعداد میں ہیں۔

⑤ باب الوداع کے سامنے سڑک کی دوسری جانب ۱۲ بیت الخلاء اور ۱۳ وضو کے لئے ٹونٹیاں ۶ پنکھے اور ۸ لائٹیں لگی ہیں۔ ان کے اوپر بھی زنانہ بیت الخلاء بنے ہوئے ہیں۔

⑥ باب السلام کے سامنے یعنی صفا اور مروہ کے درمیان زیر زمین ۶۳۰ بیت الخلاء تین جگہوں میں اور ۲۶۰ وضو کے لئے ٹونٹیاں لگی ہیں۔ جب کہ ۱۳۲ پنکھے اور ۱۵۴ لائٹیں لگی ہیں۔ یہاں بھی ۲۵ سیڑھیاں نیچے اتر کر جانا پڑتا ہے اس کے قریب ہی عورتوں کے لئے بھی زیر زمیں بیت الخلاء بنے ہوئے ہیں۔

علاوہ ازیں حجاج اور زائرین کی اکثریت گھروں میں وضو کرتی ہے یا حرم شریف میں آب زمزم کے ساتھ وضو بناتے ہیں۔

Marfat.com

مصادر و مآخذ

فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ

نمبر شمار	اسماء کتب	اسماء مصنفین	التوفی	مطبوعہ	
		الف			
۱	ابن ماجہ	امام ابی عبداللہ بن محمد القزوینی	۲۷۳ھ	کتب خانہ نور محمد کراچی	۱۳۸۱ھ
۲	ابوداؤد	امام ابی داؤد سلیمان بن اشعث	۲۷۵ھ	،، ،، ،،	۱۳۶۹ھ
۳	احسن التقاسیم	علامہ محمد بن ابی بکر بشاری		مطبع بریل	۱۹۰۶ء
۴	اخبار مکہ	امام ابوالولید الازرقی	۲۲۳ھ	مکتبہ خیاط بیروت	
۵	البدایہ والنہایہ	حافظ ابن کثیر دمشقی	۷۷۴ھ	مکتبۃ المعارف، ،،	۱۹۷۴ء
۶	اشعۃ اللمعات	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ		
۷	اعلام الاعلام	امام قطب الدین	۹۸۸ھ	مطبوعہ	۲۷۴ھ
		ب ، ت			
۸	بخاری شریف	امام محمد بن اسماعیل البخاری	۲۵۶ھ	کتب خانہ رشیدیہ دہلی	۱۳۷۵ھ
۹	بذل المجہود	مولانا خلیل احمد سہارنپوری	۱۳۴۶ھ	مکتبہ قاسمیہ ملتان	
۱۰	تاج العروس	سید محمد مرتضی الحسینی زبیدی		کویت	۱۳۸۵ھ
۱۱	تاریخ ابن خلدون مترجم اردو	امام عبدالرحمن بن خلدون	۸۰۸ھ	نفیس اکیڈمی کراچی	۱۹۶۷ء
۱۲	تاریخ حرمین شریفین	مولانا عبدالسلام ندوی		پاکستان	۱۳۳۲ھ
۱۳	،، ،، عربی	مولانا عباس کرارہ		مکہ مکرمہ	۱۳۹۱ھ
۱۴	تاریخ طبری مترجم	امام ابی جعفر بن جریر طبری	۳۱۰ھ	نفیس اکیڈمی کراچی	۱۹۶۷ء

Marfat.com

۱۵	تاریخ عمارت المسجد الحرام	علامہ حسین عبداللہ		مطبع شرقیہ جدہ	۱۳۵۴ھ
۱۶	تاریخ غلاف کعبہ	جناب علی شبیر		حیدرآباد دکن	۱۳۳۹ھ
۱۷	تاریخ کعبہ	علامہ حسین عبداللہ		مکہ مکرمہ	
۱۸	تاریخ التقویم	علامہ محمد طاہر کردی	۱۳۹۹ھ	″ ″	۱۳۸۵ھ
۱۹	تبیین الحقائق	امام عثمان بن علی الزیلعی		امدادیہ ملتان	
۲۰	ترمذی شریف	امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی	۲۷۹ھ	کراچی	
۲۱	تفسیر ابن جریر	امام جعفر محمد بن جریر طبری	۳۱۰ھ	مصطفی البابی مصر	۱۳۵۱ھ
۲۲	تفسیر ابن کثیر	امام اسمٰعیل بن کثیر دمشقی	۷۷۴ھ	سہیل اکیڈمی لاہور	۱۳۹۳ھ
۲۳	تفسیر روح المعانی	امام سید محمود آلوسی	۱۲۷۰ھ	مکتبہ امدادیہ ملتان	۱۳۹۵ھ
۲۴	تفسیر زاد المسیر	امام عبدالرحمن بن علی الجوزی	۵۹۷ھ	مکتب الاسلامی دمشق	۱۳۷۴ھ
۲۵	تفسیر کبیر	امام فخر الدین رازی	۶۰۶ھ	مصر	۱۳۲۴ھ
۲۶	تفسیر کشاف	امام محمود بن عمر زمخشری	۵۳۸ھ	طبع بہیہ مصر	۱۳۵۸ھ
۲۷	تفسیر قرطبی	امام محمد بن احمد القرطبی		دار الکتب مصریہ	۱۳۵۸ھ
۲۸	تفسیر مظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتی		کراچی	۱۳۹۵ھ
۲۹	تفسیر معارف القرآن	مفتی محمد شفیع		کراچی	
		ج ، ح			
۳۰	جامع الصغیر	امام جلال الدین سیوطی	۹۱۱ھ	مکتبہ سلفیہ فیصل آباد	۱۳۹۴ھ
۳۱	جامع اللطیف	امام ابن ظہیرہ		مکتبۃ الشعبیہ بیروت	۱۳۹۳ھ
۳۲	جمع الفوائد	امام مبارک بن محمد بن اثیر جزری	۶۰۶ھ	میرٹھ ہند	
۳۳	جوہرۃ النیرہ	امام ابی بکر بن علی بن محمد الحداد	۸۰۰ھ	مکتبہ امدادیہ ملتان	
۳۴	حاشیہ نعت	علامہ محمد طاہر کردی		لاہور	
۳۵	اقدام الحدیث	حضرت ″ ″ ″		″	

Marfat.com

		د، ذ، ر			
۳۶	دائرۃ المعارف	علامہ فرید وجدی		مصر	۱۳۲۹ھ
۳۷	دائرہ معارف الاسلامیہ	دانش گاہ پنجاب		لاہور	
۳۸	رحلۃ الحجازیہ	الشیخ محمد لبیب البتونی		مطبع الجمالیہ مصر	۱۳۲۹ھ
۳۹	روض الانف	امام عبدالرحمن بن عبداللہ السہیلی	۵۸۱ھ	مکتبہ فاروقیہ ملتان	۱۳۹۷ھ
۴۰	زرقانی علی المواہب	علامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی		مصر	۱۳۲۷ھ
		س، ش			
۴۱	سفرنامہ ابن بطوطہ	الشیخ ابن بطوطہ		مطبوعہ بک لینڈ کراچی	۱۹۶۱ء
۴۲	سفرنامہ ابن جبیر	الشیخ ابن جبیر اندلسی			
۴۳	سنن کبریٰ				
۴۴	سیرت ابن ہشام	امام عبدالملک بن محمد بن ہشام	۲۱۳ھ	مقبول اکیڈمی لاہور	۱۹۶۵ء
۴۵	شرح مہذب	امام ابن زکریا محیی الدین بن شرف النووی	۶۷۶ھ	دمشق	
۴۶	شفاء الغرام	امام تقی الدین محمد بن احمد الفاسی	۸۳۲ھ	مکتبہ خیاط بیروت	
		ط، ع، غ			
۴۷	طبقات ابن سعد	امام محمد بن سعد	۲۳۰ھ	نفیس اکیڈمی کراچی	۱۳۹۰ھ
۴۸	عمدۃ القاری				
۴۹	غایۃ الاوطار	ترجمہ در مختار		کانپور	
		ف، ق، ک			
۵۰	فتاویٰ قاضی خان	امام فخر الدین حسن بن منصور	۵۹۲ھ	مطبع مصطفائی	۱۳۰ھ
۵۱	فتح الباری	[illegible] ابن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ	مصر	
۵۲	[illegible] المقاصد [illegible]	محب الدین [illegible]	[illegible]ھ	[illegible] مصر	۱۳۹۰ھ
۵۳	[illegible] العمال	[illegible] المتقی [illegible] الدین	۹۷۵ھ	حلب	۱۳۹۵ھ

Marfat.com

		ل،م،ن			
٥٤	لسان العرب	امام جمال الدین محمد بن مکرم		بیروت	١٣٧٤ھ
٥٥	مرآۃ الحرمین	شیخ ابراہیم رفعت پاشا		دار الکتب قاہرہ	١٣٤٤ھ
٥٦	مرقاۃ المفاتیح	امام علی بن سلطان محمد القاری	١٠١٤ھ	مکتبہ امدادیہ ملتان	
٥٧	المسالک الممالک	ابن خرداذبہ		بریل لیدن	٣٥٩ھ
٥٨	مسلم شریف	امام ابی الحسن مسلم بن الحجاج	٢٦١ھ	نور محمد کراچی	١٣٣٩ھ
٥٩	مشکوٰۃ شریف	امام ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب		״ ״	١٣٦٨ھ
٦٠	مصنف عبدالرزاق	امام عبدالرزاق بن ہمام	٢١١ھ	مجلس علمی بیروت	١٣٩٢ھ
٦١	موطا امام مالک	امام مالک بن انس	١٧٩ھ		
٦٢	معارف الحدیث	مولانا محمد منظور نعمانی		مکتبہ رشیدیہ ساہیوال	
٦٣	معارف السنن	مولانا محمد یوسف بنوری		بنی	
٦٤	معجم البلدان	امام شہاب الدین بن یاقوت الحموی	٦٢٦ھ	مطبع السعادۃ مصر	١٣٢٣ھ
٦٥	مقدمہ ابن خلدون	امام ابن خلدون	٨٠٨ھ	کراچی	
٦٦	نسائی	امام احمد بن شعیب النسائی		״	
٦٧	نوائے وقت	روزنامہ		راولپنڈی	

Marfat.com

اضافہ شدہ ایڈیشن

تاریخ
المکۃ المکرمہ

مکہ مکرمہ اور بیت اللہ شریف کی چار ہزار سالہ
مکمل مفصل اور مدلل تاریخ

جلد سوم

مؤلفہ
محمد عبد المعبود

مکتبہ رحمانیہ
اقرا سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

Marfat.com

تاریخ مکۃ المکرمہ (جلد سوم)

آئینہ کتاب

شمار	عنوان	صفحہ	شمار	عنوان	صفحہ
	مکہ مکرمہ میں نظام تعلیم	5	۱۸	مدرسہ شیرازیہ	25
۱	قدیم رسم الخط	6	۱۹	مدرسہ باسطیہ	28
۲	عکاظ کا میلہ	8	۲۰	مدرسہ قایتبائی	28
۳	پہلی اسلامی درسگاہ	12	۲۱	مدارس عثمانیہ	29
۴	جامعہ ابن عباس رضی اللہ عنہ	13	۲۲	مدرسہ مرادیہ	29
۵	جامعہ عطاء بن ابی رباح	17	۲۳	مدرسہ فخریہ عثمانیہ	30
۶	جامع مجاہدیہ	19	۲۴	مدرسہ دار الفائزین	31
۷	مدرسہ عبدالملک بن جریج	21	۲۵	مدارس الفلاح	31
۸	مدرسہ زنجیلی	21	۲۶	مدرسہ رشیدیہ	32
۹	مدرسہ طالب الزماں	21	۲۷	مدرسہ خیریہ	33
۱۰	مدرسہ الملک المنصور	21	۲۸	مدرسہ صولتیہ کا پس منظر	34
۱	مدرسہ ابن ابی زکریا	22	۲۹	مولانا رحمت اللہ کیرانوی	34
۱۲	مدرسہ مجاہدیہ	22	۳۰	حاجی امداد اللہ مہاجر مکی	37
۱۳	مدرسہ ابن الحداد	22	۳۱	صولت النساء بیگم	41
۱۴	مدرسہ شریف عجلان	23	۳۲	مدرسہ صولتیہ	43
۱۵	مدارس شرابیہ	23	۳۳	محل وقوع	47
۱۶	مدرسہ ملک منصور	24	۳۴	اغراض و مقاصد	49
۱۷	مدرسہ بلیمہ	24	۳۵	صولتیہ کے شعبہ جات	50

Marfat.com

۳۶	ٹیکنیکل اسکول	52	۴۹	قاری محمد عبداللہ مکی	68
۳۷	مدرسہ ابتدائی	52	۵۰	قاری عبدالرحمن مکی	70
۳۸	مدرسہ تحفیظ کی	52	۵۱	برصغیر میں صولتیہ کا فیضان	73
۳۹	شعبہ زراعت	53	۵۲	برصغیر میں فن قراءۃ کا دور	
۴۰	شعبہ صنعت	53		انحطاط	73
۴۱	دارالشفاء	53	۵۳	دارالعلوم دیوبند میں شعبہ تجوید	75
۴۲	مدرسہ دارالفائزین	53	۵۴	مدرسہ عالیہ لکھنؤ میں تجوید	76
۴۳	شعبہ حفظ و تجوید	53	۵۵	حکیم الامت تھانوی	78
۴۴	شعبہ تعلیم بنات	53	۵۶	پاکستان میں صولتیہ کا فیضان	81
۴۵	علوم و فنون	53	۵۷	عہد سعودی میں فروغ تعلیم	83
۴۶	مشاہیر فضلاء	54	۵۸	مدرسہ حرم المکی	86
۴۷	صولتیہ زعماء عرب کی نظر میں	55	۵۹	مدارس تحفیظ القرآن	87
	صولتیہ کے مہتمم حضرات	57	۶۰	مدارس البنات	90
۴۸	امام القراء قاری ابراہیم سعد مصری	65	۶۱	مدارس علوم جدیدہ	91

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکّہ مکرمہ میں نظامِ تعلیم

الحمدللہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ اما بعد!

علم انسانیت کی معراج' معرفت حق تعالیٰ کا زینہ' روحانی اور مادی ترقی کا سرچشمہ' دینی و دنیوی کمال کو اوج ثریا تک پہنچانے کا موثر ذریعہ' دنیاوعقبیٰ کی ظفریابی و کامرانی کا موجب' تہذیب و ثقافت کی روح رواں' انسانی دل و دماغ کی تعمیر اور ذہنی قوتوں کی نشوونما کا واحد ذریعہ ہے۔ انسان کی تشکیل و تعمیر' انسانی افکار و نظریات' روحانی اور ثقافتی قدروں کا تحفظ اور ترقی علم ہی کا کرشمہ ہے۔

تعلیم و تعلم کی اہمیت و ضرورت تخلیق اور تعلیم آدم علیہ السلام سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ جن کی پیدائش کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں تعلیم کی لازوال نعمت سے سرفراز فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿ وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا ﴾

''اور آدم علیہ السلام کو ہر چیز کے نام سکھا دیئے''۔

پھر جب زمین انسانی حلقوں سے معمور ہو گئی' تو بتدریج ایک لاکھ چوبیس ہزار معلمین کے ذریعہ تعلیم و تربیت کا قابل فخر انتظام فرمایا۔ جن معلمین نے اپنے کام کے نقطہ آغاز سے نقطۂ انتہا و تکمیل تک علم و دانش کی ترویج و ترقی پر اپنی تمام تر صلاحیتوں کو صرف کیا۔ اسی مقدس جماعت کے آخری فردِ فرید' معلم اعظم سید الاولین والآخرین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نبوت کی اس بنیادی غرض و غایت یعنی تعلیم و تربیت کی اہمیت پر ان الفاظ سے مہر تصدیق ثبت فرمائی

Marfat.com

إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا

''میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں''۔ (ابن ماجہ فضل العلم، ص ۲۱)

بُعِثْتُ لاتمم مكارم الاخلاق

''میرے بھیجنے کا مقصد ہی تکمیل اخلاق ہے''۔

''اللہ جل شانہ نے تخلیق کائنات میں سب سے پہلے قلم پیدا فرمایا''۔

(مسند امام احمد ج ۵ ص ۳۱۵)

تاکہ تعلیم کی اہمیت آشکارا ہو جائے۔

تاریخ ایسے تاریک ادوار سے بھی گزری جن میں جہالت کے گھٹا ٹوپ بادل ساری دنیا پر سایہ فگن تھے۔ اشرف المخلوقات انسان علم کی عظمت سے محروم ور نور عرفاں سے بے مایہ تھا۔ تاہم معاشرتی' تمدنی اور ثقافتی ضروریات کو پورا کرنے کی خاطر کہیں کہیں علم دوست بھی پائے جاتے تھے۔ جو ٹمٹماتے ہوئے چراغ سحری کی طرح اجالے کی کرنیں بکھیرنے میں مصروف تھے۔

عربی رسم الخط کی ایجاد

اگرچہ زمانہ جاہلیت کی ادبی' مذہبی اور دیگر قسم کی تحریریں ہم تک زیادہ نہیں پہنچ سکیں۔ لیکن اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ بعض تحریرات سے یہاں تک بھی رہنمائی ہوتی ہے کہ عرب کے جنوبی علاقوں میں عرصہ دراز تک ''خط مسند حمیری'' مستعمل رہا اور شمالی علاقہ جات میں ''خط انباری حمیری'' رائج تھا۔ جو بالآخر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں رائج ہو کر ''خط عربی'' یا ''خط حجازی'' کے نام سے مشہور ہوا۔ قدیم ترین زبانوں میں سے عربی بھی ہے۔ جس کا موجد یمنی قبائل کے اجداد میں سے یعرب بن قحطان تھا۔ جس نے سریانی زبان سے عربی تلفظ ایجاد کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ عربی زبان میں کلام کرنے والے پہلے شخص سیدنا اسماعیل علیہ السلام تھے' دونوں روایات میں باہم مطابقت اس طرح پیدا کی جا سکتی ہے کہ عربی زبان کے موجد یعرب بن قحطان تھے' لیکن ملک حجاز کی

Marfat.com

خالص عربی زبان جس میں بعد کو قرآن مجید نازل ہوا' وہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی زبان تھی۔(تاج العروس ج ۳ ص ۲۷۲ ''عرب' معرب'')

خانہ بدوش عرب قبائل کے وطن میں پانی کی کمیابی نے تمدنی وسائل کو بھی معدوم' جس زمانہ میں بین الاقوامی تجارت کا انحصار تبادلِ اشیاء پر تھا۔ زرعی اور قدرتی وسائل سے محروم قبائل تمدنی ترقی میں پیش رفت کیسے کر سکتے تھے؟ تاہم ترقی کی امنگوں سے ان کے سینے خالی نہ تھے' چنانچہ علامہ بلاذری المتوفی لکھتے ہیں

مرامر بن مرہ' اسلم بن سدرہ اور عامر بن جدرہ نے مل کر سریانی زبان سے عرب خط ایجاد کیا۔ ان سے یہ فن انبار کے کچھ لوگوں نے سیکھا' اہل انبار سے اہل حیرہ نے حاصل کر لیا اور پھر بشر بن عبدالملک بن عبدالجن الکندی جو دومۃ الجندل کے حاکم اکیدر کا بھائی تھا' نے حیرہ کے قیام کے دوران عربی رسم الخط سیکھ لیا' پھر کسی ضرورت سے اس کا مکہ مکرمہ جانا ہوا' جہاں اس سے سفیان بن امیہ بن عبدالشمس اور ابو قیس بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب نے لکھنا سیکھا' ان دونوں نے اس سے خواہش ظاہر کی کہ وہ انہیں خط سکھا دے' چنانچہ اس نے پہلے ہجاء سے آگاہ کیا' پھر رسم الخط بتایا اور وہ لکھنے لگے۔(فتوح البلدان ج ۲' تحت ''خط'')

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا کہ عربی املاء کی ابتداء کیسے ہوئی؟ انہوں نے فرمایا کہ قریش نے عربی رسم الخط حرب بن امیہ سے اور اس نے عبداللہ بن جدعان یا اکیدر حاکم دومۃ الجندل کے بھائی بشر سے سیکھا تھا۔ جبکہ ان دونوں نے حیرہ اور انبار کے لوگوں سے اور انہوں نے یمن کے باشندوں سے سیکھا تھا۔(صبح الاعشیٰ ج ۳ ص ۱۴)

امام نووی المتوفی ۶۷۶ھ کے قول سے بھی اس کی تائید و توثیق ہوتی ہے ''حجاز کے لوگوں نے اہل حیرہ سے لکھنا سیکھا تھا''۔(حاشیہ صحیح مسلم باب الربا ج ۲ ص ۲۳)

اس سلسلہ میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام نے سب سے پہلے قلم سے لکھنے کا کام کیا تھا۔(عیون الاخبار ج ۱ ص ۴۳) جبکہ عربی کتابت کے موجد سیدنا

Marfat.com

اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ (صبح الاعشیٰ ج ۳ ص ۱۳)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے

اَلْخَطُّ لِسَانُ الْیَدِ "لکھائی ہاتھ کی زبان ہے"۔ (ایضاً)

بعض علماء کا فرمان ہے

اَلْخَطُّ کَالرُّوْحِ فِی الْجَسَدِ "خط کی مثال جسم میں روح کی سی ہے"۔ (ایضاً)

اَلْخَطُّ اَصْلُ الرُّوْحِ "خط ہی اصل روح ہے"۔ (ایضاً)

قدیم رسم الخط

قدیم زمانہ میں طرز تحریر دور حاضر سے بے حد مختلف تھی۔ الفاظ کی بناوٹ نقاط کا ستمام در اعراب سے بالکل مستغنی تھا۔ لکھنے والا صرف حروف لکھنے پر اکتفا کرتا تھا لیکن پڑھنے والے اس طرز تحریر کے ایسے عادی اور ماہر تھے کہ بغیر نقطوں کے تحریر بڑی روانی اور آسانی سے پڑھ لیتے اور کسی قسم کی دشواری محسوس نہ کرتے تھے۔ بلکہ سیاق وسباق کے قرینہ سے مشتبہ حروف میں امتیاز بھی بسہولت کر لیتے تھے۔ جیسے

فصل ۔ کسب ۔ علم

اعراب کا اہتمام تو کجا انہیں نقطے ڈالنا بھی گوارہ نہ تھا۔ اور اسے علمی اعتبار سے قصر شان سمجھتے تھے۔ چنانچہ مورخ مدائنی ایک ادیب کا مقولہ نقل کرتے ہیں

کثرۃ النقط فی الکتاب سوء ظن بالمکتوب الیہ

"خط میں کثرت سے نقطے ڈالنا مکتوب الیہ (کی فہم) سے بدگمانی کے مترادف ہے"۔ (صبح الاعشیٰ للقلقشندی ج ۳ ص ۱۵۴)

عکاظ کا میلہ

طائف کے قریب ایک عظیم الشان میلہ یا بازار لگتا تھا جو عربی زبان کی فصاحت وبلاغت کی عکاسی کرتا تھا۔ جہاں ادبی وعلمی محفلیں سجتیں۔ علمی جواہر پاروں کا بھرپور مظاہرہ کرتے بڑے بڑے نامور شعراء اپنا کلام پیش کرتے اور داد تحسین حاصل کرتے تھے۔ (معجم البلدان "عکاظ")

Marfat.com

طائف میں غیلان بن سلمہ ثقفی ہفتہ میں ایک دن علمی جلسہ منعقد کرتا' جس میں عربی نظمیں پڑھی جاتیں اور ان پر تنقید کی جاتی تھی۔

(بلوغ الارب ۲۶۷، الازمنۃ والامکنۃ ج ۲ ص ۷۹)

زمانہ جاہلیت میں بھی اہل مکہ اور عرب میں زبان کی نزاکت' لغات' محاورات کی کثرت قواعد صرف ونحو کا استحکام اور انتہائی بلند معیار منظوم ذخیرہ ان کے علمی ذوق کی ترجمانی کرتا تھا۔ علاوہ ازیں لکھنے پڑھنے کی چیزوں کے علمی نام اس قدر شہرت پذیر تھے کہ قرآن مجید نے بھی اُن سے اپنے اوراق کو مزین کیا ہے۔ جیسا کہ وَرَق ، قراطیس ، کاغذ کے لئے۔ قَلَم ، نُوْن ، دوات کے لئے۔ مِدَاد ، سیاہی۔ لَوْح، تختی۔ سَفَرَةٌ، کَاتِبٌ، لکھنے والے۔ نَسْتَنْسِخ، مَرْقُوْمٌ، مَسْطُوْر، مُسْتَطَر، مَكْتُوْب ، تَخُطُّهٗ ، تَمْلى ، يُمْلِلْ ، یہ سب لکھنے کے معنی میں جو مختلف افعال پائے جاتے ہیں' ان کے صیغے ہیں۔ اَسْفَار ، زُبُر ، كُتُب ، صُحُف سِجِلّ وغیرہ کتابوں اور تحریری چیزوں کے معنوں میں استعمال ہوتے تھے۔

غرض یہ الفاظ اور ان کے مماثل بنیادوں پر زمانہ اسلام کے عربوں نے علوم وفنون کی ایسی پرشکوہ عمارتیں کھڑی کیں جن پر پورے کرۂ ارضی کی علمی دنیا بجا طور پر فخر کرتی ہے۔

ہجرت نبوی ﷺ سے ۳۵ برس قبل کا واقع ہے کہ عدی بن زید العبادی جب بڑا ہوا تو اسے باپ نے ایک مکتب میں داخل کر دیا۔ اس نے عربی ادب میں اس قدر کمال حاصل کیا کہ اسے دیوان کسریٰ میں پذیرائی حاصل ہوگئی اور دیوان میں میر منشی کے منصب پر فائز ہو گیا۔ اس کی علمی فضیلت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا جاتا تھا

هو افصح الناس والكتبهم بالعربية والفارسية

''وہ تمام لوگوں سے زیادہ فصیح تھا اور عربی اور فارسی دونوں زبانیں لکھنے میں مہارت رکھتا تھا''۔ (کتاب الاغانی ج ۲ ۱۹)

قارئین کے لئے یہ واقع یقیناً تعجب انگیز اور حیرت افزا ہوگا کہ اُس زمانہ

Marfat.com

میں بھی لڑکوں کی طرح لڑکیوں کے مدارس بھی قائم تھے۔ خواہ وہ کتنے ہی ابتدائی نوعیت کے ہوں' لیکن تعلیمی شعور اور علمی ذوق کا نتیجہ تھا کہ لڑکوں کی طرح لڑکیوں کا بھی احساس پایا جاتا تھا۔ چنانچہ علامہ ابن قتیبہ لکھتے ہیں

''مکہ مکرمہ کے قریب قبیلہ ہذیل کی ایک مشہور فاحشہ عورت ظلمہ بچپن میں اسکول جاتی تھی' جہاں اس کا محبوب مشغلہ بچوں کی دواتوں میں قلم ڈالنا اور نکالنا تھا''۔ (عیون الاخبار ج ۴ ص ۱۰۳)

ہجرت کے تقریباً ساتویں سال حضور انور ﷺ نے ایک تبلیغی کارنامہ مبارک مشرقی عرب کے علاقہ الحساء کے مقام جواثا میں بھیجا' جہاں پورے قبیلہ میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو خط پڑھ سکے' بالآخر ایک بچے نے خط پڑھ کر سنایا۔

(مقدمہ صحیفہ ہمام بن منبہ: ۱۳)

زمانہ جاہلیت میں ابوسفیان بن حرب نے مکتب قائم کر رکھا تھا۔ قریش کے بہت سے لوگوں کے علاوہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بھی اس میں تعلیم حاصل کی تھی۔ (صبح الاعشی ج ۳ ص ۱۴)

ورقہ بن نوفل کی علمی حیثیت اس بات سے آشکارا ہوتی ہے کہ انہوں نے زمانہ جاہلیت میں تورات اور انجیل کا عبرانی زبان سے عربی میں ترجمہ کیا۔ ان کا یہ ایسا علمی شاہکار تھا' جس سے نہ صرف عربی میں مہارت کی عکاسی ہوتی ہے' بلکہ انہیں دوسری زبانوں پر بھی کامل دسترس کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بدء الوحی ج ۱ ص ۸۸)

یہ اہل مکہ ہی کا کمال تھا جنہوں نے سب سے پہلے عربی زبان کو ایک تحریری زبان کی حیثیت عطا کی۔ سفیان بن حرب اور ابوقیس بن عبد مناف کی مشترکہ کوششوں سے جو گلشن علم و حکمت معرض وجود میں آیا تھا' مکہ مکرمہ کے اہل قلم نے اس کی آبیاری کی' اور اس کی سدا بہار کلیوں کو نکھار نبی امی معلم انسانیت ﷺ نے بخشا اور اسے اپنے خون سے سینچا اور شبانہ روز جدوجہد سے پروان چڑھایا۔

Marfat.com

اسلام کی ابتداء میں مکہ مکرمہ جیسے مرکزی مقام پر معدودے چند افراد تعلیم یافتہ تھے مگر اسلام کی برکات سے اس تعداد میں حیرت انگیز اضافہ ہوا۔ علامہ بلاذری المتوفی ۲۲۶ھ کی تفصیل کے مطابق حسب ذیل حضرات صاحب علم تھے

① عمر بن خطاب ② علی بن ابی طالب ③ عثمان بن عفان ④ ابوعبیدہ بن جراح
⑤ طلحہ ⑥ یزید بن ابوسفیان ⑦ ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ ⑧ حاطب بن عمرو
⑨ ابوسلمہ بن عبدالاسد ⑩ ابان بن سعید ⑪ خالد بن سعید ⑫ عبداللہ بن سعد
⑬ حویطب بن عبدالعزیٰ ⑭ ابوسفیان حرب بن امیہ ⑮ معاویہ بن ابی سفیان
⑯ جہیم بن الصلت ⑰ العلاء الحضرمی۔ (فتوح البلدان اردو ۲۲۲)

علاوہ ازیں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام ⑱ عامر بن فہیرہ[1]۔ ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچازاد بھائی ⑲ ورقہ بن نوفل[2]۔ اور ابن ندیم کی تصریحات کے مطابق خلیفہ مامون الرشید کے کتب خانہ میں ایسی دستاویزات پائی گئی ہیں جو ⑳ عبدالمطلب بن ہاشم کے ہاتھ کی تحریر شدہ ہیں۔ جو موصوف نے کسی شخص سے قرض وصول کرنے کے سلسلہ میں لکھی تھی[3]۔

اسی طرح بعض عورتوں کے تعلیم یافتہ ہونے کا تذکرہ بھی علامہ بلاذری المتوفی ۲۲۶ھ نے کیا ہے:

㉑ شفاء بنت عبداللہ العدویہ ㉒ ام المومنین حفصہ ㉓ ام کلثوم بنت عقبہ
㉔ عائشہ بنت سعد ㉕ کریمہ بنت مقداد اور ㉖ ام سلمہ[4]۔

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ے [2] صحیح مسلم کتاب الایمان ج ۱ ۸۸
[3] الفہرست لابن ندیم ۱۳، ۱۴ [4] فتوح البلدان اردو ۲۶۲

پہلی اسلامی درسگاہ

تاریخ اسلامی کا سب سے اولین مکتب' مدرسہ اور جامعہ ''دارارقم'' تھا۔ یہ مکان جلیل القدر صحابی سیدنا ارقم بن الارقم رضی اللہ عنہ کا تھا' جو کوہ صفا کے نیچے واقع تھا۔ اسلام کی تبلیغ اور تعلیم کا بھی مرکز تھا۔ معلم اعظم ﷺ اسی میں جلوہ افروز ہو کر مسلمانوں کو تعلیم دین سے بہرہ یاب فرماتے تھے۔ کفار نابکار کے شر سے بچنے کے لئے اسی کو دارالامان قرار دیا گیا تھا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اسی گھر میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے۔ ان کے اسلام لانے کے وقت کم وبیش چالیس آدمی مشرف اسلام سے مشرف ہو چکے تھے۔ موصوف کے اسلام لانے سے مسلمانوں میں قوت پیدا ہو گئی تو پھر اس خطیرۂ قدس کو چھوڑا۔ (مسند امام احمد ج ۳ ص ۵۰۲)

یعنی سر عام تبلیغ اسلام کا کام شروع ہو گیا تھا۔ اس مقدس مکان کا نام دارالسلام پڑ گیا تھا۔ (مسند امام احمد ج ۳ ص ۵۰۲)

صفا کے قریب واقع ''دار الارقم بن ابی الارقم'' میں اسلام کا پہلا مدرسہ قائم ہوا۔ یہی اسلام کا پہلا ''جامعہ'' تھا۔ جس میں صحابہ کرام کو توحید' اسلامی احکام اور اسلامی ارکان کی تعلیم دی جاتی تھی۔ (المنحل۔ نومبر' دسمبر ۱۹۸۹ء)

معلم انسانیت ﷺ کی فیض تربیت نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو نابغۂ روزگار' فقیہ' امام' مجتہد اور کہنہ مشق معلم بنا دیا تھا۔ اور آپ ﷺ نے خود انہیں مسند ارشاد پر متمکن فرمایا تھا۔ چنانچہ ۸ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ تو حضور اقدس ﷺ نے تاریخ اسلامی کا سب سے پہلا معلم مقرر فرمایا۔ کہ اہالیان مکہ کو فقہ اور سنت کے نور علم سے بہرہ یاب کریں۔ (طبقات ابن سعد ص ۹۹ قسم اول مغازی)

Marfat.com

جامعہ ابن عباسؓ

مکہ مکرمہ میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی عظیم المنفعت درسگاہ قائم تھی۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا علمی مقام بہت بلند تھا۔ سید عالم ﷺ کی مقدس دعاؤں کے صدقے ان کا سینہ علم کا خزینہ بن گیا تھا۔ ایک مرتبہ رحمت عالم ﷺ نے اپنا دست شفقت ان کے سر پر پھیرتے ہوئے یوں دُعا دی

اللّٰھم فقھہ فی الدین و علمہ التاویل۔

''اے اللہ! اسے دین کا فہم عطا کر اور تفسیر قرآن کا علم مرحمت فرما''۔

(مسند احمد ج ۱ص ۳۲۸، مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۳۴)

ایک مرتبہ یوں دُرفشانی فرمائی

اللّٰھم بارک فیہ و انشر منہ۔

''اے اللہ! انہیں برکت عطا فرما اور ان سے نور علم پھیلا''۔

(الاصابہ ج ۲ص ۳۲۳)

حضور انور ﷺ نے اپنا دست اطہر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سینہ پر رکھا' جس کی روح پرور اور دل ربا ٹھنڈک سے ان کا دل باغ باغ ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اللّٰھم احش جوفہ علماً و حلماً

''اے اللہ! اس کا پیٹ (دل) علم اور حلم سے بھر دے''۔

(مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۷۶، طبرانی کبیر حدیث نمبر ۱۰۵۸۵)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

نعم الترجمان للقرآن انت

''آپ قرآن کے کتنے عمدہ ترجمان ہیں''۔

(طبرانی کبیر حدیث نمبر ۲۱۱۰۸، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۳۰ حدیث ۱۵۵۱۶)

Marfat.com

ابن عباسؓ

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو علم دین حاصل کرنے کا جنون کی حد تک شوق تھا اور اس جاں گداز اور خاردار منزل کو فراخ دلی اور خندہ پیشانی سے طے کیا۔ حالانکہ معلم انسانیت کے سانحہ ارتحال کے وقت آپ کی عمر بمشکل ۱۳ برس کی تھی۔ (الاصابہ ج ۲ ص ۳۲۲)

آپ بیان کرتے ہیں کہ سلطان زمین و زمان ﷺ کے وصال کے بعد میں نے ایک انصاری سے کہا کہ ابھی حضور اقدس ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کافی تعداد میں موجود ہیں' آؤ ہم دونوں مل کر ان سے علم کی باتیں معلوم کیا کریں۔ مگر ں صاحب نے کہا کیا آپ کا خیال ہے کہ لوگ کسی وقت علم کے معاملہ میں آپ کے محتاج ہوں گے' جس کی تیاری ابھی سے آپ نے شروع کر دی ہے۔

آپ کی تجویز مسترد ہو جانے کے باوجود آپ نے ہمت نہ ہاری اور تن تنہا' علم کے دُرہائے گراں مایہ حاصل کرنے کو چل نکلے' اور صحابہ کرام کی خدمت میں حاضر ہو کر احادیث کا ذخیرہ جمع کرنے لگے۔ سفر کی جان لیوا صعوبتوں اور حوصلہ شکن مصائب و آلام سے نبرد آزما ہو کر جب کسی صحابی کے در دولت پہنچتے اور معلوم ہوتا کہ وہ دوپہر کے وقت آرام فرما رہے ہیں' تو وہی کڑکتی دھوپ اور روح فرسا گرم لو ہی میں چادر کا تکیہ بنا کر دروازہ پر بیٹھ رہتے' فرماتے ہیں میں ہوا کے جھکڑ مٹی سے میرا حلیہ بگاڑ دیتے' مگر میں سکون و طمانیت کے ساتھ صاحب خانہ کے انتظار میں رہتا۔ جب وہ صاحب باہر تشریف لاتے اور مجھے دیکھ کر فرماتے

''حضور اقدس ﷺ کے چچا زاد بھائی' آپ نے کیوں تکلیف فرمائی ہے' مجھے پیغام بھیج دیا ہوتا اور میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا''۔

جواباً فرماتے

''میرا حق تھا کہ میں علم حاصل کرنے کی خاطر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا''۔

عرصہ دراز تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ عرب کے گوشے گوشے سے ایک ایک دانہ چن

Marfat.com

چن کر خرمن علم کا انبار لگا دیا' حتیٰ کہ آپ علم کا سمندر بن گئے۔ اور لوگوں نے وہ وقت بھی دیکھا جب یہ ''حبر امت'' اور ''ترجمان القرآن'' بحر زخار بن کر مکہ مکرمہ میں تشنگان علم کو سیراب کر رہے تھے۔

خدا کی بے نیازی پر قربان جائیں' جو صحابی آپ کے ساتھ جانے سے انکاری تھے انہیں بھی اس علم و دانش کے باغ پر بہار کا دیدار کرایا گیا۔ وہ دیکھ کر ششدر رہ گئے کہ حرم شریف میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما رونق افروز ہیں اور طالبان علم و حکمت کا جم غفیر آپ کے گیر ہے' اس وقت ان کی زبان سے حسرت و یاس بھرے لہجہ میں یہ جملہ صادر ہوا ''یہ نوجوان مجھ سے زیادہ عقلمند ثابت ہوا''۔ (الاصابہ ج ۲: ۳۲۳)

ایک مرتبہ عبداللہ بن صفوان بن امیہ کا ادھر سے گذر ہوا' تو اس نے دیکھا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے در دولت پر تشنگان علوم کا ایک ہجوم ہے' تھوڑا ہی آگے موصوف کے بھائی عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا مکان واقع تھا۔ وہاں کھانا تقسیم ہو رہا تھا اور کھانے لینے والوں کا اژدحام اور رش تھا۔ دونوں بھائیوں کی مقبولیت اور مرجعیت کی یہ شان دلربائی دیکھ کر عبداللہ بن صفوان حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہنے لگا آپ تو بالکل اس شعر کے مصداق ہیں ؎

فان تصبك من الايام فارعة لم تبك منك على دنيا و لا دين

''اب اگر زمانہ کی کوئی گردش آپ کو ہلاک کر دے' تو ہم آپ پر نہ دنیا کی خاطر روئیں گے اور نہ دین کی خاطر''۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے درشت لہجہ میں پوچھا تمہاری کیا مراد ہے؟ تو اس نے کہا میں ابھی ابھی عباس رضی اللہ عنہ کے دونوں بیٹوں کو دیکھ کر آ رہا ہوں کہ ایک نے فیضان علم کا لنگر جاری کر رکھا ہے اور دوسرے نے کھانے کا۔ اب اور کونسی فضیلت رہ گئی ہے جو انہوں نے دوسرے کے لئے چھوڑی ہو۔ (ماہنامہ دارالعلوم دیوبند اپریل ۱۹۶۱ء)

فضل و کمال کے اعتبار سے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس عہد مبارک کے ممتاز ترین علماء میں سے تھے۔ ان کی ذات ایسی زندہ کتب خانہ تھی' جس میں

Marfat.com

تمام علوم و معارف بہ ترتیب جمع تھے۔ قرآن' تفسیر' حدیث' فقہ' ادب اور شاعری وغیرہ کوئی ایسا علم نہ تھا' جس میں ان کو ید طولیٰ حاصل نہ رہا ہو۔

حضرت عبید اللہ بن عبداللہ فرماتے ہیں اس زمانہ میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا' معاملہ فہمی اور اصابت رائے میں وہ سب پر فائق تھے۔ نسب دانی اور تاویل قرآن کے بڑے ماہر تھے۔ احادیث نبوی ﷺ اور ابوبکرؓ عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے فیصلوں کا ان سے زیادہ کوئی واقف کار نہ تھا۔ شعر و شاعری' ادب' تفسیر' حساب اور فرائض میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ اور ان سب علوم میں ان کی رائے انتہا بلند پایہ ہوتی تھی۔

ان کے علمی مذاکرے کے دن مقرر تھے' کسی دن فقہ کا درس دیتے' کسی دن تاویل قرآن پر روشنی ڈالتے' کسی دن مغازی کے واقعات کا تذکرہ کرتے' کسی دن ایام عرب کی داستان سناتے' کسی دن شعر و شاعری کا چرچا ہوتا۔ غرض ان کا چشمۂ معرفت فیض ہر دن نئے رنگ سے اُبلتا تھا۔ میں نے کسی بڑے سے بڑے عالم کو نہیں دیکھا جو تھوڑی دیر کے لئے ان کی صحبت میں بیٹھا ہو اور ان کے کمالِ علم کے سامنے اس کی گردن نہ جھک گئی ہو۔ کسی علم کے متعلق کوئی سوال بھی ہوتا اس کو اس کا جواب ضرور ملتا۔ (اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۹۳٬۱۹۴)

مکہ مکرمہ میں فقہ کی بنیاد ان ہی نے رکھی' وہ تمام فقہاء جن کا سلسلہ مکہ مکرمہ کے شیوخ تک پہنچتا ہے' وہ سب بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کے خوشہ چین تھے۔ ایک فقیہ و مجتہد کے قیاس ناگزیر ہے' کیونکہ وقتاً فوقتاً بہت سے نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں' جو رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں نہیں تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو وہ پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے' اگر اس میں جواب مل جاتا تو فبہا ورنہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کی طرف رجوع کرتے' اگر اس سے بھی مقصد برآری نہ ہوتی' تو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا فیصلہ دیکھتے۔ اگر اس سے بھی عقدہ حل نہ ہوتا تو پھر اجتہاد کرتے۔ (اعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۳)

Marfat.com

جامعہ عطاء بن ابی رباح

عطا نام' والد کا نام اسلم اور کنیت ابو رباح' جبکہ حضرت عطاء کی کنیت ابو محمد تھی۔ یمن کے مردم خیز قصبہ ''جند'' میں سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کے آخر خلافت میں پیدا ہوئے اور مکہ معظمہ میں نشوونما پائی۔ آل میسرہ بن ابی خیثم فہری کے غلام تھے۔ (تہذیب الاسماء واللغات ج ۱: ۳۳۳)

علامہ حافظ ابن حجر المتوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں' حضرت عطاء فقہ' علم و ورع و تقویٰ اور فضل و کمال کے لحاظ سے سادات تابعین میں سے تھے۔ حجت امام اور کبیر الشان تھے۔ (تہذیب التہذیب ج ۷: ۲۰۳)

- امام نووی المتوفی ۶۷۶ھ رقمطراز ہیں۔ موصوف مکہ مکرمہ کے مفتی اور مشاہیر ائمہ میں سے تھے' بڑے بڑے ائمہ ان کے علمی کمالات کے معترف تھے۔ (تہذیب الاسماء واللغات ج ۱: ۳۳۳)

حضرت قتادہ فرماتے ہیں جزیرۃ العرب میں حضرت عطاء بن ابی رباح سب سے بڑے عالم ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۷: ۱۴۰۱)

امام الائمہ حضرت امام اعظمؒ فرماتے ہیں میں نے عطاء سے افضل علم میں کسی کو نہیں پایا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱: ۹۸)

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ علم کا خزانہ اسی کو دیتا ہے' جسے محبوب رکھتا ہے۔ اگر علم کسی کے ساتھ مخصوص ہوتا تو عالی نسب اس کے زیادہ حقدار ہوتے' لیکن عطاء حبشی غلام' یزید بن حبیب نوبی' حسن بصری اور ابن سیرین جیسے غلام علم کے سمندر تھے۔ (صفۃ الصفوۃ ج ۲: ۱۱۹)

مکہ مکرمہ کی علمی مجالس میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بعد ان کے

Marfat.com

شاگرد رشید حضرت عطاء کا علمی حلقہ بہت بڑا تھا۔ بیس سال تک چشمہ علم و فیض جاری رکھا۔ (صفۃ الصفوۃ ج ۲ ۱۱۹، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ۹۸)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب مکہ مکرمہ تشریف لاتے اور طالبانِ علم ان سے استفادہ کی غرض سے حاضر ہوتے' انہیں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے "عطاء تمہارے ہاں موجود ہیں اور تم لوگ میرے پاس آتے ہو"۔ (تہذیب التہذیب ج ۷ ۲۰۱)

اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے "تمہارے اندر ابن ابی رباح موجود ہیں اور تم مجھ سے سوالات کرتے ہو"۔ (تہذیب الاسماء واللغات ج دوم ۳۳۴)

تلامذہ:

علم میں ان سے استفادہ کرنے والوں کی فہرست بہت طویل ہے' جن میں سے بعض کے اسماء یہ ہیں۔ ابواسحاق سبیعی' زہری' مجاہد' ایوب سختیانی' اعمش' اوزاعی' ابن جریج' ابوزبیر' حکم بن عتبہ' امام ابوحنیفہ اور بہت زیادہ لوگوں نے ان سے علم حاصل کیا۔ (تہذیب التہذیب ج ۷ ۲۰۰)

مزید تفصیلات اسی حوالہ میں دیکھیں۔

آپ کا وصال ۱۱۴ھ میں مکہ مکرمہ میں ہوا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ۹۸)

Marfat.com

جامعہ مجاہدیہ

مجاہد نام ابوالحجاج کنیت اور قیس بن مخزومی کے غلام تھے۔

حضرت مجاہد غلام ہونے کے باوجود اقلیم علم کے تاجدار تھے۔ علمی اعتبار سے وہ امامِ وقت تھے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں

کان فقیھا عالمًا ثقة کثیر الحدیث. (طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۳۶۷)

علامہ حافظ ذہبیؒ ان کے علم و فضل کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں

کان احد اوعیة العلم (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۹۲)

''وہ علم کا ظرف تھے''۔

امام نوویؒ المتوفی ۶۷۶ھ عقیدت کے پھول یوں نچھاور کرتے ہیں

امام متفق علی جلالته و امامته (تہذیب الاسماء ج ۲ ص ۸۳)

''ان کی جلالت اور امامت پر سب کا اتفاق ہے''۔

انہیں تفسیر، حدیث، فقہ اور جملہ علوم میں مہارت کاملہ کے باعث درجہ امامت حاصل تھا۔ موصوف نے ترجمان القرآن، حبر اُمت سیدنا عبداللہ بن عباس ؓ سے تفسیری علوم حاصل کئے تھے اور ان سے پورے تیس مرتبہ قرآن مجید کا دورہ کیا تھا۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۳۶۶)

اور اس قدر محنت، تحقیق اور غور وفکر سے پڑھتے تھے کہ ہر ایک سورت پر رک کر اس کا شان نزول اور آیت کے متعلقات کو تفصیل سے دریافت کرتے تھے۔ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۴۳)

موصوف کی ذاتی کاوش اور حبر اُمت سیدنا عباس ؓ کی بے مثال تربیت نے جلیل القدر مفسر بنا دیا تھا۔ ان کے ہم عصر علماء کا فرمان ہے

Marfat.com

هو امام في الفقه والتفسير والحديث

''وہ فقہ' تفسیر اور حدیث کے امام تھے''۔(تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۸۳)

كان اعلم بالتفسير

''تفسیر کے سب سے بڑے عالم تھے''۔(تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۸۳)

ان کے فقہی کمال کے لئے یہ سند ہی کافی ہے کہ مخزن علوم مکہ مکرمہ کی جماعت افتاء کے ایک معزز رکن تھے۔(اعلام الموقعین ج ۱ ص ۲۰)

موصوف کے تلامذہ کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ جن میں سے بعض ممتاز شخصیات کے اسماء حسب ذیل ہیں ایوب سختیانی' عطاء' عکرمہ' ابن عون' عمرو بن دینار' فطر بن خلیفہ' ابو اسحاق السبیعی' ابو زبیر مکی' یونس بن اسحاق' قتادہ' عبیداللہ بن ابن ابی زبیر' ابان بن صالح' بکیر بن الاصم' حبیب بن ابی ثابت' حسن بن مسلم بن یناق' حکم بن عتبہ وغیرہم۔(تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۳)

۸۳ سال کی عمر میں ۱۰۱ھ یا ۱۰۳ھ میں مکہ مکرمہ میں وصال ہوا۔
(تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۳)

Marfat.com

مدرسہ عبدالملک بن جریج

المتوفی ۱۵۰ھ ممتاز عالم دین اور مکہ مکرمہ کے مدرسین میں سب سے زیادہ شہرت یافتہ تھے۔ ان کے نامور تلامذہ اور شاگردانِ رشید میں حسب ذیل حضرات کے اسمائے گرامی سرفہرست ہیں۔ امام اوزاعی' امام سفین الثوری اور امام سفیان بن عیینہ' جن کے ذریعہ ساری دنیا میں قرآن وسنت کے علوم کی ترویج ہوئی۔

ایک زمانہ تک تعلیم وتعلم کا سلسلہ ماند پڑ گیا' جب اسے از سر نو منظم کر دیا گیا تو تاریخ کے اوراق پر مدرسہ زنجیلی کا نام نظر آتا ہے۔

مدرسہ زنجیلی

فخر الدین عثمان بن علی المعروف زنجیلی' جو عدن میں سلطان صلاح الدین کے نائب تھے' نے ۵۷۹ھ میں مکہ مکرمہ میں مدرسہ قائم کیا' جو ''دارالسلسلۃ'' کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ مدرسہ فقہ حنفی کی تعلیم وترویج کے لئے وقف تھا۔ اس میں الشیخ صدیق بن یوسف بن قریش اور شہاب الدین احمد بن محمد اصفانی مدرس تھے۔

مدرسہ طاب الزمان

محترمہ طاب الزمان الحبشیہ' خلیفہ المستضی کی آزاد کردہ باندی نے یہ مدرسہ قائم کیا اور ۵۸۰ھ میں شافعی المسلک دس علماء پر وقف کر دیا۔ یہ مدرسہ دار زبیدہ میں واقع تھا۔

مدرسہ الملک المنصور

۶۴۱ھ میں ملک منصور عمر بن علی بن اسول' شاہ یمن نے یہ مدرسہ بنوایا۔ اور امیر فخر الدین الشلاج امیر مکہ کی وساطت سے شافعی علماء پر وقف کر دیا تھا' اس میں شیخ الحدیث قاضی علی بن احمد بن عبدالعزیز المتوفی ۷۹۸ھ اور ان کے صاحبزادے قاضی عبدالعزیز المتوفی ۸۲۵ھ مدرس تھے۔

Marfat.com

مدرسہ ابن ابی زکریا

۶۳۵ھ میں یہ مدرسہ قائم کیا گیا' اور یہ مدرسہ مجاہدیہ کے جنوب میں واقع تھا۔

مدرسہ مجاہدیہ

یہ مدرسہ یمن کے بادشاہ ملک مجاہد نے بنوایا تھا' اور یہ مدرسہ الملک المنصور کے جانب کی جانب واقع تھا' بعد میں ۷۳۹ھ میں اسے شافعی علماء پر وقف کر دیا گیا تھا۔

مدرسہ ابن الحداد

۶۳۸ھ میں یہ مدرسہ قائم کیا گیا اور اسے مالکی مسلک کے طلبہ کے لئے وقف کر دیا گیا تھا۔

مدرسہ مجاہدیہ

سلطان علی بن داؤد الملقب ملک مجاہد نے ۷۳۰ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ اس میں نامور مدرسین حسب ذیل تھے۔ قاضی جمال الدین محمد بن ظہیرہ المخزومی المتوفی ۸۱۷ھ انہوں نے سترہ سال پڑھایا تھا۔ ان کے بعد ان کے فرزند ارجمند قاضی احمد بن محمد بن ظہیرہ نے مسند تدریس کو رونق بخشی' انہوں نے الشیخ حسام الدین الابیوردی سے علم اصول' معانی' بیان اور منطق حاصل کیا تھا۔ الشیخ الواتوغی سے علم تفسیر' اصول تفسیر اور لغت عربیہ اور الشیخ بدرالدین الزحری سے علم فرائض' حساب اور ریاضی کے علوم پڑھے تھے۔ اسی طرح اس مدرسہ میں قاضی احمد بن محمد العقیلی الملقب محب الدین نویری نے بھی پڑھایا تھا۔

مدرسہ افضلیہ

ملک افضل بن ملک المجاہد نے جاری کرایا تھا۔ اس میں ۷۷۰ھ میں شافعی

Marfat.com

مسلک کے مطابق تعلیم شروع ہوئی۔ یہ مدرسہ حرم شریف کے مشرقی جانب باب کعبہ کے سامنے واقع تھا۔ ابتدا میں صرف دس طلباء تھے' اور پہلے مدرس قاضی مکہ محمد بن احمد الہاشمی العقیلی المتوفی ۷۸۶ھ مقرر ہوئے۔ ان کے علاوہ قاضی عز الدین اور قاضی عبدالرحمٰن بن الجمال المصری بھی تعلیمی خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔

مدرسہ شریف عجلان

۷۷۲ھ میں شریف عجلان نے حنفی مسلک کے مطابق مدرسہ قائم کیا۔

مدارس شرابیہ

۶۴۱ھ میں امیر عباس شرف الدین الشرابی نے باب السلام کی داہنی جانب مدرسہ قائم کیا' جو گیارھویں صدی ہجری تک قائم رہا۔ بعد میں اس کا انتظام و انصرام الشیخ محمد بن سلیمان وزیر اوقاف کے سپرد کر دیا گیا۔

پھر آٹھویں صدی ہجری میں امام القاضی تقی الدین محمد بن الحسب' جن کا صحیح نام شہاب الدین احمد بن علی الفاسی تھا' جنہوں نے دینی علوم وفنون کی تعلیم مدینہ منورہ میں حاصل کی' فراغت کے بعد مکہ مکرمہ میں تدریس کے نظام کو زندہ کیا' اس زمانہ کے بعد امراء اور تجار نے مدرسین اور طلباء کے اخراجات اپنے ذمہ لے لئے۔ شاہ شجاع بن محمد بن مظفر شاہ شیراز المتوفی ۷۸۶ھ ایک جید عالم اور علم دوست شخصیت تھے' انہوں نے مسجد الحرام میں ''علوم حدیث'' کے نام سے مدرسہ جاری کیا۔ جس کے جملہ مصارف اپنی جیب خاص سے ادا کرتے تھے۔ صدر مدرس شیخ الحدیث علامہ علی البغوی المتوفی ۷۸۱ھ تھے۔ بادشاہ کی طرف سے انہیں دو سو مثقال سالانہ مشاہرہ ملتا تھا۔

بدر الدین الخروبی مصر کے ایک تاجر نے حرم شریف میں ایک مدرسہ قائم کیا' جس میں شیخ علی بن محمد الحسینی مدرس تھے۔ بشیر الجمد او جو مصر کے بادشاہوں میں

Marfat.com

سے تھے' اپنے ذاتی اخراجات سے مدرسہ بنوایا' جس میں قاضی جمال الدین بن ظہیرہ اور قاضی احمد الحنبلی المعروف محب الدین النویری جیسے نابغۂ روزگار شیوخ علوم و معارف کے موتی بکھیر تے تھے۔ ملک ناصر بن قلاوون نے حرم محترم میں فقہ حنفی کی تدریس کا مدرسہ قائم کیا۔ شوال ۷۶۳ھ میں اسباق کا آغاز ہوا۔ نامور فقیہ محمد الصاغانی مسند تدریس پر رونق افروز ہوئے' موصوف کے وصال کے بعد ان کے خلف الرشید احمد بن محمد الصاغانی نے مسند درس کو رونق بخشی۔

مدرسہ ملک منصور

غیاث الدین ابی المظفر اعظم شاہ بن سلطان سکندر شاہ نے رمضان المبارک ۸۱۳ھ میں ایک ہزار مثقال سونا مکہ مکرمہ بھیجا' جس سے ایک مکان خرید کر منہدم کر کے اس جگہ ایک عظیم الشان مدرسہ تعمیر کرایا' جس کی پرشکوہ عمارت صفر ۸۱۴ھ کو پایۂ تکمیل کو پہنچی۔

یہ مدرسہ فقہاء مذاہب اربعہ پر وقف تھا' علم و فضل میں مہارت تامہ رکھنے والے اساتذہ تعینات تھے' جن میں بیس اساتذہ شافعی مسلک' بیس حنفی مسلک' دس مالکی اور دس حنبلی تھے۔

مدرسہ میں وسیع و عریض ایوان تھے' شرقی ایوان میں شافعی اور حنفی مدرسین اور غربی ایوان میں مالکی اور حنبلی مدرسین تعلیمی خدمات انجام دیتے تھے۔ طلباء کی رہائش کے لئے گیارہ کشادہ کمروں پر مشتمل ایک بہترین ہاسٹل بھی تھا' جبکہ مدرسین کی اقامت گاہیں اس کے علاوہ تھیں۔

مدرسہ سلیمانیہ

سلطان مظفر شاہ المتوفی ۹۳۲ھ نے مکہ معظمہ میں ایک مدرسہ' رباط اور پانی کی سبیل بنوائی۔

اسی طرح احمد شاہ گجراتی نے ایک مدرسہ جاری کروایا تھا' جس میں مورخ

Marfat.com

شہیر علامہ قطبی اور ان کے والد گرامی قدر علامہ احمد النہروانی معلم تھے۔

مدرسہ شیرازیہ

ملک اشرف بن ملک افضل کے مقربین میں سے ایک صاحب فیروز آبادی شیرازی ۸۰۲ھ میں حج بیت اللہ کو تشریف لائے' تو انہوں نے صفا کے قریب مدرسہ تعمیر کرایا' جس کی تعمیر ۸۰۳ھ میں مکمل ہوئی۔ مدرسہ میں تین شیخ الحدیث کے علاوہ مالکی اور شافعی فقہ کی تدریس کے لئے اساتذہ تعینات تھے۔

بعض مؤرخین نے حسب ذیل مدارس کا تذکرہ کیا ہے۔ امام تقی فاسی المکی المتوفی ۸۳۲ھ نے حسب ذیل گیارہ مدارس کا تذکرہ کیا ہے:

(۱) مدرسہ الملک الافضل (۲) مدرسہ دار العجلہ (۳،۴،۵) مدارس فخر الدین الفلاح (۶) المدرسہ المجاہدیہ (۷) مدرسہ ملک اعظم شاہ (۸) مدرسہ ابن ابی زکریا (۹) مدرسہ الارسوفی (۱۰) مدرسہ ابن الحداد المہدوی (۱۱) مدرسہ النہاوندی (۱۲) مدرسہ الزنجیلی۔ (شفاء الغرام ج ۱ ۳۲۸، بحوالہ مدارس مکہ ۹)

اس کے بعد امام قطب الدین حنفی المتوفی ۹۸۸ھ نے حسب ذیل دس مدارس کا ذکر کیا ہے:

(۱) مدرسہ المظفریہ (۲) مدرسہ الشرابیہ (۳) مدرسہ شریف عجلان (۴) مدرسہ الباسطیہ (۵) مدرسہ قائتبائی (۶) مدرسہ سلطان گجرات (۷) مدارس الاربع (علی مذاہب الاربع)۔ (۸) مدرسہ شریف غالب (۹) مدرسہ داؤدیہ (۱۰) مدرسہ الخرامیہ۔ (اعلام باعلام ۱۹۰)

۱) مدرسہ الارسوفی ۵۷۱ھ یا ۵۹۲ھ میں قائم ہوا تھا' جیسا کہ علامہ تقی فاسی لکھتے ہیں الارسوفی عفیف عبداللہ بن محمد الارسوفی نے باب عمرہ کے قریب یہ مدرسہ قائم کیا تھا۔ (شفاء الغرام ج ۲ ۳۳۰)

۲) مدرسہ الزنجیلی کا قیام ۵۷۹ھ میں عمل میں آیا' جسے امیر فخر الدین عثمان بن

Marfat.com

علی الزنجیلی نائب عدن نے قائم کیا تھا۔ (مدارس مکہ ۱۰)

۳) مدرسہ طاب الزمان ۵۸۰ھ میں مسماۃ طاب الزمان الحبشیہ عتیقہ المستعصم باللہ العباسی نے قائم کیا تھا۔ یہ مدرسہ دار زبیدہ میں واقع تھا اور فقہاء شافعیہ کے لئے وقف تھا۔ (مدارس مکہ ۱۱)

۴) مدرسہ النہاوندی ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں "الدریبۃ" کے قریب قائم کیا گیا تھا۔ (ایضاً)

۵) مدرسہ الشرابیہ ۶۴۱ھ میں امیر شرف الدین الشرابی المستنصری عباسی نے باب السلام کے باہر قائم کیا تھا۔ مدرسہ ابن ابی زکریا ۶۳۵ھ میں قائم ہوا' یہ مدرسہ ابی علی بن ابی زکریا مدرسہ المجاہدیہ کے قریب تھا۔ (ایضاً)

۶) مدرسہ ابن الحداد المہدوی ۶۴۱ھ میں بنایا گیا جو بعد میں مدرسہ الاشراف کے نام سے شہرت پذیر ہوا۔ (ایضاً)

۷) مدرسہ المنظفریہ ۶۴۱ھ میں قائم ہوا' اسے مدرسہ فخریہ یا مدرسہ الفلاح بھی کہا جاتا تھا۔

۸) مدرسہ دار العجلہ ۷۲۰ھ کے قریب قائم ہوا۔ جو مسجد الحرام کے باب العجلہ کے باہر واقع تھا۔

۹) مدرسہ المجاہدیہ ۷۳۹ھ میں باب السلام اور باب الدریبہ کے درمیان قائم کیا گیا تھا' جو ملک المجاہد صاحب الیمن کی طرف منسوب تھا۔

۱۰) مدرسہ الافضلیہ ۷۷۰ھ میں ملک افضل عباس ابن ملک المجاہد صاحب الیمن نے قائم کیا۔

۱۱) مدرسہ الشریف عجلان ۷۷۲ھ میں باب مدرسہ الشریف عجلان کے متصل قائم کیا گیا تھا۔ (مدارس مکہ ۱۲۔۱۷)

۱۲) مدرسہ اعظم شاہ ۸۱۳ھ ملک معسور غیاث الدین ابی المظفر اعظم شاہ ابن سلطان اسکندر شاہ ابن سلطان شمس الدین بنگالی الہند نے فقہاء مذاہب

Marfat.com

اربعہ پر وقف کیا تھا۔ ملک موصوف نے یاقوت غیاثی کو بیشار مال دے کر مکہ مکرمہ بھیجا' تا کہ اہل حرمین شریفین پر صدقہ کرے اور ایک مدرسہ اور رباط بھی تعمیر کرے' چنانچہ یاقوت غیاثی سے باب ام ہانی کے متصل دو مکان خرید کر مدرسہ اور رباط تعمیر کی۔ (الاعلام ۱۷۷)

۱۷ محرم ۸۱۳ھ کو مدرسہ کا افتتاح نہایت تزک و احتشام سے ہوا' ابتدا ہی سے ۶۰ طلباء تھے۔ (اسلامی تعلیم کا مرقع ۱۷)

(۱۳) مدرسہ الباسطیہ ۸۲۶ھ میں مسجد الحرام کے شمال میں الزینی عبدالباسط بن خلیل بن ابراہیم الدمشقی القاہری نے قائم کیا تھا۔ جسے ملک اشرف برسبائی آٹھویں بادشاہ جراکسہ مصر نے کعبہ شریف کے اندر والے غلاف کی تجدید کے لئے بھیجا تھا۔ جس نے باب العجلہ کے باہر مدرسہ تعمیر کرایا' تعمیر کنندہ کے نام کی مناسبت سے مدرسہ کا نام ''الباسطیہ'' شہرت پذیر ہوا' اور مدرسہ کی نسبت سے باب العجلہ کی بجائے باب الباسطیہ کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ یہ مدرسہ علامہ قطب الدین الحنفی کے عہد ۹۸۸ھ تک قائم تھا۔

(ایضاً ۱۸۲، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸)

(۱۴) مدرسہ قایتبائی ۸۸۲ھ میں سلطان قایتبائی نے خواجہ شمس الدین محمد ابن عمر المعروف ابن الزمن جسے امیر سنقر الجمالی بھی کہا جاتا تھا' کو حکم دیا کہ مکہ مکرمہ میں ایک مدرسہ قائم کیا جائے جس میں مذاہب اربعہ کی تعلیم دی جائے۔ موصوف نے رباط السدرہ اور رباط المراغی خرید کر منہدم کر دیں اور عالیشان مدرسہ تعمیر کرایا' جس میں طلباء کے وظائف اور مدرسین کے لئے معقول مشاہرہ مقرر کیا۔ یہ مدرسہ بھی ۹۸۸ تک قائم تھا۔ (ایضاً ۳۵۱)

(۱۶) مدرسہ الکنبائیہ سلطان احمد شاہ گجراتی ہندی نے قائم کیا تھا۔ موصوف علم دوست اور بہت زیادہ خیرات صدقات کرنے والا تھا۔ بعد میں ۹۸۸ھ میں یہ مدرسہ علامہ قطب الدین الحنفی کے زیر تصرف رہا۔ بعد ازاں سلطان

Marfat.com

سلیمان القانونی نے تعمیر جدید کرائی اور اس کا نام المدرسۃ الکتابیۃ رکھ دیا گیا۔ (الاعلام ۲۹۴)

۱۶) المدارس الاربع ۹۷۲ھ میں معرض وجود میں آئے' انہیں مدارس سلطانیہ یا مدارس سلیمانیہ بھی کہا جاتا تھا۔ سلطان سلیمان العثمانی ملقب بہ القانونی نے باب الزیادۃ اور باب الدریبہ کے درمیان تعمیر کرایا تھا۔ جس میں چاروں مسلک کے علماء تعلیم دیتے تھے۔ تعمیر کی تکمیل سلطان موصوف کی زندگی میں نہ ہو سکی' جسے سلطان کے بیٹے سلطان سلیم الثانی نے مکمل کرایا۔

(الاعلام: ۲۹۶،۲۹۵)

۱۷) مدرسہ شریف غالب

۱۸) مدرسہ الداودیہ

۱۹) مدرسہ الزمامیہ۔ (مدارس مکہ: ۱۷)

مدرسہ باسطیہ

خلیل بن ابراہیم الملقب زز بچی عبدالباسط التوفی ۷۳۱ھ نے باب العجلہ کے باہر تعمیر کرایا تھا۔ جو گیارہویں صدی ہجری تک قائم رہا۔ اس کے اخراجات پورے کرنے کے لئے مصر میں وقف املاک تھیں۔

مدرسہ قایتبائی

ملک قایتبائی نے شمس الدین محمد بن عمر المعروف ابن زمن کی وساطت سے چند رباطیں اور مکانات خرید کر ان کی جگہ مدرسہ تعمیر کرایا۔ تعمیر کا کام ۸۸۲ھ میں شروع ہوا اور ۸۸۳ھ میں مکمل ہوا۔

یہ عمارت انتہائی حسین وجمیل تھی' ان میں سنگ مرمر لگایا گیا اور چھت میں نقش و نگار کیا گیا۔ اس کے ۷۲ کمرے تھے جن کے دروازے حرم شریف اور مسعیٰ کی

Marfat.com

طرف کھلتے تھے۔ چاروں فقہی مسالک کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ۱۰۸۰ھ میں محکمہ اوقاف کی تحویل میں آ گیا تھا۔

مدرسہ عثمانیہ

سلطان سلیمان المتوفی ۹۷۴ھ نے چاروں مذاہب کے علیحدہ علیحدہ چار مدارس حرم کے جنوب میں بنوائے۔ ۹۷۲ھ میں ان کا سنگ بنیاد قاضی مکہ احمد اشنجی نے رکھا۔ امیر جدہ قاسم بک کی زیر نگرانی تعمیر کا کام ہوتا رہا۔

شام میں ان مدارس کے کچھ اوقاف تھے۔ جن کی آمدنی سے مدرسین کو معقول تنخواہ اور طلباء کو وظیفہ دیا جاتا تھا۔ مدرسین کو تقریباً ۵۰ ریال سعودی یومیہ اور طلباء کو ۲۰ ریال یومیہ ملتے تھے۔ ایک مدرس کے پاس پندرہ طلباء پڑھتے تھے۔

مدرسہ مرادیہ

سلطان مراد خان المتوفی ۱۰۰۳ھ نے علم حدیث کے فروغ کی خاطر ایک مدرسہ قائم کیا جس میں صحاح ستہ پڑھائی جاتی تھیں۔ جس میں مدرسین کو ۱۵۰ دینار سرخ اور طلباء کو ۱۰ دینار سالانہ وظیفہ دیا جاتا تھا۔

علاوہ ازیں وزیر محمد پاشا نے بھی ایک مدرسہ جاری کیا تھا۔ سوق اللیل میں سلطان محمود نے اور باب العمرہ کے قریب مدرسہ داودیہ بھی تھا۔

مدرسہ صولتیہ

یہ مدرسہ ہند کے علماء کرام اور ایک مخیر عالی مرتبت خاتون صولت النساء بیگم کی مساعی جمیلہ سے ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۸۷۴ھ کو محلہ حارث الباب میں قائم ہوا تھا' یہ مدرسہ حنفی مسلک اور دیوبندی مشرب سے تعلق رکھتا ہے۔ کلیہ کی فیاض دل محسنہ صولت النساء جب ۱۲۹۱ھ کو حج بیت الحرام کو گئیں تو انہوں نے مکہ معظمہ میں مسافر

Marfat.com

خانہ تعمیر کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن اس سلسلہ میں مجاہد اسلام مولانا محمد رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکیؒ سے جب مشورہ طلب کیا تو انہوں نے فرمایا رباطیں اور مسافر خانے کافی تعداد میں موجود ہیں۔ البتہ کوئی باقاعدہ تعلیمی ادارہ نہیں ہے جہاں قرآن وحدیث کے جملہ علوم وفنون اعلیٰ تعلیم کا انتظام ہو۔

مدرسہ فخریہ عثمانیہ

۱۲۹۸ھ میں علماء ہند کی مخلصانہ جدوجہد سے قائم ہوا' قاری عبدالحق مرحوم نے باب ابراہیم کے قریب قائم کیا تھا' حنفی دیوبندی مسلک کا حامل تھا۔

حکومت آصفیہ کے وزیر مالیات فخر یار جنگ کی دلچسپی اور حیدر آباد کے مخیر حضرات کا تعاون قائم تھا۔ تدریسی اور انتظامی امور مولانا قاری عبدالحق کے سپرد تھے' ابتداء میں مولانا موصوف طلباء کو حرم شریف میں تعلیم دیتے تھے' بعد میں باب ابراہیم کے قریب ایک عمارت میں یہ مدرسہ منتقل ہو گیا۔ مدرسہ نے جلد ہی علمی شہرت حاصل کر لی اور تدریسی ترقی سے ہمکنار ہوا۔ جس کے باعث دو ذیلی شاخیں بھی قائم ہو گئیں۔ ایک محلہ الفلق میں اور دوسری محلہ اجیاد میں۔ حتیٰ کہ ۱۳۳۰ھ میں طلباء کی مجموعی تعداد ۸۵۰ تک پہنچ گئی تھی۔ محلہ الفلق میں ۲۰۰ طلباء' محلہ اجیاد میں ۳۰۰ اور باب ابراہیم میں ۳۵۰ طلباء زیور علم سے آراستہ ہو رہے تھے۔

لیکن بعد کے سالوں میں مدرسہ روبتنزل ہو گیا' یہاں تک کہ ۱۳۹۱ھ میں صرف ۸۲ طلباء زیر تعلیم تھے۔ انحطاط کے کئی اسباب تھے' سعودی حکومت کی سرپرستی نہ کرنا' تعلیمی معیار قائم نہ رہنا' پاک وہند کے معاونین کی تعداد میں کمی واقع ہونا وغیرہ۔

حسب ذیل حضرات مہتمم اور مدیر کے فرائض انجام دیتے رہے
الشیخ قاری عبدالحق مہتمم' الشیخ قاری اسحاق اور الشیخ سید حبیب احمد
مختلف ممالک کے طلباء کا تناسب اس طرح تھا

Marfat.com

یعنی طلباء ۶۰ ٪ ہندی ۲۰ ٪ اور سعودی ۱۰ ٪۔

(تاریخ التعلیم فی المکۃ ۱۲۲ تا ۱۲۳)

مدرسہ ۱۳۹۷ھ / ۱۹۷۷ء میں ایام حج میں آتشزدگی کی نذر ہو گیا تھا۔ عارضی طور پر قریب ہی ایک عمارت میں مدرسہ منتقل ہو گیا تھا۔ ۱۳۹۸ھ میں مؤلف نے مدرسہ کی زیارت کی تھی۔ اس وقت سید مشتاق حسین ناظم و خازن تھے۔ مدرسین کی تعداد ۸ اور طلباء کی مجموعی تعداد ۲۰۰ تھی۔

مدرسہ دار الفائزین

۱۳۰۴ھ میں شیخ رحمتہ کے تلامذہ میں سے مولانا عبدالحق محمد حسینی بنگالی نے اپنے شیخ کی ہدایات کے مطابق محلہ مسفلہ میں ایک مدرسہ قائم کیا۔ جس میں قرآن مجید اور ابتدائی درجات کی تعلیم کا انتظام تھا' اعلیٰ درجات کی تعلیم کے لئے اس کے فارغین مدرسہ صولتیہ میں داخل ہوتے تھے۔ گویا کہ یہ مدرسہ صولتیہ کی ذیلی شاخ تھی۔ (تاریخ التعلیم فی مکہ: ۱۳۵)

مدارس الفلاح

۱۳۲۳ھ جدہ میں الحاج محمد علی زینل نے مدرسہ الفلاح شروع کیا۔ ۱۳۲۹ھ میں موصوف نے الشیخ عبداللہ حمدوہ السناری سے مشاورت کے بعد مکہ مکرمہ میں بھی اسی نام سے مدرسہ قائم فرمایا۔ ابتدا میں محلہ القشاشیہ میں شروع کیا گیا' بعد میں محلہ الشبیکہ میں منتقل ہو گیا۔ جس میں دینی علوم کے ساتھ دنیوی علوم کی اعلیٰ تعلیم کا انتظام کیا گیا تھا۔ چونکہ تعلیمی معیار بہت بلند اور انتظامات قابل قدر تھے اس لئے پہلے ہی سال ۱۲۰۰ طلباء کا جم غفیر آ گیا' اس قدر جلد ترقی کے مراحل طے کئے کہ ۱۳۵۵ھ تک چار ہزار طلباء فیض یاب ہو چکے تھے جبکہ مجموعی طور پر ۱۲۳۶ علماء مختلف درجات سے اسناد حاصل کر چکے تھے۔ مدرسہ کے نظم و نسق کو قائم رکھنے کے لئے

Marfat.com

حسب ذیل حضرات پر مشتمل ایک مجلس ادارت قائم کر دی گئی تھی۔ رئیس الحاج محمد علی زینل' الشیخ مصطفیٰ النیلاوی' الشیخ عبدالروف عجوم' الشیخ محمد حامد احمد' الشیخ یحییٰ محمد صالح سلیم اور الشیخ محمد عطاء اللہ الفاروقی الہندی۔

۱۳۲۹ھ سے ۱۳۸۹ھ تک الحاج محمد علی زینل نے مدرسہ کی ادارت اور اہتمام کی قابل قدر خدمت انجام دی' ان کے وصال کے بعد اس منصب پر الشیخ احمد یوسف زینل کو فائز کیا گیا۔ چونکہ مدرسہ متعدد شعبوں میں تقسیم تھا' اس لئے مختلف اوقات میں حسب ذیل حضرات نے ادارت کی خدمت انجام دی ہے۔

۱۳۳۰ھ تا ۱۳۳۴ھ	السید محمد حامد احمد عوض
شعبان ۱۳۳۴ھ تا ۱۳۳۵ھ	الشیخ محمد عطاء اللہ الفاروقی
۱۳۳۵ھ تا ۱۳۳۶ھ	السید محمد طاہر الدباغ
محرم ۱۳۳۶ھ تا ۱۳۵۰ھ	الشیخ عبداللہ محمد دہ
رجب ۱۳۵۰ھ تا ۱۳۵۲ھ	الشیخ محمد الطیب المراکشی
محرم ۱۳۵۲ھ تا ۱۳۶۲ھ	السید ابوبکر احمد الحبشی
محرم ۱۳۶۲ھ تا ۱۳۷۸ھ	السید اسحاق عقیل عزوز
شوال ۱۳۷۸ھ تا ۱۳۹۲ھ	السید محمد عبدالحسن رضوان

مختلف مراحل میں دینی علوم کے ساتھ علوم جدیدہ کی تکمیل کرائی جاتی تھی' جن میں حسب ذیل علوم داخل نصاب تھے

ناظرہ قرآن مجید، املاء وانشاء، صرف، نحو، سیرت النبویہ، تجوید فقہ، اصول فقہ، حدیث، اصول حدیث، تفسیر، اصول تفسیر، ہندسہ، الجبرا، الفرائض، ریاضی، تاریخ، جغرافیہ، فلسفہ وغیرہ۔ (تاریخ التعلیم فی مکہ مکرمہ ۱۳۶ تا ۱۳۴)

مدرسہ رشیدیہ

۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۰۸ء میں دولت ترکیہ عثمانیہ کی جانب سے قائم ہوا' جس

Marfat.com

میں تمام علوم ترکی زبان میں پڑھائے جاتے تھے۔ ابتدا میں تمام مدرسین بھی ترکی تھے مگر بعد میں مکہ معظمہ کے علماء کو بھی تعینات کر دیا گیا تھا۔

مدرسہ خیریہ

۱۳۳۴ھ میں شریف حسین بن علی نے باب السلام کے سامنے مدرسہ خیریہ تحضیریہ ہاشمیہ قائم کیا۔ الشیخ احمد سباعی کے قول کے مطابق حکومت عربیہ کا یہ پہلا مدرسہ تھا۔ اس کے بعد معلاۃ اور حارۃ الباب میں بھی دو مدرسے جاری کئے۔ جن میں تعلیم قرآن کے علاوہ تجوید' توحید' فقہ خط' انشاء اور حساب کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ان مدارس میں طلباء کی مجموعی تعداد ۱۵۰ تھی۔

——○——

Marfat.com

مدرسہ صولتیہ کا پس منظر

علم و دانش کا یہ عظیم الشان مرکز کیسے معرضِ وجود میں آیا ہے' اس کا پس منظر کچھ اس طرح ہے۔

ضیغمِ اسلام، مجاہدِ کبیر، مردِ حق آگاہ
مولانا رحمت اللہ کیرانوی نور اللہ مرقدہٗ

پچھلی صدی کے مایۂ ناز' ممتاز عالمِ ربانی' پر جوش مجاہد اور جلیل القدر مناظرِ اسلام' حضرت اقدس مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ اُن خدا مست مجاہدین میں سے ہیں جن کا زندگی کا ہر سانس دینِ اسلام کی خدمت کے لئے وقف تھا۔ انہوں نے ایک ایسے زمانے میں حق کا آوازہ بلند کیا تھا' جب حق کے پرستاروں کے لئے جگہ جگہ دار کے تختے لٹکے ہوئے تھے' تاریخِ اسلام ایسے حضرات کے تذکروں سے مالا مال ہے' جنہوں نے علمی طور پر حق کو پھیلانے اور پہنچانے کی مؤثر خدمات انجام دیں' اور اپنی زبان اور قلم سے دینِ اسلام کا دفاع کیا' دوسری طرف ایسے جانبازوں کی بھی کمی نہیں جنہوں نے دین کی حفاظت کے لئے تلوار اٹھائی اور اس کی آبیاری کے لئے اپنا خون پیش کیا' لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بلاشبہ کم ہے' جنہوں نے قلم اور تلوار دونوں میدانوں میں اپنے جوہر دکھلائے ہوں۔

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ انہی مقدس ہستیوں میں سے ہیں جن کی نظیر ہر زمانے کی تاریخ میں گنی چنی ہوا کرتی ہے' انہوں نے اگر ایک طرف عیسائیت کے تابڑ توڑ حملوں کا دفاع کرنے کے لئے اپنی زبان اور قلم کی تمام

Marfat.com

توانائیاں وقف کر دیں' تو دوسری طرف وہ ہندوستان کو مغربی اقتدار سے آزاد کرانے کے لئے تلوار لے کر بھی نکلے' اور دونوں میدانوں میں جہد و عمل کی وہ ولولہ انگیز داستانیں چھوڑ گئے جو رہتی دنیا تک یادگار رہیں گی' اقبال نے انہی جیسے سرفروشوں کے لئے کہا تھا کہ ؎

قلندراں کہ براہ تو سخت می کوشند
زشاہ باج ستانند و خرقہ می پوشند
بہ جلوت اند و کمندے بہ مہر و مہ پیچند
بہ خلوت اندو زمان و مکان در آغوشند
بروز بزم سراپا چو پرنیان و حریر
بروز رزم خود آگاہ و تن فراموشند

آباء واجداد:

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانہ کے مشہور ومعروف عثمانی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں' آپ کے جد امجد شیخ عبدالرحمٰن گازرونی رحمۃ اللہ علیہ' سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی فوج میں شرعی حاکم تھے' یہ عہدہ ''قاضی عسکر'' کے نام سے سلطنت ترکیہ کے زمانے میں بھی ہمیشہ رہا ہے' اور آخری خلیفہ سلطان محمد رشاد خان خامس مرحوم کے زمانے تک اس عہدے پر ممتاز علماء مقرر کئے جاتے تھے' جو فوج کے تمام شرعی معاملات اور مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے تھے' شیخ عبدالرحمٰن گازرونی رحمۃ اللہ علیہ سلطان محمود غزنوی کے لشکر کے ساتھ ''قاضی عسکر'' کی حیثیت سے ہندوستان آئے' اور جب سلطان رحمۃ اللہ علیہ نے سومنات پر حملہ کیا تو یہ فوج کے ساتھ جہاد میں شریک تھے' اور پانی پت کی فتح کے بعد یہیں قیام اختیار کر لیا' پانی پت کے قلعے کے نیچے آپ کا مزار ہے۔

ہجرت مکہ:

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ مولانا سے پہلے ہی ہجرت فرما کر مکہ معظمہ پہنچ چکے تھے' اور باب العمرہ سے متصل رباط داؤدیہ کے ایک حجرے

Marfat.com

میں مقیم تھے' صبح صادق کے قریب حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ مکہ مکرمہ پہنچے' مطاف میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی' طواف قدوم اور سعی میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ساتھ رہے' اس کے بعد دونوں رباط داؤدیہ میں آ گئے۔

حضرت مولانا نام بدل کر اللہ کی حفاظت و نصرت میں سمندر وصحرا پار کر کے جب مکہ معظمہ پہنچے تو صرف دو روپے باقی رہ گئے تھے' طواف عمرہ سے فارغ ہو کر زمزم شریف پی کر ایک روپیہ رحزی کو دے دیا اور دوسرا روپیہ حضرت اقدس حاجی صاحب کو دیا کہ کھانے پینے کا انتظام کریں۔ مکہ مکرمہ میں پہلا ناشتہ حضرت حاجی صاحب کے ہاں زمزم اور مدینہ طیبہ کی چند کھجوروں سے ہوا۔ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا ''مولوی رحمت اللہ فقیروں کا گزارہ تو زمزم پر ہے''۔ حضرت مولانا نے فرمایا ''اگر اللہ نے ہماری مہمانی اور رزاقی کے لئے زمزم مقرر فرما دیا ہے' تو ہم سے بڑھ کر کوئی رئیس نہیں''۔

اس زمانہ میں سلطان عبدالعزیز خان خلافت عثمانیہ کے خلیفہ' عبداللہ بن عون بن محمد' شریف مکہ تھے' اور شیخ العلماء سید احمد دحلان مسجد حرام میں درس دیا کرتے تھے اور شریف مکہ ان کا بے حد احترام کرتا تھا۔

Marfat.com

اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ

اعلیٰ حضرت فخر المشائخ، شیخ العرب والعجم، منبع الفیض والحکم، مخزن الحقائق، مجمع الدقائق، حضرت حاجی صاحب کا اصل اسم گرامی جو آپ کے والد ماجد نے رکھا تھا، وہ امداد حسین تھا، اور تاریخی نام ظفر احمد (۱۲۳۳) رکھا گیا۔ لیکن مسند وقت شیخ المشائخ حضرت محمد اسحٰق صاحب نے اپنی کرامت و فراست سے ہونہار لاڈلے کو خلقت کے لئے امداد الٰہی تجویز کر لیا تھا۔ اس لئے اسم با مسمّی ہونے کی مناسبت سے "امداد اللہ" کے ساتھ ملقب فرمایا۔ حضرت کے والد ماجد کا نام حافظ محمد امین تھا۔ (تاریخ مشائخ چشت ص ۲۴۷ تا ۲۵۳)

حضرت کی ولادت ۲۲ صفر المظفر ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸۱۷ء بروز شنبہ بمقام "نانوتہ" ضلع سہارنپور میں ہوئی۔ حضرت موصوف فاروقی النسب اور حنفی المذہب طریقت و معرفت کے امام تھے۔ آپ کی عمر تین سال کی تھی کہ حضرت سید احمد شہید کے آغوش میں دے دیئے گئے اور حضرت نے بیعت تبرک سے نوازا۔ ابتداء ہی سے حضرت کے قلب میں حفظ قرآن کا ایک شوق اور ولولہ تھا، بہت تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی تکمیل ہو گئی۔ ۱۲۴۹ھ میں سولہ سال کی عمر میں مولانا مملوک علی صاحب کے ہمراہ دہلی کے سفر کا اتفاق ہوا۔ وہاں مشائخ وقت سے علوم ظاہری کی تحصیل شروع فرمائی۔ کچھ ابتدائی کتب فارسی و عربی صرف و نحو ہونے پائی تھی کہ علوم باطنیہ کی طرف کشش ہوئی۔ علوم ظاہری کی تکمیل سے پہلے ہی دوسرے علوم کی طرف انجذاب ہوا۔ اور اٹھارہ سال کی عمر میں حضرت نے شیخ وقت مولانا نصیر الدین نقشبندی کے دست مبارک پر بیعت کی اور اذکار نقشبندیہ اخذ فرمائے۔

Marfat.com

چند ہی دنوں میں شیخ کی طرف سے خرقہ و اجازت سے مشرف ہوئے۔ چونکہ صفا قلب ''اعلیٰ حضرت فاروقی نسب' حنفی المذہب' حقیقت آگاہ' معرفت دستگاہ' حافظ کتاب اللہ' سید السادات العظام' سلاسل اربعہ میں مشائخ اعلام سے بیعت' چمنستان حب الٰہی کے پھول' گو ظاہری علم شریعت میں علامہ دوراں اور مشہور زماں مولوی نہ تھے' مگر علم لدنی کے جامعہ عنبر شامہ سے آراستہ اور نور عرفاں و ایقان کے زیورات سے سرتا پا پیراستہ شیخ وقت قصبہ تھانہ بھون کو مہبط انوار و برکات اور مطرح فیوض و تجلیات بنائے ہوئے تھے۔ خلقتہً ضعیف و نحیف' خفیف الجسم' اس پر مجاہدات و ریاضات اور تقلیل طعام و منام اور سب سے بڑھ کر عشق حسن ازلی جو استخوان تک کو گھلا دیتا ہے' جس کے باعث آخر میں کروٹ تک بدلنا دشوار تھا' آپ کا دل عشق منزل ہر وقت نشہ لقا سے سرشار تھا''۔ (تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۴۵)

ہجرت مکہ

جس طرح بعض دوسرے مقتدر علماء کرام نے ہند سے حجاز مقدس کی طرف ہجرت کا فیصلہ کیا' اسی طرح اعلیٰ حضرت سید الطائفہ قدس سرہ بھی ۱۲۷۶ھ کو ہجرت کر کے مکہ مکرمہ پہنچے۔ ابتداء میں جبل صفاء پر اقامت پذیر ہوئے۔ پھر ''حارۃ اسباب'' میں زندگی کے آخری دم تک رہے۔ بہت عرصہ تک دیگر اولیاء کرام کی طرح فقر و فاقہ اور عسرت و تنگی میں رہے' مگر انتہائی صبر و شکر اور راضی بقضا رہے۔ یہاں تک کہ حالات نے پلٹا کھایا' اور اللہ تعالیٰ نے ''عسر'' کو پھر ''یسر'' سے اور تنگی کو فراخی میں تبدیل کر دیا۔ قلب و قالب سے مجاہدات اور عبادت میں مصروف و مشغول ہے۔ ہمیشہ ذکر و فکر اور مراقبہ میں رہنے لگے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں ان کی محبت ڈال دی۔ پھر بڑے بڑے ممتاز علماء اور مشائخ استفادہ کے لئے مائل ہوئے' اور آپ سے معرفت کا درس لیا' اور پھر اسی معرفت و یقین کو آگے پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تربیت اور طریقت میں ایک

Marfat.com

برکت عطا فرمائی کہ اس کے انوار تمام اطراف عالم میں پھیل گئے۔آپ نے طریقہ چشتیہ صابریہ کی تجدید فرمائی۔اس میں بڑے بڑے علماء اور فضلاء داخل ہوئے اور ان سے اللہ تعالیٰ نے ایک خلق کو نفع دیا۔جس کی صحیح تعداد اللہ ہی جانتا ہے۔ان میں سب سے ممتاز اور مایۂ ناز مولانا محمد قاسم نانوتوی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی' حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی' مولانا محمد حسین' مولانا احمد حسن امروہی اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ہیں۔(نزہۃ الخواطر ج ۸ ۷۱)

شیخ الحدیث مولانا زکریا نور اللہ مرقدہٗ تحریر فرماتے ہیں ''پہلے کچھ دن جبل صفا پر سیٹھ اسماعیل کی رباط میں قیام فرمایا اور اکثر اوقات خلوت کے ساتھ مراقب رہتے' اسی وجہ سے اہل مکہ سے زیادہ اختلاط کی نوبت نہیں آئی۔البتہ حج کے ایام میں تشنگانِ ہند کی حاضری پر ان کی شدت تمناؤں کی وجہ سے حضرت اکثر جلوہ فرماتے۔ ۱۲۹۴ھ میں بعض خدام نے اصرار و الحاح کے ساتھ ایک مکان ''حارۃ الباب'' میں خرید کر حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ہر چند حضرت کا وہ منور دل جو ہر وقت اپنے کو مسافر خیال کرتا تھا' اس کو پسند نہیں کرتا تھا' لیکن خدام نے اصرار اس درجہ کیا کہ حضرت کو قبول فرمانا پڑا''۔(تاریخ مشائخ چشت ۲۵۵)

مدرسہ صولتیہ کی سرپرستی:

حضرت مولانا رحمت اللہ کی وصیت و ہدایت کے مطابق حضرت کی وفات کے بعد حضرت حاجی صاحب مدرسہ صولتیہ کے سرپرست مقرر ہوئے۔مولانا احتشام الحق تھانوی کے بیان کے مطابق دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ صولتیہ تقریباً ایک ہی زمانہ میں اور ایک ہی جذبہ اور مقصد کے ساتھ قائم ہوئے' اور دونوں درسگاہوں کو قبول عام اور مرکزیت حاصل ہوئی' بلکہ شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہاجر مکی کی طویل روحانی سرپرستی اور ان کے سلسلہ فیض سے وابستہ اکابر علمائے کرام و مشائخ عظام کے قیام و تعلق کا جو شرف مدرسہ صولتیہ کو

Marfat.com

حاصل رہا، کسی دوسری درسگاہ کو حاصل نہیں ہوا۔ کیونکہ مولانا رحمت اللہ مہاجر کی کی رحلت کے بعد حضرت حاجی صاحب وفات تک آٹھ سال مدرسہ صولتیہ کے سرپرست رہے"۔

پیرانہ سالی کے باوجود کئی سال تک ہفتہ میں دو مرتبہ مدرسہ میں حضرت حاجی صاحب کا درس مثنوی جاری رہا۔ حضرت حاجی صاحب کی وصیت کے مطابق ان کا کتب خانہ "فیوض امدادیہ" کی تمام کتابیں مدرسہ صولتیہ پر وقف کر دی گئی تھیں۔ (ماہنامہ الاشرف جولائی اگست ۱۹۹۱ء)

بالآخر چوراسی سال تین ماہ بیس دن اس عالم تاریک کو منور فرما کر ۱۲ ار جمادی الثانی ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۸۹۹ء بروز چہار شنبہ بوقت اذان صبح محبوب حقیقی سے جا ملے اور جنت المعلٰی میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی قبر کے متصل دفن ہوئے۔ (نزہۃ الخواطر ج ۸: ۷۱)

—— ○ ——

Marfat.com

سعادتمند خاتون

صولت النساء بیگم

کسے معلوم تھا کہ بنگال کے ضلع ''چوبیں پرگنہ'' کے ایک غیر معروف و نامانوس گاؤں بھسیلہ سے ایک ایسی ہستی پیدا ہوگی جس کا فیض روئے زمین کے مقدس ترین خطہ سے اطراف عالم میں جاری وساری ہوگا اور ہزاروں تشنگان علم اس سے معارف اسلامیہ اور علوم محمدیہ کی دولت لے کر اطراف عالم کو سیراب کریں گے۔ اس کا نام سورج کی روشنی اور چاند کی ٹھنڈک کا مصداق ہوگا۔ کلکتہ سے جنوبی مشرقی سمت تقریباً اٹھارہ میل کے فاصلہ پر ''بھسیلہ'' نامی گاؤں یا آبادی ہے' جس کے متعلق وہاں کے لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ کسی زمانہ میں حضرت ''شاہ وسیلۃ اللہ'' نامی کوئی بزرگ وہاں آباد ہوئے اور چوں کہ اس جگہ کا کوئی نام نہیں تھا اس لئے ان کے زہد و تقدس اور صلاح و تقویٰ سے متاثر ہو کر ان کے نام نامی پر اس آبادی کا نام پڑ گیا۔ جو امتداد زمانہ اور لفظ بگڑنے کی بناء پر وسیلۃ اللہ سے بھسیلہ ہو گیا۔ انگریزوں کے زمانے میں سرکاری کاغذات میں اس کو ''BHASFLAH'' لکھا جاتا تھا' جو اب تک رائج ہے' اسی آبادی میں حضرت شاہ وسیلۃ اللہ کی نسل و اولاد میں ایک صدیقی خاندان کے عابد و زاہد اور نیک نام و نیک سیرت مولوی اجابت حسین تھے' قدرت نے دنیاوی اسباب و وسائل سے بھی خوب نوازا تھا' مولوی اجابت حسین کے ہاں سب سے پہلے ایک فرزند عبدالصمد نامی تولد ہوئے اور ان کے بعد چھ لڑکیوں کی پیدائش ہوئی اور جب ساتویں دختر کی ولادت ہوئی تو بے حد کبیدہ خاطر ہوئے اور اس عطیہ ربانی کو ایک نظر دیکھنے کے بھی روادار نہ ہوئے' ساتویں دن عقیقہ کے روز اعزہ و اقارب کے اصرار پر ساتویں بیٹی کو دیکھا تو دیکھتے

Marfat.com

ہی رو گئے اور بے اختیار سینے سے لگا لیا کہ اپنی سب بہنوں میں بے حد حسین وجمیل اور معصوم صورت تھیں' سات دن کی بچی کے چہرے پر جلال و جمال کا معصوم امتزاج سب کو متحیر کیے ہوئے تھا۔ باپ نے بے اختیار دو رکعت نماز پڑھ کر سجدہ شکر ادا کیا اور شاید اس وقت راضی برضا ہونے کی یہ ادا قدرت کو پسند آ گئی اور باپ کی دُعا اور سجدہ شکر نے اس معصوم بچی کے لئے دنیاوی و اخروی سعادتوں کے فیصلے کروا لئے۔ اس باسعادت دختر کی ولادت ۱۸۳۲ء میں ہوئی اور باپ کی زبان سے الہامی نام صولت النساء بیگم تجویز ہوا' اس وقت کے مروجہ طریقوں کے ساتھ ان کو قرآن پاک اور علوم دینیہ سے وافر حصہ پڑھایا' ان کی چھ بہنوں کی شادیاں متوسط گھرانوں میں ہوئیں لیکن صولت النساء بیگم کی شادی منشی الطاف حسین سے ہوئی جو کلکتہ بلیا' گھاٹ اور چوبیس پرگنہ کے بڑے زمیندار اور صاحب حیثیت اور صاحب خیر تھے' شادی کے بعد منشی الطاف حسین کی قسمت اور چمکی' جاہ و ثروت میں دن بدن ترقی ہونے لگی' ان کے شوہر نے جب صولت النساء بیگم کا محبت و خلوص انتظامی قابلیت اور امور خیر سے دلچسپی کے مظاہر دیکھے تو ۱۸۸۲ء میں اپنی پوری جائیداد ان کے نام منتقل کر دی اور اس کے ایک ہی سال بعد ۱۸۸۳ء میں انتقال فرما گئے۔

—— o ——

Marfat.com

گہوارۂ علوم وفنون' ترجمان حنفیت

مدرسہ صولتیہ

منبع رشد و ہدایت' مرکز دین و ایمان "مكة المكرمة" میں گہوارۂ علوم و فنون' ترجمان حنفیت' مدرسہ صولتیہ درخشندہ و تابندہ' تابناک تاریخی شان کے ساتھ مصروف کار ہے' اگرچہ اس دور میں سعودی حکومت کا نظام تعلیم ہر اعتبار سے قابل ستائش ہے' لیکن حنفی مسلک کا یہ منفرد ادارہ جسے حکومت کی سرپرستی کا شرف حاصل ہے' چونکہ اس ادارہ کا قیام اور اس کی ناقابل فراموش علمی و اصلاحی جدوجہد کا سب سے مقدم ہدف ہندی مسلمانوں کو فن قرأۃ سے بہرہ یاب کرنا اور پھر برصغیر میں اس کے علاطم خیز دریا جاری کرنا تھا۔ بنابریں مدرسہ صولتیہ کا قیام اس کی علمی ضیا پاشی اور اس کے فضلاء ہند کا ایمان افروز اور روح پرور تذکرہ تفصیل کے ساتھ ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے۔

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی قدس اللہ العزیز جب ہندوستان سے ہجرت کر کے مکۃ المکرمۃ میں اقامت گزیں ہو گئے" تو انہیں مکہ مکرمہ میں ایسے دینی مدرسہ کی شدید ضرورت محسوس ہوئی جو دینی معاملات میں ٹھوس علم و بصیرت رکھنے والے علماء پیدا کرے۔ اس زمانہ میں اگرچہ مسجد حرام میں مختلف علماء کے درس ہوا کرتے تھے' جن کی سرپرستی خلافت عثمانیہ پوری توجہ کے ساتھ کرتی تھی' لیکن اوّل تو درس کے یہ حلقے کسی بچے تلے نظام اور ضابطے کے ماتحت نہ تھے' یہاں تک کہ کوئی نصاب تعلیم بھی مقرر نہ تھا' دوسرے تدریس کا طریقہ ایسا تھا کہ درس میں شریک ہونے والے ایک وعظ و تقریر کی طرح اس سے مستفید ہوتے تھے۔ طلباء میں قوتِ مطالعہ اور ذاتی استعداد پیدا کرنے کے لئے جس طرزِ تدریس کی ضرورت ہوتی ہے'

Marfat.com

وہ مفقود تھی۔ تمام عمر طلبا نحو فقہ، تفسیر اور حدیث پڑھتے تھے، اور وہ بھی نامکمل طریقے سے"۔ (بائبل سے قرآن تک ج ا ص ۲۰۳)

مکہ معظمہ میں باقاعدہ تعلیم کا نہ کوئی معیار تھا نہ کوئی مرکز۔ جس کا دل چاہے پڑھے، نہ دل چاہے نہ پڑھے۔ علماء کرام کے حلقہ ہائے درس سے کماحقہ وہ نتائج نہیں پیدا ہو رہے تھے جو اس مقام کے شایانِ شان تھے۔ چنانچہ چند روز بعد اس اجنبی ماحول میں رب العالمین کی طرف سے حالات سازگار ہوتے ہی آپ نے سب سے پہلے مسجد حرم محترم میں کعبہ معظمہ کے سامنے مقام حنفی سے متصل ماہ ربیع الاوّل ۱۲۸۵ھ میں "مدرسہ ہندیہ" کے نام سے ایک دینی مدرسہ کا آغاز فرمایا۔ (رجال مکہ ج ۳ ص ۱۵۲)

اہل حرم نے منظم تعلیم دیکھی، نیا طریقہ تدریس اور نئی کتابیں دیکھیں تو پروانہ وار اپنی اولاد اور بچوں کو تعلیم کے لئے مولانا کی خدمت میں لانے لگے۔ مگر مسجد حرام کا ماحول تعلیم کی سازگاری اور انضباط کے لئے نامناسب تھا، کسی مقصد کی بنیاد خلوص وللّہیت پر ہو تو قدرت خود کارساز ہوتی ہے۔ مہاجرین حرم کے طبقہ خواص میں "دتاوَلی" ضلع علی گڑھ کے نواب فیض احمد خان صاحب مرحوم، حضرت مولانا رحمت اللہ قدس سرہٗ کی قربانیوں اور مقام سے بخوبی واقف تھے، اور روزانہ شریک درس ہوا کرتے تھے۔ مدرسہ کے لئے جگہ کا مسئلہ پیش آیا تو انہوں نے اپنے عالیشان مکان کی پہلی منزل پیش کر دی۔ اس طرح ۸ / رمضان المبارک ۱۲۹۰ھ میں ابتدائی اسباق ورقرآن کریم کے طلبہ نواب صاحب کے مکان میں منتقل ہو گئے اور بڑی کتابوں والے طلبہ حرم محترم میں معروفِ تعلیم رہے، لیکن یہ نظم بھی عارضی ہی تھا، اور حضرت مولانا بارگاہِ الٰہی میں مصروفِ دُعا تھے کہ کسی طرح مدرسہ کی مستقل و منظم تعمیری صورت ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی دُعاؤں کو شرفِ قبولیت بخشا۔

۱۲۹۰ھ کے حج میں نواحی کلکتہ کی ایک صاحب خیر خاتون "صولت النساء

Marfat.com

بیگم" مکہ معظمہ میں کسی کارخیر کا جذبہ ساتھ لائیں چونکہ مولانا موصوف کے مجاہدانہ کارناموں اور ان کا زہد وتقویٰ ہندوستان میں مشاہدہ کر چکی تھیں اس لئے اپنے داماد حکم نوازش حسین صاحب کے ساتھ حرم پاک میں حضرت اقدس کے درس بخاری کے بعد ملاقات کی اور مکہ معظمہ میں مسافر خانہ یا ٹھنڈے پانی کی سبیل کی تعمیر کے متعلق اپنے ارادہ کا اظہار کر کے مشورہ طلب کیا۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ معظمہ میں یہ دونوں چیزیں معقول تعداد میں موجود ہیں مگر مدرسہ کوئی نہیں جہاں اہل حرم کی اولاد اور مہاجرین کے بچوں کی تعلیم وتربیت کا انتظام ہو کعبۃ اللہ کے زیر سایہ حضرت مولانا کی زبان سے نکلے ہوئے یہ چند الفاظ اس نیک طینت خاتون کے دل میں اتر گئے اور یہ ابدی سعادت رحمت کے فرشتوں نے اس خاتون کے نام لکھ دی اور دوسرے دن درس بخاری کے بعد اس نے وہ تمام رقم جو ہندوستان سے ساتھ لائی تھی مدرسہ کے قیام کی خاطر مولانا کی خدمت میں پیش کر دی۔

چنانچہ محلہ "خندریسہ" میں جگہ خریدی گئی اور مدرسہ کی تعمیر شروع ہو گئی۔ اکثر صولت النساء صاحبہ مرحومہ خود تعمیر کا کام دیکھنے کے لئے تشریف لاتیں اور اپنی خوش قسمتی اور اس توفیق خدمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتیں۔

مدرسہ کے سب سے پہلے رجسٹر کی ابتدائی عبارت جو حضرت مولانا مرحوم کے قلم مبارک کی ہے نقل ذیل ہے:

> "حمد اور نعت کے بعد یہ ہے کہ اگرچہ مدرسہ ہندیہ حضرات اہل ہند کی ہمت اور توجہ سے مکہ معظمہ ادام اللہ شرفہا میں سنہ بارہ سو نوے (۱۲۹۰ھ) رمضان کے مہینے میں قائم ہوا تھا پر اسباب چند در چند سے جو اس سنہ کے چار مہینوں میں کئی طرح کے ہرج پیش آئے سو اس لحاظ سے ہم اُن چار مہینوں کو نظر سے گرا کر اس مدرسہ کے قیام کو محرم الحرام بارا سو اکانوے (۱۲۹۱ھ) گنتے ہیں۔ اور سب اُمور متعلقہ اس مدرسہ کو اسی سال سے لیتے ہیں اللہ خیر سے ان امور کو انجام دیجو۔ بمنہ و کرمہ۔

Marfat.com

۱۲ رشعبان ۱۲۹۱ھ روز چہار شنبہ میں مدرسہ صولتیہ جدیدہ میں سب مدرسوں اور طالب علموں کو لایا گیا' یکم شعبان ۱۲۹۲ھ سے نواب محمود علی خان بہادر والی چھتاری نے سو روپیہ ماہوار اس مدرسہ کے مقرر کر دیئے"۔ (ایک مجاہد معمار ص ۴۳،۴۲)

مدرسہ کی پرشکوہ عمارات:

سرزمین حرم میں حضرت مولانا مرحوم نے مدرسہ صولتیہ کی شکل میں جو دائمی کار خیر چھوڑا اس کی متعدد خصوصیات میں سے یہ امتیاز قابل ذکر ہے کہ اس کے پاس اپنی ذاتی متعدد عمارتیں ہیں اور مدرسہ کے تمام شعبے ان وسیع عمارتوں میں ہیں جو اس مقصد کے لئے حضرت بانی علیہ الرحمہ نے بنائی تھیں۔ آپ کے عہد مبارک میں اکثر عمارتیں مکمل اور تیار ہو چکی تھی۔

① مدرسہ کی سب سے پہلی عمارت۔ "صولت النساء بیگم صاحبہ مرحومہ" رئیسہ کلکتہ کی اعانت و مالی امداد سے ۱۲۹۱ھ میں تیار ہوئی اور اس محسن خاتون کے نام سے اس عمارت کو موسوم کیا۔ اس اولین وسیع عمارت میں پانچ بڑے کمرے اور تین چھوٹے کمرے وسیع صحن اور دیگر ضروریات تھیں۔

② دارالاقامہ (بورڈنگ) دوسری مستقل عمارت جو صوبہ بہار کے ایک عالی ہمت رئیس میر واجد حسین صاحب مرحوم رئیس پٹنہ کی یادگار ہے' اس عمارت کی ابتداء ۱۳۹۳ھ میں ہوئی' اس میں پچاس طلبہ کے رہنے اور قیام کی گنجائش ہے' جس کا کسی سے کوئی معاوضہ وغیرہ نہیں لیا جاتا۔

③ مسجد مدرسہ۔ مدرسہ کی مسجد تاریخی حیثیت کے علاوہ ہندوستانی طرز تعمیر کا واحد نمونہ ہے۔ صحن حرم میں زمزم کے قریب "سلطانی کتب خانہ" کی عمارت تھی۔ صحن حرم میں اس عمارت کی وجہ سے نماز کے اوقات میں حجاج کو خاص طور پر تکلیف اور زحمت ہوتی تھی' حجاز کے گورنر عثمان نوری پاشا نے وزارت اوقاف قسطنطنیہ کو اس طرف توجہ دلائی کہ کتب خانہ کی عمارت اگر صحن حرم سے اٹھا دی جائے تو زائرین اور

Marfat.com

حجاج کی آسانی اور سہولت کا باعث ہوگا۔

یہ درخواست سلطان عبدالحمید خان مرحوم کے حضور میں منظور ہوئی۔ چنانچہ کتابیں اور عمارت کا تمام سامان مسجد حرام سے متصل ایک ملحقہ عمارت میں منتقل کیا گیا اور کتب خانہ کی عمارت گرادی گئی۔ منہدم عمارت کا سامان وغیرہ کے نیلام کا اعلان ہوا' اس خبر کو سن کر حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب رحمتہ بے چین ہوئے کہ جو پتھر اور سامان عمارت جوار کعبہ اور صحن حرم میں رہا ہو' نیلام کے بعد نہ معلوم کس جگہ اور کس مقام پر خریدنے والے استعمال کریں۔ مولانا نے عثمان نوری پاشا گورنر حجاز سے کہا کہ اس سامان سے مدرسہ صولتیہ کی مسجد بنوا دی جائے' جس کی ضرورت بھی ہے۔ موصوف نے اس سے اتفاق کیا اور ملبہ کی قیمت پندرہ سو روپیہ طے ہوئی' اور ملبہ صحن حرم سے مدرسہ میں منتقل ہوا۔

۱۳۰۱ھ میں اس یادگار مسجد کی تعمیر شروع ہوئی' چونکہ مکہ مکرمہ کے معمار گنبد بنانے میں مہارت نہیں رکھتے تھے' اس لئے اس زمانہ میں پانی پت ضلع کرنال ہندوستان کے معمار فریضہ حج ادا کرنے آئے ہوئے تھے' جنہیں اس کام پر لگا دیا گیا' اس طرح ۱۳۰۲ھ میں مسجد کی تعمیر پایہ تکمیل کو پہنچی۔ (ایک مجاہد معمار ص ۵۹،۵۸)

محل وقوع

مدرسہ کی جائے وقوع اور عمارات کے متعلق ناظم اول حضرت مولانا محمد سعید صاحب کیرانوی رحمتہ نے ۱۳۵۷ھ رپورٹ ''ندائے عام'' میں اپنے قلم سے اس طرح شائع فرمائی۔

''مدرسہ صولتیہ کی عالیشان عمارت جس جگہ واقع ہے' اس کا عہد جاہلیت سے قدیم تاریخی نام ''خندریسہ'' ہے۔ پرانی اور تند و تیز شراب کا نام عربی میں خندریس ہے' زمانہ جاہلیت میں یہاں شراب کی بھٹیاں تھیں' اعلیٰ قسم کی دو آتشہ سہ آتشہ' شراب کے متلاشی یہاں پہنچتے' میخانے آباد تھے' اور جھومتے جھامتے مخمور وں

Marfat.com

سے اس آبادی کی رونق تھی۔ لیکن اب الحمد للہ اسی جگہ علوم نبویہ اور معارف الٰہیہ کی وہ آتشہ وسہ آتشہ شراب حقیقت تشنگانِ علم کو پلائی جا رہی ہے' اور اب ہاتھوں میں بجائے ساغر و مینا کے کتاب معرفت اور دفتر حقیقت ہے' جہاں بدمست نظر آتے تھے اب وہاں مہاجرین حرم کے معصوم بچے اور دنیائے اسلام کے شائقین علم درس قرآن وحدیث میں منہمک نظر آتے ہیں۔

مدرسہ کی چاروں عمارتیں مکہ معظمہ میں اسلام کی ان تاریخی یادگاروں کے درمیان واقع ہیں' ایک طرف جبل کعبہ' وہ مقدس پہاڑ ہے' جس کے پتھروں سے سیدنا ابراہیم اور سیدنا اسماعیل علیہم السلام نے کعبہ کی تعمیر فرمائی۔ دوسری طرف جبل عمر واقع ہے۔ جس پر اسلام کے عظیم المرتبت خلیفہ ثانی سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے کے بعد سب سے پہلے توحید خداوندی کی آواز بلند کی۔ اور اپنے مسلمان ہو جانے کا اعلان فرمایا۔ کفرستانِ عالم میں خدائے ذوالجلال کے لئے یہ پہلی آواز حق مکہ کے پہاڑوں میں گونجی تو کفار مکہ کے ایوانوں میں زلزلہ آ گیا۔

مدرسہ کی تیسری عمارت "دارالاقامہ" (بورڈنگ) کے متصل وہ قطعہ زمین ہے' جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے روپیہ سے خرید کر مسلمانوں کے لئے ان کی آخری آرام گاہ قبرستان کے لئے وقف فرمایا تھا' کیونکہ کفار مکہ نے مسلمانوں کو اپنے قبرستانوں میں دفن کرنے کی ممانعت کر دی تھی۔ یہ مبارک قطعۂ اراضی اب تک "مقبرہ شبیکہ" کے نام سے موجود ہے۔ ۱۳۱۰ھ تک اس میں تدفین جاری تھی اور ایک صدی قبل کے اکثر و بیشتر صلحاء و اتقیاء اور اہل مکہ اس قطعہ زمین میں اپنا مدفن ہونے کے متمنی رہتے تھے جو اسلام کے بالکل ابتدائی دور سے اس میں مدفون ہیں"۔ (ماہنامہ الاشرف' جولائی اگست ۱۹۹۱ء ص ۷۰)

Marfat.com

مدرسہ کے اغراض ومقاصد

مولانا مرحوم نے اپنی خداداد دور اندیشی اور حساس دل ودماغ سے مدرسہ کے قیام کے بعد جولائحہ عمل مرتب فرمایا اس میں ان تین اہم اغراض کو مقصد اولیں بنایا ہے۔

① اسلامی دنیا سے مکہ معظمہ میں ہر سال شائقین علوم دینیہ کی ایک جماعت اس جذبہ اور ولولہ کے ساتھ آتی ہے کہ اسلام کے دینی مرکز میں تعلیم حاصل کرے اور اسلامی تہذیب ومعاشرت کا گہرا مطالعہ کرنے کا قریب سے موقع ملے۔ ان آفاقی طلبہ کی تعلیم اور قیام وطعام کا اہتمام اور حتی الامکان ان کی ضروریات کا لحاظ رکھنا مدرسہ کا اہم فرض ہے۔

② مہاجرین حرم (مسلم ممالک سے ہجرت کر کے آئے ہوئے لوگ) کی اولاد کی تعلیم وتربیت کا انتظام کرنا' تاکہ آوارہ گردی جہالت وبداخلاقی کا شکار نہ ہوں' اور تعلیم وتربیت کے ساتھ ان کو شریف پیشے سکھائے جائیں۔ تاکہ گداگری اور فقر وتنگدستی کی معصیت سے ان کو نجات ملے اور خدا کے گھر میں دوسروں کے دست نگر نہ رہیں۔

③ ہندوستان (قدیم) میں قرآن پاک کی صحیح قراءت کی اشاعت اور اس اعتراض کو اٹھانا کہ ہندوستانی حفاظ کلام اللہ کو غلط پڑھتے ہیں۔ مصر وحجاز وغیرہ ممالک اسلامیہ کے قراء اور حفاظ کی ہندوستانیوں پر یہ نکتہ چینی' بیجا نہیں' اس کے ازالہ کے لئے ہر ممکن کوشش کرنا۔ (ایک مجاہد معمار ص ۴۵)

Marfat.com

صولتیہ کے شعبہ جات

مولانا امداد صابری ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۶ء میں مدرسہ صولتیہ کے شعبہ جات کی تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں۔

''مدرسہ کے موجودہ نظام تعلیم میں پانچ مستقل شعبے ہیں' اور نصاب تعلیم کے لحاظ سے مدت تعلیم و تحصیل بارہ سال ہے۔

پہلا شعبہ تحضیری یعنی پرائمری ہے' جس کی مدت تعلیم تین سال ہے۔

دوسرا شعبہ ابتدائی یعنی مڈل' جس کی مدت تعلیم چار سال ہے۔

اس سات سالہ تعلیم کے بعد ایک خاص امتحان میں کامیابی حاصل کرنے والے طلباء کو ''سند ابتدائی'' دی جاتی ہے۔ اس عرصہ میں طالب علم ابتدائی علوم اور عملی فنون حاصل کر کے عملی زندگی میں کارآمد اور مستعد ثابت ہو جاتا ہے۔

تیسرا شعبہ ثانویہ' اس کی مدت تعلیم تین سال ہے۔ اس میں طالب علم دینی علوم و معارف کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرتا ہے۔

چوتھا شعبہ قسم عالی ہے' یہ مدرسہ کی تعلیم کا انتہائی درجہ ہے' اس درجہ میں دو سال تک تکمیل علوم اور خاص امتحان کے بعد سند دی جاتی ہے۔

پانچواں درجہ حفظ و تجوید قرآن ہے' حفظ کلام اللہ کے لئے کوئی خاص مدت مقرر نہیں' عمر اور استعداد کے مطابق بچہ حفظ کر لیتا ہے''۔ (آثار رحمت ص ۳۱۹)

ان شعبہ جات یا موجودہ اصطلاح کے مطابق ان مراحل کی وضاحت کرتے ہوئے الشیخ مسعود سیم التونی ۱۴۰۹ھ لکھتے ہیں کہ جب ہم صولتیہ کی تدریسی خدمات ۱۲۹۲ھ سے ۱۳۲۵ھ تک پہ نظیر ڈالتے ہیں۔ تو مدرسہ میں جامع ازہر مصر اور ہند کے مدارس کی طرز پر تعلیم کا نظام نظر آتا ہے' جس کا تعلیمی نصاب چار مراحل پر مشتمل ہے۔

Marfat.com

المرحلة الاولیٰ:

اس کی مدت تعلیم دو یا تین سال ہے۔

اس میں ناظرہ قرآن مجید' خوشخطی اور املاء' القرآۃ العربیۃ' فقہ' حساب' صرف اور نحو کی تعلیم دی جاتی ہے۔

المرحلة الثانیه:

اس مرحلہ کی مدت تعلیم تین یا چار سال ہے' اور حسب ذیل علوم وفنون کی تعلیم دی جاتی ہے:

فقہ میں قدوری اور کنز الدقائق' اصول فقہ میں اصول شاشی اور حسامی' علم النحو میں الاجرومیہ اور کافیۃ' علم الصرف میں البناء اور المقصود' علم البلاغہ میں حفظ تعاریف اور مبادی' مبادی منطق میں الیاغوجی اور شرح قال اقول' حساب اور خط یعنی رقعہ اور نسخ۔

المرحلة الثالثه:

اس مرحلہ میں مدت تعلیم تین سال ہے' اور یہ کتابیں پڑھائی جاتی ہیں' تفسیر جلالین' الوقایۃ' مشکوۃ المصابیح' نور الانوار' ملا جامی' مختصر المعانی' تہذیب اور شرح تہذیب' ہدیۃ السعیدیہ' نفحۃ الیمین' کلیلہ اور دمنہ' نخبۃ الفکر' تاریخ الخلفاء سیوطی اور سراجیہ۔

المرحلة النهائیه:

یہ سب سے اعلیٰ اور آخری مرحلہ ہے' جس کی مدت تعلیم تین سال ہے' اور حسب ذیل علوم کی تکمیل کرائی جاتی ہے

تفسیر میں بیضاوی اور مدارک التنزیل' اصول فقہ میں التوضیح والتلویح' حدیث میں موطا امام مالک' ترمذی' صحیح بخاری اور صحیح مسلم' فقہ میں ہدایہ' علم المنطق میں ملا حسن' فلسفہ میں میبذی' علم الفلکیات میں شرح چغمینی اور تشریح الافلاک' علم مناظرہ میں رشیدیہ' تاریخ میں مقدمہ ابن خلدون' علم الادب میں مقامات حریری' دیوان متنبی اور حماسہ۔ (المنهل شمارہ ربیع الثانی' جمادی الاول ۱۴۰۹ھ نومبر دسمبر ۱۹۸۹ء)

Marfat.com

ٹیکنیکل اسکول

مجاہد کبیر حضرت مولانا رحمت اللہ بردا اللہ مراہ نے مدرسہ صولتیہ کے قیام اور اس میں دینی علوم کی تدریس کے علاوہ ایک ٹیکنیکل اسکول بھی قائم فرمایا' جس میں مہاجرین (یعنی غیر ملکی) اور اہل عرب کے بچوں کی تعلیم و تربیت کے انتظام کے ساتھ انہیں صنعت و حرفت اور دستکاری کی تعلیم دی جاتی تھی' تاکہ اگر اہل حجاز اور مہاجرین اولاد کو ضروری ابتدائی تعلیم کے بعد مزید پڑھنے کا موقع نہ ملے' تو وہ باعزت معاش حاصل کر سکے۔ (مقدمہ بائبل سے قرآن تک ص ۲۰۴)

۱۹۷۴ء سے قبل تک حسب ذیل شعبہ جات پائے جاتے تھے' جن میں مندرجہ ذیل اساتذہ اور شیوخ تعلیمی اور فنی خدمات انجام دے رہے تھے۔

شعبہ عالی و ثانوی:

اس شعبہ کے اساتذہ کے اسماء گرامی (۱) شیخ زکریا بیلا' نگران شعبہ (۲) علامہ شیخ عمر حمدان (۳) شیخ حسن مشاط (۴) سید ابوبکر البار (۵) مولانا محی الدین بخاری (۶) مولانا ابراہیم ابوالفضل (۷) شیخ علی بکر (۸) شیخ عبداللہ فدا۔

مدرسہ ابتدائی:

اساتذہ کرام (۱) شیخ داؤد رمانی' نگران شعبہ (۲) شیخ مصطفیٰ عطار (۳) شیخ عبدالعزیز رباطی (۴) شیخ احمد خلاقی (۵) شیخ احمد عثمان ملیبان (۶) سید محمد ناصف مراکشی۔

مدرسہ تحضیری:

اساتذہ کرام (۱) شیخ محمد حسین مشاط' نگران شعبہ (۲) شیخ عبداللہ خوجہ (۳) سید ہاشم شطا (۴) شیخ امین نیاز (۵) شیخ اسماعیل عبداللطیف۔

Marfat.com

شعبہ زراعت:

(۱) شیخ عبدالقیوم خان۔ نگران شعبہ۔ (۲) دلاور خان رامپوری۔ (۳) محمد سندھی۔

شعبہ صنعت:

(۱) ماسٹر محمد صدیق معلم خیاطی (۲) شیخ محمد علی بخاری' معلم فنون جمیلہ (۳) شیخ احمد جنیدی' معلم جلد یہ (۴) حاجی مشتاق احمد بخاری' پارچہ بانی۔

دارالشفا:

(۱) مولانا حکیم محمد یامین' نگران (۲) حکیم حافظ محمد نعیم (۳) محمد امین دواساز۔

مدرسہ دارالقائزین:

(۱) شیخ فتح اللہ' نگران (۲) شیخ محمود (۳) سید حسن جعفری (۴) شیخ عبداللہ فارسی۔

شعبہ حفاظ و تجوید:

(۱) قاری محمد رضا' نگران شعبہ (۲) حافظ رشید احمد صدیقی (۳) حافظ محمود بخاری۔

شعبہ تعلیم بنات:

(۱) خدیجہ صیرفیہ' نگران (۲) فاطمہ قاریہ (۳) خدیجہ قاریہ۔

(آثار رحمت ص ۳۲۵ تا ۳۲۷)

مدرسہ صولتیہ کی مذکورہ بالا کیفیات اور شعبہ جات ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۹۶۶ء کی بیان کی گئی ہیں' بعد ازاں جو ترقی ہوئی اس کی تفصیلات پیش کی جاتی ہیں۔ ۱۴۱۰ھ/۱۹۸۹ء میں حسب ذیل علوم و فنون کی تعلیم سے طلباء کو بہرہ یاب کیا جا رہا تھا۔

علوم و فنون:

قرآن شریف' بمعہ تجوید اور حفظ' علم تفسیر قرآن' حدیث' توحید و عقائد' فقہ حنفی' فقہ شافعی' اصول حدیث' اصول فقہ' فرائض و مواریث' اخلاقیات' تاریخ اسلامی' معانی و بیان' البدیع' ادب' منطق' حکمۃ' الہیئۃ' المیقات' الجبر والمقابلۃ' المساحۃ' حساب' ہندسۃ' عروض و قوافی' صرف' نحو' خوش خطی والاملاء۔ (المستحل ص ۱۶۱ مطابق نومبر دسمبر ۱۹۸۹ء)

Marfat.com

مشاہیر فضلاء

مدرسہ صولتیہ سے فارغ ہونے والے فضلاء کی تعداد بہت زیادہ ہے' جن کا احاطہ ممکن نہیں۔ بعض مشاہیر فضلاء کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں'

الشیخ عبداللہ سراج مفتی' الشیخ احمد الدین چکوالی بانی مدرسہ مظہر العلوم کراچی۔

شیخ احمد ابوالخیر مرداد' مدرس مسجد الحرام۔ شیخ امین محمد مراد' مدرس' امام و خطیب مسجد الحرام شیخ اسعد احمد دھان' مدرس مسجد الحرام۔ شیخ احمد علی حسن الجواد' شیخ احمد ابوالخیر العطار' شیخ بدر الاسلام الکیرانوی' شیخ حسن عبدالقادر طیب مدرس مسجد الحرام' سید حسن صدقہ دحلان' مدرس مسجد الحرام' شیخ درویش عجیمی' مدرس مسجد الحرام' شیخ شرف الحق صدیقی' شیخ شہاب الدین عثمانی کیرانوی' شیخ ضیاء الدین عبدالوہاب مدراسی' شیخ عبدالرحمن احمد مدرس مسجد الحرام شیخ عبدالاول' سید عبداللہ محمد صالح الزواوی' مدرس مسجد الحرام' سید عابد حسین مالکی مدرس مسجد الحرام۔ شیخ عبداللہ احمد ابوالخیر مدرس مسجد الحرام' شیخ عبدالرحمن حسن العجیمی مدرس مسجد الحرام' شیخ عبداللہ العمری مدرس مسجد الحرام' شیخ عبدالحمید بخش فلکی مدرس مسجد الحرام' شیخ عبداللہ محمد الغازی مدرس مسجد الحرام' شیخ الستار دہلوی مدرس مسجد الحرام' شیخ عبدالرحمن بخش مدرس مسجد الحرام' شیخ عبدالخالق محمد حسین بنگالی مدرس مسجد الحرام' شیخ عبداللہ قاری' مدرس مسجد الحرام' شیخ عبدالرحمن الہ آبادی' شیخ عبدالسمیع رامپوری' شیخ عبدالوہاب مدراسی' شیخ عبدالقادر فوتیر مدرس مسجد الحرام' شیخ عبداللہ صدقہ زینی دحلان مدرس مسجد الحرام' شیخ عبدالحق قاری مدرس مسجد الحرام' شیخ محمد حامد جداوی مدرس مسجد الحرام' شیخ محمد سعید ابوالخیر مرداد مدرس مسجد الحرام' شیخ محمد حسین حیاط مدرس مسجد الحرام' شیخ محمد اسماعیل نواب' مشہور طبیب اور شاعر تھے۔ شیخ محمد علی سلیمان مرداد۔ شیخ محمد صالح میمنی' شیخ محمد علی زین العابدین' مدرس مسجد الحرام۔ شیخ محمد علی صدیق کمال مدرس مسجد الحرام۔ شیخ محمد ہاشم اشعری بانی جمعیۃ نہضۃ العلماء انڈونیشیا' شیخ محمد صالح صدیق کمال مدرس مسجد الحرام' شیخ محمد سلیمان حسب اللہ مدرس مسجد الحرام' شیخ ابوالخیر فاروقی ہندی' شیخ محمد علی بانی دارالعلوم ندوۃ العلماء ہند۔ (مشعل' نومبر دسمبر ۱۹۸۹ء ص ۱۶۳ تا ۱۶۴)

Marfat.com

صولتیہ زعماء عرب کی نظر میں

مدرسہ صولتیہ کی عظیم الشان علمی خدمات کے باعث علمی حلقوں میں اس کی پذیرائی بعض عرب زعماء کے بیانات سے آشکارا ہے۔

مکہ مکرمہ کا ماہنامہ "المنہل" میں ہے۔

شیخ محمد رحمت اللہ بانی مدرسہ صولتیہ ۱۲۷۴ھ کو مکہ مکرمہ آئے۔ انہیں مسجد الحرام میں درس دینے کی اجازت حاصل ہو گئی' انہوں نے دیکھا کہ اس مقدس شہر میں کوئی باقاعدہ مدرسہ نہیں ہے' بنا بریں رجب ۱۲۸۵ھ میں ذاتی مصارف سے مسجد حرام میں مدرسہ کی ابتدا فرمائی' لیکن جس طرح ہند کے مدارس میں اور جامع الازہر وغیرہ تعلیم کا نظم و ضبط اور معیار ہے' وہ حرم کے مدرسہ کو حاصل نہ ہو سکا۔ اس لئے ہندی مہاجرین جو مکہ معظمہ میں مقیم تھے اور بعض صاحب ثروت ہندی حضرات کے تعاون سے حرم سے باہر مدرسہ قائم کر لیا۔ پھر صولت النساء بیگم کی معاونت سے موجود مدرسہ معرض وجود میں آیا' جو بقول استاذ عبداللہ بغدادی کے مکہ مکرمہ بلکہ سعودی عرب میں پہلا باقاعدہ مدرسہ ہے۔

اور استاذ محمد محمود کا ارشاد ہے کہ جزیرۃ العرب میں یہ پہلا مستقل مدرسہ ہے' کیونکہ اس میں تمام علوم اسلامیہ پڑھائے جاتے ہیں۔ لہٰذا مدرسہ صولتیہ سے پہلے اور اس کے قائم ہونے کے بعد بھی ایسا کوئی مدرسہ نہیں تھا جس میں قرآن و حدیث کے جملہ علوم پڑھانے کا اہتمام ہو۔ (رجال مکہ ج ۴ ص ۱۵۱)

خلافت عثمانیہ کا آخری امیر مکہ الشریف الحسین بن علی الہاشمی کو صولتیہ کے بانی و مؤسس حضرت اقدس مولانا رحمت اللہ کیرانوی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ امیر موصوف کا قول تھا "انها مدرسة استاذی". (رجال مکہ ج ۴ ص ۱۸۰)

ملک عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن بن فیصل بن ترکی المتوفی ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۳ء نے ۲۸/ جمادی الاخرہ ۱۳۴۴ھ کو اعیان مملکت کی معیت میں مدرسہ صولتیہ کا دورہ کیا' اس موقعہ پر انہوں نے فرمایا'

Marfat.com

ان الصولتیۃ ھی الجامع الازھر فی بلادی۔

"مدرسہ صولتیہ سعودی عرب کا جامع الازہر ہے"۔(رجال مکہ ج ۴ ص ۱۵۹،۱۹۰)

شاہ موصوف نے ایک سو پچاس جنی کی خطیر رقم ہدیہ میں پیش کی' لیکن مدرسہ کے مہتمم الشیخ محمد سعید نے مدرسہ کی سابقہ روایات کے مطابق یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ "ملوک وسلاطین کے ہدایا قبول کرنا ہمارے اکابر کی شانِ استغناء کے خلاف ہے"۔

شیخ بغدادی فرماتے ہیں

المدرسۃ الصولتیۃ او المدارس الاھلیۃ بمکۃ بل و فی المملکۃ (رجال مکہ ج ٤ ص ١٤٩)

الاستاذ محمد مسعود فرماتے ہیں

ان المدرسۃ الصولتیۃ ھی اول مدرسۃ نظامیۃ علی الاطلاق و بالاتفاق فی الجزیرۃ العربیۃ (رجال مکہ ج ٤ ص ١٥١)

الشیخ مسعود سلیم فرماتے ہیں

المدرسۃ الصولتیۃ ھی اوّل مدرسۃ تاسست لیس فی مکۃ المکرمۃ فحسب بل فی الجزیرۃ العربیۃ بحذا لھا و ذلک فی عام ١٢٩٢ھ (المنھل نومبر دسمبر ١٩٨٩ء ص ١٥٢)

سعودی عرب کے ایک نامور مورخ اور ممتاز صحافی اپنی مشہور کتاب "من تاریخنا" میں سعودی صحافت کا تذکرہ کرتے ہوئے اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں "۱۸۷۳ء سے قبل سعودی عرب میں کوئی دینی مدرسہ نہیں تھا' اگر اس زمانہ میں ہمارے ملک کی صحافت اس قدر ابتدائی حالت میں بلکہ نہ ہونے کے برابر بھی جائے' تو اس پر تعجب نہیں کیا جا سکتا' کیونکہ جب ملک میں مدارس ناپید ہوں تو صحافت کا کیا ذکر کیا جا سکتا ہے' صرف ایک سرکاری ابتدائی مدرسہ پایا جاتا تھا' جس میں طلبا صرف ابتدائی معلومات ترکی زبان میں حاصل کرتے تھے۔ البتہ اس دور میں بھی باقاعدہ عوامی دینی مدرسہ صرف مدرسہ صولتیہ ہی تھا"۔(آثار رحمت ص ۳۳۳)

Marfat.com

صولتیہ کے مہتمم

مولانا محمد سعید رحمہ اللہ، مہتمم اوّل

حضرت اقدس مولانا رحمت اللہ کیرانوی اولاد کی نعمت سے محروم تھے' ان کے بڑے بھائی مولانا حکیم علی اکبر کے فرزند ارجمند مولانا محمد صدیق کے ہاں ۱۲۸۶ھ میں مولانا محمد سعید کی ولادت باسعادت ہوئی' جبکہ مولانا محمد صدیق بمقام ''مستقل'' کیرانہ' مظفر نگر بنگال (یو پی) میں اقامت پذیر تھے۔ مولانا محمد صدیق انبالہ میں سررشتہ دار تھے' مکان کے قریب ایک مشن سکول تھا' جس میں ان کے دوست منشی نہال الدین فارسی کے مدرس تھے۔ اس تعلق کی بنا پر لڑکے کو مشن اسکول میں داخل کرا دیا۔ جب مولانا رحمت اللہ کیرانوی قدس سرہٗ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہیں سخت افسوس ہوا کہ جن استعماری قوتوں کے خلاف جہاد کرتے میری زندگی گزری' جن کی اسلام دشمن ریشہ دوانیوں کے خلاف میں نے قلمی جہاد کیا' جن کے اہل علم کو میں نے شکست فاش دی' جس کی پاداش میں مجھے وطن عزیز چھوڑ کر حجاز مقدس میں اقامت اختیار کرنا پڑی' ان ملحدوں کے اسکول میں میرے بھائی کا بیٹا تعلیم حاصل کرے؟ حضرت اقدس نے رنج و ملال کا اظہار فرمایا اور سختی کے ساتھ لکھا کہ ''محمد سعید کو مشن اسکول سے نکال کر فوراً مکہ معظمہ بھیج دیا جائے''۔

والد ماجد اپنے لخت جگر کو اس قدر دور بھیجنے میں متردد تھے' لیکن والدہ مکرمہ اپنے نور نظر کو اس مقدس مقام کی عظمت پر قربان کرنے پر آمادہ تھیں' لیکن طویل ترین اور جاں گداز بحری سفر کے لئے کوئی معتمد رفیق سفر نہ تھا' بالآخر اللہ کے بھروسہ پر اپنے چچا شیخ بدرالاسلام بن محمد جمیل کے ہمراہ محمد سعید مکہ معظمہ کے لئے روانہ ہوئے' بارہ سال کا یہ کمسن' نوخیز بچہ ۱۳۰۱ھ میں مکہ مکرمہ پہنچ گیا۔

Marfat.com

حضرت مولانا رحمت اللہ قدس سرہ نے ان کی تعلیم و تربیت خود فرمائی' اردو فارسی کی رائج الوقت کتابیں اور درس نظامی کی آخری کتابیں خود پڑھائیں۔ آغاز شعور ہی سے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی تمام ڈاک اور خطوط کا نظم و نسق مولانا محمد سعید کے سپرد تھا' اسی کے ساتھ تعلیم و تدریس اور حضرت مولانا کی ہدایات کے مطابق مدرسہ کا انتظام اور تقریباً تمام ہی کاموں کی نگرانی اور دیکھ بھال انہی کے ذمہ تھی۔

۲۲ رمضان المبارک ۱۳۰۸ھ بروز جمعہ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے اس عالم فانی سے رحلت فرمانے کے بعد مولانا محمد سعید کیرانوی حضرت کے جانشین' مدرسہ کے ناظم و مہتمم اور شرعی متولی مقرر کیے گئے' پھر اس مرد مجاہد نے اپنے ۴۸ سالہ دور سعادت میں خدمت کا حق ادا کر دیا' ان کی تعلیمی و تدریسی و انتظامی قابلیت کے پائندہ نقوش و آثار اب تک جاری و ساری ہیں۔ آپ نے اپنی خداداد بصیرت سے مدرسہ کا جو نصاب تعلیم اب سے پون صدی قبل مرتب فرمایا' وہ ایسا بابرکت اور ذود اثر نظام تعلیم تھا' جس نے مدرسہ صولتیہ کی علمی عظمتوں کو بام عروج تک پہنچا دیا۔

آپ نے ہندوستان سے جید اور جلیل القدر علماء کو بلا کر مدرسہ میں درس و تدریس کی مسند کو زینت بخشی' اس دور میں حجاز مقدس کی علمی دنیا' علماء اور طلبہ منطق' فلسفہ' ہیئت' اقلیدس جیسے علوم سے بالکل دور تھے' اگرچہ منطق کی تدریس کا آغاز اور فلسفہ کی تعلیم و تدریس کی ابتداء' حضرت مولانا رحمت اللہ قدس سرہ کے زمانہ میں ہو چکی تھی' مولانا محمد سعید کے عہد نظامت میں اسے عروج حاصل ہوا' پھر جو طلبا فارغ التحصیل ہو کر نکلے خاص طور پر حرمین شریفین کی علمی و تدریسی دنیا میں انہوں نے ممتاز اور بلند مقام پایا۔ ان کے زریں کارناموں اور قابل ستائش تذکروں سے حرمین کی علمی تاریخ معمور ہے۔ مکہ مکرمہ کی تاریخ نگار' تمام اصحاب قلم اور نامور مورخین نے اپنی تصانیف اور کتابوں میں مستقل ابواب مخصوص کر کے ان علماء کی عظمت شان اور

Marfat.com

رفعت علمی کو اجاگر کیا ہے۔ مولفہ نے رجال علم و تدریس کی جو جماعت تیار کی' اس نے علمی تاریخ کی پر شکوہ عمارت کی خشت اول رکھی ہے۔ مولانا محمد سعید اردو' فارسی عربی کی بے حد اعلیٰ و عمیق قابلیت کے حامل تھے۔ ان کے قلم سے تحریر شدہ مدرسہ کی روئدادیں اپنی انفرادیت اور زبان و ادب کی ندرت کی بناء پر حضرت مولانا محمد علی جوہر' خواجہ حسن نظامی' مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی' مولانا عبدالماجد دریا آبادی اور مولانا ظفر علی خان جیسے اکابرین ملت سے داد تحسین وصول کرتیں۔

موصوف کی زندگی کا عظیم الشان کارنامہ مدرسہ کی تین منزلہ شاندار عمارت ہے' جس میں تقریباً پون صدی سے تمام تعلیمی و تدریسی خدمات انجام دی جا رہی تھیں۔ یہ عمارت اس دور اور ان نامساعد حالات میں تعمیر کرنا اسی مرد مجاہد کا کارنامہ تھا۔ جبکہ حجاز مقدس میں مالی وسائل کا فقدان تھا' اس عمارت کا آغاز ماہ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ میں ہوا' اور تکمیل ۱۳۴۸ھ میں ہوئی۔ حجاز مقدس کے مالی و معاشی حالات ناسازگار ہونے کے باعث آپ نے ۱۳۴۶ھ میں ہند کا سفر اختیار کیا' احباب کے مشورہ سے تاجدار دکن' سلطان العلوم میر عثمان علی سے ملاقات اور تکمیل عمارت کے لئے توجہ فرمائی کا فیصلہ ہوا۔ تقریباً چار ماہ حیدر آباد دکن میں طویل قیام رہا' جن مخیّر' دردمند حضرات کا تعاون اس کار خیر میں شروع سے آخر تک ممد و معاون رہا' ان میں سر فہرست عالی جناب نواب سر راس محمد مسعود اور عالی مرتبت الحاج نواب حبیب الرحمٰن خان شیروانی کا نام نامی اسم گرامی ہے۔

مسلسل چار ماہ کی صبر آزما محنت اور تگ و دو سے ریاست حیدر آباد سے پچیس ہزار روپیہ کی خطیر و گرانقدر مالی امداد حاصل ہوئی۔ یہ پیش بہا عطیہ رحمت ایزدی کا مصداق ثابت ہوا' جس سے پندرہ سالہ زیر تکمیل سہ منزلہ عمارت کی تکمیل ہو کر تدریسی' علمی و تعلیمی مشاغل اس میں جاری ہوئے۔

مکہ مکرمہ میں آپ کی ذات والا صفات مرجع خلائق تھی۔ یہاں کی سماجی اور معاشی زندگی میں آپ نے جو خاموش کام کیا اس کی فہرست بے حد طویل ہے۔

Marfat.com

مکہ معظمہ میں سب سے پہلا سرکاری ڈاک خانہ ترکی عہد حکومت میں آپ کی مساعی جمیلہ سے قائم ہوا۔ نہر زبیدہ کے نظم ونسق کے تقریباً پندرہ سال صدر رہے۔ پورے شہر مکہ میں' خاص طور پر ایام حج میں آب رسانی کے لئے آپ نے جس حسن تدبر سے پانی کا نظم چلایا وہ اپنی مثال آپ تھا۔ مہینہ میں ایک بار گھوڑے یا اونٹ پر سوار ہو کر متعلقہ عملہ کے ساتھ نہر کے چشموں' نالیوں اور زمین دوز آبی ذخیروں کے معائنہ اور نگرانی کے لئے مکہ مکرمہ کے اطراف اور میدان عرفات سے بھی آگے وادی نعمان تشریف لے جاتے' دھوپ اور گرمی میں بھی گھوڑے یا اونٹ پر کئی کئی گھنٹے کئی کئی میل ریت' صحرا اور پہاڑوں میں آب رسانی کے کاموں کی نگرانی' دیکھ بھال' چشموں اور نالیوں کی صفائی وغیرہ کراتے۔

آپ نے انتہائی نامساعد و ناسازگار حالات میں تقریباً پچاس سال مدرسہ صولتیہ کو محض اللہ کی توفیق وتائید سے چلایا۔

عثمانی خلیفہ سلطان عبدالحمید خان کو ان کے ساتھ بھی مولانا رحمت اللہ قدس سرہ ہی کی طرح عقیدت اور محبت تھی' سلطان نے انہیں بطور خاص شاہی مہمان کی حیثیت سے قسطنطنیہ مدعو فرمایا' اور شاہی اعزاز ''تمغہ مجیدی'' سے نوازا۔ مولانا محمد سعیدؒ کو جس طرح حضرت اقدس حاجی امداد اللہ کے ساتھ عقیدت تھی' حضرت اقدس کو بھی خصوصی شفقت اور توجہ تھی' اسی بنا پر حضرت نے از خود بیعت فرما لیا تھا۔

مدرسہ ہی کی ضروریات کی فراہمی کے سلسلہ میں اپنے وطن کیرانہ (یوپی) گئے ہوئے تھے کہ ۷/ ذیقعدہ ۱۳۵۸ھ کو چند روز کی مختصر علالت کے بعد میرٹھ میں واصل باللہ ہو گئے اور کیرانہ میں یہ مقدس امانت اپنی ابدی آرام گاہ میں آسودہ خواب ہوگئی۔ (رجال من مکہ ج ۳ ص ۱۳۷ تا ۱۵۵۔ ماہنامہ الاشرف' جولائی اگست ۱۹۹۱ء ص ۳۵ تا ۳۸)

مولانا محمد سلیمؒ مہتمم ثانی

حضرت مولانا محمد سلیمؒ ولد مولانا محمد سعیدؒ ۲/ صفر ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۲/ اپریل

Marfat.com

۱۹۰۵ء میں مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ ان کی تعلیم ابتدا تا انتہا مدرسہ صولتیہ میں ہوئی اور ۱۳۲۲ھ میں تکمیل تعلیم ہوئی۔ اور اپنے والد گرامی قدر کی ظل عاطفت میں مدرسہ میں تدریسی و انتظامی خدمات انجام دینے لگے۔ ۱۳۴۴ھ میں اپنے والد ماجد کے ساتھ ہندوستان تشریف لے جانے کے بعد واپسی پر ۱۳۴۶ھ میں بحیثیت نائب ناظم مدرسہ کی خدمت کا بارگراں اٹھایا۔ خداداد بصیرت اور تعلیمی و تدریسی مہارت کی بناپر تعلیم کو چار مستقل شعبوں پر تقسیم کیا اور ایسا مناسب' جامع اور معقول نصاب تعلیم مرتب و نافذ کیا' جس پر تمام بلاد اسلامیہ و عربیہ کے تعلیمی اداروں نے زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ مدرسہ کی تعلیمی اسناد اور اس کے فارغ التحصیل فضلا کی ہر جگہ پذیرائی ہوئی' اب سے پچاس سال قبل یہ ایک ایسا قابل ستائش اقدام تھا جس سے مدرسہ صولتیہ بین الاقوامی شہرت کا حامل بن گیا اور ہر چہار سو سے طلبہ جوق در جوق آنے لگے۔ (رجال من مکہ ج ۳ ۲۰۰، حدیث قم)

۱۹۳۹ء میں مولانا محمد سعیدؒ کے سانحۂ ارتحال کے بعد جب مدرسہ کی نظامت کا بارگراں مولانا محمد سلیم کے نحیف کندھوں پر ڈالا گیا تو اس وقت دنیا دوسری عالمگیر جنگ کے مہیب شعلوں کی لپیٹ میں تھی۔ راستے بند اور قوانین سخت تھے۔ حجاز مقدس کی سرزمین ابھی تک پٹرول کی ''نعمت اور برکتوں'' سے ناآشنا تھی۔ ملک بارانی زمین کی مانند تھا۔ جس کے بادل ''حجاج کرام'' تھے۔ جبکہ ۴۱-۱۹۴۲ء دو سال متحدہ ہندوستان کے حجاج کو حکومت برطانیہ نے حج کی سعادت سے محروم رکھا' حجاز میں گرانی آسمان سے باتیں کر رہی تھی۔ مدرسہ صولتیہ روز اوّل ہی سے مسلمانان برصغیر کی امداد و اعانت سے قائم تھا' ایسے نامساعد حالات میں مدرسہ موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا رہا' اس صبر آزما اور انتہائی کٹھن حالت میں بزرگوں کی اس امانت کا تحفظ جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ مدرسہ کے عملہ کے چالیس افراد کمر توڑ گرانی سے سراسیمہ ہو کر امید و یاس کی حالت میں عالم اسباب میں اپنے ناظم کی طرف دیکھ رہے تھے۔

Marfat.com

مولانا محمد سلیمؒ کے عزم و استقلال کی یہ جاں لیوا آزمائش تھی' ناموافق حالات کسی خوارقِ عادت کرشمہ کے اظہار کے متقاضی تھے۔ مولانا نے کمر ہمت باندھی' درِ کعبہ پر سجدہ ریز ہوئے' اور خطرات کے بحرِ طلاطم میں اپنی جان ڈال کر ہندوستان کا سفر اختیار کیا' اور قابلِ رشک عزم و ہمت کے ساتھ ۱۹۳۹ء میں "صدر دفتر" کے نام سے دہلی میں امدادی مرکز قائم کیا۔ جو جلد ہی مسرت و کامرانی کی خوش آیند منزل ثابت ہوا۔ ایک سال بعد مدرسہ کے اغراض و مقاصد کی تشہیر کے لئے ماہنامہ "ندائے حرم" کا اجرا ہوا۔ جس نے اپنے بلند معیار' معتدل روش اور وقیع مضامین کی بنا پر تھوڑے ہی عرصہ میں ہندوستان کے علمی' دینی اور ادبی حلقوں میں اپنا مقام پیدا کر لیا۔ مولانا کا یہ جرأت مندانہ اقدام اور صدر دفتر دہلی کا قیام مدرسہ کے بقائے حیات کا موجب ثابت ہوا۔ ۱۹۴۷ء کے انسانیت سوز انقلاب اور دہلی کے قتلِ عام میں یہ دفتر بھی تباہ و برباد ہو گیا' جو بعد میں حافظ ضیاء الدین احمد عثمانی کی مساعی سے کراچی منتقل ہوا۔ لیکن چند سال تک خدمات انجام دینے کے بعد بوجوہ اپنا دائرہ عمل محدود کرنا پڑا۔

جس سال متحدہ برٹش انڈیا دو مستقل حکومتوں یا ملکوں (پاک و ہند) کی صورت میں تقسیم ہوا۔ اس سال مدرسہ صولتیہ کی تعلیمی' انتظامی اور صنعتی شعبوں کی تعداد ۱۸' طلبہ کی تعداد ۸۰۰' اور عملہ ۶۸ افراد پر مشتمل تھا۔ تقسیم ملک کے بعد جو حوصلہ شکن حالات کا دور دورہ رہا' مدرسہ مصائب و آلام اور مسلسل پریشانیوں کی آماجگاہ بنا رہا۔

حضرت مولانا کی ذات زمانہ کے خلاف اسلامی روایات' مشرقی اقدار' اخلاق و محبت' علم و عمل اور خدمت خلق کا ایک چشمہ تھی' جس سے ہر کس و ناکس فائدہ اٹھاتا تھا' تبلیغی اجتماعات اور جماعتوں کا نظم معلوم کرتے یا تذکرہ سنتے تو پھر ان کے قلبی و روحانی سوز و درد اور طویل دعاؤں کی انتہا ہو جاتی۔ تبلیغی اجتماع کے موقع پر اجتماع کی کامیابی اور حفاظت کے لئے ختم قرآن و سورۂ یٰسین کی تلاوت کا نظم

Marfat.com

فرماتے۔ بالآخر ۵۲ سالہ خدمات جلیلہ کی انجام دہی کے بعد حضرت مولانا محمد سلیمؒ ناظم و مہتمم مدرسہ صولتیہ ۲ر شعبان المعظم ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۸ر جولائی ۱۹۷۷ء بروز دوشنبہ پچہتر سال کی عمر میں اس عالم فانی سے رحلت فرما گئے۔ (حدیث غم)

مہتمم ثالث

حضرت مولانا محمد مسعود شمیم اپنے والد گرامی قدر مولانا محمد سلیم کے وصال کے بعد مدرسہ صولتیہ کے مہتمم مقرر ہوئے۔ موصوف ۵ر صفر ۱۳۴۹ھ مطابق ۲ر جولائی ۱۹۳۰ء بمقام کیرانہ ضلع مظفر نگر انڈیا میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے جد امجد مولانا محمد سعید مہتمم اوّل مدرسہ صولتیہ سے اور تکمیل اپنے والد ماجد مولانا محمد سلیم سے کی۔ موصوف عربی، فارسی اور اردو میں بہت پاکیزہ اور اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ وسیع المشرب، معاملہ فہم ذہین اور طباع شخصیت کے مالک تھے۔

مدرسہ صولتیہ کو اس نہج پر باقی رکھا جو ان کے والد ماجد، جد امجد اور مؤسس حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمہم اللہ نے قائم کیا تھا۔ جب سعودی حکومت کی جانب سے رابطہ اسلامی، دارالافتاء، بنک التنمیہ اور ندوۃ الشباب العالمی کے ذریعہ ہزاروں جماعتوں، مدرسوں اور انجمنوں کو امداد مل رہی تھی۔ جس کے بل بوتے پر بہت سے مدرسے "دارالعلوم" اور کتنے ہی دارالعلوم "جامعہ" کی صورت میں ترقی کر چکے تھے، مگر اسی ملک کے قلب میں واقع مدرسہ صولتیہ اپنی سابق روایات کو برقرار رکھتے ہوئے اہل خیر کے چندوں ہی سے چلتا رہا۔

پھر جب صولتیہ کے فضلاء اور سکالر اعلیٰ علوم وفنون کے باعث حکومت کے بڑے بڑے مناصب پر فائز ہوئے تو انہوں نے اپنے مادر علمی مدرسہ صولتیہ کی سالانہ مالی امداد جاری کرائی، لیکن مولانا محمد سلیم نے بڑے سلیقہ اور خوش اسلوبی سے ٹال دیا۔ مولانا شمیم صاحب بھی اپنے زمانہ نظامت میں اگر چاہتے تو مکہ مکرمہ کی کسی نئی آبادی میں وسیع عریض قطعہ اراضی حاصل کر کے سو ڈیڑھ سو کمروں پر مشتمل

Marfat.com

''جامعہ حرم'' بنا سکتے تھے۔

مولانا کے عہد نظامت میں مدرسہ نے ہر شعبہ میں خوب ترقی کی نئی شاخیں قائم ہوئیں، تعلیمی اور اشاعتی سرگرمیاں عروج کمال کو پہنچ گئیں، موصوف اپنی ذات میں ایک انجمن بلکہ ایک ادارہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ بالآخر ۲۷ رشعبان المعظم ۱۴۱۲ھ مطابق یکم مارچ ۱۹۹۲ء داعیٔ اجل کو لبیک کہہ کر جنت البقیع میں آسودہ خواب ہوئے۔ (یادیار مہربان)

مہتمم رابع

حضرت مولانا حشیم مدظلہ اپنے گرامی قدر والد مولانا محمد مسعود سلیم کی رحلت کے بعد اہتمام کے منصب ذی شان پر رونق افروز ہوئے۔ موصوف اعلیٰ علمی صلاحیتوں کے مالک اور متعدد زبانوں میں خاصی دسترس رکھتے ہیں۔ مولانا حشیم کا انتہائی عظیم الشان کارنامہ مدرسہ صولتیہ کی فقید المثال اور عدیم النظیر عالیشان جدید عمارت ہے۔ جس میں تمام جدید سہولیات موجود ہیں۔ صاف ستھرے اور ہوادار کشادہ کمرے، الیکٹرانک اور ایئر کنڈیشنڈ نظام سے مزین ہے یہ خوبصورت عمارت اپنی مثال آپ ہے۔ قدیم مسجد اور ملحقہ قدیم مدرسہ کی عمارت میں بھی ترمیم و اصلاح کی قابل قدر خدمت انجام دی ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا محمد حشیم کے علم و عمل میں برکت عطا فرمائے اور انہیں تادیر سلامت باکرامت رکھے اور مدرسہ صولتیہ کے علمی و روحانی فیضان تا قیام قیامت قائم دائم رکھے۔

Marfat.com

امام القراء قاری ابراہیم سعد مصری رحمۃ اللہ علیہ

امام القراء الشیخ قاری ابراہیم بن علی مصری رحمۃ اللہ علیہ صدر شعبہ تجوید و قرأۃ مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ مصر کے باشندے اور شافعی المسلک تھے۔ بچپن ہی سے قرآن کریم سے شغف پیدا ہو گیا تھا۔ جو خاص عطاء ربانی کا مصداق تھا۔ عہد طفولیت میں کھیلتے کودتے اپنے عزیزوں اور ہم عمر بچوں کے درمیان ہر وقت قرآن پاک ان کا ورد زباں بنا ہوتا۔ حضرت اقدس مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے جب مسجد حرم میں درس و تدریس کا آغاز فرمایا تو قاری صاحب موصوف از خود اسباق میں شرکت کرنے لگے اور پھر باقاعدہ حلقہ تلامذہ میں شامل ہو گئے۔

۱۴ رشعبان المعظم ۱۲۹۰ھ کو مدرسہ صولتیہ کے یوم تاسیس کے موقع پر حضرت مولانا کے حکم سے شیخ قاری ابراہیم سعد نے طلبہ کو سورہ فاتحہ اور سورہ یٰسین سے قرآن مجید شروع کرایا' اور تادم واپسین تقریباً بیس سال تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔

قاری ابراہیم سعد مصریؒ قاری حسن بدیرؒ کے نامور شاگرد تھے۔ جبکہ قاری حسن بدیرؒ خاتمۃ القراء علامہ شمس متوفیؒ کے شاگرد رشید تھے۔ (الاشرف' جولائی ۱۹۹۱ء)

حضرت مولانا نے قاری عبداللہ کو استاذ القراء قاری ابراہیم مصری کے سپرد کر دیا' تاکہ تجوید و قرأۃ کی تکمیل کر سکیں۔

۱۲۹۲ھ مطابق ۱۸۷۶ء میں جب مدرسہ صولتیہ کا قیام عمل میں آیا' تو حضرت مولانا کیرانوی نے قاری ابراہیم سعد مصری سے درخواست کی کہ وہ مدرسہ صولتیہ میں مسند علوم قراءت کو رونق بخشیں' قاری ابراہیم سعد نے اس درخواست کو قبول فرما لیا اور مدرسہ صولتیہ کی افتتاحی تقریب کا آغاز بھی انہی کی تلاوت سے ہوا۔

Marfat.com

مدرسہ صولتیہ کے پہلے فارغ التحصیل ہونے والے طالب علم حضرت قاری محمد عبداللہ مکی تھے۔ علوم قراءت عشرہ کی تکمیل اپنے استاذ محترم سے کرنے کے بعد اپنے استاذ کے نائب مقرر ہوئے۔ اور حضرت قاری ابراہیم سعد کی رحلت کے بعد مدرسہ صولتیہ کے صدر مدرس مقرر ہوئے۔

حرم شریف میں رمضان کے دوران جابجا حفاظ اور قراء تراویح میں قرآن سناتے تھے۔

قاری محمد عبداللہ مکی رمضان المبارک میں باب العمرہ کے حصہ میں قرآن سناتے اور سب سے زیادہ سامعین کا ہجوم ان ہی کے پیچھے ہوتا۔ آپ کی تلاوت سماعت کرنے والوں میں حضرت استاذ قاری ابراہیم سعد مصری' شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ مہاجر مکی' استاذ الکل مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی کے علاوہ دیگر علماء اور مدرسین مدارس حرم کا ہجوم ہوتا۔ سرکاری عمائدین کی ایک بڑی تعداد بھی موصوف کے پیچھے تراویح پڑھتی۔ جن میں اکثر شریف حسین والی مکہ جیسے لوگ بھی شامل ہوتے۔ حضرت قاری ابراہیم سعد کو اپنے ہونہار شاگرد پر بہت فخر تھا۔ ایک مرتبہ کسی نے ان سے عرض کیا حضرت! شاید حجاز میں تو کوئی قاری' قاری عبداللہ مکی کے مرتبہ کا نہ ہوگا؟ تو شیخ محترم نے فرمایا نہ صرف حجاز میں بلکہ پورے عالم اسلام میں ان کے مرتبہ کا کوئی نہیں۔ تادم آخریں صولتیہ ہی میں خدمت قرآن پاک میں مصروف رہے اور بالآخر ۲۵ رشوال ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۳ رجون ۱۹۱۹ء انتقال فرمایا' اور جنت المعلی میں اسودہ خواب ہیں۔

آپ کے تلامذہ کی تعداد سینکڑوں میں ہے۔ چند مشاہیر تلامذہ حسب ذیل ہیں۔ حکیم الامت حضرت مولانا قاری اشرف علی تھانوی' حضرت قاری عبدالخالق سہارنپوری' استاذ القراء قاری محمد عبداللہ مکی' استاذ الکل قاری عبدالرحمن مکی' حضرت قاری عبدالمالک لکھنوی' حضرت قاری محمد سلیمان بھوپالی' حضرت قاری سید محمد علی لوکھالی' قاری محمد عمر تھانوی' قاری محمد سلیم مہتمم مدرسہ صولتیہ' اور قاری محمد رفیع

Marfat.com

دہلوی۔ (تذکرہ مشیخ علوم وفنون ۳۴۷ تا ۳۵۳)

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَاءُ

یہ مدرسہ صولتیہ کی سحر انگیزی اور علمی خدمات جلیلہ کی کرشمہ سازی ہے کہ جو عرب شیوخ عجمی علماء کو بنظر حقارت دیکھتے اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے گریزاں تھے' وہی ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنا اپنے لئے سرمایہ افتخار سمجھنے لگے۔ حضرت اقدس شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ نے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے نام ۱۴ رجب ۱۳۰۱ھ کو ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرمایا تھا

"مدرسہ صولتیہ میں مولانا رحمت اللہ صاحب کی زیادہ توجہ تجوید وقرأت کی طرف ہے' کیونکہ علم تجوید کا رواج بہت کم ہو گیا ہے' خصوصاً ہندوستان میں بہت کم ہے۔ ماشاء اللہ مدرسہ صولتیہ کے مدارس سے فائدے عظیم ہوئے ہیں' ہندیوں کو اس فن میں عرب وغیرہ بہت حقیر سمجھتے تھے' بلکہ بعض عرب ہندی علماء کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے' مگر بفضلہ تعالیٰ صولتیہ مدنی مدارس کے ذریعہ سے بہتر سے کامل قاری ہو کر نکلے ہیں' اور حرمین شریفین میں بعض ہندی قاری تعلیم یافتہ ان مدرسوں کے اب استاد ہیں اور عرب بچوں کو پڑھا رہے ہیں"۔ (ماہنامہ الاشرف جولائی اگست ۱۹۹۱ء ۷۹)

—— ○ ——

Marfat.com

امام القراء شیخ الاساتذہ شیخ المقری

محمد عبداللہ مکی قدس سرہٗ

قصبہ قاسم گنج ضلع فرخ آباد یو پی میں ایک پٹھان گھرانہ آباد تھا' جس کے سربراہ محمد بشیر خان تھے۔ ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸۵۶ء میں ان کے ہاں ایک فرزند ارجمند تولد ہوا' جس کا نام محمد عبداللہ رکھا گیا۔ یہ بچہ آگے چل کر فخر العرب والعجم' استاذ الکل' استاذ القراء' قاری عبداللہ مکی کے نام سے سرزمین حجاز میں مشہور ہوا' اور اس کے علوم کا فیض انڈونیشیا' بنگلہ دیش' ہندوستان' پاکستان' سعودی عرب' سرزمین افریقہ' افغانستان غرضیکہ دنیا کے کونے کونے میں پھیلا۔

اس سعادت مند بچہ کی ولادت کے ایک سال بعد سرزمین ہند کے عوام نے انگریز کی غلامی کا جوا گردن سے نکال پھینکنے کے لئے ۱۸۵۷ء میں جنگ آزادی شروع کی۔ محمد بشیر خان مذکور نے بھی جنگ آزادی میں حتی المقدور حصہ لیا' اور مجاہدین کو دامے درمے سخنے امداد فراہم کی۔ جنگ ختم ہوئی تو پکڑ دھکڑ اور دارو گیر شروع ہوگئی۔ محمد بشیر خان بھی زیر عتاب آیا اور مجاہدین کی مدد کرنے کے لئے جرم میں مقدمہ چلا اور انگریز سرکار نے ان کی ساری جائیداد ضبط کرنے کا حکم جاری کیا۔ جائیداد کی ضبطی کے بعد محمد بشیر خان اپنا وطن چھوڑ کر ریاست گوالیار چلے گئے' جہاں ان کے بڑے بھائی ٹھیکیداری کرتے تھے۔ محمد بشیر خان جلد سازی کا کام بہت عمدہ جانتے تھے' گوالیار میں انہوں نے اپنے کام کا آغاز کر دیا۔ اسی دوران ان کے دوسرا فرزند ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۳ء کو پیدا ہوا' جس کا نام محمد عبدالرحمٰن تجویز ہوا۔

جنگ آزادی کے بعد انگریزوں کے ظلم و ستم اور استحصال کی بدولت ہند کی

Marfat.com

سرزمین مسلمانوں کے لئے نہایت تنگ ثابت ہوئی۔ اسی وجہ سے بہت سے مسلم معزز گھرانے ترک وطن کر کے سعودی عرب (اس وقت کا حجاز مقدس) اور بعض افریقی ممالک کو چلے گئے۔ انہی پرآشوب حالات میں محمد بشیر خان نے بھی مکہ مکرمہ ہجرت کی ٹھان لی۔ ان کے بڑے بھائی بھی اپنی وسیع جائیداد اور مکانات فروخت کر کے ہمراہ ہو لئے۔ سترہ مرد و زن اور بچوں پر مشتمل یہ بے خان ماں قافلہ قاری عبداللہ مکی کے تایا کی سربراہی میں بہت تکالیف اور راہ کے مصائب برداشت کرتا ہوا ۱۲۸۴ھ مطابق ۱۸۶۷ء میں مکہ مکرمہ پہنچا۔

مکہ مکرمہ میں حرم کعبہ کے نزدیک برما کے ایک فیاض مسلم تاجر کی یادگار رباط برما کے نام سے موجود تھی۔ اسی رباط میں اس تمام خاندان کو رہائش کی اجازت مل گئی۔ شروع کے دن بہت ہی سخت اور کٹھن ثابت ہوئے۔ ترکی حکومت نے حرم شریف کے قریب ایک لنگر قائم کیا ہوا تھا' جہاں سے ایک وقت کا کھانا مہیا کیا جاتا تھا۔ یہ مہاجر خاندان بھی ایک وقت کا کھانا وہاں سے لیتا اور دوسرے وقت زمزم کے فقط ایک ایک پیالہ پر گزر کرتا' یہ سلسلہ تقریباً چھ ماہ تک جاری رہا۔ اسی اثنا میں ان کے ہاں تیسرے بیٹے محمد حبیب الرحمٰن کی ولادت ہوئی۔

شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور رئیس المناظرین حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے ساتھ قریبی تعلقات کی بنا پر محمد بشیر خان کو مکہ مکرمہ میں جلد سازی کا کام کرنے کی اجازت مل گئی۔ اور حضرت مولانا رحمت اللہ کے مشورہ سے تینوں بیٹوں کو علوم دینی کے حصول کے لئے وقف کر دیا۔ موصوف نے ان بچوں کو حفظ قرآن پاک کے لئے حرم میں قاری عبدالقادر مداری کے سپرد کر دیا جو جامعہ ازہر مصر سے تجوید و قراءۃ کے فنون کی تکمیل کر کے آئے تھے اور ایک ماہر اور کامل الفن استاد مانے جاتے تھے۔ حفظ قرآن پاک کے علاوہ ان بچوں نے استاد سے مصری اور عربی لہجوں کی مشق بھی کر لی۔

Marfat.com

شیخ القراء قاری عبدالرحمن مکی

شیخ القراء قاری عبدالرحمن مکی، قاری عبداللہ مکی کے چھوٹے بھائی اور محمد بشیر خان کے مجھلے صاحبزادے تھے۔ ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۳ء میں محمد بشیر خان کے قیام گوالیار کے دوران پیدا ہوئے۔ ان کی پیدائش کے تین سال بعد محمد بشیر خان مکہ مکرمہ ہجرت کر گئے۔ موصوف نے حفظ قرآن پاک کے بعد بڑے بھائی قاری عبداللہ مکی جو حضرت قاری ابراہیم سعد مصری کے نامور شاگرد تھے' سے تجوید قراءت سبع اور قراءت عشرہ بطریق درۃ وطیبہ کی تکمیل کی۔ علوم حدیث وفقہ کی تکمیل حضرت مولانا رحمت اللہ مکی سے فرمائی۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تک مدرسہ صولتیہ میں درس و تدریس کے فرائض بھی انجام دیئے۔

ایک دن حضرت اقدس مولانا رحمت اللہ مکی نے متعدد علماء و صلحاء کی موجودگی میں ان دونوں بھائیوں قاری عبداللہ اور قاری عبدالرحمن کو سینہ سے لگایا' آبدیدہ ہو گئے اور پھر طویل دعا فرمائی اور اپنی پوری قلبی توجہ کے ساتھ یہ الفاظ ارشاد فرمائے

> ''عبداللہ! تم کو میں یہاں مدرسہ صولتیہ کے لئے رکھتا ہوں اور عبدالرحمن تم کو حکم دیتا ہوں کہ ہندوستان جا کر قرآن کی خدمت کرو اور علوم قراءت وتجوید کی ترویج کرو نیز مصری اور عربی لہجوں کی بھی تعلیم دو جن سے اہل ہند نابلد ہیں''۔

حضرت قاری عبدالرحمن مکی اس حکم کی تعمیل میں ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۳ء میں ہندوستان پہنچے اور مزید تعلیم کے حصول کے لئے کانپور میں حضرت مولانا احمد حسن کانپوری جو سید الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے خلیفہ تھے' کے مدرسہ جامع العلوم' جو کانپور کی

Marfat.com

سب سے قدیم درسگاہ تھی' میں داخلہ لیا' اور درس نظامی کا مکمل نصاب پڑھا۔ تحصیل علم کے دوران ہی آپ سے تجوید و قراۃ کا فیض بھی جاری ہو گیا' اور حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ کے صاحبزادگان اور دیگر طلبا نے ان سے استفادہ کیا۔

تحصیل علم کے بعد آپ جامع العلوم میں ہی شعبہ تجوید و قراءت کے صدر مدرس مقرر ہوئے' اور ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۸۹۷ء تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ اسی دوران حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ کی ترغیب سے ایک نامور تاجر کی صاحبزادی سے حضرت قاری عبدالرحمن کیؒ کا عقد ہو گیا۔

اس کے بعد الٰہ آباد کے ایک رئیس شیخ عبداللہ نے آپ کو الٰہ آباد بلا لیا' اور اپنی تعمیر شدہ ''مسجد عبداللہ'' میں خطیب کے منصب پر فائز کر دیا۔ اور ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۸۹۷ء میں مدرسہ احیاء العلوم یا مدرسہ سبحانیہ قائم کر کے حضرت قاری صاحب کو صدر مدرس مقرر کیا' یہاں آپ کا فیض خوب پھیلا۔ آپ کے بڑے بڑے نامور شاگرد بیسیوں آپ سے پڑھ کر برصغیر کے طول و عرض میں پھیل گئے۔ آپ نے اس مدرسہ میں ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۲۹ء تک تقریباً ۳۲ سال خدمت قرآن انجام دی۔

قیام الٰہ آباد کے دوران آپ نے ایک مرتبہ حجاز مقدس واپس جانے کا ارادہ فرما لیا۔ مکہ مکرمہ کے سفر کے لئے ہر طرح کی تیاری مکمل ہو چکی تھی' سامان بندھا رکھا تھا۔ اگلی صبح گاڑی میں سوار ہونا تھا کہ رات کو خواب میں حضور اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ ﷺ نے حضرت قاری عبدالرحمن صاحب کو فرمایا:

''عبدالرحمن! تم ہندوستان میں رہو' اللہ نے تم سے بہت کام لینا ہے''۔

یہ مبارک خواب دیکھنے کے بعد آپ نے مستقل حجاز جانے کا ارادہ ترک کر دیا' اور سامان کھلوا دیا۔

قاری عبدالرحمن صاحب کا حافظہ بہت قوی تھا۔ شاطبیہ' درۃ اور طیبہ کے متون زبانی از بر تھے' علاوہ ازیں قراءت سبعہ و عشرہ کے اصول و فرش اور تمام طریق

Marfat.com

بھی بوقت ضرورت حرف زبان ہوتے۔ مطالعہ کا بے حد شوق تھا۔ بہت سی نادر و نایاب کتب کا ذخیرہ آپ کے پاس موجود تھا۔ (تذکرہ مشائخ علوم وفنون ۳۳۶ تا ۳۳۸)

قاری عبدالرحمٰن مکی کی درسگاہ بڑی ہی بابرکت تھی' اس سے تعلق رکھنے والا ہر فرد قاری تھا' حتیٰ کہ دھوبی' نائی' ماشکی' بھی قاری تھے۔ وہ بھی قرآن شریف پڑھنے کی مشق کرتے تھے۔

حضرت قاری عبدالرحمٰن مکی قدس سرہ کے نامور تلامذہ میں حضرت قاری عبدالمالک اور ان کے برادر بزرگ حضرت قاری عبدالخالق لکھنوی خطیب جامع مسجد سہارنپور بھی شامل ہیں۔ ان دونوں بھائیوں نے مدرسہ صولتیہ میں آٹھ سال محنت شاقہ سے روایت حفص میں ایسی اعلیٰ تکمیل کی اور جید اور ماہر استاد بن کر مراجعت فرمائے ہندوستان ہوئے۔ بایں ہمہ دونوں بھائی استاذ القراء حضرت قاری عبدالرحمٰن مکیؒ کی خدمت میں الہ آباد حاضر ہو کر سبعہ وعشرہ قراءات میں تکمیل کی۔ فن میں مناسبت تو پہلے ہی تھی۔ مختصری مدت میں گوہر مقصود حاصل ہو گیا۔ کانپور' الہ آباد' بنگال' برما' پنجاب اور کابل سے بہت سے تلامذہ نے آپ سے استفادہ کیا۔ (تذکرہ قاریان ج ۲ ص ۲۳۶)

قاری عبدالمالک اور قاری عبدالخالق نے قراءۃ عشرہ سبعہ قاری عبدالحق سے اور روایت حفص قاری عبداللہ سے مکہ میں حاصل کی۔

Marfat.com

برصغیر میں صولتیہ کا فیضان

مرکزِ علم و دانش مکہ معظمہ میں واقع مدرسہ صولتیہ کے علمی فیضان سے جہاں دیگر ممالک بہرہ یاب ہوئے' وہاں برصغیر پاک و ہند اور بنگلہ دیش بھی اس کی نورانی اور روپہلی کرنوں سے مستفید ہوئے ہیں' برصغیر میں جس طرح ہر ایک عالم کی سند حدیث امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے جا ملتی ہے' اسی طرح پاک و ہند کے تمام قراء حضرات کی سند تجوید و قراءت استاذ الکل فی الہند قاری عبدالرحمٰن مکی الٰہ آبادی کی وساطت سے مدرسہ صولتیہ کے شیخ القراء قاری ابراہیم سعد مصری پر منتہی ہوتی ہے۔

برصغیر میں فن قراءۃ کا دورِ انحطاط

برصغیر میں مسلمانوں کی آمد کے ساتھ ہی اسلامی علوم یہاں رائج ہو گئے تھے اور فن تجوید و قراءت بھی بتمام و کمال حاصل کیا گیا اور اس فن کی اشاعت و ترویج میں آٹھ سو سال تک تسلسل برقرار رہا۔ لیکن انگریز کے دورِ اقتدار میں تقریباً نصف صدی تک اس پر دورِ انحطاط گزرا ہے' جس کی تفصیل قاری مرزا بسم اللہ بیگ اس طرح بیان کرتے ہیں:

"۱۲۷۳ھ مطابق ۱۸۵۷ء کے بعد روز بروز انگریزوں کا اقتدار مستحکم ہوتا گیا۔ مغلیہ شہنشاہیت کا واسطہ جو برائے نام تھی وہ بھی نہ رہا۔ تاہم یہ نام نہاد شہنشاہیت قدیم طرزِ تعلیم کی برقراری۔ دفتری زبان کی حیثیت سے زبان فارسی کی بقا۔ شائقین کے لئے تحصیل علوم کے مواقع اور سہولت کی فراہمی اور اسلامی تمدن و ثقافت کی ترویج میں بڑی حد تک ممد و معاون ثابت ہوئی۔

انگریز کی پالیسی یہ تھی کہ انگریزی زبان کو دفتری زبان کا درجہ دیا جائے اور اس غرض کی تکمیل کے لئے تعلیم عام کر دی جائے۔ اس حکمت عملی کو روبہ عمل

Marfat.com

دانے کے لئے انگریزی اسکول کھولے گئے۔ تقریباً پچاس سال تک تو مسلمانوں نے اس کی بالکل پرواہ نہ کی۔ مگر پرانی روش آخر کب تک تبھ سکتی۔ نئے خیال کے لوگ نئی تعلیم کے حامی و مددگار ہو گئے۔ سرسید احمد خان کا خیال تھا کہ طالب علموں پر دو بڑی غیر زبانوں یعنی عربی اور انگریزی سیکھنے کا بار بہت زیادہ ہے۔ لہٰذا ایک ہی غیر ملکی زبان کو اختیار کیا گیا۔ انگریزی کے ساتھ ریاضی، جغرافیہ، تاریخ جیسے فنون شامل ہو گئے۔ مگر عربی کو اختیاری زبان سے زیادہ اہمیت نہ دی، نتیجہ یہ ہوا کہ نصف صدی تک علم تجوید وقراءت غیر اہم ہو کر رہ گیا۔

علاوہ ازیں ماہرین فن تجوید وقراءت جو بلاد اسلامیہ سے مسلسل آتے رہتے تھے۔ ان کے درآمد کا سلسلہ اس لئے مسدود ہو گیا کہ ہند کے جدید ماحول میں ان کی قدر و منزلت باقی نہ رہی۔ نیز مدرسہ و کالج کے نصاب تعلیم میں تجوید و قراءت کی کوئی جگہ نہیں دی گئی۔ اس لئے جدید تعلیم سے آراستہ ہونے والے نوجوانوں کو اس سے دوری کی نسبت بھی باقی نہ رہی۔ اس لئے وہ اس فن کے حسن و قبح کو پرکھ نہیں سکتے تھے۔ عربی مدارس میں بھی اس کا کوئی خاص لحاظ نہیں رکھا گیا"۔

ان وجوہ کی بنا پر چودھویں صدی کے آغاز میں رفتہ رفتہ اس فن سے توجہ ہٹتی گئی، تا آنکہ تجوید وقراءت کی عام مقبولیت متاثر ہوئی، اور وہ خاص افراد کے حلقوں میں محدود ہو کر رہ گیا۔

فن تجوید کا یہ دور انحطاط نصف صدی پر محیط تھا۔ مدارس عربیہ کی بے اعتنائی کے باعث طلباء اور علماء بھی اس فن سے بے بہرہ رہ کر تکمیل علم کرنے لگے۔ تو حکیم الامت، مجدد ملت مولانا اشرف علی تھانوی نے سوز دروں کا اظہار اس طرح فرمایا تھا۔

"اکثر مدارس عربیہ میں تجوید کا علم و عمل داخل نصاب نہیں۔ اس کی کا نتیجہ یہ ہے کہ اکثر طلباء اور علماء بھی افسوس ہے کہ قرآن مجید صحت سے نہیں پڑھ سکتے، جس پر عوام تک چلتے ہیں۔ کتنا بڑا ظلم ہے کہ امام عالم ہو اور اس کی نماز فقہ کی رو سے درست نہ ہو، لہٰذا طلباء پر لازم ہے کہ تجوید علماً و عملاً حاصل کریں"۔

(تذکرہ قاریان ہند حصہ دوم، ۲۸۵، ۲۸۶)

Marfat.com

۱۲۹۲ھ میں جب حضرت العلامہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے مکہ معظمہ میں مدرسہ صولتیہ قائم کیا تو اس کے اغراض و مقاصد میں یہ اہم غرض بھی شامل تھی "ہندوستان (قدیم) میں قرآن پاک کی صحیح اشاعت اور اس اعتراض کو اٹھانا کہ ہندوستانی حفاظ کلام اللہ غلط پڑھتے ہیں' مصر و حجاز وغیرہ ممالک اسلامیہ کے قراء و حفاظ کی ہندوستانیوں پر نکتہ چینی بیجا نہیں' اس کے ازالہ کے لئے ہر ممکن کوشش کرنا"۔(فیضان رحمت:۵۳)

ہند میں فن قراءت سے بے اعتنائی کے باعث عربوں میں ہندی علماء اور حفاظ کی عزت و توقیر بہت کم ہو گئی تھی' جس سے متاثر ہو کر قطب الارشاد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ نے ۱۴ر رجب ۱۳۱۰ھ کو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کو اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں.

"مدرسہ میں مولانا رحمت اللہ صاحب کی زیادہ توجہ تجوید و قراءت کی طرف ہے' کیونکہ علم تجوید کا رواج بہت کم ہو گیا ہے۔ خصوصاً ہندوستان میں بہت کم ہے۔ ماشاءاللہ مدرسہ صولتیہ کے مدارس سے فائدے عظیم ہوئے ہیں۔(اہل ہند)

ہندیوں کو اس فن میں عرب وغیرہ بہت حقیر سمجھتے تھے۔ بلکہ بعض عرب ہندی علماء کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے۔ مگر بفضلہ تعالیٰ ان مدارس کے ذریعہ سے بہتیرے کامل قاری ہو کر نکلے ہیں اور حرمین شریفین میں بعض ہندی قاری تعلیم یافتہ ان مدرسوں کے استاد ہیں"۔(فیضان رحمت ۵۴)

مشائخ عظام کے نالہ ہائے سحر گاہی اور حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمہ کے علمی فیضان سے سرزمین ہند فن قراءت و تجوید کی سرمدی بہاروں سے گل و گلزار بن گئی۔ اور یہ طرۂ امتیاز شیخ القراء' استاذ الاساتذہ القاری المقری مولانا محمد عبدالرحمن مکی' الہ آبادی کو حاصل ہوتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں شعبہ تجوید

برصغیر پاک و ہند میں علوم دینی اور درس نظامی پڑھانے کا معقول انتظام

تھا۔لیکن مدارس میں تجوید وقراءت کے باقاعدہ شعبے موجود نہ تھے بلکہ دینی مدارس میں تجوید وقراءت کی طرف توجہ ہی بہت کم تھی۔انفرادی طور پر تو تجوید وقراءت کا کام ہو رہا تھا۔لیکن مدارس کی سطح پر نہیں۔تجوید وقراءت کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے سب سے پہلے برصغیر میں دارالعلوم دیوبند میں شعبہ تجوید کا آغاز ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹۰۳ء ہوا۔جس میں ۱۴ر جمادی الاول ۱۳۲۱ھ کو استاذ القراء حضرت قاری عبدالرحمن مکیؒ کے شاگرد رشید قاری عبدالوحید الہ آبادی کا تقرر عمل میں آیا۔جبکہ مظاہر العلوم سہارنپور میں شعبہ تجوید کا اجراء ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۳ء میں ہوا۔
(تذکرہ منبع علوم وفنون ۳۳۵)

دارالعلوم دیوبند کو یہ امتیازی شرف حاصل رہا کہ وہاں تجوید وقراءت کے فنون سے علماء کو مستفید کیا گیا۔علوم عربیہ سے منسلک ہر قسم کے طلبہ کے لئے تجوید کے شعبہ سے استفادہ لازم رہا۔دارالعلوم دیوبند کی شہرۂ آفاق عظیم الشان درسگاہ کے لئے ایک ایسے ماہر وجامع فن استاد کی ضرورت تھی۔جو اس فن میں یگانہ وفرزانہ ہو۔چنانچہ تجوید وقراءت کے ممتاز وماہر شیخ القراء حضرت قاری عبدالوحید جو حضرت قاری عبدالرحمن مکی قدس سرہ العزیز کے مایۂ ناز شاگرد تھے مسند تجوید وقراءت پر رونق افروز ہوئے۔ان کی تصنیف میں "ہدیۃ الوحید" فن تجوید کی مبسوط اور جامع کتاب ہے۔قاری صاحب موصوف کے ارشد تلامذہ میں قاری محمد طیب ان کے بھائی قاری محمد طاہر وغیرہ شمار ہوتے ہیں۔دوسرے بزرگ استاد تجوید وقراءت جو قاری عبدالوحید صاحب کے بعد دارالعلوم دیوبند کے شعبہ تجوید وقراءت کی مسند صدارت پر فائز ہوئے" قاری حفظ الرحمن مدظلہ تھے۔انہوں نے بھی طویل عرصہ تک قاری عبدالرحمن مکی کی خدمت میں الہ آباد رہ کر فن کی تحصیل وتکمیل کی تھی۔

مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ میں تجوید

مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ تجوید وقراءت کا برصغیر میں بے مثال درسگاہ تھی۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے اسے ہر لحاظ سے عروج وترقی سے سرفراز فرمایا۔ برصغیر کی یہ عظیم الشان درسگاہ حضرت قاری عبداللہ مکی مدرس صولتیہ کے شاگرد رشید مولانا قاری عین القضاۃ کے والد گرامی قدر سید وریر علی نے ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۱ء میں قائم فرمائی تھی۔ موصوف قائم اللیل' صائم النہار' عابد و زاہد بزرگ تھے۔ اس میں بھی حضرت قاری عبدالرحمن مکی قدس سرہٗ کے جلیل القدر تلمیذ رشید قاری عبدالمالک پچیس سال تک علوم وفنون کے موتی لٹاتے رہے۔ موصوف اپنے وقت کے امام تھے۔ فن ادا' فن قراءت کے ساتھ انہیں عربی لہجوں میں ٹکسالی مہارت تھی۔ موصوف کی تحریری علمی یادگاروں میں ان کا ''فوائد مکیہ'' کا حاشیہ ''تعلیقات مالکیہ'' ہے' فوائد مکیہ استاذ الاساتذہ حضرت قاری عبدالرحمن مکی الہ آبادی کی مایہ ناز تصنیف ہے اور مہارت فنی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ بہت سے مشائخ نے اس پر حواشی لکھے ہیں۔ مگر حق یہ ہے کہ تعلیقات مالکیہ کا مقام منفرد ہے۔

قاری عبدالمالک موصوف کے علاوہ قاری عبدالوحید صدر شعبہ تجوید' مولانا قاری نذر محمد الوارث دارالوح دیوبند' قاری محمد صدیق' قاری حفظ الرحمن شیخ التجوید دارالعلوم دیوبند' قاری ضیاء الدین اور قاری عبدالمعبود' قاری احمد حسن کلات' سب کے سب یگانہ روزگار تھے۔ جو اس ادارہ کے آفتاب وماہتاب تھے۔

فرقانیہ لکھنو میں خوش گلو حدر و ترتیل میں بے تکان خوبصورت آواز میں پڑھنے والے جس کثرت سے پیدا ہوئے پورے متحدہ ہندوستان کے لئے تاریخ میں سرمایہ افتخار ہیں۔ نوجوان قاریوں کے ہجوم تھے' ایک سے ایک بڑھ کر عمدہ پڑھنے والا ہر سال بہت بڑی تعداد فارغین وکاملین کی ہوتی تھی۔

پانی پت کا مرکز تجوید:

پانی پت میں تجوید وقراءت پر علمی وتصنیفی کام زبردست ہوا' بڑی مایہ ناز کتابیں تصنیف ہوئیں' حضرت مولانا قاری عبدالرحمن صاحب محدث پانی پتی فن قراءت کے امام تھے' انہوں نے تجوید پر بھی بے نظیر رسائل لکھے قاری معین الاسلام

Marfat.com

صاحب پانی پتی کی سبعہ قراءت پر کتاب بے نظیر ہے' کاش قراء پانی پت اس کو پاکستان میں شائع کر کے شائقین فن پر احسان فرمائیں' دور حاضرہ میں حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب مدظلہم قراء پانی پت کے تاج فخر تھے۔ فن پر بہترین کتابوں کے مؤلف و شارح ہیں۔ ان کے شاگرد جناب قاری رحیم بخش' استاد مدرسہ خیر المدارس کا وجود بھی دنیا تجوید و قراءت میں بیش قیمت تھا۔ موصوف نے بڑا زبردست علمی کام کیا ہے۔ اپنے استاد مدظلہم کی طرح اردو کے دامن کو علوم تجوید و قراءت سے خوب بھاری بھرکم کر دیا ہے۔ پانی پت میں اس تمام کام پر مستزاد وہاں حفظ کلام اللہ کا چرچا تھا' نہایت جید اور عمدہ حفاظ کی محلہ محلہ فوج ظفر موج ہوتی تھی' رمضان شریف میں ہر مسجد پانی پت میں پڑھنے والے حافظوں سے پر رونق ہوتی' خصوصاً اخیر عشرہ میں تو تمام راتیں تلاوتوں سے زندہ رہتی تھیں' حفظ قرآن مجید کا شغل جوانوں سے لے کر عورتوں میں بھی بے حد تھا' شرفاء کے گھرانوں میں بچیوں کو حفظ کرانے کا رواج بہت زور و شور سے تھا' چار آبادیوں کی مستورات میں مسلم گھرانوں کی دینداری قابل رشک تھی' کاندھلہ' تھانہ بھون' دیوبند اور پانی پت' پانی پت میں حافظ عورتوں کی وجہ سے اس کا پلہ بھاری تھا' کاندھلہ میں دینیات اور عربی کی عالم زیادہ تھیں۔

حکیم الامت تھانوی

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی جیسے نابغۂ روزگار ہستی بھی علوم تجوید و قراءت میں مدرسہ صولتیہ ہی کی فیضیاب تھی' جیسا کہ حضرت ممدوح کے سوانح نگار لکھتے ہیں:

''حضرت والا نے قراءت کی مشق' مشہور آفاق جناب قاری محمد عبداللہ صاحب مہاجر مکی سے بمقام مکہ معظمہ میں فرمائی تھی۔ جو قراء عرب کے نزدیک بھی نہایت جید اور مسلم ماہر فن قاری تھے۔ اس زمانہ میں قراءت کی مشق کرتے کرتے لہجہ میں اپنے یگانہ فن استاد سے اس قدر مشابہت پیدا ہو گئی تھی کہ جب قاری

Marfat.com

صاحب حضرت والا کو مدرسہ صولتیہ کی بالائی منزل پر قراءت کی مشق کراتے تو نیچے جو لوگ سنتے یہ تمیز نہ کر سکتے کہ اس وقت اُستاد پڑھ رہے ہیں یا شاگرد۔

اس سے حضرت والا کی قوتِ آخذہ کا پتہ چلتا ہے' جو راز تھا حضرت والا کے اپنے اساتذہ کاملین سے بدرجہ اتم اخذ کمالات کر لینے کا قاری صاحب موصوف بہت ہی شفقت فرماتے تھے۔ اور حضرت والا سے بعض رسائل قراءت کے چند اسباق بھی اپنے مدرسہ کے طلبہ کو پڑھوائے' تا کہ کتب فن سے بھی مناسبت ہو جائے۔ حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ ہم بھی پہلے یہ سمجھتے تھے کہ ہمیں قراءت آتی ہے' اس لئے قاری صاحب سے اپنا کمال جتانے کے لئے یہ ترکیب کی کہ اُن سے کہا کہ مشق شروع کرانے سے قبل آپ پہلے میرا ایک رکوع سن لیں تا کہ آپ کو اندازہ ہو جائے کہ کتنی کسر ہے' پھر اُس کسر کو نکال دیجئے۔ حالانکہ یہ مطلب نہ تھا' بلکہ نفس کی استادی تھی۔ چنانچہ قاری صاحب نے رکوع سنا' پھر میں نے پوچھا کہ کیا اندازہ ہوا۔ چونکہ بہت ہی شفیق تھے' فرمایا کہ بس تھوڑی سی کسر ہے انشاء اللہ بہت جلد نکل جائے گی۔ حالانکہ مشق شروع کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰہ' ہمیں کچھ بھی نہ آتا تھا۔ پھر سوچ سوچ کر بڑی شرمندگی ہوئی کہ ناحق ہی ستایا"۔ (اشرف السوانح ج ۱ ص ۳۷)

حکیم الامت تھانوی وقت مقررہ پر روزانہ مدرسہ صولتیہ تشریف لاتے اور عربی لہجہ میں تجوید کی مشق فرماتے' جس کا ذکر اپنے ایک ملفوظ میں اس طرح فرماتے ہیں

"جب میں بالاخانہ پر تلاوت کرتا تو نیچے سے گزرنے والے سمجھتے کہ قاری عبداللہ صاحب تلاوت کر رہے ہیں"۔

ہمارے لئے کسب فیض کی یہ نادر مثال ہے کہ دور سے سننے والے استاد اور شاگرد میں فرق نہ محسوس کر سکیں۔

موصوف نے حضرت مولانا محمد سعید کی فرمائش پر مدرسہ صولتیہ کے طلبہ کے لیے اپنا تجوید و قراءت کا پہلا رسالہ "تجوید القرآن" اپنے قیام مکہ مکرمہ کے دوران مدرسہ صولتیہ میں بیٹھ کر تالیف فرمایا۔ جس پر مہتمم مدرسہ حضرت مولانا محمد سعیدؒ نے

Marfat.com

حسب ذیل مقدمہ تحریر فرمایا تھا "ارباب علم اور علم دوست حضرات پر یہ امر مخفی ہے کہ اس وقت ہندوستان میں عموماً اسلامی اور قومی مدارس اور مکتبوں میں فن تجوید کی طرف جو واقعی بہت بڑا مہتم بالشان امر ہے اور جس کی نسبت وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا کا حکم ہوا۔ بڑی بے اعتنائی ہو رہی ہے اور علماء امت کا اس وقت فرض ہے کہ اس کی کو پورا کرنے کا' مدارس میں بہت جلد انتظام فرمائیں۔

مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ میں اس فن کی تکمیل دیکھنے سے خوشی ہوتی ہے کہ مدرسہ کے تعلیم یافتہ طالب علموں کی قدر و منزلت ملک میں کماحقہ ہوئی ہے اور ہندوستان کے اکثر اسلامی مدارس نے اس بات کی خواہش ظاہر کی ہے کہ اس فن کے ماہر اساتذہ کی خدمات ان کو دی جائیں۔ یہ کتاب جو اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے' میرے واجب الاحترام دوست مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی نے قیام مکہ مکرمہ ادام اللہ شرفا کے ایام میں مدرسہ صولتیہ کے طالب علموں کے واسطے نظم فرما دی ہے۔ اس وقت مدرسہ کے نصاب میں داخل ہے۔ عام فہم اور اردو میں ہونے کی وجہ سے یہ مبتدی طلبہ اور کم عمر بچوں کے لئے نہایت مفید اور کارآمد ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ شائقین علم اس کتاب کی قدر کریں گے۔ اور عربوں کے اس الزام کو دور کریں گے کہ ہندی قرآن مجید غلط پڑھتے ہیں۔ (ماہنامہ الاشرف' جولائی اگست ۱۹۹۱ء' ۸۱ تا ۸۲)

اس کی تاریخ تصنیف حضرت والا نے اس طرح لکھی ہے (الراقم اشرف علی تھانوی عفی عنہ ۱۱ر صفر ۱۳۱۹ھ) ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۹ھ میں مطبع انتظامی کانپور میں چھپا۔ (ایضاً ۲ھ)

مدرسہ صولتیہ کے چشمہ صافی سے سیراب ہونے والے دارالعلوم دیوبند سے منسلک ان قراء کرام کے حالات و کارناموں کے لئے ایک دفتر چاہیے' تصنیفی میدان میں ان حضرات نے وہ کام کیا کہ شاید دنیا میں کسی ملک میں اتنا عظیم الشان کام نہ ہوا ہو۔ جمال القرآن' تجوید القرآن' یادگار حق القرآن' تنشیط الطبع فی اجراء السبع' وجوہ المثانی فی القراءات السبع' لمولانا التھانویؒ' فوائد مکیہ' شرح عقیلہ رسم عثمانی

Marfat.com

میں از قاری عبدالرحمن مکی' ہدیۃ الوحید از قاری عبدالوحید حاشیہ برفوائد مکیہ' حاشیہ برشاطبیہ از حضرت قاری عبدالمالک بہنچہ' حاشیہ بر جمال القرآن و حاشیہ برفوائد مکیہ از حضرت قاری حفظ الرحمن' حاشیہ برفوائد مکیہ از قاری محب الدین الٰہ آبادی' حاشیہ برفوائد مکیہ از حضرت قاری محمد سعید مفتی مظاہر علوم سہارنپور' حاشیہ برفوائد مکیہ' شرح جزری' معلم التجوید' زینت القرآن اور تشریح حرف ضاد' از قاری محمد شریف صاحب مدظلہ' معارف التجوید از قاری حبیب اللہ کراچی' تیسیر التجوید از حضرت قاری عبدالخالق سہارنپوری' تنزیل الطبع فی اجراء السبع از قاری تاج محمد' عبدالحکیم ضلع ملتان تسہیل البیان فی رسم القرآن از قاری نذر محمد لکھنوی' ضوابط حملاء التجوید از قاری عبدالمعبود لکھنو' شرح شاطبیہ از قاری محمد سلیمان مظاہر علوم سہارنپور' شرح شاطبیہ و شرح جزریہ و حواشی بر کتب از راقم الحروف شرح ضخیم۔ شرح شاطبیہ ضخیم' شرح رائیہ' شرح جزریہ' شرح ناظمۃ الزہر مولانا قاری فتح محمد مدظلہم' شرح جزریہ ترجمہ تیسیر للعلامۃ الدانی' ترجمہ وجوہ المسفرہ' رسالہ الرسم العثمانی مختلف کتب بر روایات و قراءت از قاری رحیم بخش پانی پتی وغیرہ۔ (تذکرہ شیخ علم و عرفان ۴۸۳)

پاکستان میں صولتیہ کا فیضان

تقسیم ہند کے وقت جہاں دیگر علوم وفنون کے ماہرین اور علماء موجودہ بھارت سے ہجرت کر کے پاکستان آئے وہاں علم تجوید و قراءت کے ماہر اساتذہ بھی پاکستان تشریف لائے جن میں قاری عبدالمالکؒ لکھنوی' قاری عبدالعزیزؒ شوقی انبالوی اور قاری محمد شریفؒ امرتسری قابل ذکر ہیں' ابتداء میں قاری عبدالمالک دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو اللہ یار تشریف لے گئے' اور قاری عبدالعزیزؒ راولپنڈی میں ریڈیو آزاد کشمیر سے منسلک ہوئے اور قاری محمد شریف لاہور تشریف فرما ہوئے' بعد ازاں مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد کے فاضل اور قاری عبدالرحمان مکی کے تلمیذ قاری سراج احمد مظفر نگری کے دل میں یہ احساس اور داعیہ پیدا ہوا کہ پاکستان میں اور خصوصاً

Marfat.com

پنجاب میں عوام اور خواص قرآن بہت غلط پڑھتے ہیں' چنانچہ انہوں نے علامہ شبیر احمد عثمانی ہیتم کی سرپرستی میں لاہور میں دارالعلوم اسلامیہ قائم کیا جس کی غرض و غایت اور مقصد یہی تھا کہ پاکستان میں تجوید وقراءت کی تعلیم وترویج کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ قاری سراج احمدؒ کی درخواست پر قاری عبدالعزیز شوقی راولپنڈی سے لاہور منتقل ہوئے' اور دارالعلوم اسلامیہ لاہور میں صدر مدرس کے عہدہ پر فائز ہوئے' گویا کہ پاکستان میں تجوید کا پہلا مدرسہ قائم ہوا' قاری عبدالعزیز شوقی دیوبند کے فضلاء میں سے تھے اور آپ نے علم تجوید وقراءت بھی دارالعلوم دیوبند میں قاری حفظ الرحمان سے حاصل کیا تھا۔

تجوید وقراءۃ کی روح پرور صدا سے لاہور کے گلی کوچے گونج رہے تھے' اور قاری عبدالعزیز کی لحن داؤدی کی بازگشت ہر دینی مدرسہ میں سنائی دے رہی تھی۔ قاری سراج احمد نے فن تجوید کو مزید وسعت اور ترقی دینے کی غرض سے استاذ القراء قاری عبدالرحمن مکی اور قاری عبداللہ مکی کے شاگرد رشید قاری عبدالمالک لکھنوی کو لاہور آنے کی دعوت دی جو موصوف نے قبول فرمائی اور لاہور تشریف لے آئے۔

ادھر قاری عبدالعزیز شوقی نے مسلم مسجد بیرون لوہاری دروازہ میں تجوید قراءت کی تعلیمی خدمات شروع کر دیں' جبکہ قاری محمد شریف امرتسری عرصہ سے آسٹریلیا مسجد نزد ریلوے اسٹیشن لاہور میں تجوید کے تدریسی فرائض سرانجام دے رہے تھے' بہر حال قاری عبدالمالک لکھنویؒ کی لاہور آمد سے پورے ملک میں تجوید وقراءت کی ترویج وتعلیم کی خوب اشاعت ہوئی' جسے اہل پاکستان اور خصوصاً اہل علم کبھی فراموش نہیں کر سکتے' قاری عبدالمالکؒ صاحب کے انتقال کے بعد پھر قاری عبدالعزیز صاحب شوقی انبالویؒ مجلس منتظمہ دارالعلوم اسلامیہ کی درخواست پر دارالعلوم کے صدر مدرس کے عہدہ پر فائز ہوئے اور تاحیات اس عہدہ پر قائم رہے۔

قاری عبدالمالک صاحب (رحمہ اللہ) کے قابل ذکر تلامذہ

(۱) الشیخ قاری محمد شریفؒ امرتسری جو متحدہ ہندوستان میں لکھنؤ سے قاری

Marfat.com

خدابخش سے تجوید وقراءت حاصل کر کے تشریف لائے تھے انہوں نے دوبارہ قاری عبدالمالکؒ سے استفادہ کیا (۲) مولانا قاری اظہار احمد فاضل درسیات تھانوی لاہور (۳) مولانا قاری حسن شاہ مہاجر مدنی لاہور (۴) مولانا قاری غلام نبی کوئٹہ (۵) قاری محمد صدیق لکھنوی لاہور (۶) قاری عبدالماجد ذاکر خلفاء الصدق قاری عبدالمالکؒ (۷) قاری شاکر انور صاحب خلفا الرشید قاری عبدالمالکؒ (۸) حضرت مولانا قاری عبدالوہاب مکی لاہور (۹) قاری حبیب اللہ کراچی (۱۰) شیخ الحدیث قاری سعید الرحمن راولپنڈی (۱۱) قاری محمد افضل مرحوم راولپنڈی (۱۲) قاری عبدالقادر بہاول نگری (۱۳) قاری غلام رسول صاحب لاہور۔

قاری محمد شریف صاحب کے معروف تلامذہ

(۱) قاری فضل ربی مانسہرہ (۲) قاری فیاض الرحمان پشاور (۳) قاری اکبر شاہ راولپنڈی (۴) قاری محمد عمر لاہور (۵) قاری عبدالرب ملتان (۶) قاری تقی الاسلام لاہور (۷) بریگیڈیر قاری فیض الرحمان راولپنڈی (۸) قاری نور الحق ہری پور (۹) قاری محمد صدیق صاحب فیصل آباد (۱۰) قاری محمد امیر صاحب۔

قاری عبدالعزیز شوقی کے نامور تلامذہ

(۱) قاری عبدالقیوم لاہور (۲) قاری محمد اسماعیل ملتان (۳) قاری حبیب الرحمن راولپنڈی (۴) قاری محمد یعقوب نقشبندی ملتان (۵) قاری بشیر احمد مہاجر مدنی (۶) قاری عبدالرحمن تونسوی مہاجر مدنی (۷) قاری عبدالرشید شیخ التجوید کراچی (۸) قاری احمد میاں (۹) قاری مشرف علی تھانوی لاہور۔

عہد سعودی میں فروغ تعلیم

۱۵ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ مطابق ۲۲ اکتوبر ۱۹۲۶ء حرم شریف میں درس تدریس کا باضابطہ کام حسب فرمان شاہی جاری ہوا۔ قاضی القضاۃ الشیخ عبداللہ آل بلیہد کی سربراہی میں ایک تعلیمی کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے ارکین حسب ذیل تھے۔ الشیخ محمد کامل القصاب مدیر المعارف العموسی الشیخ بہجت البیطار مدیر المعہد الاسلامی

Marfat.com

السعودی' الشیخ عبداللہ حمدوہ السناری' مدیر الفلاح اور الشیخ آمین فودة' نائب رئیس القضاة۔ اس کمیٹی کا نام "الهيئة العلمية" رکھا گیا۔ کمیٹی حسب ذیل امور کی نگران اور ذمہ دار تھی۔

تدریس کے لئے حسن سیرت' خوش اخلاق اور لائق اساتذہ کا تقرر اور اسلامی تعلیمات میں مفید کتب کا انتخاب کرنا' ہر چند دن بعد کمیٹی کا اجلاس ہوتا تھا' جس میں اس بات کا جائزہ لیا جاتا تھا کہ درس و تدریس کے دوران معلم یا متعلم نے کسی بدعت کا ارتکاب تو نہیں کیا۔ یا ماضی کی طرح کوئی غلط رسم وجود میں تو نہیں آئی۔ اس بات کی نگرانی بھی کی جاتی تھی کہ کوئی استاد یا شاگرد بغیر کسی عذر شرعی کے درس سے غیر حاضر تو نہیں ہیں۔

اگر مذکورہ امور میں کسی امر کا مرتکب کوئی مدرس یا طالب علم پایا جاتا تو کمیٹی کا فوری طور پر اجلاس بلا کر اس کا جائزہ لیا جاتا' تحقیق و تفتیش کے بعد مناسب کارروائی عمل میں لائی جاتی۔

اس وقت مندرجہ ذیل علوم کی تدریس کا انتظام تھا مذاہب اربعہ کی فقہ' لغت العربیہ' التوحید' تفسیر' حدیث' وعظ اور ارشاد وغیرہ۔

مدرسین میں حکومت نے حسب ذیل مصری شیوخ کا تقرر کیا الشیخ عبدالظاہر ابو السمح' الشیخ محمد عبدالرزاق حمزہ' الشیخ محمد تقی الدین الہلالی اور الشیخ عبدالرحمن ابو حجر المغربی۔

۱۳۴۶ھ میں الشیخ عبداللہ بن حسن آل الشیخ کو مذکورہ کمیٹی کا سربراہ بنایا گیا۔ ۱۳۴۷ھ میں اس کمیٹی کا نام "مجلس مراقبة الدروس" رکھا گیا جو براہ راست وزارت تعلیم کے ماتحت ہو گی۔ ۱۳ محرم ۱۳۷۲ھ سرکاری طور پر اعلان کیا گیا کہ مدرسین کا تقرر اور عزل اور متعلقہ تمام امور قاضی القضاة سے باقاعدہ اجازت حاصل کر کے موقوف ہوں گے۔ اور اس بات کی کڑی نگرانی کی جاتی تھی کہ کوئی مخالف عقیدہ' بدعتی متشرع آدمی مقرر نہ ہونے پائے۔

Marfat.com

۱۸ رشوال ۱۳۷۸ھ یہ حکم صادر کیا گیا کہ قاضی القضاۃ کی باضابطہ اجازت کے بغیر نہ کوئی وعظ و تقریر کر سکتا ہے اور نہ ہی حرم شریف کے اندر درس و تدریس کر سکتا ہے۔ البتہ اس حکم کا اطلاق ان مقررین اور مدرسین پر نہیں ہوتا تھا جو فریضہ حج ادا کرنے آئے ہوتے تھے انہیں کتاب وسنت کی روشنی میں تبلیغ کی اجازت تھی۔ لیکن اگر کوئی آدمی خلاف شرع یا اسلامی تعلیمات کے خلاف کچھ بیان کرتا تو اسے حرم شریف کے سپاہی کے ذریعہ منع کیا جاتا۔

۱۳۸۵ھ تک اس طرز سے تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری رہا۔ دوسرے ممالک سے آئے ہوئے علماء کرام موسم حج میں اپنی اپنی زبان میں لوگوں کو مناسک حج کے علاوہ قرآن وحدیث کی تعلیم سے بھی بہرہ یاب کرتے' جس سے علوم اسلامی کی اشاعت وترویج میں خاصا اضافہ ہوا۔

اس وقت حرم شریف میں تعلیمی حلقے تین اقسام پر مشتمل ہیں: (۱) مختلف علوم کے طلباء کا حلقہ (۲) حفظ قرآن مجید کے طلباء کا حلقہ (۳) سرکاری انتظام پر تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کا حلقہ۔

مختلف علوم کے مدرسے ابتداء اسلام سے جاری ہیں' لیکن اس وقت تقریباً ۳۶ حلقے قائم ہیں' مگر موسم کی تبدیلی اور بعض دوسری وجوہات کے باعث ان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ اور ان میں مدرسین کی تعداد بھی اتنی ہی ہے' گویا کہ ایک استاد ایک حلقہ کی تعلیم پر تعینات ہوتا ہے۔

تعلیم کا طریقہ پڑھنے اور پڑھانے کا اپنی صواب دید سے مقرر کر لیتے ہیں' عموماً مدرس کے لئے لکڑی کا ایک منبر رکھا ہوتا ہے۔ جس کے سامنے متعلمین بیٹھتے ہیں۔ جب مدرس آتا ہے تو منبر پر بیٹھ کر پڑھاتا ہے' یا حلقہ کے درمیان میں زمین پر بیٹھ جاتا ہے۔ ابتداء قرآن مجید کی آیت یا کسی حدیث کی تلاوت سے کی جاتی ہے۔ پھر تشریح کے ساتھ پڑھانا شروع کر دیا جاتا ہے۔ طلباء کو کوئی بات سمجھ نہ آئے یا مزید تشریح طلب ہو تو استاد سے دریافت کر لیتے ہیں۔

Marfat.com

مدرسہ الحرم المکی

۱۳۸۵ھ میں حکومت سعودیہ کے زیر اہتمام سلف صالحین اور ائمہ دین کی سیرت اور تاریخ کی تعلیم کا سلسلہ بھی حرم شریف میں شروع ہوا۔ تعلیم کے اوقات صرف دن ہی میں تھے' شعبہ حفظ کی طرح رات کو مغرب کے بعد پڑھائی نہیں ہوتی تھی۔ یہ تعلیم تین مراحل میں مکمل کی جاتی تھی

المرحلۃ الاعدادیۃ	یہ نصاب تین سال کا تھا۔
المرحلۃ الثانویۃ	یہ بھی تین سال میں پورا کیا جاتا تھا۔
المرحلۃ العالیۃ	یہ نصاب چار سال میں مکمل کیا جاتا تھا۔

ان درجات کے لئے طالب علم کے لئے سعودی باشندہ ہونا ضروری تھا۔ جس کی تصدیق حکومتی نمائندہ سے کرانا ضروری تھی۔ اقامہ یا پاسپورٹ وغیرہ پر حکومت کی باقاعدہ اجازت ہونا لازمی تھا۔ اس کے بعد انٹرویو میں کامیاب ہونے والے طالب علم کو داخلہ کا اہل قرار دیا جاتا تھا' ان طلباء کو ماہوار وظائف و مراتب ملتے تھے۔ مرحلہ اعدادیہ میں ۵۰ ریال' مرحلہ ثانویہ ۲۰۰ ریال علاوہ ازیں دیگر مراعات بھی حاصل تھیں۔ اگرچہ پڑھائی کا معیار اعلیٰ تھا مگر عربی کے علاوہ جغرافیہ اور ریاضی جیسے علوم کی طرف توجہ نہیں دی جاتی تھی۔

(تاریخ التعلیم فی مکۃ عنوان معہد الحرم المکی)

Marfat.com

مدارس تحفیظ القرآن

مکہ مکرمہ اور سعودی عرب کے دیگر شہروں میں قرآنی تعلیم کا سلسلہ ایک عرصہ سے بہت ماند پڑ گیا تھا۔ مستقل مدارس اور منظم تعلیم کی شدید ضرورت تھی' اللہ تعالیٰ نے سیٹھی محمد یوسف گوجرانوالہ پاکستان کو اس مقدس سرزمین پر قرآنی علوم کی خدمت پر مامور کر دیا' جنھوں نے اپنے ملک میں قرآنی مکاتب کا جال بچھا دیا تھا' اب وہ مرکز رشد و ہدایت مکہ مکرمہ میں بھی تحفیظ القرآن کے نام سے مدارس کے قیام کے خواہاں تھے' جس میں وہ نہ صرف مالی مصارف کے لئے خطیر رقم کی پیش کش کر رہے تھے بلکہ مدرسین فراہم کرنے کی ذمہ داری بھی قبول کر لی تھی۔

یہ اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی اور شان بندہ پروری ہے کہ جس سے وہ چاہے دین کی خدمت کا کام لے لے۔ اس سے پہلے بھی مکہ مکرمہ میں قرآنی علوم وفنون کی نشر و اشاعت اور تعلیم وتعلم کا سہرا دارالعلوم دیوبند (بھارت) کے تربیت یافتہ علماء کرام کے سر سجا' جنھوں نے ''مدرسہ صولتیہ'' جیسا عالمی شہرت کا حامل ادارہ قائم کیا جس کے نور عرفاں سے ساری دنیا کے مسلمان فیض یاب ہو رہے ہیں۔ اب بھی اللہ تعالیٰ نے اس سعادت سے مسلک دیوبند کے سپوت سیٹھی محمد یوسف کو نوازا جس نے قرآنی مدارس و مکاتب کی مکہ مکرمہ میں داغ بیل ڈالی اور علم و دانش کے ایسے گلشن کی آبیاری کی جس سے نہ صرف مکہ مکرمہ اور سعودی باشندے بلکہ دنیا بھر کے مسلمان قرآنی علوم سے بہرہ یاب ہو رہے ہیں' اور یہ سلسلہ اس قدر ترقی پذیر ہوا کہ پورے ملک یعنی سعودی عرب میں ان مدارس کی شاخیں قائم ہو چکی ہیں۔

سیٹھی محمد یوسف مرحوم نے ۱۳۸۲ھ میں پاکستان کے دو مایۂ ناز قاری' القاری المقری خلیل احمد اور استاذ القراء اکبر شاہ اس مقدس خدمت کے لئے منتخب

Marfat.com

کیے۔ جو مرکز اسلام مکہ مکرمہ میں عربوں کو اللہ کا قرآن پڑھائیں گے۔

حرم محترم اور دیگر مساجد میں قائم مدارس تحفیظ القرآن یوم تاسیس ۱۳۸۲ھ سے ۱۴۰۵ھ تک مدارس کی تعداد اور طلباء کی تعداد، حلقہ جات کی تعداد اور مدرسین کی تعداد کا اجمالی خاکہ حسب ذیل ہے

سنین	تعداد مدارس	تعداد حلقہ جات	تعداد مدرسین	تعداد طلباء
۱۳۸۲-۱۳۸۷	۲۲	۳۰	۳۰	۸۰۸
۱۳۸۸	۲۵	۳۲	۳۵	۱۰۵۰
۱۳۸۹	۳۲	۴۹	۵۵	۱۹۳۰
۱۳۹۰	۳۹	۵۳	۵۹	۱۹۶۰
۱۳۹۱	۳۵	[illegible]	۶۷	۲۳۵۹
۱۳۹۲	۵۶	۸۷	۹۹	۲۷۳۰
۱۳۹۳	۵۸	۸۹	۱۰۰	۲۸۰۰
۱۳۹۴	۵۳	۱۰۳	۱۱۳	۱۹۵۰
۱۳۹۵	۵۷	۱۱۳	۱۲۳	۳۰۰۰
۱۳۹۶	۵۸	۱۱۹	۱۲۵	۳۵۰۰
۱۳۹۷	۵۸	۱۲۳	۱۳۰	۳۸۰۰
۱۳۹۸	۵۸	۱۲۵	۱۳۵	۴۰۰۰
۱۳۹۹	۵۹	۱۳۳	۱۳۹	۴۱۰۰
۱۴۰۰	۶۰	۱۳۵	۱۴۳	۴۳۰۰
۱۴۰۱	۷۰	۱۵۷	۱۷۰	۴۵۰۰
۱۴۰۲	۷۱	۱۶۲	۱۷۵	۴۶۰۰
۱۴۰۳	۷۱	۱۷۳	۱۸۰	۴۷۰۰
۱۴۰۴	۸۹	۱۸۵	۱۹۰	۴۹۰۰

Marfat.com

۱۳۰۵	۹۶	۱۹۳	۴۰۳	۵۵۸۱
۱۳۰۶	۱۱۰	۲۱۳	۲۲۳	۵۷۶۸
۱۳۰۷	۱۲۸	۲۳۳	۲۳۳	۶۰۰۷
۱۳۰۸	۱۳۵	۲۳۷	۲۶۰	۷۰۵۰
۱۳۰۹	۱۳۳	۲۶۵	۲۸۰	۷۵۰۰
۱۳۱۰	۲۳۶	۲۶۵	۳۸۹	۱۰۳۵۶
۱۳۱۱	۲۹۳	۳۷۶	۳۵۰	۱۲۲۵۹
۱۳۱۲	۲۷۵	۳۳۵	۳۸۵	۱۵۲۰۰
۱۳۱۳	۳۰۵	۳۷۴	۵۳۸	۱۸۵۰۰
۱۳۱۴	۳۱۴	۵۳۰	۵۷۵	۴۰۰۰۰
۱۳۱۵	۳۴۳	۵۶۰	۶۰۸	۴۲۰۰۰

(معاہد تحفیظ القرآن الکریم بمکۃ المکرمۃ، ص ۵۵،۵۴)

Marfat.com

مدارس البنات

مدرسہ صولتیہ کے زیر اہتمام بچیوں کی تعلیم کا بھی انتظام تھا۔ جس کا آغاز ۱۳۶۵ھ کو کر دیا گیا تھا۔ اگرچہ اس وقت بچیوں کو صرف ابتدائی تعلیم دی جاتی تھی' لیکن اس وقت تک مکہ مکرمہ میں بچیوں کے مدارس کا رواج ہی نہیں تھا' جیسا کہ شیخ مسعود سلیم لکھتے ہیں

"لم تکن فی المکة مدرسة منظمة سوا هاد الحمدلله"

(المنهل ص ۱۵۸، ۱۹۸۹ء)

مدارس تحفیظ للبنات کو اس قدر پذیرائی حاصل ہوئی کہ مختصر عرصہ میں مکہ مکرمہ میں کتنے ہی مدارس معرض وجود میں آ گئے۔ بچیوں کی علمی دلچسپی اور ذوق میں ایسا قابل رشک اضافہ ہوا کہ ۱۴۱۵ھ میں مکہ مکرمہ میں بچیوں کے مدارس کی تعداد ۱۱۳ ہو چکی تھی۔ (جماعۃ تحفیظ القرآن الکریم بمکۃ المکرمہ ص ۳۱۵ تا ۳۲۰)

جن میں ۳۹۳ معلمات تعلیمی خدمات انجام دینے کے لئے تعینات تھیں۔

اور صرف ایک سال یعنی ۱۴۱۵ھ میں ۳۲۶ طلبات نے مکمل حفظ قرآن کیا' جن میں حسب ذیل مختلف ممالک کی طالبات تھیں مصر' الجزائر' حضر موت' ہندوستان' پاکستان' بنگلہ دیش' برما' نائجیریا' موریتانیہ' یمن' سعودی عرب' صومالیہ' برتونی' سیرالیون بورکینا اور افغانستان وغیرہ۔ (جماعۃ تحفیظ القرآن الکریم بمکۃ المکرمہ ص ۳۱۵ تا ۳۲۰)

Marfat.com

مدارس علوم جدیدہ

مکہ معظمہ میں علوم شرعیہ کے مدارس کے علاوہ علوم جدیدہ کے لیے مستقل مدارس کا سلسلہ مرکزی وزارت تعلیم کے تحت شروع ہوا۔ اگرچہ قدیم دینی مدرس میں مذہبی تعلیم کے ساتھ دنیوی ضروری تعلیم کا معقول انتظام تھا' لیکن ملکی اور انتظامی ضروریات کے پیش نظر علوم جدیدہ کے علیحدہ مدارس بھی قائم کر دیئے گئے۔ بایں ہمہ ان مدارس میں بھی دینی علوم کو فوقیت حاصل ہے۔

ابتدا میں پرائمری اسکول تین سالہ کورس پر مشتمل ہوتا تھا اس کے بعد مزید چار سال دوسرے مدرسہ میں تعلیم حاصل کی جاتی ہے۔ جبکہ سال دس ماہ کا شمار ہوتا تھا' جو تکلیمیہ اور ابتدائیہ کے نام سے موسوم تھے۔ اس طرح کا پہلا مدرسہ ۱۳۳۰ھ میں شریف حسین بن علی نے مسعی میں جاری کیا تھا۔ جس میں تین سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد جبل ہندی میں واقع مدرسہ راقیہ میں دو سال کے لئے داخلہ دیا جاتا تھا۔ یہ مدرسہ عہد سعودی تک قائم رہا۔

۱۳۴۴ھ میں مدارس کا علمی معیار بلند کرنے کی غرض سے نصاب میں جدت پیدا کی گئی۔ علوم دینیہ کے علاوہ تاریخ' جغرافیہ' ریاضی' انگریزی اور دیگر ضروری علوم بھی شامل کر لئے گئے۔ ۱۳۵۵ھ میں مدارس کی تفصیل اس طرح تھی

۱۔ المدرسة الابتدائيه والتحضيريه :

محلہ شامیہ میں ''مدرۃ العزیزیہ'' ملک عبدالعزیز کے نام سے موسوم تھا۔

۲۔ المدرسة الابتدائيه والتحضيريه:

معلاء میں ''مدرسہ السعودیہ'' کے نام سے۔

۳۔ المدرسة الابتدائيه والتحضيريه:

محلہ شبیکہ' شاہ فیصل کے نام سے ''مدرسہ الفیصلیہ''۔

Marfat.com

٤۔ المدرسة الابتدائية والتحضيرية:

مسفلہ میں مدرسہ رحمانیہ کے نام سے۔

٥۔ المدرسة التحضيرية:

معابدہ میں مدرسہ محمدیہ جو امیر محمد بن عبدالعزیز کے نام سے منسوب ہے۔

٦۔ المدرسة خالدية:

جرول میں قائم ہوا۔

ان مدارس میں اساتذہ کی مجموعی تعداد ۳۵ اور طلباء کی تعداد ۱۴۹۲ تھی۔

۱۳۶۸ھ اور ۱۳۷۳ھ کے درمیان مدرسہ سعدیہ ناصریہ منصوریہ شعب مشعلی اور تحفیظ القرآن محلہ شامیہ میں ۱۳۴۷ھ میں مطوفین کو مناسک حج، عبادات اور توحید کی تعلیم دینے کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا گیا مگر یہ زیادہ عرصہ تک نہ چل سکا اور ختم ہوگیا۔

۱۳۳۵ھ میں ایک مدرسہ جاری ہوا جس میں مغرب اور عشاء کے بعد ایک ایک گھنٹہ پڑھائی ہوتی تھی۔ اس میں وہ لوگ تعلیم حاصل کرتے تھے جو دن بھر ملازمت یا دیگر معاش کاموں میں مصروف رہتے تھے۔ اس مدرسہ میں قرآن مجید تجوید کے ساتھ دیگر دینی کتب املاء حساب قراءۃ قواعد عربیہ خطابت مسک الدفاتر تقدیم البلدان سنن الکائنات اخلاق اور فرانسیسی زبان کی تعلیم دی جاتی تھی۔

مدرسہ دار الفائزین:

۱۳۰۴ھ میں شیخ عبدالخالق محمد حسنی بنگالی نے محلہ مسفلہ میں قائم کیا اس میں قرآن مجید کے علاوہ ابتدائی کتب پڑھائی جاتی تھیں

مدارس الفلاح:

۱۳۳۰ھ میں الحاج محمد علی زینل کے محلہ قشاشیہ میں جاری کیا بعد میں محلہ حارۃ الباب میں اور پھر محلہ شبیکہ میں منتقل ہوگیا۔ ثقافت اسلامیہ عربی کتب کی تصانیف اور علم وثقافت میں برتری اور تفوق کا حصول اس کی خصوصیات تھیں جس کی

Marfat.com

وجہ پہلے ہی سال ۱۲۰۰ طلباء نے داخلہ حاصل کیا' حتیٰ کہ ۱۳۵۵ھ میں ۱۳۰۰۰ طلبا کی تعداد تھی' اس کی منتظمہ کمیٹی حسب ذیل افراد پر مشتمل تھی۔

رئیس الحاج محمد علی زینل' شیخ مصطفیٰ المیلادی' شیخ عبدالروف مجوم' شیخ محمد حامد احمد' شیخ یحییٰ محمد صالح سیم اور شیخ محمد عطاء اللہ فاروقی ہندی۔ اس دارالعلوم کے چار مراحل تھے۔

پہلا مرحلہ یوم تاسیس ۱۳۴۰ھ سے ۱۳۵۵ھ تک۔ دوسرا ۱۳۵۶ھ سے ۱۳۶۱ھ تک۔ تیسرا ۱۳۶۲ھ سے ۱۳۷۱ھ تک' اور چوتھا ۱۳۷۲ھ سے ۱۳۹۲ھ تک۔ ان تمام مراحل میں تعلیمی کوائف حسب ذیل تھے۔

تعلیم چار درجات میں منقسم تھی۔ تحضیریہ' ابتدائیہ' متوسطہ اور اخیرہ۔ ہر ایک درجہ تین سالہ کورس پر مشتمل تھا۔

تحضیریہ میں ابتداء قرآن مجید' املاء' خط اور حساب کی تعلیم دی جاتی تھی۔ مگر ۱۳۴۹ھ میں فقہ' توحید اور مطالعہ کتب بھی شامل کر دیا گیا تھا۔

ابتدائیہ : اس درجہ میں صرف' نحو' سیرت النبویؐ' حدیث' فقہ' توحید' تجوید' املا' خط' حساب اور قرآن مجید۔

متوسطہ میں علوم دینیہ میں تفسیر' حدیث' فقہ' توحید اور سیرت النبویؐ' لغت عربی میں صرف' نحو' علم بلاغت' انشاء اور محفوظات۔ علاوہ ازیں تاریخ' جغرافیہ' مواد اجتماعیہ' علم ریاضی' ہندسہ' حساب اور مسلک الدفاتر۔

اخیرہ درجہ میں تفسیر' حدیث' فقہ' فرائض' اصول فقہ' لغت' صرف' نحو' بلاغت' انشاء' جغرافیہ' ریاضی' ہندسہ' الجبرا اور مسک الدفاتر۔ اس درجہ میں ۱۳۶۷ھ میں طب اور انگریزی بھی شامل کر دی گئی تھی۔ اس دارالعلوم کا کتب خانہ پانچ ہزار کتب پر مشتمل تھا۔ لیکن بعض وجوہات کی بنا پر دو سال تعطل کے بعد ۱۳۶۷ھ تو دوبارہ جاری ہوا' اور طلباء کو دو جنیہ ماہوار وظیفہ مقرر ہوا۔

۱۳۵۲ھ میں وزارت تعلیم نے اسے قضاۃ الشرعیہ کا درجہ دے دیا' جس

Marfat.com

میں علوم دینیہ کے ساتھ لغت العربیہ اصول محاکمات اور مرافعات کی تعلیم بھی شروع کر دی گئی۔ یہ ایک سالہ کورس تھا' الشیخ ابراہیم الشوری' شیخ محمد شادی' سید محمد شطا اور شیخ محمد عبدالرزاق تدریس کی خدمت سرانجام دیتے تھے۔

۱۳۶۶ھ میں اس کا عرصہ تعلیم تین سال سے بڑھا کر پانچ سال کر دیا' تاکہ اس کے فضلاء اپنے فن میں مہارت تامہ حاصل کر سکیں۔ ابتدا میں یہ دارالعلوم فندق کعکی کے قریب محلہ جیاد میں واقع تھا' لیکن ۱۳۵۸ھ میں جبل ہندی پر نئی عمارت میں منتقل ہو گیا تھا۔ ۱۳۶۶ھ میں تخصص کے درجات کا اجرا بھی ہو گیا۔ مثلاً علوم شرعیہ' لغت العربیہ' علوم الاجتماعیہ' ریاضی اور انگریزی۔

مدرسہ تحضیر البعثات:

۱۳۵۵ھ میں ایک ایسا دارالعلوم قائم کیا گیا جس میں علوم دینیہ کے ساتھ کلیۃ الطب' کلیۃ الہندسہ' کلیۃ الزراعۃ اور اعلیٰ فنون وصناعت کی بلند پایہ تعلیم کا انتظام کیا گیا تھا۔ یہ مدرسہ محلہ مسفلہ میں واقع تھا۔ اس میں پڑھائی محرم ۱۳۵۶ھ سے شروع ہوئی تھی' ابتدا میں اس کا تعلیمی عرصہ تین سال تھا' لیکن ۱۳۶۴ھ میں اسے دو مرحلوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ پہلا مرحلہ تین سال اور دوسرا دو سال کا تھا۔ اسی سال تعلیم کو علمی اور ادبی دو درجات میں تقسیم کر دیا۔ ۶۶-۱۳۶۷ھ کے تعلیمی سال میں عام علوم میں سات طلبا کو سندات دی گئیں اور علم ادب میں ۹ طلبا فارغ ہوئے۔

مدرسہ رحمانیہ:

۱۳۷۰ھ میں حکومت کی جانب سے استاد عبداللہ الساسی اور استاد محمد فدا کے زیر نگرانی مدرسہ رحمانیہ شروع ہوا' جس میں صرف تین جماعتیں تھیں' البتہ ۱۳۷۸ھ میں چند جماعتوں کا اضافہ ہو گیا تھا۔

مدرسہ التجاریہ:

ربیع الاول ۱۳۷۲ھ میں وزارت تعلیم کی طرف سے یہ مڈل سکول جاری ہوا جس میں تین سالہ کورس پڑھایا جاتا تھا۔ اعمال التجاریہ' حساب تجارت' ٹائپ رائٹر

Marfat.com

اقتصادیات' لغت انگریزی' لغت عربی' علوم دینیہ اور تجارتی خط و کتابت وغیرہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس کے فضلاء بنکوں اور کمپنی میں ملازمت اختیار کر لیتے تھے۔

مدارس لیلیہ:

۱۳۵ھ میں وزارت تعلیم نے ایسے متعدد سکول کھولے تھے جن میں رات کے وقت تعلیم دی جاتی تھی' یہ مدارس معلاء' صفا اور حارث الباب میں واقع تھے' لیکن ۶ رجب ۱۳۵۶ھ میں ایسا مدرسہ بھی جاری کیا گیا جس میں انگریزی کی تعلیم بھی دیگر علوم کے ساتھ حاصل کرنے کا انتظام تھا۔ اس کے پہلے مدرس عبدالقادر دمنی تھے' لیکن ان کے وصال کے بعد تقریباً دو سال تک مدرسہ بند رہا۔ پھر ۱۳۶۸ھ میں استاد عبداللہ الساسی کی نگرانی میں مدرسہ رحمانیہ کے زیر اثر دوبارہ جاری ہوا۔ اس میں صرف نماز مغرب اور عشاء کے درمیان پڑھائی ہوتی تھی۔

اس کا تعلیمی معیار بہت بلند تھا اور اسے خاصی ترقی حاصل ہوئی' چنانچہ اس کی بہتر کارکردگی کے باعث ۱۳۶۹ھ میں ہر طالب علم کا ۶۰ ریال ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا گیا۔ اس طرح اہل مکہ نے عربی کے ساتھ ساتھ انگریزی میں بھی مہارت حاصل کر لی۔ ۱۳۵۹ھ میں سید احمد عربی نے محلہ قرارہ' محلہ بجلہ اور جرول میں تین مدارس مساجد میں شروع کئے۔

۱۳۸۶ھ میں کمیٹی نے حضرات المعارف سے درخواست کی کہ طلباء کی نگہداشت کا سرکاری طور پر انتظام کیا جائے' جس کے جواب میں وزارت المعارف نے مکہ مکرمہ میں وزارت تعلیم کا ایک نائب مقرر کر دیا۔

ان مدارس میں قرآن مجید حفظ کرنے والے طلباء کی تعداد حسب ذیل ہے:

۱۳۸۷ھ	۱۸ طلبا
۱۳۸۸ //	۱۲ //
۱۳۸۹ //	۲۳ //

اس کے علاوہ مذکورہ کمیٹی نے حفاظ کرام سے رمضان المبارک میں مختلف

Marfat.com

مساجد میں قرآن مجید تراویح میں سنانے کا پروگرام بھی بنایا۔ چنانچہ چند سالوں میں سینکڑوں حفاظ نے متعدد مساجد میں یہ خدمت انجام دی:

۱۳۸۶ھ میں ۳۷ حفاظ نے ۲۵ مساجد میں قرآن مجید سنایا۔

۱۳۸۷ // ۷۴ // ۴۲ // // // //

۱۳۸۸ // ۱۵۳ // ۷۷ // // // //

۱۳۸۹ // ۱۹۴ // ۸۶ // // // //

حفظ کے ساتھ تجوید پڑھانے کا انتظام بھی کیا گیا تا کہ الفاظ کی ادائیگی صحیح طور پر ہو سکے۔

اس سے پہلے لڑکیوں کو قرآنی تعلیمات سے فیض یاب کرنے کا کوئی انتظام نہیں تھا' لیکن ۲۰ محرم ۱۳۸۸ھ میں پہلا مدرسہ شروع کیا گیا' اور ایک سال کے قلیل عرصہ میں مکہ مشرفہ میں لڑکیوں کے دس مدارس قائم ہو گئے۔

(تاریخ التعلیم فی المکہ عنوان حلقات تحفیظ القرآن)

Marfat.com

مکہ مکرمۃ زادھا اللہ تشریفاً و تعظیماً مسلمانانِ عالم کی توجہ کا مرکز اور قبلہ ہے۔ جس کے ساتھ ان کی ایمانی، مذہبی، ملی، تاریخی اور تمدنی یادیں وابستہ ہیں۔ اسی تعلق و قرابت کے پیشِ نظر ہر مسلمان کی خواہش کی آماجگاہ اس کے بارے معلومات کا ذخیرہ ہے۔

زیرِ نظر کتاب اردو زبان میں اس موضوع پر سب سے زیادہ جامع اور مستند کتاب ہے۔ کیونکہ یہ نامور متقدمین مورخین کی کتب سے مکمل استفادہ کرتے ہوئے ترتیب دی گئی ہے۔

زیرِ نظر کتاب کے پہلے حصے میں مکہ معظمہ کی تہذیبی، تمدنی، ارتقائی، اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی تاریخ سے متعلق تفصیلی بحث موجود ہے۔ جبکہ کتاب کے دوسرے حصہ میں حرم کعبہ اور اس کے ملحقات کی چار ہزار سالہ نادر تاریخی دستاویزات رقم کی گئی ہیں۔ اور تیسرے حصہ میں مکہ مکرمہ رائج نظام تعلیم، مدارس، زراعت اور صنعت پر سیر حاصل ابحاث ہیں۔

ہر بحث مستند حوالہ جات سے مزین کی گئی ہے۔ آیئے اس سدا بہار گلزار کے روح پرور تذکرے سے اپنے ایمان کو تازہ کریں۔

جس کے ایمان افروز، روح پرور، فرحت انگیز اور نشاط آفرین تذکرے سے دلوں کو جلا، روح کو کیف و سرور اور ایمان کو تروتازگی کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ اپنی افادیت کے پیشِ نظر کتاب مذکور ہر مسلمان کی مطمع نظر اور اس کی لائبریری کی شان ہے۔

مکتبہ رحمانیہ

اقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
فون 042-7224228-7355743
فیکس 042-7221395

Marfat.com